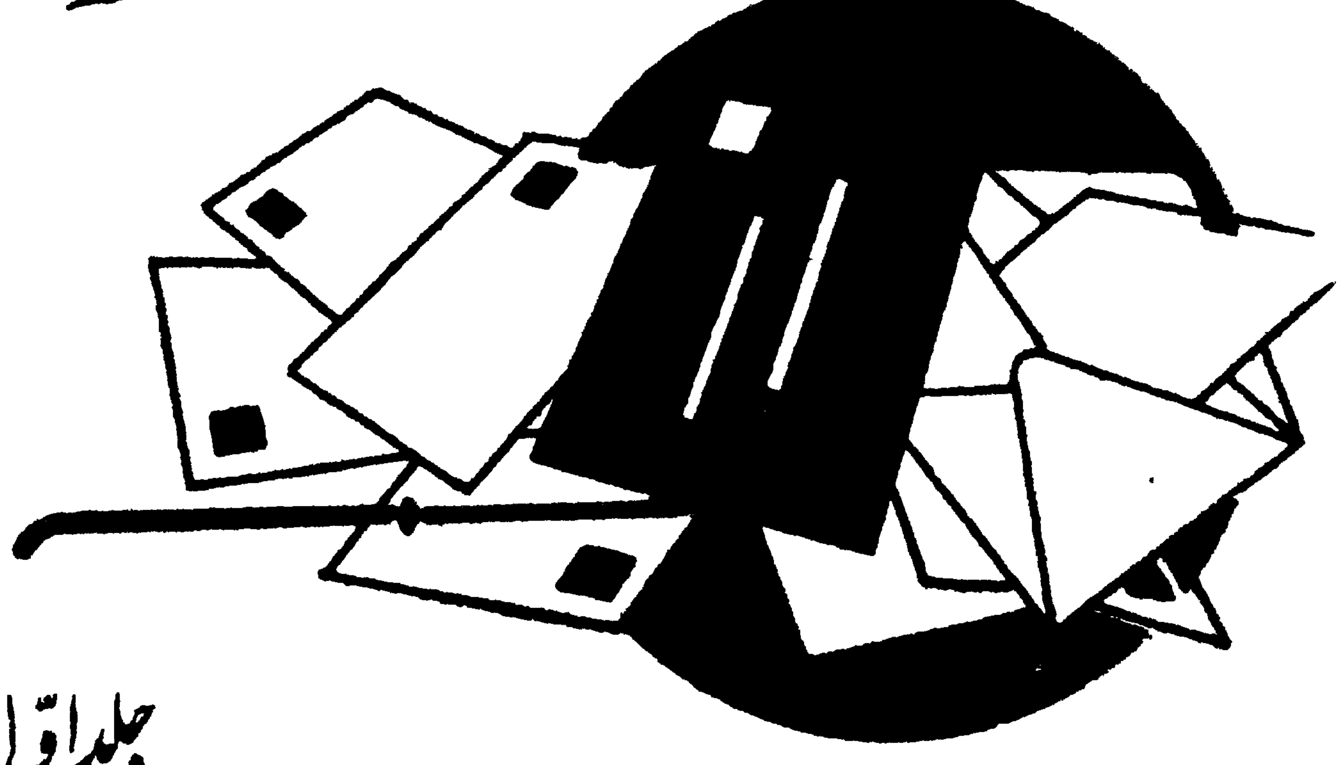
نقوش



جلد اوّل

مکاتیب نمبر

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ

نقوش لاہور

مکاتیب نمبر

۶۵، ۶۶

نومبر ۱۹۵۷ء

مرتب

محمد طفیل

سالانہ قیمت
۲۰ روپے

موجودہ شمارہ
۱۰ روپے

ادارہ فروغ اردو (ایبک روڈ، انارکلی) لاہور

محمد طفیل پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر نے نقوش پریس لاہور میں چھپوا کر ادارہ فروغ اردو ایبک روڈ لاہور سے شائع کیا

۱۳ — اکبرالہ آبادی	۱۶ خطوط	۱۹۹	مولوی بشیرالدین، ۸	محمد دین فوق، ۴	نواب سیدعلی حسن، ۱
			نامعلوم، ۳		
۱۴ — شاد عظیم آبادی	۱۰ خطوط	۲۰۵	پروفیسر محمد مسلم، ۷	شاہ سلیمان پھلواری، ۱	سید وصی احمد خاں بلگرامی، ۲
۱۵ — مولانا عبدالحلیم شرر	۱۰ خطوط	۲۱۴	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، ۱	سید ہمایوں مرزا، ۲	نواب سیدعلی حسن، ۲
			مولوی سید ممتاز علی، ۱	احسن مارہروی، ۱	مہاراجہ کشن پرشاد، ۱
			ڈاکٹر محی الدین زور، ۱	نامعلوم، ۱	
۱۶ — ڈاکٹر سید محمود	۳ خطوط	۲۲۱	نواب وقارالملک، ۱	حسین عطاءاللہ، ۱	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، ۱
۱۷ — رسا رامپوری	۱۷ خطوط	۲۲۶	احسن مارہروی، ۱۷		
۱۸ — سید احمد دہلوی	۷ خطوط	۲۲۹	مدارالمہام، ۱	صفدر علی خوش نویس، ۲	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، ۳
			مہاراجہ کشن پرشاد، ۱		
۱۹ — ریاض خیرآبادی	۹ خطوط	۲۳۴	احسن مارہروی، ۴	دل شاہجہانپوری، ۲	سید شاہد علی، ۱
			چودھری فتح محمد شیفتہ، ۱	جگر، ۱	
۲۰ — غلام قادر گرامی	۶ خطوط	۱۵۱	نواب عمادالملک بہادر، ۱	دتاتریہ کیفی، ۳	نواب حسن علی خاں، ۲
۲۱ — سید امداد امام اثر	۳ خطوط	۲۵۶	احسن مارہروی، ۱	سید ہمایوں مرزا	محمد دین فوق، ۱
۲۲ — نظم طباطبائی	۶ خطوط	۲۵۹	مولوی ضیا احمد بدایونی، ۱	صغریٰ ہمایوں، ۴	مہاراجہ کشن پرشاد، ۱
۲۳ — حبیب الرحمٰن	۸۷ خطوط	۲۶۲	سید مخدوم عالم، ۴	مولانا حالی، ۱	نواب وقارالملک، ۱
			نواب رفعت یار جنگ، ۴	نواب سیدعلی حسن، ۱	علامہ عبدالعزیز میمن، ۱
			ڈاکٹر محی الدین زور، ۳	مفتی شیر علی، ۲	نصیرالدین ہاشمی، ۴
			ضیا احمد بدایونی، ۱	امتیاز علی عرشی، ۱۴	نواب شمس الحسن، ۱
			ڈاکٹر سید محمود، ۱	کیفی چریاکوٹی، ۱	مالک رام، ۱۱
			غلام یزدانی، ۱	طاہر فاروقی، ۱	ہمایوں مرزا، ۱
			نامعلوم، ۷		
۲۴ — علامہ اقبال	۴۹ خطوط	۲۹۳	محمد دین فوق، ۱۷	محمد امین زبیری، ۱	منشی سراج دین، ۳
			میر خورشید احمد، ۷	نصیرالدین ہاشمی، ۲	میر حسن الدین، ۱
			تمکین کاظمی، ۳	غلام رسول مہر، ۱۰	رشید احمد صدیقی، ۱
			مولانا محمد عرفان، ۱	مولوی عبدالحق، ۱	سید مبارک علی شاہ جیلانی، ۱
			نامعلوم، ۱		
۲۵ — سرعبدالقادر	۳۳ خطوط	۳۱۸	مولوی بشیرالدین، ۳	مولوی حبیب الرحمٰن، ۶	ڈاکٹر اقبال ۱۰
			مولانا عبدالعزیز، ۱	سید ہمایوں مرزا، ۲	ڈاکٹر محی الدین زور، ۷
			صوفی غیرت قادری، ۲	بشیرالنسا بیگم، ۱	آغا صادق، ۷
			تمکین کاظمی، ۱	نصیرالدین ہاشمی، ۱	نامعلوم، ۱
۲۶ — مولانا محمد علی جوہر	۱۰ خطوط	۳۳۶	نواب سیدعلی حسن، ۱	غلام رسول مہر، ۲	مولانا شوکت علی، ۲
			مولوی محمود احمد عباسی، ۱	غلام بھیک نیرنگ، ۱	اکبرالملک بہادر، ۱
			مولوی محمد عرفان، ۱	نامعلوم، ۱	
۲۷ — مولانا شوکت علی	۴ خطوط	۳۴۷	غلام رسول مہر، ۳	نامعلوم، ۱	

ترتیب

علم و ادب میں خطوط کا درجہ — غلام رسول مہر، ۱۱
اردو خط نگاری — ڈاکٹر سید عبداللہ، ۱۴
اردو کے منفرد مکتوب نگار — مالک رام، ۳۹
مشاہیر ادب (سوانح) — محمد عبداللہ قریشی، ۹۲۱

مکتوب نگار	تعداد	صفحہ	مکتوب الیہ		
- غالب دہلوی	۸ خطوط	۱۰۵	چودھری عبدالغفور سرور، ۱	ذکی دھلوی، ۱	نواب امین الدین خاں، ۲
			عزیز اللہ شاہ عزیز، ۲	نواب علاؤالدین خاں علائی، ۱	نامعلوم، ۱
- سرسید احمد خاں	۱۶ خطوط	۱۱۱	سید حبیب اللہ، ۱	نواب سید علی حسن، ۱۴	محمد عبدالسلام، ۱
- محمد حسین آزاد	۵ خطوط	۱۲۱	محمد نوح رضوی، ۱	میجر حسن، ۲	نامعلوم، ۲
- امیر مینائی	۱۴ خطوط	۱۲۴	منشی محمد عسکری وسیم، ۲	مرزا داغ دہلوی، ۱	دل شاہجہانپوری، ۸
			منشی امتیاز احمد خاں، ۲	احسن مارہروی، ۱	
- داغ	۴ خطوط	۱۳۰	نواب حسن علی خاں، ۲	لقمان الدولہ دلّی، ۲	
- منشی ذکاء اللہ	۲ خطوط	۱۳۲	مولانا محمد حسین آزاد، ۱	نواب محسن الملک، ۱	
- ڈپٹی نذیر احمد	۷ خطوط	۱۳۴	نواب سید علی حسن، ۲	مولوی بشیرالدین احمد، ۴	نواب محسن الملک، ۱
- مولانا حالی	۲۶ خطوط	۱۳۷	نواب محسن الملک، ۱	مولوی عبدالرحیم خاں، ۱	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، ۱۲
			نواب سید علی حسن، ۲	مولوی بشیرالدین، ۲	عبداللہ حسینی حریت، ۱
			مولوی قمر علی، ۱	سید افتخار عالم، ۱	نامعلوم، ۵
- نواب محسن الملک	۲۳ خطوط	۱۴۹	منشی ذکاء اللہ، ۱	سید احمد دہلوی، ۱	مولوی بشیرالدین، ۱۲
			نواب سید علی حسن، ۲	مولوی نظام الدین حسن، ۱	نواب افسرالدولہ بہادر، ۱
			نواب وقارالملک، ۱	منشی منصب علی، ۱	نامعلوم، ۳
۱۰ - نواب وقارالملک	۱۹ خطوط	۱۶۵	سر آسمان جاہ، ۱	مولوی حسین عطاء اللہ، ۱	سرسید احمد خان، ۱
			نواب سید علی حسن، ۲	مولوی بشیرالدین، ۷	حکیم محمد عبدالسلام، ۱
			سید افتخار عالم، ۳	نواب محسن الملک، ۱	محمد یونس، ۱
			منشی محمد محمود شاہ، ۱		
۱۱ - جلال لکھنوی	۲ خطوط	۱۷۹	نواب وقارالملک، ۱	شاہ زین الدین، ۱	
۱۲ - شبلی نعمانی	۴۴ خطوط	[illegible]	مفتی شیر علی، ۱۴	مولوی بشیرالدین، ۹	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، ۱۵
			مولوی عبدالحق، ۱	نواب سید علی حسین خاں، ۵	وقارالملک، ۱
			سید ہمایوں مرزا، ۱	سید افتخار عالم، ۱	

			بشیرالنسا بیگم، ۲	محی الدین زور، ۳	مولوی وحید احمد، ۴
			شفا گوالیاری، ۱	خواجہ حمید الدین شاہد، ۱	شاہ سلیمان پھلواری، ۱
			سید ہمایوں مرزا، ۴	نصیر الدین ہاشمی، ۲	
۴۸ – دتاتریہ کیفی	۲۱ خطوط	۵۲۵	محمد دین فوق، ۴	شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی، ۱	طاہر فاروقی، ۴
			آغا محمد صادق، ۱	امتیاز علی عرشی، ۵	حبیب کیفوی، ۱
			مختار الدین آرزو، ۳	شفا گوالیاری، ۱	دل محمد فضا، ۱
۴۹ – مناظر احسن گیلانی	۱۶ خطوط	۵۴۳	سید الطاف علی بریلوی، ۱	محی الدین زور، ۵	محمد وارث کامل، ۳
			مظہر احسن گیلانی، ۱	سید انوار اعظم، ۱	مولانا محمد عون، ۱
			پروفیسر شیو موہن لعل، ۱	نصیر الدین ہاشمی، ۳	
۵۰ – سجاد حیدر یلدرم	۸ خطوط	۵۵۶	جلیل قدوائی، ۸		
۵۱ – عظمت اللہ خاں	۵ خطوط	۵۶۱	تمکین کاظمی، ۵		
۵۲ – سر راس مسعود	۹ خطوط	۵۶۶	محمد امین زبیری، ۱	کیفی چریاکوٹی، ۱	نصیر الدین ہاشمی، ۴
			مولوی عبدالحق، ۱	مہاراجہ کشن پرشاد، ۱	رفعت یار جنگ، ۱
۵۳ – مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی	۵ خطوط	۵۷۰	دل شاہجہانپوری، ۵		
۵۴ – خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی	۱ خط	۵۷۳	محمد دین فوق، ۱		
۵۵ – مفتی کفایت اللہ	۳ خطوط	۵۷۶	غلام رسول مہر، ۲	دل محمد فضا، ۱	
۵۶ – عبدالرحمٰن بجنوری	۳ خطوط	۵۷۹	مولوی عبدالحق، ۳		
۵۷ – منشی پریم چند	۲۸ خطوط	۵۸۴	امتیاز علی تاج، ۲۷	مولوی عبدالحق، ۱	
۵۸ – اصغر گونڈوی	۹ خطوط	۶۰۱	کیفی چریاکوٹی، ۱	محی الدین زور، ۷	ضیا احمد بدایونی، ۱
۵۹ – حسرت موہانی	۱۱ خطوط	۶۰۷	نشاط النسا بیگم، ۱۰	مولوی بشیر الدین، ۱	
۶۰ – وحشت کلکتوی	۱۲ خطوط	۶۱۵	وفا راشدی، ۱۰	شفا گوالیاری، ۱	طاہر فاروقی، ۱
۶۱ – پروفیسر محفوظ الحق	۱۹ خطوط	۶۲۲	نصیر الدین ہاشمی، ۳	مختار الدین آرزو، ۱۴	سید الطاف علی بریلوی، ۱
			نامعلوم، ۱		
۶۲ – منشی مہیش پرشاد	۲۸ خطوط	۶۳۴	سید مسعود حسن رضوی، ۱	محی الدین زور، ۶	مالک رام، ۱۴
			نصیر الدین ہاشمی، ۱	مختار الدین آرزو، ۶	
۶۳ – شاداں بلگرامی	۷ خطوط	۶۵۰	آغا صادق حسین، ۵	سید دل محمد فضا، ۱	عبدالصمد صارم، ۱
۶۴ – سیماب اکبرآبادی	۱۴ خطوط	۶۶۵	منشی محمد دین فوق، ۴	محمد عبداللہ قریشی، ۲	نثار اٹاوی، ۳
			ظفر الحق، ۱	شفا گوالیاری، ۴	
۶۵ – فرحت اللہ بیگ	۷ خطوط	۶۷۴	محی الدین زور، ۴	نصیر الدین ہاشمی، ۱	بشیر النسا بیگم، ۱
			غلام یزدانی، ۱		
۶۶ – فانی بدایونی	۷ خطوط	۶۷۷	میکش اکبرآبادی، ۱	حکیم مختار احمد، ۵	الطاف علی بریلوی، ۱
۶۷ – آرزو لکھنوی	۵ خطوط	۶۸۱	محمد علی اثر رامپوری، ۳	سید مسعود حسن رضوی، ۱	شفا گوالیاری، ۱
۶۸ – محمود شیرانی	۷ خطوط	۶۸۵	محی الدین زور، ۱	ڈاکٹر سید عبداللہ، ۶	
۶۹ – تاجور نجیب آبادی	۱۳ خطوط	۶۹۱	مہاراجہ کشن پرشاد، ۲	شاکر صدیقی، ۶	محمد افتخار الحسن، ۲
			محی الدین زور، ۳		

سرکشن پرشاد	۱۳ خطوط	۳۷۱	عماد الملک ، ۶	نصیر حسین خیال ، ۴	خواجہ حسن نظامی ، ۱
			بے نظیر شاہ ، ۱	نواب اکبر الملک ، ۱	
بیخود بدایونی	۳ خطوط	۳۷۸	مولانا احسن مارہروی ، ۳		
خواجہ عشرت لکھنوی	۲ خطوط	۳۸۱	مولانا احسن مارہروی ، ۲		
راشد الخیری	۴ خطوط	۳۸۳	مولوی سید ممتاز علی ، ۳	سید امتیاز علی تاج ، ۱	
حکیم اجمل خاں	۶ خطوط	۳۸۶	نواب وقار الملک ، ۱	نواب محسن الملک ، ۱	مولانا شوکت علی ، ۱
			غلام رسول مہر ، ۱	نواب سید علی حسن ، ۱	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی ، ۱
سائل دہلوی	۱۴ خطوط	۳۹۰	احسن مارہروی ، ۵	سید افتخار عالم ، ۱	سید ہمایوں مرزا ، ۱
			دل شاہجہانپوری ، ۳	دتاتریہ کیفی ، ۱	نواب میر حسن علی ، ۱
			دل محمد فضا ، ۱	اعجاز سکندر نازش ، ۱	
محمد دین فوق	۹ خطوط	۳۹۹	محمد عبد اللہ قریشی ، ۹		
ڈاکٹر انصاری	۳ خطوط	۴۰۴	مولوی محمد عرفان ، ۱	نامعلوم ، ۲	
غلام بھیک نیرنگ	۸ خطوط	۴۰۷	سید ممتاز علی ، ۱	فخر یار جنگ بہادر ، ۱	حکیم محمد اسحٰق حقانی ، ۶
سر تیج بہادر سپرو	۳ خطوط	۴۱۷	طاہر فاروقی ، ۱	مولوی عبد الحق ، ۱	نصیر الدین ہاشمی ، ۱
آغا شاعر قزلباش	۱۰ خطوط	۴۱۹	مہاراجہ کشن پرشاد ، ۵	بسمل دہلوی ، ۱	آغا آفتاب علی ، ۱
			سیکرٹری اُردو کانفرنس ، ۲	صادق حسین عبار ، ۱	
ظفر الملک	۱۲ خطوط	۴۲۵	سید افتخار عالم ، ۱	پروفیسر محمد مسلم ، ۲	سید الطاف علی بریلوی ، ۱
			جلیل قدوائی ، ۱	محمد دین فوق ، ۱	محمد اظہار الحسن ، ۶
احسن مارہروی	۲۶ خطوط	۴۳۵	مولوی بشیر الدین ، ۱	محمد دین فوق ، ۶	محمد اظہار الحسن ، ۵
			دل شاہجہانپوری ، ۳	منشی مہیش پرشاد ، ۱	سید الطاف بریلوی ، ۱
			تمکین کاظمی ، ۳	خواجہ حمید الدین احمد ، ۱	ڈاکٹر محی الدین زور ، ۵
صفی لکھنوی	۱۱ خطوط	۴۵۵	محمد کبیر رسا جالندھری ، ۶	دل شاہجہانپوری ، ۳	طاہر فاروقی ، ۲
دیا نرائن نگم	۶ خطوط	۴۶۵	احسن مارہروی ، ۱	تمکین کاظمی ، ۲	محمد اظہار الحسن ، ۳ نامعلوم ، ۱
وحید الدین سلیم	۶ خطوط	۴۶۸	نواب سید علی حسن ، ۳	نصیر الدین ہاشمی ، ۳	
نصیر حسین خیال	۱۰ خطوط	۴۷۲	انوار احمد ، ۱	پروفیسر محمد مسلم ، ۳	مہاراجہ کشن پرشاد ، ۳
			مسعود حسن رضوی ، ۳		
جالب دہلوی	۴ خطوط	۴۷۹	احسن مارہروی ، ۲	شاہ حسین میاں ، ۱	سید الطاف علی بریلوی ، ۱
سید سلیمان ندوی	۶۱ خطوط	۴۸۶	ہمایوں مرزا ، ۱	نواب سید علی حسن ، ۹	محمد عبد اللہ قریشی ، ۴
			میمن عبد العزیز ، ۱	ڈاکٹر سید عبد اللہ ، ۱	مولوی محمد عرفان ، ۱
			صغریٰ ہمایوں ، ۱	امتیاز علی عرشی ، ۹	اثر صہبائی ، ۱
			نصیر الدین ہاشمی ، ۶	غلام رسول مہر ، ۱	نواب شمس الحسن ، ۳
			سید الطاف علی بریلوی ، ۱	محمد امین زبیری ، ۱۱	مالک رام ، ۵
			عبد الرزاق کانپوری ، ۱	تمکین کاظمی ، ۲	مولوی عبد الباری ، ۱۱
			نامعلوم ، ۲		
خواجہ حسن نظامی	۲۹ خطوط	۵۱۸	محمد دین فوق ، ۲	مہاراجہ کشن پرشاد ، ۲	صغریٰ ہمایوں مرزا ، ۵

۹۷ - شاہ سلیمان پھلواری	ایک خط	۸۰۷	سید جعفر شاہ پھلواری ۱،		
۹۸ - محمد علی ردولوی	ایک خط	۸۰۹	تمکین کاظمی ۱،		
۹۹ - مولانا عبدالباری	۲ خطوط	۸۱۰	شاہ حسین میاں پھلواری ۱،	مولانا شوکت علی ۱،	
۱۰۰ - جلیل مانک پوری	ایک خط	۸۱۰	حسرت موہانی ۱،		
۱۰۱ - مہدی حسن	۲ خطوط	۸۱۱	نواب سید علی حسن ۱،	سید افتخار عالم ۱،	
۱۰۲ - ہوش بلگرامی	ایک خط	۸۱۱	مہاراجہ کشن پرشاد ۱،		
۱۰۳ - کشن پرشاد کول	۲ خطوط	۸۱۲	سید مسعود حسن رضوی ۱،	نامعلوم ۱،	
۱۰۴ - شمیم نہٹور پوری	ایک خط	۸۱۳	احسن مارہروی ۱،		
۱۰۵ - میر نثار علی شہرت	ایک خط	۸۱۳	منشی محمد دین فوق ۱،		
۱۰۶ - خوشتر محمد ناظر	ایک خط	۸۱۴	منشی محمد دین فوق ۱،		
۱۰۷ - غلام احمد مہجور	۳ خطوط	۸۱۴	منشی محمد دین فوق ۳،		
۱۰۸ - مولانا رشید احمد گنگوہی	ایک خط	۸۱۶	نامعلوم ۱،		
۱۰۹ - مولوی بشیر الدین	ایک خط	۸۱۶	شاہ سلیمان پھلواری ۱،		
۱۱۰ - مولانا عبدالباری آسی	۲ خطوط	۸۱۶	زاہدہ بیگم ۱،	نامعلوم ۱،	
۱۱۱ - مولانا آزاد سبحانی	ایک خط	۸۲۰	شاہ سلیمان پھلواری ۱،		
۱۱۲ - پنڈت شیو نرائن شمیم	۳ خطوط	۸۲۰	منشی محمد دین فوق ۳،		
۱۱۳ - میرزا ثاقب لکھنوی	۲ خطوط	۸۲۲	طاہر فاروقی ۲،		
۱۱۴ - بیخود موہانی	ایک خط	۸۲۳	دل شاہجہانپوری ۱،		
۱۱۵ - آزاد انصاری	۲ خطوط	۸۲۳	میاں محمد صادق ۲،		
۱۱۶ - مولوی عنایت اللہ	ایک خط	۸۲۴	شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ۱،		
۱۱۷ - مولوی نور الحسن نیر	۳ خطوط	۸۲۸	سید مسعود حسن رضوی ۳،		
۱۱۸ - مولانا حمید الدین فراہی	ایک خط	۸۳۰	نامعلوم ۱،		
۱۱۹ - میر ناصر علی	ایک خط	۸۳۰	ڈاکٹر غلام یزدانی ۱،		
۱۲۰ - مرزا ہادی رسوا	۲ خطوط	۸۳۱	ڈاکٹر محی الدین زور ۱،	مسعود حسن رضوی ۱،	
۱۲۱ - بے نظیر شاہ	۲ خطوط	۸۳۲	سر امین جنگ بہادر ۱،	سر راس مسعود ۱،	
۱۲۲ - شفق عماد پوری	ایک خط	۸۳۴	کیفی چریا کوٹی ۱،		
۱۲۳ - ڈاکٹر ضیاء الدین	۲ خطوط	۸۳۴	مولوی محمود احمد عباسی ۱،	مولوی بشیر الدین ۱،	
۱۲۴ - مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی	۳ خطوط	۸۳۵	منشی محمد دین فوق ۱،	الطاف علی بریلوی ۱،	غلام رسول ۱،
۱۲۵ - سید طفیل احمد منگلوری	ایک خط	۸۳۷	سید الطاف علی بریلوی ۱،		
۱۲۶ - مولانا ظہور احمد وحشی	ایک خط	۸۳۷	نامعلوم ۱،		
۱۲۷ - مولانا عبدالماجد بدایونی	ایک خط	۸۳۸	شاہ حسین میاں پھلواری ۱،		
۱۲۸ - مولوی سید ممتاز علی	ایک خط	۸۳۹	نامعلوم ،		
۱۲۹ - سر سید رضا علی	۲ خطوط	۸۴۰	سید الطاف علی بریلوی ۱،	نامعلوم ۱،	
۱۳۰ - منشی نوبت رائے نظر	ایک خط	۸۴۲	سید مسعود حسن رضوی ۱،		
۱۳۱ - عبداللہ یوسف علی	ایک خط	۸۴۳	صغریٰ ہمایوں مرزا ۱،		

نمبر	نام	خطوط	صفحہ	مکتوب الیہ		
۷۰	یگانہ چنگیزی	۱۵ خطوط	۷۰۱	مولوی ضیا احمد، ۱	دل شاہجہانپوری، ۲	راغب مرادآبادی، ۲
				رفیق احمد بدایونی، ۱	مالک رام، ۸	نامعلوم، ۱
۷۱	قاضی عبدالغفار	۲۸ خطوط	۷۱۵	پروفیسر محمد مسلم، ۱	مولانا عبدالماجد دریابادی، ۲	عبدالستار صدیقی، ۱
				قاضی عبدالودود، ۱	مختارالدین آرزو، ۳	نصیرالدین ہاشمی، ۱
				عبدالقادر دسنوی، ۸	وحید احمد خاں، ۱	شہاب الدین دسنوی، ۱
				حمیدہ سلطان، ۶	مولانا محمد عرفان، ۲	سید الطاف علی بریلوی، ۱
۷۲	سلطان حیدر جوش	۴ خطوط	۷۳۲	طاہر فاروقی، ۳		
۷۳	اختر شیرانی	۱۹ خطوط	۷۳۵	فصیح اللہ خاں، ۱	اعجاز سکندر نازش، ۱۱	ڈاکٹر سید عبداللہ، ۳
				ڈاکٹر وحید قریشی، ۳	تاجور نجیب آبادی، ۱	
۷۴	ڈاکٹر تاثیر	۱۴ خطوط	۷۵۱	غلام رسول مہر، ۵	عبدالمجید سالک، ۹	
۷۵	عبدالسلام ندوی	۹ خطوط	۷۷۰	نواب شمس الحسن، ۱	ڈاکٹر سید عبداللہ، ۸	
۷۶	چراغ حسن حسرت	۴ خطوط	۷۷۴	عبدالمجید سالک، ۳	محمد ایوب اولیا، ۱	
۷۷	اختر جوناگڑھی	۱۸ خطوط	۷۷۸	مالک رام، ۱۵	مختارالدین آرزو، ۳	

(۳)

نمبر	نام	خطوط	صفحہ	مکتوب الیہ	
۷۸	سید نذیر حسین محدث دہلوی	ایک خط	۷۹۱	شاہ سلیمان پھلواری، ۱	
۷۹	نواب سر مزمل اللہ خان	۳ خطوط	۷۹۱	مولانا حالی، ۱	نواب سید علی، ۱، نامعلوم، ۱
۸۰	محمد سمیع اللہ	۲ خطوط	۷۹۲	نامعلوم، ۲	
۸۱	ابو محمد عبدالحق	ایک خط	۷۹۳	نواب عمادالملک بہادر، ۱	
۸۲	سر آسمان جاہ	۲ خطوط	۷۹۴	میر محبوب علی خان، ۲	
۸۳	سید شوکت حسن شوکت فہمی	ایک خط	۷۹۵	منشی محمد دین فوق، ۱	
۸۴	مولانا اظہر علی آزاد	ایک خط	۷۹۵	منشی محمد دین فوق، ۱	
۸۵	رضا بلگرامی آرزو	ایک خط	۷۹۶	نامعلوم، ۱	
۸۶	نواب صدرالدین حسین	ایک خط	۷۹۷	نواب سید علی حسن، ۱	
۸۷	منیر شکوہ آبادی	ایک خط	۷۹۷	سید محمد نوح شہیر، ۱	
۸۸	مولوی خدا بخش	ایک خط	۷۹۸	سید افتخار عالم، ۱	
۸۹	سید عبدالحی	ایک خط	۷۹۹	سید عبدالعلی لکھنوی، ۱	
۹۰	سید عباس حسن فصاحت	۲ خط	۷۹۹	ریاض خیرآبادی، ۱	سید محمد عسکری وسیم، ۱
۹۱	امیر علی رضوی	ایک خط	۸۰۱	سید عباس حسن فصاحت، ۱	
۹۲	جشن امیر علی رضوی	ایک خط	۸۰۲	سید خورشید علی، ۱	
۹۳	سید علی بلگرامی	۲ خطوط	۸۰۴	وقارالملک، ۱	نامعلوم، ۱
۹۴	سید میر حسن	ایک خط	۸۰۴	منشی محمد دین فوق، ۱	
۹۵	مولانا میر حسن	ایک خط	۸۰۵	منشی محمد دین فوق، ۱	
۹۶	عبدالرزاق کانپوری	۲ خطوط	۸۰۶	منشی محمد دین فوق، ۱	محمد امین زبیری، ۱



غالب



سرسید





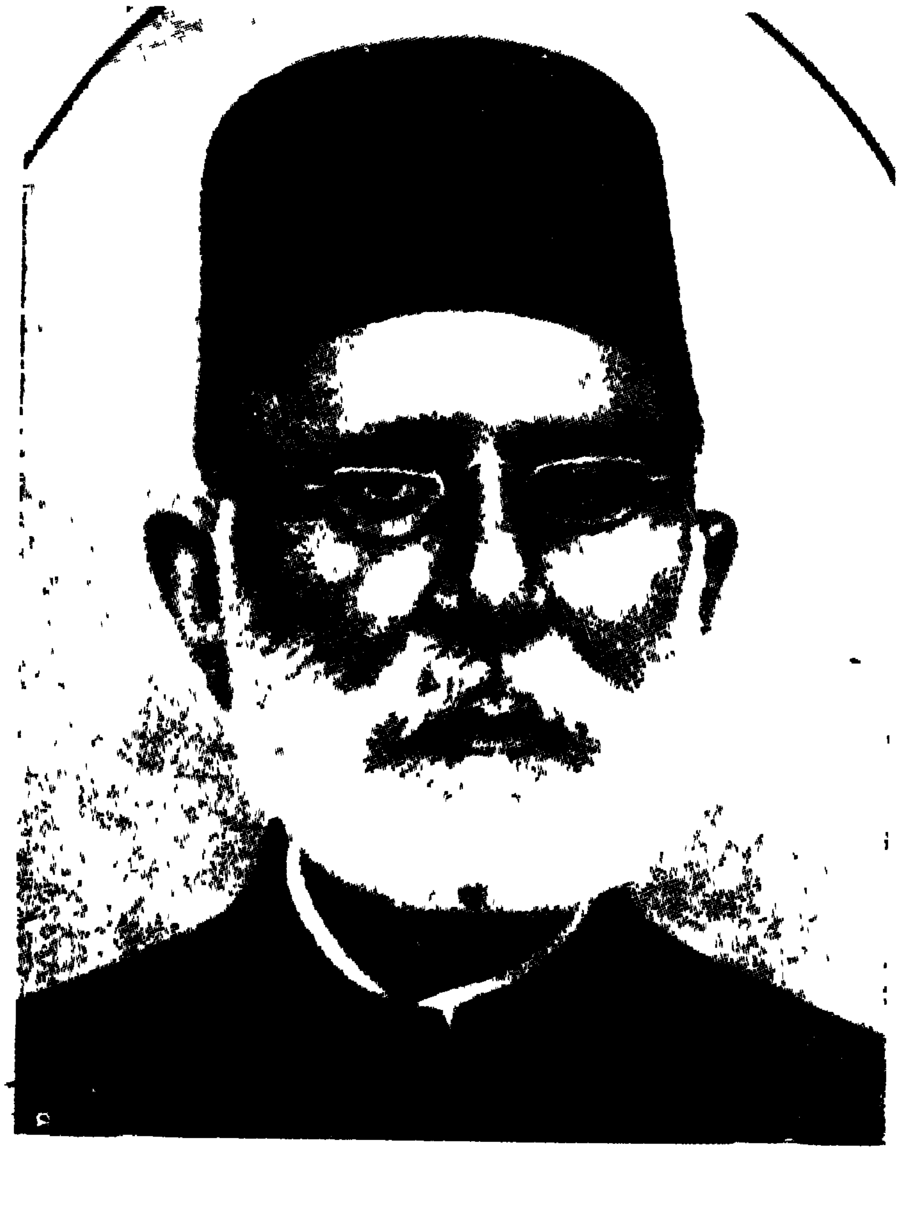
۱۳۲ – بہادر یار جنگ	۳ خطوط	۸۴۳	نواب سید شمس الحسن، ۱	مولانا شاہ سلیمان پھلواری، ۱
			سید الطاف علی بریلوی، ۱	
۱۳۳ – سید ضمیر الدین احمد عرش	ایک خط	۸۴۵	مولوی ضیا احمد بدایونی، ۱	
۱۳۴ – مرزا محمد عسکری	ایک خط	۸۴۶	مولانا غلام رسول مہر، ۱	
۱۳۵ – مولوی محمد اکرام خاں ندوی	ایک خط	۸۴۷	سید الطاف علی بریلوی، ۱	
۱۳۶ – سعید انصاری	ایک خط	۸۵۰	سید مبارک علی شاہ، ۱	
۱۳۷ – مولانا مسعود عالم ندوی	ایک خط	۸۵۰	نواب شمس الحسن، ۱	
۱۳۸ – مولانا مسعود علی ندوی	۳ خطوط	۸۵۱	نواب سید علی حسن، ۲	نامعلوم، ۱
۱۳۹ – مولوی عزیز مرزا	۲ خطوط	۸۵۵	حبیب الرحمٰن شروانی، ۲	
۱۴۰ – سید فرزند علی صفیر بلگرامی	۵ خطوط	۸۵۶	عبدالرحمٰن خاں، ۱	سردار سندر سنگھ، ۱
			سید رجب علی شاہ، ۱	مرزا داغ دہلوی، ۱
			سر سید احمد خاں، ۱	
۱۴۱ – مولوی غلام حسنین کنتوری	۵ خطوط	۸۶۱	حبیب الرحمٰن شروانی، ۴	سید افتخار عالم، ۱
۱۴۲ – مولوی عبدالغفور شہباز	۸ خطوط	۸۶۶	سید افتخار عالم، ۷	حبیب الرحمٰن شروانی، ۱
۱۴۳ – سید علی حسن خاں	ایک خط	۸۷۲	ابوالکلام آزاد، ۱	
۱۴۴ – سید حسین بلگرامی	۹ خطوط	۸۷۴	مہاراجہ کشن پرشاد، ۸	نامعلوم، ۱
۱۴۵ – سر آفتاب احمد	۴ خطوط	۸۷۹	وقار الملک بہادر، ۱	مولوی محمود اختر عباسی، ۱
			شاہ سلیمان پھلواری، ۱	کیفی چریاکوٹی، ۱
۱۴۶ – حکیم حبیب الرحمٰن شروانی	۱۲ خطوط	۸۸۲	محمد دین فوق، ۱۲	
۱۴۷ – وجاہت جھنجھانوی	۹ خطوط	۸۸۹	احسن مارہروی، ۷	محمد دین فوق، ۲
۱۴۸ – حکیم ناطق گلاؤٹھی	۳ خطوط	۸۹۳	آسی لکھنوی، ۳	
۱۴۹ – مولوی سید محمد حسین محوی	۹ خطوط	۸۹۸	نصیر الدین ہاشمی، ۹	
۱۵۰ – جسٹس شاہ دین ہمایوں	۶ خطوط	۹۰۸	مولانا حالی، ۱	نواب محسن الملک، ۳
			محمد دین فوق، ۲	
۱۵۱ – حکیم فقیر محمد چشتی	۳ خطوط	۹۱۲	محمد دین فوق، ۱	حکیم نور احمد نعمانی، ۲
۱۵۲ – بیخود دہلوی	۲ خطوط	۹۱۴	سید دل محمد فضا، ۲	
۱۵۳ – مولانا محمد عرفان	۳ خطوط	۹۱۶	غلام رسول مہر، ۳	
۱۵۴ – مولانا اسلم جیراجپوری	۲ خطوط	۹۱۸	پروفیسر محمد مسلم پٹنہ، ۲	
۱۵۵ – مہدی بیگم	۲ خطوط	۹۱۹	دل محمد فضا، ۲	



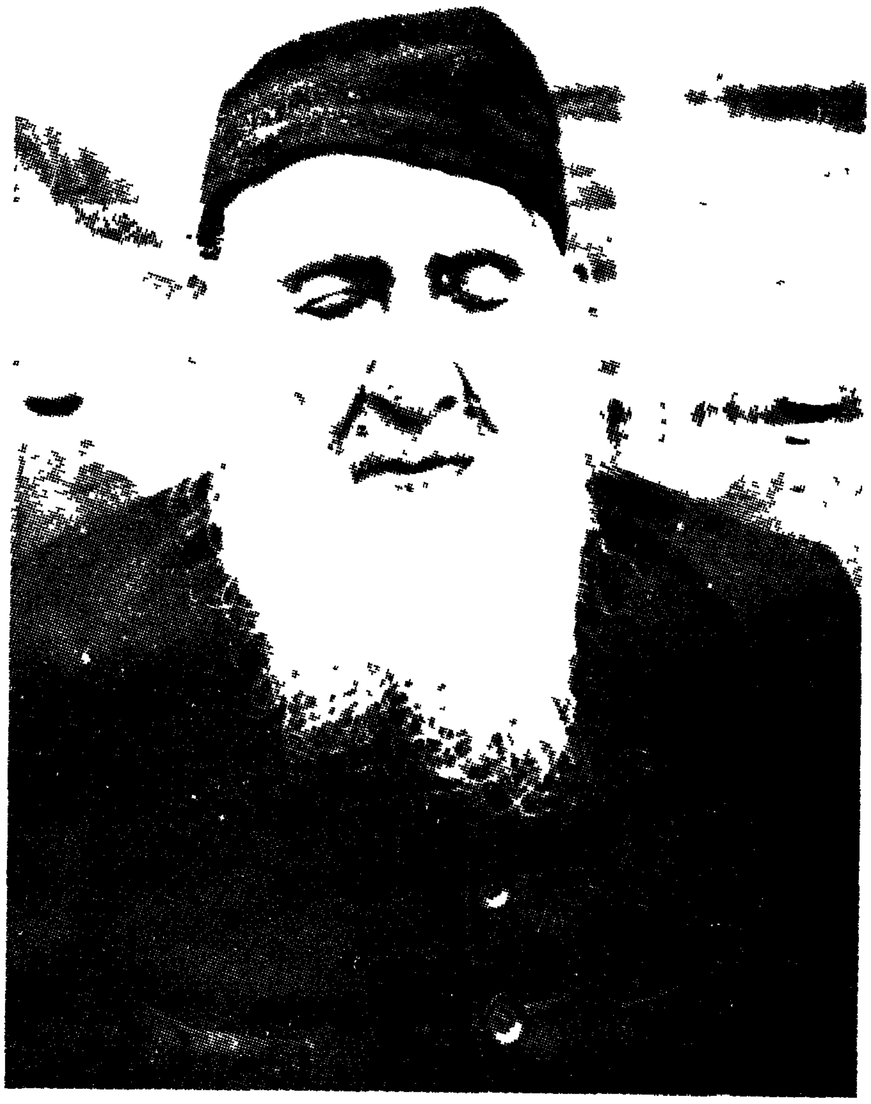
ڈپٹی نذیر احمد



[illegible]







مولوی بشیر الدین



صفیر بلگرامی



نواب محسن الملک



نواب وقار الملک



مولانا گرامی



ڈاکٹر اقبال



سر عبدالقادر



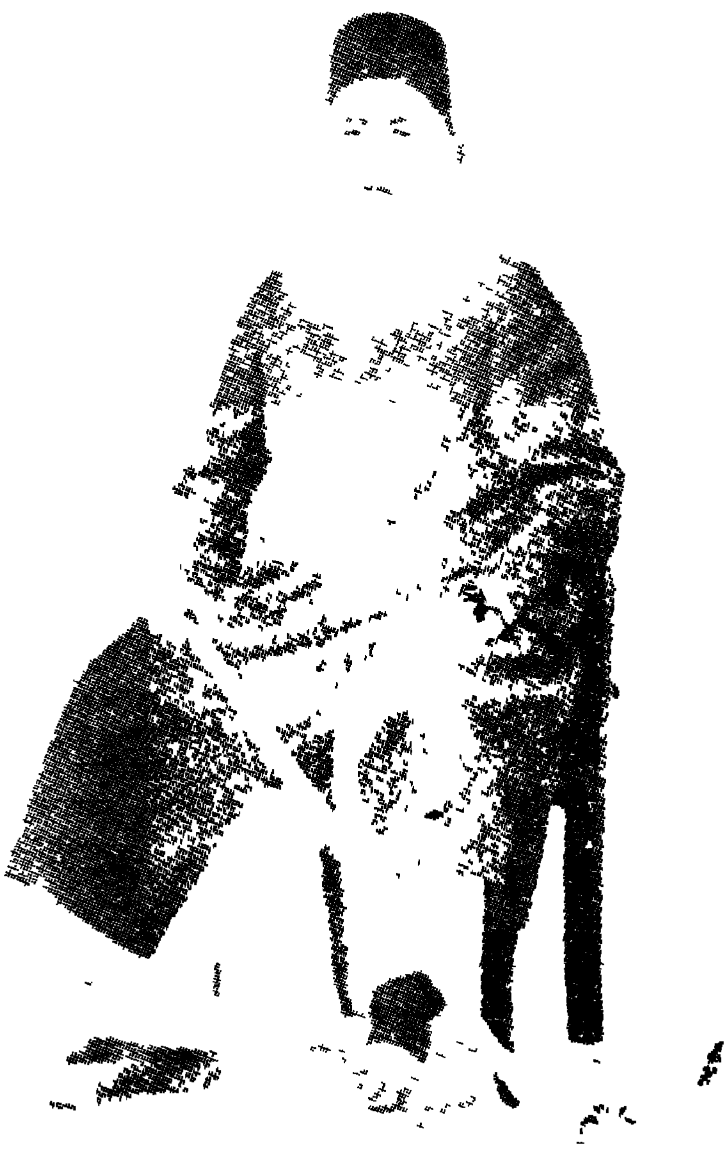
اکبر الہ آبادی



مولانا حبیب الرحمن شروانی



شاد عظیم آبادی



[illegible] لکھنوی



امداد امام اثر



میر ناصر علی



مہدی افادی



احسن مارہروی



دتاتریہ کیفی



مولانا محمد علی



مولانا راشد الخیری







حسرت موہانی



آرزو لکھنوی



صفی لکھنوی



سائل دہلوی



سجاد حیدر یلدرم



حسن نظامی



فرحت اللہ بیگ



[illegible] چند

نمبر شمار	مکتوب	صفحہ	مکتوب الیہ
۱	ابوالکلام	۹۷۰	بیگم حسرت موہانی
۲	مولانا عبدالحق	۹۷۱	ڈاکٹر عابد حسین
۳	مولانا عبدالماجد دریابادی	۹۷۳	ضیا احمد بدایونی
۴	پطرس	۹۷۵	عبدالمجید سالک
۵	نیاز فتحپوری	۹۷۹	مختارالدین آرزو
۶	ڈاکٹر ذاکر حسین	۹۷۹	مولانا محمد عرفان
۷	غلام رسول مہر	۹۸۰	مختارالدین آرزو
۸	عبدالمجید سالک	۹۸۱	دل محمد فضا
۹	ڈاکٹر عبدالستار صدیقی	۹۸۲	ڈاکٹر سید عبداللہ
۱۰	ڈاکٹر عابد حسین	۹۸۳	ڈاکٹر سید عبداللہ
۱۱	رشید احمد صدیقی	۹۸۴	طاہر فاروقی
۱۲	خواجہ غلام السیدین	۹۸۵	زہرہ بلقیس
۱۳	ڈاکٹر تاراچند	۹۸۶	تمکین کاظمی
۱۴	فراق گورکھپوری	۹۸۶	طاہر فاروقی
۱۵	مالک رام	۹۸۷	ڈاکٹر مختارالدین آرزو
۱۶	ڈاکٹر محی الدین زور	۹۸۸	طاہر فاروقی
۱۷	امتیاز علی عرشی	۹۸۹	مالک رام
۱۸	سید مسعود حسن رضوی	۹۹۰	ڈاکٹر سید عبداللہ
۱۹	شیخ محمد اکرام	۹۹۱	ڈاکٹر سید عبداللہ
۲۰	پروفیسر حامد حسن قادری	۹۹۲	نثار اٹاوی
۲۱	پروفیسر محمد شفیع	۹۹۴	ڈاکٹر مختارالدین آرزو
۲۲	مولانا حسین احمد مدنی	۹۹۵	عبدالصمد صارم
۲۳	شیخ محمد عبداللہ	۹۹۵	مولانا غلام رسول مہر
۲۴	جوش ملیح آبادی	۹۹۶	میکش اکبرآبادی
۲۵	حفیظ جالندھری	۹۹۷	عبدالمجید سالک
۲۶	جگر مرادآبادی	۹۹۸	شہناز ہاشمی
۲۷	نوح ناروی	۹۹۹	یٰسین علی خاں
۲۸	اثر لکھنوی	۱۰۰۰	عطا آصفی
۲۹	آل احمد سرور	۱۰۰۱	خلیل الرحمٰن اعظمی
۳۰	مختارالدین آرزو	۱۰۰۲	خلیل الرحمٰن اعظمی
۳۱	سید احتشام حسین	۱۰۰۵	ممتاز شیریں
۳۲	اختر حسین رائے پوری	۱۰۰۶	صمد شاہین
۳۳	محمد حسن عسکری	۱۰۰۶	ممتاز شیریں
۳۴	عندلیب شادانی	۱۰۰۷	ممتاز شیریں
۳۵	سید امتیاز علی تاج	۱۰۰۸	بیگم فصیح اللہ
۳۶	جوش ملسیانی	۱۰۰۸	آغا محمد صادق
۳۷	فیض احمد فیض	۱۰۰۹	چراغ حسن حسرت
۳۸	ن۔م راشد	۱۰۱۰	ممتاز شیریں
۳۹	کرشن چندر	۱۰۱۱	ممتاز شیریں
۴۰	عصمت	۱۰۱۲	اختر انصاری
۴۱	احمد علی	۱۰۱۲	صمد شاہین
۴۲	راجندر سنگھ بیدی	۱۰۱۳	ممتاز شیریں
۴۳	غلام عباس	۱۰۱۴	ممتاز شیریں
۴۴	حیات اللہ انصاری	۱۰۱۵	صمد شاہین
۴۵	علی عباس حسینی	۱۰۱۵	صمد شاہین
۴۶	خواجہ احمد عباس	۱۰۱۷	ممتاز شیریں
۴۷	احمد ندیم قاسمی	۱۰۱۹	اختر انصاری
۴۸	اوپندر ناتھ اشک	۱۰۲۰	ممتاز شیریں
۴۹	ممتاز مفتی	۱۰۲۲	ممتاز شیریں
۵۰	بلونت سنگھ	۱۰۲۳	ممتاز شیریں
۵۱	عزیز احمد	۱۰۲۳	ممتاز شیریں
۵۲	قرۃ العین	۱۰۲۴	ممتاز شیریں
۵۳	حجاب امتیاز علی	۱۰۲۵	بیگم فصیح اللہ
۵۴	ہاجرہ مسرور	۱۰۲۵	نصیرالدین ہاشمی
۵۵	خدیجہ مستور	۱۰۲۶	ممتاز شیریں
۵۶	تسنیم سلیم چھتاری	۱۰۲۷	اختر انصاری
۵۷	کنہیا لال کپور	۱۰۲۸	ممتاز شیریں
۵۸	شوکت تھانوی	۱۰۲۹	چراغ حسن حسرت
۵۹	معین احسن جذبی	۱۰۳۰	باقر مہدی
۶۰	میراجی	۱۰۳۳	مختارالدین آرزو، ۱ قیوم نظر ۱
۶۱	منٹو	۱۰۳۴	ممتاز شیریں، ۳
۶۲	مجاز	۱۰۳۹	رضا انصاری، ۱، اختر انصاری ۲



ڈاکٹر تاثیر



سیماب اکبر آبادی



اختر شیرانی



سلطان حیدر جوش

تصریحات

۱ — اپنی دانست میں، ہم نے تمام خطوط، غیر مطبوعہ جمع کئے ہیں۔ لاعلمی میں چند ایک خطوط، مطبوعہ بھی پیش ہو گئے ہوں تو کچھ کہہ نہیں سکتے۔

۲ — ہم نے اپنی طرف سے پوری چھان بین کی ہے کہ اس نمبر میں جتنے بھی خطوط چھپیں، وہ اصل کے عین مطابق ہوں۔ جس خط کے بارے میں شبہ ہوا۔ اُسے ہم نے خارج ہی کر دیا۔

۳ — اس نمبر میں صرف مرحومین کے خطوط ہیں۔ انتخاب میں اور سختی سے کام لیا جاتا تو کچھ اور خطوط، اس مجموعہ میں شامل ہونے سے رہ جاتے اور کبھی نہ کبھی ضائع ہو جاتے۔ چونکہ اِس نمبر میں، میرے نزدیک، ایک بھی مکتوب نگار غیر اہم نہیں ہے۔ اس لئے میں نے چاہا ہے کہ مرحوم مشاہیر ادب کے زیادہ سے زیادہ خطوط محفوظ ہو جائیں۔

۴ — ہم نے کوشش کی ہے کہ ایسے خط نہ چھپیں، جو کسی کی بھی دل آزاری کا موجب بنتے ہوں یا جو لکھے ہی اس غرض سے گئے ہوں کہ ذرا دیکھیں تو، یا ایسے خط، جن میں دل کے کچھ نازک معاملات رقم ہوں۔ ہمیں اس امر کی بے حد خوشی ہے کہ ہم نے سنسنی خیز مکتوبات کی اشاعت سے پرہیز کیا ہے۔

۵ — بعض خطوط کو پڑھنا بے حد مشکل تھا۔ کوشش کے باوجود بعض الفاظ نہیں پڑھے جا سکے۔ وہاں ہم نے جگہ خالی چھوڑ دی۔ مثال کے طور پر محسن الملک، منشی ذکاء اللہ، داغ اور راشد الخیری کے (عکسی) خطوط پڑھ کے دیکھ لیں۔

۶ — ان خطوط کو کسی حد تک زمانی اعتبار (بہ لحاظ مکتوب نگار) سے ترتیب دیا گیا ہے۔ مندرج خطوں کو بھی تاریخ وار پیش کیا گیا ہے۔ جن خطوں پر تاریخ نہیں تھی۔ وہ اس حصہ کے آخر میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ البتہ عکسی خطوط کے سلسلے میں زمانی ترتیب قائم نہ رکھ سکے۔

۷ — ہم نے زیادہ معروف ادبا و شعرا کے عکسی خط پیش کر دیئے ہیں۔ اگر زیادہ اخراجات کا خوف نہ ہوتا، تو یہ سارا نمبر ہی عکسی خطوط میں پیش کر دیا جاتا۔ چند مشاہیر کے خطوط کو ضرورتاً REDUCE کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اصل خط اس سے ڈیوڑھا سمجھ لیجئے۔ ایسے مشاہیر کے نام یہ ہیں: سرسید، حالی، حبیب الرحمٰن شروانی، مولوی عنایت اللہ، ظفر الملک اور غلام بھیک نیرنگ۔

۸ — اس نمبر کی دو جلدیں ہیں۔ ان جلدوں کو الگ الگ کرنے کا جواز سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس نمبر کی ضخامت کو بانٹ دیا جائے۔ کسی اصول اور ضابطہ کے تحت اس کی تقسیم ممکن نظر نہ آئی۔

۹ — ترتیب میں اس نمبر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ نمبر ۱ میں اُن مشاہیر کے خطوط ہیں جن کی تعداد زیادہ تھی۔ نمبر ۲ میں اُن ادیبوں کے خطوط ہیں جن کی تعداد نسبتاً کم تھی یا جو بعد میں ملے۔ اس ترتیب سے بھی میرے نزدیک خطوں کے معیار اور اس کی افادیت میں کوئی فرق نہیں۔ نمبر ۳ میں صرف چند زندہ ادیبوں کا ایک ایک خط شامل کیا گیا ہے تاکہ یہ نمبر بھی اپنی جگہ مکمل ہو جائے۔ پروگرام کے مطابق زندہ ادیبوں کے خطوط کا ایک الگ نمبر پیش کیا جائے گا۔ اس کے بعد پھر مرحومین کے خطوط کی تیسری جلد پیش کی جائے گی۔ چوتھی جلد تمام مکاتیبی سرمایہ کے انتخاب پر مشتمل ہوگا۔

۱۰ — ہم نے میراجی، منٹو اور مجاز کو زندہ ادیبوں کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ اگر ہم انھیں پہلے جگہ دیتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے یہ اپنے قافلے سے بچھڑ گئے ہوں۔

۱۱ — اس نمبر میں خطوط پر مقالات بھی ہیں تاکہ یہ نمبر کسی جہت سے تشنہ نہ رہے۔ مشاہیر ادب کے مختصراً حالاتِ زندگی پر بھی ایک کارآمد مضمون شامل کیا گیا ہے تاکہ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے مرتبہ کا بھی کچھ نہ کچھ اتہ پتہ ملتا جائے۔

۱۲ — رئیس احمد جعفری صاحب کے ارشاد اور پھر اصرار پر میں نے اس کام کو شروع کیا تھا۔ جب مشکلیں بڑھیں تو مولانا غلام رسول مہر، مولوی محمد عبداللہ قریشی، ڈاکٹر مختار الدین آرزو اور ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے میری دستگیری فرمائی، مجھے سہارا دیا۔ اور مولوی محمد صدیق صاحب خیرآبادی نے خطوط کی نقول اور پروف ریڈنگ میں میری امداد فرمائی۔ میں ان سب حضرات کے احسانات کا شکریہ ادا کروں تو کس طرح کروں۔ صرف چند الفاظ ان کرمفرماؤں کی عملی محبت کا جواب نہیں ہو سکتے۔ آخر میں میں نے اپنے دوستوں کے عنایت فرمائے ہوئے خطوط کی نام بہ نام فہرست بھی چھاپ دی ہے (اس میں زندہ ادیبوں کے خطوط کی فہرست شامل نہیں ہے) اس فہرست میں سے بیشتر خطوط پیش کر دیئے گئے ہیں۔ کچھ خطوط بروقت نہ ملنے کی وجہ سے نہیں آ سکے۔ آئندہ بھی

(محمد طفیل)

طلوع

جناب، السلام علیکم

جی چاہتا ہے کہ آپ سے روایتی ہی انداز میں یوں بات شروع کروں۔ "یہاں سب خیریت ہے اور آپ کی خیروعافیت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے؟" آپ کی خیریت بے شک مطلوب ہے مگر یہاں سب خیریت ہے۔ اس کا مجھے کچھ علم نہیں، اپنی سدھ بدھ ہی کہاں رہی۔

میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ مشاہیر کے خطوط جلد پیش کروں گا۔ جلد پیش نہ کرنے کی وعدہ خلافی ہوئی۔ شرمندہ ہوں جیسے جیسے دن گزرتے گئے۔ میری پریشانیاں بڑھتی گئیں۔ اگر آپ کو یقین آسکے تو میں یہ عرض کروں گا کہ میں نے یہ خطوط دن رات ایک کر کے جمع کئے ہیں۔ واضح رہے دن رات والا فقرہ میں نے بطور محاورہ استعمال نہیں کیا ہے۔

میں نے ان خطوں کیلئے کیا کچھ نہیں کیا۔ شہر شہر گھوما، گھر گھر صدا دی۔ کسی نے میرے شوق کو سینے سے لگایا۔ کسی نے بات بھی نہ پوچھی۔ یوں امید و بیم کے دوراہے پہ چلتا چلتا نیم جان ہوگیا۔ مگر جنون میں کمی واقع نہ ہوئی۔

بچپنے میں چوری کی ہو تو کی ہو۔ اس عمر میں تو نہیں کی تھی۔ مگر اس کمبخت شوق میں یہ کام بھی کیا۔ بخدا اپنی خاطر نہیں۔ آپ کی خاطر، اگر میں نے یہ چوری اپنی ذات کے لئے کی ہو تو مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہو۔

چاہئے تو یہ ہے کہ میں آپ کی خدمت میں، جتنے خطوط پیش کر رہا ہوں۔ ان سب کے بارے میں، آپ سے کچھ عرض کروں۔ واقعی یہ ضروری بات ہے مگر اس ضروری بات کی وضاحت کے لئے، کم از کم بھی پچاس صفحے درکار ہوں گے۔ اتنی ضخامت میں اور پچاس صفحوں کا اضافہ کردوں۔ یہ بات مجھے پسند نہیں۔ جبکہ مجھے یہ بھی معلوم ہو کہ میرا مخاطب خوب پڑھا لکھا ہے اور اسے رہبری کی ضرورت نہیں۔

خطوط کے اب تک کئی مجموعے چھپ چکے ہیں۔ گویا یہ صنفِ ادب کچھ زیادہ مُردہ نہیں ہے۔ غالب، سرسید، محمد حسین آزاد، محسن الملک، وقار الملک، شبلی، حالی، مہدی افادی، اقبال، نیاز فتحپوری اور ابوالکلام کے مکاتیب کے مجموعے آپ کے سامنے ہیں۔ اُن میں میری بھی یہ ایک مخلصانہ کوشش شامل کرلیجیے۔

خطوط صرف ادب و انشاء ہی کے آئینہ دار نہیں ہوتے۔ بلکہ اس سے علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی تاریخیں بھی مرتّب کی جاسکتی ہیں۔ میرا یہ دعویٰ غلط نہیں ہے۔ اگر آپ نے خطوط کو اس نظر سے دیکھا، تو آپ کو ان میں بڑا مواد ملے گا۔ اس اعتبار سے مجھے یہ چھوٹا سا دعویٰ کرلینے دیجئے کہ میری اس کاوش سے سو سالہ علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی تاریخ مرتّب کی جاسکتی ہے۔ یا مرتّب کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

میرے نزدیک خطوط کو دلچسپی کے اعتبار سے اوّلیت کا درجہ حاصل ہے۔ مجھ سمیت کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکے گا کہ اُس نے لوگوں کے خط چوری چھپے نہ پڑھے ہوں۔ باپ نے بیٹے کے خط پڑھے، بیٹے نے باپ کے خط پڑھے۔ ماں نے بیٹی کے خط پڑھے! بیٹی نے ماں کے خط پڑھے۔ اور ویسے خط، کس نے نہیں پڑھے۔

یہ ٹھیک ہے کہ میں نے اس کام پر دو برس صرف کردیئے ہیں۔ مگر اتنا عرض کردوں۔ یہ کام دس برس کا تھا۔ جسے میں نے دو برس میں کیا ہے۔ اگر مجھے عمرِ مستعار پر اعتبار ہوتا، تو میں آپ کی ناراضی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کام پر دس ہی برس صرف کرتا۔ تاکہ میری اس سے زیادہ ڈھارس بندھتی، اس سے زیادہ سکون نصیب ہوتا۔ مگر زندگی کا اعتبار ہی کیا۔

لیجیئے اب اجازت دیجئے۔ میری یاوہ گوئی تو ختم ہوئی۔ کچھ اپنی بھی تو کہیئے۔

آپ کا

محمد طفیل

ہے اُن میں سے بعض یا اکثر صرف وضعیت کی جلاکاری کے باعث جگمگا رہے ہوں۔

ہمارے سامنے مختلف زبانوں میں خود نوشتہ سوانح کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ان میں ایسے مرقعے بھی یقیناً موجود ہیں، جن کے نقاشوں کی راستبازی نظر بظاہر تمام شبہات سے بالا ہے۔ لیکن یہ مرقعے اس علم و یقین کی بنا پر تیار کئے گئے تھے کہ کسی نہ کسی وقت لازماً عوام کے سامنے پہنچیں گے اور ایک مرتبہ شائع ہو جانے کے بعد ان کے کسی نقش کو نہ دھویا اور مٹایا جا سکے گا اور نہ اس پر کوئی نیا رنگ چڑھا دینے سے پہلے نقش کی یاد حافظۂ عوام سے محو کی جا سکے گی۔ لہٰذا کون وثوق سے دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس علم و یقین نے نقاشوں کی وضعِ احتیاط اور شیوۂ حزم پر کم یا زیادہ اثر نہ ڈالا ہو گا اور اس اثر نے راستبازی کی بیرنگی میں اک گونہ وضعیت کی رنگ آمیزی غیر محسوس طور پر نہ کر دی ہو گی۔ غرض نظر بظاہر یہ سرمایہ معلومات بھی کیفیت و کمیت کے اعتبار سے اس درجہ شایانِ اعتماد نہیں سمجھا جا سکتا جتنا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کم از کم وضعیت و ساخت کے اختلاط سے برأت کاملہ کا دعویٰ مشکل ہے خواہ اس کا عمل بیانات میں جاری نہ ہوا ہو اور محض بعض وقائع کے ترک و حذف اور بعض کے اختیار و انتخاب تک محدود رہا ہو۔

تحریر و نگارش کے ذخیروں میں سے صرف ایک صنف ایسی ہے جس کے متعلق وضعیت و تکلف کے اختلاط و آمیزش کی کم سے کم گنجائش باقی رہ جاتی ہے یعنی بزرگانِ علم و فضل اور اکابرِ حکمت و دانش کے خطوط و مکاتیب جو انھوں نے اپنے عزیزوں، دوستوں اور نیاز مندوں کو لکھے۔ ان کا سرمایہ ہر زبان کے ادبیات میں فراہمی گراں قدر اور بیش بہا سمجھا جاتا ہے اور اس ابرِ مطیر کی گوہرباریوں نے خود ہماری زبان کے دامن میں بھی متاعِ شہوار فراہم کر دی ہے۔

ذخیرہ مکاتیب کے سلسلے میں بھی ایک شبہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا یعنی کاتبوں نے سب کے سب نہیں تو زیادہ تر خطوط اس علم و احساس کے ساتھ حوالۂ قلم کیے کہ وہ شائع ہوں گے۔ گویا وضعیت و تکلف کی کارفرمائی اس صنف میں بھی کم و بیش جاری رہی۔ اس اعتراض کا کوئی ایسا جواب دینا محال ہے، جس سے شکوک و شبہات کا قطعی ازالہ ہو جائے۔ اور میں خود یہاں بھی امکانِ وضعیت کا اعتراف کر چکا ہوں۔ اسی لئے عرض کیا کہ اس میں تو آمیزش کی کم سے کم گنجائش رہ جاتی ہے۔ یہ نہ کہا کہ کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ لیکن یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ مجموعہ ہائے خطوط ہر صاحبِ قلم کی زندگی کے طویل حصے پر حاوی ہوتے ہیں اور آغاز سے انجام تک وضعیت کی آمیزش کا شبہ ہرگز معقول و پائدار نہیں سمجھا جا سکتا۔ وجوہ، طولِ کلام اور درازیٔ سخن کے متقاضی نہیں۔ صرف بعض اہم امور کی طرف توجہ منعطف کرا دینا کافی ہے۔ مثلاً :-

۱۔ کوئی صاحبِ قلم اس وقت تک اپنے خطوط کی اشاعت کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا، جب تک وہ شہرت و ہر دلعزیزی میں ایک درجہ حاصل نہ کر لے۔ یہ درجہ اکثر اکابر کو عمر کے خاصے مراحل طے کر لینے کے بعد نصیب ہوتا ہے جب ان کے قلم کی ہر تراوش کے لئے اہلِ ذوق اور عوام میں تشنگی پیدا ہو جاتی ہے اور خطوط نگاری کا سلسلہ ابتدا سے جاری رہتا ہے۔ لہٰذا عقلِ سلیم کا فیصلہ یہی ہونا چاہیے کہ ذخیرہ مکاتیب کا بڑا حصہ تکلف اور بناوٹ کی آمیزش سے پاک ہوتا ہے۔

۲۔ خطوط نگاری کا آغاز عموماً ان دوستوں، عزیزوں اور دلی محرموں کے ساتھ ہوتا ہے، جن سے ہر راز بے ساختہ کہہ دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات اپنے عزائم و افکار کے چہرے سے اس لئے پردہ اٹھایا جاتا ہے کہ دوست اور عزیز خوش ہوں اور ان کے دل میں اعتبار جم جائے۔ البتہ دائرہ شہرت پھیلتا اور وسیع تر ہوتا جاتا ہے تو اجنبی اور نامحرم بھی مکتوب الیہم میں شامل ہونے لگتے ہیں۔ اس وقت یقیناً وضعیت و ساخت کی دیواروں کا چناؤ شروع ہو جاتا ہے، لیکن خاصا بڑا سرمایہ اس آمیزش سے محفوظ رہتا ہے۔

۳۔ پھر بعض اصحاب خاص محرکات و مہیجات کی خود فراموشیوں میں بعض مکتوب الیہم تک دل کی باتیں زیادہ سے زیادہ واشگاف انداز میں پہنچاتے ہوئے متامل نہیں ہوتے۔ ایسے مکاتیب کے نمونے ان اکابر و مشاہیر کے مجموعوں میں بھی ملتے ہیں، جنھیں یقیناً احساس ہو گا کہ یہ خود فراموشیاں زمانے کی نگاہوں سے ہمیشہ مستور نہ رہ سکیں گی۔ مثلاً کبھی خاص ذاتی مقاصد کا انجاح مکتوب الیہم سے وابستہ ہوتا ہے اور دل کا بھید صاف زبانِ قلم پر لائے بغیر بات نہیں بنتی۔ کبھی خاص قسم کے جذبات و تاثرات کا سیلِ متلاطم، وضعِ احتیاط اور فکرِ مآل کے اس حصار کو توڑ ڈالتا ہے جو انسان کی دانش آرائی اور عاقبت اندیشی تحفظِ شخصیت کے لئے بڑے اہتمام سے تعمیر کرتی ہے۔ سیل گزر جائے یا اس کا زور، تلاطم و تموج ختم ہو کر حالات طبعی صورت اختیار کر لیں تو ممکن ہے ان نگارشات پر پشیمانی کا احساس پیدا ہو، لیکن جو گوشۂ سیرت ایک مرتبہ بے نقاب ہو جائے، پھر اس پر تاویلات و دور از کار کے پردے ڈالنا یا معذرت کی تمہیدیں اٹھانا بالکل بے سود رہ جاتا ہے اور یہ ظاہر ہی ہے کہ : نوشتہ بماند سیہ بر سفید

ہمارے بعض بلند مرتبت اکابر کے مجموعوں میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں۔ اگر یہ مثالیں محفوظ نہ ہو جاتیں تو ہم ان کی سیرت کے بعض اہم پہلوؤں کی نظارہ آشنائی سے محروم رہ جاتے۔ محرمی کی یہ تقریب خطوط و مکاتیب ہی کے ذریعے سے ہمیں میسر آئی۔ تصانیف کی وضعیت میں اس کا سراغ کب مل سکتا تھا۔

علم و ادب میں خطوط کا درجہ

غلام رسول مہر

اس حقیقت سے غالباً کسی کو بھی اختلاف نہ ہوگا کہ شخصیت کا زیادہ سے زیادہ صحیح، قطعی اور قابلِ اعتماد اندازہ مقصود ہو تو ان افکار و خیالات اور ان عواطف و امیال کا ذخیرہ فراہم کرنا چاہیے جو شخصیت کے قلب و دماغ میں زندگی بھر موجزن رہے۔ ان میں سے صرف تھوڑے ہی عمل کا لباس پہن کر محسوس و مشہود شکل میں منظرِ عام پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اکثر ضروری اسباب کے فقدان یا موانع کی فراوانی اور مساعدت کی ناسازگاری کے باعث بطونِ قلب و دماغ ہی میں مصروفِ سیر گردش رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ آخری منزل پیش آجاتی ہے۔ بلکہ اعمال کی حقیقی حیثیت متعین کرنے کے لیے بھی تو ہمیں انسان کے افکار و احساسات ہی کا پیمانہ استعمال کرنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قصد و نیت کے اندازے کی اور کوئی تدبیر نہیں۔ کائناتِ انسانیت کے سب سے بڑے ہادی اور فطرت کے ماہر ترین نباض صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکیمانہ ارشاد محتاجِ تشریح نہیں کہ انما الاعمال بالنیات و انما لکل امریءٍ ما نوی۔ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کر لیتا ہے۔

لیکن سوال کیا جا سکتا ہے کہ کسی انسان کے افکار و احساسات اور عواطف و امیال کلاً یا جزواً معلوم کرنے کی کیا صورت ہے؟ سائنس کی پرواز ارتقا انتہائی بلندیوں پر پہنچ گئی، حتیٰ کہ چاند تک سفر کے راستے میں سنگ ہائے میل نصیب ہونے لگے تاہم اب تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا جو انسانوں کے افکار و احساسات شبانہ و روزانہ کا مکمل خاکہ تیار کرتا رہے۔ ایسا کوئی کیمرا اب تک تیار نہیں کیا جا سکا جو بواطن کی گہرائیوں کے اسرار و رموز کی مرئی تصویریں لے سکے۔ قدیم زمانے کے مصریوں نے ممی کے ذریعے سے مردہ جسموں کو محفوظ کر دینے کا طریقہ دریافت کر لیا تھا اور ہزاروں سال پیشتر کی حنوط شدہ لاشیں آج عجائب خانوں میں تماشائیوں کے لیے حیرت و استعجاب کا پیغام بنی ہوئی ہیں۔ مگر افکار و احساسات کے تحفظ کی کوئی ہنرمندی انھیں بھی نہ سوجھ سکی۔ پھر اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ انسان جو کچھ بولتے اور لکھتے ہیں، اسی کو ہم مدارِ غور و فکر بنائیں، بہ نظرِ غائر دیکھیں، تحقیق کی ترازو میں تولیں، پھر ہر پہلو کا لحاظ رکھتے ہوئے بے حیف و میل کسی نتیجے پر پہنچ جائیں؟

اس طریقِ تفتیش و فیصلہ کی مشکلات بالکل واضح اور مبرہن ہیں اور ان کی تشریح ضروری نہیں۔ اول سرمایۂ تحقیق کی حیثیت "بضاعتِ مزجاۃ" کی نہ بھی ہو تو آخری فیصلہ صادر کرنے میں انتہائی احتیاط و کاوش سے کام لینا لازم ہے، اس لیے کہ ہر مقولے اور ہر تحریر کے محرکات و متعلقات اتنے عریاں اور روشن نہیں ہوتے جنھیں دو جمع دو چار کی طرح یقینی و قطعی قرار دیا جا سکے۔ ہر سراغ اور ہر کھوج کے لیے بڑی حد تک قیاس کا معیار استعمال کرنا پڑتا ہے اور اس کی درستی و پایداری پر کتنا ہی اعتماد کر لیا جائے تاہم لغزش و خطا کا امکان بہرحال باقی رہتا ہے۔

پھر خطابت و نگارش کے دائرے میں جو کچھ ہمارے سامنے آتا ہے، ضروری نہیں کہ وہ ہر شخص کے محسوسات و وارداتِ قلب یا افکار و خیالات کا واقعی صحیح مظہر ہو۔ بناوٹ، اور صنعت انسان کی فطرت میں داخل ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیشتر انسان ڈاکٹر جیکل اور ہائیڈ کی طرح دوگونہ زندگیاں بسر کرتے ہیں۔ خواجہ شیراز نے تو صرف ایک گروہ کے بارے میں فرمایا تھا جو شومیٔ قسمت سے ہر دور کے شعرا کی رندانہ و قلندرانہ لطیفہ بازیوں کا ہدف بنا رہا ہے:

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر مے کنند   چوں بہ خلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند

حقیقتِ حال پر نظر رکھی جائے تو یہ دوگونگی اور جلوت و خلوت کا تفاوت بلکہ تضاد غریب واعظوں تک محدود نہیں بلکہ انسانیت کے بڑے حصے کی یہی صحیح تصویر ہے۔ وہ خلوت و تفرید کی پردہ پوشیوں میں پہنچ جاتے ہیں تو تکلفات کا ہر حجاب ان کی شخصیت کے چہرے سے اٹھ جاتا ہے اور جب منظرِ عام پر جلوت و خود نمائی کی نوبت آتی ہے تو وضع و ساخت کی ہنرمندیوں اور نقش بندیوں سے ان تمام پہلوؤں کو نظر افروز آرائشوں میں چھپا لیتے ہیں۔ جن کی عریانی و بے نقابی کو وہ اپنے وابِ عظمت اور شکوہِ برتری کے منافی سمجھتے ہیں۔ ہم اہلِ قلم کی تصانیف اور اربابِ خطابت کی سحرکار بلند آہنگیوں کے دفاتر دسکائی میں اس غرض سے غواصی پر آمادہ رہتے ہیں کہ ان کے باب میں زیادہ سے زیادہ صحیح معلومات کے گوہر ہاتھ آجائیں گے۔ لیکن ہمیں یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیے کہ جو گوہر اپنے دامن میں جمع کر لیتے ہیں ہو سکتا

اُردو خط نگاری

ڈاکٹر سیّد عبداللہ

خط تہذیبِ انسانی کے محیرالعقول عجائبات میں سے ہے انسان کی یہ اختراع اس کی زندگی کے عجیب و غریب اور ہمہ گیر تقاضوں سے پیدا ہوتی ہے پہلے محض سادہ ضرورتوں کو پورا کرنے کی حد تک محدود رہی اس کے بعد جملہ فنونِ عالیہ کی طرح ایک فنِ لطیف —— بلکہ بقول بعض لطیف ترین فن بن گئی۔

یہ ایجاد ضرورت ابلاغ کی رہین منت ہے اور ابلاغ فطرتِ انسانی کا ایک ناگزیر تقاضا اور ایک حد تک اجتماعی عمل بھی ہے اجتماع خود بھی اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایک ابلاغی مظاہرۂ حیات ہے۔ انسانوں کا کوئی اجتماع —— اور اجتماعی رابطے کا کوئی ذو اضعاف اقل یعنی دو انسانوں کا باہمی معمولی افہام و تفہیم بھی ابلاغ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ بلکہ اگر صوفیانہ و عارفانہ انداز میں گفتگو کرنے کی اجازت ہو تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خود ذاتِ باری بھی ابلاغ کی (از روئے حکمتِ بالغہ) مشتاق و آرزومند ہے —— اور انسانی دائرے میں تو ابلاغ ہی تمام تمدن کی اساسِ اولیں ہے جس کے بغیر مدنیت تو درکنار بشریت تک قائم و برقرار نہیں رہ سکتی ——!

انسان نے جب مشیّت کا آغاز کیا ہوگا تو اسے محسوس ہوا ہوگا کہ بالمشافہ ابلاغ تو ایک قدرتی سا عمل ہے اور اس کے اظہار میں کوئی خاص دقت نہیں مگر جو لوگ حدِ سماعت کے اندر موجود نہیں ان تک بھی ابلاغی مقاصد کی خاطر پہنچنے کی کوئی سبیل ہونی چاہیئے خصوصاً ان لوگوں کے لئے جن کے فاصلے بعید ہیں جن کی دوری سماعت کے لئے ناقابلِ عبور ہے۔ یا جن کی نزدیکی بھی دوری کے مترادف ہے۔ اس سے مجبور ہو کر ذہنِ انسانی نے اپنی خداداد قوتِ مخترعہ سے کام لے کر خط ایجاد کیا اور ایک ایسا "نیا وسیلۂ گفتگو" پیدا کر لیا جو نہ صرف زبان کا قائم مقام تھا بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اپنی بے زبانی کے باوجود زبان سے بھی زیادہ شیوا بیان اور نطق سے زیادہ فصیح اللسان تھا —— یہ اس دنیا کی بات نہیں جہاں خموشی بھی گفتگو بن جایا کرتی ہے۔ اور سکوت گویائی کی حریف بن کر بقول نظیری۔ ؎

نی گرویدہ کو تہ رشتۂ معنی رہا کردم
حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

بلکہ اس دنیا کی جہاں گفتگو بہرحال ضروری ہوتی ہے مگر ایسی گفتگو جو زبانی مکالمہ سے بلیغ تر ہو۔ مندرجہ بالا شعر پہ

غرض خطوط و مکاتیب ہر شخص کی حقیقی حیثیت کا اندازہ کرنے کے لیے نہایت عمدہ اور بڑی حد تک قابلِ اعتماد سرمایہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر و مشاہیر کے خطوط فراہم کرنے کی طرف اربابِ علم و ادب ہمیشہ بہ اہتمام خاص متوجہ رہے اور اس سرمایے کو ادبیات و سیر کا بڑا قیمتی اندوختہ سمجھا جاتا ہے۔

ایک پہلو اور بھی ہے۔ بعض اکابر کی گراں قدر تصانیف کے مطالعے سے کم تر اصحاب مستفید ہوتے ہیں لیکن مکاتیب کو اس لیے زیادہ شوق سے پڑھا جاتا ہے کہ ان کے مطالب میں تصانیف کی متانت و یک رنگی کے بجائے تنوع اور بوقلمونی کی گل افشانیاں ہوتی ہیں۔ نیز مکاتیب علم و ادب کے چھوٹے چھوٹے جواہر پارے ہوتے ہیں، جنھیں پڑھتے وقت دماغ پر زیادہ بوجھ نہیں پڑتا۔ استفادہ بیشتر ہوتا ہے اور زحمت کمتر۔

مشاہیر کے خطوط و مکاتیب کی اہمیت کے متعلق میری رائے مدت سے یہی ہے۔ جب میرے عزیز دوست محمد طفیل صاحب مدیر "نقوش" نے اپنے گراں قدر رسالے کا ایک ضخیم "خطوط نمبر" مرتب کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے تہِ دل سے اس کا خیر مقدم کیا کہ اس طرح ان اہم خطوط کے فراہم ہو جانے کا قوی امکان تھا جو عام حالات میں شاید مرتب ہو کر شائع نہ ہو سکتے اور جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، میرے نزدیک خطوط کی افادی حیثیت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

طفیل صاحب نے اپنے رسالے کے خاص نمبروں کی ترتیب میں جو درجۂ امتیاز حاصل کیا، کون کہہ سکتا ہے کہ اس کے لئے سعی و اہتمام میں کس حد تک زحمتیں اٹھائیں "خطوط نمبر" کی ترتیب کے بعض مراحل کا علم مجھے بھی وقتاً فوقتاً ہوتا رہا، اس لئے اندازہ کر سکتا ہوں کہ اس میں انھیں بدرجہا زیادہ زحمت برداشت کرنی پڑی، لیکن انسان جب کسی کام کا بیڑا اٹھا لے تو اسے بہتر سے بہتر شکل میں انجام دینے کے لئے سعی و ہمت کی عطا شدہ متاع صرف کرنے میں دریغ نہ ہونا چاہیے۔ یہی تقاضائے ذمہ داری ہے اور یہی شیوۂ مردمی ہے۔ باقی رہا مسئلہ نتائج تو اسے زمانے کے ذوقِ نظر اور صلاحیتِ قبول کے حوالے کیے بغیر کوئی راستہ ہی نہیں۔ سب اسی راستے پر گامزنی کے لئے مجبور ہیں۔ اس سلسلے میں نظیری نیشاپوری کا یہ حکیمانہ ارشاد مجھے کبھی نہیں بھولتا:

جنس گر خوب است خواہد کرد پیدا قیمتے
مشتری گو ردکن و دلّال گو درپا فگن

آخر میں اتنا اور عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اردو زبان بہ اعتبارِ سنین عمر دوسری دیرین سال زبانوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کے اتصال و آمیزش سے پیدا ہوئی۔ ابتدا میں محض بولی تھی، جو مختلف اللسان افراد کی عام ضرورتیں ایک دوسرے تک پہنچانے کا واسطہ اور ذریعہ بنی رہی۔ آہستہ آہستہ اس نے زبان کی حیثیت اختیار کی۔ پہلے پہل اس نے منظومات کے لئے ایک ایسا لباس مہیا کیا جس نے عوام سے پسندیدگی و دل آویزی کی خاص سند حاصل کر لی۔ انیسویں صدی کے اوائل میں نثر نگاری کی طرف توجہ ہوئی۔ اس زمانے تک فارسی زبان ہی کو مدار علم و فضل مانا جاتا تھا اور بیچاری اردو کے لئے اہلِ علم کی بارگاہ جلال میں بار پانے کی بظاہر کوئی صورت نہ تھی۔ انیسویں صدی کے وسط تک کم و بیش یہی حالت رہی۔ بایں ہمہ اردو اپنی ذاتی خوبیوں اور عوام کے طبائع سے حد درجہ غیر معمولی مناسبت و سازگاری کی بنا پر قدم آگے بڑھاتی رہی۔ اگرچہ آج اسے منزلِ بلوغ پر پہنچے ہوئے صرف سو ڈیڑھ سو سال گزرے ہیں۔ تاہم اس قلیل مدت میں اس کا دامن مختلف اصنافِ علم و فن کے جن جواہر پاروں سے جگمگا رہا ہے، وہ ان زبانوں کے لئے بھی باعث صد رشک ہیں، جو صدیوں سے شہوار سرمایے فراہم کرنے میں مصروف ہیں۔ پھر اس میں گوناگوں اسالیب و مناہج پیدا ہوئے اور ہر اسلوب و نہج کی اپنی خاص شانِ دل آویزی اور منفرد طرزِ دل پذیری ہے۔

اس کی ایک وجہ یقیناً یہ ہے کہ ہمارے وطن نے گزشتہ سو سوا سو سال میں جو نادر العصر مشاہیرِ علم پیدا کئے، ان میں اکثر کی گوہر باریاں دامنِ اردو ہی کے لئے وقف رہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اردو کی وضع و ساخت کے حسنِ خداداد نے ان سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اور چونکہ یہ عوام کی زبان تھی، اس لئے عوام تک پہنچنے کے ہر آرزو مند کو اس کا سہارا لینا پڑا۔ گویا یہ زبان خود بھی حیرت انگیز تیزی سے آگے بڑھی اور اپنا دامن تھامنے والوں کو بھی ہر دلعزیزی کی انتہائی منزل میں پہنچا دیا۔

مکاتیب و خطوط ہی کے مجموعوں کو لے لیجئے۔ اس زبان میں جسے بہ لحاظ عمر ہمیں "تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل" میں شمار کرنا چاہیے، اتنا گراں ارز ذخیرہ موجود ہے کہ کہن سالی پر فخر کرنے والی زبانوں میں بھی ویسا ذخیرہ بہ آسانی نہ مل سکے گا۔ پھر اس ذخیرے کا بیشتر حصہ اتنا حسین و جمیل اور اس درجہ خوش پیکر و بدیع اوصاف ہے کہ ہر صاحب نظر اسے دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ یقیناً اس لئے کہ اتنی تھوڑی مدت میں ایسا نادر ذخیرہ فراہم ہو جانا واقعی اردو زبان کا ایک معجزہ ہے۔
یہ موضوع جس دلجمعی، فراغِ خاطر، اور فرصت و مہلت کا متقاضی تھا۔ وہ مجھے بعض ذاتی پریشانیوں کی وجہ سے میسر نہ آسکی۔ بہرحال عزیزی طفیل صاحب کے ارشاد کی تعمیل ہو گئی۔

ضرورتوں میں سے سب سے دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہوگا جس کو کبھی خط لکھنے یا لکھوانے کی ضرورت پیش نہ آتی ہو — خط سے بڑھ کر کوئی ادارہ جمہوری یا بنیادی طور پر اجتماعی نہیں ہو سکتا۔ اس ادارے کی وسعتوں کا یہ عالم ہے کہ یہ محض ایک عام کاروباری پیغامی تحریر سے لے کر ادب عالیہ کے رتبے تک پہنچ سکتا ہے یہ عام بھی ہے اور خاص بھی یہ ایک ایسی چیز ہے جو ہر شخص کی دسترس کے اندر ہے مگر اتنی خاص بھی ہے کہ ؎

میانِ عاشق و معشوق رمزیست

کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ کسی انسان کی گفتگو اس کی شائستگی کی علامت ہوتی ہے اور یہ صحیح بھی ہے مگر اس سے بھی بڑی علامت کسی کی شائستگی اور تہذیب کی یہ ہے کہ اس کو خط نگاری کا سلیقہ کہاں تک ہے — جان لاک نے مسئلہ تعلیم سے بحث کرتے ہوئے اسی خیال کا اظہار قدرے وضاحت کے ساتھ یوں کیا ہے [1]

When they understand how to write English with due cuonnection propriety and order, and are pretty well masters of a tolerable narrative style, they may be advanced to writing of letters.
The writing of letters has so much to do in all the occurrences of human life, that no gentleman can avoid showing himself in this kind of writing.

آگے چل کر جان لاک نے گفتگو کے مقابلے میں خط کی مشکلات کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ گفتگو میں آواز، لہجہ، چشم و ابرو کی حرکات، اور مثلاً نہجہ کے دوسرے وسائل مفرِ سخن کی خامیوں کو چھپا دیتے ہیں اور بعض اوقات بے کار بات بھی اثر کر جاتی ہے — خط ان خارجی وسائل سے محروم ہوتا ہے مگر جو شخص اس کے باوجود خط کو موثر اور بلیغ بنا سکتا ہے وہ درحقیقت ایک شائستہ اور تربیت یافتہ انسان ہی ہو سکتا ہے۔

خط و کتابت کی بیسیوں اقسام ہیں مثلاً سیاسی۔ دفتری۔ تجارتی۔ کاروباری۔ عام معمولی اطلاعاتی علمی اور معلوماتی شخصی۔ جذباتی۔ خیالی وغیرہ وغیرہ — مگر موجودہ مضمون میں سہولت و وضاحت کے نقطۂ نظر سے ان کو صرف دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

(۱) نجی جن کا تعلق ذات سے ہے۔ یہ پرائیویٹ حیثیت سے لکھے جاتے ہیں اور افشائے عام کے لئے نہیں ہوتے۔
(۲) دوسرے وہ جو پبلک ہو سکتے ہیں — ہر خط بنیادی طور پر ایک شخصی اور نجی چیز ہے (ماسوا اس صورت کے کہ

1. Four centuries of letters - by W. B. Scoones viii

مزید غور کیا جائے تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ گفتگو (بذریعہ زبان) کی نارسائی ایک مسلم سی شے ہے گویا محض گفتگو کے مقابلے میں تو خاموشی بھی زیادہ بلیغ ذریعہ ہے ـــــ لہٰذا تحریر کی بلاغتیں مجرد نطق کے مقابلے میں بے حد و لا انتہا ہیں۔ تفصیل سے بچنے کے لئے اگر صرف ایک دلیل پر ہی کوئی اکتفا کرنا چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ نطق (یا ابلاغ بذریعہ زبان) بہت رسا بھی ہو جائے تو بھی فاصلوں (مکانی یا معنوی) کی دشواریوں کو طے کرنا اس کے بس کی بات نہیں ـــــ یہاں پہنچ کر وہ منزل بھی آ جاتی ہے جہاں زبان خود اپنے آپ سے شرمندہ ہو کر بے زبانی کی سپاس گزار بن جانا چاہتی ہے ؎

ہمارے زبان محوِ سپاس بے زبانی ہے
مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

خلاصہ یہ ہے کہ خط (یا تحریر) کی ایجاد ذہنِ انسانی کے دورِ ارتقا کی ایک اہم ایجاد ہے، یہ اس کی اپنی گوناگوں مجبوریوں سے پیدا ہوتی ہے اور اس کی ترقی میں سعی اور جد و جہد کو بڑا دخل ہے اسی لئے اس کی فتوحات و فیوض بھی غیر معمولی ہیں ـــــ خط نے انسان کے لئے فاصلے کا مسئلہ حل کر دیا ہے اور ایک لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ابعاد کی تسخیر کے جو کمالات انسان نے بعد میں دکھائے ان کا پہلا اور اہم قدم یہی واقعہ ایجادِ خط تھا ـــــ گویا دوری کا احساس یا مجبوری ایک اہم چیز ہے۔ جس نے انسان کو گفتگو کے ابہام و ایہام اور اس کے شکوک و شبہات، اس کی تحریف و مسخ اور اس کے ناقابلِ اعتماد ذرائع اظہار سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو زبانی ابلاغ ابد الآباد تک نارسا ہی رہتا اور مکالمات کو مشکوک و ضعیف ہی رکھتا دیکھئے غالب کے محبوب نے بھی جس شے کو ہراس انگیز اور مشکوک بنانا تھا اس کو قاصد کی زبان کے حوالے یوں کر دیا ؎

دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے

عربوں کے تصور میں ایجادِ تحریر کی بنیادی غایت علم و معلومات سے پہلے محض پیغام رسانی اور جذبات یا معاملات ضروری کا ابلاغ تھی یہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربی میں رسمِ تحریر یا تحریر ہی کو "خط" کہتے ہیں۔ اگرچہ بعد میں ابلاغ کی مختلف صورتوں کے لئے مختلف نام تجویز ہو گئے اور اس صورتِ خاص کے لئے جس کو خط و کتابت کا مرادف کہا جا سکتا ہے مکاتیب اور مراسلت وغیرہ کی اصطلاح وضع ہوئی ـــــ اسلامی تہذیب نے اپنے دور میں مکاتیب مراسلت کو اس درجہ اہمیت دی کہ قدیم زمانہ میں ادب و انشا کی تکمیل کی بنیاد ہی اچھی خطوط نویسی قرار پائی ـــــ جو شخص اس زبان و بیان سے کامل شناسائی رکھتا تھا جس کا تعلق دوسروں کے دل و دماغ سے ہے۔ یا جو شخص ان آداب و رسوم سے زیادہ واقف ہوتا تھا جن کا تعلق روابط و تعلقات کی گوناگوں نوعیتوں سے ہے۔ اس کو اسلامی ادوار میں اکتسابات و فضائل کے لحاظ سے شائستہ ترین آدمی سمجھا جاتا تھا اور وہ سلطنت کے بڑے سے بڑے عہدوں کا مستحق سمجھا جاتا تھا ـــــ ابلاغ کے ذرائع پر قدرت کی اہمیت و فضیلت کا یہ اعتراف اسلامی عربی تہذیب کی روح شناسی کی ایک اہم کلید ہے چنانچہ ترسل کتابت اور دبیری کی اہمیت پر بعض مصنفوں نے مبسوط کتابیں لکھی ہیں

خیر یہ تو ہوئی سیاسی یا دفتری خط نگاری کی اہمیت۔ عام خط نگاری بھی کچھ کم اہم چیز نہیں۔ یہ انسان کی بنیادی

اصلاً محرک ہوا ہے یعنی پیغام کے مطالب کا قطعی ابلاغ جس کا مطلب یہ ہے کہ خط نگار جو کہنا چاہتا ہے وہ تو بہر حال ایسے انداز میں کہے کہ مکتوب نگار کو پیغام کی جزئیات کا قطعی علم ہو جائے۔ اس لحاظ سے ہر خط کی اولین صفت اس کی قطعیت ہے ——— اس کے علاوہ جتنی شرطیں ہیں وہ عام نہیں خاص ہیں اور خط نگار کی شخصیت اس کی ضرورت اور زمانے کے مذاق کے مطابق بدلتی رہتی ہیں اور ان کے لئے صحیح معنوں میں کوئی شرط عاید نہیں کی جا سکتی۔ نہ ان کے حسن کا کوئی مجرد اصول یا معیار مقرر ہو سکتا ہے البتہ ایک خاص معیار ایسا ہے جس کو بمنزلہ اصول سمجھا جا سکتا ہے اور وہ ہے خط کی دلچسپی جو کسی خط کو ابلاغ مطالب اور ابلاغ پیغام کے علاوہ بھی زندہ رکھ سکے اور مطالب کی زمانی اور مکانی حد ختم ہو جانے کے بعد بھی کسی پڑھنے والے کے لئے مسرت انگیز ثابت ہو سکے ——— کون سا خط دلچسپ ہوتا ہے اور کون سا غیر دلچسپ یہ بھی ایک اضافی سی بات ہے مگر یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ جن خطوں کی انسانی یا سوشل اپیل کامیاب ہوگی وہی خط زیادہ معقول اور مستقل طور پر دلچسپ ہوں گے ——— اسی طرح جن خطوں میں شخصی جذبے کا استعمال کچھ ایسے انداز میں ہوا ہے کہ شخصی ہونے کے باوجود اس کی حیثیت وسیع معنوں میں انسانی ہو گئی ہے ان خطوں کی دلچسپی اور دیرپا مقبولیت میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا ——— ! جب تک کسی خط میں شخصیت کی توسیع کی یہ صورت نہیں ہوگی اس کو بآسانی ٹھکرایا جا سکتا ہے۔

کوئی معترض میرے اس خیال پر فوراً یہ نکتہ چینی کر سکتا ہے کہ ہر خط (سوائے پبلک مراسلات کے) نجی ہوتا ہے اس لئے کسی نجی چیز سے یہ توقع ہی کیوں رکھی جائے کہ اس کی اپیل اجتماعی بن کر "شرکت غیرے" کے جبری تعف جنے کی زد میں آ جائے ——— پھر یہ بھی کہ خط تو ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کے سرنامے پر جلی عنوان سے یہ لکھ دیا جاتا ہے "یہ صرف آپ کی نگاہ کے لئے ہے۔ ستاروں تک کی نظر بھی اس پر نہ پڑے" ——— اخفا کی یہ صدا اور احتساب کا یہ انداز۔ اس میں بھلا کب کسی سوشل اپیل کی گنجائش باقی رہتی ہے؟ معترض یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ تو خاص ذاتی آواز ہے اس میں معمولی حد سے باہر گونج بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی ورنہ وہی خوف رسوائی اور اندیشہ ہائے گوناگوں کو جو دنیائے عاشقی میں عام اور مسلّم ہیں ——— جن میں "رازداری" اور "پاسِ محبت" کے آداب اولین میں سے ہے ورنہ غالبؔ کی اطلاع کے مطابق بوالہوسوں کی فہرست میں ہی نام درج ہو رہتا ہے۔ ؎

غیر پھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

معترض کا یہ اندیشہ بظاہر درست معلوم ہوتا ہے مگر الزامی طور پر کیا ہم بھی یہ پوچھ سکتے ہیں کہ صاحب۔ اگر کسی کے خط محض نجی ہیں اور ان کو شخصی آواز ہو کر ختم ہو جانا چاہیئے تو پھر کسی دوسرے کو اس طومار خشک میں سر کھپانے اور اس پر آنکھوں کے تیل کو بے کار ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یعنی ایک نے لکھا، دوسرے نے پڑھ کر مقصد کی بات پالی۔ چلو چھٹی ہو گئی یا ایک مہینے یا ایک دن کے لئے یا چلئے ایک مدت العمر تک کے لئے اس کی چمک باقی رہی۔ پھر معدوم و مفقود۔ کسی دوسرے انسان کو بعد میں یا ان کے زمانے میں ان کی طرف توجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ خیر یہ تو الزامی جواب ہوا۔ مگر اس کا ایک معقول اور تشفی بخش جواب بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ خط "رومیت" تک محدود ہونے کے باوجود ایک ایسے جذبے سے ابھرتا ہے

کوئی شخص پبلک کو خط کے ذریعے خطاب کرے) اس لئے اصولاً اس کا افادہ نہایت محدود ہوتا ہے ـــــ مگر عملاً خط جب منظرِ عام پر آکر مطالعہ کی چیزیں بن جاتے ہیں تو ادب اور علم کا قیمتی ذخیرہ بن جاتے ہیں۔

خطوں کی سب اقسام اپنی جگہ نفع بخش اور مفید ہیں۔ خطوں سے علمی اور معلوماتی فائدے بھی ہو سکتے ہیں مگر پرانے خطوں کی اہمیت کی ایک بڑی بنیاد وہ تاریخی اور سوانحی مواد ہے جو خطوں کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات خطوط فن اور ادب کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یوں اپنی جگہ ہر خط دلچسپ ہوتا ہے مگر ادبی و علمی مطالعہ کی حیثیت سے خطوط کی اہمیت کچھ اس چیز پر بھی ہے کہ ان کا کاتب کون ہے اور مکتوب الیہ کون ـــــ؟ اس لحاظ سے خط کا فن ایک شخصی فن ہونے کے علاوہ شخصیتوں کا فن بھی بن جاتا ہے ـــــ عام طور سے ان خطوں میں زیادہ دلچسپی لی جاتی ہے جن کے طرفین کی شخصیتیں کسی نہ کسی وجہ سے جاذبِ توجہ ہوں، یہی وجہ ہے کہ خطوط کے جو مجموعے بھی محفوظ رہے ہیں یا رکھے گئے ہیں وہ عام طور سے وہی ہیں جن کا تعلق جاذبِ توجہ شخصیتوں سے ہے۔ یہ مجموعے تاریخ، شخصیات نگاری اور سوانح نگاری کے لئے بیش بہا مواد کا درجہ رکھتے ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ ہر بڑا آدمی (خواہ ادب سے متعلق ہو یا کسی دوسرے شعبۂ زندگی سے) لازماً اچھا خط نگار بھی ہو سکتا ہے ـــــ خط نگاری تو بذاتِ خود ایک بڑا فن ہے اور اس میں کامیاب وہی شخص ہو سکتا ہے جو قدرت کی طرف سے اس فن کا فیضان لے کر آیا ہے خط نگار کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اس کے علاوہ اچھی خط نگاری ایک خاص شخصی ماحول پر بھی موقوف ہے۔ خط نگاری کے فن کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ یہ سب سے آسان فن ہے جو ہر اس شخص کے لئے سہل الحصول ہے جو اس کا قصد کرے ـــــ مگر تعجب انگیز بات یہ ہے کہ یہی آسان ترین فن نازک ترین فن بھی ہے۔ کیونکہ اس میں نئی نزاکتوں کی نمود کچھ اس طرح کی مشکل شے ہے جیسے کوئی شے عدم سے وجود حاصل کرتی ہے ـــــ عدم سے وجود اس لئے کہ خط نگاری ادب کے دوسرے شعبوں کے برعکس اصلاً ادب نہیں بلکہ محض ایک میکانکی اور افادی عمل ہے۔ خط نگاری خود ادب نہیں مگر جب اس کو خاص ماحول، خاص مزاج، خاص استعداد، ایک خاص آن، خاص گھڑی اور خاص ساعت میسر آجاتے تو یہ ادب بن سکتی ہے ـــــ مگر خط کو ادب بنانے کا کام بہت مشکل ہے۔ یہ شیشہ گری ہے، شیشہ گری ـــــ اور پھر آئینہ ساز ہو کر بھی کم ہی لوگ ایسے ہوں گے جو سچ مچ ایسا آئینہ ڈھال سکتے ہوں گے جس کے جلوے خود تقاضائے نگاہ بن جائیں گے اور پھر نظارہ اپنے جوہر کی ہر ادا کو مژگاں بنا دیں ؎

جلوہ از بس کہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
جوہرِ آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا

غرض یہ کہ خط نگاری اصلاً فنِ لطیف نہ بھی ہو تب بھی بسا اوقات لطیف بلکہ "لطیف ترین" فن کے درجۂ اعلیٰ تک پہنچ جاتی ہے ـــــ اس لحاظ سے خط نگاری کے فن پر نظر ڈالی جائے تو اچھی اور باذوق خط نگاری کی کچھ خاص شرائط سامنے آتی ہیں۔

ایک نہایت ہی اہم بات خط نگاری کے سلسلے میں یہ ہے کہ ہر اچھے خط کو وہ مقصد ضرور پورا کرنا چاہیئے جو اس کے لئے

کرتا ہے جو ملاقات سے وابستہ ہوتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ خط میں "رویت" کے باوجود کامل تخلیہ موجود ہوتا ہے چونکہ خط اصولاً باہم بات چیت کا بدل ہوتے ہیں اس لئے ان میں اچھی گفتگو کے ضروری صفات ضرور ہونے چاہئیں۔ گفتگو سے میری مراد مکالمہ یعنی ڈرامہ کے دو کرداروں کی بات چیت نہیں محض گفتگو اور بول چال کے انداز بھی کافی ہیں، یہ جو غالب نے یہاں (جن کو میں دنیا کے سب سے اونچے خط نگاروں میں سے سمجھتا ہوں) دو کرداروں کا مکالمہ ہے۔ یہ غالب کی مکتوب نگاری کا صرف ایک پہلو ہے —— اور وہ بھی ایسا نہیں جس پر ان کی مکتوب نگاری کے حسن کی اساس قائم ہو —— یہ تو محض ان کی طبع تنوع پسند کا ایک کرشمہ ہے —— اور خط تو ؎

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست
بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

غرض اچھے خط کے لئے رسمی مکالمہ ضروری نہیں صرف بول چال کی سی بے تکلفی مطلوب ہے —— غالب نے مکالمہ والے خطوں میں اپنے مکتوب الیہ کو اپنے سامنے موجود فرض کیا ہے مگر ایک خاص حد سے زیادہ یہ ملاقاتی انداز تکلف اور تصنع میں بدل جاتا ہے۔ خط کی نچلی سطح میں یہ احساس ضرور موجود رہنا چاہیئے کہ باہم جسمانی فاصلہ موجود ہے کیونکہ انسانی روح جس قدر قربت کی مشتاق ہے اسی قدر اس کو فرقت اور مسافت میں بھی خیال انگیز مگر ذرا ذرا الم آمیز لطف ملتا ہے —— مکالمہ کی غیر معتدل صورت سے جہاں ایک ڈرامائی حیثیت کا لطف پیدا ہوتا ہے۔ وہاں احساس دوری کا فقدان لطف سے محروم بھی کر سکتا ہے خط کی تخیلی فضا میں قدرے بعد کا احساس ہونا چاہیئے۔ یعنی دل سے نزدیک ہونے کے باوجود دوری! ؎

باوجودیکہ دل سے ہے نزدیک
غم دوری چلے ہیں ہم سے گر

دل سے نزدیک پھر بھی دور، آنکھوں سے دور پھر بھی نزدیک! یہ خط کی اصل فضا ہے اس میں حد سے متجاوز عملی مکالمہ ہو تو تصنع کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔

میں نے گزشتہ سطور میں خط کو ملاقات کی ارفع صورت قرار دیا ہے —— مگر یہ یاد رہے کہ یہ ہے پھر بھی ملاقات —— کوئی خط مکمل طور پر حسین تبھی بنتا ہے جب اس میں ملاقات کی جملہ صفات اور اس کے جملہ اثرات موجود ہوں ورنہ عین ممکن بلکہ یقینی ہے کہ نصف الملاقات تو کیا خط ارذل الملاقات کے درجے سے بھی گر جائے —— اس سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ خط مکتوب نگار کی شخصیت کا آئینہ دار ہو۔ کوئی خط دل کے سچے جذبات کو نہیں ابھار سکتا اگر اس میں مکتوب نگار کی متحرک تصویر منعکس نہ ہو گی۔ خصوصاً اگر انسانی شبیہ کے سب سے بڑے ترجمان۔ چشم و ابرو اس میں رائے العین نظر نہ آئیں گے۔ اس آخری صورت میں صرف بجھی نشتروں کی طرح لمبے جذبات اور سراپا لفظی جمادات کی صورت اختیار کریں گے اور یہ نکتہ مکتوب نگاری کے اسرار و رموز کے شناسا مرزا غالب کی نظر میں بھی تھا۔ تبھی تو انہوں نے اپنے محبوب کو اپنے مکتوب کے ساتھ اپنی آنکھ کی تصویر بھی بھیجی تھی تاکہ مکتوب الیہ کاتب خط کی پوری شخصیت کا عکس اس آنکھ کے آئینے میں عملاً دیکھ سکے۔ مندرجہ ذیل شعر میں یہ حقیقت بڑے دلکش

جو وسیع معنوں میں ایک وسیع تر انسانی جذبہ ہے —— اسی لیے خط کا نام جب زبان پر آتا ہے تو ایک پراسرار قسم کی جستجو۔ ایک پر لطف سی گدگدی طبیعت میں پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ خط کے مطالعہ سے مسرور یا متاثر ہونے کا جذبہ ہر انسان کے لیے یکساں ہے اس لیے دوسروں کے خطوط پڑھ کر ایک حد تک انسان اپنے ہی تجربات کا اعادہ کر رہا ہوتا ہے پھر جب وہ انسانی مزاج اور دل کے رنگارنگ تاثرات کی طلسم انگیز بوقلمونیوں کو دیکھتا ہے تو کسی ادب پارے کی طرح خطوط سے بھی عام انسانی بوالعجبیوں کے مطالعہ سے خیال انگیز مسرت نصیب ہوتی ہے۔ یہ بھی کہ خطوں میں خالص سچائی اور صداقت کی توقع ہوتی ہے۔ ڈر، خوف، شہرت، نمود و نمائش اور اسی قسم کی دوسری رکاوٹیں اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتیں اس "برہنہ صداقت" کے تجربے سے ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ خط کی بنیادی ضرورت یا بنیادی جذبہ ہم کلامی کی تمنا ہے —— وہ خط جن کا مخاطب قطعاً کوئی بھی نہیں ہوتا —— وہ بھی صورت اور ہیئت کے اعتبار سے ہم کلامی کی آرزو ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی ہم کلامی کا جذبہ ہی ان کو وجود میں لاتا ہے۔ خط بہر حال شاعر کی خود کلامی سے مختلف شے ہے —— زندان احمد نگر کی تنہائیوں میں جب ابوالکلام آزاد نے کسی سے کلام کرنے کی آرزو کی تو انھوں نے وہ خط لکھے جو ہر چند خود کلامی ہی کی ایک صورت ہے مگر خط ہو کر کسی دوسرے کے نام منسوب ہوتے —— قصہ مختصر —— خط بنیادی طور پر دو انسانوں کے وجود کا طالب ہے پھر اس میں "غیبیت" یا رمزیت کا ایک ایسا تحیر انگیز ماحول بھی شامل ہو جاتا ہے جو ادب میں موجود نہیں ہوتا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس میں مسئلہ اصل یہ بھی اور نہیں بھی ——! اگر خط نگار کو مناسب فضا مل جائے تو خطوط ایک عجیب و غریب پر مسرت اجتماعی نظام یا "ادارہ" بن سکتے ہیں۔ جن خط نگاروں میں اس فضا کے پیدا کرنے اور باقی رکھنے کی استعداد زیادہ ہوتی ہے ان کے خطوط بیشتر مطالعہ کے وقت زیادہ خوشگوار اور پر تاثیر بن جاتے ہیں۔

ایک پرانا مقولہ ہے "المکتوب نصف الملاقات" یہ ایک لحاظ سے درست ہے مگر مجھے اکثر محسوس ہوا ہے کہ اس سے خط کے منصب کی قدر سے تنقیص ہوتی ہے۔ کیونکہ محض کاروباری مفہوم سے قطع نظر، ایک مادی ضرورت کی حد تک بھی خط محض نصف ملاقات نہیں ہوتے بلکہ ایک معنی میں پوری ملاقات ہوتے ہیں، اور بعض اوقات تو یہ ملاقات ظاہری ملاقات سے بھی زیادہ دلچسپ اور کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ بلیغ اس سے زیادہ رسا۔ خوشگوار اور مسرت بخش۔ بہر صورت "نصف ملاقات" تو ایک ٹھیٹ کاروباری تخیل ہے —— ملاقاتیں بعض اوقات تلخ اور ناکام ثابت ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس قسم کی ملاقات کی کوتاہیوں سے بچنے کے لیے خط کی ملاقات کا سہارا ڈھونڈا جاتا ہے —— زندگی میں بارہا ایسی صورتیں پیش آتی ہیں جن میں روزانہ اور ہر وقت کی ملاقات کے باوجود بھی حقیقی مسرت اس غائبانہ ملاقات ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ جس کا موقع خط بہم پہنچاتا ہے۔ بنابریں میں تو خط کو نصف ملاقات قرار دینے میں متامل ہوں، اور اس کو ملاقات کی ایک ارفع صورت قرار دیتا ہوں جس میں جسمانی اور مادی واسطے بالکل معدوم ہو جاتے ہیں —— اور روحوں کی روحوں سے ملاقات ہوتی ہے —— انسانی شعور کی یہ ایسی معراج ہے جس کی لطیف فضاؤں کی سیر صرف روحوں ہی کے لیے ممکن ہے۔ اجسام کا واسطہ برائے نام ہی رہ جاتا ہے۔

بایں ہمہ خط ملاقات ہی کا نمائندہ ہوتا ہے جو زبان بے زبانی ان سب جذبات لطیف اور واردات نازک کی ترجمانی

کے سوانح نگاروں نے ان خطوں کی تعریف بھی کی ہے مگر یہ رائے تامل کے بعد ہی تسلیم کرنے کے قابل ہے ان کے سوانح نگاروں کی طرف سے یہ تعریف دو وجہ سے ہے ایک تو اس لئے کہ یہ کیٹس کے خط ہیں دوسرے اس وجہ سے کہ کیٹس کی پرشور جذباتی فطرت پر یہ خط بہت روشنی ڈالتے ہیں اس کے سوانح اور اس کی نفسیات کو سمجھنے میں بہت مدد دیتے ہیں — اگر یہ صحیح ہے تو ان خطوں کی یہ تعریف ان کے فن کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ ان کے سوانحی افادے کے سبب سے ہے۔ اگر محض عاشقانہ فریاد ہی کسی خط کے عمدہ ہونے کی علامت ہے تو پھر ہر عاشق کا ہر خط ایک صحیفۂ فائقہ بن سکنے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

یہی حال افسانوی خطوں کا ہے — بعض افسانوں کے خط واقعی معیاری ہوتے ہیں مگر افسانہ نگار نفسی کوائف کا غواص اور رمز شناس ہو کر بھی افسانہ نگار ہی رہتا ہے اور کم از کم خط میں وہ قائم مقام ہی رہتا ہے اصل خط نگار تو نہیں بن جاتا۔ ان خطوں میں جذبات کی قائم مقامی کامیاب بھی ہو تب بھی سچی شخصی خط نگاری کا بدل نہیں بن سکتی۔ ایسی خط نگاری میں قدرے غیر قدرتی پن ضرور در آتا ہے قاضی عبدالغفار کے "لیلیٰ کے خطوط" اپنی رومانی جذباتی چاشنی کے باوجود اور سب کچھ ہو سکتے ہیں کامیاب خط نہیں کہے جا سکتے۔

خطوں کے متعلق پروفیسر رشید احمد صدیقی کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ بہترین خط وہ ہوتے ہیں جو پڑھ کر پھاڑ دیئے جاتے ہیں — میں نہیں کہہ سکتا کہ سخن آشنا رشید نے پڑھ کر پھاڑ دینے کو کن وجوہ سے اہمیت دی ہے — مگر میں تو اتنا جانتا ہوں کہ کسی حسین خط کو پھاڑ کر پھینک دینے کی ہمت ہی کب ہو سکتی ہے — جو خط پڑھ کر پھاڑ دیئے جاتے ہیں۔ وہ شاید ہوتے ہی اس قابل ہے کہ پڑھ کر (یا بعض اوقات بغیر پڑھے ہی) پھاڑ کر پھینک دیئے جائیں — فن جس خط کو اعلیٰ قرار دیتا ہے وہ تہذیبِ نفس اور حسنِ کلام کا غیر معمولی آمیزہ ہوتا ہے۔ اس میں سلیقہ اور شائستگی (نفاستِ طبع اور لطافتِ قلم) کا ایسا عمدہ امتزاج ہوتا ہے کہ کوئی بے درد ہی ان کو پھاڑنے کی جرأت کر سکے گا — خط وہی پھاڑے جانے کے قابل ہوتے ہیں۔ جن میں ہیجان و طغیان جذبات کا اظہار ہوا ہو اس میں شوق کی بلند بالی یا بے نیازی کا جو تقاضا ہو گا وہ اپنی جگہ درست مگر شوق کے یہ شعور انگیز انداز اصلی خطوں کے معیار کو متزلزل کر دیتے ہیں۔ اسی سبب سے اکثر عاشقانہ مکاتیب ناکام رہتے ہیں اور ان میں ابدیت کا رنگ نکھرنے نہیں پاتا۔

مقصود یہ کہ محض عاشقانہ جذبات کے اظہار سے کوئی خط اعلیٰ خط نہیں بن سکتا — عاشقانہ جذبات کے ساتھ ساتھ لطافت و توازن کی بھی ضرورت ہے عموماً یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض بڑے بڑے ادیب خط نگاری میں ناکام رہے ہیں۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ ایک تو یہی کہ اکثر بڑے ادیب اپنے مخصوص فن میں اس درجہ منہمک رہتے ہیں کہ خط نگاری کے معاملے میں "کوتاہ قلم" سے ہوتے ہیں۔ پھر خط نگاری کا میدان بظاہر تنگ ہے — ان کو اس کے ادبی امکانات بھی کچھ زیادہ نظر نہیں آتے ایک "پرزۂ کاغذ" — چند سطریں — اور وہ بھی اصولاً کاروباری سی۔ غرض خط کی ہستی بظاہر اتنی حقیر نظر آتی ہے کہ اس کو اپنی ریاضت و استعداد کا تختۂ مشق بنانے کی کسی اعلیٰ ادیب کو ہمت ہی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ خط کی کچھ اور مشکلات بھی ہیں۔ اوّل تو ایک عام خط اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایجاز و اختصار کا متقاضی ہوتا ہے۔ خط ایک مختصر صنف تحریر ہے اور اس کا حسن اس کے اختصار میں نکھرتا ہے۔ لمبا خط لمبی غزل کی طرح بے کیف ہو جاتا ہے خط نگاری میں طولِ کلام

انداز میں بیان ہوتی ہے ؎

آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے کہ تا
اس پہ کھل جائے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے

مگر یہ یاد رہے کہ آنکھ کی تصویر بھیج کر غالبؔ نے قدرے اضطراب کا اظہار کیا ہے ورنہ دراصل کامیاب خط اس خارجی وسیلے کا ضرورت مند نہیں ہوتا ـــ خط کے حروف واشکال اور الفاظ وعبارات خود ہی کاتب کی شبیہہ کی قائم مقامی کر سکتی ہیں۔ شاید اسی قسم کے کسی تاثر کے ماتحت کسی نے یہ شعر کہا ہوگا ؎

ہائے رے حسرتِ دیدار کہ اس جائے کو بھی
لکھتے ہیں ہائے وہ بے چشمی سے کتابت والے

ہر حسین خط کاتبِ خط کی پوری شخصیت کا ترجمان ہوتا ہے۔ تبھی تو وہ بے زبانی کے باوجود ـــ اور ظاہری انعکاسات سے بہت دور رہ کر بھی احسن الملاقات کا درجہ حاصل کر پاتا ہے۔ ورنہ پہاڑ کی گونج کی طرح محض نخوت اور سراسیمگی یا ابہام واہمال کا پیکر بن کر بے اثر ہو جائے گا اور ملاقات کی جذباتی تاثیر پیدا کرنے سے قاصر رہے گا۔

اچھے خطوں کے سلسلے میں بڑی بنیادی چیز ان کی لطافت ہے۔ دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے خط نگار گزرے ہیں (جن کے مکاتیب نے فنّی حسن کا مرتبہ حاصل کیا ہے) ان کے خطوں کے مطالعہ ومعائنہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی دلکشی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ ان میں ثقل اور بوجھ مطلقاً موجود نہیں ـــ یہاں ثقل لفظی بھی مراد ہے۔ مگر زیادہ زور معنی ومدعا کے ثقل پر ہے ـــ خط کا مضمون کچھ بھی ہو۔ غم والم۔ تلخی وخوشی۔ شکوہ وشکایت۔ تمنائے وصل یا شکوۂ ہجر ـــ یہاں تک کہ ضروریاتِ زندگی کے مادی پہلوؤں کی کاروباری بات بھی اچھے خط نگاروں کے یہاں کچھ ایسے لطیف انداز میں بیان ہوتی ہے کہ ایصالِ مدعا کے بعد ایک لطیف کیفیت زائد بھی خط میں پیدا ہو جاتی ہے اور یہ کمال لہجے کا بھی ہے اور انداز طبیعت کا بھی مگر اس میں شخصیت کے رچاؤ۔ مزاج کی پختگی اور اندازِ حیات کے رنگ اور ریاضت کو بھی دخل نہیں۔

اس لحاظ سے جو شے خط کی لطافت کو سخت نقصان پہنچاتی ہے وہ ہے جذباتیت کا اظہار ـــ اسی وجہ سے نوجوان خط نگاروں کے عاشقانہ خط فنی رتبہ حاصل نہیں کر پاتے۔ شبلی کسی پر عاشق تھے یا نہ تھے مگر یہ تسلیم ہے کہ ان کے وہ مکتوب جو خطوطِ شبلی 'میں ہیں عاشقانہ خط ہی ہیں اور قدرے جذباتی بھی ہیں۔ مگر ان کے لہجے اور ان کی شخصیت کے بھرپور رس نے ان خطوں کو بڑا رسیلا بنا دیا ہے سبب یہ کہ شبلی تحاسین توازن اور لطافت کے اصول سے اچھی طرح باخبر ہیں' وہ غالبؔ کی طرح ہجر میں وصل کے مزے لینے کی استعداد سے بھی بہرہ مند ہیں۔ شبلی ان شدید جذباتی ہچکولوں سے اکثر بچتے ہیں جن کے جھٹکے بعض اوقات توازن لطافت کو زیر وزبر کر دیتے ہیں۔ اچھے عاشقانہ خط وہ ہوتے ہیں جن میں جذباتیت اور ہیجان کے جھٹکے نہ ہوں۔ مگر یہ چیز ریاضت طلب ہے جو لوگ طبعاً جذبات پرست ہیں وہ سخت ریاضت کے بغیر اس لطافت کو نہیں پہنچ سکتے جو اچھی خط نگاری کی معراج ہے۔
کیٹس بہت بڑا شاعر ہے اس نے جو خط فینی براؤن کو لکھے تھے وہ شورش انگیز ہونے کے باوجود معیاری نہیں۔ کیٹس

سے وسیع کرتی ہے۔ خط میں بھی یہی روحانی آشنائی مطلوب ہے یہ وہی شے ہے جسے انگریزی خطوط کے ایک ایڈیٹر نے Freindliness سے تعبیر کیا ہے ۱؎ یہ رنگ آشنائی دنیا کے بڑے بڑے خط نگاروں کے مکاتیب میں ہر جگہ موجود ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا خط اپنے بنیادی غرض و غایت کے اعتبار سے ایک کاروباری چیز ہے یا ایک مادی ذریعہ ہے نظام تمدن کا، جیسے مثلاً تار یا ٹیلیفون وغیرہ وغیرہ ۔ ——— مگر ذہن انسانی نے اس کو تہذیب و تکمیل کے اس درجے پر پہنچا دیا ہے کہ یہ بذاتِ خود ایک فن بھی بن گیا ہے بلکہ اپنے خاص احاطے سے بلند تر اور وسیع تر ہو کر اس کے بہترین حصوں نے بلند ترین ادب میں بھی مقام حاصل کر لیا ہے ——— چنانچہ ادب کی تاریخ میں اعلیٰ خط بھی ادبی شاہکاروں کے پہلو بہ پہلو رکھے گئے ہیں ——— مگر اسلامی تہذیب و تمدن نے خط نگاری کو اس سے بھی زیادہ اہمیت دی ہے مسلمانوں نے خط کو شائستگی اور اعلیٰ تر زندگی کے زاویے سے دیکھا ہے اسلامی تاریخ کے ہر دور میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ جو شخص خط کے فن کا ماہر ہے وہ تہذیب کی روح کا حقیقی شناور بھی ہے۔ مسلمانوں کا یہ تصور بے مقصد نہ تھا اس سے دراصل ان کی اجتماعی نفسیات کے بعض دلکش پہلوؤں کی نقاب کشائی ہوتی ہے۔ انہوں نے خط کے ادارے سے جو دلچسپی لی ہے وہ ان کے بعض بنیادی ذہنی رجحانات اور اساسی روحانی اقدار کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ مسلمانوں کو غیب اور ایمان بالغیب سے جو گہری دلچسپی رہی ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ یومنون بالغیب کا ارشاد قرآنی ان کے لئے نادیدہ روابط کی استواری و محکمی کا ایک بڑا سرچشمہ تھا۔ یعنی نہ دیکھنے کے باوجود ایک برتر ہستی کا یقین کامل تھا ان کے اس قلبی روحانی اور جذباتی تعلق نے اسلامی فکریات کے اکثر شعبوں کو بے حد متاثر کیا ہے اور اس سے ان کے یہاں بعض خاص افکار و نظریات کی بنیاد قائم ہوتی وہ گویا اپنی تربیت اور ذہن کے اعتبار سے کسی غائب از نظر ہستی یا شخص سے رابطہ رکھنے کی داخلی صلاحیت کے مالک تھے اور خط و کتابت بھی ایک ایسا ہی عمل ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے گزشتہ ادبیات میں خطوط و مکاتیب کے وسیع ذخیرے موجود ہیں اور ان کے یہاں ترسل ایک عظیم علم کا درجہ رکھتا ہے جس کے اصول و معانی پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس موقع پر قدیم خط نگاری پر مفصل تبصرہ تو بے ضرورت ہے مگر چند اہم رسوم و شرائط کا تذکرہ بے محل نہیں ہوگا ——— فن میں سب سے پہلے صورت کا سوال آتا ہے پرانی خط نگاری میں صورت کے حسن و جمال پر بڑا اصرار کیا جاتا رہا ہے اس کے مختلف اجزا کی خوبصورتی، مناسبت اور دلکشی کے لئے خاص اہتمام کئے جاتے تھے (سادہ اور رنگین خطوں دونوں میں) سب سے پہلے مثلاً سرنامے کی جستجو ہوتی تھی عنوان کی مناسبت اور سرنامے کی موزونیت کا بڑا خیال کیا جاتا تھا۔ موجودہ زمانے کے بعض لوگ بعض اوقات پرانے طریقے کے سرناموں کا استخفاف کرتے ہیں غالباً بے فکری اور بے خیالی میں! لیکن اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو مناسب سرنامے کی تلاش کوئی بری بات نہیں اس سے خط کا پہلا اثر بہت خوشگوار ہو جاتا ہے۔ خط نگاری کے اس اچھے اصول سے بے اعتنائی کا ایک بڑا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جدید زمانے میں عام بلکہ بعض اوقات پڑھے لکھے لوگ بھی خط کے آداب سے نہیں جانتے اور عموماً خطوں میں جو شے ذوقی فرق مراتب، ادب و احترام یا درجے و رتبے کا لحاظ نہیں رکھا جاتا سبب اس کا یہ ہے کہ اب لوگ اس تربیت سے محروم ہو گئے ہیں جو پرانے زمانے میں گفتگو

---

1 The personal Art - Edited by Philip Wayne

شعبہ ہی نہیں تضیع وقت بھی ہے۔ اس لحاظ سے ادیب کے واسطے میں مشکلات کم ہیں مگر خط لکھنے کے لئے مناسب فرصت کی بہرحال ضرورت ہے۔ غالب کی سی خط نگاری تو کم فرصت آدمی کر ہی نہیں سکتا اور کامیاب خط نگاری بھی کم فرصت آدمی سے کبھی دل نہیں لگاتی پھر مزاج و طبیعت کا بھی سوال ہے خواہ کسی کا خط دو سطروں پر مشتمل ہی کیوں نہ ہو مگر طبعی طور پر جو شخص خط نگاری کے لئے سازگار مزاج نہیں رکھتا یا خط کے فن کو خط کے شوق سے ملا کر اس کے لئے وقت نہیں نکال سکتا اس کے خط لکھے ہوتے نہیں ہوتے "گھسیٹے" ہوتے ہوتے ہیں ان کو خط نہیں کہا جا سکتا یہ کوئی لیبل ہی ہوگا یا کوئی غالب جو خط کو کاروباری وسیلہ بھی بنا تے گا اور مشغلۂ فن بھی ـــ جو شخص بھی خط کو گھسیٹنے کی چیز نہیں بلکہ لکھنے کی چیز سمجھ کر لکھے گا اسی کے خط بہار دانش بھی بنے ملیں گے اور گلدستۂ مسرت بھی! غالب نے تو غزل کی طرح خط کو بھی ایک ادبی مشغلہ بنا لیا تھا ـــ اس کے خط انہیں تقاضوں سے پیدا ہوتے تھے۔ جن سے ان کی غزل پیدا ہوئی۔ غالب نے اپنے نظام زندگی میں خط کو بھی وہی درجہ اور رتبہ دے رکھا تھا جو اس نے اپنی غزل کو دیا ہوا تھا۔ خط نویسی کا یہی شوق تھا۔ جو خارجی محرکات سے آزاد ہو کر ان کے لئے ایک داخلی تجربہ سا بن گیا تھا اور وہ کہا اٹھے تھے ؎

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

اور بعض اوقات تو یہ داخلی تجربہ بالکل ایک طرفہ چیز بن جاتی تھی مگر خامہ فرسائی کا ذوق ان سے کہے جاتا تھا کہ ہاں اور ـــ کہ ہاں اور ؎

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخ مکتوب
مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

خلاصۂ کلام یہ کہ خط بڑا ہی نازک فن ہے یہ کاریگری بھی ہے اور آئینہ سازی بھی ـــ یہ مختصر اور محدود بھی اور وسیع و بے کراں بھی ہے یہ حد سے زیادہ شخصی بھی ہے مگر اس کے باوجود آفاقی اور اجتماعی بھی ـــ اس میں دانش بھی ہے اور بینش بھی بظاہر کچھ بھی نہیں مگر اس کا ہر ورق بھر بھی، فن ہے معرفت کردگار اور معرفت انسان دونوں کا ـــ یہ لکھنے والے کے لئے تو محض عرضِ سخن ہے۔ مگر پڑھنے والے کے لئے گنجینۂ فن بھی ہو سکتا ہے ـــ غرض خط ایک جہانِ راز ہے جس کے ماند اگر سربستہ رہیں تو سینوں کو گھر پاتے معنی کے دفینے بنا دیں اور آشکار ہو جائیں تو جذبے کی ساری دنیا مشکبار بن جاتے۔

دنیا بھر کے مجموعہ ہائے خطوط کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ وہی خط دیرپا اور مستقل ادبی اہمیت اختیار کر سکتے ہیں جن میں طبع انسانی کے بنیادی ذوق کی تشفی کے وسیع تر سامان موجود ہیں۔ خط یوں تو دو چار باتوں کا نام ہے مگر چونکہ خط کا ہیولیٰ فن اور شخصیت دونوں سے مل کر تیار ہوتا ہے لہٰذا مستقل شاہکار بننے کے لئے دانش و بینش کے جوہر کے علاوہ خط میں کچھ وہ چیز بھی ضروری ہے جس کو آدمیت کا رنگ آشنائی کہا جا سکتا ہے تاکہ ہر مطالعہ کرنے والے کو یہ محسوس ہو کہ کسی خط میں کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جن سے اس کی روح مانوس اور آشنا سی ہے ـــ یہی وہ روحانی آشنائی ہے جو ہر اونچے ادب کو زمان و مکان کی حدوں

دوسرے دفتر میں ہیں سرکاری دفتری خطوں سے سہل تر ہیں مگر ان کے دقیق ہونے میں شک نہیں ان میں گہرا انفرادی رنگ پایا جاتا ہے لیکن بناوٹ بالکل موجود نہیں وہ ابوالفضل کی عظیم شخصیت کے قلم سے نکلے ہیں۔ اور شخصی جزئیات و معاملات کا کثیر عنصر ان میں پایا جاتا ہے اسی لئے ابوالفضل کے خط ادب العالیہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ فارسی میں اور بھی بڑے بڑے انشاپرداز خط نگار ہو گذرے ہیں مگر یہ مضمون چونکہ اردو خط نگاری سے متعلق ہے اس لئے اس میں ان سب کے تذکرے اور تبصرے کی کوئی گنجائش نہیں ــــ سرسری طور پر البتہ اورنگ زیب عالمگیر اور چندر بھان برہمن کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا جن کا تعلق ہندوستان کی خط نگاری سے ہے ان دونوں مکتوب نگاروں کی خط نگاری کا امتیاز خاص یہ ہے کہ ان میں سادگی، سلامت اور مدعا نگاری کا عنصر بھی ہے اور ان میں مکتوب نگار کی شخصیت کا انفرادی رنگ بھی پایا جاتا ہے خصوصاً اورنگ زیب کے خطوط تو ادب میں بدیں وجہ خاص مقام رکھتے ہیں کہ ان میں مدعا نویسی کے باوجود ادبی شان اور بلاغت کا کمال پایا جاتا ہے۔ برہمن کے خطوں کی بات یہ ہے کہ تکلف اور رنگینی کے رواج عام کے باوجود اس نے خطوں میں سادگی اور مدعا نگاری کو مقدم رکھا اس کے علاوہ اس کی انشا میں معصوم، نرم و ملائم اور تہذیب یافتہ لہجے کی چاشنی ہے ــــ خط کے فن پر اس کو خاص قدرت معلوم ہوتی ہے۔

انیسویں صدی کے وسط میں جب فارسی کی کاروباری حیثیت کو زوال ہوا اور اردو نے اس کی جگہ لے لی تو اردو میں مراسلت کا رواج زیادہ ہو کر بڑھتا گیا اور اب عام خط و کتابت انگریزی کے علاوہ اردو ہی میں کی جاتی ہے۔

اردو خط نگاری کا اولین دور فارسی انداز سے متاثر تھا ــــ وہی القاب و آداب، وہی سرنامے، وہی عنوان، وہی اختتامیے، وہی رنگ انشا، وہی تکلف، وہی رنگینی مگر انیسویں صدی کے ربع اول میں سادگی کا کچھ کچھ میلان پیدا ہوا چنانچہ انشائے بے خبر سے ظاہر ہوتا ہے ــــ نئی طرز کی ایجاد کا سہرا صحیح معنوں میں غالب کے سر ہے ۱۸۴۹ء کے لگ بھگ انہوں نے نئے انداز میں خط لکھ کر اردو میں نہ صرف مکتوب نگاری کی طرز نکالی بلکہ خود اردو نثر کو بھی ایک بدیع طرز نگارش سے آشنا کیا۔

مرزا غالب کے خطوط اردو خط نگاری کی تاریخ میں منفرد امتیازات کے حامل ہیں۔ ان میں مرزا کا رنگ طبیعت بلکہ نجی اور پرائیویٹ زندگی کے انعکاسات بھی شعاع ریزی کر رہے ہیں ــــ ان سے پہلے خطوں میں خلوت کی زندگی کے اشارات کبھی آتے بھی تھے تو چیستان اور معمّہ کی زبان میں آتے تھے ــــ اس کے باوجود ایسے خط شاید ہی کبھی محفوظ رکھے گئے ہوں گے جن میں کسی کی نجی زندگی کا کوئی ایسا پہلو آتا ہوگا جو قابلِ اخفا ہو ــــ مرزا غالب نے اس رسم کو ترک کر کے اپنی زندگی ہی میں اپنے خطوط شائع ہوتے دیکھے اور ان میں دلچسپی لی۔ یہ وہ خط تھے جن میں ذاتی معاملات اور عام مطالب کے علاوہ ان کی زندگی کے ہر قسم کے حالات ملتے ہیں یہاں تک کہ ان کی مے نوشی اور عشق بازی کے تذکرے بھی آتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان میں اس طرح کے اعترافاتِ گناہ نہیں پائے جاتے جس طرح مثلاً ہم مغرب کے بعض لوگوں کے خطوں میں دیکھتے ہیں پھر پردہ داریوں کے اس دور میں مراسلت کی یہ "بے پردگی" بھی بڑی جرأت کی بات ہے غالب کے اکثر خطوط کاروباری، معاملاتی تحریک سے زیادہ خط نگاری کے ذوق سے لکھے گئے ہیں ــــ ان کے خطوں میں ہم کلامی کی وہ بے کراں آرزو موجزن ہے جو کسی طور تسکین نہیں پاتی اور ایسا

اور مکاتیب کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھی بہرحال القاب، سرنامے اور خطاب کا سوال بڑا اہم سوال ہے۔ جب اسی میں فرقِ مراتب ملحوظ نہ رہا تو جذبات اور احساسات کے وہ گوناگوں اور لطیف و نازک رنگ کس طرح باقی رہ سکتے ہیں۔ جو کسی قاعدہ دان "مہذب اور شائستہ سوسائٹی" میں لازماً خود بخود نکھر آتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جس معاشرت کی بہار اپنی رنگ برنگ پھولوں اور گلوں سے فروزاں ہے یہ صحیح ہے کہ قدیم خط نگاری میں رفتہ رفتہ القاب کی یہ رسم تکلفاتِ لایعنی کے دائرے میں داخل ہو گئی تھی مگر موجودہ بے رنگی اور فرقِ مراتب سے بے نیازی بھی بعض اوقات کج خلقی اور درشتی تک جا پہنچتی ہے ـــــ میرے نزدیک یہ چیز یا تو تہذیبی مزاج کے بگاڑ کا نتیجہ ہے یا استعداد و لیاقت کی کمی کا ـــــ صورت جو بھی ہو بے ربطی عنوان مکتوب نگار کی ذہنی ابتری اور نفسی خلفشار کا ثبوت پیش کرتی ہے۔

غرض خط میں خاص اسالیب اور موزوں القاب و آداب و تخاطب و کلام کی مختلف صورتوں کا لحاظ ہی خط کو برقی پیغام یا وائرلیس کی بے جانی گفتگو سے فائق تر اور ممتاز تر بناتا ہے ان آداب و رسوم سے خط کے وقار اور حسن میں اضافہ ہوتا ہے بشرطیکہ ان میں سادگی اور خلوص کو برتا جائے محض کاروباری سا انداز کج خلقی کے علاوہ خط کو اس کی سپرٹ سے بھی محروم کر دیتا ہے جو کاتب خط کے مدنظر ہے۔

مشرقی خط نگاری کی تاریخ میں حسبِ صورت کے لئے کیا کیا کچھ اہتمام کئے جاتے تھے اس کی سرگزشت بہت طویل ہے۔ یہ سرگزشت بھی دراصل تہذیب کے مختلف ادوار کی تمدنی مزاج کی تفصیل سے وابستہ ہے ـــــ مجھے ـــــ خطوط کے مختلف ارتقائی ادوار میں عجیب عجیب تبدیلیاں رونما ہوتی نظر آتی ہیں اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداً خط نگاری میں سادگی، ایجاز و اختصار، مدعا نگاری خلوص اور مناسبت و موزونیت کے اوصاف کو خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ مگر تہذیب میں تکلف کا رنگ جتنا جتنا بڑھتا گیا اسی قدر خطوں میں بھی تکلف اور رنگینی کا عنصر زیادہ ہوتا گیا۔ طویل سرنامے، لمبے القاب و آداب۔ طرزِ تخاطب میں بناوٹ اور تصنع اور "دفتریت" کے انداز نمایاں ہوتے گئے ـــــ جن کا خاتمہ اس اسلوب پر ہوا جس کو غالب نے "محمد شاہی روشوں" کا نام دیا ہے یہ روش دراصل محمد شاہ کے زمانے تک محدود نہیں بلکہ اس کا سلسلہ عربی ادب کے "دورِ مصنوعیت" سے جا ملتا ہے جس کے اثر میں کم و بیش سارا ہی فارسی انشائی ادب مدتوں ڈوبا رہا ـــــ مصنوعیت کا ایک سبب دفتریت کا غلبہ تھا جس نے خط نگاری کو بری طرح ملوث اور مجروح کیا اور اس کو بے جا تکلف کے راستوں پر ڈال دیا ـــــ گویا عام خط نگاری بھی "ترسّل" (دفتری انشا) کی غلام ہو کر رہ گئی ـــــ خط ایک نجی، شخصی و کاروباری چیز نہ رہی بلکہ رنگین نثر کی ایک شاخ بن گئی۔

ہندوستان کے فارسی ادب میں ترسّل کا اولین ممتاز ہدایت نامہ اعجازِ خسروی ہے۔ یہ بھی سادگی سے زیادہ تکلف اور رنگینی ہی کی تحریک کرتا ہے ـــــ کلام میں (بشمول خط) نمکینی کو بڑی اہمیت دیتا ہے ـــــ اور کہتا ہے کہ نمکینی کا ذائقہ ترکوں کو خاص طور سے عطا ہوا ہے مگر یہ نمکینی بھی ایک خاص مرحلے کے بعد صنائع بدائع کی رنگینیوں میں ڈوب جاتی ہے ـــــ خسرو کے بعد فنِ انشا کے اکثر ماہرین اسی رنگینی سے متاثر رہے البتہ ابوالفضل نے خط نگاری کو ایک نئے انداز سے آشنا کیا جس کو رنگین تو نہیں کہا جا سکتا۔ مگر اس کو دقیق اور پیچیدہ ضرور کہا جا سکتا ہے اور ہر چند کہ اس کے نجی خطوط جو اس کی انشا کے

ان کے خطوط میں تخلیہ کی فضا کچھ زیادہ نہیں ان میں "تنہائی" کا ماحول کم اور ہنگامۂ زندگی کا شور و غوغا زیادہ ہے کیونکہ یہی ان کی زندگیوں کا عام رنگ تھا۔ ان کے خطوں میں "تقدیسیت" اور رازیت کا ماحول بھی کچھ زیادہ نہیں ـــ ان خطوں کا مخاطب کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ یہ عمر، بکر ـــ خصوصیت کی دعا رکھتی ہے۔ البتہ ان جذبوں کی کمی نہیں جن کی ارفع ترین صورت اعلیٰ مقاصد اور اعلیٰ اقدار کے جوش سے پیدا ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اعلیٰ مقاصد کی پیش رفت اور اعلیٰ اقدار کی خدمت گہری دلبستگیوں کے بیچھے اور پاکیزہ روابط کے بغیر ممکن نہیں ـــ چنانچہ ان کی زندگیوں میں بھی کئی ایسے مرحلے آجاتے ہیں جب انہیں اپنی روحانی تنہائیوں کے اندر لگاؤ تھی اور دل کی دھڑکن کی اپیل کرنی پڑ جاتی ہے ـــ یہی وہ انسانیت پرور بنیاد ہے جو ان کی خط نگاری کو بہرحال قابل توجہ بنا دیتی ہے۔

دور سر سید کے مکاتیب کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں ان میں سر سید اور مکاتیبات اخلاق کے علاوہ محسن الملک اور وقار الملک کے خطوط شبلیؔ کے مکاتیب و خطوط، حالیؔ کے مکاتیب، خطوط اکبر الہ آبادی کے مختلف سلسلے ہیں قابل ذکر ہیں ـــ ان سب میں شبلیؔ کے مکاتیب اپنی تازگی، طرفگی، ندرت، ایجاز اور اپنے آشنایانہ و سخن گسترانہ انداز کے باعث مستقل قدر و قیمت کے مالک ہیں۔ ان میں مقصد کا وجود اور پیغام کا انحصار تو ہے ہی مگر مخاطبوں کے رتبہ و مقام کا لحاظ، ان کے جذبات و نفسیات کا پورا پورا شعور بھی موجود ہے ـــ سر سید کا دور اپنے بے تکلف انداز بیان کے لئے اعتبار رکھتا ہے ـــ طرز بیان میں اس کی لطیف روح اگر کہیں جلوہ گر ہوئی ہے تو شبلیؔ کے خطوط و مکاتیب میں ہوئی ہے ان کے خطوط میں ذوق و شوق اور دل و دماغ کو سیراب و شاداب رکھنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے ـــ کچھ اس طرح معلوم ہوتا ہے جیسے ان کا ہر خط ایک زعفران کا پھول ہے۔ جس میں باغ فردوس کی خوشبو ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ ان کے خط بالکل مختصر ہوتے ہیں ـــ ایجاز یوں بھی شبلیؔ کی تحریر کا خاصا ہے مگر جو ایجاز ان کے خطوط میں ہے اس کو جانِ اعجاز ہی کہا جا سکتا ہے۔ ان کی مکتوب نگاری فرصت اور وقت گزاری کا مشغلہ نہیں۔ ان کا ہر خط کسی جمیل یا جزیل مقصد سے وابستہ ہے ان کے خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت کی اہمیت جانتے ہیں اور اس کی قدر کرتے ہیں لہٰذا زندگی کا ایک لمحہ بھی ان کے نزدیک رائگاں نہیں اسی تناسب سے ان کے خط کا شاید ایک لفظ بھی بے کار اور بے ضرورت نہیں۔ بجا۔ ملا۔ ضروری ضروری مگر اس میں عجیب طرح کی تاثیر ہوتی ہے اور ان کے چھوٹے سے خط سے بھی ایسی تسکین ملتی ہے گویا کسی نے کوئی دلچسپ داستان ورق ورق پڑھ ڈالی ـــ ایک ہی چھوٹے ہوئے فقرے سے، ایک ہی مصرعے سے، ایک ہی استعارے یا ترکیب سے، ایک ہی طنز یہ چھیڑ سے، ان کا خط لذتوں سے معمور ہو جاتا ہے۔

شبلیؔ کے خط سب کچھ کہتے ہیں مگر ان کی اپنی ذات کچھ ملفوف ہی رہتی ہے۔ مہک تو ہے مگر پھول پر نظر نہیں پڑتی۔ شبلیؔ کے خطوں میں جذباتیت بھی ہوتی ہے مگر ایجاز کی برکت سے ان کی جذباتیت ناگوار اور بدنما نہیں ہونے پاتی ان کے خطوں میں خلوط ان کے خطوں میں ذرہ اختلاطی کا رنگ نہیں مکتوب الیہ سے ذرا ہٹ کر بیٹھتے ہیں ـــ

معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فطرت کی پیاس جب شعر کی شراب سے بھی تشفی نہیں پاتی تو وہ نثر میں اپنی آرزوئے شوق کو ڈھونڈنے نکلتے تھے یہی تشنگی ذوق کبھی انہیں بوستانِ خیال کی ورق گردانی پر مجبور کرتی تھی وہ جب تنگنائے غزل سے اکتا جاتے تھے تو آب ناسے نثر کی سیاحت کر لیتے تھے ——— شعر کے مقابلے میں نثر میں جزئیات و تفصیلات کے تذکرے کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے ——— اور غالب کو (اپنی آرزومندیوں کے اظہار کے لئے تفصیل مطلوب تھی۔ غالب کے خط ان کے لئے رفیقِ تنہائی کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ انہی سے دل بہلاتے تھے۔

غالب کی شاعری میں خط کے متعلقات کے بارے میں بڑے مطلب خیز اشعار ملتے ہیں۔ ان کا مطالعہ ان کی خط نگاری کے عادتوں پر بہت حاصل روشنی ڈالتا ہے ان سے ایک صاحبِ فن خط نگار کے فنی میلان اور نفسی کیفیتوں کے عجب عجب راز کھلتے ہیں اور ان مسرتوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے جو اس عظیم خط نگار کو اپنے اس "رفیقِ زبان" کی صد رنگ گویائیوں کے ذریعے حاصل ہوتی تھیں۔

غالب نے اردو خط نگاری میں جو نئے اسلوب پیدا کئے۔ اس کے متعلق غالب شناسوں نے بہت کچھ لکھا ہے غالب نے خود بھی اپنی خط نگاری پر تبصرے کئے ہیں ——— ان کی خط نگاری کی اہم بات شخصی تفصیلات کا جذباتی ذکر ہے۔ پھر وہ مکتوب الیہ کی تفریح و فرحت کا بھی خاص خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ میں نے مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے اور ہجر میں وصال کے مزے لے رہا ہوں۔ ایک خاص زمانے کے بعد انہیں یہ شعور بھی ہو چلا تھا کہ لوگ ان کے خطوط میں دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر اس احساس کا ان کے خط کے بے تکلف انداز پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ ان کے اندازِ خط نگاری نے کردار نگاری اور شخصیت نگاری کے لئے بڑے اچھے نمونے یادگار چھوڑے ——— چارلس لیمب کی طرح ان کے خطوں میں بھی مہر و محبت اور دوستداری کے خوش گوار اثرات پائے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں خود کلامی اور "خود استغفاری" بھی ہے۔ اس سے ان کے مطالب خط کے کناروں سے اچھل کر ادب کا دریائے بے کراں بن جاتے ہیں۔

غالب کے خطوں کی مقبولیت سے اردو خط نگاری کو ایک معین ادبی رتبہ حاصل ہوا۔ ان کے بعد خوش مذاق خط نگاری عموماً ان کے طرز کی تقلید کرتی نظر آتی ہے ——— البتہ سرسید کا رنگ اپنا ہے سرسید کی ادبی تحریک اور ان کے شخصی رنگِ خط نگاری نے بھی خاصی حد تک اردو خط و کتابت پر اثر ڈالا سرسید جس طرح نثر میں مدعا اور مقصد کے داعی ہیں اسی طرح خط نگاری میں بھی مقصدیت کے علم بردار ہیں۔ انہوں نے مضامین تہذیب الاخلاق میں خود بھی اس کا ذکر کیا ہے وہ صرف کام کی باتیں کہنا چاہتے ہیں اور عبارت آرائی، تکلف، اطناب بے مقصد سے احتراز کرتے ہیں ان کے خط ان کی عام نثر کے مقابلے میں زیادہ شگفتہ ہیں۔ ان میں قدرے ایجاز بھی مدِ نظر رہتا ہے (اور یہ چیز ان کی عام نثر میں نہیں) خطوں میں ظرافت اور شخصی چسپیدگی کی آمیزش بھی ہے تفصیل کو پسند کرتے ہیں اور اپنی تحریک کے معاملات میں اسی جوش و خروش اور طولِ کلام کو روا رکھتے ہیں جو مثلاً تہذیب الاخلاق کے مضامین میں ہے۔ ان کے خطوط اور مضامین کے درمیان کچھ مسافت ہے مگر زیادہ نہیں کیونکہ ان کے خط بھی پیغام کی حدود سے متجاوز ہو کر تبلیغ و خطابت تک جا پہنچتے ہیں ——— بہر حال یہ مسلم ہے کہ سرسید نے اردو خط نگاری کو مضمون کی قطعیت زبان کی سادگی اور تخاطب کے خلوص سے آشنا کیا ——— اور یہی چیز ان کے اکثر رفقاء کے خطوں میں پائی جاتی ہے ——— مگر

سخن نغز خط ہیں جو اپنا اصلی غرض (مدعا کا ابلاغ) نہایت اچھی طرح انجام دیتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ حالی کا ان سے کوئی مطالبہ بھی نہیں۔ نہ ہم اس سے زیادہ ان سے کوئی مطالبہ کر سکتے ہیں۔

سرسید کے زمانے سے لے کر ۱۹۱۷ء تک کے دور تک کے کئی اکابر کے مکاتیب مجموعے شائع ہوتے ہیں۔ ان میں ہر رنگ کے لکھنے والے اور ہر مزاج کے خط نگار سامنے آسکتے ہیں۔ ان میں داغ دہلوی، امیر مینائی، شوق قدوائی، ریاض خیرآبادی، سید ناصر علی وغیرہ کے خطوں میں جو احباب اللہ میں اور جو احباب مسرتیں ملتی ہیں۔ ان میں سے بعض ادبیت پر زور دیتے ہیں بعض شخصی جزئیات کے اظہار کو مدنظر رکھے رہتے ہیں بعض مکتوب الیہ کے پاس خاطر اور دل جوئی کو باقی ہر شے پر مقدم جانتے ہیں۔ ان سب میں ایک خصوصیت مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ان سب میں رنگِ قدیم کی جھلک نظر آتی ہے۔ یعنی ذرا ذرا تکلف زیبائش و آرائش کا خاص خیال شخصی جزئیات کم مگر ادبی ذوق کی زیادہ احتیاط شعر کا برمحل مگر فراواں استعمال۔ مکتوب الیہ کے رتبے کا خاص لحاظ اور اپنے سے زیادہ اس کی دلداری اور فرحت کا خیال پھر یہ خاص کوشش کہ خط کا کوئی لفظ نوکِ خار یا نوکِ سوزن کی حد تک بھی چبھ نہ جائے ——— اور یہ قدیم مجلسی اخلاق کا بنیادی عقیدہ تھا ——

اگر چشم خدا بینی بہ بخشند
زمینی ہیچ کس عاجز تر از خویش

اس دور میں البتہ القاب و آداب میں نیا رنگ آ گیا ہے یعنی ان میں اختصار مدِنظر ہے اور اختصاراً بھی لیس حد مناسب کے اندر ہیں۔ امیر مینائی اپنے مختصر القاب میں کبھی کبھی سجع و قافیہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ مگر پُرلطف طریقے سے مثلاً سعادت ضمیرا پیارے ضمیر یا عزیز از جانِ من منشی ضمیر حسن وغیرہ۔

اس دور کے خط نگاروں میں ریاض خیرآبادی کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا ——— ریاض کے خطوں میں ان کی اپنی شخصیت کے داخلی رنگ کھلتے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں غالب کی سی بُو باس ہے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"سرکار کی طرف سے یہ پرورش کیا کم ہے کہ دونوں وقت پیٹ بھر کر کھاتا ہوں اور دن رات دعائیں دیتا ہوں یہ مستزاد برآں کہ اللہ نے آپ سے محبت والے کو مجھ بے آس کا ذریعہ بنایا ہے۔ آپ کی ہر چیز کو اپنی چیز سمجھتا ہوں اور خوش رہتا ہوں آپ کو دیکھ کر سب فکریں دور ہو جاتی ہیں۔ انشاء اللہ ...."

اس اقتباس میں سوائے "یہ مستزاد برآں کہ" کے سوا باقی کسی قدر غالب کے تیور ہیں۔ ان کے خط عموماً مختصر مگر جی چاہے اور ضرورت پڑے تو مناسب طول بھی اختیار کر جاتے ہیں۔ لمبے خطوں میں طبیعت کچھ زیادہ ہی کھلتی دکھائی دیتی ہے۔ ان میں ادبی چاشنی کچھ زیادہ تیز ہے ——— مکتوب الیہ سے زیادہ وہ اپنی طرف متوجہ ہیں۔ ہاں کبھی کبھی جو خیال آیا ہے تو ایک آنکھ اس کی طرف بھی دیکھ لیتے ہیں، وہ شعر کا استعمال کرتے ہیں، مگر جب کرتے ہیں تو برمحل۔

اکبر الٰہ آبادی کے خطوط دلچسپ بھی ہیں اور مختصر بھی۔ اختصار کی خشکی ظرافت سے اور اکثر موقعوں سے اپنے ہی اشعار سے دور کر جاتے ہیں ——— ایک خط ملاحظہ ہو۔

دور بیٹھا غبار میر ان سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

ان کے عام خطوط علمی و تنظیمی موضوعوں پر ہیں مگر جہاں اپنایت اور شفقت و محبت کا رنگ ہے وہاں بھی قدرے بالادستی کا انداز ہے مگر سچ تو یہ ہے کہ شبلی کی بالادستیاں بھی کچھ بھلی بھلی محسوس ہوتی ہیں ـــ پھر ان کے خطوں میں خصوصیت زیادہ ہے۔ مکتوب الیہ کے متعلق خاص باتیں زیادہ ہوتی ہیں اس لئے عمومی انداز میں دوسرے لوگوں کو ان کے مطالعہ سے بنیادی انسانی رفاقتوں کی مسرتیں ذرا کم ہی میسر آتی ہیں مگر خطوں کی زمین اتنی ملائم اور شاداب ہوتی ہے کہ سارا خط ایک قطعۂ چمن معلوم ہوتا ہے۔ مخاطب کے ذوقی تقاضے بھی اتنے مدنظر رہتے ہیں کہ خط میں مکتوب الیہ کے لئے تلخی بھی ہو تو بھی اس کے لئے بڑے مزے ہیں ـــ بعض بزرگوں نے خطوط شبلی کو چھاپ کر شبلی کی اخلاقی کمزوری کا ثبوت بہم پہنچایا ہے مگر یہ بھول گئے کہ ہر زمانے کا ایک خاص مذاق ہوتا ہے یہ شبلی کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو زمانہ اچھا ملا ـــ کیونکہ موجودہ زمانے کو تو شبلی کی یہ ادا کچھ اور بھی اچھی لگی بالغرض اگر کوئی اور زمانہ ہوتا تو شاید شبلی کے یہ راز ان کی رسوائی کا سامان بنتے یا بناتے جاتے ـــ مگر اس دور میں تو یہ بے نقابیاں اور بے حجابیاں رنگین مزاج شبلی کے قصے کو کچھ اور بھی رنگین بنا گئیں؛ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ خط نہ بھی چھپتے تو بھی شبلی کی جذباتی تشنگی کے راز تو "شعر العجم" کے انداز بیان سے ہی کھل جاتے ہیں۔ اس لئے "شعر العجم" کا مصنف اگر خطوط شبلی کا ہیرو بھی نکلا تو چنداں تعجب نہ ہوا ـــ

گرچہ تھی طرز تغافل پردہ دار راز عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

سرسید کے گروہ میں حالی کے خطوط بھی ان کی سادہ اور متوازن شخصیت کے آئینہ دار ہیں ان کے خطوں میں خوش مذاقی اور مدعا نگاری کا پر لطف آمیزہ موجود ہے ان میں شخصی ادعا کم ہے۔ مکتوب الیہ کا لحاظ زیادہ نمایاں ہے۔ حالی کے خط ان کی ذات سے زیادہ ان کے مکتوب الیہ کے حالات اور ذہنی کوائف پر روشنی ڈالتے ہیں۔ صاف بیانی اور قطعیت، سادگی کے ساتھ آمیز ہو کر ان کے خطوط کو معنی دار بنا دیتے ہیں ـــ بعض فاضل ناقدوں نے حالی کے مزاج کی خشکی کا گلہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے خط پڑھ کر مکتوب الیہ کو اطمینان بخش پیغام تو مل جاتا ہے مگر دل میں جوش پیدا نہیں ہوتا ـــ لیکن اس سے انکار نہ ہوگا کہ حالی کے خطوں کے مطالعہ سے قلبی کشادگی اور وسعت کی ایک فضا ضرور پیدا ہوتی ہے ـــ ان کے خط دو آدمیوں کی ذاتی ملکیت تک محدود نہیں رہتے بلکہ وہ نفع عام ذوق عام کی چیز بن جاتے ہیں ـــ حالی کے خط دراصل سرسید کی طرح محض مقصد کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں غالب کی سی آرزوئے ہم کلامی اور شبلی کا سا جوش حیات نہیں جس کی نمو رفاقتوں کے جذبات اور تقاضوں کی آبیاری سے ہوتی ہے حالی کی زندگی ہی ایک ایسی جوئے نرم رو سے مشابہ ہے جس کی موسیقی کی دھنیں فضا نرم اور مدھم سی رہتی ہیں۔ حالی کے مزاج کا تغزل ان کے خطوں میں کم منعکس ہوا ہے۔ ان کے یہاں خود نمائی نہیں ـــ ان کے خطوں میں حقیقت کی پرخلوص سادہ بیانی ہے ـــ انہوں نے خط کو نہ فن کا تماشا بنایا ہے نہ سخن کا پردہ یعنی ان کے خط نہ فن ہیں نہ

ہیجانی طرزِ بیان، نثر کی شعریت خیال کی رنگینی — مخاطب کو اپنے ساحرانہ طرزِ تکلم کے طلسم سے مبہوت رکھنے کے ڈھنگ — غرض رنگِ ابوالکلام کی سبھی سحر آفرینیاں ان کے مکاتیب میں موجود ہیں — ان کے معمولی کاروباری اور معاملاتی خط بھی کاروباری معلوم نہیں ہوتے — ان میں بھی سنجیدگی اور دل گرمی اور مخاطب سے لگاؤ کی صفات پائی جاتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی خط نگاری کو "غبارِ خاطر" کے خطوط سے بڑی شہرت حاصل ہوئی — یہ خطوط ۱۹۴۳ء میں منظرِ عام پر آئے اور اس عرصے سے متعلق ہیں جب مولانا قلعہ احمد نگر میں اسیرِ فرنگ تھے — ان کا مخاطب کون ہے بظاہر مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی — مگر ان خطوں کے مطالب خصوصیت کی تنگنائیں محدود نہیں کیے جا سکتے — ان کا مخاطب مشرق و مغرب اور حال و مستقبل کا ہر قاری ہے — اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خط نگار خود ہی اپنا مکتوب الیہ بھی ہو — بہر حال یہ خطوط بہت مقبول ہوئے ان کے قبولِ عام کا دائرہ ایک لحاظ سے تذکرہ اور الہلال سے بھی وسیع تر نکلا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان خطوط میں طرزِ ابوالکلام کے لطیف ترین نقوش ملتے ہیں — وہ شخصی رنگ جو ان کی دوسری تحریروں میں چھپ چھپا کر رونمائی کر لیتا تھا اب اس کو قلعہ احمد نگر کی تنہائیوں میں کھلنے کا خوب خوب موقعہ ملا — ان کی دوسری تحریروں میں گل و سنبل یا سبزہ و گل کے ساتھ خار و خس بھی کھٹکتے ہیں۔ جوشِ خطابت اور زورِ کلام کے سیلاب میں جو کچھ سامنے آتا ہے موجوں کے پردوں پر اڑتا تیرتا نظر آتا ہے مگر غبارِ خاطر میں گل ہی گل ہیں۔ یہاں آزاد کی طبیعت کا باغ سدا بہار ہے یہاں بات کا انداز نسبتاً سادہ۔ بیانِ واقعات میں خوش بیان، خوش مذاق گفتگو کرنے والے کی مٹھاس، کہانی کی طرح کی دلچسپی — اس میں جا بجا خیابانِ فارس سے لائے ہوئے ارمغان۔ بہترین و منتخب اشعار جن میں انسانی ذہن و فکر اور دانش و بینش کا خلاصہ سمٹ آیا ہے، سبحان اللہ! اگر یہ غبارِ خاطر ہے تو پھر شمیمِ گل کس بلا کا نام ہے۔

غبارِ خاطر کہنے کو خطوط کا مجموعہ ہے مگر ان کا پیغام والا صحیفہ اتنا برائے نام ہے کہ ان کو خط کہنے میں بھی تامل ہوتا ہے۔ یہ خطوط شخصی اور خیالیہ EASSAY ہیں جن میں زیادہ تر اپنی ہی ذات مرکزِ توجہ ہے۔ ان میں کاتبِ خط مخاطب کے لئے اپنے ماحول کے متعلق بہت کچھ سیراب و شاداب معلومات بہم پہنچاتا ہے — مگر ایسی جن میں مکتوب الیہ کے متعلقات نہ ہونے کے برابر ہیں — بس اپنی ہی شخصیت اور ماحول کی رنگین اور خیال انگیز تصویر کشی ہے — غالب کے یہاں بھی اس قسم کا ماحول پیدا ہوتا ہے، مگر غالب ایک باقاعدہ خط نگار تھے۔۔ یعنی ان کے لئے سلسلہ مکاتبت تفریح سے بڑھ کر فن اور فن سے گزر کر جزوِ زندگی تھا — ان کے خطوں میں مکالمہ ہم کلامی یا ہم کلامی کی آرزو ہے — ابوالکلام کے خط خود کلامی کے سرچشمے سے فیض یاب ہو رہے ہیں ان کو کسی خاص مکتوب الیہ کے سہارے کی ضرورت نہیں — ابوالکلام کے خطوط کے جتنے مجموعے نظر سے گزرے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالکلام خط نگاری میں دو باتوں کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ مختصر خط کی بے ذوقی اسی وقت اختیار کرتے ہیں جب کوئی راہِ فرار نہ نکل سکے۔ ان کے اکثر خط مناسب طول کے مالک ہیں — دوسری بات یہ کہ ان کے نزدیک خط فنونِ ابلاغ میں سے ایک لطیف ترین فن ہی نہیں بلکہ وہ اسے اعلیٰ درجے کے مجلسی ذوق اور حسنِ معاشرت کا نمائندہ بھی سمجھتے ہیں — مولانا ابوالکلام کا شوقِ تنہائی، درِ خلوت سے ان کی محبت کا راز تو سبھی کو معلوم ہے مگر وہ اس تنہائی سے خط کے جلوت کدے میں جب نکلتے ہیں

برادرم سلمہ اللہ تعالیٰ

افسردگیٔ طبع روز افزوں ہے۔ شاید کچھ کہا بھی ہو تو یاد نہیں ؎

پہلے مہاتی سے گھبراتا تھا میں
زندگی سے اب تو گھبرانے لگا

ارادہ ہے کہ آخر اگست میں لکھنؤ میں حاضر ہو جاؤں

آپ کی محبت اور یاد آوری کا ممنون"

اکبر

جوانی کے خط نسبتاً لمبے ہیں مگر عموماً اختصار پسندی کی طرف میلان ہے ــــ ایسا معلوم ہوتا ہے خط محض مجبوری سے لکھتے ہیں۔ خط ان کے لئے جذبات کی "رہائی" کا نام نہیں۔ یہ کام وہ اپنی شاعری سے لیتے ہیں اور اسی کو کافی سمجھتے ہیں۔ البتہ جہاں بحث و مذاکرہ کی نوبت آ جاتی ہے تو استدلال کی تکمیل اور مخاطب کی تشفی کے لئے طویل نویسی سے بھی دریغ نہیں چنانچہ خواجہ حسن نظامی کے نام ان کے خطوط معمول سے زیادہ طویل ہیں اس دور کے باقی خط نگاروں کی بھی اپنی اپنی خصوصیات ہیں مگر یہ مضمون ان کی تفصیلات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

جنگِ عظیم اول کے بعد ذہن و فکر نے جو نئے انقلاب قبول کئے ان سے خط نگاری بھی متاثر ہوئی۔ یہ دور ۱۹۴۷ء تک قائم رہا۔ اس زمانے میں سرسید کے دور کی کلاسکی منطقی اور افادی روح کے خلاف ایک جذباتی و رومانی ردعمل ہوا اس کے بڑے علمبردار ابوالکلام اور اقبال تھے۔ اس زمانے میں عبدالماجد حیثیت سے مہدی الافادی، نیاز فتحپوری، سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریا بادی۔ رشید احمد صدیقی اور کئی دوسرے اہل قلم بھی شامل ہوتے گئے البتہ سرسید کا رنگ بھی کہیں کہیں قائم رہا۔ اس رنگ کے سب سے بڑے نمائندہ ادیب اور خط نگار مولوی عبدالحق ہیں۔

اگر اس دور کی خط نگاری میں منفرد اسلوب کے مالک مکتوب نگاروں کے انتخاب کی اجازت ہو تو مندرجہ بالا اکابر میں سے صرف ابوالکلام آزاد اور مولوی عبدالحق ہی کا انتخاب ممکن ہو سکے گا ــــ مہدیؔ، نیازؔ، سید سلیمان اور عبدالماجد کے خطوط میں بھی انفرادیت کے نقوش پائے جاتے ہیں۔ اور ان کے ممتاز ادبی خصائص کا عکس ان کے خطوط میں بھی موجود ہے۔ مگر سابق الذکر دو بزرگوں کی خط نگاری فن کی تاریخ میں بھی اہمیت رکھتی ہے۔ خصوصاً ابوالکلام آزاد کی مکتوب نگاری اختصاص کے اس نقطۂ عروج پر پہنچی ہے جہاں ادب کی بین الاقوامی سرزمین نمودار ہو رہی ہے ان کے خطوط کا جو سلسلہ "مکاتیبِ ابوالکلام" کے نام سے ادبستان لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس میں بعض خطوط ۱۹۱۲ء کے بھی ہیں (ایک سلسلہ کاروانِ خیال بھی ہے) ان خطوط میں ابوالکلام کے اس دور کی شخصیت جلوہ گر ہے جس میں ان کا جوشِ حیات علیٰ عالم شباب میں تھا۔ اور ان کی تحریر کا دریا بھی چڑھاؤ پر تھا ــــ الہلال (دورِ اول) کے انداز ان کے ان خطوں میں نمایاں ہیں۔ جوش، غرابت، کہیں سادگی، کہیں اغلاق، اختراع و ایجاد، الفاظ و معانی ــــ عربیت۔ فاضلانہ طرزِ تخاطب، عربی کے اشعار، قرآن و حدیث کے اقتباسات، فارسی کے اشعارِ نغز ــــ جذباتی خطیبانہ اور

خط لکھتے ہیں۔ جہاں ان کا مدعا ختم ہوا، وہیں ان کا قلم رک گیا۔ ان کے خطوں سے ان کی شخصی عادات و اطوار سے زیادہ ان کے افکار و تصورات کی تشریح ہوتی ہے اور واقعاتی سوانح سے زیادہ ان کے فکر پر روشنی پڑتی ہے ان کے خطوط میں مکتوب الیہ کی تفریح کا خاص خیال رہتا ہے۔ نفاست تہذیب، سلیقہ اور شائستگی ان کے خطوں میں سبھی کچھ ہے ان کے خط ان کے مخاطبوں کو زیادہ بے نقاب کرتے ہیں خود ان کی اپنی ذات سے بھی زیادہ —— طول و اختصار ان کے یہاں اضافی ہے۔

شبلی کے رنگِ خاص کے ایک مداح مہدی بھی اچھے خط لکھ کر چھوڑ گئے ہیں۔ ان کے خطوط میں مکتوب الیہ کی ذات زیادہ مرکزِ توجہ رہتی ہے مگر اس سے بھی زیادہ ماحول کا حسن اور اس کا یقین مکتوب الیہ کی ذات کے مطابق ہوتا ہے۔ یا حالات کے تحت وہ بیان میں بول چال سے زیادہ ادبی زبان اور شان کے قائل ہیں۔ ان کے خطوں پر کہیں کہیں مختصر مقالات کا دھوکہ ہوتا ہے۔

نیاز کے خط ان کی عام افسانوی و رومانی تحریروں کی طرح شراب و شعر میں ملفوف ہوتے ہیں —— ایام شباب کے خطوں میں کہیں کہیں ابوالکلام کا رنگ بھی نمایاں ہے جس کا خاص وصف القاب کی عربیت ہے مگر "صدیقی الاعز" اور اس طرح کے القاب رفتہ رفتہ ترک ہو کر ان کے خط بے القاب بھی ہو گئے ہیں اور "معاف فرمائیے گا" اور "آپ کہاں ہیں" اور "کس رنگ میں ہیں" سے ہی خط کا آغاز ہو جاتا ہے۔ انہوں نے غالب کے سے انداز بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہ ان کا بنیادی رنگ نہیں — ان کے شخصی ذوق کے ترجمان تو ہیں مگر تفصیلات میں مکتوب الیہ کی شخصیت نگاری کے لئے اچھا مواد چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ ادبی مسلک کے لحاظ سے رنگین نگار ہیں اور شعر وغیرہ سے خوب کام لیتے ہیں ان کے خط بھی عام مطالعہ کرنے والے کو بہت کچھ دے سکتے ہیں کیونکہ کاروباری خشکی ان میں بالکل موجود نہیں، جہاں ایسی حالت پیدا ہوتی بھی ہے وہ کسی رنگین ترکیب یا اچھے سے شعر سے اس کا مداوا کر لیتے ہیں۔ —— خطوں میں صاف گوئی کے معتقد ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کے نزدیک حیاتِ انسانی کا کوئی رخ گھناؤنا نہیں بشرطیکہ اس کو پیش کرنے والا سلیقہ مند ہو۔

سید سلیمان ندوی کے خط اپنی نکتہ آفرینی کے لئے اور عبدالماجد دریا بادی کے خط اپنی اور بیان شان کے لئے جن کے اندر کہیں کہیں طنز کی نوک بھی چھپی رہی ہوتی ہے۔ خاص طور سے لائق ذکر ہیں۔ ماجد کے خطوں کا مزاج جذباتی ہے جو شبلی کے خاندان کا خاص وصف ہے مگر علم و فضل اور باوقار طرزِ زندگی کا کچھ ایسا عکس ان پر پڑتا ہے کہ ان کے خطوں کو پڑھنے والا ان میں مستقل دلچسپی لینے لگتا ہے —— سلیمان بھی خانوادۂ شبلی کے ایک فرد ہیں۔ ان کے خطوط ماجد کے خطوں کے مقابلے میں زیادہ فرحت افزا ہیں ماجد کے خطوں میں کہیں کہیں تلخی اور جھنجلاہٹ آ جاتی ہے۔ سلیمان کی نظر اپنے مکتوب الیہ پر پڑتی ہے مگر ماجد خود پر زیادہ نظر رکھتے ہیں ان کی زندگی میں محاسبہ نفس اور خود سے پیکار کے سلسلے پھیلے ہوتے ہیں اس کا اثر ان کے خطوں پر بھی پڑا ہے۔

سیاسی مشاہیر میں مولانا محمد علی بھی اچھے خط نگاروں میں شامل ہیں ان کے خط مفصل اور مشرح ہوتے تھے وہ کام کی بات بھی پھیلائے بغیر آگے نہ نکل سکتے تھے۔ مگر بعض خطوں میں خاص ادبی لطف پیدا کر جاتے تھے۔ خصوصاً جب جوش اور ناراضگی کے عالم میں ہوں۔

خواجہ حسن نظامی کے خطوط سادہ اور کاروباری ہوتے ہیں اور مطلب و مدعا سے باہر ان کے خطوں میں کوئی خاص

تو خط کو نصف ملاقات ہی نہیں رہنے دیتے بلکہ اس کو پوری ملاقات کی مسرتوں سے بریز کر دیتے ہیں ، وہ دوسروں کے بھی شاداب اور بھرپور خطوط وصول کر کے خوش کلام اور لذت یاب ہوتے ہیں مولانا سید سلیمان کو ایک خط میں لکھتے ہیں ! —— "آپ کے دلچسپ خط نے پوری ملاقات کا لطف دیا" [1] اور اس پوری ملاقات سے مراد سید صاحب کا وہ خط تھا جو دلچسپ تھا اور مفصل بھی —— وہ خط جو تشنہ ہی رکھے ابوالکلام کے بلاغت آشنا ذوق کے متحمل نہیں —— ان کے اپنے خطوں میں بھی اس کی پوری احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہے۔

ابوالکلام آزاد کے اس منفرد طرز نے اردو ادب اور اردو خط نگاری دونوں کو متاثر کیا —— اس سے ایک بار پھر اس مختصر نویسی اور تشنہ خط نگاری کے خلاف ایک ردعمل پیدا ہوا جو دور سرسید کے منطقی اور افادیت پسند ذہن کے زیر اثر رواج پذیر ہو چکا تھا اور اب خط پھر مادی افادیت کے دائرے سے نکل کر جذبے اور تخیل کے دائرے میں داخل ہوئے۔

مولوی عبدالحق زود نگار مدعا نویس اور بلیغ خط نگار کی حیثیت سے ایک منفرد شخص ہیں وہ کثرت سے خط لکھتے ہیں اور اچھے خط لکھتے ہیں ان کا ہر خط اپنی سادگی اور بلاغت کے لحاظ سے ایک ادب پارہ ہوتا ہے —— ان کے خطوط خالص صحت پیغامی اور کاروباری ہونے کے باوجود ادبی شان رکھتے ہیں۔ بے تکلف بول چال کا انداز اور صرف کام کی بات ان کا امتیازی وصف ہے —— انشا پردازی اور زیبائش و آرائش سے یکسر خالی! وہ اداتے مطلب پر اس قدر قادر ہیں کہ حیرت ہوتی ہے وہ اپنی ذات کو خواہ مخواہ تماشہ نہیں بناتے۔ نہ مکتوب الیہ کو خطابت سے متاثر کرتے ہیں —— اپنے جذباتی لمحات کے پیچیدہ احساسات سے مکتوب الیہ کو بالکل گرانبار نہیں کرتے —— ان کے خط ان کی عملی زندگی کے مصور اور ترجمان ہیں ان کی خلوت کی زندگی اگر کوئی ہے بھی تو وہ اس سے صاف بچ کر نکل جاتے ہیں۔ ان کی جلوت و خلوت برابر ہے مولانا حالی اور سرسید کی مدعا نگاری کے کامیاب تر وارث وہی ہیں۔ شبلی کی طرح ان کے خط ایک تحریر کے داعی اور کارکن ہیں۔ ان کے خط طول کے معاملے میں صرف مناسبت کے پابند ہیں۔ ضرورت ہو تو لمبے ، ضرورت نہ ہو تو چند سطریں۔ ان کے نزدیک موقعہ و ضرورت ہی سب سے بڑا اصول ہے! وہ شعر اور استعارہ بازی سے شاذ ہی کام لیتے ہیں —— ان کی عام گفتگو اور ان کے خط کے درمیانی فاصلے بمنزلہ صفر ہیں واقعیت اور سچائی و خلوص ان کا وصف خاص ہے ان کے خطوں میں ان کے سوانح نگار کو ان کے کام کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔

ائمہ ادب میں سے اقبال ایک ایسے شخص ہیں۔ جن کے خطوط میں مغرب کے بلند پایہ عالموں کے مکاتیب کا علمی رنگ جھلکتا ہے۔ ان کے خط علمی اور سیاسی افکار کے مخزن ہیں اور ان سے اقبال کے اپنے فکر اور شاعری پر اتنی اچھی روشنی پڑتی ہے کہ ان سے ان کا کوئی سوانح نگار بے نیاز نہیں ہو سکتا —— اقبال کے خط ہر قسم کے تکلف سے پاک ہیں وہ صرف مطلب کی بات کہتے اور مطالب کو علمی عبارت میں ادا کرتے ہیں —— نہ زیبائش و آرائش یا ادبی شان پیدا کرنے کا کوئی اہتمام ان کے یہاں نہیں ان کے خط تنہائی اور افسردگی کے لمحات کی پیداوار نہیں بلکہ ضرورت وقت کے تابع ہوتے ہیں —— عموماً مختصر

---

[1] مکاتیب ابوالکلام۔

ڈاکٹر تاثیر کے خط اپنے شاگرد عزیز محمود نظامی کے نام ” خطوط کے ان مجموعوں کے علاوہ حال ہی میں چودھری محمد علی ردولوی کے خطوط کا مجموعہ ” گویا دبستان کھل گیا “ کے نام سے اکادمی پنجاب نے شائع کیا ہے۔ یہ چاروں سلسلے خط نگاری کے جدا جدا مگر جدید ترین مذاق کی صحیح نمائندگی کر رہے ہیں۔

بیویوں کے شوہروں کے نام اور شوہروں کے بیویوں کے نام خط کوئی نئی بات نہیں مگر ایسے خطوں کی اشاعت یقیناً نئی سی بات ہے ـــــ تاریخ متاز میں واجد علی شاہ کے خط اپنی بیگمات کے نام ایک ایسا استثنا ہے جو مندرجہ بالا کلیے کی تائید کرتا ہے کسی بیوی کی طرف سے دوری اور ہجر و فرقت کے زمانے میں اشتیاق کا اظہار قدرتی ہونے کے باوجود ذرا سا غیر رسمی فعل معلوم ہوتا ہے مگر دورِ جدید میں مذاق و میلان کی تبدیلی نے اس صاف گوئی کے لئے میدان تیار کر دیا ہے ” نقوش زنداں “ میں ان تنہائیوں کی یاد ہے۔ جن میں ستیہ سجاد ظہیر اپنی سخت جان سیاسی زندگی کے باوجود محبت کی دوری کو محسوس کر رہے ہیں۔ سجاد ظہیر کے یہ خط واقعیت اور خلوص سے لبریز ہیں ان میں کوئی تصنع نہیں کوئی بناوٹ نہیں بس ان سادہ جذبات کا پاکیزہ سا اظہار ہے جن سے ان کا قلب معمور ہے۔ سجاد ظہیر نے ان میں کسی فلسفیت کا اظہار نہیں کیا۔ واقعات و معاملات سے جو پیغامات وابستہ ہیں ان پر بے تکلف لہجے میں گفتگو کی ہے۔ خطوں میں گھریلو ماحول پیدا کیا ہے۔ بچی کی یاد۔ بچی کی تصویر۔ احمدی بوا کا ذکر۔ نجمہ بی بی کے سلام۔ غرض ان خطوں میں ساری خاندانی فضا آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ پھر شادی کے دورِ اول کی یادیں ہیں۔ جن کی ایک ایک جھلک خط نگار بار بار پیش کرتا جاتا ہے ـــــ ان خطوں میں خط نگار کے اپنے ہی جذبات کا اظہار نہیں بلکہ مکتوب الیہ کے جذبات کا جواب اور ردِ عمل بھی ہے۔ ان خطوں میں ترازو کے دونوں پلڑے برابر نظر آتے ہیں یعنی خط نگار اور مکتوب الیہ دونوں کی تصویریں آمنے سامنے لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ ان خطوں میں صاف گوئی تو ہے مگر بے باکی نہیں وقار، ٹھہراؤ، تہذیب سب کچھ ہے ـــــ مگر خشکی نہیں۔ محبت، سچی محبت اپنی ساری شرافتوں اور متانتوں کے ساتھ ان خطوں میں جلوہ گر ہے۔ کہیں کہیں تخیل بھی ہے اور خیال کا مصور سچی دنیا کی تصویر کشی کر رہا ہے۔ مبالغہ، ہیجان اور بے ضرورت جذباتیت کہیں بھی نہیں ـــــ ہاں درد اور داد تنہائی کی کمی نہیں ” نقوشِ زنداں “ کے خط اردو خطوط میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔

” زیر لب “ بھی نقوشِ زنداں ہی کا الٹا رنگ ہے۔ مگر ان خطوں میں اطمینان کی وہ فضا نہیں ملتی جو نقوشِ زنداں میں ہے ـــــ ان میں مجبوری اور حرماں کے گہرے زخم رستے نظر آتے ہیں، اس میں پیاس ہی پیاس ہے ـــــ ایسی پیاس جس سے لب خشک ہی نہیں بلکہ لب گویا پھٹ سے رہے ہیں ؏

” لبِ خشک در تشنگی مردگاں کا “

ان خطوں کا سارا لہجہ زیر لب کا نہیں ایک فریاد برلب کا ہے ان میں وہ قدرتی جذباتیت ہے جو نسوانیت کے ساتھ اس وقت ضرور وابستہ ہو جاتی ہے جب اس کا ہونٹ اپنی محرومیوں کے خلاف کھل جاتیں۔ ان خطوں میں واقعات و معلومات کا عنصر کم ہے جذباتیت کا زیادہ ـــــ سادگی، بے تکلفی اور خلوص۔ یہ سب صفات ان خطوں میں بھی ہیں ان میں گہری ’اپنائیت‘ اور خصوصیت ہے گرم جوشی اور غم کی تپش نے ان کی فضا کو قدرے تلخ بنا دیا ہے ـــــ یہ خطوط بھی اس لحاظ سے انفرادیت رکھتے ہیں

چاٹ نہیں جو عام قاری کے لئے لذت آفریں ثابت ہو سکے مگر سادہ بیانی اور لطیف نکتہ آفرینی کے سبب ان کے خط پڑھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ تفصیل کے وہ بھی شیدائی ہیں اور جزئیات پر خاص نظر رکھتے ہیں۔

۱۹۳۶ء کے بعد ملک میں حقیقت نگاری اور نفسیات کے مطالعہ کا جو ذوق بیدار ہوا۔ اس کے زیر اثر خط نگاری کے آداب و رسوم نے بھی ایک نئی کروٹ لی۔ اس نئے ماحول میں جن لوگوں کے خط منظرِ عام پر آتے ہیں ان میں واقعیت خاص طور سے ملحوظ ہے اور خود کو چھپانے کا جو انداز اس سے پہلے خطوں میں چلا آتا تھا۔ اب وہ ترک ہوتا گیا۔ اور صاف گوئی کا میلان عام ہوگیا۔ آداب والقاب میں بھی یک گونہ آزادی برتی جانے لگی۔ اور بعض اوقات تو مقام و رتبہ کی مراعات بھی ترک ہوگئی۔ خطوں میں قدیم وضع داریوں کے خلاف اس دور میں کامل بغاوت نظر آتی ہے۔ اس دور کے خطوط میں اس زمانے کی افراتفری اور پریشانی طبع کے پورے آثار موجود ہیں عام طور سے خطوں میں نظم اور اہتمام کی بھی کمی ہے۔ اور ادبیت کے لئے بھی کوئی خاص کوشش نظر نہیں آتی۔ مگر واقعیت نگاری اور حقیقت پسندی کے غلبے نے خط نگاری پر خاص اثر کیا گزشتہ چند برسوں میں بعض مشاہیر کے خطوں کے کچھ مجموعے شائع ہوتے ہیں۔ مثلاً ہم عصر شعراء کے خطوط (مرتبہ ضیاء الاسلام) اور روحِ مکاتیب (مرتبہ ساغر نظامی) اول الذکر میں وہ خط ہیں جو ضیاء الاسلام کے نام جوش ملیح آبادی، جگر مراد آبادی، ساغر نظامی، آزاد انصاری، تاجور نجیب آبادی، دل شاہجہاں پوری، سیماب اکبر آبادی، حفیظ جالندھری اور اعظم خسروی جے پوری نے لکھے ہیں ـــــ دوسرے مجموعے میں ساغر نظامی کے نام خطوط ہیں جن کے لکھنے والوں میں کم و بیش علمی، ادبی اور سیاسی شخصیتیں ہیں۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آچکا ہے (مزاح و ظرافت کے سلسلے کے لوگوں میں شوکت تھانوی کا مجموعہ بار خاطر بھی ہے) ان سب خط نگاروں میں جوش ملیح آبادی اور فراق کے خطوط خاص طور سے لائقِ ذکر ہیں ـــــ جوش کے خطوں میں بے باک صاف گوئی ہے چنانچہ ایک خط میں لکھا ہے ـــــ "میں بدنامی اور تلخی کی حد تک صاف گو انسان ہوں" بس ان کے خطوط بھی کچھ ایسے ہی ہیں اور اگرچہ ضروری نہیں کہ ان کا ہر خط لازماً بدنام کنندہ اور تلخ ہی ہو مگر صاف گوئی کا عنصر ہر جگہ ہے۔

فراق کے خط بھی صاف گوئی کے معاملے میں جوش کے خطوں سے کسی طرح کم نہیں مگر جب علمی موضوع زیر بحث آتا ہے تو ان کے خطوں میں فاضلانہ اور علمی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اکثر اپنے خطوں کی رونق اپنے ہی اشعار سے بڑھاتے ہیں، اور ان کی توجہ دوسرے سے زیادہ اپنی طرف ہوتی ہے۔ ساغر نظامی نے "روحِ مکاتیب" کے ایک نوٹ میں ان کے متعلق لکھا ہے ـــــ

"اپنے خطوں میں وہ اپنے تمام وجود کے ساتھ نمایاں ہے وہی لگی ہوئی آنکھیں، آنکھیں مٹکاتا ہوا۔ عجیب عجیب حرکتوں کے ساتھ کرشن جیسی دلکش اور دل دوز حرکتوں کے ساتھ ایسی بے ساختگی اور سادگی شاید ہی کسی کے خطوں میں نظر آتے اور اتنی صداقت! جو فراق کی اخلاقی بلندی اور فطرت کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔"

اس نئے زمانے میں اردو میں مکاتیب کے تین اہم مجموعے اور بھی شائع ہوتے ہیں۔ وہ ہیں (۱) نقوشِ زنداں (سید سجاد ظہیر کے خطوط اپنی بیوی کے نام) (۲) زیرِ لب (صفیہ اختر کے خط اپنے شوہر جاں نثار اختر کے نام) اور (۳) عزیزم کے نام

اُردو کے منفرد مکتوب نگار

مالک رام

بیشتر لوگوں کا خیال ہے کہ اردو میں خطوط نویسی کی ابتدا غالبؔ سے ہوئی۔ یہ درست نہیں۔ غالبؔ سے پہلے فسانۂ عجائب والے رجب علی بیگ سرورؔ نے خطوط لکھے اور شائع کیئے اور یوں اکّا دکّا خط تو کئی اور اصحاب کے بھی ملتے ہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ غالبؔ نے خطوں میں ایسا بے بہا انداز اختیار کیا کہ انہیں سحرِ حلال بنا دیا۔ پھر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اگرچہ غالبؔ کے بعد بیسیوں خطوط کے مجموعے شائع ہوئے لیکن کسی میں وہ خلوص اور صداقت، برجستگی اور آمد نہیں جو ان کے خطوں کا طرۂ امتیاز ہے۔

غالبؔ کی اردو شاعری اپنے مشکل اور کوہ کندن و کاہ برآوردن طرزِ تحریر کے باعث مشہور، بلکہ بدنام ہے اس لئے تعجب ہوتا ہے کہ ان سے ایسی سلیس اور سہلِ ممتنع نثر کیونکر لکھی گئی۔ ان سے پہلے اور خود ان کے زمانے میں بھی فارسی خطوں میں لمبے لمبے القاب و آداب اور عبارت آرائی کی یہ بھرمار تھی کہ سطروں کی سطریں پڑھ جایئے لیکن "مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تحریر کا"۔ یہ تو ممکن نہیں کہ کسی کو بھی اس اسلوبِ تحریر کی لغویت کا خیال نہ آیا ہو۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ کسی کو بھی اسے ترک کر دینے یا اس میں اصلاح دینے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس کا سہرا بھی غالبؔ ہی کے سر رہا۔ وہ نہایت ابتدائی زمانے میں بھی خطوں کا طریقہ بدلنا چاہتے تھے۔ یعنی اس زمانے میں جب وہ خود اپنی تمام خط و کتابت فارسی میں کر رہے تھے۔ ۱۸۲۵ء میں جب کہ ان کی عمر مشکل سے ۲۸ برس کی تھی، لکھتے ہیں:

"ادا شناس داند کہ ہنجارِ من در نگارش اینست کہ چوں کلک و ورق بکف گیرم مکتوب الیہ
را بہ لفظے کہ فراخورِ حالتِ اوست، در سرِ آغازِ صفحہ آواز دہم و زمزمہ سنجِ مدّعا گردم۔
القاب و آداب و خیریت گوئی و عافیت جوئی حشو زایدست و ہنگامہ حشو را وقع نہ نہند۔"

(کلیاتِ نثرِ غالبؔ، صفحہ ۵۔ نولکشور ۱۸۷۵ء)

اگرچہ ان کے فارسی خطوط بھی بیشتر اسی اصول پر لکھے گئے تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ واقعی یہ سب کے سب حشو و زواید سے پاک ہیں میرے خیال میں اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں ان کے مکتوب الیہم عام طور پر ان سے عمر میں بڑے اور پرانے دبستان کے تعلیم یافتہ بزرگوار تھے۔ یہ اصحاب ٹھہرے وضعدار اور لکیر کے فقیر، وہ بھلا ایسی بدعتوں کو کیوں گوارا کرنے لگے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی خطوط میں اپنے مقررہ اصول سے ہٹ کر کہیں کہیں وہ روایتی تکلفات کا استعمال کر گئے ہیں۔

لیکن جب انہوں نے اردو میں لکھنا شروع کیا تو اب فضا بدل چکی تھی۔ اب ان کے مخاطب زیادہ تر ان کے ہم عمر دوست

کہ اس سے قبل کی چیزیں ہماری زبان میں معدوم ہیں۔

عزیزم کے نام ڈاکٹر تاثیر کے خط ہیں (ایک شاگرد کے نام) ان خطوط کا انداز علمی ہے اور بیشتر جزئیات بھی علم و فضیلت سے متعلق ہیں۔ ان میں خلوص تو ہے مگر بے تکلفی نہیں اور شاگرد و استاد کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے وہ قائم ہے ذاتی تفصیلات سے زیادہ افادہ و تربیت مدِنظر ہے اور بعض خط تو مقالات کی حد میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس مجموعے کے اکثر خط طویل ہیں مگر ان کا علمی مواد کبھی کبھی ثقیل ہو گیا ہے لیکن اندازِ بیان کی برجستگی اور تاثیر کی گرمی طبیعت نے ان کو خشک نہیں ہونے دیا۔

"گویا دبستان کھل گیا" ایک ایسے شخص کے خطوط ہیں۔ جس نے خط نگاری کو زندگی کا ایک ضروری شعبہ قرار دے رکھا ہے۔ ان خطوں کا مالک خط نگاری کو صرف مسرت کا چشمہ خیال کرتا ہے بلکہ ان کو دانش و بینش اور بصیرتِ حیات کا ذریعہ بھی سمجھتا ہے —— یہ خط ذہنی فراغت اور روحانی سکون سے لبریز ہیں۔ ان میں گھریلو پن بھی ہے اور حقیقت بھی خط نگار کو اچھی گفتگو اور جزئیات نگاری سے خاص دلچسپی ہے۔ غالب کی طرح وہ بھی ماحول کی تفصیل بندی کا خاص شوق رکھتا ہے ان خطوں سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ خط نگار کو مکتوب الیہ کی تالیفِ قلب کا ہر حال میں خیال رہتا ہے۔ چودھری محمد علی کو اردو کا فطرت نگار ادیب کہا جاتا ہے ان کے ان خطوط نے ان کے اسلوبِ بیان کی انفرادیت کے جوہر خاص طور سے نمایاں کیے ہیں۔ ان کے خطوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کامیاب ادیب اگر چاہے تو باتچیت اور تحریر کے درمیانی فاصلوں کو بالکل مٹا سکتا ہے —— یہ خطوط اردو خط نگاری کی تاریخ میں ایک نئے مقام کی نشان دہی کر رہے ہیں۔

جیسا کہ میں نے لکھا، وہ بھی انسان ہیں۔ یقیناً بشری مجبوریوں اور دنیوی مصلحتوں کے وہ بھی شکار ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کے کردار کی بنیادی خصوصیت ان کا خلوص اور صاف گوئی ہے جو ان خطوط کی سطر سطر سے جھلک رہی ہے۔

غالب کے بعد گویا خطوط کے مجموعوں کا تانتا بندھ گیا۔ ہر کہ و مہ کے خط چھپنے لگے۔ اگرچہ ان میں واقعی کام کی چیزیں کم آئیں لیکن اس سے ایک فائدہ ضرور ہوا کہ ہماری ادبی اور سماجی زندگی (ادبی زیادہ اور سماجی کم) کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے بہت سا خام مواد تیار ہو گیا۔ افسوس ہے کہ آج تک ان خطوں کو اس پہلو سے کسی نے نہیں دیکھا۔ حالانکہ شاید ان میں سے اکثر مجموعوں کی علمی اور ادبی حیثیت کمزور یا مشتبہ ہو۔ لیکن وہ اپنے زمانے کی ادبی تاریخ اور سماجی حالات کا مفید مرقع ضرور ہیں۔ اس زمانے کے مکتوب نگاروں میں سر سید، محسن الملک، وقار الملک، شبلی، حالی، آزاد، اکبر، امیر مینائی، داغ، مہدی افادی زیادہ مشہور ہیں۔ ان میں سے شبلی اور مہدی اس قابل ہیں کہ ان پر ذرا تفصیل سے لکھا جائے۔

علم و فضل کے لحاظ سے شبلی اپنے معاصرین میں بہت بلند اور ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ وہ فارسی اور عربی کے منتہی تھے اور اردو کے مایۂ ناز ادیب اور مصنف۔ ان کی شخصیت بڑی ہمہ گیر تھی۔ تاریخ و سیرت، فلسفہ و کلام، حدیث و فقہ، ادب و شعر، غرض وہ کسی میدان میں بند نہیں اور پھر جو کچھ لکھا، قدر اوّل کا۔ جتنی پختہ اور پائدار نثر ان کے ہاں ہے اتنی ان کے کسی دوسرے معاصر کے ہاں کم ملے گی۔ بے شک، جہاں تک آزاد کا تعلق ہے ان کی انشاء کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انشاء کے علاوہ ان کے ہاں اور نہ ہونے کے برابر یا بہت کم ہے۔ البتہ حالی کا معاملہ دوسرا ہے۔ ان کی قدرتِ کلام اور گہرائی میں شبہ نہیں۔ تاہم ان کی تحریروں میں بھی عام طور پر رنگینی اور دلکشی کم ہے۔ اس کے مقابلے میں شبلی کی کوئی سی کتاب اٹھا لیجئے آپ کو اس میں صفحے کے صفحے اعلیٰ درجے کی نثر کے ملیں گے اور کسی جگہ تحقیق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔

منجملہ اور چیزوں کے شبلی کے مکاتیب کے بھی دو مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ مکاتیبِ شبلی (دو جلدوں میں) اور خطوطِ شبلی مکاتیبِ شبلی میں وہ خطوط ہیں جو انہوں نے اپنے دوست احباب اور شاگردوں کو لکھے تھے۔ اگرچہ ان میں بھی شبلی کی نثر کی تمام خوبیاں موجود ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں کوئی ایسی بات نہیں جو انہیں کسی دوسرے مکتوب نگار سے ممتاز کر سکے۔ البتہ خطوطِ شبلی اردو زبان میں اپنی قسم کی واحد چیز ہے۔ ہمارے یہاں عورتوں کے خطوط کے دو تین مجموعے تو ملتے ہیں لیکن کسی ادیب کے ایسے خطوط جو اس نے اپنی رشتہ دار اور عزیز عورتوں کے سوا کسی اور کے نام لکھے ہوں، خطوطِ شبلی کے علاوہ ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آئے۔

شبلی نے یہ خطوط بمبئی کے ایک علم دوست خاندان کی دو تعلیم یافتہ خواتین، زہرا بیگم فیضی اور عطیہ بیگم فیضی کے نام لکھے تھے ان میں سے ایک محترمہ غالباً ابھی تک حیات ہیں۔ ان خطوط پر بہت کچھ خیال آرائی ہو چکی ہے۔ ان سے متعلق مضمون بلکہ کتابیں تک لکھی جا چکی ہیں، ریڈیو سے تقریریں نشر ہوئی ہیں۔ مجھے اس جگہ اس نظریے پر، جو ان حضرات نے پیش کیا ہے محاکمہ منظور نہیں۔ لیکن ایک بات کے لکھ دینے میں بھی کوئی امر مانع نہیں کہ جو کچھ ان اصحاب نے لکھا ہے وہ غلط ہے تو اس کی مدلل تغلیط کیوں نہیں کر دی جاتی تاکہ یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے طے ہو جائے اور اگر بالفرض ان لوگوں کا یہ خیال صحیح ہی ہے تو اس سے شبلی کی علمی اور ادبی حیثیت یا عظمت میں کمی کیوں آئے۔

ان خطوط میں سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

مکتوب الیہا کو جلد جلد چند خط لکھ چکے ہیں۔ دل میں اندیشہ گزرا کہ کہیں یہ طبع نازک پر گراں نہ گزرا ہو، عذر کے رنگ

اور شاگرد تھے۔ جو لوگ ان کی ٹیڑھی بیڑھی شاعری کو جھیل چکے تھے۔ ان کے لئے اب ان کی نثری جدتوں کو برداشت کر لینا کیا مشکل تھا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں وہ اپنا اصلاحی منصوبہ کسی اعتراض یا احتجاج کے خدشے کے بغیر مکمل کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہی انہوں نے کیا۔ اردو میں "حضرت مخدوم، مکرم و معظم جناب"، "فقیر" صاحب دامت برکاتہم" یا "سید صاحب، جمیل المناقب، عالی خاندان، سعادت و اقبال توامان" یا "برخوردار، سعادت آثار منشی ہرگوپال سلمہ اللہ تعالےٰ" قسم کے القاب الشاذ کالمعدوم کا حکم رکھتے ہیں۔ وہ مکتوب الیہ کو کسی ایسے لفظ سے مخاطب کرتے ہیں جو اس کے حسبِ حال ہو۔ میاں، بھائی، صاحب، میری جان، برخوردار، پیر و مرشد، حضرت، جنابِ عالی، قبلہ، سید صاحب وغیرہ۔ بلکہ بعض اوقات تو وہ کوئی لفظ بھی نہیں لکھتے، فوراً اظہارِ مدعا کرنے لگتے ہیں:

"کیوں مرزا تفتہ! تم بے وفا یا میں گنہ گار؟"

"سچ ہے، اگر آپ استاد کا مصرع نہ لکھتے تو میں "بروئے استادن رنگ" کہاں سے سمجھتا۔"

"کیوں یار! کیا کہتے ہو؟" وغیرہ۔

اس طرح کے تخاطب کی بے تکلفی اور یگانگت ظاہر ہے۔ اس کا نفسیاتی اثر یہ ہوتا ہے کہ خط پڑھنے والا پہلے لفظ ہی سے اپنے آپ کو لکھنے والے کے بالکل قریب محسوس کرنے لگتا ہے۔ اگر آپ شروع کی دو تین سطریں رسمی ادب و آداب میں صرف کر دیں تو جب تک مکتوب الیہ مطلب کی بات تک پہنچے، اس کا ذہن ان تکلفات میں الجھ کر آپ سے کوسوں دور پہنچ چکا ہوگا۔ اس کے برعکس اگر آپ خط ایسے انداز سے شروع کریں جیسے مکتوب الیہ آپ کے سامنے بیٹھا ہے اور آپ اس سے باتیں کر رہے ہیں، تو بُعدِ مکانی کے باوجود آپ دونوں ذہنی اعتبار سے آپس میں بہت قرب محسوس کریں گے اور آپ کو کاغذ پر لکھے ہوئے بے جان الفاظ میں سے بھی لکھنے والے کی آواز سنائی دینے لگے گی۔ مرزا خود بھی اپنے خطوط کی اس خصوصیت سے آگاہ تھے۔ ایک دوست کو لکھتے ہیں:

"میں نے وہ اندازِ تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلے کو مکالمہ بنا دیا۔"

مرزا کے خطوط کی دوسری خصوصیت ان کا خلوص اور صداقت ہے۔ یقیناً وہ فرشتہ نہیں، بلکہ ہماری طرح کے گوشت پوست کے انسان ہیں اور لازماً ان میں بشری کمزوریاں بھی ہیں اس لئے ان کے خطوں کے بارے میں یہ قسم تو نہیں کھائی جا سکتی کہ ان میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب سچ ہے اور انہوں نے کسی واقعے کے مالہ و ماعلیہ سے متعلق سب کچھ بے کم و کاست لکھ دیا ہے اور ان میں کسی جگہ انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ بالکل درست اور شک و شبہ سے بالا ہے کہ صاف گوئی اور بے ریائی ان کے لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے۔ وہ واقع کے اظہار میں نہ کسی اور کو بخشتے ہیں نہ اپنے آپ کو۔ لوگوں نے ان پر طرح طرح کے اعتراض کئے ہیں اور وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں خود غالب ہی کے خطوں سے شہادت پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ اگر غالب ایسے ہی تھے جیسا ان کا خیال ہے، تو وہ یہ مقامات اپنے خطوں میں سے حذف نہ کر دیتے۔ ان میں سے بیشتر خط غالب نے خود اپنے احباب سے جمع کر کے مرتب کے حوالے کئے تھے اور جو دوسروں نے جمع کئے تھے ان سے متعلق بھی گمانِ غالب ہے کہ شائع ہونے سے پہلے ان کی نظر سے گذرے تھے۔ اس صورت میں ان کے لئے ان میں رد و بدل اور ترمیم کر دینا کیا مشکل تھا۔ وہ چاہتے تو آسانی سے ان کی وہ عبارتیں نکال ڈالتے جن سے ان پر کسی طرح حرف آ سکتا تھا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور ستم یہ کہ آج انہیں خطوں کی بنا پر لوگ ان پر حملے کرتے ہیں۔

اس میں عطیہ کا لفظ آیا ہے تو اس کی تشریح کرتے ہیں:

"شعراء اور اہل ادب عموماً کنایہ سے نام لینا بلاغت اور لطافت خیال کرتے ہیں۔ جو لوگ جہانگیر بادشاہ کی مدح میں قصیدے لکھتے تھے عموماً نور جہاں بیگم کا نام لاتے تھے۔ لیکن ہمیشہ کنایۃً۔ کبھی کسی نے تصریح نہیں کی۔ مثلاً سعیدا کا ایک قصیدہ ہے جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

اے سایۂ خدا! ز تو پُر نور شد جہاں | بادا ہمیشہ نورِ خدا سائبانِ تو

اسی اصول پر میرا شعر بھی ہے اور یوں تو صراحتہً تمہارے لیے مدحیہ غزل، خیر مقدم وغیرہ سب کچھ لکھ چکا ہوں اور عطیہ! لکھنے پڑھنے کی کیا بات ہے! میرا ہر رونگٹا اور ہر موئے بدن تمہاری توصیف اور تعریف کا ایک شعر ہے۔"

ستم یہ ہوا کہ جناب عطیہ بیگم اس پر بگڑ گئیں کہ میرا نام کیوں شعر میں لکھا ہے۔ لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔ حالانکہ ابھی لکھ چکے ہیں کہ میں نے کنایۃً یہ تمہارا نام لکھا ہے لیکن اس عتاب سے پٹپٹا گئے اور معذرت کی:

"عزیزی! اچھا ہوا کہ میں نے ان سطروں کے معنی تم سے دریافت کئے، ورنہ ممکن تھا کہ میں پھر تمہارا نام کسی موقع پر لاتا اور تم کو رنج پہنچتا۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم یہ کیونکر سمجھتی ہو کہ وہ تمہارا نام ہے۔ عطیہ کے معنی داد و دہش اور انعام کے ہیں اور اسی معنی میں یہ لفظ میں استعمال کرتا ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اتفاق سے یہی تمہارا نام بھی ہے۔ غیر آدمی کیونکر جان سکتا ہے کہ میں نے تمہارا نام لیا ہے۔ اس لئے تم کو رنج کرنے کی کیا وجہ، بہرحال آئندہ نہ لکھوں گا۔ تم شاید اس کو حُسنِ طلب سمجھتی ہو اور میں شاہنشاہ سے بھی اس قسم کا خیال ننگ سمجھتا ہوں۔"

عطیہ بیگم صاحبہ کا خط تین چار مہینے سے نہیں آیا۔ لکھتے ہیں اور صرف ایک مصرع۔ لیکن کیسا مصرع کہ جس کی تفسیر میں ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

"چہ شود اگر بہ سلامے دلِ ما شاد کنی"

ایک دوسرے خط کے آخر میں اپنا نام لکھتے ہیں:

"میں وہی شبلیِ نعمانی ہوں"

لیکن کہاں تک اقتباس نقل کرتا جاؤں۔ یہ خطوط بقول ...... ڈاکٹر مولوی عبدالحق "بمنزلہ سدا بہار" ہیں۔ یہ ایک مخلص اور بے ریا دل کی آواز ہیں۔ ان میں صداقت کی کھنک ہے اور ان کے لفظ لفظ میں لکھنے والے کی روح بول رہی ہے۔ یہ مختصر مجموعہ مرتیوں سے تولنے کے لائق ہے۔ شبلی اگر ان خطوط کے سوائے اور کچھ نہ لکھتے (حالانکہ انہوں نے اپنی تصنیفات سے اس زبان کا دامن مالامال کر دیا) تو بھی ان کا نام اس وقت تک زندہ رہتا جب تک اردو کے پڑھنے اور سمجھنے والے موجود ہیں۔

مہدی کے مضامین (افاداتِ مہدی) اور خطوط (مکاتیبِ مہدی) کے مجموعے ان کی وفات کے بعد شائع ہوئے۔ ان سے

ہیں لکھتے ہیں:

"عزیزی! میرا ہر خط جواب طلب نہیں ہوتا۔ یہ اس لئے لکھتا ہوں کہ تم کو میرا خط بار
نہ گذرا کرے کہ ہر وقت لکھنے کی تکلیف ہوتی ہے۔ جب فرصت ہو اور جی چاہے جواب لکھو۔
لیکن مجھ کو اجازت دو کہ بضرورت بے ضرورت، جب جی چاہے لکھوں۔"

مکتوب الیہا یورپ کے سفر پر گئیں اس لئے خط و کتابت بند ہو گئی۔ واپس آئیں تو یہ سلسلہ پھر سے جاری ہو گیا۔ جب ان کا خط ملا تو جواب میں لکھتے ہیں:

"قرۃ عینی! تمہارا خط مدت کے بعد ملا تو بے ساختہ میں نے آنکھوں سے لگایا اور دیر تک
بار بار پڑھتا رہا۔ افسوس، دیر تک ملنے کی امید نہیں۔ میں وطن، احباب، آرام سب چھوڑ سکتا
ہوں لیکن ایک مذہبی اور قومی کام کیونکر چھوڑ دوں۔ ورنہ بمبئی یا جزیرہ دو قدم پر تھے۔ زہرا صاحب
نے لکھنؤ کی ردّ و کد کے بعد منظور کر لیا کہ پھر کبھی لکھنؤ آئیں لیکن تم اتنی غریب نوازی کیوں کرو گی؟"

ایک دوست سے معلوم ہوا کہ وہ لکھنؤ آ رہی ہیں۔ دیکھئے کیا مزے کا خط لکھا ہے:

"خاتون محترم! کل اتفاق سے مولوی مشیر حسین صاحب قدوائی ملنے آ گئے تھے۔ ان سے
آپ کے لکھنؤ آنے کا ذکر آ گیا۔ انہوں نے کہا کہ "وہ میری مہمان ہوں گی" اس لئے میں یہ لکھنا
ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر آپ لکھنؤ آ کر کسی اور کی مہمان ہوں تو میں اس زمانہ میں لکھنؤ چھوڑ کر
چلا جاؤں گا۔ یہ بات دوسری ہے کہ ایک دو روز آپ ان کے ہاں ٹھہریں اور ان کے
ہاں کی مستورات سے ملیں۔"

پھر انہی مولوی مشیر حسین (رئیس گدیہ) سے ان کی آمد کی خبر سنی تو دوبارہ لکھتے ہیں:

"مولوی مشیر حسین نے تمہارے ارادۂ سفر کی خوش خبری سنائی۔ لیکن وہ فقرہ یاد رہے کہ میرے
ہوتے اور کہیں ٹھہرو گی تو میں لکھنؤ سے نکل جاؤں گا۔"

بعض خواہشوں کا اظہار کس حسرت سے کرتے ہیں:

"اصل یہ ہے کہ میں چاہتا تھا کہ میرے کسی کام میں تمہارے نام کی شرکت ہو۔ اس کا اصلی طریقہ
تو یہ تھا کہ کوئی تصنیف تمہارے نام پر ڈیڈیکیٹ کرتا لیکن افسوس نہیں کر سکتا۔ میں جن حالات
میں گھرا ہوں، تم سمجھتی ہو اور جانتی ہو کہ اس سے دفعتاً ان قومی کاموں کو نقصان پہنچے گا جو
میرے ہاتھ میں ہیں۔"

"عطیہ! بار بار جی چاہتا ہے کہ تم کوئی چیز طلب کرو اور میں یہاں سے بھیجوں۔ کیا لکھنؤ
میں کوئی چیز تمہارے قابل نہیں؟ آم تو جزیرہ تک اچھے نہ پہنچیں گے۔"

جناب عطیہ بیگم صاحبہ کی ایک بہن جناب نازلی بیگم، نواب صاحب جنجیرہ کی بیگم تھیں۔ انہوں نے شبلی کی فرمائش پر ندوہ میں ایک کمرہ اپنے خرچ پر بنوا دیا
شبلی نے اس کے شکریہ میں چند شعر کہے۔ ان میں ایک شعر ہے۔

نازم کہ ایں عطیۂ فیض امیرہ ایست — کآوازۂ سخاش بعالم رسیدہ است

خوبصورتی سے بے دے کی ہے، سچ یہ ہے کہ وہ نازک خیالی کی آخری حد ہے۔ میں نے بار بار پڑھا اور لطف اٹھاتا رہا۔

جس زمانہ میں یہ پہلی دفعہ اسٹیج پر آئی ہے اور اس کی زبان سے یہ شعر نکلا ہے ؎

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بسے
شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

خوب یاد ہے کہ تھیٹر والے دل تھام کر بیٹھ گئے تھے۔ چڑھتی دوپہر سے ڈھلتی چھاؤں زیادہ خوشگوار ہوتی ہے، یہ حُسن و عشق کا ایک نہایت ہی نازک نکتہ ہے۔ عورت اتنی باکیف تو ہو ؎

من فدائے بتِ شوخے کہ بہ ہنگامِ وصال
بمن آموخت خود آئینِ ہم آغوشی را

مدت سے سوچ رہا تھا اس کی لچکدار نسائیت کو اپنی چند سطروں کا تختۂ مشق بناؤں لیکن آپ نے میرے لئے بالکل گنجائش نہیں چھوڑی اور ساتھ ہی میرے دل کا ارمان پورا کر دیا۔ جو خاکہ آپ نے کھینچا ہے اور جس جس پہلو سے چوٹ کی ہے وہ "قال" کی چیز نہیں۔ غلافِ شکر میں اس طرح کوٹ کوٹ کر زہر بھرا ہے کہ خود آپ سے داد لینے کو جی چاہتا ہے لیکن ایک خلش رہ گئی۔" اکابر کی تخفیف الحرکتی" تک تو مضائقہ نہیں لیکن "لعنتِ کبریٰ" تو الہلال کی زبان ہے جو آپ کے لب و لہجہ کی نفاست اور موقع کلام کے لحاظ سے بیگانی سی معلوم ہوتی ہے۔ بس اس قدر کافی تھا کہ "حافظ کو آٹھویں صدی میں جس "خلوت" کی شکایت تھی، چودھویں صدی کی "جلوت" کچھ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔" میری غرض یہ ہے کہ نقلِ الفاظ کی جگہ صرف مفہوم کی تلخی سے کام لیا جاتا۔ یہ باتیں کوئی اور آپ کو نہیں لکھے گا لیکن مجھ کو جس حد تک خلوص ہے اس کا اقتضائے طبعی یہ ہے کہ جن نکتوں پر غایت ظہور کی وجہ سے دوسروں کی نگاہ نہیں پڑتی آپ کے نوٹس میں لاؤں۔"

مہدی کے نزدیک عورت پیدا ہی اس لئے ہوئی ہے کہ دنیا کے حُسن و لطافت میں اضافہ کرے۔ وہ اس کی ایک ایک ادا پر جان چھڑکتے ہیں۔ عورت کی نفسیات پر اور وہ بھی جنسی نفسیات پر انہوں نے بڑے پتے کی باتیں لکھی ہیں۔ اس میں اگر ان کا کوئی حریف ہے تو خود انہی کا معنوی استاد میر ناصر علی۔ افسوس کہ ناصر علی کے مضامین کا مجموعہ شائع نہ ہوا اور اس طرح اردو والے ایک صاحب طرز انشا پرداز کی تحریروں سے محروم ہو گئے اور اسی لئے اسے بھول بھی گئے۔ نوجوانوں میں آج کتنے ہیں جو ناصر علی اور صلائے عام کا نام بھی جانتے ہیں، حالانکہ ایک زمانے میں ان دونوں کا طوطی بولتا تھا۔ سچ ہے ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔

خیر تو مہدی کے خطوں کے چند اور اقتباس دیکھئے:

(۱) "آپ اکبر پور اس لئے نہ آسکے کہ مسلمانوں کو اونٹ کی سواری کی عادت نہیں رہی، ورنہ

معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کا تنقیدی شعور ایسا پختہ ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ نہ صرف علم و ادب میں بلکہ ملکی سیاسیات پر بھی ان کے اشارے بعد کے واقعات نے صحیح ثابت کر دکھائے۔ بقول نواب صدر یار جنگ مرحوم مہدی کے مزاج میں "یونان کے سنگتراشوں کی سی نزاکت اور مصوری تھی"۔ ان کے مزاج کی نفاست کا یہ عالم ہے کہ وہ دوم درجہ کی کوئی چیز پسند نہیں کر سکتے کتاب کا موضوع بلند ہو، وہ عمدہ اور اچھے کاغذ پر صاف ستھری چھپے، اس کی جلد اعلیٰ درجے کی ہو۔ یہی صورت مضمون کی بھی ہونا چاہیے، اس میں کوئی جھول یا گنجلک نہ ہو، اسلوب میں توازن رہے اور زبان میں ناہمواری نہ آئے۔ غرض ہر ایک چیز کی تراش خراش پر ان کی نظر رہتی تھی۔ ان کے دماغ میں اُپج کا مادہ بہت تھا۔ ہر روز نئی نئی اصطلاحیں گھڑتے رہتے۔ اگر خود نہ بنا پاتے تو دوستوں سے پوچھتے۔ اسی طرح انہیں لکھنے کے لئے بھی نئے نئے عنوان سوجھتے رہتے اور وہ اپنے ہم عمر پڑھے لکھے دوستوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کرتے کہ وہ ان نئے موضوعات پر طبع آزمائی کریں۔ ان کی مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی سے زیادہ اور مولانا پروفیسر عبدالباری سے نسبتاً کم بے تکلفی تھی۔ ان کے نام کے خط دیکھئے۔ ہر خط میں ٹھوکے دیئے جاتے ہیں کہ اس موضوع پر کتاب لکھئے، اس پر مضمون قلمبند فرمائیے۔ آپ کے فلاں مضمون میں یہ کمی رہ گئی۔ اس میں یہ غیر ضروری بات در آئی۔ اتنا ہی نہیں۔ وہ اپنا جال اپنے حلقے سے باہر بھی ڈالنے سے نہیں چوکتے۔ حالیؔ اور عبدالرزاق کانپوری (البرامکہ والے) ان سے عمر میں کہیں بڑے تھے لیکن وہ ان سے بھی فرمائش کرتے ہیں کہ میں نے آپ کے لئے یہ موضوع انتخاب کیا ہے اس پر کتاب لکھ ڈالئے۔ میر ناصر علی سے کہتے ہیں کہ آپ اپنے مضامین کا مجموعہ چھاپئے۔ غرض کہ مہدی نے عجیب و غریب دل و دماغ پایا تھا۔ لکھنا پڑھنا ان کا اوڑھنا بچھونا تھا اور انہیں جب بھی سوجھتی تھی، اردو زبان کی آرائش و زیبائش کی، اس میں تصنیف و تالیف کی اور علم و فن کی ترقی کی۔

مہدی صاحب طرز نثر نگار ہیں۔ ان کی زبان آسان نہیں، بلکہ یہ مشکل الفاظ سے بوجھل ہے، اس کے باوجود اس میں رنگینی اور رومانویت بدرجۂ اتم ہے۔ اگر کھوج لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت میں ان کی رومانویت کا سلسلہ بلکہ منبع صلائے عام والے میر ناصر علی دہلوی تک پہنچتا ہے۔ نیازؔ فتحپوری بھی میر ناصر علی سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ یہ دونوں میر صاحب موصوف کے نیاز مند اور دوست، صلائے عام کے مدّاح اور مضمون نگار تھے۔ میر ناصر علی کی نثر میں ایک خاص قسم کا البیلا پن تھا۔ ان کے حافظے میں خدا معلوم کتنے شعر محفوظ تھے اور وہ اپنی نثر میں ان کا استعمال ایسا برجستہ اور بے ساختہ کرتے تھے جیسا انگوٹھی میں نگینہ جڑ دیا جائے۔ اس صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں ناصر علی بہت مقبول رہے اور ہمارے بہت سے اچھا لکھنے والے پہلے پہل صلائے عام ہی کے افق پر نمودار ہوئے۔ ان میں مہدی اور نیازؔ نے کامیابی اور شہرت حاصل کی۔ تعجب ہوتا ہے کہ ڈاکٹر محمد حسن نے اپنے مقالے "اردو ادب میں رومانوی تحریک" میں دنیا جہان کی اور باتیں تو لکھی ہیں لیکن اردو کی رومانوی تحریک پر ناصر علی کا کتنا اثر اور احسان ہے، اس کا ذکر تک نہیں کیا۔

اب مہدی کے خطوں سے چند مثالیں ملاحظہ کیجئے۔

مسز سروجنی نائیڈو جب ابتدا میں قومی جلسوں میں شریک ہوئی ہیں تو ان کی جاذب نظر شخصیت اور ولولہ انگیز خطابت نے "جنت نگاہ" اور "فردوس گوش" کا ایک ایسا دلفریب امتزاج پیش کیا کہ کتنے صاحب ریش و بروت اور اہل جُبّہ و عمامہ تک نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اسی زمانے میں سید سلیمان ندوی نے معارف میں شذرات میں اس پر تبصرہ کیا۔ مہدی نے جب یہ شذرات دیکھے تو انہیں خط لکھا:

"آپ نے شاعرۂ دکن پر جو بجلیاں گرائی ہیں اور اس سلسلہ میں "مجنون" سوسائٹی پر جس

صلائے عام کے لئے ایک مضمون بھیجا۔ میر ناصر علی نے اسے پسند کیا، اس پر انہیں لکھتے ہیں:

''تعریف سے خوش ہونا انسانی کمزوری ہے جسے اگلے لوگ حماقت سمجھتے تھے لیکن سچا اعتراف میرے خیال میں ادبی ترقی کو ابھارتا ہے۔ اس لئے خوش ہوں کہ آپ کے سلسلہ میں میری بات بھی بنی ہوئی ہے۔ ''مقیاس الشباب'' کی آپ کو داد دینی ہو گی۔ نورجہاں کے ذکر کے ساتھ کیونکر ممکن تھا کہ .... اس کا خیال نہ آتا، جسے مغربی شعراء ''ہنرِ عطرِ فطرت'' کہتے ہیں۔ میں نے اس موقع پر ''دفینۂ حسن'' کے لئے ''مقیاس الشباب'' لکھا ہے اور یہ خاص میری گھڑت ہے۔ آپ دیکھیں گے متانت میں کس قدر شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور گو یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس ترکیب پر مجھے ناز ہے تاہم لذتِ احساس سفارشی ہے کہ اچھی سوجھی۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ کہیں اس سے میرے مذاقِ خاص کی غمازی تو نہیں ہوتی؟ میں آپ کی نگاہ میں ذرا ثقہ رہنا چاہتا ہوں۔''

مہدی کی پہلی بیوی انہیں جوانی میں داغِ مفارقت دے گئی تھی۔ ایک مدت کے بعد دوسرا نکاح کیا۔ اسی زمانے میں میر ناصر علی کو اس کی خبر دیتے ہوئے لکھا:

''پیارے جناب! میں ادھر ہفتہ عشرہ آپ کی طرف سے کچھ غافل سا رہا لیکن اس کی وجہ نہایت دلچسپ ہے۔ آپ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ دنیا میں کسی کو چاہنا غضب ہے لیکن اس سے زیادہ قیامت یہ ہے کہ کہیں سے آواز آئے کہ ''تو مجھ پر مرتا ہے تو میں بھی تم پر جان دیتی ہوں۔'' پہلے پہل آنکھیں کھولیں، مدت ہوئی، ایک رفیقِ زندگی مل گیا تھا تو خوابِ طفلی و آرزوئے شباب پہلو میں تھی۔ زندگی کا بہترین حصہ اس کی پرستش میں گذارا لیکن اس نے ترکِ رفاقت کی، آج تک داغ دل میں موجود ہے ؂

یہ سینے میں تا زندگانی رہے گا ترا داغ دل میں نشانی رہے گا

دنیا سے طبیعت بیزار ہو گئی۔ قصد کر لیا پھر کبھی عقد نہ کروں گا۔ کئی برس یوں ہی گذر ے۔ اپنے ڈھب کی چیز ملتی نظر نہ آئی۔ جیسی چاہتا تھا وہ بس کی چیز نہ تھی۔ خدا خدا کر کے ایک جیتی جاگتی زہرہ شب مالقا آئی اور آج اس لائق ہو گیا کہ آپ کو اپنے احرام حدید کی خبر دینے بیٹھا ہوں میں بعض صورتوں میں کسی حد تک مغربیت پسند کرتا ہوں، یعنی تھوڑی سی آزادی لیکن مصیبت یہ ہے کہ تعوّزِ خاندانی کے ساتھ گھٹاؤ کی کوئی حد نہیں اور ہمارے ہاں اس قسم کے احرام اندھیرے کا نشانہ ہیں جس سے مجھ کو طبعی نفرت ہے۔ لیکن شکر ہے کہ اندھیرے میں بجلی چمکی اور وہ گوہرِ شب چراغ مل گیا جس کی تلاش تھی۔ عورت نئی تو ہو جسے آپ مجسم شاعری کہہ سکیں جس کی دلکش آواز کانوں میں موسیقی کا مزا دے جو اپنی لطافت و نزاکت کے لحاظ سے

چار میل پکی سڑک کچھ بڑی بات نہیں۔ آپ کی نقل و حرکت مشرق و مغرب میں دیکھی تھی، کہ یہ دونوں آپ پر مٹے ہوئے ہیں۔ شملہ آپ کو پسند نہیں آیا، لیکن مجھے تو نام سے دلچسپی ہے دیکھئے پھولوں کی سیج پر "جوانی کی ورزش" کی شائقہ اپنے چاہنے والے سے کیا کہتی ہے ؎

دوسرا نیسرا یہ جملہ ہے　　　　یہ بھی کیا کوئی شہر شملہ ہے "

---

(۲) " مدت سے وطن (گورکھپور) نہیں گیا۔ ایک چکر میں پڑ گیا تھا۔ "گورے" کی دل کی سیاہی جب قلم سے ٹپکتی ہے تو زیادہ پھیلتی ہے۔ لباسِ ممدوح پر ایک کم بین کی نظر لگی لیکن ابل مرغ کی ایک ٹانگ، حریف کو سپر ڈالنی پڑی اور میں خدا خدا کر کے ڈیڑھ سال کے بعد گہن سے چھوٹا، یعنی تحصیلداری پر جس کا چنداں شائق نہیں منتقل ہو گیا۔ یہ اضافی تصریح اس لئے ہے کہ وطن آیا تو دار المصنفین میرے لئے گھر آنگن ہو گا اور آپ سے بوسہ بہ پیام کی جگہ آپ عورت ہوتے تو کہتا "لب بہ لب کی ٹھہرے گی۔ آخری فقروں سے آپ کے تقدس میں کچھ فرق تو نہیں آیا ؟"

---

(۳) " آپ کا پرستانِ سفری، وہ بھی "تختِ رواں" ریل پر بہت ہی لائقِ رشک رہا۔ سچ یہ ہے کہ جنسِ لطیف اپنی پاکیزہ وشی اور رکافراوانی کے ساتھ "کائنات" کے خوبصورت چہرے کا "غازہ" ہی نہیں بلکہ ہمارے لئے شرطِ زندگی بھی ہے کہ بغیر اس کے دنیا رہنے سے رہنے کے لائق نہیں۔"

---

(۴) " بھائی مقبول! مدت سے کچھ خبر نہیں۔ میں بھی خاموش رہا لیکن آپ کے دردِ دل کے احساس سے خالی نہیں۔ رفیقۂ زندگی شراب کی طرح جتنی پرانی ہو زیادہ باکیف ہوتی ہے یہ وہ راز ہے جو ہوس پرستی کے شیدائیوں کی سمجھ میں نہ آئے۔ لیکن میں اس کے اندازہ سے قاصر نہیں ہوں کیونکہ اس زہر کی تلخی میرے حصہ میں آ چکی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں اس وقت مجروح ہوا جب عمر کی دوپہر تھی۔ لیکن ڈھلتی چھاؤں یعنی عمر کے پچھلے دور میں تو یہ سانحہ بالکل ناقابلِ تلافی ہوتا ہے۔ خاص کر ایک ایسی خوش صفات اور باوفا ہستی کی ابدی جدائی دراصل شوہر کی روحانی موت ہے۔ ان خیالات کے ساتھ میں کیا آپ کی تشفی کر سکتا ہوں۔ لیکن آپ تو بہت دیندار اور پورے مولوی ہیں، حوادث کے لحاظ سے "مشیت ایزدی" یاس کی مترادف سہی لیکن ع سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے۔"

قلم برداشتہ چند سطریں خط کی شکل میں لکھ دیں۔ ان میں چند خط خود میرے نام ہیں لیکن یہ مشکل ہے کہ معلوم کیا جائے کہ کتنے خط اصلی ہیں اور کتنے برائے نام۔ بہر حال جہاں تک انشا کا تعلق ہے یہ بے مثال ہیں اور اُردو کی بہترین نثر کے نمونے ان میں موجود ہیں۔

مہدیؔ کے بعد مولانا ابوالکلام آزادؔ کے خطوط کا مجموعہ غبارِ خاطر قابلِ ذکر ہے۔ مولانا کے علم و فضل کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ وہ ایسے وقت میں پیدا ہوئے جب مسلمانوں میں سیاسی زوال کے باعث علم و فن کی طرف سے کچھ بے نیازی سی پیدا ہو گئی تھی اس لئے ان کی کما حقہٗ قدر نہیں ہوئی۔ کس حسرت سے فرماتے ہیں:

"میری زندگی کا سارا ماتم یہ ہے کہ اس عہد اور محل کا آدمی نہیں تھا مگر اس کے حوالے کر دیا گیا۔"

یہ حقیقت ہے کہ اگر وہ دو تین سو برس پہلے پیدا ہوئے ہوتے تو آج ہم انہیں بھی ان ائمۂ دین اور اساطین علم کے گروہ میں جگہ دیتے جن کے نام سن کر فرطِ ادب و عقیدت سے بے اختیار ہماری گردنیں جھک جاتی ہیں۔ چونکہ وہ ہمارے سامنے ہیں اور اس کے علاوہ سیاسیات نے بھی انہیں اتنی فرصت نہیں دی کہ وہ اپنے افکار قلم بند کر دیتے اس لئے ہم ان کا مقام پہچاننے سے قاصر رہے۔

مولانا آزادؔ نے یہ خطوط جیل خانے میں لکھے تھے لیکن چونکہ اس زمانے میں رسل و رسائل پر پابندیاں تھیں اس لئے یہ مکتوب الیہ کو بھیجے نہیں گئے۔ جب وہ رہا ہوئے تو انہوں نے انہیں چھاپنے کی اجازت دے دی اور اس طرح مکتوب الیہ کو بھی یہ مطبوعہ شکل ہی میں ملے۔ دنیائے ادب میں غالباً اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

ان خطوط میں بھی وہی رنگا رنگی اور بوقلمونی ہے جو مولانا آزادؔ کی اپنی زندگی میں ہے۔ ان میں سیاست ہے، دین ہے، فلسفہ ہے، انشا ہے، ادب ہے، تاریخ ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ انشا ان سب پر بھاری ہے۔ ہر جگہ طرزِ تحریر ایسا دلکش اور زبان ایسی پیاری ہے کہ ؏

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

ان سے اقتباس کرنا مشکل ہے کیونکہ عبارت میں وہ تسلسل اور روانی ہے کہ جب تک صفحے کے صفحے نقل نہ کئے جائیں۔ نہ موضوع ختم ہوتا ہے اور نہ اس کا پورا لطف ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

سب سے پہلے آپ بیتی کا ایک ٹکڑا سنئے:

"اب سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ بھی کیا زمانہ تھا اور طبیعت کے کیا کیا ولولے تھے۔ میری عمر سترہ برس سے زیادہ نہ ہوگی، لیکن اس وقت بھی طبیعت کی افتاد یہی تھی کہ جس میدان میں قدم اٹھائیے پوری طرح اٹھائیے اور جہاں تک راہ ملے بڑھتے ہی جائیے کوئی کام بھی ہو، لیکن طبیعت اس پر کبھی راضی نہیں ہوئی کہ ادھورا کر کے چھوڑ دیا جائے۔ جس کوچہ میں بھی قدم اٹھایا اسے پوری طرح چھان کر چھوڑا۔ ثواب کے کام کئے تو وہ بھی پوری طرح کئے۔ گناہ کے کام کئے تو انہیں بھی ادھورا نہ چھوڑا۔ رندی کا کوچہ ملا تھا تو اس میں بھی سب سے آگے رہے تھے، پارسائی کی راہ ملی تو اس میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہے۔ طبیعت کا تقاضا ہمیشہ یہی رہا کہ جہاں کہیں جائیے، ناقصوں اور خام کاروں کی طرح نہ جائیے۔ رسم و راہ رکھئے تو راہ کے کاملوں سے۔ شیخ علی حزیںؔ نے میری زبانی

شائستگی کا انتہائی تخیل ہو۔
نفاست چاہتی ہے حُسنِ سیرت کے ساتھ صورت کی بھی اچھی سے اچھی ہو۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہندوستان میں گوری چٹی عذرا اور زہرہ کی جگہ سانولی کریمن اور نصیبن پیدا ہونے لگیں اور حُسنِ صبیح کی جگہ ایک طرح کا نمک ایجاد کیا گیا لیکن جس طرح میں دوم درجہ کی کوئی چیز پسند نہیں کرتا، یہاں بھی یہ معیار قائم رہا۔ آئندہ ہفتہ میں میرے پاس آجائے گی اور آپ اس کی جلوہ گری کے آثار صلائے عام کے صفحوں پر پردے پردے میں دیکھیں گے۔"

اقتباسات غالباً طویل ہو رہے ہیں لیکن جی نہیں مانتا کہ مہدی کی تنقید کی دو ایک مثالیں پیش کئے بغیر گزر جاؤں۔ کسی زمانے میں لکھنؤ سے مولانا عبدالماجد دریا بادی کے ایما پر ایک ہفتہ وار اخبار "حقیقت" نکلا تھا۔ پس پردہ مولانا دریا بادی کا ہاتھ تھا اور وہ نام سے اور بے نام اس میں لکھا کرتے تھے۔ مدیرِ حقیقت نے ایک ناول زلیخا لکھا اور اسے مولانا دریا بادی کے نام معنون کیا۔ جب اس کا ایک نسخہ مہدی کو ملا تو انہوں نے اس پر اپنی رائے یوں ظاہر کی:

"زلیخا میں لکھنؤ کی شُستہ رفتہ زبان کا دعویٰ کیا گیا ہے، لیکن ایک موقع پر نند بھاوج کی گفتگو اور اس کا لب و لہجہ اس قدر عامیانہ اور سوقیانہ (VULGAR) ہے کہ ایک بھٹیاری بھی اس بھدے پن کا تحمل نہیں کر سکتی۔ فاطمہ شوخ سہی، لیکن بے باکی میں بھی ایک انداز ہوتا تھا۔ اظہار سے زیادہ خیال کے لئے بعض نکتوں کو چھوڑنا تھا لیکن ان نزاکتوں پر آپ کی طرح دوسروں کی نظر نہیں پڑے گی۔ بہتیرے سمجھیں گے تصویر کے دونوں رُخ ہیں، بُرے کو زیادہ نمایاں کر کے دکھایا ہے اور یوں مقصود ہاتھ سے نہیں گیا۔"

ادب اور لٹریچر کی تعریف ملاحظہ ہو:

"میری غرض مستقلاً "لطائفِ ادبی" یعنی (Belles letters) سے ہے۔ غالب نے اپنی مشکل پسندی کے ساتھ اس رنگ کو کسی حد تک نباہا، لیکن نفسِ لٹریچر جو خود ایک مستقل چیز ہے، خاص طرح کی شرافت اور نزاکتِ خیال چاہتا ہے۔ نرے روزمرّہ اور محاورے کے الٹ پھیر سے کام نہیں چلتا۔ یہ بات میں آپ میں پاتا ہوں، یعنی آپ جو کچھ لکھتے ہیں خالص ادیب کی حیثیت سے، اور کمال انشا پردازی کا اقتضا بھی یہی ہے کہ ادب یعنی لٹریچر اور اصنافِ سخن کی طرح خود مستقل بالذات ہو۔"

افسوس کہ مہدی نے بہت کم وقت پایا۔ سرکاری ملازمت تھی، اس لئے بھی فرصت کم ملتی تھی اور عمر بھی کم ہی پائی۔ خوش درخشید و لے دولت مستعجل بود۔

میں نے مہدی کے ساتھ نیاز فتحپوری کا نام لیا ہے۔ نیاز کے خطوط کے تین مجموعے مکتوباتِ نیاز کے نام سے چھپ چکے ہیں شاید یہ بات عام طور پر معلوم نہیں کہ چند خطوں کو چھوڑ کر ان میں سے بیشتر کسی خاص شخص کے نام نہیں لکھے گئے بلکہ جب انہیں خیال آیا انہوں نے

انسانی دماغ نقل اور تقلید کا بے طرح گرویدہ ہے۔ عقیدہ اور خیال کتنا ہی غیر معقول اور لغو کیوں نہ ہو، انسانی طبیعت آسانی سے اسے بدلنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ آج ہم تعجب کرتے ہیں کہ انبیاء اور مصلحین کی کیوں اتنی مخالفت ہوئی۔ اس کی تہ میں بھی یہی بات ہے۔ مولانا آزاد ایک خط میں اسی موضوع پر لکھتے ہیں:

"انسان کی دماغی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی روک اس کے تقلیدی عقاید ہیں۔ اسے کوئی طاقت اس طرح جکڑ بند نہیں کر دے سکتی جس طرح تقلیدی عقاید کی زنجیریں کر دیا کرتی ہیں۔ وہ ان زنجیروں کو توڑ نہیں سکتا اس لئے کہ توڑنا چاہتا ہی نہیں۔ وہ انہیں زیور کی طرح محبوب رکھتا ہے۔ ہر عقیدہ، ہر عمل، ہر نقطۂ نگاہ جو اسے خاندانی روایات اور ابتدائی تعلیم و صحبت کے ذریعہ مل گیا ہے اس کے لئے ایک مقدس ورثہ ہے۔ وہ اس ورثہ کی حفاظت کرے گا مگر اسے چھونے کی جرأت نہیں کرے گا۔ بسا اوقات موروثی عقاید کی پکڑ اتنی سخت ہوتی ہے کہ تعلیم اور گرد و پیش کا اثر بھی اسے ڈھیلا نہیں کر سکتا۔ تعلیم دماغ پر ایک نیا رنگ چڑھا دے گی، لیکن اس کی بناوٹ کے اندر نہیں اترے گی۔ بناوٹ کے اندر ہمیشہ نسل، خاندان اور صدیوں کی متوارث روایات ہی کا ہاتھ کام کرتا ہے گا۔"

ایک جگہ بہار کا ذکر کرتے ہوئے بلبل کے ترانوں پر یوں گہر افشانی کی ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ نوائے بلبل بہشتِ بہار کا ملکوتی ترانہ ہے۔ جو ملک اس بہشت سے محروم ہے وہ اس ترانے کے ذوق سے بھی محروم ہے۔ گرم ملکوں کو اس عالم کی کیا خبر۔ زمستاں کی برف باری اور پت جھڑ کے بعد جب موسم کا رخ پلٹنے لگتا ہے اور بہار اپنی ساری رعنائیوں اور جلوہ فروشیوں کے ساتھ باغ و صحرا پر چھا جاتی ہے تو اس وقت برف کی بے رحمیوں سے ٹھٹھری ہوئی دنیا یکایک محسوس کرنے لگتی ہے کہ اب موت کی افسردگی کی جگہ زندگی کی سرگرمیوں کی ایک نئی دنیا نمودار ہو گئی۔ انسان اپنے جسم کے اندر دیکھتا ہے تو زندگی کا تازہ خون ایک ایک رگ کے اندر ابلتا دکھائی دیتا ہے۔ اپنے سے باہر دیکھتا ہے تو فضا کا ایک ایک ذرّہ عیش و نشاطِ ہستی کی سرمستیوں میں رقص کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ آسمان و زمین کی ہر چیز جو کل تک محرومیوں کی سوگواری اور افسردگیوں کی جان کاہی تھی، آج آنکھیں کھولیے تو حسن کی عشوہ طرازی ہے۔ کان لگائیے تو نغمہ کی جاں نوازی ہے۔ سونگھئے تو سرتاسر بُو کی عطر بیزی ہے۔"

یہ نثر نہیں، شعر ہے۔ شعر بھی ایسا کہ اگرچہ یہ عروض کے کسی اصول پر نہ اتر سکے لیکن اس کا لطف شعر سے کسی طرح کم نہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ اس سے پورے طور پر لطف اندوز ہونا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

اوپر کے اقتباس بھی اس سے خالی نہیں، لیکن ایک اور مختصر سی عبارت دیکھ لیجئے جس میں تصویر کشی کی گئی ہے:

کہا تھا ؎

"تا دست رسم بود، زدم چاک گریباں　　　شرمندگی از خرقۂ پشمینہ ندارم"

مولانا چائے کے بہت رسیا ہیں اور چائے بھی خاص چینی۔ جن ایام میں یہ جیل میں تھے وہاں بھی پیتے تھے۔ لیکن ان کے بیشتر خواجہ تاش اس متاعِ گراں مایہ کے قدر داں نہیں تھے۔ ان کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"یہاں ہمارے زندانیوں کے قافلہ میں اس جنس کا شناسا کوئی نہیں ہے۔ اکثر حضرات دودھ اور دہی کے شائق ہیں اور آپ سمجھ سکتے ہیں کہ دودھ اور دہی کی دنیا چائے کی دنیا سے کتنی دور واقع ہوئی ہے۔ عمریں گذر جائیں، پھر بھی یہ مسافت طے نہیں ہو سکتی۔ کہاں چائے کے ذوقِ لطیف کا شہرستانِ کیف و سرور اور کہاں دودھ اور دہی کی شکم پروری کی نگری۔

اے عمر چاہیئے کہ گوارا ہو نیشِ عشق　　　رکھتی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں

جواہر لال بلاشبہ چائے کے عادی ہیں اور چائے پیتے بھی ہیں، خواص یورپ کی ہم مشربی کے ذوق میں بغیر دودھ کی۔ لیکن جہاں تک چائے کی نوعیت کا تعلق ہے، شاہراہِ عام سے باہر قدم نہیں نکال سکتے اور اپنی پیچو ویپچو ہی کی قسموں پر قانع رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ان حضرات کو اس چائے کے پینے کی زحمت دینا نہ صرف بے سود تھا بلکہ "وضع الشیٔ فی غیر محلہٖ" کے حکم میں داخل تھا ؎

مے بہ زہاد مکن عرضہ کہ ایں جوہرِ ناب

پیشِ ایں قوم، بہ شورابۂ زمزم نہ رسد

ان حضرات میں صرف ایک صاحب ایسے نکلے جنہوں نے ایک مرتبہ میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے یہ چائے پی لی تھی اور محسوس کیا تھا کہ "اگرچہ بغیر دودھ کی ہے مگر اچھی ہے۔" یعنی بہتر تو وہی دودھ والا گرم شربت ہوا جو وہ روز پیا کرتے ہیں، مگر یہ بھی چنداں بُری نہیں۔ زمانے کی عالمگیر خیرہ مذاقی دیکھتے ہوئے یہ ان کی صرف "اچھی ہے" کی داد بھی مجھے اتنی غنیمت معلوم ہوئی کہ کبھی کبھی انہیں بلا لیا کرتا تھا کہ آئیے ایک پیالی اس "اچھی ہے" کی بھی پی لیجئے۔

عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است

ان کے لئے یہ صرف "اچھی" ہوئی۔ یہاں چائے کا سارا معاملہ ہی ختم ہو جائے اگر یہ "اچھی ہے" "ختم" ہو جائے۔ غالب کیا خوب کہہ گیا ہے ؎

زاہد! از ما خوشۂ تاکے بہ چشمِ کم مبیں　　　ہیں! نمی دانی کہ یک پیمانہ نقصاں کردہ ایم"

کوئی اور ایسا مضمون نہیں جو ہم اپنی عام فہم زبان میں ادا نہ کر سکیں۔ جب سے ہمارے انگریزی دان اصحاب نے اردو میں لکھنا شروع کیا ہے آہستہ آہستہ ایک اور نقص بھی داخل ہو گیا ہے۔ آپ کسی ڈاکٹر صاحب یا بی اے ایم اے کا مضمون دیکھ لیجئے۔ آپ کو قدم قدم پر ایسے فقرے ملیں گے جو انگریزی سے ترجمہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی بدیشی ترکیبیں اور محاورے کسی طرح ہماری زبان کے مزاج سے میل نہیں کھاتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصحاب سوچتے انگریزی میں اور لکھتے اردو میں ہیں۔ دونوں زبانیں جاننے کی وجہ سے اپنے خیال کا ترجمہ تو اردو میں کر لیں گے لیکن چونکہ مزاج میں سہل انگاری بہت ہے اس لئے وہ اس بات کی پروا نہیں کریں گے کہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ ہمارے مسلّمہ معیار پر بھی پورا اترتا ہے یا نہیں۔ بے شک زبان بڑھتی دولت ہے۔ اس میں نئے الفاظ آتے رہتے ہیں اور پرانے الفاظ میں سے ترک بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اسلوب اور طرز کا بھی یہی حال ہے۔ آج ایک طرز مقبول ہے، کل وہی مردود ہو جاتا ہے۔ تجربوں سے کوئی نہیں روکتا۔ اگر کوئی روکتا ہے تو وہ زبان کی ترقی کا دشمن ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ کو کھلی چھٹی دے دی جائے کہ آپ زبان کو امیر خسرو کی اَنمِل بنا کے رکھ دیں۔

میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ آپ چودھری محمد علی کے یہ خط پڑھیں تو آپ کو معلوم ہو کہ زبان کسے کہتے ہیں اور اس میں کیسے کیسے خیالات ظاہر کرنے کی صلاحیت ہے۔ آپ صفحوں کے صفحے پڑھ جائیے، آپ کو کسرۂ اضافت کہیں ڈھونڈے سے نہیں ملے گا۔ اس کا سبب یہی ہے کہ وہ جو زبان بولتے ہیں اسی میں انہوں نے خط لکھ دیئے ہیں۔ ایسی رواں دواں نثر بہت مدت کے بعد دیکھنے میں آئی اور اسے پڑھ کر بے ساختہ زبان سے نکل گیا "خوش گفتی و دُر سفتی"۔

اب دو تین مثالیں دیکھئے۔ پہلے دو ایک تازہ تشبیہیں ملاحظہ ہوں۔

بیٹی کی بیماری کی خبر سُنی ہے، اسے لکھتے ہیں:

"قربانت شوم! سُن رہا ہوں کہ تمہارے دشمنوں کو حرارت آ گئی۔ تمہاری بیماری میں میری وہی کیفیت ہوتی ہے جو میر تقی میرؔ کی برسات میں پرانے گھر کو دیکھ کر ہوتی تھی ؎

تر تنک ہو تو سوکھتے ہیں ہم"

ان کی ایک کتاب "کشکول محمد علی شاہ فقیر" ہے۔ کاتبوں اور ناشروں نے اس کا ستیاناس کر دیا ہے۔ اس کی اطلاع ایک دوست کو دیتے ہیں:

"کشکول محمد علی شاہ فقیر" امید ہے کہ ڈھائی برس کے بعد پریس سے آ جائے۔ جیسے ہی آ گئی حاضر کروں گا مگر صلاح الدین صاحب! چھاپنے والے نے کیا ظلم کیا ہے۔ چھپائی ایسی ہے جیسے یتیم بچے کا منہ ہوتا ہے۔ غلطیاں ایسی ہیں کہ جیسے بُرے گھر کی لونڈی ہوتی ہے۔ کتاب مسخ ہو کر رہ گئی ہے اور ہم ہیں کہ بے بس، بے اختیار دم بخود بیٹھے ہیں۔"

ایک دوست کی بیوی فوت ہو گئی ہیں۔ اسے تعزیت کا خط لکھتے ہیں اور دیکھئے کیسے انوکھے طریقے سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے:

"میں ناتجربہ کاری کے زمانہ میں تعزیت اور پرسے پر ہنسا کرتا تھا۔ میری ایک لڑکی

"رات کا سناٹا، ستاروں کی چھاؤں، ڈھلتی ہوئی چاندنی اور اپریل کی بھیگی ہوئی رات ہماروں طرف تاج کے منارے سر اٹھائے ہوئے کھڑے تھے۔ برجیاں دم بخود بیٹھی تھیں۔ بیچ میں چاندنی سے دھلا ہوا مرمریں گنبد اپنی کرسی پر بے حس و حرکت متمکن تھا۔ نیچے جمنا کی وہلی جدولیں بل کھا کھا کر دوڑ رہی تھیں اور اوپر ستاروں کی ان گنت نگاہیں حیرت کے عالم میں تک رہی تھیں۔ نور و ظلمت کی اس ملی جلی فضا میں اچانک پردہ ہائے ستار سے نالہ ہائے بے حرف اٹھتے اور ہوا کی لہروں پر بے روک تیرنے لگتے۔ آسمان سے تارے جھڑ رہے تھے اور میری انگلی کے زخموں سے نغمے ؎

زخمہ بر تارِ رگِ جاں می زنم کس چہ داند تا چہ دستاں می زنم"

حقیقت یہ ہے کہ ان خطوط کی خوبیوں کا اندازہ ان اقتباسات سے نہیں ہو سکتا۔ پوری کتاب اس قابل ہے کہ اسے مسلسل مطالعہ میں رکھا جائے اور بار بار پڑھا جائے۔

ابھی پچھلے دنوں ایک اور ایسا خطوط کا مجموعہ شائع ہوا ہے کہ اسے دیکھ کر جی خوش ہو گیا اور اسے پڑھ کر وجدان وجد کرنے لگا خدا کا شکر کیا کہ ؏

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

میری مراد چودھری محمد علی ردولوی کے خطوط سے ہے جو "گویا دبستاں کھل گیا" کے دلچسپ عنوان سے شائع ہوئے ہیں۔ ان خطوں میں وہی بے ساختگی اور آمد ہے جو غالب کا حصہ تھی۔ چودھری محمد علی کی ندرتِ زبان کی تعریف فضول ہے کہ وہ اس دریا کے پرانے شناور ہیں۔ بقول نیاز فتحپوری "وہ لکھتے نہیں بات کرتے ہیں۔" دوسرے لفظوں میں انہوں نے بھی غالب کی طرح مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے میں نے انہیں باتیں کرتے نہیں سنا لیکن ان خطوں کے پڑھنے کے بعد میں بہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کی گفتگو بھی بڑی دلچسپ اور باغ و بہار ہوگی۔ نیاز ہی نے لکھا ہے کہ "جس نے انہیں بات کرتے سنا ہے وہ ہی سمجھ سکتا ہے کہ منہ سے پھول جھڑنا کسے کہتے ہیں۔" میں شرحِ صدر سے اس پر "آمنت بالغیب" کہہ سکتا ہوں۔

آج کل ہمارے ادیب اور مصنف جو زبان لکھتے ہیں اسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ یہ مشکل مشکل لفظ، عربی اور فارسی ترکیبوں کی بھرمار، عبارت میں الجھاؤ، طول کلامی ان کا امتیازی نشان ہے۔ یہ اصحاب گھر بار یا گلی بازار میں اس زبان میں گفتگو نہیں کرتے۔ آخر کیا بات ہے کہ ایک شخص بات چیت میں تو چنگی بھلی زبان بولتا ہے جس کے بولنے میں خود اسے کوئی کاوش نہیں کرنا پڑتی اور جس کے سمجھنے میں سننے والے کو دماغ پر زور نہیں دینا پڑتا۔ اِدھر دل سے نکلی اُدھر دل پر اثر انداز ہوئی۔ لیکن جونہی وہ کچھ لکھنے بیٹھتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا تحریر "انتخاب صراح و قاموس" ہے۔ ممکن ہے اس کے اور اسباب بھی ہوں لیکن بولنے اور لکھنے کی زبان میں جو نمایاں فرق ہے میرے نزدیک اس کی بڑی وجہ خود لکھنے والوں کی غلط فہمی ہے۔ یہ اصحاب خیال کرتے ہیں کہ جب تک مشکل اور پُرشکوہ الفاظ نہ لکھے جائیں پڑھنے والے پر رعب نہیں پڑے گا، یا شاید تحریر کمزور رہ جائے گی۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ بے شک بعض موضوع ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے روزمرہ کی سیدھی سادی زبان کافی نہیں ہوتی (اور شاید مناسب بھی نہیں ہوتی)، لیکن علمی اور فنی موضوعات کو چھوڑ کر جہاں اصطلاحات سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں،

دو کاشتہ میرے پاس ایک غرض لے کر آئے اور بہت چالاکی سے اپنا
مطلب نکالنے میں مصروف ہوگئے۔ میں نے کہا "ہونہ کاشتہ! اپنا مطلب نکالنے
کے لئے دوسروں کے نقصان کی پروا نہیں کرتے۔" انہوں نے جواب دیا
"ہم وہ کاشتہ نہیں ہیں جو آپ سمجھتے ہیں۔" اسی طرح میری کمر کی جھکاؤ وہ نہیں
ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ یہ ایسی جھک ہے جو نماز میں تختی بنا دیتی ہے۔"

ایک صاحب کو بہت دن سے خط نہیں لکھا۔ انہوں نے ایک خط کا جواب نہ ملنے پر دوسرا لکھا ہے۔ اس پر لکھتے ہیں:

"بھائی خورشید! سلام شوق۔ آپ کا محبت نامہ آیا تھا اور جہاں تک یاد پڑتا
ہے میں نے جواب بھی لکھا تھا مگر قسم نہیں کھاؤں گا۔ ممکن ہے لکھنے کا ارادہ ہی
کرتے کرتے رہ گیا ہوں۔ بہر حال اگر وہ خط میں نے نہ بھی لکھا ہو تو آپ ازڈاکخانہ
دور رہے ہوں، مگر از دل دور کبھی نہیں رہے۔ اس دوسرے خط کا بھی شکریہ
قبول فرمائیے۔ میں زندہ ہوں اور ابھی تک چلا جاتا ہوں مگر ابھی تک یہ حالت ہے
کہ ایک دن اگر بالکل ہی چلا جاؤں تو افسوس کر لیجئے گا۔ مگر تعجب کی گنجائش
نہ ہوگی۔"

اسی طرح ایک دوسرے دوست کو لکھتے ہیں انہیں بھی ان کے خطوں کے جواب نہیں دئے:

مائی ڈیر مولانا! ایک عورت تھی، وہ بڑی ہنس مکھ تھی۔ جس مرد کو دیکھتی تھی، ہنس
دیتی تھی۔ اس کے شوہر کو کچھ یہ بات پسند نہ تھی

عشق است و ہزار بدگمانی

اس نے اپنے شوہر کو اطمینان دلایا "ہنسنا میرا سبھاؤ بالم تم جینا نہ مانیو۔"[1] یہی
حال میری کوتاہ قلمی کا ہے۔ آپ اپنے خطوط محبت کا جواب دیر میں پاکر الجھا نہ
کیجئے۔ اگر میں روز روز خطوط کا جواب دیا کروں تو اتنی تمہیدیں کہاں سے پاؤں۔"

اگر میں اسی طرح اقتباس نقل کرتا جاؤں تو بلا مبالغہ آدھی کتاب نقل ہوجائے۔ کتاب کی خوبیوں کا اندازہ اس کے پڑھنے ہی سے ہوسکتا ہے۔ ان خطوں کی امتیازی خصوصیت ان کا تصنع سے عاری ہونا ہے۔ انگریزی میں ایک محاورہ ہے: (THINKIG ALOUD) یعنی اونچی آواز سے سوچنا۔ یہ تعریف پوری طرح ان خطوں پر صادق آتی ہے۔ چودھری محمد علی نے یہ خط نہیں لکھے بلکہ ان کے قلم نے، جس وقت وہ یہ باتیں سوچ رہے تھے ان کے ذہن و قلب کی تصویر کھینچ لی ہے۔ اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کیمرے کی تصویر اصل سے مختلف ہو۔

---

[1] یعنی پیار سے ہنسی مذاق میری گھٹی میں پڑا ہے تم اس سے بدگمان نہ ہونا۔

جو بہت دنوں سے بیمار تھی (اس کے علاوہ چار لڑکیاں اور بھی تھیں) وہ گزر گئی۔ صبح کو ایک صاحب تعزیت کو آئے۔ بیچارے کم سخن تھے، آ کر چپ بیٹھ گئے میں نے کہا۔ ہاں تو پھر شروع کیجئے: "بچی کیا بیمار تھی؟ مجھ کو اطلاع بھی نہیں ہوئی خدا آپ کو صبر دے۔" وہ بیچارے پریشان ہو گئے۔ اس کے بعد میرا اکلوتا لڑکا گزر گیا۔ اس واقعے کے بعد ایک دیہاتی جاہل ملا فانی نے ہمدردی کی۔ عجب بھونڈے طریقے سے اس نے مجھے تسکین دی۔ مگر یہ معلوم ہوا کہ جیسے زخم پر کسی نے مرہم رکھ دیا۔ اس نے کہا: "وہ لڑکا تمہارا تھا ہی نہیں۔ اگر تمہارا ہوتا تو تمہارے پاس رہتا نا۔ وہ جس کا تھا اس نے لے لیا، تم کیوں رنج کرتے ہو۔"

ہاشمی صاحب! اس وقت بھی وہ زخم ہرا ہے اور اس وقت بھی وہ مرہم اپنا کام کر رہا ہے۔ اس کے بعد سے میں ہر پہلو سے تعزیت کی قیمت سمجھنے لگا اور اسی وجہ سے یہ صفحہ سیاہ کیا کہ شاید دلی ہمدردی غم میں کچھ اضافہ کرے۔ ارحم الراحمین آپ حضرات کو صبر دے۔ آمین!

محمد علی کی مزاح کی حس بہت تیز ہے۔ موقع مل جائے تو ہنسنے ہنسانے سے نہیں چوکتے۔ اگر کسی اور پر نہیں ہنس سکتے تو اپنے آپ کو بھی تختۂ مشق بنانے میں دریغ نہیں۔ ایک دوست جن سے بہت دن سے ملاقات نہیں ہوئی اور انہوں نے خیر خیریت کا خط بھی نہیں لکھا۔ انہیں لکھتے ہیں:

"زمانہ اور اسبابِ زمانہ اتنے دوسرے ہو گئے ہیں کہ نہ معلوم کتنے ہیں کہ جن سے مل کر جی خوش ہوتا تھا اور اب برسوں خبر بھی نہیں ہوتی۔ خود ہمارے ساتھی تو قریب قریب ختم ہو چکے۔ بھلے کو ہم نے اپنے سے کم سن لوگوں سے رسم بڑھالی تھی۔ گویا سینگ کٹا کے بچھڑوں میں داخل ہو گئے تھے۔ مگر خدا کا کرنا ایسا ہے کہ ان سے بھی واسطہ نہ رہا۔ اب دو ایک بڈھے رہ گئے ہیں۔ ان سے کبھی ملاقات ہو جاتی ہے تو آپس میں ایسی باتیں ہوتی ہیں، جیسے ہم لوگ اعراف میں بیٹھے ہیں۔"

صحت خراب ہے اور کمر میں درد ہے۔ اس کی اطلاع ایک صاحب کو دیتے ہیں:

"آج کل علاوہ روحانی تکلیف کے ایک جسمانی تکلیف بھی اضافہ ہو گئی ہے یعنی کمر میں سخت چک آ گئی ہے۔ آپ کہیں گے کہ یہ کون ایسی مصیبت تھی جس کی بنا پر احباب سے خراج ہمدردی وصول کیا جائے۔ حضرت بات یہ ہے کہ ایک بار

عکسی خطوط

تصویر تو اصل کے مطابق ہی ہوگی۔

ان خطوں کے پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان کا لکھنے والا محبت کرنے والا باپ، مخلص دوست، خدا سے ڈرنے والا آدمی اور اچھا اور بیباک شہری اور بڑے مرتبے کا انسان ہے اور جب کوئی آدمی بڑے مرتبے کا انسان ہو تو اسے اس کی پروا نہیں رہتی کہ لوگ مجھے شیعہ سمجھتے ہیں یا سُنّی۔ ہندو خیال کرتے ہیں یا مسلمان۔ اس کے نزدیک انسان خلاصۂ کائنات ہے۔ کیونکہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے نہ کہ سُنّی یا شیعہ، ہندو یا مسلمان۔

ختم کرنے سے پہلے ایک بات لکھ دوں کہ اگر "گویا دبستاں کھل گیا" کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو تو اس کی کتابت اور تصحیح پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ چودھری محمد علی کی مختصر سوانح عمری کا اضافہ لازمی ہے اور مکتوب الیہم کے کوائف اور ان کا مکتوب نگار سے کیا رشتہ ہے، اس کی وضاحت اشد ضروری۔

[illegible]

شعر نہ یاد آئے جو یاد آگئے خیر گانے کو یہ بھی کافی و مکتفی ہیں

[illegible]

پیوستہ دہر بادہ و ساغر نتوان خواند ہموارہ ترا شد بت و آزر نتوان گفت

[illegible]

کار بعجب افتاد بدین شیفتہ ما را مومن نبود غالب و کافر نتوان گفت

[illegible]

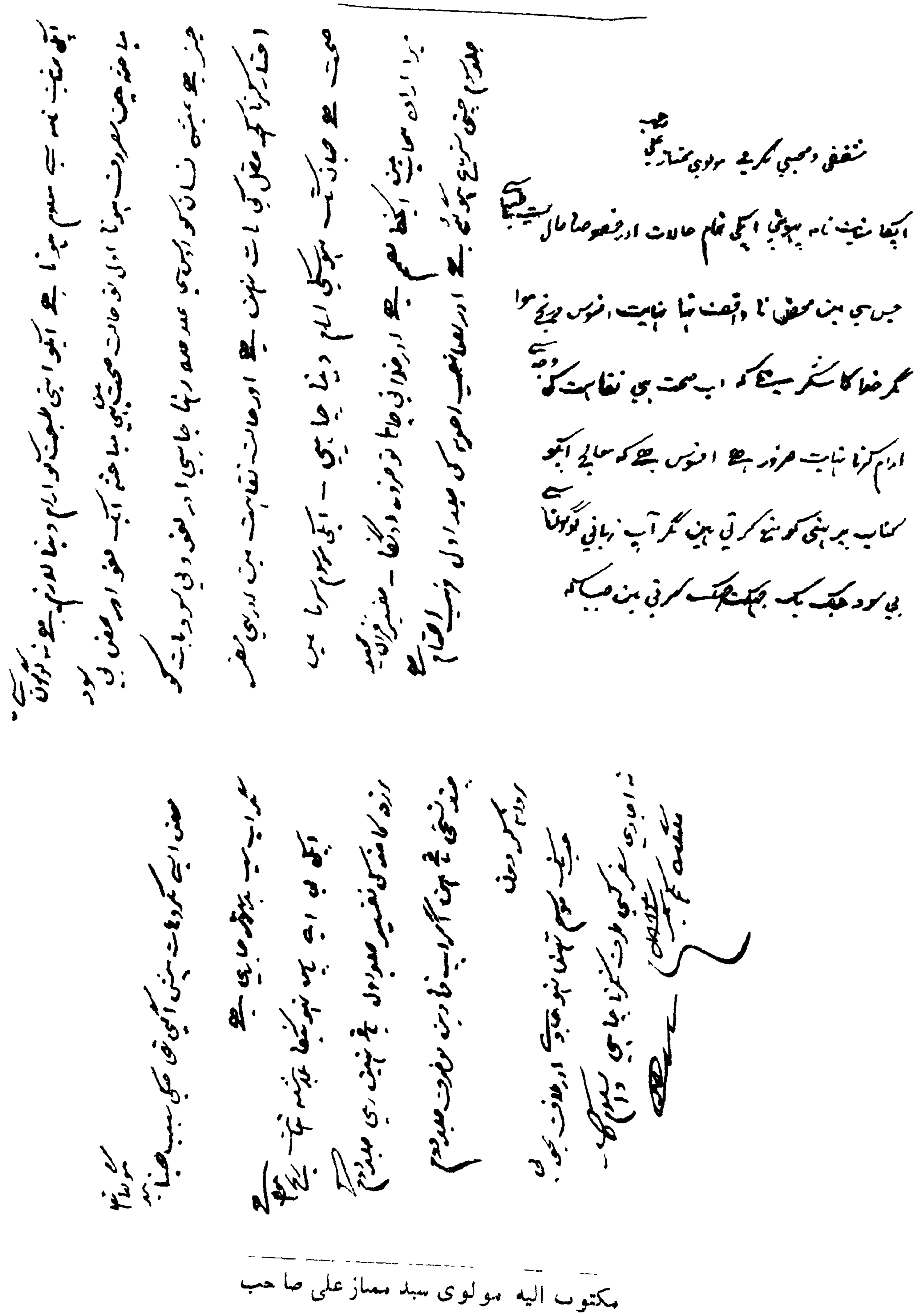
کوئی امید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی

موت کا ایک دن معین ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی اب کسی بات پر نہیں آتی

جان غالب خط تمہارا متواتر پہنچا مع غزل عرفا میں سے ہے بہتر اوسکے کلام
میں مضامین حقیقت آگین ہیں لیکن دامان گلہ دارد و گریبان گلہ دارد اس میں
میں اوسکے غزل میں نے نہیں دیکھی حاجی محمد جان قدسی کی غزل اس زمین میں ہے
در بزم وصال تو بہنگام تماشا نظاره ز جنبیدن مژگان گلہ دارد یہ ایک شعر اوسکا مجھے
یاد ہی بہتے تمہارا بات گمان ہے یعنی مجکو زندہ سمجھتا ہے میرا سلام کہو اور یہ شعر میرا پڑھ
سنا دو گمان زیست بود برمنت ز بد دردی بد است مرگ ولی بدتر از گمان تو
مجھکا خورد و نوش کے فکر پڑ رہے ہے وہ ستمگر شعر و سخن کا طالب ہی زندہ ہوتا تو وہ ہیں
کیونکر نہ چلا آتا مجھ پر سے یہ تکلیف اوٹھوالو اور تم اس زمین میں چند شعر کہہ کر بھیج
میں ضلع دیگر بھیجدو ان کا عرصہ پیری ہے پر واللہ میرا کلام ہندی یا فارسی کچھہ
میرے پاس نہیں ہے آگے جو کچھہ قطعہ میں موجود تھا وہ لکھ بھیجا اب جو کچھہ یاد آ گیا
وہ لکھتا ہوں نسخے باہمہ عاشقم سخن از ننگ و نام چیست در امر خاص حجت دستور
عام چیست مستم ز خون دل کہ دو چشمم ازان پر است گوئی مخور شراب و نہ بینی بجام
چیست

مکتوب سر سید احمد خان


مشفق و محبی مکرمی مولوی ممتاز علی صاحب

آپکا عنایت نامہ پہونچا آپکے تمام حالات اور خصوصاً مال [illegible]

جس سے میں محض ناواقف تھا نہایت افسوس و رنج ہوا

مگر خدا کا شکر ہے کہ اب صحت ہے نقاہت کو وقت چاہیے

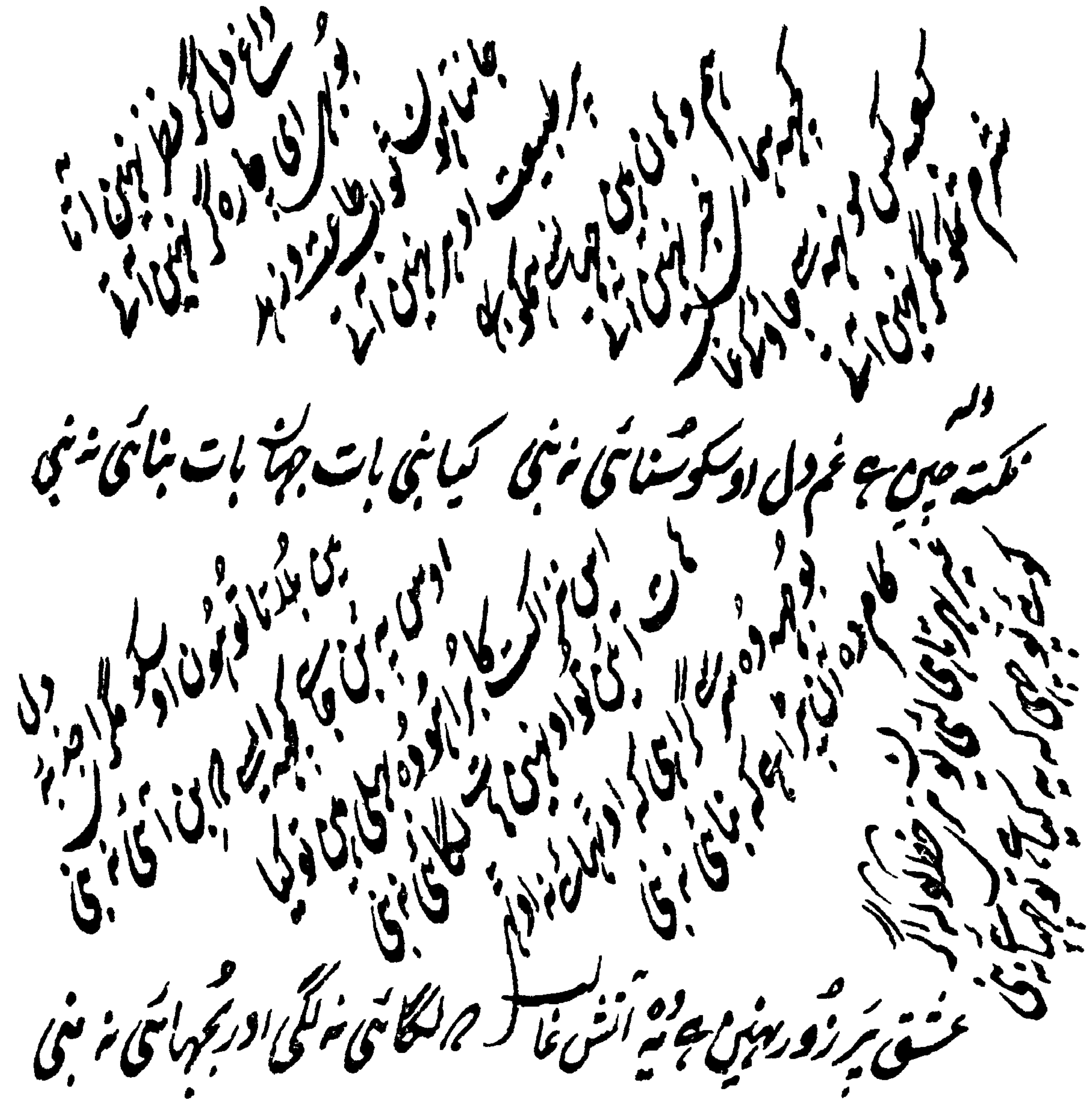
آرام کرنا نہایت ضرور ہے افسوس ہے کہ علاج آپکو

کتاب پڑھنے کو منع کرتے ہیں مگر آپ زبانی لوگوں سے

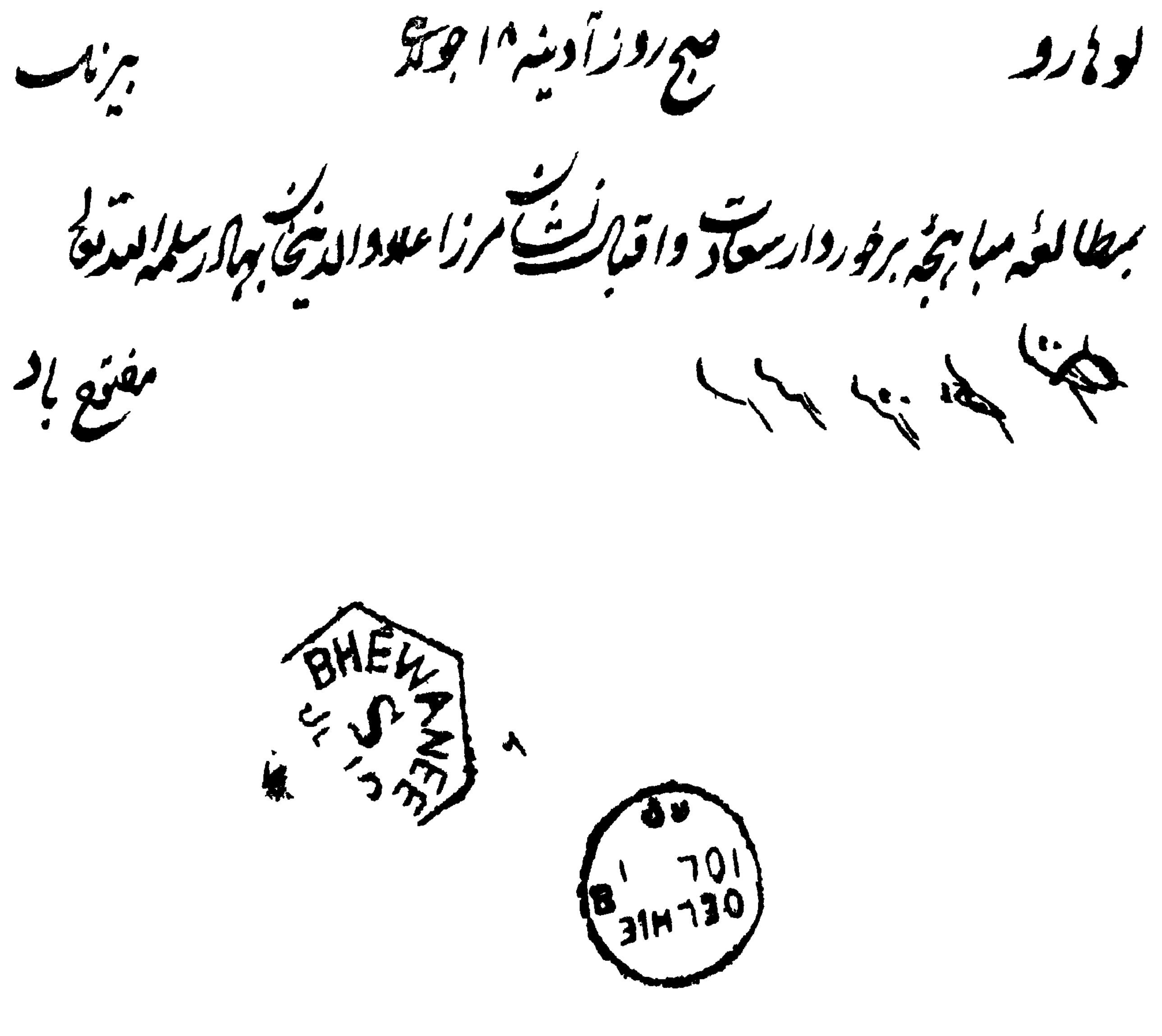
بھی سود حکیک یک جگت کرتے ہیں

[illegible]

مکتوب الیہ مولوی سید ممتاز علی صاحب



مرزا غالب کے خط کا بقیہ حصہ



اصل لفافے کی عکسی تحریر جس میں یہ خط ملفوف کر کے بھیجا گیا۔

مکتوب فصیح الملک داغ

نورچشمی نواب فاضل شاہ مشہود سلمہ

تین دن سے خط کا منتظر ہوں جواب بتادو لفظ ہی جو ہر جائی و اسکے

اور اسی پر خفا ہوئی ہیں مجھ خوب جیسا ہاں ہاپنی ادویہ لڑکا سے لڈ ہی جاس

میاں سے گئی دس روپئے مانگتی ہیں ذرا اونکو سمجھا دیں تاکہ میں نے

جو اونکو خط لکھا ہے وہ اپنا کر خط میں ادا کر دیکر اپا سے للکر

آپ دیکھا میں گھر ہی ہوں عنایت اللہ غزل ملفوف اور سمجھا ہیں

عنہ معلوم ہوا کہ دہلی سب بخیر ہیں مسجد شہ خیر کے

کہ اسی کو ان تاجی کہیں سا خیریت گھر کی سند ہے

محو تجو دعا کرتا فقط فصیح الملک داغ دہلوی

۵ ربیع الاول ۱۳۲۱ ہجری

مکتوب مولانا محمد حسین آزاد

عزیز من الحمد للہ خیریت ہے

تمہارا دونوں خط فراواں مسرت لایا - تمہارا محبت نامہ بھی

اسکے باعث مسرت ہوا - مجھے تو خبر ہی نہیں - خدا انہیں صحت دے - گھبراؤ نہیں علاج

کرتے رہو انشاء اللہ شفا ہوگی -

میرا حال بدستور ہے - مدرسہ کا حال یہ ہے کہ حضور سائیں صاحب بیمار ہیں پرنسپل نہیں ہیں اور انسپکٹر

صاحب دورہ پر گئے ہیں - ڈاکٹر لیٹنر صاحب [illegible] انسپکٹر صاحب [illegible] ہوکر تشریف

لے گئے ہیں - انکی جگہ ایک صاحب [illegible] تشریف لائے ہیں - کوب صاحب [illegible]

عالم ہیں اور بڑے شوق سے پڑھاتے ہیں - [illegible] فارسی [illegible]

شرح [illegible] - [illegible]

میرا اور کیا لکھوں - اپنی علالت کی خبر [illegible] انشاء اللہ عنقریب [illegible] - والدعا

محمد حسین [illegible]

مکتوب الیہ نا معلوم

مکتوب مولانا حالی

پانی پت
۲۶ رمضان ۱۹۱۰

مولوی [illegible] وحشت [illegible] ۔

السلام اول الکلام - دیوان وحشت یعنی آپ کے اردو و فارسی کلام کا مجموعہ جو آپ نے از راہ لطف و کرم بندہ کو بطریق ارمغان عنایت فرمایا ہے اول تو اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اس کے بعد اپنی حالت پر افسوس کرتا ہوں کہ یہ عطیہ ایسے وقت میں آیا جبکہ مجھ میں اس کی قدر کرنے کی لیاقت نہیں رہی

چیدند خلعت نعمت چوں از جہان دل سیر شد
دادند آب زندگی را بعد سر رفتن آب روان

یعنی امراض اور ضعف قویٰ کے سبب لکھنا پڑھنا بالکل موقوف ہو گیا ہے - با اینہمہ یہ کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ دیوان وحشت کے مطالعہ سے میرے دل میں جو ایک [illegible] پیدا ہوئی ہے - اول تو آپ کا تخلص مرزا اسد اللہ خاں مرحوم کی صحبت کے ایک اعلیٰ رکن یعنی [illegible] کی یاد کو تازہ کرتا ہے جن کی نسبت مرزا صاحب اپنی ایک اردو غزل کے مقطع میں فرماتے ہیں

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہویں شاید
مر گیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہیں

دوسرے آپ کا طرز سخن بھی دیکھ کر زمانہ کے انقلاب پر ایک حسرت انگیز تعجب کا سماں دل پر چھا جاتا ہے - مرزا کو شاید ہی کوئی [illegible] میں دربار سے زیادہ اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی تھی اور نکتہ چینی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا تھا آج کلکتہ کے ارباب فضل و کمال میں سے ایک یگانہ و برگزیدہ شخص شاعری میں مرزا کے تتبع پر فخر کرتا ہے - غالباً آپ نے اپنے بزرگوں سے سنا ہو گا کہ جب مرزا غالب مرحوم اپنی [illegible] پنشن کے متعلق گورنمنٹ ہند میں استغاثہ کرنے کی غرض سے

مکتوب الیہ وحشت کلکتوی

نکلنے لگی ہیں اُس وقت ایک کلکتہ سے ایک فارسی کے [illegible] پر
کچھ اعتراض کیے تھے جس پر مرزا صاحب نے ایک مثنوی موسوم بہ بادِ مخالف
لکھی تھی جو آپکے کلیات میں موجود ہے۔

پھر ایامِ غدر کے بعد اُنکی کتاب قاطع برہان کے خلاف
مولوی احمد علی [illegible] احمد نے کلکتہ سے ایک مستقل کتاب
موسوم بہ مؤید البرہان نہایت درشت و تلخ لہجہ میں ترتیب دیکر
شائع کی تھی ۔ مگر آپ نے مرزا کے شعر کا پورا پورا [illegible]
ثابت کر دیا کہ سچائی کا مقابلہ کیسی ہی سختی کے ساتھ
کیا جائے وہ ہمیشہ اپنا نقش لوگوں کے دلوں پر جمائے بغیر نہیں رہتی۔
مولانا اگر انصاف سے دیکھئے تو مرزا کا تتبع کرنا درحقیقت
ہم لوگوں کا حق تھا مگر آپ نے ہمارا یہ حق ہم سے چھین لیا
سچ ہے " [illegible] "
مختلف بر طرف [illegible] مرزا صاحب کے [illegible]
حالات کو [illegible] تمام معاصرین سے ممتاز
مستحق کر دیا تھا تو آپ کے اردو دیوان کو [illegible]

اسکا کلام کا نمونہ تو اردو میں [illegible] دو فقرے مبالغہ نہیں ہو سکتا
اور جو ہمیشہ ایشیا کی قدیم شاعری [illegible] چراغِ سحری معلوم ہوتا ہے
اور فارسی زبان ہندوستان سے آہستہ آہستہ مفقود
ہوتی جاتی ہے اسلئے کہا جا سکتا ہے کہ آئندہ کیا اردو
اور کیا فارسی دونوں زبانوں میں ایسے نئے دیوانوں کے شائع
ہونے کی بہت ہی کم امید ہے ۔ خدا آپ کی
عمر میں برکت دے کہ آپ ہماری [illegible] کا [illegible]
اور انکا نام زندہ رکھنے والوں میں ہیں ۔ والسلام مع الاکرام

خاکسار الطاف حسین حالی

مکتوب ڈپٹی نذیر احمد

عالی جناب

السلام علیکم۔ آپ کو شاید معلوم ہو کہ میں نے بڑی محنت سے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کیا ہے
مجھکو اس کے لئے تین برس محنت شاقہ اٹھانی پڑی ہے اور تراجم موجودہ
اور تفاسیر اور احادیث سے مطابق کرنے کے لئے مولویوں کا اسٹاف رکھنا
پڑا ہے تب کہیں جا کر یہ ترجمہ میرے نزدیک بامحاورہ سلیس مطلب خیز
مستند اور تراجم موجودہ سے بہت بہتر ہوا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ اشارات بھی
رکھ دیئے گئے ہیں اور منظور یہ ہے کہ ان اطراف میں اچھی طرح اعلان کر دیا جائے
کہ قرآن مجید کا نیا ترجمہ مل سکتا ہے۔ پہلے آپ دیکھ دکھا کر اچھی طرح اطمینان
حاصل کر لیجئے کہ آیا واقع میں یہ ترجمہ تراجم موجودہ سے بہتر ہے یا نہیں
اور اگر آپ کے نزدیک بہتر ثابت ہو تو آپ اس کی سرپرستی کیجئے
کیونکہ اس کی اشاعت میں مدد دینا گویا اغراض رسالت کی تکمیل کرنا ہے
بلکہ اگر آپ کر سکیں تو اس ترجمہ کی کیفیت کو سرکار کے گوش زد کریں
اور ان سے سرپرستی کی تحریک فرمائیں۔ ترجمہ کے حجم اور سواد خط اور چھاپے سے
آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ قیمت جو قرار دی گئی ہے اس میں کوئی ذاتی مفاد
مد نظر نہیں ورنہ میں اگر اپنی محنت اور مولویوں کی تنخواہ لگاتا تو قیمت فی
جلد لاگت پڑتی مگر میں نے یہ کام حسبۃً للہ کیا ہے ان اجری الا علی اللہ
میرٹھ میں آپ سے تفصیلی ملاقات نہ ہونے کا افسوس باقی رہ گیا۔

فقط خاکسار نذیر احمد
۸ جنوری ۱۸۹۶ء

ترجمہ بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں
روانہ کیا گیا ہے اور صرف محصول کا
وی پی کیا گیا ہے براہ مہربانی
وصول کرا لیجئے گا۔

مکتوب الیہ نواب مولانا سید علی حسن صاحب

مکتوب علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

Dr. Sir Mohd Iqbal, Kt
M. A., Ph. D
Barrister-at-Law,
Lahore

بصیغۂ راز ۵ر جولائی ۳۲ء

جناب من سلام مسنون

[illegible]

مکتوب الیہ مولانا محمد عرفان صاحب

مکتوب نواب وقار الملک.

امروہہ ۱۸ اپریل [illegible]

جناب حکیم صاحب کرم فرمائے دلی مکرم حکیم محمد عبدالسلام صاحب

بعد تسلیم

منشی ارشاد علی صاحب بیمار کیمپ بریشہ وہ جناب کی خدمت میں اپنے علاج

غرض سے تشریف لاتے ہیں ان حضرات میں سے ہیں جو اپنے مال اور جان تک کو

قومی کاموں میں قربان کئے ہوئے ہیں اگر اس قسم کے لوگ قوم میں کچھ زیادہ تعداد سے

ہوتے تو مسلمانوں کی حالت ہی کچھ اور ہوتی لیکن ایک ایسی جان جیسی کہ قوم کو فخر ہونا چاہیے

اور حسب خاص التفات اور توجہ سے ایک ایسی جان کی حفاظت کی ضرورت ہے

وہ کچھ بیان سنتے ہیں میں نے خود بھی چاہا اور ان کے ساتھ خدمت میں حاضر ہونا

چاہتا تھا اور ان سے عرض کر دیا ہے کہ وہ یہی سمجھیں کہ گویا ان کے ساتھ میں

خود ہی حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں والسلام

خاکسار

مشتاق حسین

مکتوب الیہ حکیم محمد عبدالسلام صاحب

مکتوب نواب محسن الملک

Honorary Secretary's Office.
M. A.-O. COLLEGE.
Aligarh. 190

[illegible]

مکتوب الیہ مولوی بشیر الدین صاحب (اٹاوہ)

مکتوب مو لاناحبیب الرحمن شروانی

CENTRAL OFFICE OF
THE ALL INDIA MUSLIM EDUCATIONAL CONFERENCE
SULTAN JAHAN MANZIL
ALIGARH

نمبر ۲۲۴۴/۴۳

۱۰/ [illegible] ۱۹۶۰ء

مکرم و محترم فرما

السلام علیکم

بھائی سید الطاف علی صاحب نے آپ کی تحریر دکھائی حسن اتفاق

آج شب علیگڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کا جلسہ آگرہ میں منعقد ہے

اور میں باعث علالت شامل نہیں [illegible] ظاہر فرمایا

[illegible] مبارک ہے

جس وقت دعوت نامہ آیا اس سے قبل لیا تھا

اتفاق دیکھیے کہ جس روز آپ کی تحریر [illegible]

[illegible]

اس لیے آپ [illegible]

مخلص

حبیب الرحمن شروانی

مکتوب الیہ طاہر فاروقی صاحب

مکتوب منشی محمد ذکاالله

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

مکتوب الیہ مولانا محمد حسین آزاد

"KHILAFAT HOUSE."
Love Lane,
BOMBAY, 10.

TELEPHONE No. 40318

THE CENTRAL KHILAFAT COMMITTEE (INDIA)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

BOMBAY, 7.7. 1931.

برادرم مہر - السلام علیکم - افسوس کہ آپ تشریف نہ لائے - تکلیف دہ معرکہ تھا ایک
طرف تو ہم ترکی مہمانوں کی [illegible] اور ہندو مسلمانوں کی [illegible] نہیں ہمت کرتے تھے
دوسری طرف ایک [illegible] فضل حسین اور انگریزی [illegible] کے منشا کے مطابق
[illegible] رہا تھا اور ہر طرف بدگمانی اور [illegible] کی فضا تھی - انجمن ہمارے
ممبران سید حبیب [illegible] لطف [illegible] [illegible] رہے تھے
اور اب انہوں نے اپنی خدمات کا صاف صاف اعلان کر دیا اور چلتے
چلتے محمد علی مرحوم پر بھی ہاتھ صاف کر دیا تاکہ مجھ پر [illegible]
[illegible] جب [illegible] تھا [illegible] تھا - [illegible]
[illegible] دوسری کا دیا تھا [illegible] اقبال کی [illegible] زبان سے بھی بعض
ایسی باتیں نکلیں جنسے مجھکو رنج ہوا - میں جو کام کر رہا ہوں اپنے دل کی خوشی اور خدا کی رضا کے
لئے کر رہا ہوں [illegible] سے تمہاری [illegible] کر رہا ہوں تاکہ میری ذات سے [illegible] السلام [illegible]
کسی شخص کو نقصان نہ پہنچے [illegible] محال ہے [illegible]

مکتوب شبلی نعمانی

مجی

آپ کا خط مجھکو کچھ تو دیر میں ملا کچھ اور سبب سے جواب میں تاخیر ہوئی

قانون مسعودی رام پور کے کتب خانہ سرکاری اور قاہرہ کے کتب خانہ خدیویہ میں موجود ہے

ابوریحان کی تصانیف کی فہرست مفصل ترجمہ انگریزی کتاب الہند مصنفہ ابوریحان بیرونی مطبوعہ لندن ۱۸۸۸ء میں چھپ گئی ہے

اس سے زیادہ نہیں مل سکتی۔

اسکی اکثر تصنیفات علم ہیئت کتب خانہ خدیویہ میں موجود ہیں

عمر خیام کی تصنیفات حسب روایت تاریخ الحکماء شہرزوری جسکا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے حسب ذیل ہیں

ایک مختصر رسالہ طبعیات میں۔ ایک رسالہ وجود کی حقیقت پر۔ ایک رسالہ کون و تکلیف پر۔

۶۔ اسباب الشفا ہیں۔

۵۔ ابوریحان کا سنہ وفات طبقات الاطباء ابن ابی اصیبعہ میں ۴۳۰ لکھا ہے اور کتاب مذکور بہت مستند خیال کی جاتی ہے

۶۔ ابوریحان کی کتابیں کتب خانہ رامپور و پٹنہ و قاہرہ میں مل سکتی ہیں۔

مسلمان ریاضی دانوں میں سے ابوالوفاء بوزجانی۔ بتانی۔ خازن بڑے پایہ کے لوگ اور مجتہد الفن ہیں ان کی تحقیقات پر بھی توجہ کیجیے۔

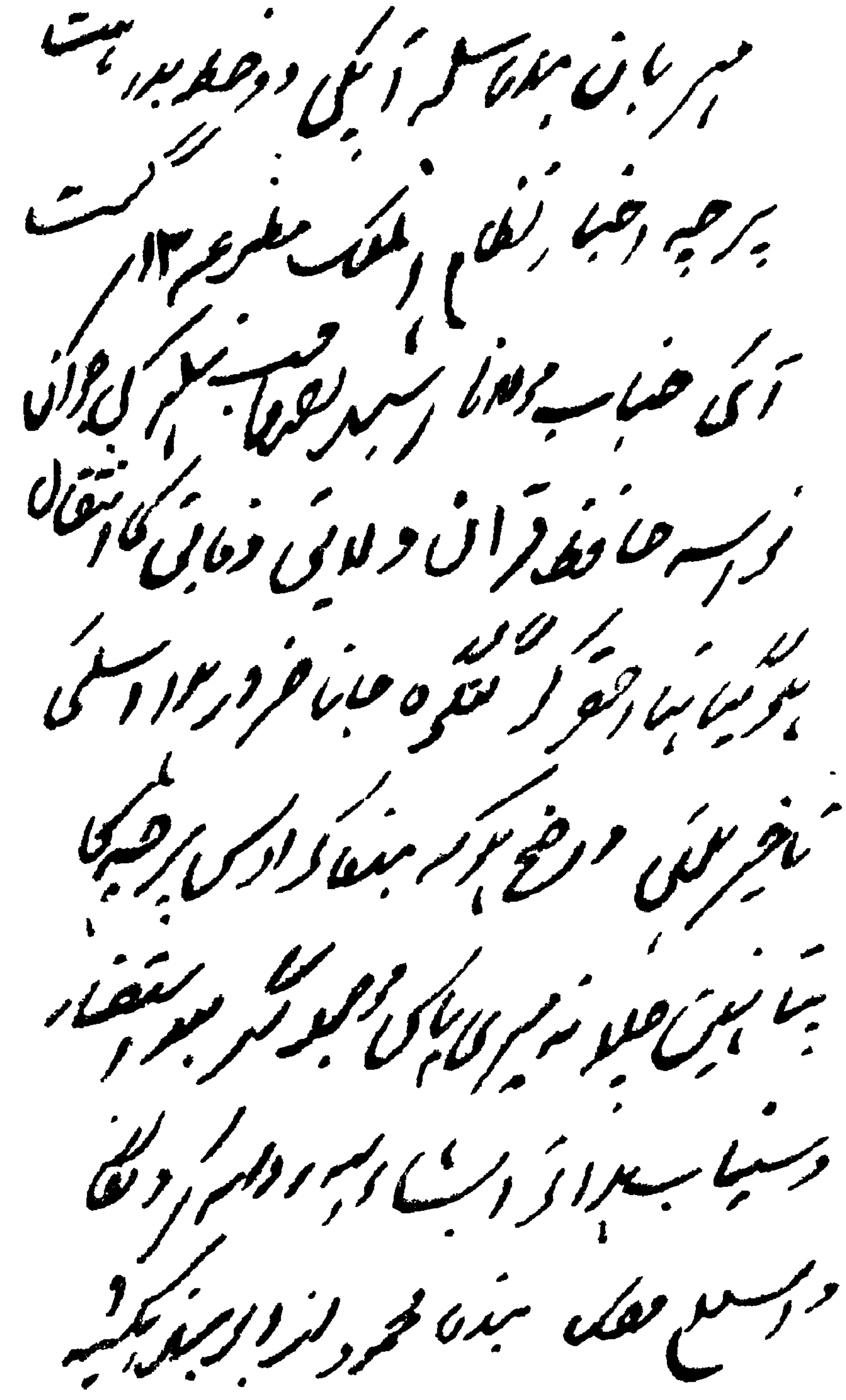
شبلی نعمانی۔

اعظم گڑھ

۳۰ جنوری ۱۹۰۹ء

مکتوب الیہ ڈاکٹر عبدالحق صاحب

مکتوب شیخ الہند مولانا محمود الحسن


مہربان بندہ سلمہ آپکے دو خط [illegible]
پرچہ اخبار نظام الملک مطبوعہ ۱۳ اگست
آئی جناب مولانا رشید احمد صاحب سلمہ کی جوان
[illegible] حافظ قرآن و [illegible] کا انتقال
ہوگیا [illegible] اسکی
تاخیر [illegible]
[illegible]
[illegible]
والسلام [illegible] بندہ محمود [illegible]

مکتوب الیہ مولوی کریم بخش صاحب

مکتوب مولانا محمد علی جوہر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Telephone No 5556 | Telegrams COMRADE Delhi

The Comrade.

When replying, please

Kucha i Chelan,
Delhi 3rd. May '27

برادرم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

[illegible]

محمد علی

مکتوب الیہ مولانا محمود احمد عباسی

آپ کی عنایتوں سے تو یہی امید ہے کہ آئندہ بھی

آپ نہ صرف عنایت نامہ ارسال کریں گے بلکہ

اپنے مضمون کے بقیہ حصے بھی لطف فرمائیں گے۔

”المقتطف“ کی بابت اگر جلد ہی جواب ہو کہ

آپ نے رجوع فرمایا یا رجسٹری ہوں

تو عنایت بزرگانہ سے بعید نہ ہوگا۔

والسلام خیر ختام

آپ کا نیازمند قدیم

رشید الدین سلیم

مکتوب وحیدالدین سلیم

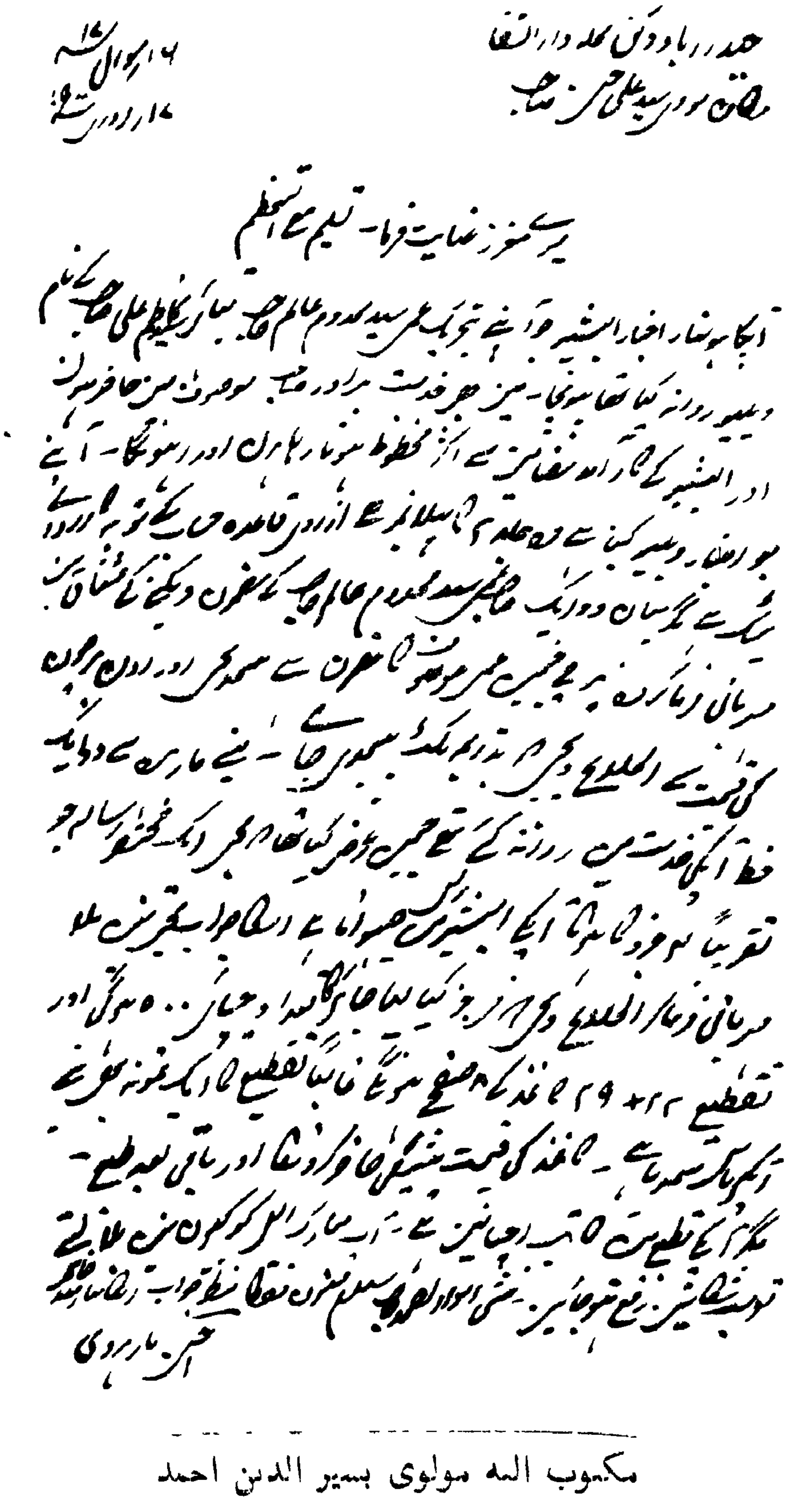
دفتر معارف
علی گڑھ
6/6/96

جناب من

آپ کے مضمون "بلاغت شعرائے عرب کی تصنیفات اور اہل یورپ کی فیاضی" کو ناظرین معارف نے بہت پسند کیا اور اخباروں میں بھی نقل ہوا ہے اب لوگ منتظر اور مشتاق اور بیتاب ہیں کہ اسکے باقی حصے بھی اسی آب و تاب سے معارف میں طبع ہو کر انکی نظر سے گزریں۔ کیا آپ ناظرین معارف کے اس اشتیاق اور انتظار پر رحم نہ کرینگے۔

مکتوب الیہ نواب سید علی حسن صاحب

مکتوب احسن مارہروی



حیدرآباد دکن محلہ دار الشفا
مخدومی مولوی بشیر الدین صاحب

۱۶ شوال [illegible]
۱۷ [illegible]

میرے معزز عنایت فرما۔ تسلیم مع التعظیم

آپکا ہونہار اخبار البشیر جو آپ نے بتوسط سید مخدوم عالم صاحب بنام حکیم علی صاحب کے نام
روانہ کیا تھا ہو گیا۔ میں جو خدمت برادر صاحب موصوف میں حاضر ہوں
البشیر کے آثار اور صفات سے اکثر محظوظ ہوتا رہا ہوں اور رہونگا۔ آپ نے
[illegible]
[illegible]
[illegible]
کی قیمت سے الاصلاح [illegible]
خط آپکی خدمت میں روانہ کرنے کے [illegible]
تقریباً [illegible] آپکا البشیر [illegible]
مہربانی فرما کر الاصلاح [illegible] ۵۰۰ ہو گی اور
تقطیع ۲۲×۲۹ کاغذ کا صفحہ ہوگا [illegible] تقطیع کا ایک نمونہ [illegible]
[illegible] کاغذ کی قیمت [illegible] اور باقی [illegible] طبع۔
[illegible]
[illegible] جواب [illegible]

احسن مارہروی

مکتوب الیہ مولوی بشیر الدین احمد

مکتوب سید احمد دہلوی (فرہنگ آصفیہ)



حافظ صفدر علی صاحب مصحح مطبع رفاہ عام پریس لاہور نے میری کتاب فرہنگ آصفیہ
کی جلد چہارم کو بہتر تقریباً نصف سے زیادہ بنایا ہے - میرا خیال تھا کہ منشی علی بخش صاحب
سے زیادہ اس کام میں دوسرا شخص مہارت نہیں رکھتا کیونکہ اول تو وہ گورنمنٹ بک ڈپو
میں میرے ماتحت ۱۸۸۰ء میں رہ چکے ہیں جہاں تحسین و آفرین کے مورد رہے - دوسرے
یہ کہ حافظ صاحب کے استاد بھی رہ چکے ہیں لیکن چونکہ منشی علی بخش صاحب نے تقاضائے عمر
یہ کام بالکل چھوڑ دیا ہے - اس وجہ سے یہ کہنا بیجا نہیں کہ اس وقت حافظ صفدر علی صاحب سے
بہتر لاہور میں کوئی فرہنگ ساز نہیں ہے - انہوں نے صفحے کے صفحے میری کتاب کے از سر نو
بہتر پر لکھ کر اکثر اوقات خود سے خط لکھ دیا، غلطیوں کو نہایت احتیاط اور درستی سے
بنایا بلکہ املا بھی کہیں غلطی نہیں کی - انگریزی اور ناگری کے الفاظ بھی خوب بنائے
پس اس سے زیادہ کیا لیاقت ہو سکتی ہے - میں خوش ہو کر انکو کچھ ہاں کہنے کے واسطے
بھی دیا لیکن میں خوش جب ہوتا کہ اس وقت انکی خدمت جیسا دل چاہتا تھا
ویسی کر سکتا اور مجکو اس وقت کی عسرت مانع نہ آتی - فقط ۱۲ جولائی ۱۹۰۱ء

سید احمد دہلوی بقلم خود

12/7/1901

مکتوب الیہ حافظ صفدر علی صاحب

مکتوب ناصر نذیر فراق

ہوالناصر

از پروده نواب بائره

[illegible]

حضرت قبلہ و کعبہ دارین سید محسن علی صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

صحیح و تندرست ہوں

[illegible]

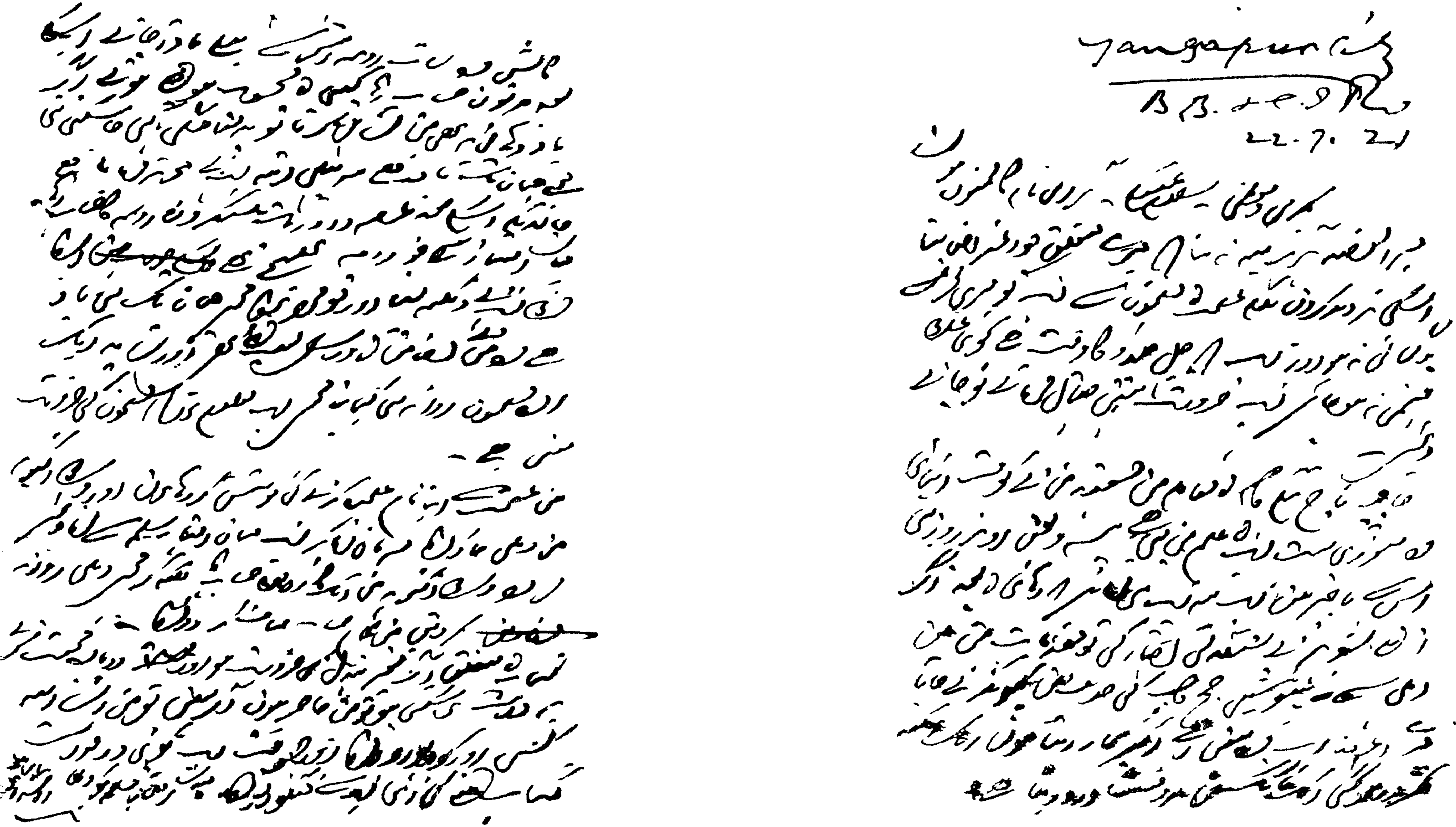
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مکتوب مولانا راشدالخیری



مکتوب الیه مولوی سید ممتاز علی صاحب

مکتوب حکیم اجمل خان

دہلی

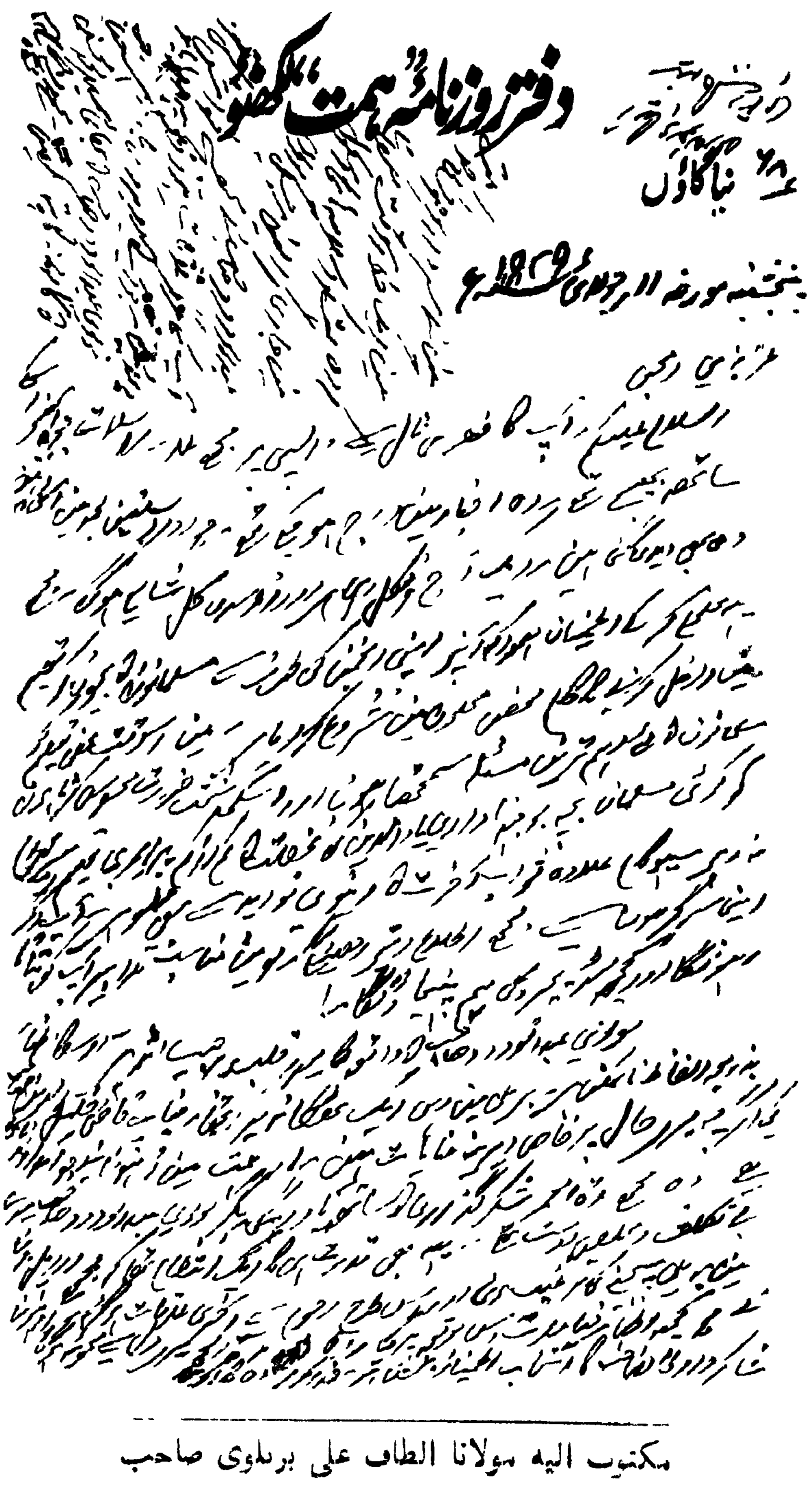
مکرمی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آپ کا محبت نامہ پہنچا۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب سے میرا شکریہ ادا کر دیجیے اور یہ فرما دیجیے کہ جو اُن کو
خوشی ہوئی وہ میری خوشی پر مقدم ہے۔
مہر صاحب! سوریہ کی آبادی بہت پریشان حال ہے اور اُس کے مصائب خیال اور تصور سے بالاتر ہیں
ایک طرف شام کے فرزندوں نے اپنی عدیم المثال جوانمردی اور جرأت پسندی کو دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے
اور دوسری طرف اُن صدمات کو برداشت کرنے میں جو ڈیڑھ سال سے پے درپے انھیں پہنچ رہے ہیں
اپنے صبر و استقلال کو بھی انھوں نے ہر انسان کے روبرو آشکارا کر دیا ہے۔ یہ سب کچھ ہے مگر ہم نے
اُن کے لیے کیا کیا ہے؟ اِس کا کوئی معقول اور صحیح جواب ہمارے سامنے نہیں ہے۔
"دمشق ریلیف فنڈ" کے نام سے جو انجمن دہلی میں قائم کی گئی تھی اُس نے بھی کوئی عملی کام اب تک نہیں کیا
صرف اپنے قیام کے اعلان کو پڑھ کر چند ہمدرد مسلمانوں نے چندے بھیجے وہ دفتر سے سوریہ بھیج دیے گئے
ان چندوں کے سوا جن کی مجموعی تعداد غالباً کل تین ہزار سے زیادہ نہ ہوگی کوئی رقم آئی اور نہ بھیجی گئی
صحیح یہ ہے کہ دوسرے چندوں کے لیے کوئی کوشش بھی نہیں کی گئی۔
کیا آپ اور مولانا ظفر علی خاں صاحب اس ترتیب کام میں "دمشق ریلیف فنڈ کمیٹی" کی اعانت کر سکتے ہیں؟
اور کیا اخبار میں نشر و اشاعت اور ہمدردی امداد کے لیے درست اعانت کر سکتے ہیں۔ اگر یہ
ممکن ہو تو ہندوستانی مسلمانوں کی غفلت، سُستی اور کاہلی کی کس قدر تلافی ہو سکتی ہے۔ والسلام

اجمل
۲۲ اگست ۲۶ء

مکتوب الیہ مولانا غلام رسول صاحب مہر

مکتوب جالب دهلوی



مکتوب الیہ مولانا الطاف علی بریلوی صاحب

مکتوب سری رام

مکرمی،

تسلیم — تذکرہ خمخانۂ جاوید کا تو ذکر آپ نے سنا ہوگا اوسکی
اول جلد تو سات سو صفحے کے قریب ہے اور چھپ کے [illegible]
ہے اب دوسری جلد بہ انصرام مطبع میں بھیجی جا رہی ہے جس
میں آپ کا کلام ہے آپ کے حالات کی طلب میں پہلے بھی تکلیف دی گئی
تھی اب پھر [illegible] ہے اپنے تلامذہ کو تاکید فرمائیے تاکہ وہ
اپنے حالات مطلع فرمائیں — [illegible] بھیجیے
میرا پتا یہ ہے لاہور [illegible] گوپال بیرسٹر متصل عقب کورٹ
سری رام منصف دہلی کے پاس پہنچے — [illegible]
[illegible] سری رام
[illegible]

مکتوب الیہ مولانا حسن رضا خان صاحب حسن

مکتوب ڈاکٹر انصاری

[illegible] - تاریخ [illegible]

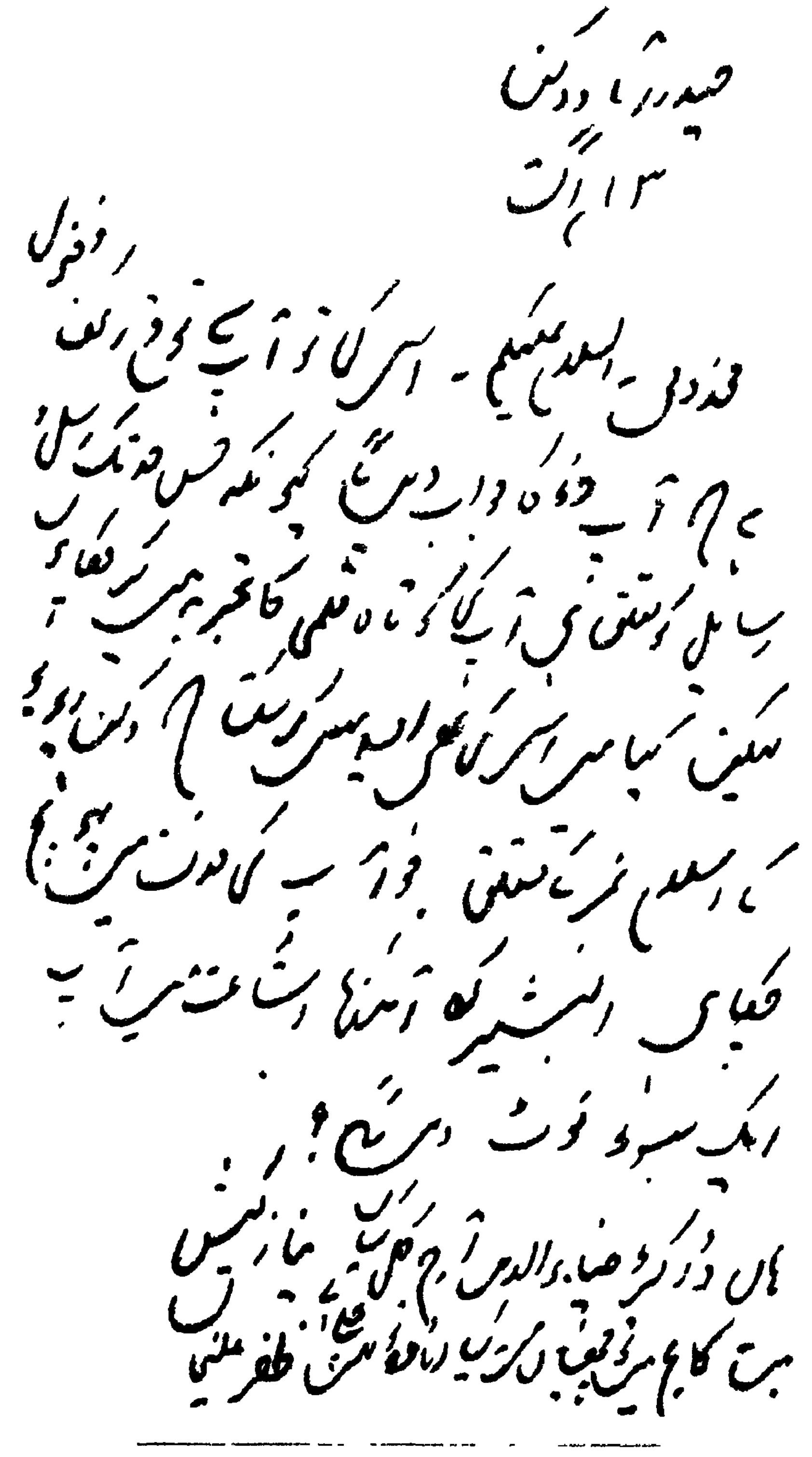
برادر مکرم - السلام علیکم - [illegible]

[illegible]

[illegible]

مکتوب الیہ مولوی محمد عرفان صاحب

مکتوب ظفر علی خاں


حیدرآباد دکن

۱۳ اگست

مخدومی السلام علیکم

ظفر علی

مکتوب الیہ مولوی محمد سیرا لدین

مکتوب سر عبدالقادر

لندن
۴ ستمبر ۱۹۰۷ء

پیارے اقبال

السلام علیکم - آپ کا محبت نامہ مورخہ ۲۷ اگست (اپنے آپ) ۲۹ اگست کو ملا - میں دو دفعہ سیالکوٹ کا پتہ ہے بھیجا ہے امید کہ وہ آپ کو مل گئے ہوں گے - اگر آپ کا نقل و حرکت کا حال ہی کرتی کم ہو گیا تو افسوس ہوگا - اب ہم یورپ سیالکوٹ کو ہی بھیجتے ہیں - کیونکہ آپ نے لکھا ہے - کہ آپ ۵ ستمبر کو سیالکوٹ جاویں گے - گو گورنمنٹ جیسے ہی نے کی جو شرائط آپ نے لکھی ہیں وہ معقول ہیں - مگر پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ آپ منظوری بھی کچھ رکھ کے دیکھیں - خواہ وہ شرائط میں سے کیوں نہ ہو - اس سے دونوں کام ہیں ایک تو سلسلہ نہیں ٹوٹتا دوسرے تسلی ہو جاتی ہے - اب دیکھیں پہلے دنوں آپ کا خط آیا - تو مجھے بھی ایک آدھا غم ہوا - آپ نے کالج کی تحریر کو نہ دیکھا ہو گی - بلکہ یہ خیال کیا گیا کہ کس طرح ہم منتظر رہتے ہیں -

تو پیر از شوق دیگر مرا انتظار دیگر

مشرق و مغرب کی تحریک کا شکریہ ادا کرتا ہوں - جیسا کہ آپ کو اگر نظر کہ بیٹا بہت پیارے لئے تحریر جس سے کہ آپ نے لکھا ہے - اس میں کہیں اردو دان کی تعریف ہو گی ہے -

بحر - اگلا نمبر کا صرف آپ ہی منتظر ہیں - یہاں لوگ مختصر ہمارے آپ ہی سب سے شکر گزار ہیں اور پھر وہ دریے مشتاق رہتے جاتے ہیں -

مخلص
عبدالقادر

مکتوب الیہ علامہ اقبال

مکتوب ریاض خیرآبادی

مولانا! مگر میری پست ہمتی نے مجھے روک دیا۔

جناب سر عبدالقادر صاحب، حضرت اقبال صاحب، ملک سر فیروز خاں صاحب نون ایسے بلند پایہ شخصیتیں [illegible]

ہوئی ہیں کہ متعلق اظہار خیال فرمائیں تو میرے [illegible] کی یہ قدر شناسی ملک کی شکر گزاری کا باعث ہوگی مگر میرے جیسے

ایسی استدعا کرنا اس خاکسار [illegible] بزرگ کے ادب اور شان کے خلاف سمجھتا ہوں جس نے مجھے بے بضاعت کم مایہ

سخن ور کی شاعری کو اس مرتبے پر پہنچایا کہ انگریزی تعلیم یافتہ بلند پایہ حضرات جن کی قابلیت نے دور جدید کی شاعری کو

کچھ سے کچھ بنا دیا ہے۔ میں ہوں تو نہیں مگر میری [illegible] اچھے الفاظ سے [illegible] فرمائے [illegible]

[illegible] میرا خیال ہے کہ جو حضرات میری درخواست کے [illegible] خامہ فرسائی فرمائیں گے وہ [illegible] مستحق

یادگار قائم کر دیں گے۔ [illegible]

[illegible] صاحب نے اپنی [illegible] جواب کے دو مصرعے [illegible] فرمائے ہیں آپ [illegible] کو

تکلیف دینا چاہیں اور مزید اعتبار کرنے کی ضرورت معلوم ہو تو آپ [illegible]

بلاتوقف بھیجتا ہوں آپ ٹائپ شدہ [illegible] خدمت میں بھیجے [illegible] غزلیں [illegible]

[illegible] خان بہادر نورالٰہی صاحب [illegible]

مختصر لکھی ہیں۔

[illegible]

[illegible] ریاض

[illegible]

[illegible]

مکتوب الیہ چودھری فتح محمد صاحب

مکتوب وحشت کلکتوی

ڈھاکا ۲۴ نومبر ۵۸ء

عزیزی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ مورخہ ۲۰ نومبر پہنچکر باعث مسرت ہوا۔ معلوم ہوا کہ آپ عنقریب شیلانگ سفر پر جانے والے ہیں لیکن پہنچتے ہی آپ مجھے اور اپنے احباب کو اپنے نئے پتے سے آگاہ کیجئے۔ جرم صاحب ڈھاکا آئے تھے معلوم ہوا کہ وہ منیجر کائنات کو اپنا مضمون بھیج چکے ہیں۔ بہبود صاحب کا حال معلوم نہیں اور میں 'وحشت نمبر کائنات' کے متعلق اپنے کسی ملنے والے سے ذکر کرنا نہیں چاہتا۔ آپ اس کام کو بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ ترانۂ وحشت کی کتابت ہو رہی ہے اور ممکن ہے دسمبر کے اخیر تک کتاب مکمل ہو جائے۔

آپکا مضمون 'ترقی' میں میری نظر سے گزرا۔ یہ مضمون قابل قدر ہے۔ ڈھاکا میں اکثر میرے ملنے والوں نے اسکو دیکھا اور تعریف کی۔ ایک فہرست سی میرے شاگردوں کی اس میں نظر آئی۔ یہ نہ ہوتی تو بہتر تھا۔ اس فہرست میں دو چار نام ایسے ہیں جنکے متعلق میں نہیں چاہتا کہ لوگ انہیں میرے شاگرد سمجھیں۔ خیر اب 'تیر از کمان رفت'۔

حضرت شمس کے تلامذہ میں آپ نے عزیز کا نام لکھا ہے یہ انکے شاگرد نہ تھے اپنے بھائی صولت سے اصلاح لیتے تھے۔ انکو آپ نے بقید حیات بتایا ہے دو تین سال ہوئے انہوں نے قضا کی۔ اکمل مرحوم کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ اگر انکا سارا کلام جمع کیا جائے تو کم از کم پانچ ضخیم دیوان مرتب ہو سکتے ہیں۔ یہ حقیقت نہیں ہے بمشکل ایک دیوان مرتب ہو سکتا ہے۔ مرحوم کہتے کم تھے لیکن جو کہتے تھے خوب کہتے تھے۔

ڈھاکا کے شعراء میں آپنے ایک نام لکھا ہے سید شرف الحسینی کمالی۔ انکا تخلص کمالی نہیں شرف ہے۔

امید ہے کہ آپ مع متعلقین بخیر ہیں۔

آپکا خیر طلب
وحشت

مکتوب الیہ وفا راشدی صاحب

مکتوب سید سلیمان ندوی

نمبر ۳۷۸۳

SHIBLI ACADEMY
دار المصنفین
اعظم گڑھ (یو پی)

Azamgarh, (U P) 192

بنام

صدیقی الفاضل الاخ الکریم ادام اللہ سعدہٗ

السلام علیکم! آپکے متعدد خطوط برابر آتے رہے، جواب [illegible] میرا عذر یہ ہے کہ میں ۳۱ مئی سے ۱۴ جولائی تک اپنے مستقر سے باہر شہر بشہر رہا [illegible] چند مہینے [illegible] رہا، ڈاک میں [illegible] تھی، واپسی پر آپکے کئی خطوط ملے، کل [illegible] سے معلوم ہوا [illegible] شکریہ [illegible] آپ انکو غالباً جواب دے چکا ہوں گا [illegible] یہ خط [illegible] پتہ سے بھیجتا ہوں [illegible] ہوں،

معارف میں مضامین نگاروں کے معاوضہ [illegible] اور [illegible] وعدہ آپکے لکھنؤ میں سو روپیہ [illegible] تھا، مگر آپنے [illegible] دیا اور انکار کر دیا، اب آپکا [illegible] آیا ہے، اور [illegible] مطابق میں [illegible] ہوں، اسید ہے کہ ۲۰/۱۵ [illegible] یہ بل منظور ہو جائے اور آپکو لاہور کے پتہ سے مل جائیگا،

مولانا [illegible] نے آپکی آمد اور آپکی ملاقات پر ایک خط میں بڑی خوشی کا اظہار کی ہے، اور لکھا ہے کہ "جیسا تم نے لکھا تھا ویسا ہی پایا"

مولانا کے نام قصیدہ فارسی مطبوعہ معارف کے متعلق [illegible] صاحب نے جو [illegible] نواب اکبر یار جنگ کی زبانی نقل کی ہے، میں [illegible] یہی بات لکھی ہے جو آپنے [illegible]

ستمبر [illegible] میں [illegible] تیار ہو جائیگا،

معارف مئی، جون، جولائی کا مرسل ہے،

والسلام

سید سلیمان

۲۲ اگست ۴۵ء

مکتوب الیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مکتوب دیا نرائن نگم

DAYA NARAIN NIGAM.

CAWNPORE
Feb 26th 1941

مکرمی ۔ تسلیم ۔ نوازش نامہ معہ مضمون صادر ہو کر
باعث شکریہ ہوا ہے ۔ میں ان دنوں حوادث روزگار سے بہت
سرگرداں ہوں ۔ رسالہ آپ کا شکریہ کے ساتھ رسید بھی نہ دے سکا ۔
معاف فرمائیے گا ۔
آپ کا مضمون آئندہ نمبر میں درج اشاعت ہوگا ۔ مختصر ۔
اور جیسی الفاظ کو میں بھی بہت پسند کرتا ہوں [illegible] تحریر میں عبارت
کی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

امید ہے مزاج مبارک بخیر ہوگا
نیاز مند دیا نرائن نگم

مکتوب الیہ اظہار الحسن صاحب

مکتوب میر ناصر علی

"SALA-I-AM,"
Farrash-khana,
DELHI

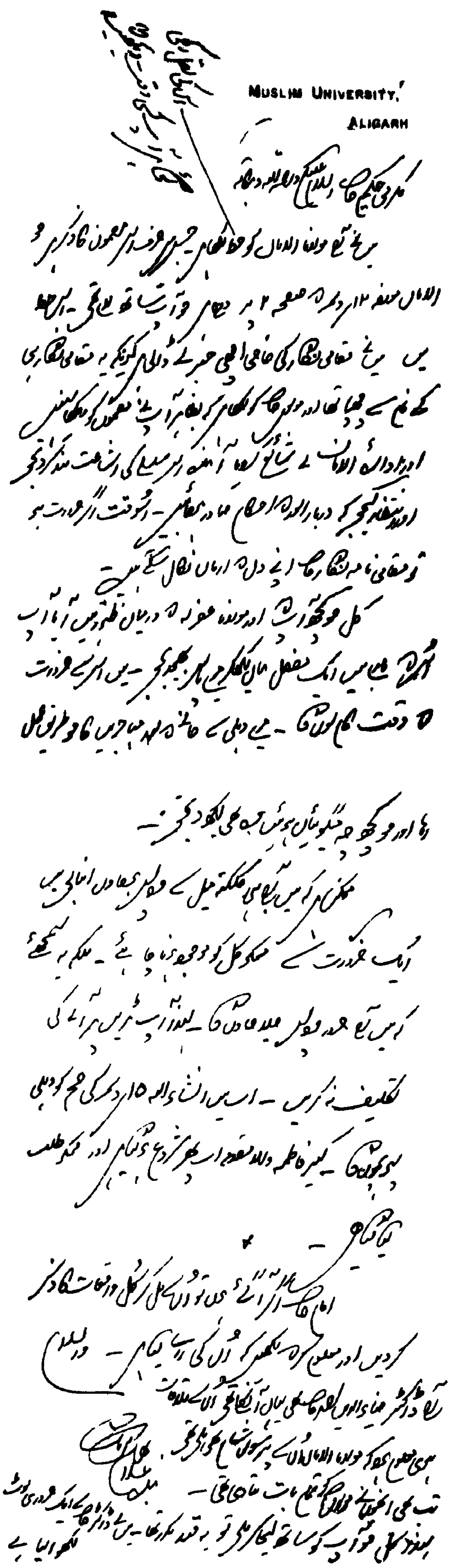
جنابِ بندگی

آپکا بھیجا ہوا رسالہ بہت پاکیزہ ہے: میں نے اسے
جی لگاکر پڑھا - بہت لطف آیا: علماء ولایت
کی علم میں محویت کا تماشا آپ نے بہت عمدہ دکھایا مسٹر براؤن
صاحب کا تماشا کیا ... اس میں یہ لکھنا کہ اسکو
ضرور چھوڑ دو ورنہ یہ سمجھ لو کہ براؤن کا ... سزا
پا گیا: ... ایسا نہیں ہی علم نہیں محو ہو سکتا ... لیکن
... خدا ... بہادر کی نسبت لکھا ہے کہ نادر شاہ
تو ہمیشہ کے واسطے دلی والوں کے قتل کا حکم دیا
رکھے تھا اور لالہ صاحب ... کے مقتولوں میں ... کیا
بہادروں کی تحقیق ... عام میں ... ہے:
یورپ میں علماء کی قدر ہے کہ ... ہیں
خود داری سے انکی زندگی کا تاریخ ... ہے
برخلاف اسکے یہاں علمی ... سمجھا جاتا ہے - زبانیں
کی زبان اور ادب اور گورنمنٹ کی ادارات کمال کو ...
... اور کچھ نہیں ہوسکتا: یہ بحث بڑی ہے - روزمرہ
کی غلط ... کی ... علیحدہ مضمون
لکھنے کا ارادہ ہے:

صلائے عام کی ادارت کا مقصد ہو رہا ہے کہ اسکی ... تنگ آگیا - مگر
... زبان کی خوبیوں سے بیگانگی ہے - اہل پنجاب
اردو سے ... کہ مسلمانوں کی زبان ہے: بہرحال - مجھ سے مقدور ہو سکتا ہے اردو
کی خدمت کر رہا ہوں - یہ صلائے عام جو علیحدہ ہو گیا ہے حضرت ریاض کا کلام
دیکھا: مجھے افسوس ہے کہ ... میں کچھ غفلت ہو گئی ہے - سبب یہ ہے کہ زیادہ
ضعف کی وجہ سے میں سارے کام دیکھ بھال سکتا: نیاز مند ناصر علی

مکتوب الیہ مولوی غلام یزدانی صاحب

مکتوب غلام بھیک نیرنگ



مکتوب الیہ حکیم محمد اسحق حقانی

مکتوب شاد عظیم آبادی

مولانا محمد مسلم روحی فداکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میرے خط کے جواب میں آپ کا خط پہونچا مجکو پہلے ہی یقین تھا کہ آپ ضرور ایسی کتاب کی قدر کریں گے - قریب پانچ سو محاورے تو میں ضبط کر چکا ہوں اور کچھ سو ایسے محاورے جن میں بہ سبب امتداد زمانہ مجکو شبہ تھا ملا جلال الدین اڈیٹر صاحب حبل المتین کے پاس بھیج دئے ہیں عنقریب جواب آجائے گا میرے خیال میں ہزار دو سو سے زیادہ محاورے جمع کئے جائیں گے گرمی کی شدت اس پیرانہ سالی میں بہ مجبوری روزانہ آٹھ گھنٹے کام کرنا ہوتا ہے ارشاد صاف کرنے لگا تھا کہ آپ کا خط پایا اچھا معلوم ہوا کہ اظہار نمونہ کے آپ کے پاس بھیج رہا ہوں جہاں تک اس نمونہ میں محاورات درج ہیں وہ متوسط قسم کے ہیں آگے ایسے ایسے الفاظ اور محاورے لکھے جائیں گے کہ اہل ہند کے گوش زد نہیں ہیں - اس نمونہ کو دیکھ کر اپنی رائے ظاہر کیجئے اور اس کو جلد واپس کیجئے - فارسی والی مثنوی اور وہ دستور العمل اور نسخہ نامہ بالضرور میرے پاس بھیج دیجئے اس کے شعر لغیرہ شعر فہم کے دعا ہو کو میرا علاوہ بیکار بنا دیں گے غالباً آپ بھی اسکو گوارا نہ ہونگے جب تک یہ چیزیں واپس نہ آئیں گی غلط نامہ مرتب نہیں ہو سکتا جس قدر توقف ہوگا مجھ پر الزام نہیں ہے ۱۰۱ آپ نے اپنا حال کچھ نہ لکھا - کیسے رہتے ہیں رمضان کیسا گذرا کتابوں پر مشغولی کیسی ہے کہ مجھ سے ملنے گا جو سبب کا جواب دیگر مضمون ورجہ

دعاگو

شاد

۲۹ ماہ صیام ۱۳۴۱ھ

مکتوب الیہ پروفیسر محمد مسلم صاحب

مکتوب نواب نصیر حسین خیال

سیف آباد - حیدرآباد دکن

۲۰ جنوری ۲۰ء

مکرمی مسلم ۔ آپکا ۱۴ کا خط پاکر بیحد مسرت ہوئی - اس سے قبل آپکا کوئی خط نہیں ملا - ورنہ ضرور جواب دیتا - آپ میری عادت سے باخبر ہیں کہ جس حالت میں ہوں جواب خط ضرور دیدیتا ہوں ۔

میں ۲۳ اکتوبر سنہ گذشتہ کو یہاں پہونچا اور معاملات کچھ ایسے الجھے تھے کہ رخت سفر اتارنے کے قبل میرا کام شروع ہوگیا اور جب سے جتا ہوا ہوں ۔ ابتک مجھے اپنی صحیح جگہ معلوم نہیں اور جبتک اس کا فیصلہ نہ ہوجائے میرا جی لگ نہیں سکتا ۔ دارالترجمہ وغیرہ کا قصہ طولانی اور ناگفتہ بہ ہے - چاہوں تو بہت کچھ کرسکوں - میں ان شعبہ جات (دارالترجمہ و جامعہ عثمانیہ) کے متعلق غور کررہا ہوں کہ کسطرح انھیں تقویت دوں ! آپ مجھ سے برابر خط و کتابت جاری رکھیں ۔

راسخ کا تتمہ آخر آپنے تحریر کرہی دیا - مجھے اسکی بڑی خوشی ہوئی - مجھے اب اسکے دیکھنے کا بیحد اشتیاق ہے - آپکے قلم سے جو کچھ نکلتا ہے میں اسے دل سے پڑھتا ہوں ۔

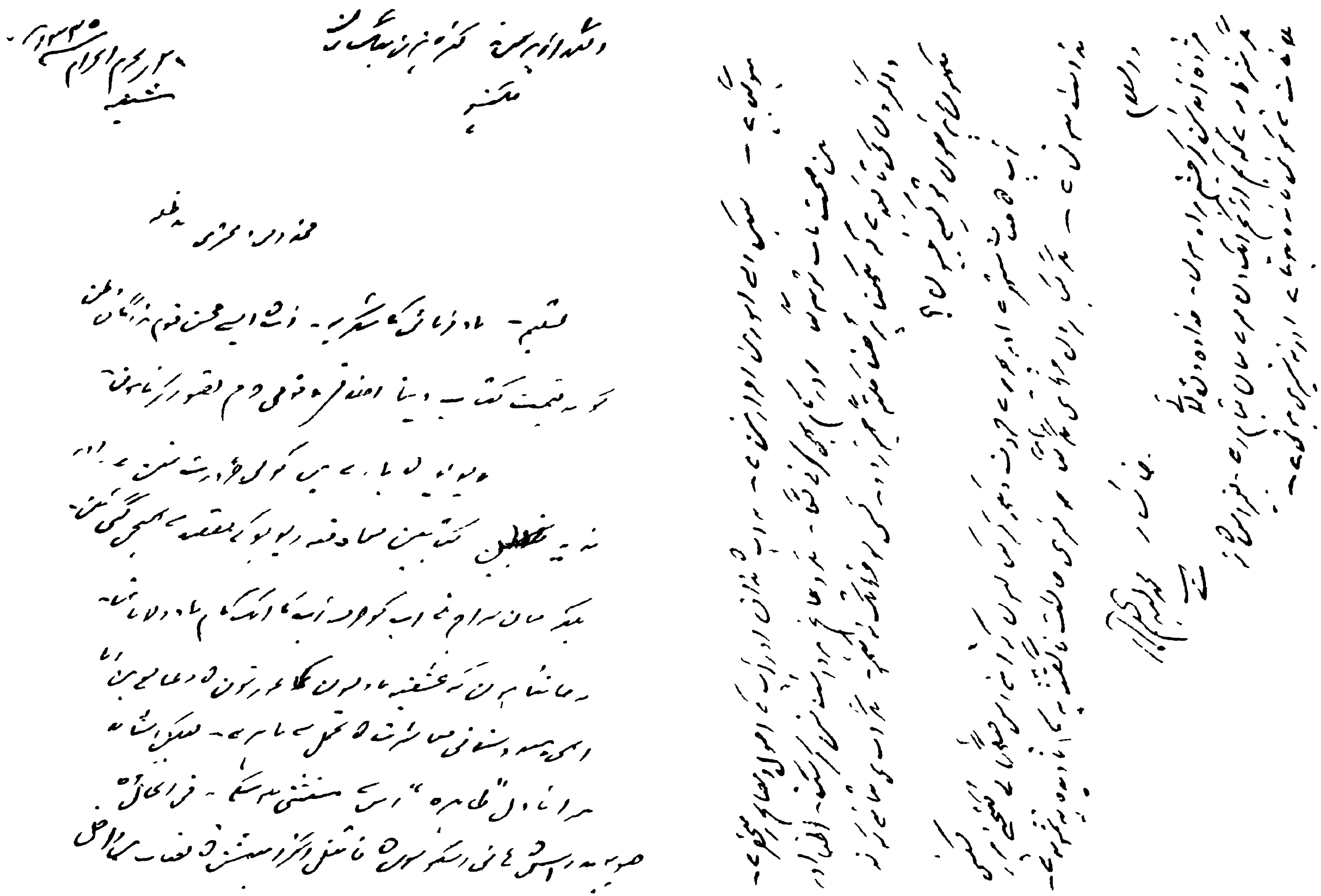
مجھے اتنی مہلت کہاں کہ اردو کانفرنس والی اسپیچ پر نظر ثانی کرکے اب اسے شائع کرسکوں - کامیابی اسکی اس درجہ نایاب کہ ہمارے پاس بھی کوئی نسخہ اس کا نہیں ہے ! آپ کہتے ہیں کیا اور کیونکر سمجھوں - دعا کیجئے کہ یا تو مجھے یہاں اپنی صحیح جگہ ملجائے کہ میں مطمئن ہوکر کچھ کام کرسکوں یا یہاں سے گلوخلاصی ہوجائے کہ عافیت کی زندگی نصیب ہو ۔ خدا کرے آپ مع الخیر ہوں ۔ والسلام

خیال

عزیزی حسین مرزا سلمہ کہاں ہیں ؟

مکتوب الیہ پروفیسر محمد مسلم صاحب

مکتوب مولانا عبد الحلیم شرر



مکتوب الیہ مولوی سید ممتاز علی صاحب

مکتوب منشی پریم چند

دفتر ہنس، [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پریم چند

مکتوب البہ تاجور نجیب ابادی

مکتوب محمد دین فوق

شہید گنج لاہور
۱۱ ستمبر

برادرم قریشی صاحب۔ السلام علیکم

کئی دنوں سے آپ کا خط نہیں ملا۔ تشویش ہے
شاید آپ دورہ پر ہوں۔ میں نے آپ کے خط
میں حاجی صاحب مرحوم کے نام پر کتاب کا رقعہ دیا
تھا اور لکھا تھا کہ آپ کو بیس روپے دے دیں
اس کا جواب بھی نہیں ملا۔

کتاب ابھی تک نا منظور ہو چکی ہے آپ
کی کتب تمام گھر میں پڑی ہیں کیونکہ
سلیمہ میری لڑکی یہ کتاب اپنے سکول میں بھی
دکھائے گی۔ چند کتابوں کی ضرورت ہے وہ
میں نے گھر میں اللہ دی سے پاکے لیے رکھی ہوں
ہوگا اگر آپ ملیں تو لیتے آئیں ورنہ میں
نے لکھا ہے جلد پارسل لاہور کو ارسال کیجیے گا۔

[illegible]

مکتوب الیہ محمد عبد اللہ قریشی

مکتوب مولوی عنایت اللہ

[illegible]

[illegible]

مکتوب الیہ مولوی غلام یزدانی صاحب

مکتوب فانی بدایونی

حیدرآباد - سے پی - مکان ۲۰۴

مورخہ ۲۵ / مارچ سنہ ۳۳ء

عزیزم سلمہ - درخواست مع خط و نیز ایک پوسٹ کارڈ دونوں پہونچے - مگر مجھے ایک خط پرسوں اور ایک کارڈ کل ملا - وجہ یہ ہوئی کہ میں حیدرآباد میں نہ تھا - گلبرگہ شریف گیا تھا وہاں علیل ہوگیا - آٹھ روز گلبرگہ شریف میں قیام کرنا پڑا پرسوں دس کے دن حیدرآباد آیا تب آپ کا خط ملا -

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے کسی خط کا جواب نہیں دیا ممکن ہے کہ آپ کو یہ نہ ہوا ہو اور اسلئے آپ صحیح فرماتے ہوں مگر یہ حقیقت نہیں کہ میں نے ضرور جواب دیا ممکن ہے کسی ایک خط کا جواب نہ دیا ہو اور وہ شاید اس خط کا جو آپ نے جناب جوش صاحب کے توسط سے بھیجا تھا اور اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ خط مجھے اتنی دیر میں ملا کہ جواب دینا بیکار ہوچکا تھا -

درخواست پیش کرنے میں مجھے ذرا تامل نہیں ضرور پیش کردونگا مگر یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر آپ یقین فرمانا مناسب سمجھیں کہ کام اس طرح نہیں ہوا کرتا - جو لطف میاں آپ نے وہیں ہے وہ ہر شخص کے حالات سے تعلق نہیں - زیادہ دعا

فقیر شوکت علی خاں فانی

[illegible]

مکتوب الیہ حکیم مختار احمد صاحب

مکتوب مفتی کفایت اللہ

۵ ستمبر ۲۶ء

جناب مکرم دام مجدہم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ محبت نامے نے مسرور فرمایا۔ یادآوری کا شکریہ
آپ کی دعا کی برکت اور حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے سفر حجاز نہایت راحت
و اطمینان و عافیت کے ساتھ پورا ہوا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ

مکرمی میں تو انتہائی سعی کر رہا ہوں اور کرونگا کہ مسلمانوں میں افتراق و شقاق
کی خلیج زیادہ وسعت پذیر نہ ہو۔ اسکی موجودہ حیثیت ہی تباہی کے لئے کیا کم ہے
وسعت پذیری کا خوف نہ کیا جائے۔ مگر خدا جانے ہندستانیوں کی بدقسمتی کی انتہا
کب ہوگی اور ان کی فلاح کے لئے کون وقت مقدر ہے کہ جس طرف توقع کی نظر ڈالو
ادھر ہی یاس کی ظلمت نظر کو خیرہ کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ دستگیری فرمائے
اور ہماری حالت زار پر رحم کرے

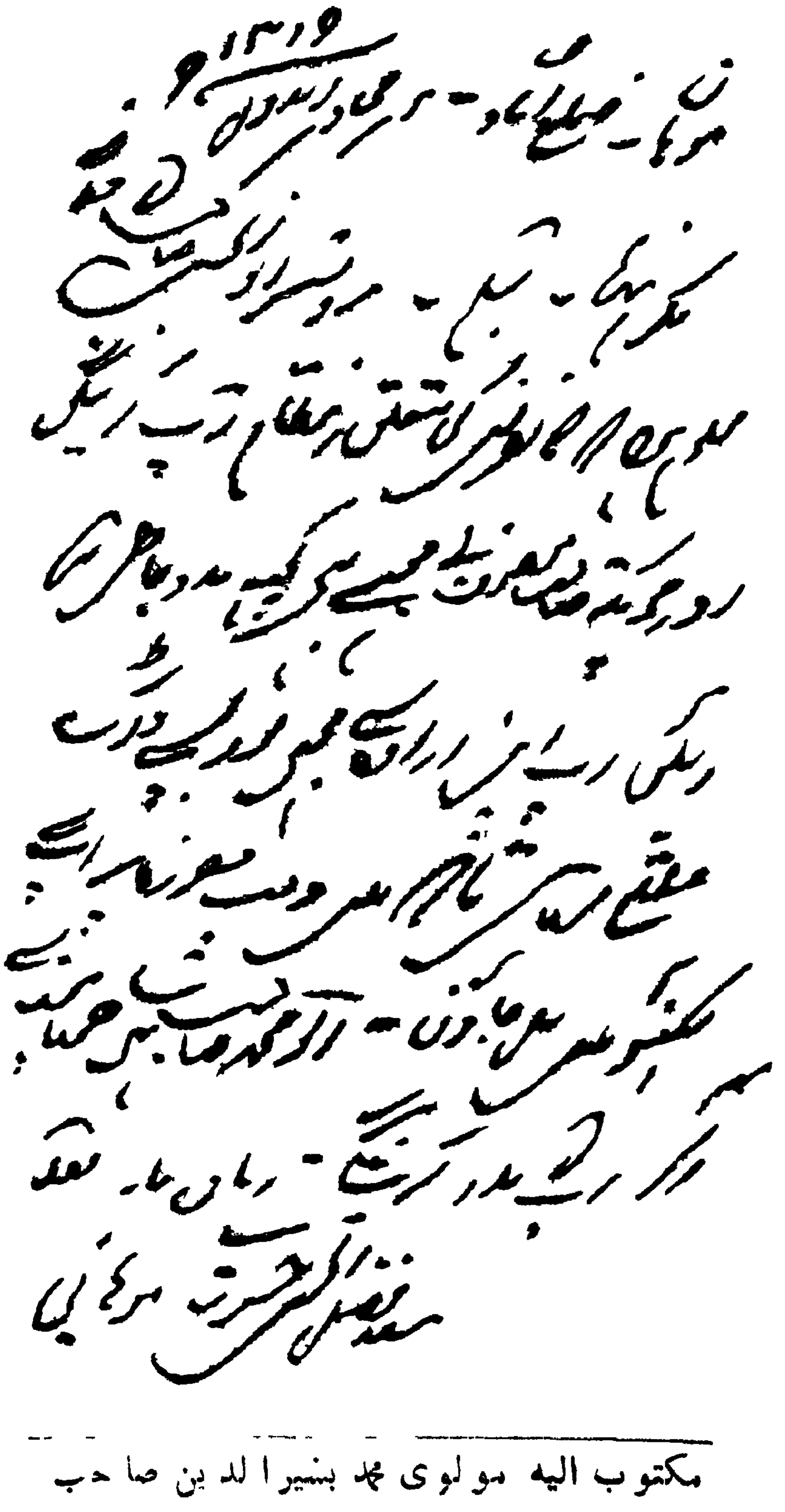
مولوی عبدالحلیم صاحب مولانا محمد عرفان صاحب سفر میں ہیں۔ مولانا احمد سعید صاحب سلام کہتے ہیں

محمد کفایت اللہ غفرلہ

دہلی

مکتوب الیہ مولانا غلام رسول صاحب مہر

مکتوب حسرت موہانی



مکتوب الیہ مولوی محمد بشیرالدین صاحب

مکتوب اصغر گونڈوی

ہندستانی
(تماهي رسالہ)
نمبر 876
J. 2/22

ہندستانی اکیڈیمی
صوبہ متحدہ
الہ آباد
تاریخ ۲۳ / اپریل ۳۱

جناب مکرم ۔ تسلیم و نیاز

"ہندستانی" کا ایک نمبر جناب کی خدمت میں ارسال کیا گیا تھا، غرض یہ تھی کہ آپ کوئی مضمون اسکے لئے مرحمت فرمائیں، مگر اب تک یہ امید بر نہیں آئی ہے مگر امید ہے آپکی فیاضیاں محروم نہ رکھیں گی۔

ایک بار ڈاکٹر احسن مارہروی کے یہاں آپ سے شرف نیاز حاصل ہوچکا ہے، شاید آپ کو یاد ہو۔ اسی بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ اس درخواست کیلئے مجھے کافی حق حاصل ہے، ورنہ اس کیلئے میں ڈاکٹر زبیر احمد صاحب کو سفارش کی تکلیف دیتا۔

مضمون کیلئے کوئی سا ادبی موضوع تجویز کرلیں۔ ہندستانی اکیڈیمی فیاضیہ کا معقول معاوضہ بھی دیتی ہے۔ والسلام

نیازمند
اصغر احقر

پروفیسر ضیاء احمد ایم۔ اے
شعبۂ فارسی
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مکتوب الیہ پروفیسر ضیاء احمد صاحب

مکتوب سلطان حیدر جوش

Hamid Manzil,
Marris Road
ALIGARH U.P.
7.6.44

محبی! السلام علیکم۔

مئی کا مہینہ ایک ہفتہ ہوا کہ گذر گیا۔ آپ یہاں تشریف نہ لا سکے اور میں بھی "یوم صوفی" کی صدارت کے لئے آگرہ نہ پہنچ سکا

اب یہ سنئے کہ میں نے اپنی تازہ ترین تصنیف ختم کر لی ہے۔ یہ وہی ہے جس کا نام تمدال میں نے دہلی سے اپنی تقریر میں نشر کیا تھا۔ اس میں ۱۲ نہایت چبھتے ہوئے افسانے ہیں۔ اپنی تیس سالہ ملازمت کے غیر معمولی مشاہدات کا مرقع افسانوں کے لباس میں رکھ دیا ہے۔ کوشش کی ہے کہ افسانوں کے جس قدر نمونے مغرب نے اب تک بنائے ہیں وہ سب آجائیں، بلکہ ایک افسانہ محض ٹیلیفون پر بنایا۔ اس وقت تک اچھوتی جدت ہے۔ ضخامت میں اسکول کی ڈرل دار کاپیوں کے، جن میں ۱۸ سطریں فی صفحہ ہوتی ہیں، پورے ۲۵۸ صفحے ہیں۔ مئی کے ختم پر یہ ایک سالہ کوشش شکر ہے کہ اختتام کو پہنچ گئی

اب فرمائیے کیا ارادہ ہے؟ — سب سے پہلے آپ کو لکھ رہا ہوں۔ والسلام

جواب اگر دینا ہے تو جلد دیجئے۔

احقر سلطان حیدر جوش

مجھے آپ کے دولت خانہ کا پتہ نہیں یاد۔ اس لئے یونیورسٹی کے پتہ سے بھیجتا ہوں۔

مکتوب الیہ: محمد طاہر فاروقی صاحب

مکتوب اختر شیرانی

شاہکار۔ لاہور

قبلۂ محترم! آداب فرزندانہ۔ گرامی نامہ باعث ہ نواز ہوا۔
زیادہ مسرت یوں بھی حاصل ہوئی کہ خط آپ کے مخصوص طرز میں تھا۔ اجازت
ہو تو اسے شائع کر دیا جائے۔

"تاجور نمبر" کے لیے اس نمبر میں اعلان کر رہا ہوں، ضروری
ہدایات جلد بھجوائیے۔

بیدار صاحب بیٹھے ہیں۔ وہ نمبر کے لیے ایک نظم لکھیں گے۔
"احسان" کو کل بلواؤنگا۔ مگر میں یہ نہیں سمجھا کہ اُس سے کس قسم کا مشورہ
لیا جانا چاہیئے۔

ٹائٹل پیج اس مرتبہ بدلنا ہے۔ میں نے تو جولائی نمبر کے لیے
بھی فیصلہ کر لیا تھا مگر دفتر کی سستی اور پریس کی چستی نے معاملہ خراب
کر دیا یعنی پریس کو اطلاع پہنچنے سے پہلے وہ طبع کر چکے تھے۔
اب آپ کا نام یوں شائع ہوگا "شمس العلما علامہ تاجور نجیب آبادی"
مجھے اندیشہ ہے کہ شائع [illegible] شدہ نمبر کی طرف لوگوں نے زیادہ توجہ نہ
کی ہوگی کیونکہ دور سے سرورق دیکھکر پرانے رنگ کا خیال پیدا ہوتا ہے۔
آپ کی (۱) غزل (۲) شذرات (۳) مبارکباد کے خطوط (۴) اور ہدایات
کا سختی سے انتظار ہے۔

دو کاپیاں جو خطوط کے لیے وقف ہیں۔ یہ فیصلہ کیے بغیر کہ وہ شروع
میں جائینگی یا آخر میں، پریس میں کوئی کاپی نہیں بھیجی جا سکتی۔
امید ہے آپ مع الخیر ہونگے۔ استانی صاحبہ کی خدمت میں آداب

ہیں کر دوں گا اور بیمار ہوں۔ زیادہ مصروف

نیازمند اختر

مکتوب الیہ تاجور نجیب آبادی

مکتوب پنڈت دتاتریہ کیفی

Brij Mohan Dattatrya Kaifi

~~77-78, D Block,
MODEL TOWN, P O.
LAHORE~~

۱۔ دریا گنج۔ دہلی

۲۴ر نومبر ۴۸ء

جناب مکرم

تسلیم۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ استفسارات کے جواب یہ ہیں:

(۱) پینڈل چلانا بہتر ہوگا میری رائے میں

(۲) ریوڑیاں ۔ میں ر مکسور اور ی ساکن ہیں ۔ واؤ ساکن ہے اور ڑ مکسور۔

(۳) غرّہ ۔ اگرچہ اسکے معنی میں بعض لغات میں مغرور بھی لکھدیا ہے لیکن استعمال اس لفظ کا غرور ہی کے معنی میں ہوتا ہے

(۴) ۔ شفا کے معنی ہیں بیماری کے بعد اچھا ہو جانا یعنی صحت بدنی کا عود کرنا۔ زخم کی ہستی تندرستی کے منافی ہے کیونکہ اسکے معنی ہونگے کہ زخم بیماری سے پہلے جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا جس کے معنی کچھ نہیں بنتے کیونکہ زخم تو خود ایک بیماری ہے۔ ~~اسکا واسطے~~ اسی وجہ سے دوسری شکل یعنی زخم کو شفا ہو گئی بھی غلط ٹھیرتا ہے۔ صحیح فقرہ ہوگا "زخم سے شفا ہو گئی" جسم کو مقصود ہے

نیاز کیش

برجموہن دتاتریہ کیفی

مکتوب الیہ آغا قمر محمد صادق صاحب

مکتوب خواجہ حسن نظامی

ادب بنگلہ۔ موبلی ہل حیدرآباد۔
۸ محرم ۱۳۶۷ھ ۔ ۲۲ نومبر ۱۹۴۷ء شنبہ

پیارے بھائی سرور غلام یزدانی صاحب سلام علیکم۔
کاغذات پر دستخط کر کے ارسال خدمت کرتا ہوں
اخبار منادی حیدرآباد سے جاری کرنے کی اجازت مل گئی
ہے۔ اور میں اردو مجلس کے تازہ جلسے کے حالات درج کرنے کا ارادہ
رکھتا ہوں۔ لہذا منظوری کی نقل اور جعفر صاحب کے مسودہ کی نقل
مرحمت فرمائیے۔ مسودہ کے ضروری حصوں کا اقتباس شائع کرتا ہے
آثار قدیمہ کی نسبت آپکی کوئی کتاب یا تحریر ہو سکتا تو
وہ بھی عنایت کیجیے تاکہ معلومات ذریعہ سے منادی میں اس کا
ذکر جاری رہے۔
میری صحت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ اور اب بہت ضعیف اور
علیل ہو گیا ہے۔ چلنا پھرنا مشکل ہے۔ تاہم اخبار جاری ضرور سے
جاری ہوگا اور میں دن کے وقت وہاں رہا کروں گا۔ اور جب تک
ہنگامہ بند ہے تاکہ رات کو یہاں آنا پڑے۔
آپ کے سوال نامے کے جواب میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ بالکل
صحیح ہے۔ مگر جن حالات کو مدنظر رکھ کر یہ سوالات کیے گئے تھے
ان میں آپ بھی مبتلا ہیں۔ اسلئے آپکو ترجیح کرنا لکھ دیا۔
فقط حسن نظامی

مکتوب محمود شیرانی

18, Flemin[g Road]
Lahore
7. 6. 33

مائی ڈیر سعید

عنایت نامہ کا شکریہ۔ آپ میری طرف سے ہدیۂ مبارکباد قبول کیجیے آپ ایم۔اے میں اول رہے ہیں نتیجہ آج ہی اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ آپ کو مجھ سے پیشتر دیگر ذرائع سے اطلاع ہو گئی ہوگی تاہم شکر ہے مجھ کو یہ خوشی ہوئی

آپ کے سکریٹری صاحب اس روز کے بعد مجھے کبھی نہیں ملے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ مجھ سے ناراض ہیں، اگر کہیں ملاقات ہوئی اور موقع ملا تو میں تذکرہ ضرور کر دوں گا۔ مرزا صاحب بھی کبھی نہیں ملے

پروفیسر شفیع یہاں پانچ کو چلے گئے اور وہ آپ سے خفا ہیں میں نے حتی الامکان ان کے خیالات میں تبدیلی کی کوشش کی۔

ہزارہ تا مری سے دشوار ہے بال بچے ۵ کو وطن چلے گئے ہیں بال بچے اور کالا اور جہلم میں رکھا تھا نہیں تو یا تو ان میں سے کوئی مقرر تھا ہر کارہ رہنا ہوتا ہے اور اگر یہی حالت رہی تو ممکن ہے کہ کیا کروں حد درجہ بڑھ رہا ہوں گرمی انتہا درجہ کی پڑ رہی ہے۔ رات تمام رات تنفس تھا۔ ہوا کا نام نہ تھا پنکھے کے سائے میں نیند نہیں آتی تھی ایسے گرم راتیں لاہور میں بہت کم گزاری ہیں

امید ہے آپ سے ملاقات اکتوبر میں ہوگی۔ آپ کے والد ماجد کی خدمت میں میرا سلام نیاز۔ والسلام

محمود شیرانی

مکتوب الیہ ڈاکٹر محمد عبد اللہ

مکتوب قاضی عبد الغفار

Telegram "ANJUMAN Telephone

انجمن ترقی اردو (ہند)

Anjuman e Taraqqi e Urdu (Hind)

Aligarh.

مورخہ .... حوالہ ...

حیدرآباد

[illegible]

مشفقی ۔ السلام علیکم

علی گڑھ میں رکھا آپ کا مکتوب ملا تھا ۔ میں
اس وقت بہت بیمار تھا ۔ اسی حالت میں علاج کے لیے حیدرآباد
چلا آیا اور اب تک یہاں قیام کا ارادہ ہے ۔
میں نے دفتر کو لکھا ہے کہ آپ کے مسودے کی نقل [illegible]
[illegible] اس سے آپ کو مطلع کر دیا جائے ۔ [illegible]
[illegible] میں [illegible] کہ اس مسودے
کی نقل کچھ [illegible] ۔ اگر میں بیمار نہ ہوتا اور اب [illegible]
تو خود اس مسودے کو پڑھ کر اپنی رائے پیش کرتا ۔
شاید آپ کو علم ہے کہ [illegible] خانہ نشینی میں تصنیف
و تالیف کا [illegible] ۔ آپ نے [illegible]
دوسرا شغل نہ ہوگا ۔

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے

مخلص
قاضی عبد الغفار

مکتوب الیہ وحید احمد خان

مکتوب ظفر الملک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لکھنؤ [illegible] اپریل [illegible]

مکرمی سلام مسنون۔ گرامی نامہ مع غزل و مضمون وصول ہوا۔ شکریہ۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ شعر بھی کہتے ہیں [illegible] تحریر ہیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کی کتاب میری نظر سے [illegible] تعریف سنی ہے [illegible]

[illegible] اردو [illegible]

[illegible] کی تاریخ ادب اردو [illegible]

[illegible] ترجمہ [illegible]

[illegible] آپ [illegible]

[illegible] ایک پرچہ [illegible] اپریل [illegible]

[illegible]

[illegible] اشاعت [illegible]

[illegible]

[illegible]

اب میرا ارادہ [illegible]

[illegible] اشاعت [illegible]

[illegible] سکوں۔ [illegible] والسلام

[illegible]

[illegible]

مکتوب الیہ اظہار الحسن صاحب

مکتوب سائل دہلوی

۷۸۶

سعید صاحب عنایت فرمائے من سلامت باشید۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ شرف لایا۔ میں نے تعمیل حکم

حسب الارشاد کر دی کچھ اپنے اشعار مثنوی کے سند اشعار دی ہیں جو بھی الفاظ مستفسرہ کی بابت متعلق

یاد آئے کچھ لکھ دیے ہیں۔ میں کسی سے مخالف نہیں جس کا جو مسلک ہے ہو۔ تذکیر و تانیث جو میری زبان پر

میری روزمرہ میں جاری ہے وہ مسلک شاہی ہے۔ صحت میری خراب ہے پانوں سے معذور ہوں میں بالکل محتاج ہو کر

فرنیچر ایک سال سے ہو گیا ہوں۔ سردار جگت سنگھ جی سے بعد سلام فرما دیجیے کہ اصلاح تک کے جاری رہے

تخلص ہو گئی تو کلام حاضر کر دوں گا۔ رہنمائی تعلیم کی صورت مجھ سے بالکل نہیں ہو سکتی

آپ مجھے بھول گئے ہیں۔ میری بیوی خوش خاموش ہو گئی۔ زیادہ زیادہ

الراقم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل

۴ دسمبر ۳۸ء

مکتوب الیہ دل محمد فضا

مکتوب سید سجاد حیدر یلدرم

Ghazipur U.P.
13.12.33

عزیزی جلیل ۔ چونکہ تم نے اپنی کامیابی کی خوشخبری کی مجھے اطلاع نہیں دی تھی، اسلئے جب مدتوں کے بعد آپ کا خط آیا تو میں نے بھی چپ سادھ لی۔

اب آپ کا اردو میں ایم۔ اے ہونا کم سے کم آپ کے لئے کوئی ایسی بات نہیں جس کی مبارکباد دی جائے۔ ہاں الہ آباد یونیورسٹی کے لئے قابل مبارکباد ہے کہ وہاں سے شاید پہلے (حقیقی معنوں میں) Urdu Scholar ایم اے ہوا۔ بہرحال میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ آپ کو اطلاع دوں کہ میں جلد جلد کر کے غازی پور سے چھٹکارا حاصل کر رہا ہوں۔

۲۴ دسمبر ۱۹۳۳ء سے آٹھ مہینے کی چھٹی لے رہا ہوں۔ فلسطین، شام، ترکی کی سیاحت کے بعد ہندوستان واپس آؤں گا۔ روانہ ہونے سے قبل آپ لوگوں سے ملنے علی گڑھ بھی آؤں گا

علامہ منظور صاحب اور مولانا عبد السلام صاحب سے میرا سلام کہہ دیجئے

مسز جلیل کی خدمت میں آداب

مخلص۔

سید سجاد حیدر

مکتوب الیہ جلیل احمد قدوائی

P.O. Yadgir (Dec)

26th Oct 1941

عزیزی و شفیقی راغب سلمہ

بعد سلام و دعائے شوق واضح ہو کر عید کی مبارکباد پہونچی خدا آپکو بھی مبارک کرے
میں بحمد اللہ اچھا ہوں — ہاں مجھے اس امر کا اندازہ ہو گیا ہے کہ آپکو مجھ سے ایک
تعلق خاطر اور میری صحت کا خیال رہتا ہے — بعض دوستوں کا خیال ہے اور مجھے بھی
کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کچھ دنوں اور مجھے زندہ رہنا ہے — واللہ اعلم —
اس سے پہلے آپکا ایک عنایت نامہ مورخہ ۲۷ اکتوبر ملا تھا جس میں اپنے ایک برادرِ عزیز کی
رحلت کا ذکر فرمایا تھا — خدا آپکو اور مرحوم کے دیگر اعزا کو صبرِ جمیل عطا فرمائے —
میرے ایک شعر (نہ جانے بیٹھے پھر گئے کدھر یہ دشمن و دوست — ٹھہر گیا تو دل ہی وہ دریا کہ وار پار نہیں)
آپنے خاص اثر لیا ہے — اس سے آپکی صحت مذاق کا پتا چلتا ہے — حقیقت و تاریکی کا حول جب
انسان نکل کر فضائے بسیط میں پہونچتا ہے تو اوس کی نگاہ میں دنیا اتنی ہیچ ہو جاتی ہے کہ
دشمن کی دشمنی تو کیا نام نہاد دوستوں کی دوستی بھی نظر میں نہیں سماتی — لیکن وقت دریا دلی کا
مضمون سمجھ میں آتا ہے — اس مضمون کو ایسے ٹھیٹھ اردو میں اس آہنگ سے کہنے بیان نہیں کیا — جو
معمولی روزمرہ "وار پار" جسے ہر کس و ناکس بولتا ہے یہاں الہامی زبان بن گیا ہے — مجھے یہ معلوم
کر کے مسرت ہوئی کہ آپنے اس نکتہ کو سمجھ لیا خدا آپکو خوش رکھے — خاکسار یگانہ چنگیزی لکھنوی

۳ اردو کے گنجینۂ الفاظ میں بھی بجز وسعت بحر زخار کا ثبات نہیں جس سے استفادہ کسی نے وہ کام نہیں لیا جو یگانہ نے — کام لینا تو کجا ایسے الفاظ اور الفاظ کو کسی نے سمجھا بھی نہیں
انکی قیمت یہ ہے کہ شکست کی دو پونا
اٹھنی اور دو کے ارمان کا تماشا ہے پھر عمر و گزند کا
ہر قدم ہی پہ نہیں دیتی جو نقش سے
وحل ہیرا جیل پھرا —

مکتوب چراغ حسن حسرت

۱۰ اگست

برادر مکرم - السلام علیکم

[illegible]

مکتوب الیه عبدالمجید صاحب سالک

مکتوب فرحت اللہ بیگ

[illegible]

والسلام

[illegible]

مکتوب الیہ ڈاکٹر غلام یزدانی صاحب

غالب

(۱)

بنام چودھری عبدالغفور سرور

جناب چودھری صاحب[۱]

میں تو خدمت بجا لایا[۲]۔ مگر اس کے صلے میں تین باتیں چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ آرہ میں مولوی سید فرزند احمد[۳] کے مکان کا پتہ مجھے لکھ بھیجو تا کہ میں ان کو تہنیت لکھوں[۴]۔ دوسرے یہ کہ تمہارا خط تم کو واپس بھیجتا ہوں۔ حضرت صاحب[۵] کی دستخطی عبارت کو حرف بحرف

---

۱ غالب کے قدر دانوں میں کون ہے جس نے غالب کے خطوط پڑھے ہوں اور وہ چودھری عبدالغفور سرور سے ناواقف ہو۔ چودھری صاحب مارہرہ ضلع ایٹہ کے رئوسا میں تھے اور ان کا خاندان کئی صدیوں سے وہاں آباد ہے۔ غالب کے عزیز ترین دوستوں میں تھے اور ان کا شمار ان کے مایۂ ناز شاگردوں میں ہے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور غالب سے اصلاح لیتے تھے۔ اشعار اب بہت کم ملتے ہیں۔ غالب کا یہ نادر رقعہ راقم نے ان کے خاندان کے افراد سے حاصل کیا ہے۔ (مختارالدین احمد)

۲ سرور نے ۳۶ شعروں کا ایک اردو قصیدہ اور ۹ قطعات اصلاح کے لئے میرزا کے پاس بھیجے تھے۔ یہ قطعہ کاغذ جس پر سرور نے اپنے ہاتھ سے اشعار لکھے ہیں اور جو غالب کی اصلاح سے مزین ہیں اتفاق سے میرے ہاتھ لگ گیا۔ قصیدے کے ۱۱ اشعار پر غالب کی اصلاح ہے۔ بعض قطعات پر غالب نے خاصی توجہ کی ہے۔ ایک قطعہ انہیں پسند نہ آیا تو "سراسر تکلفات باردہ" لکھ کر اسے قلمزد کر دیا ہے۔ خدمت سے مراد انہی شعروں کی اصلاح ہے۔

۳ صفیر بلگرامی (۱۲۴۹ - ۱۳۰۰ھ) حضرت صاحب عالم کے نواسے اور میرزا غالب کے شاگرد۔ ان دونوں کے تعلقات کی داستان دیکھنی ہو تو احوال غالب ملاحظہ فرمائیے۔

۴ صفیر بلگرامی کے گھر میں ۱۲۸۳ھ میں ایک بیٹا پیدا ہوا ہے۔ سرور نے اسی سلسلے میں تہنیت کے قطعات لکھے ہیں اور اب غالب صفیر کو مبارکباد کا خط لکھنا چاہتے ہیں اسی لئے ان کا پتہ پوچھ رہے ہیں۔ قیاس ہے کہ غالب نے تہنیت کا خط ضرور لکھا ہوگا لیکن یہ خط بھی ان کے ہزاروں خطوں کی طرح اب تک نامعلوم ہے۔

یہ صاحبزادے غالباً سید نور احمد ہیں جو گرامی تخلص کرتے تھے، ان کا ذکر مرقع فیض صفیر (تذکرۂ شاگردان صفیر) اور تذکرۂ یادگار ضیغم میں موجود ہے۔ موخرالذکر میں ان کی تصویر بھی چھپی ہے جو راقم نے اور اردو شعرا کی تصاویر کے ساتھ رسالہ "آجکل" دہلی دسمبر ۱۹۵۶ء میں شائع کر دی ہے۔

۵ مراد صاحب عالم مارہروی (۱۲۱۱ - ۱۲۸۸ھ) جن کے خطوط سے غالب کو ہمیشہ شکایت رہی کہ ان سے پڑھے نہیں جاتے۔ سرور ہی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"حضرت کی تحریر کا ایک لفظ بھی اگر پڑھا گیا ہو تو دیدے پھوٹیں، ایمان نصیب نہ ہو۔ وہ خط بدستور آپ کے پاس بھیجتا ہوں حرف بحرف اس کی نقل کر کے پھر مجھے بھیج دیجئے تا کہ جواب لکھنے میں سعادت حاصل کروں۔"

(مختارالدین احمد)

عمر میں علم و فضل میں وہ پایۂ بلند حاصل کیا ہے کہ دوسرے کو یہاں تک پہنچنا مشکل ہے۔ مثنوی کے اشعار میں نے دیکھے اور پسند کئے بطریق سہل ممتنع کہے ہیں۔ اردو فصیح عبارت سلیس، الفاظ نہایت سنجیدہ و متین، حرف حرف شستہ و رفتہ، جو خوبیاں نظم میں چاہئیں وہ سب موجود مگر میری مدح میں اتنا مبالغہ کیوں کیا۔ میں تو اقلیم سخن کا گدائے خاک نشین ہوں شہنشاہ کہاں سے ہو گیا خیر آپ کی ارادت میرے لئے موجب سعادت ہے۔ جو صاحب شعر میں خود ستائی کو بُرا جانتے ہیں کیا انہوں نے بجز لشاعر ما لا یجوز لغیرہ نہیں سُنا ہے یا اساتذۂ مستند الکمال کا فخریہ کلام ان کی نظر سے نہیں گذرا؟ — اللہ اللہ اس امر خاص میں کیا کیا بلند پروازی اور اپنے کلام کی کیسے کیسے مدح طرازی کی ہے۔ شیدائے عالمگیری کہتا ہے ؎

چیست دانے بادۂ گلگوں مصفا جوہرے — عشق را پیغمبرے حسن را پروردگارے

تین شعر میں تین شاعروں کے بسبیل نمونہ یہاں لکھتا ہوں باقی فائدہ کلام اہل سخن پر حوالے کرتا ہوں۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

سنائی و فردوسی از امتانم — بہ اقلیم معنے رسول امینم

دوسرا اس سے بھی بڑھ کر کہتا ہے ؎

کہ معنی یکے باشد از بندگانم — بہ ملک سخن آں خطے تعدیریم

تیسرا کچھ اور ہی راگ گاتا ہے ؎

ناودانے زیار گین منست — حوض کوثر کہ مشرب الروحست

ناودان یعنی موری اور ریارگین اوس گڑھے کو کہتے ہیں جس میں مطبخ اور حمام وغیرہ کا پانی جمع ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ من شطحیات الشعرا۔ میر صاحب میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اس پر امراض متضادہ مزمنہ میں گرفتار قوی بالکل مضمحل اٹھنا بیٹھنا لکھنا پڑھنا سب مشکل اجیاناً اگر تحریر جواب میں تاخیر ہو جائے معاف رہوں۔ والسلام مع الوفا الاحترام! فقط!

دعائے خیر کا طالب فقیر غالب ۱۹ جنوری ۱۸۶۸ء۔ بروز چہار شنبہ۔

(۴)

بنام نواب امین الدین احمد خاں[1]

بھائی سے دو سوال ہیں۔ ایک تو یہ کہ مجموعۂ نثر کے خاتمے کو کیا کروں۔ وہ مبنی تھا اس حقیقت پر کہ نول کشور، نواب

---

[1] نواب امین الدین احمد خاں، نواب احمد بخش خاں کے بیٹے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد لوہارو کے رئیس قرار پائے۔ ۱۸۲۷ء سے اپنی وفات ۱۸۶۹ء تک لوہارو کی جاگیر کا انتظام انہی کے ہاتھ رہا۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر و رخشاں ان کے بھائی تھے اور ریاست میں شریک لیکن انہیں امور ریاست سے کچھ تعلق نہ تھا۔ امین الدین کے انتقال کے بعد نواب علاؤ الدین احمد خاں علائی ان کے جانشین ہوئے۔ ان سب لوگوں سے غالب کے گہرے تعلقات تھے۔ اس رقعہ پر مکتوب الیہ کا نام درج نہیں لیکن قریب بہ یقین ہے کہ مرزا نے یہ رقعہ نواب امین الدین احمد خاں کو لکھا ہے۔ اس پر تاریخ تحریر درج نہیں۔ راقم کے خیال میں اس کا زمانۂ تحریر ۱۲۸۰ھ (مطابق ۱۸۶۳ء-۱۸۶۴ء) ہے۔ (مختار الدین احمد)

[2] ۱۲۸۰ھ میں منشی نول کشور دہلی آئے اور مرزا سے ملے۔ انہوں نے کلیات نثر چھاپنے کی خواہش ظاہر کی۔ مرزا نے نواب ضیاء الدین احمد خاں سے مسودہ لے کر منشی صاحب کے حوالے کیا۔ چھپنے میں تعویق ہوئی تو مرزا مایوس ہو گئے اور انہوں نے یہ رقعہ لکھا۔ بالآخر کلیات چار سال کے بعد ۱۲۸۴ھ میں مطبع نول کشور سے شائع ہوا۔ یہ ایڈیشن اب بہت کمیاب ہے۔

اپنے ہاتھ سے لکھوا اور مجھ کو بھیجو تاکہ میں ان کو تہنیت میں خط لکھوں۔ واللہ ہرگز مجھ سے پڑھا نہیں گیا۔ تشویش و تشویر میں ہوں کہ کیا کروں۔ تم یہ بوجھ مجھ پر سے اٹھالو۔ تیسری بات یہ کہ یہ معاملہ حضرت صاحب پر ظاہر نہ ہو اور میرے اس خط کا جواب جلد آئے۔

غالب۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۶۶ء

(۲)

۳ مارچ ۱۸۶۷ء

اے میری جان![1]

کس وقت میں مجھ سے غزل مانگی کہ میرے واسطے نکیرین کے جواب دینے کا زمانہ قریب آگیا۔ میرا حال اب جس کو دریافت کرنا ہو وہ اہلِ محلہ سے دریافت کر لے۔ تمہاری خاطر عزیز ہے۔ فکر کی۔ بارے نفسِ ناطقہ نے بڑی بھلی طرح مدد دی۔ نو شعر پہنچتے ہیں، لیکن نہ شاعرانہ نہ عارفانہ۔

غزل

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں — میں دشتِ غم میں آہوئے صیاد دیدہ ہوں
ہوں دردمند، جبر ہو یا اختیار ہو — گہ نالۂ کشیدہ، گہ اشکِ چکیدہ ہوں
جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہوا دہن — از بسکہ تلخیٔ غمِ ہجراں چشیدہ ہوں
نہ سُبحہ سے علاقہ، نہ ساغر سے رابطہ — میں معرضِ مثال میں دستِ بریدہ ہوں
ہوں خاکسار، پر نہ کسی سے ہے مجھ کو لاگ — نہ دانۂ فتادہ ہوں نہ دامِ چیدہ ہوں
جو چاہیے نہیں وہ مری قدر و منزلت — میں یوسفِ بقیمتِ اوّل خریدہ ہوں
ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ — ہوں میں کلامِ نغز، ولے ناشنیدہ ہوں
اہلِ ورع کے حلقہ میں ہرچند ہوں ذلیل — پر عاصیوں کے زمرے میں میں برگزیدہ ہوں

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسدؔ
ڈرتا ہوں آئینے سے کہ مردم گزیدہ ہوں

(۳)

بنام جناب ذکی دہلوی مرحوم

بندہ پرور!

آپ کا عنایت نامہ پہنچا آپ از روئے شرافتِ نسبی و لیاقتِ حسبی آفتاب و ماہتاب ہیں آپ کا کیا کہنا ہے۔ اس

[1] یہ خط نواب امین الدین احمد خاں بہادر والیٔ لوہارو کے نام ہے۔ اس کے شروع میں تاریخ درج ہے۔ اس خط میں اُردو کی جو غزل ہے وہ شائع شدہ ہے۔ خط سے معلوم ہو گیا کہ یہ غزل کب لکھی گئی تھی۔ (مالک رام)

(۶)

بنام عزیز اللہ شاہ عزیزؔ صفی پوری

سخن شناس نۂ مشفقا، خطا ایں جا ست۔ یہ جملہ کہ یا میرا شعر نکال ڈالو یا عرف کی جگہ تخلص لکھ دو موجب ملالِ خاطر کیوں ہوا اور اس سے یہ مفہوم کیونکر پیدا ہوا کہ میں تمہارے کلام کو اصلاح نہ دوں گا۔ تمہیں غور کرو کہ شعر کو علاقہ تخلص سے ہے یا نام سے ..... عرف سے۔ میں نے تو اصلاح دی تم نے بُرا مانا۔ ذہن تمہارا معوج ہے اکثر کجی کی طرف جاتا ہے۔ تمہاری اس نثر میں حک و اصلاح کی گنجائش نہیں۔ پنج رقعۂ سابق سے لفظاً و معناً تمہاری عبارت بہتر ہے۔ اس قول کو باور نہ کرو گے تو منشا اس کا وہی اعوجاجِ طبع ہوگا مع سوءِ ظن۔

نجات کا طالب: غالبؔ

بنام نامعلوم[1]

(۷)

بندہ پرور!

آج میں نے وہ انگریزی عرضی روانہ کر دی اور صبح کو آپ کا کہا مسودہ اور میرے محسن کا رقعہ آپ کے نام کا مجھ کو دے گیا۔ اس عنایت کی شکر میں کیا خدمت بجا لانا بارے ایک رباعی بھیجتا ہوں اس کو آپ پڑھ کر اور لطف اٹھا کر راجہ صاحب کی خدمت میں بھجوا دیجئے۔

امید بہ تشدید میم و تخفیف میم دونوں طرح مستعمل ہے ایسا نہ ہو کہ جناب ممدوح اس کو زحاف سمجھیں۔ پہلے اور دوسرے مصرع میں بہ تخفیف میم ہے اور تیسرے مصرع کا میم مشدد ہے۔

غالبؔ!

بنام نواب علاؤالدین خاں علائی

(۸)

جانِ غالب!

دونوں خط تمہارے متواتر پہنچے۔ مغربی عرفا میں سے ہے بیشتر اوس کے کلام میں مضامین حقیقت آمیز ہیں لیکن دامان گلہ دارد و گریبان گلہ دارد، اس زمین میں اس کی غزل میں نے نہیں دیکھی۔ حاجی محمد جان قدسی کی غزل اس زمین میں ہے ؎

دربزم وصالِ تو بہنگام تماشا نظارہ زجنبیدنِ مژگاں گلہ دارد

یہ ایک شعر اس کا مجھے یاد ہے۔ بھائی تمہارا باپ بدگمان ہے یعنی مجھ کو زندہ سمجھتا ہے۔ میرا سلام کہو اور یہ شعر میرا پڑھ سناؤ ؎

گمان زیست بود بر منت ز بے دردے بدست مرگ دلے بد تر از گمان تو نیست

مجھے کافور و کفن کے فکر پڑ رہے ہیں وہ متفکر شعر و سخن کا طالب ہی زندہ ہوتا تو وہیں کیوں نہ چلا آتا۔ مجھ پر سے یہ تکلیف اٹھاؤ الواد نم اسی زمین میں شعر کہہ کر بھیج دو میں اصلاح دے کر بھیج دوں گا عصائے پیر بجائے پیر واللہ میرا کلام ہندی یا فارسی کچھ میرے پاس نہیں ہے آگے جو کچھ حافظہ میں موجود تھا وہ لکھ بھیجا اب جو کچھ یاد آگیا وہ لکھتا ہوں ؎

با من کہ عاشقم سخن از ننگ و نام چیست در امر خاص حجت دستور عام چیست

---

[1] یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ رقعہ کس کے نام ہے (اکبر علی خاں رام پور)

ضیاء الدین خاں سے واسطے انطباع کے لے گیا۔ جب یہ واقع نہ ہوا تو اب اس کو نکال ڈالوں اور اس کی جو کچھ نثریں اور رہیں وہ لکھ دوں۔

اوراقِ اشعارِ مرحومی زین العابدین خاں[1] مستعار ہیں اس واسطے کہ تم اپنے ہاں کے مجموعے کی تصحیح اس سے کر لو۔ پھر یہ امر واقع ہوا یا ہونے والا ہے۔

ترجمۂ ابو الفدا[2] کی جلد واپس پہنچی ہے۔

جواب کا طالب: غالب

(۵)

بنام عزیز اللہ شاہ عزیزؔ صفی پوری[3]

خان صاحب عنایت مظہر[4] سلامت!

آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ اوراقِ پنج رقعہ نظر فروز ہوئی۔ خوشامد فقیر کا شیوہ نہیں۔ نگارش تمہاری پنج رقعۂ سابق کی تحریر سے لفظاً و معناً بڑھ کر ہے۔ اس میں یہ معانیِ نازک اور الفاظِ آبدار کہاں؟ مگر ایک امر سے تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ یہ نثر ظہوری کی نہیں ہے ارادت خاں متخلص بہ واضحؔ عالمگیری سرداروں میں سے ایک شخص تھا۔ مینا بازار[5] اور پنج رقعہ اس کی فکر کا نتیجہ ہے۔ تو الی کسرات کی طرز ایجاد کی ہوئی اس کی ہے۔ موجد سے مقلد بہتر نکلا۔ یعنی تم نے خوب لکھا ہے ع

نقاشِ نقشِ ثانی بہتر کشد ز اوّل

جہاں آپ نے فقیر کا مطلع لکھا ہے وہاں آپ بہ عرف میرے معروف ہوئے ہیں۔[6] متوقع ہوں کہ یا شعر نکال ڈالو یا عرف کی جگہ تخلص لکھ دو۔

نجات کا طالب: غالب

---

[1] زین العابدین خاں عارفؔ، مرزا کی سالی کے بیٹے، جنہیں غالبؔ اپنے بیٹے کی طرح چاہتے تھے۔ پہلے شاہ نصیرؔ کے شاگرد ہوئے، پھر مرزا سے اصلاح لینے لگے۔ دیوانِ اردو کے کئی نسخے ہندوستان میں موجود ہیں۔

[2] غالباً تاریخ عالم مصنفہ ابو الفدا کا وہ ترجمہ مراد ہے جو مولوی کریم الدین دہلوی نے کیا تھا اور مطبع العلوم دہلی سے ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا تھا۔ (مختار الدین احمد)

[3] عزیزؔ صفی پوری ۱۸۴۱ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے وہیں عربی و فارسی کی تحصیل کی۔ غدر کے ہنگامے ہوئے تو لکھنؤ چھوڑ کر صفی پور (اناؤ) اپنی ننھیال چلے گئے اور وہیں انہوں نے اپنی پوری عمر گذار دی۔

تصانیف کی تعداد چالیس سے کم نہیں جن میں دیوانِ اردو، نورِ ولایت، خمِ فکر، کلام نظم فارسی، ارمغان، پیش کش شاہ جہانی، پنج رقعہ، ترجمہ فسانۂ عجائب (منظوم)، اور مثنوی فتح مبین، در جواب شاہ نامہ قابلِ ذکر ہیں۔ عزیزؔ کا انتقال ۲ جولائی ۱۹۲۸ء کو ہوا۔

یہ دونوں رقعے غالبؔ کے رقعات کے کسی مجموعے میں اب تک نہیں شائع ہوئے۔ (مختار الدین احمد)

[4] شاہ صاحب کی فارسی نثر کا مختصر سا مجموعہ جو چھپ بھی گیا ہے۔

[5] یہ بات مشکوک ہے کہ مینا بازار اور پنج رقعہ واقعی ظہوری کی لکھی ہوئی ہے۔ اس بحث کیلئے ڈاکٹر نذیر احمد لکھنؤ یونیورسٹی کا تحقیقی مقالہ مینا بازار دیکھا جائے۔

[6] شاہ صاحب نے غالبؔ کی جگہ "مرزا نوشہ" لکھ دیا تھا۔ غالبؔ کو اپنے عرف سے جو چڑ تھی وہ معلوم ہی ہے۔ (مختار الدین احمد)

نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سُنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبۂ دل
اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

اس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
ہات آئیں تو انہیں ہات لگائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

بستم ز خون دل کہ دو چشم ازاں چہ ہاست　　　گوئی مخور شراب و نہ بینی بجام چیست
با دوست ہر کہ بادہ بہ خلوت خورد مدام　　　داند کہ خورد کوثر و دار السلام چیست
ماخستۂ غمیم و بود مے دوائے ما　　　ماخستگان حدیث حلال و حرام چیست
از کاسۂ کرام نصیب است خاک را　　　تا از فلک نصیبۂ کاس کرام چیست
غالب اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت　　　پرسد چرا کہ نرخ مئے لعل فام چیست

شعر نہ یاد آسکے، یاد آگئے، خیر گانے کو یہ بھی کافی و مکتفی ہیں[1]۔

دل برد و حق آنست کہ دلبر نتواں گفت　　　بیداد تواں دید و ستمگر نتواں گفت
در رزم گہش ناچخ و خنجر نتواں برد　　　در بزم گہش بادہ و ساغر نتواں گفت
رخشندگی ساعد و گردن نتواں جست　　　زیبندگی یارہ و پرگر نتواں گفت
پیوستہ دہد بادہ و ساقی نتواں خواند　　　ہموارہ تراشد بت و آزر نتواں گفت
در گرم روی سایہ و سرچشمہ نجوئیم　　　با ما سخن از طوبیٰ و کوثر نتواں گفت
ہنگامہ سر آمد چہ زنی دم ز تظلم　　　گر خود ستمے رفت بمحشر نتواں گفت
آں راز کہ در سینہ نہانست نہ وعظ است　　　بر دار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت

کارے عجب افتاد بدیں شیفتہ ما را
مومن نبود غالب و کافر نتواں گفت

کوئی امید بر نہیں آتی　　　کوئی صورت نظر نہیں آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی　　　اب کسی بات پر نہیں آتی
موت کا ایک دن معین ہے　　　نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
داغ دل گر نظر نہیں آتا　　　بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی
جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد　　　پر طبیعت ادھر نہیں آتی
ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی　　　کچھ ہماری خبر نہیں آتی
کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب　　　شرم تم کو مگر نہیں آتی

---

[1] یہ خط پہلے چھپ چکا ہے مگر نامکمل، پہلا خط اس مصرع پر ختم ہو جاتا ہے:
پرسد چرا کہ نرخ مئے لعل فام چیست　　　(ملاحظہ ہو مکاتیب غالب مرتبہ عرشی طبع دوم)
خط کی باقی عبارت اس میں نہیں آئی لیکن اصل خط میں موجود ہے جو غالباً کسی وجہ سے ابتدا ہی میں حذف ہو گئی۔ میرزا نے اپنی ایک اور فارسی غزل اور معاً دو غزلیں بھی اس خط کے ساتھ بھیجی تھیں جو مضمون خط سے واضح ہے۔ لوہارو سے ایسی غزلوں کی فرمائش آئی تھی جنہیں گانے کے لئے قوال کو دیا جا سکے۔

منظور نہیں ہے اور بلاشبہ خیرات مخفی ہزار درجہ خیرات جلی سے بہتر ہے۔ مگر نیک نیتی اور بے ریائی کو تسلیم کر کے دوسرے پہلو پر بھی نظر ڈالنی ضرور ہے کہ اعلان اس قسم کی خیرات کا جو قومی بھلائی سے نہ شخصی مراعات سے متعلق ہے اور قوم کو اس قسم کی خیرات کی شدید ضرورت ہے، ذریعہ ہوگا اوروں کی ترغیب کا اور خیرات دینے والا اجرِ الدال علی الخیر کفاعلہ میں ضرور داخل ہوگا۔ پس قومی فلاح کے کاموں میں باعلان خیرات کرنا اگر نیت نیک ہو تو دوچند اجر کا مستحق کرتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس اعلان سے قومی عظمت اور اسلامی شوکت ثابت ہوتی ہے جو ہماری عین تمنا اور آرزو کے دلی ہے۔ آپ نے مدرسۃ العلوم کو ملاحظہ نہیں فرمایا اور جس نے نہ دیکھا ہو اس کے خیال میں آ ہی نہیں سکتا کہ وہ کیسا ہوگا۔ اس کی عمارت جس شان و شوکت سے بنائی قرار دی گئی ہے اور جس قدر کہ اس وقت تک بن چکی ہے قومی عظمت اور اسلامی شوکت کو ثابت کرتی ہے۔ ایک انگریز نے کہا کہ یہ خیال کہ مسلمانوں میں قومی جوش اور ان میں سے قومی عظمت جاتی رہی، علیگڈھ میں جا کر اور مدرسۃ العلوم کی عمارت کو دیکھ کر بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ جبکہ غیر قوم کے لوگ اس کی دیواروں پر جا بجا مسلمانوں کے نام کثرت سے کندہ دیکھتے ہیں تو اور بھی زیادہ قومی عظمت اور اسلامی شوکت کا اثر ان کے دل میں بیٹھتا ہے۔ بس ان وجوہ سے آپ مجھ کو مجاز رہنے دیں کہ اس روپیہ کو ایک مناسب فنڈ میں داخل کروں اور اس کے ساتھ آپ کے نام نامی کی بقید ولدیت نشانی قائم رکھوں۔

مدرسۃ العلوم کی درمیانی عمارت جو سنٹرل ہال سے موسوم ہے بہت بڑی عمارت ہے۔ سات ہزار روپیہ اس کی لاگت کا تخمینہ ہوا اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ لاگت آوے گی ـــــ اس میں نہایت خوش اسلوبی سے ایک سو بیس پتھر لگائے گئے ہیں۔ جس بزرگ نے پانسو روپیہ دیا ہے وہ روپیہ اس کی تعمیر کے فنڈ میں جمع کیا گیا ہے اور ان پتھروں میں سے ایک پتھر پر اس کا نام کندہ کر دیا ہے۔ جس قدر نام کندہ ہو چکے ہیں غیر قوم کے لوگ جب ان کو دیکھتے ہیں تو قومی عظمت کا بے انتہا اثر ان کے دل پر ہوتا ہے اور مسلمانوں کے دل بھی ایک قسم کی فرحت اپنے میں پاتے ہیں۔ پس میرا ارادہ ہے کہ آپ کے زرِ عطیہ کو بھی اسی فنڈ میں داخل کروں اور آپ کا نام بقید ولدیت کندہ کر دوں جبکہ آپ نے یہ روپیہ عنایت کیا اور مجھ کو متولی کیا کہ اس کو کسی کارِ خیر میں صرف کروں تو اب آپ کو اس میں مداخلت ضرور نہیں ہے۔ آپ ثواب میں داخل ہو گئے۔ اب جو گناہ ثواب رہا میری گردن پر ہے۔ اگر میری نیت بخیر ہے تو خدا سے امید ہے کہ مجھ کو بھی میری نیت کے موافق بدلہ دے گا۔ اس تحریر کا میں آپ سے جواب نہیں چاہتا۔ میں کروں گا وہ جو اللہ چاہے گا۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس اب کے سال الہ آباد میں ہوگا۔ ۲۸، ۲۹ اور ۳۰ دسمبر تواریخ اجلاس مقرر ہوئی ہیں پہلے اجلاس میں وہ امور تنقیح پا دیں گے جو بحث کے لئے پیش ہوں گے۔ مگر تمام بحثیں تعلیم مسلمانان سے متعلق ہوں گی۔ نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خان غالباً اسبابِ تنزلِ مسلمانان پر لیکچر دیں گے۔ ہمارے کالج کے ایک نہایت نیک اور عالم پروفیسر انگریز مسٹر آرنلڈ چین اور جاوہ میں اسلام کی ترقی اور وہاں کے مسلمانوں کی حالت پر لیکچر دیں گے۔ وہ یہ ثابت کریں گے کہ بغیر کسی زورِ حکومت کے وہاں اسلام پھیلا ہے۔ اس وقت انہی دو صاحبوں کا ارادہ معلوم ہوا ہے مگر غالباً مولوی سید علی بلگرامی جو حیدر آباد سے آنے والے ہیں، وہ بھی کوئی لیکچر دیں گے غرضکہ تمام جلسہ میں ہائے مسلماں ہائے مسلماں اس کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

گذشتہ سال کی اجلاس رپورٹ بطور نذرانہ آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں، منظور فرمائی جاوے اور آپ مجھ کو ہمیشہ اپنا نیاز مند ایک عاجز نیاز مند متصور فرماویں، آپ کی خدمت میں نیاز نامجات ارسال کرنے باعث بڑے فخر کا ہوگا۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

خاکسار سید احمد علی گڈھ ۲۰ نومبر ۱۸۹۰ء

سرسیّد

(۱)

بنام سیّد حبیب اللہ صاحب

عزیزی سیّد حبیب اللہ سلکم اللہ

تمہارا خط پہنچا اسپیچ کرنے پر تمہاری مستعدی معلوم ہونے سے نہایت خوشی ہوئی۔ بعض مصلحتوں سے ہم نے تمہارے یہاں آنے کی بھی ۱۳ ؍ فروری مقرر کی ہے تم کو مناسب ہوگا کہ بارھویں تاریخ یہاں آ جاؤ کچھ اور باتیں تم کو سمجھائی جاویں گی۔ ۱۳ تاریخ ایک بجے مدرسہ میں جلسہ ہوگا اور رات کو ڈنر۔

آج میں نے تمہارے چچا صاحب کو خط لکھا ہے کہ وہ تاریخ مذکورہ کو پسند فرمالیں۔ ان کا جواب آنے پر ہم کارروائی شروع کریں گے۔ اس درمیان میں تم کو مناسب ہے کہ ہائی کورٹ میں ان رول ہو جاؤ۔ تم کو دو اسپیچیں کرنی ہوں گی۔ ایک دن کے جلسہ میں اور ایک رات کے ڈنر پر۔ ان دونوں اسپیچوں کو تم لکھ لو اور خوب یاد کر لو۔ اسی میں چند فقرے مناسب وقت بڑھا دینا۔ طرز بیان و طریقہ کھڑے ہونے کا نہایت عمدہ ہونا چاہئے۔ ایک مہینہ کا عرصہ ہے اس میں تم بخوبی طیار ہو سکتے ہو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ایسی عمدہ اسپیچ ہو کہ کسی کو مقام گرفت نہ رہے۔ والسلام!

خاکسار: سیّد احمد۔ علی گڈھ ۱۱ ؍ جنوری ۱۸۸۵ء

---

(۲)

بنام نواب سیّد علی حسن صاحب مرحوم

جناب والا مناقب مخدوم و مکرم جناب مولوی محمد علی حسن خان بہادر دام عنایتکم

آپ کا نوازش نامہ مورخہ تیسری ربیع الثانی ۱۳۰۳ھ معہ قطعہ کرنسی نوٹ تعدادی پانسو روپیہ پہنچا۔ باعث افتخار و ذریعہ ہزاراں اعزاز ہوا۔ گو عطیہ کو میں شعبۂ من الشرک سمجھتا ہوں مگر اس فیاضانہ مرحمت کو مدرسۃ العلوم کے اور قوم کے لئے فال نیک جانتا ہوں۔ کچھ شبہ نہیں کہ مدرسۃ العلوم اور میری کوشش فلاح قومی دنیاوی امور سے متعلق ہے۔ لیکن اگر نیت نیک اور تمام کام حسبتاً للہ ہو تو خدا سے امید ہے کہ جزائے انما الاعمال بالنیات سے جو نتیجۂ ایمان ہے محروم نہ رکھے گا۔

آپ باور کریں یا نہ کریں مگر میں یقین کرتا ہوں کہ اس اسلامی اخوت اور ہمدردی قومی کی جزائے خیر ضرور خدائے تعالیٰ آپ کو عطا فرماوے گا۔ یہ تو مجھ کو یقین کامل ہے جبکہ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس وظیفہ سے کسی طرح کی شہرت و یادگار آپ کو

میں شامل ہیں . . . . اور ظاہر ہے کہ دین میں یا عقبیٰ میں کچھ کام آنے والی نہیں ہے مگر انگریزی نہ جاننے کے سبب روز بروز مسلمانانِ ہندوستان ذلت و خواری میں پڑتے جاتے ہیں، عہدہ ہائے سرکاری سے روز بروز خارج ہوتے جاتے ہیں۔ اعلیٰ عہدے ان کے ہاتھ سے نکلتے جاتے ہیں۔ ہندو بنگالی روز بروز ترقیاں پاتے جاتے ہیں اور مسلمان ہر امر میں ان کے مغلوب و دست نگر ہوتے جاتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو ہندوؤں و بنگالیوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے یا ان سے مغلوب نہ ہونے دینے کے لئے مسلمانوں کو انگریزی زبان کی تعلیم دینا درحقیقت ہندوؤں اور بنگالیوں پر ان کو فتحمند کرنا ہے اور اس زمانہ میں جو حال مسلمانوں کا ہے درحقیقت ان کی تعلیم انگریزی میں امداد کرنا پوری حسنات میں داخل ہے مگر سرکارِ عالیہ کو یا عموماً مسلمانوں کو اس خیال کی طرف....
......محالات سے ہے۔

مدرسۃ العلوم میں مسجد کی تعمیر مکمل نہ ہونے سے درحقیقت طالب علموں کو نماز کی تکلیف ہے۔ نواب سر آسمان جاہ نے جس قدر روپیہ دیا تھا اس سے مسجد کرسی تک تعمیر ہو کر رہ گئی ہے اسی پر ایک چھپر ڈال دیا ہے جس میں نماز ہوتی ہے۔ دو سو طالب علموں کے قریب پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں ان کے وضو کے لئے پانی کا اہتمام بھی مشکل ہوتا ہے۔ اس کے لئے کنواں بھی بن رہا ہے مسجد کے صحن میں وضو کے لئے حوض بھی بن رہا ہے۔ اگر سرکارِ عالیہ مسجد ہی کے لئے تائید فرمائیں گی تو بہتر ہے۔ اسی کی کسی قدر تکمیل ہو جاوے گی۔ میں کل یہاں سے علی گڑھ جاؤں گا اور وہاں پہنچ کر کوئی تاریخ روانگی بھوپال مقرر کر کے آپ کو اور وزیر صاحب کو اطلاع دوں گا۔
ہمارے سب کام توکلتُ علی اللہ ہوتے ہیں، جو خدا کو منظور ہو گا ہو گا ؎

کارسازِ ما بفکرِ کارِ ما ست　　　فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما ست

جو خدا کو منظور ہے وہ ہو گا مگر آپ نے جو سعی و کوشش کی اس کا شکر ہم پر واجب اور اجر دینا خدا کے اختیار میں ہے۔ والسلام علیکم!

خاکسار
سید احمد۔ الہ آباد ۸ر اگست ۱۸۹۱ء

---

(۵)

بنام سید علی حسن صاحب مرحوم

جناب مخدوم و مکرم من ابوالنصر مولوی سید محمد علی حسن خان بہادر!

آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ جہاں آپ کی اور عنایتوں کا میرے دل پر نقش ہے اس سعی و عنایت کا بھی جس کے سبب آپ کے اور مخدومی عالمگیر محمد خان صاحب کے نام سے ہزار روپیہ کا اضافہ ہوا، ہزار ہزار شکر ہے۔ نو بجے تشریف لائیے میں حاضر موجود ہوں گا۔ تمام احباب جو میرے ساتھ ہیں وہ سب آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں کوئی وقت تجویز فرما کر اطلاع فرماویں تاکہ وہ سب حاضر ہوں۔

میں تو آپ کے دسترخوانِ نعمت کا ایک ٹکڑا کھانا بھی فخر سمجھتا ہوں مگر نہایت عاجزی سے ملتمس ہوں کہ دعوت کو ملتوی فرمائیے کیونکہ میرا عہد ٹوٹ جاوے گا اور حیدر آباد میں باعثِ نقصانِ عظیم ہو گا۔

پانسو روپیہ جو آپ کی طرف سے دیا جاتا ہے اس کو میں کاغذات و حسابات میں آپ کے نام سے کہ بابت دعوت نقد عنایت کیا، لکھوں گا بلکہ عالمگیر محمد خان صاحب بھی اگر ایسی ہی اجازت دیں تو مدرسۃ العلوم کو حیدر آباد میں زیادہ فائدہ ہو گا۔ اس کے متعلق مفصل حالات زبانی عرض کروں گا۔ والسلام!

خاکسار
سید احمد۔ بھوپال ۲ر ستمبر ۱۸۹۱ء

بنام نواب سیّد علی حسن مرحوم

(۳)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم من مولوی سیّد محمد علی حسن خان بہادر

آپ کا نوازش نامہ پہنچا ممنون یاد آوری ہوا اگر آپ کا تشریف لانا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں بمقام الہ آباد ہوتا تو بلاشبہ قوم کو نہایت عزت ہوتی اور آپ کی ملاقات سے میرے لئے باعثِ فخر و مسرت!

جلسۂ الہ آباد درحقیقت قومی شان و عزت کا جلسہ تھا اور قومی مطالب کے لئے اس میں نہایت کامیابی ہوئی۔ رپورٹ جلسۂ مذکور معہ تین لکچروں کے جو اس میں دیئے گئے خدمتِ عالی میں روانہ ہوتی ہے۔ امید کہ از راہِ الطاف ان کو قبول فرماویں گے انگریزی خوان ماسٹر جو لایق ہو تلاش سے مل سکے گا۔ سردست جلدی سے ملنا ذرا مشکل ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو تلاش کیا جاوے مگر جس مدرسہ کے لئے درکار ہے اس کا کسی قدر حال سے بھی مطلع فرمانا ضرور ہے یعنی سررشتہ تعلیم ریاست کس کے ماتحت ہے اور اس ماسٹر کو کس سے تعلق رہے گا۔ کیونکہ ریاست ہائے ہندوستانی میں جب تک ان کو طمانیت نہ ہو لائق آدمی جانا پسند نہیں کرتے۔ جن کو اور کہیں کچھ نہیں ملتا یا اچھی لیاقت نہیں رکھتے وہ آنے کو طیار رہتے ہیں۔ بس اگر ان کو پسند ہو تو کچھ مفصل امر تحریر فرماویں میں تلاش کرنے میں کوشش کروں گا۔

میرا ارادہ حیدرآباد جانے کا ہے اور کسی قدر خیال بھوپال آنے کا بھی ہے گو کہ بھوپال میں کالج کی بھی کامیابی ہونے کی توقع نہیں ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ مجھے ریاست بھوپال کا حال اس سے زیادہ کہ وہاں کے ارکان میں باہمی رنج و بے لطفی ہے اور کچھ معلوم نہیں ہے لیکن اگر میں وہاں آؤں تو میرے نزدیک سب ایک سے ہوں گے اور ہر ایک سے کالج کی امداد میں چندہ یا خیرات چاہوں گا پس میں حیران ہوں کہ مجھے کیا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔

افسوس ہے کہ ریاست بھوپال سے قومی مدرسہ مسلمانان کے لئے کچھ امداد نہیں ہوتی اور شاید اب بھی نہ ہو۔ مگر بھوپال میں بہت سے مسلمان رئیس اور اہلکار ہیں ان سے کیوں توقع امداد نہ رکھی جاوے۔ میں آج ایک خط اس باب میں منشی محمد امتیاز علی صاحب کو لکھتا ہوں۔ آپ کی اس بات میں جو رائے ہو اس سے بھی مطلع فرمایا جاوے۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۱۰ر جولائی ۱۸۹۱ء

بنام نواب سیّد علی حسن مرحوم

(۴)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم معظم من ابوالنصر مولوی سیّد محمد علی حسن خان بہادر

نوازش نامہ عالی محررہ ۲۸ر ذوالحجہ پہنچا ممنون عنایت کیا۔ جو کچھ کہ آپ نے واسطے بہتری مسلمانوں کے حق میں سرکار عالیہ سے سعی فرمائی اور مدرستہ العلوم اور اس ناچیز کے حق میں کلمتہ الخیر فرمائے اس کی نسبت بجز اس کے کہ اجرکم علی اللہ اور کیا کہہ سکتا ہوں بلاشبہ سرکار عالیہ کو تائید مدرستہ العلوم میں تامل ہوگا خصوصاً اس وجہ سے کہ مخالفین نے بہت کچھ غلط باتیں نسبت مدرستہ العلوم کے مشہور کر رکھی ہیں علاوہ اس کے ایک عام خیال نسبت حسنات و خیرات و مبرات کے محدود ہو گیا ہے۔ اس خیال کو توڑنا اور یہ بات دل میں ڈالنی کہ درحقیقت جس امر کی مسلمانوں کو ضرورت ہے اور جس کے نہ ہونے سے مسلمانوں کی روز بروز ذلت ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ اسلام کی بھی ذلت ہے اس میں تائید کرنا اور اس ذلت سے مسلمانوں کو نکالنا سب سے بڑی حسنات

عنایت نامہ میں مندرج ہیں صرف آپ کی بزرگی اور عنایت ہے۔ ایامِ غدر کی بابت صرف ایک رسالہ انگریزی شائع ہوا ہے جس کی جلدیں میں نے مدرسہ کو دے دی ہیں اور کچھ جلدیں ہنوز فروخت کو باقی ہیں۔ عہ۸ اس کی قیمت ہے اگر آپ فرماویں تو میں آپ کے پاس بھیج دوں۔ مگر اس کا اردو میں ترجمہ کرنا اور چھاپنا اب مناسب وقت نہیں ہے۔ وہ زمانہ گیا اور اب زمانہ نہیں ہے کہ ان پرانے قصوں کو پھر یاد دلایا جائے۔

تاریخِ اسلام مصنفہ مسٹر آرنلڈ یورپ میں چھپ رہی ہے بعد چھاپہ ہونے کے ہندوستان میں آوے گی اس کا ترجمہ کرانے کے لئے مسٹر آرنلڈ کی اجازت درکار ہوگی۔ بسبب تعطیل کالج کے مسٹر آرنلڈ پہاڑ پر گئے ہوئے ہیں۔ جب وہ واپس آویں گے تو میں ان سے ذکر کروں گا۔ آپ سے ملنے کو ہمیشہ دل چاہتا ہے مگر فاصلہ اس قدر دور دراز ہے کہ نہ میں آپ کے پاس آسکتا ہوں اور آپ کو ایسے اشغال رہتے ہیں کہ جن سے آپ کو بھی فرصت نہیں ہوتی۔

میں آپ کو اپنا دلی دوست اور معین و مددگار اس قومی کام کا سمجھتا ہوں جس کے انجام پر میں نے اپنی عمر صرف کی ہے اور مجھ کو امید ہے کہ آپ ہمیشہ اس کام کے مددگار رہیں گے۔

اب کے سال محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس شاہجہان پور میں قرار پایا ہے جو حسبِ معمول اخیر دسمبر میں ہوگا اور مجھے امید ہے کہ آپ اس جلسہ میں تشریف لاویں گے اور مجھ سے اور اور احباب سے آپ سے ملاقات ہوگی۔ شاہجہان پور کے جلسہ کے مہتمم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب وکیلِ عدالت قرار پائے ہیں۔ اگر آپ کا ارادہ تشریف آوری کا ہو تو ان سے آپ خط و کتابت فرماویں۔

والسلام علیکم!

خاکسار

سید احمد۔ علی گڈھ ۱۱ ستمبر ۱۸۹۵ء

---

(۱۰)

بنام نواب علی حسن، جوم

مخدوم و مکرم بندہ جناب ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر

بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ بلحاظ اس شفقت اور عنایت کے جو آپ کو میرے حال پر ہے اور بلحاظ اس قومی ہمدردی کے جو مسلمانوں کی ترقی اور بہبودی کی آپ کے دل میں ہے۔ مجھے جرأت ہوتی ہے کہ آپ کی خدمتِ عالی میں ایک ضروری امر التماس کروں۔

آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ دفتر مدرسۃ العلوم کے ہیڈ کلرک نے بذریعہ جعلی چیکوں کے ایک زرِ خطیر زرِ امانت مدرسۃ العلوم میں سے جو بنک میں جمع تھا غبن و تصرف کر لیا جس کے سبب سے نقصانِ کثیر زرِ امانت مدرسۃ العلوم میں ہوگیا۔ اگر وہ غبن و تصرف صرف زرِ امانت ہی میں ہوتا تو صبر کیا جاتا۔ مگر اس غبن و تصرف کے سبب چوالیس ہزار روپیہ بنک کا مدرسہ پر فاضل ہوگیا اور اگر زرِ فاضلات کی ادا کی جلد تر تدبیر نہ کی جاوے تو اس کا سود اس قدر بڑھ جاوے گا جس کا ادا کرنا ناممکن ہوگا اس لئے یہ تجویز ہوئی ہے کہ اس زرِ فاضل کو چندہ باہمی سے جس قدر جلد ممکن ہو ادا کیا جاوے چنانچہ اس کے لئے چندہ کھولا گیا ہے اور احباب اور ٹرسٹیانِ کالج نے قریب دس ہزار روپیہ کے چندہ دینے کا وعدہ کیا ہے اور اور لوگوں نے بھی اس میں چندہ دیا ہے۔ اس لئے میں آپ سے تین امر کی درخواست کرتا ہوں اور امید ہے کہ آپ اس پر توجہ فرمائیں گے۔

اوّل یہ کہ آپ بھی اپنی ذاتِ خاص سے اس نقصان کے پورا کرنے میں کچھ امداد فرماویں تاکہ زرِ فاضل بنک کا ادا

بنام نواب سید علی حسن صاحب

(۶)

جناب مخدومی و مکرمی!

بجواب عنایت نامہ ملتمس ہوں کہ جو آپ کی خوشی ہے اوس کی تعمیل میں ہم سب کو افتخار ہوگا تعمیلِ ارشاد ہوگی۔ بعد نمازِ مغرب ہم سب حاضرِ دولت خانہ ہوں گے اور وہاں سے کھانا کھا کر اسٹیشن چلے جاویں گے۔

خانہ آباد و دولت زیادہ۔ والسلام!

خاکسار: سید احمد ۴ ستمبر ۱۸۹۱ء

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

(۷)

مخدوم و مکرم من جناب ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۱ مارچ اور آج پلندہ جات ظفر البیان کا پہنچا۔ آپ کی عنایت اور نوازش کا اور اس امر کا کہ آپ کو ہر وقت مدرسۃ العلوم کا خیال رہتا ہے ممنون ہوا۔ البیان جو آپ نے عنایت کیا ہے حتی المقدور فروخت کیا جائے گا اور جس قدر قیمت وصول ہوگی مدرسہ میں داخل کی جائے گی۔ نہایت عمدہ مضمون پر آپ نے لکچر دیا ہے۔

جلد تہذیب الاخلاق ۱۳۲۴ نبوی اور جلد کامل ۱۳۲۵ نبوی خدمتِ عالی میں مرسل ہے۔ ۱۳۲۵ کا پرچہ شعبان علیحدہ نہ تھا اس واسطے پوری جلد بھیج دی گئی ہے۔ یہ دونوں جلدیں خاص میری ملکیت ہیں۔ کالج سے ان کو کچھ علاقہ نہیں اس لئے بطور نذر آپ کی خدمت میں مرسل ہیں۔ امید کہ آپ قبول فرماویں گے۔ زیادہ بجز نیازمندی کے اور کیا عرض کروں۔ والسلام!

خاکسار: سید احمد

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

(۸)

جناب مخدومی مکرمی نواب علی حسن خان بہادر بالقابہ!

آپ کے شکوی معلی میں فرزند ارجمند کے پیدا ہونے کی مبارکباد دیتا ہوں۔ خدا اس کی عمر دراز کرے اور آپ کے سایۂ عاطفت میں با اقبال ہو آمین!

ایسی خوشی اور مبارکی میں قوم کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ خدا کا اصلی شکریہ اس کے بندوں کے ساتھ سلوک کرنا ہے پس آپ خدا کے شکریہ میں قومی کام قومی بھلائی میں کچھ عنایت فرمائیے۔ فقط والسلام!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۱۲ مئی ۱۸۹۳ء

(۹)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم خلف والاجاہ نواب صدیق حسن خان صاحب

جناب مخدوم مکرم نواب محمد علی حسن خان بہادر

چند روز ہوئے کہ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۶ اگست میرے پاس پہنچا تھا باعثِ اعزاز ہوا تھا۔ ان دنوں میں بعض امور ایسے درپیش تھے کہ مجھ کو نہایت کم فرصت تھی اس لئے تحریر جواب میں تاخیر ہوئی۔ آپ معاف فرماویں۔ جو الفاظ عنایت اور شفقت آمیز آپ نے اپنے عنایت نامہ میں لکھے ہیں میں ان کا دل سے شکر گذار ہوں۔ مجھ ناچیز کو ایسے الفاظ سے یاد فرمانا جو آپ کے

(۱۴)

بنام جناب محمد عبدالسلام صاحب مرحوم

مخدومی مکرمی محمد عبدالسلام صاحب

آپ کا عنایت نامہ از مقام پرتاب گڈھ پہنچا۔ جو تجویز کہ آپ نے اس میں مندرج کی ہے میں تو اس کو نہایت نامناسب اور محض ناواجب اور سراسر بیجا سمجھتا ہوں۔ والسلام!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۶ جون ۱۸۹۶ء

---

(۱۵)

بنام نواب سیّد علی حسن صاحب مرحوم

مخدوم مکرم من جناب ابوالنصر نواب سیّد محمد علی حسن خان بہادر!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۷ جون پہنچا۔ اوّل تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ کو ہمیشہ مدرسہ کی تائید کا خیال رہتا ہے بعد اس کے سیّد عبدالرب صاحب کا اور ان نیک دل لوگوں کا جنہوں نے سیّد عبدالرب صاحب کے اضافہ کی خوشی میں ایک ایک روپیہ دیا دل سے شکر ادا کرتا ہوں۔ کم مایہ بزرگ جو باوجود اپنی قلت معاش کے کالج کی مدد کرتے ہیں ان کا میں زائد از حد شکر گذار ہوتا ہوں کہ با وصف قلتِ معاش کے قومی مدرسہ کا خیال رکھتے ہیں۔

مبلغ ۵ میرے پاس پہنچ گئے ہیں اور مدرسہ میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ خدا دینے والوں کا بھلا کرے۔

نواب محسن الملک اٹاوہ چلے گئے ہیں ۲۱ جون کو واپس آجاویں گے۔ خطباتِ احمدیہ انگریزی زبان میں موجود ہے۔ ایک جلد خدمتِ عالی میں روانہ ہو رہی ہے۔ پانچ روپیہ اس کی قیمت ہے اور محصول ڈاک اس کے علاوہ۔

میں آپ کی عنایت اور یاد آوری کا مکرر شکر ادا کرتا ہوں۔ والسلام!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۱۹ جون ۱۸۹۶ء

---

(۱۶)

بنام نواب سیّد علی حسن صاحب مرحوم

مخدوم و مکرم من جناب ابوالنصر نواب سیّد علی حسن خان بہادر!

چونکہ مجھ کو آپ کی خدمت میں خالص نیازمندی ہے اس واسطے میں بلا تکلف تین امر آپ کی خدمت میں لکھتا ہوں آپ بھی بلا تکلف ان کا جواب ہاں یا نا کار قائم فرماویں گے۔

امر اوّل یہ ہے کہ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں آپ کو ٹرسٹی مقرر کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ مجھ کو امید ہے کہ آپ میرے بعد بھی کالج کی بہتری اور سرسبزی کا خیال رکھیں گے۔ پس آپ مطلع فرمائیے کہ آپ بخوشی ٹرسٹی ہونا منظور فرماتے ہیں یا نہیں۔

دوسرا امر یہ ہے کہ بسعی منشی امتیاز علی صاحب مرحوم کے جناب عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال نے دس ہزار روپیہ تعمیر مسجد کے لیے عنایت فرمایا تھا اب اس مسجد کی تعمیر کی نوبت پہنچ گئی ہے صرف برج اور مینار اور استر کاری باقی ہے۔ نماز اس میں ہونے لگی ہے اور موذن اور امام وغیرہ اس کے لئے مقرر ہو گئے ہیں اور ایک مولوی صاحب واسطے وعظ اور تعلیم مذہبی کے بمشاہرہ اسی روپیہ ماہوار مقرر ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ پچاس روپیہ ماہواری بطور بخشش حضور عالیہ جناب بیگم صاحبہ کی طرف سے واسطے اخراجات مسجد کے مقرر ہو جائے میں نے اس باب میں مولوی عبدالجبار خان صاحب کو بھی خط لکھا تھا مگر انہوں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ پس آپ کی سعی اس امر میں

کیا جاوے۔

دوسری درخواست یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو حضور جناب بیگم صاحبہ سے بھی اس باب میں عرض و معروض کریں۔ اگر جناب ممدوحہ بھی کچھ عنایت فرماویں گی تو اس وقت میں نہایت مدد پہنچے گی۔

اگرچہ میرا ارادہ تھا کہ حضور جناب بیگم صاحبہ کی خدمت میں بھی کوئی عرضی لکھوں مگر میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ اگر آپ سے اس باب میں کچھ ممکن ہو تو عرض معروض کیجئے۔

تیسری درخواست یہ ہے کہ علاوہ اپنی ذات خاص اور حضور جناب بیگم صاحبہ کے اور لوگوں سے بھی اگر ممکن ہو تو اس امر کے لئے کچھ چندہ وصول کیجئے۔ آپ کی کوشش اور سعی سے امید ہے کہ کچھ نہ کچھ وصول ہو جائے گا۔ والسلام علیکم!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۱۲ رجون ۱۸۹۶ء

---

(۱۱)

بنام نواب سید علی حسن مرحوم

جناب مخدوم و مکرم معظم من ابوالنصر نواب سید محمد علی حسن خان بہادر!

محمد یعقوب علی صاحب احکام نگار روبکاری جناب کا خط مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۸۹۶ء معہ نصف قطعہ نوٹ ہائے تعدادی ایکہزار روپیہ جو آپ نے ازراہِ فیاضی و شفقتِ بزرگانہ بتلافیِ نقصانِ کالج عنایت فرمایا ہے میرے پاس پہنچا۔ میں آپ کی عنایت اور نوازش کا دل سے شکر ادا کرتا ہوں اور شکر ادا کرتا رہوں گا اور یہ عریضۂ نیاز بطور رسید نصف قطعۂ ثانی نوٹ مذکور خدمتِ عالی میں مرسل ہے۔

والتسلیم مع التعظیم!

خاکسار

سید احمد۔ علی گڈھ ۱۰ ستمبر ۱۸۹۶ء

---

(۱۲)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

جناب مخدوم و مکرم معظم من!

آپ کا عنایت نامہ پہنچا میں نے مولوی صاحب سے کتاب کے ترجمہ کی بابت کہا تھا انہوں نے کہا کہ میرے پاس نہیں ہے میری رائے میں ان سے کسی قسم کی کوشش کی توقع نہیں رکھنی چاہیے بلکہ وہ اس کتاب کو پسند نہیں کرتے پس آپ کو جہاں سے مل سکے تلاش کیجئے ان سے کچھ توقع نہ رکھئے۔ والسلام!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۱۵ نومبر ۱۸۹۶ء

---

(۱۳)

بنام نواب سید علی حسن

مخدومی و مکرمی ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۸ نومبر پہنچا ممنونِ یادآوری ہوا آپ کی خیر و عافیت و صحتِ مزاج سے طمانیت ہوئی۔ منشی امتیاز علی صاحب کے انتقال کا افسوس ہے۔ خدا کرے کہ جناب عالیہ بیگم صاحبہ کو کوئی ایسا وزیر مل جاوے جو ملک کی اور قوم کی بھلائی کر سکے اور باعثِ نیکنامیٔ ریاست اور حسبِ مرضی و پسند جنابِ عالیہ ہو۔ خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ ایسا ہی شخص ریاست کو مل جاوے۔

آپ کی یادآوری کا شکر گزار ہوں۔ والسلام علیکم!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۲۰ نومبر ۱۸۹۶ء

محمد حسین آزاد

(۱)

بنام محمد نوح رضوی مچھلی شہری

آپ کے حب الوطن کا خیال قابل ہزار تعریف کے ہیں اور یہ عنایت خاص جو بندۂ آزاد کے حال پر مبذول ہوتی ہے اس کا تو شکریہ ادا ہی نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں اپنی طبیعت کا حال کیا بیان کروں۔ آپ تصویر منگاتے ہیں، میرا یہ حال ہے کہ کئی برس ہوئے آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ کبھی آئینہ سامنے آ جاتا ہے تو اپنے آپ کو پہچان نہیں سکتا۔ جو شخص خود اپنی صورت دیکھ کر شرمائے اسے فوٹوگراف اتروانا اور تصویر کو اس عالم شہیر کرنا کب گوارا ہو گا۔

دو برس ہوئے ایک دوست رسنے میں سے بہانہ کر کے مجھے لے گئے اور میری تصویر اتروائی۔ اگرچہ رنج ہوا مگر پھر شکرِ خدا کیا کہ الحمدللہ اسے صحیح الاعضا اور سلیم الصورۃ پیدا کیا ہے اور رکھا ہے۔ حقیقتاً اب میں اپنا حال کیا عرض کروں۔ ڈیڑھ مہینے کے بعد آج انشاء اللہ نہانے کا ارادہ ہے، اگر خدا پورا کرے۔ کیا کروں فرصت نہیں ہوتی اور جو وقت بچتا ہے کہتا ہوں کہ چار سطریں لکھوں گا۔ نہانے کو پھر دیکھ لیا جائے گا۔ آج کل دربارِ اکبری لکھ رہا ہوں۔ اس میں اکبر کے امرائے دربار کا حال آپ اسی طرح پڑھیں گے جس طرح آبِ حیات میں شعرائے اردو کا۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ ہر ایک امیر کے حال کے بعد اس کی تصویر بھی ہو۔ چند تصویریں بہم پہنچائی ہیں مگر بعض اب تک نہیں ملیں۔ اگر آپ کے ذریعہ سے ممکن ہو تو ضرور مطلع فرمائیں۔

محمد حسین عفی عنہ - فروری ۱۸۸۲ء

---

(۲)

بنام میجر حسن حیدرآباد

جنابِ من! ادام اقبالکم و حفظ اللہ امالکم!

تسلیم۔ آپ کا مرحمت نامہ تو پہنچا مگر اس نے رنج کو دوبالا کیا۔ کیونکہ نہایت دل شکستگی پائی جاتی تھی۔ بے دل ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔ مولیٰ اسد اللہ الغالب موجود ہیں۔ انشاء اللہ پہلے سے اچھا ہو گا۔ میں نے انہیں احتیاطاً کچھ نہیں لکھا۔ آپ لکھ بھیجئے گا کہ رجوعِ قلب سے عرض کرتے رہیں، سب مشکلیں آسان ہوں گی۔

کچھ کارگر ہوسکتی ہے یا نہیں۔ اگر کارگر ہوسکے تو سعی فرمائیے اور اگر کارگر نہ ہوسکے تو خیر۔

تیسرا امر یہ ہے کہ میں آپ کی عنایت کا اور نیز ان دوستوں کی عنایت کا جنھوں نے واسطے تلافی نقصان کالج کے چندہ دیا، دل سے شکر ادا کرتا ہوں لیکن فاضلات بنک کی اب تک قریب پچیس ۲۵۰۰۰ ہزار روپیہ کے باقی ہے اس کی ادا کے لئے میں چاہتا ہوں کہ چند دوست مل کر بقدر اپنی حیثیت کے روپیہ بطور قرض بلا سود دیں پانچ برس کی میعاد پر اور میں ان کو دستاویز لکھ دوں گا اور بنک سے طمانیت کرادوں گا کہ تاریخ معینہ پر بنک سے روپیہ مل جاوے گا۔ ہم کو ۱۲ روپیہ سیکڑہ کے حساب سے زر فاضلات سود دینا ہوتا ہے اور جس کی نہایت زیر باری ہوتی ہے۔ ہمارے پرامیسری نوٹ جس قدر بنک میں جمع ہیں ان کا سود ۱۴۵۲ سالانہ ملتا ہے جو اس قرضہ کی ادا کے لئے بنک میں جمع ہوتا رہے گا۔ پس پانچ برس کے اندر ۱۲۲۶۴ صرف سود پرامیسری نوٹوں کے ہو جاویں گے سر سالار جنگ مرحوم کی جاگیر میں سے جو روپیہ کالج کو ملتا تھا وہ چند روز سے رک گیا تھا مگر اب اس کے ملنے کا حکم ہو گیا ہے اور حصہ ہمارا واجب الطلب ہے وہ یکمشت ملے گا۔

جن دوستوں نے نقصان کے پورا کرنے کے لئے چندہ لکھا ہے منجملہ اس کے ۱۲۵۵ روپیہ وصول ہونا باقی ہے جو وصول ہو جاوے گا۔ ڈیڑھ سو ۱۵۰ روپیہ ماہواری ایک دوست واسطے پورا کرنے نقصان کالج کے دیتے ہیں جو پانچ برس کے عرصہ میں نو ہزار ۹۰۰۰ روپیہ ہو جاویں گے۔ مجموعہ ان کل رقومات کا بتعداد ۲۸۹۲۹ ہوتا ہے۔ پس ہم بآسانی میعاد معین پر کل زر قرضہ ادا کر دیں گے بلکہ اس سے پیشتر۔ پس آپ ایسی کوشش کر سکتے ہیں کہ حضور عالیہ بیگم صاحبہ ہم کو کچھ روپیہ قرض دیں یا آپ اپنے پاس سے اور اپنے احباب سے ہم کو کچھ روپیہ قرض دلا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کا صاف جواب بلا کسی تکلف کے لکھ دیجئے گا۔ میں نے اور چند دوستوں کو بھی خطوط لکھے ہیں۔ کیونکہ کسی ایک شخص سے پچیس ہزار روپیہ ملنا غیر ممکن ہے لیکن اگر دس بارہ دوست بقدر اپنے مقدور کے قرض دینا چاہیں تو جمع ہو جانا ممکن ہے۔ اس عرصہ میں خط لکھ چکا تھا کہ آپ کا عنایت نامہ بذریعہ ڈاک میرے پاس پہنچا۔ اس کا جواب کل یا پرسوں میں آپ کو لکھوں گا۔

اور میں ہر طرح سے جو تعلیم کا کام آپ اٹھانا چاہتے ہیں دل و جان سے اس میں مدد دینے کو موجود ہوں۔ والسلام علیکم!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڑھ ۱۴ جولائی ۱۸۹۰ء

ہیں اگست ستمبر کی چھٹیاں بھی اسی میں گذر جائیں گی۔

ابراہیم انشاء اللہ ۸، ۱۰ دن میں رڑکی کو روانہ ہوگا کیونکہ یکم مئی سے جماعت کھلے گی اور کوئی بات قابلِ تحریر نہیں ہے مگر دعا و التماس دعا!

آزاد - لاہور بنگلہ ایوب شاہ ۱۶ را پریل ۱۸۸۴ء

---

(۵)

بنام نامعلوم

عزیز من زاد اللہ انسا بکم!

بعد از دعا ہائے فراواں معلوم باد۔ تمہارا محبت نامہ پہنچا۔ اس لئے باعث مسرت ہوا۔ مجھے تو خبر ہی نہ ملی۔ خدا انہیں صحت دے۔ گھبراؤ نہیں، علاج کرتے رہئے۔ انشاء اللہ شفا ہوگی۔

میرا حال بدستور رہے، مدرسہ کا حال یہ ہے کہ حضور سائم صاحب بہادر پرنسپل بھی ہیں اور انسپکٹری حلقہ لاہور کی بھی فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر سٹلپ ناگل صاحب انسپکٹر حلقہ انبالہ ہو کر شملہ تشریف لے گئے ہیں۔ ان کی جگہ ایک صاحب عارضی طور پہ تشریف لائے ہیں۔ کوب صاحب ان کا نام ہے یہ بھی عالم ہیں اور بڑے شوق سے پڑھاتے ہیں۔ ماسٹر بھیروی پرشاد؟ اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ ماسٹر ساگر چند بشرح ایضاً بابو شانتی بھوشن بشرح ایضاً مگر مستقل۔

بس اور کیا لکھوں۔ اپنی علالت کی طرف سے تم ہرگز گھبراؤ نہیں انشاء اللہ عنقریب دوا پہنچتی ہے والدعا و التماس دعا!

محمد حسین عفی عنہ، پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور

؎ اگر تیرا علی مشکل کشا ہے　　تجھے پھر کون سی مشکل ہے اے تیر

میں گنہ گار روسیاہ کس منہ سے کہوں کہ دعا کرتا ہوں۔ خیر جو کچھ ہے خدا قبول کرے۔ دنیا کے اعتبار سے اتنا ہوا کہ جہاں جہاں ہو سکا خیالات کو بدلا، جہاں جہاں ہو سکا قلم کو رسائی دی ہے۔ جو کچھ خدمت میں پہنچتا ہے ملاحظہ فرمائیے گا۔ میرے پاس کیفیت احوال کے پہنچنے کا کوئی رستہ نہیں، آپ ہی کوئی تسلی نامہ لکھیں تو لکھیں اگرچہ غیروں کو اس بات کا یقین نہ آئے لیکن غالباً آپ کے دل پر اس فقرہ کا اثر ہوگا کہ مجھے شاید ہی کچھ آپ سے کم رنج ہو۔ میں رویا اور میں نے اور میرے میاں نے اس مرحوم کی نماز ہدیہ میت پڑھی۔ مجھے امید نہیں کہ ان کے بیٹوں نے پڑھی ہوگی۔ حضرت آپ ہم لوگوں کو نہیں جانتے آپ کے جدّ جانتے ہیں۔ ہم کچھ اور لوگ ہیں۔ اللہ ان کے صدقے سے، ان کی خاکِ آستاں کے صدقے سے، ان کے کتوں کے صدقے سے خیر و برکت شاملِ حال رکھے اور فی الحال تو میری عرض ہے کہ خدا آپ کی بات کو بنا دے۔ فقط والدعا ر بالتماس الدعاء!

آزاد - ۱۵ر فروری ۱۸۸۳ء

(۳)

جنابِ من[1]!

تسلیم۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ۔ قد رجع الحق علیٰ مکانہ۔ کل اخبار میں اس خبر کا ظہور دیکھا جس کا آپ نے ...... میں ہونا بیان کیا تھا۔ چاہا تھا کہ مولوی صاحب (یعنی آپ کے بھائی صاحب) کو مبارکباد لکھوں۔ پھر سمجھا کہ آپ کو لکھنا، انہی کو لکھنا ہے۔ اچھا اب پروردگار عالم استقلال اور خیر و برکت کے ساتھ مبارک کرے۔ دل بہت چاہا کہ حاضرِ خدمت ہوں مگر کالج میں سماہی کا امتحان ہو رہا ہے ۱۸ر پیر کے دن عربی و فارسی کا امتحان ہے۔ مجھے ۷ جماعتوں کے لئے سوالات بنانے ہیں۔ کچھ بنا لئے ہیں کچھ کل بناؤں گا۔ ۳، ۴ دن کے بعد چھٹیاں آنے والی ہیں۔ انشاء اللہ ان میں ایک دن حاضر ہوں گا اور نعمان لنکران کو بھی ساتھ لیتا آؤں گا۔ والتسلیم بالاذا الکریم والتماس دعا!

محمد حسین آزاد۔ لاہور، بنگلہ ایوب شاہ ۱۶ر فروری ۱۸۸۴ء

(۴)

بنام میجر حسن حیدر آباد

جنابِ من!

تسلیم۔ پرسوں شفق کے ۳ پرچے ایک ہی لفافہ میں پہنچے۔ کل صبح کی ریل میں روانہ کئے ہیں رسید ضرور عنایت فرمائیے گا۔ خدا کرے پہنچیں کہ شفق کی طرح سرخرو ہوں۔ ڈاک کا مطلق اعتبار نہیں، روز نقصان اٹھا رہا ہوں۔ قومی جنگ کوئی صاحب عرض بیگی ہیں انہوں نے بڑی محبت سے ایک خط لکھا اور راو تصنیفات طلب فرمائے۔ میں نے نیرنگِ خیال بھیجے۔ ۲۰ دن کے بعد خط آیا کہ کتاب نہیں پہنچی۔ فرمائیے ۳ر کی کتاب پر ۲ر رجسٹری کے دیتا تو آپ کو کیا جواب دیتا۔ دمڑی کی بڑھیا ٹکا سر منڈائی۔ نوکری کا ابھی تک فیصلہ نہیں ہوا۔ یونیورسٹی لیت و لعل کر رہی ہے اور کہتی ہے کہ ہم تجویز کر رہے ہیں۔ بہت خوب اور بھی اچھا میری تحقیق ہے قصص

[1] یہ مکتوب غالباً میجر سید حسن بلگرامی کے نام ہے، وہ افسر رہیں تھے۔ مولانا محمد حسین آزاد انہی کو "جنابِ من" یا "اعلیٰ جنابِ من" کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔ نیز انہی کے نام ایک خط مرقومہ ۲۳ر فروری ۱۸۸۴ء میں "نعمان لنکران" کے ارسال کا ذکر ہے (مکتوبات آزاد طبع ثانی ص۲۵)

خیال میں نہیں آتی کہ تمہاری پریشانی رفع کردں، تم میری پریشانی مٹانے کے لئے جواب مفصل مجھے لکھو کہ سکون خاطر ہو۔ فقط

۳۱ دسمبر ۸۸ء امیر فقیر عفی عنہ

اس رقعہ کو ضائع نہ کرنا یا واپس کر دینا یا احتیاط سے رکھنا۔

(۳)

بنام مرزا داغ دہلوی

مصدرِ لطفِ اتم۔ قدیمی مکرم سلامت۔ سلام مسنون اخلاص مقرون۔ مدت کے بعد نوازش نامہ[1] آیا۔ ممنون یاد آوری فرمایا۔ بندہ نواز، مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی خط کا جواب قلم انداز کیا ہو۔ یہ میرے مقدر کی نارسائی کہ خط نہ پہنچا ہو۔ بہرکیف جرم ناکردہ کا عذر خواہ ہوں۔ اخبار گورکھپور میں دیکھا کہ آپ کا مخاطب بخطاب استاد السلطان ہونا اور سات سو روپیہ مشاہرہ مقرر ہونا چھپا۔ یہ دیکھ کر نہایت مسرور ہوا تھا۔ مگر اس تحریر[2] میں ان دونوں اعزازوں کا ذکر نہ تھا۔ اس وجہ سے وہ سرور کھٹک گیا۔ عزت افزائی جو سرکار دولت مدار نے تلمذ سے فرمائی وہ میرے سرور اور آئندہ ترقیوں کی امیدوں کو بڑھا رہے ہیں۔ خدا جلد ظہور میں لائے۔

شکایت جو آپ نے "صنم خانۂ عشق" دیوان دوم کے نہ پہنچنے کی لکھی ہے۔ وہ دیوان چھپا کہاں؟ ورنہ ممکن تھا کہ نہ پہنچتا؟ تالیفات کہنہ کا حضور میں آپ کے واسطے سے نہ پہنچنا معاذ اللہ اس وجہ سے نہ تھا کہ آپ نے رشک و حسد سے نہ گزرانیں۔ افسوس کہ اتنی مدت تک یکجائی اور میری طبیعت کی صفائی دیکھ کر بھی آپ کو بدگمانیاں باقی ہیں۔ میاں بوڑھے ہو گئے ہو، یہ شیوہ چھوڑ دو کہ زبردستی رکاوٹ کے لئے ایک بات قرار دی ہے۔

اوّل[3] تو میں خطاب لینے ہی کے قابل اپنی قابلیت کو نہیں سمجھتا۔ اور پھر درخواست دے کر خطاب مانگنا یہ تو بالکل پسند نہیں۔ میاں، اب تو وہ وقت آگیا کہ مرحوم و مغفور کا خطاب بارگاہ شہنشاہ حقیقی سے عطا ہو۔ کوئی اور حوصلہ نہیں ہے۔

آپ کا تازہ کلام دیکھ کر جی خوش ہو جاتا ہے۔ میں کہتا کیا ہوں جو بھیجوں۔ جی افسردہ رہتا ہے۔ کبھی کسی گلدستے والے کے اصرار سے کچھ بکتا ہوں تو وہ چھپ جاتا ہے۔ یہ فراغتیں چشم بد دور آپ کے واسطے ہیں کہ شعر کے سوا کوئی فکر نہیں۔ خدا جمعیت خاطر بڑھائے۔

ارے[4] یار، استاد السلطان ہونے کی مٹھائی تو لاؤ۔ یا "استاد" یا "استاد" برسوں کہا گیا ہے۔ اب جو

---

[1] ۱۸۹۱ء میں نظام دکن میر محبوب علی خاں نے مرزا داغ کو "استاد السلطان" کا خطاب دیا۔ اخباروں میں اس کا تذکرہ چھپا۔ امیر مینائی نے بھی دیکھا۔ اُن ہی دنوں میں مرزا داغ کا خط امیر کے پاس آیا۔ لیکن انہوں نے اپنے خطاب و اعزاز کا ذکر نہ لکھا تھا۔ اس خط کے جواب میں امیر صاحب نے یہ خط لکھا۔

[2] یعنی مرزا داغ کے خط میں۔

[3] مرزا داغ نے اپنے خط میں امیر صاحب کے خطاب کے متعلق استفسار کیا ہوگا۔ اس کا جواب ہے۔

[4] اس بے تکلفی اور خلوص کا کیا کہنا!

امیر مینائی

(۱)

<u>بنام منشی محمدؐ عسکری وسیم ترمذی خیرآبادی</u>

نورچشم من - کل قطعات تاریخ بھیج چکا ہوں - ایک قطعہ تاریخی اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے، اس کے بعد خیال آیا کہ نام سے تاریخ پیدا کی جائے - اس وقت ایک صورت سے موزوں ہوئی اس کو بھی لکھے بھیجتا ہوں اگر یہ قطعہ پسند ہے تو خیر ؎

خفت کہ بانو بخاک و کتخدا شد سینہ چاک   طالعش در گردش از دور نجوم آمد کنوں

سال مرگ از نام آں مرحومہ پیدا کرد امیرؔ   در ریاض فاطمہ باد سموم آمد کنوں

۱۲۹۹ = ۱۵۳ "۲۹

چاہیئے کہ رسید دونوں تاریخوں کی اور کیفیت پسند اور ناپسند سب عزیزان و یاران انجمن کے لکھ بھیجئے اور جس تاریخ کا کندہ ہونا قرار پائے اس سے بھی اطلاع دیجئے - میرے ایک شفیق سخنور شیرازی میرے پاس تشریف رکھتے تھے - انہوں نے اس تاریخ کو پسند کر کے دو مصرعے اوّل کے اس طرح موزوں کیئے

اندریں ماتم سرا نادیدہ چشم روزگار   ماتم زنیساں کہ از دور نجوم آمد کنوں

۱۲ ربیع جمادی ۱۸۸۳ء   راقم آثم امیر احمد از رام پور

(۲)

<u>بنام جناب سید محمدؐ عسکری صاحب وسیم ترمذی خیرآبادی</u>

میاں وسیم - تمہاری پریشانی سے مجھ کو بھی پریشانی ہوئی - سوائے کام چھوڑ کر چلے جانے کے اور جو بات امکانی ہو تم مجھ کو بتاؤ تو وہ میں کروں - میں کسی حالت میں اپنے عزیز اپنے دوست کا نقصان نہیں چاہتا مگر تم خود سمجھتے ہو کہ (امیر اللغات کا) ایک حصّہ مکمل ہو جانے تک تمہارے جانے سے اس کام کو نقصان سخت پہنچے گا آئندہ تم کو اختیار ہے، تم بجائے خود خوب سوچ کر جو درخواست قابل قبول ہو - مجھ سے کرو اس میں میں حاضر ہوں اور تمہاری راحت سے بہ حلف لکھتا ہوں کہ مجھے راحت ہوتی ہے اور تمہاری تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے کفاف تمہارا ؟ کم ہے اور اب مجھے پسند نہیں کہ تمہارا کفاف ترقی نہ کرے - آیندہ سے میں تم کو معہ تنخواہ خادم وسہ ماہوار کے دوں گا - اور تمہارے پاس سے یہ خط نہ آتا تو بھی میرا یہ قصد حتماً تھا - اس سے زیادہ کوئی فکر مرے

کہی۔ جسے خوشخط لکھوا کر تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ بہت جلد اچھے صاحب کی خدمت میں پہنچاؤ۔ اور کہو کہ مہربانی کر کے سرکار عالیہ متعالیہ کے ملاحظے سے گزرانیں۔ اور جو کیفیت ہو اس سے آگاہ کرو۔ یہاں خیریت ہے۔ کئی روز ہوئے تمہارے خط کے جواب میں ایک تحریر بھیج چکا ہوں۔

امیر فقیر ۲۴ ستمبر ۱۸۹۶ء

وہ رباعی یہ ہے :۔

رباعی

کب ہے یہ خدائی کارخانہ خالی حاتم سے نہیں کوئی زمانہ خالی
معمور ہے گنجینۂ دل ہمت سے ممکن ہی نہیں کہ ہو خزانہ خالی

بنام ولؔ شاہجہان پوری

(۷)

محبی ضمیر سلمہ القدیر۔ پندرہ بیس دن ہوئے کہ ایک نوجوان کشیدہ قامت کوئوں کے تاجر شاید عبدالقدیر ان کا نام ہے۔ شعر بھی کہتے ہیں اور اس تجارت کا کارخانہ ان کا رونق پر ہے، یہاں کے سوداگری طلب پر کوئے لائے تھے اور مجھ سے بھی مل کر کچھ اپنے شعر سنائے تھے تمہاری خیر و عافیت بھی میں نے ان سے پوچھی تھی۔ غالب ہے کہ ان سب پتوں سے تم ان کو پہچان گئے ہو گے ان سے مل کر میری طرف سے کہو کہ کوئے بھیجنے کا وعدہ اب تک وفا نہ ہوا۔ اب فی العور حسب وعدہ سچے اعلیٰ کے کوئے پختہ جو چٹکتے نہ ہوں میرے پاس بھجوا دیں میں نے ان کے بھروسے پر یہاں کوئوں کا بندوبست نہیں کیا۔ اور جو کچھ وہ کہیں اور جو بات قرار پائے اس سے مجھے مطلع کرو اپنے بزرگوں کو میری طرف سے سلام مسنون پہونچا دو۔ مکرمی منشی ظہور خاں صاحب اور مخدومی جناب حافظ صاحب قبلہ کی خدمت میں سلام و نیاز عرض کرو۔

امیر فقیر رام پور ۴ جنوری ۱۸۹۷ء

بنام منشی امتیاز احمد خانصاحب رازؔ رامپوری

(۸)

ایک مرتبہ موسم سرما میں حضرت امیرؔ مینائی نے پیارے خانصاحب رازؔ سے فرمایا کہ اپنے علاقے سے کچھ کھورا[1] اور اُپلے بھیج دینا۔ جب تعمیل ارشاد میں تاخیر ہوئی تو اس طرح یاد دہانی کرتے ہیں :۔

رام پور۔

پیارے رازؔ۔ ایک مطلع تھرتھراتے ہوئے دل سے کہا ہے اور کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے لکھا ہے سنو اور اس کی قدر کرو :۔

نہیں کچھ تاپنے کو، دست و پا سردی سے اکڑے ہیں
نہ کھورا ہے، نہ کنڈے ہیں، نہ سینٹھے ہیں، نہ کوئے ہیں

امیر فقیر ۱۲ دسمبر ۱۸۹۷ء

---

[1] لکڑی کی چیلن یا چھوٹے ٹکڑوں کو کھورا کہتے ہیں۔

وہ وقت آیا تو اُستاد کی شیرینی ندارد۔ امید ہے کہ کبھی کبھی رسم رسل و رسائل رہے۔ میں ابتدا سے تمہارا دوست اور خیر خواہ ہوں۔ میری طرف سے گمان فاسد نہ کیا کرو۔ زیادہ کیا لکھوں۔

۳۱ مارچ ۹۱ء   امیر فقیر

(۴)

بنام دل شاہجہانپوری

محبی سلام مسنون۔ آپ کے اکثر مہربانی نامے آئے اور افسوس ہے اپنی معذوریوں کی وجہ سے جواب نہ دے سکا۔ حبس بول کا دورہ اب کے سخت پڑا جس میں دو مرتبہ قاثاطیر سے کام لیا گیا۔ خون کئی روز تک آیا۔ اب اللہ کی عنایت سے افاقہ ہے۔ امید ہے کہ آپ اپنی خیریت سے کبھی کبھی مسرور کرتے رہیں گے۔ ادھر سے اگر جواب میں تاخیر ہو تو مجھے رنجور و معذور سمجھ کر بے التفاتی پر محمول نہ کریں۔

رام پور ۶ نومبر ۱۸۹۳ء   امیر فقیر

(۵)

بنام دل شاہجہان پوری

محبی سلام مسنون۔ دعائے مشحون بہت سے گرامی نامے آپ کے آکر باعث شکر گزاری ہوئے۔ رنجوری و معذوری نے مجھے جواب دینے سے محروم رکھا۔ اس وقت ۲۸ اپریل کا کارڈ پیش نظر ہے۔ اس کا جواب سنئے۔ چلمن نہ فارسی ہے نہ عربی اس کی اضافت فارسی کی ہرگز جائز نہ ہوگی جانب متھرا اس کے لئے سند نہیں متھرا علم ہے شہر کا نام ہے اس کا ترجمہ عربی فارسی میں کیا ہوگا۔ لہٰذا یہی لفظ ترکیبوں کے ساتھ بلا تردد باندھئے آپ کا مصرع جس میں پس چلمن ہے یوں اصلاح ہو سکتی ہے۔

دلِ صد چاک میں دیکھا رُخِ روشن اُن کا   ہم نے نظارہ کیا ڈال کے چلمن اُن کا

آپ ہر خط میں اپنی غزل طلب کرتے ہیں۔ آج میں نے امکان بھر تلاش کی نہیں ملی ورنہ دیکھ کر بھیجتا۔ مختلف کلام کثرت سے جمع ہے اس میں کہیں بے ترتیبی سے اِدھر اُدھر ہو گئی ہوگی جواب ڈھونڈنے سے نہیں ملتی اطلاعاً آپکو لکھدیا

رام پور ۲ مئی ۱۸۹۵ء   امیر فقیر

(۶)

بنام منشی امتیاز احمد خاں صاحب راز رامپوری

پیارے[۱] راز عمردراز۔ خزانہ خالی ہونے کا جو ذکر تم نے کیا۔ اِس عذر کے مرتفع کرنے کے لئے میں نے رُباعی

---

۱ منشی امتیاز احمد خاں صاحب راز رامپوری مرحوم (عرف پیارے خاں) امیر مینائی کے شاگرد رشید تھے۔ ریاست رام پور میں حضرت امیر کے قریب ہی رہتے تھے۔ مستاجر تھے۔ یعنی سرکاری دیہات کا ٹھیکہ لیتے تھے۔ حضرت جلیل مرحوم کے ساتھ دفتر امیر اللغات میں بھی راز صاحب نے کام کیا ہے حضرت امیر جب ان کو خط لکھتے تھے تو راز صاحب کے عرف (پیارے) کی مناسبت سے القاب میں کبھی "پیارے راز" کبھی "پیارے پیارے" لکھتے تھے ایک مرتبہ جناب پیارے خاں صاحب راز ریاست بھوپال میں تھے۔ حضرت امیر مینائی نے بیگم صاحبہ بھوپال کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر پیش کرایا تھا بیگم صاحبہ نے پسند کیا اور فرمایا کہ قحط کے سبب سے خزانہ خالی ہے ورنہ اس کا معقول صلہ دیا جاتا۔ یہ جواب امیر صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے ایک رباعی لکھ کر راز صاحب کو بھوپال بھیجی کہ سرکار میں پیش کردیں۔

بنام دل شاہجہانپوری

(۱۲)

محبی و شفیقی - سلام مسنون - مدت کے بعد آج آپ کی غزل دیکھنے کی نوبت آئی - معاف کیجئے گا بیمار تھا - ایک دنبل نے جو ران میں نکل آیا تھا مہینوں مجھے بستر معذوری سے اُٹھنے نہ دیا - آپ کے بہت سے عنایت نامے آئے - سخت انفعال ہے کہ جواب بھی میں نہ دے سکا - اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور دلنوازی کی توفیق اس سے زیادہ عطا فرمائے - حافظ صاحب کی فارسی غزل دیکھ کر جی خوش ہوا مگر مجھ میں مصرع لگانے کی فرصت اور اطمینان کہاں - آپ حافظ صاحب کی خدمت میں میرا حال تمام و کمال عرض کر کے میری طرف سے معذرت کر دیجئے کہ وہ کسی طرح ناخوش نہ ہوں - فقط

امیر فقیر　　　　۲۹ جولائی رام پور

بنام دل شاہجہان پوری

(۱۳)

محبی سلام مسنون - غزل آپ کی دیکھ کر بھیجتا ہوں - مجھے اس زمانے میں حبس بول کے متصل دورے پڑے تا تاثیر کی بار بار اذیت اُٹھانے میں بالکل چور ہو گیا - یہی وجہ ہے کہ آپ کی غزل دیکھنے اور آپ کے خطوط کا جواب دینے میں اس قدر تاخیر ہوئی - زمین بہت تنگ تھی اس پر بھی آپ نے بہت زیادہ شعر کہے اور اچھے کہے عیوب سے پاک کرنے کی نظر سے کچھ شعر نکال کر مختصر رہ گئے ہیں اب بھی سترہ شعر ہیں بہت ہیں - تیروں کا گنجان ہو کر بیٹھنا زبان نہیں ہے - درخت آبادی اور خطہ کی نسبت گنجان کہا جاتا ہے - بہت سفید قسم اعلیٰ قند کی چائے کے واسطے ضرورت ہے - معلوم نہیں شاہجہان پور میں اس کا آج کل کیا نرخ ہے آپ تحقیق کر کے لکھئے بلکہ تھوڑا سا قند بطور نمونہ بھیجئے تاکہ آئندہ بقدر ضرورت آپ کو بھیجنے کی تکلیف دی جائے -

رام پور ۲۲ ستمبر　　　　امیر فقیر

بنام دل شاہجہان پوری

(۱۴)

عزیز از جان من منشی ضمیر حسن سلمکم اللہ تعالیٰ - دعائے صلاح و فلاح دارین محبت نامہ سعادت شمامہ آیا - شکر کی تھیلی بھی پہنچی - دونوں نے مرہون منت کیا - حق تعالیٰ سعادت و لیاقت کے ساتھ تم کو شاد و آباد رکھے اور عمر و اقبال میں ترقی دے ؎

از دست امیر بے نوا ناید ہیچ
جز آنکہ بصدق دل دعائے بکند

مجمع محاسن فراواں مکرم و محترم ظہور خاں کی خدمت گرامی میں سلام مسنون و اخلاص مشحون پہنچے - مجتبیٰ و عزیزی حافظ جلیل حسن اور سعید سرمد قرۃ العین مسعود احمد با وجب رساں ہیں -

امیر فقیر

بنام احسن مارہروی

(۹)

دلنواز فن سید علی احسن صاحب۔

کارڈ آیا ممنون یاد آوری کیا۔ گلدستے کی ترتیب اور طبع کو میری غزل پر موقوف نہ رکھئے۔ میری طبیعت اچھی نہیں اور میرے گھر میں کئی عزیز بیمار ہیں۔ میں غزل نہیں کہہ سکتا۔ آئندہ پھر کسی زمین میں موقع ملے گا تو کہوں گا فقط۔ جلیل کی طرف سے سلام نیاز۔

۲۳ر جون ۹۸ء		امیر فقیر

بنام دل شاہجہانپوری

(۱۰)

سعادت ضمیر پیارے ضمیر اللہ تعالیٰ تمہاری عمر و اقبال و سعادت مندی و کمال میں برکت دے۔ محبت اور اخلاص سے لبریز تمہارا خط اس وقت آیا اور مجھے محظوظ کیا۔ اس کا مجھے بھی افسوس ہے کہ نور چشم مسعود احمد تم سے اپنا وعدہ پورا کئے بغیر شاہجہاں پور سے واپس آئے۔ ان کو اس میں سخت معذوری و مجبوری پیش آئی۔ شاید آپ نے بھی سنا ہو گا کہ حضرت مولانا محمد شاہ کی طبع ہمایوں دفعتاً ناساز ہو گئی ضیق النفس کا سخت دورہ پڑا کہ وہ جلسۂ ندوہ میں بھی شریک نہ ہو سکے اور بعد از حال ایسی حالت ہو گئی کہ قبل اختتام ندوہ ان کے رفقا کو واپس آنا پڑا یہ ممکن نہ تھا کہ مسعود احمد جناب مولانا سے جدا ہو کر ایسی حالت میں وہاں رہ جاتے اور آپ سے مل کر آتے ان کو خود بھی انتہا کا افسوس ہے اور کمال خجالت ہے لیکن ان کی معذوری ہر طرح قابل قبول ہے اور ان کا اس طرح چلا آنا ہر گونہ قابل عفو ہے۔ زیادہ تر تاسف یہ ہے کہ جناب قبلہ حافظ صاحب کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے جن کے شرف ملازمت کا میں بھی آرزومند ہوں اللہ تعالیٰ ان کے مقدس انفاس میں برکت دے ان کی شفقت بزرگانہ اور تمہاری محبت مخلصانہ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ بندہ نوازی کے لئے جو شیرینی تیار کرائی گئی اور تہیۂ ضیافت کیا اس کا شکریہ میری طرف سے قبول کیا جائے۔ جناب حافظ صاحب کی خدمت میں میری یہ تحریر پیش کر دو اور میری طرف سے نیز مسعود احمد کی جانب سے سلام سپاس بکمال خلوص عرض کرو۔ زیادہ کیا عرض کروں غالباً مسعود احمد بھی معذرت آپ کو لکھیں گے۔ محبی منشی ظہور خاں صاحب کو میرا سلام نیاز کہو۔ مسعود احمد آپ سب صاحبوں کے حسن اخلاق کے نہایت معترف ہیں۔ میرے امراض کی حالت بدستور ہے اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں شکر ہے اپنی خیریت سے جلد جلد مطلع کرو۔ والسلام

رامپور ۲۱ر اپریل ۱۸۹۹ء		امیر فقیر

بنام دل شاہجہانپوری

(۱۱)

محب من سلام دعا۔ کارڈ آیا۔ ممنون و مسرور کیا۔ جواب ملاحظہ ہو۔ چلمن ہندی ہے۔ دامن نکلنا، گریباں نکلنا، آستیں نکلنا ہر ایک صحیح ہے۔ کسی کا شعر ہے۔

گریباں کو میں روکوں یا سنبھالوں اپنے دامن کو		بڑی مشکل تو یہ ہے ساتھ ہی دونوں الجھتے ہیں

امیر فقیر

بنام نواب لقمان الدولہ ورقؔ[1]

(۴)

مہربانِ من!

آپ کی غزل بہت اچھی ہے۔ آپ کے استاد[2] شاگرد فیض صاحب[3] نے بہت خوب بنائی ہے۔ غزل کی تعریف آپ کی طبیعت کی روانی کی اور ان کی اصلاح کی داد دیتا ہوں۔ کہیں بھی گنجائش اصلاح نہیں ہے۔ نسخہ جو لکھے ہیں اس کو آپ خود دیکھ سکتے ہیں۔

ہیچمداں: فصیح الملک داغ دہلوی

---

۱ دیکھو مکاتیب احسن مارہروی؟

۲ ورقؔ کے پہلے استاد حفیظ الدین یاسؔ (۱۲۶۰ھ – ۱۳۲۳ھ) تھے جو مرزا داغؔ کی آمد حیدر آباد سے قبل مرحوم نظام میر محبوب علی خان آصفؔ کے بھی استاد تھے۔ مرزا داغؔ نے ان کی اصلاح کی تعریف کی ہے۔

۳ حافظ میر شمس الدین محمد فیضؔ (۱۱۹۵ھ تا ۱۲۸۳ھ) حیدر آباد کے استاد الاساتذہ اور مشہور صوفی تھے۔ اپنے عہد کے سب سے بڑے مصنف شاعر اور اہل اللہ سمجھے جاتے تھے۔ شمس الامرا کو علمی و ادبی خدمات کی طرف مائل کیا۔ ان کی ایک درجن سے زیادہ کتابیں اور متعدد دیوان شائع ہو چکے ہیں۔

داغ

بنام نواب حسن علی خاں امیر جاگیردار

(۱)

نواب صاحب تغافل شعار سلمہ اللہ تعالیٰ

تین دن سے خط کا منتظر ہوں، جواب ندارد۔ لفظ بی جو شرفا کے واسطے ہے اس پر خفا ہوں، بی نے خوب جھاڑا ہے۔ پانچ روپیہ لڑکی سے لائیں پچاس یہاں سے گئے دس آپ سے مانگتی ہیں ذرا ان کو جھاڑیے گا۔ میں نے جو ان کو خط لکھا ہے وہ اناّ کے خط میں ہے اس کو اناّ سے لے کر آپ پہنچائیں تو بڑی عنایت۔ ایک غزل ملفوف اور بھیجتا ہوں۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ پہلی سب غزلیں مُبیضہ میں صاف ہو چکیں کہ ابھی کوئی باقی ہیں۔ یہاں خیریت ہے گرمی کی شدت ہے۔ بچوں کو دعائیں۔ فقط

فصیح الملک داغ دہلوی یکم جون ۱۹۰۳ء مطابق ۵ ربیع الاوّل ۱۳۲۱ھ

(۲)

بنام نواب حسن علی خاں امیر جاگیردار

نواب صاحب سلام!

میں خیر کا طالب ہوں، ہرج کا منظور نہیں۔ مرمت کی کیا صورت ہوئی اس بارش میں مشکل ہے۔ بی حجاب کل سے وارد ہیں اور آپ کی مشتاق۔ ان کا مکان گرا، جان بچ گئی۔ اس کی مرمت ہو رہی ہے۔ یہاں تو کہیں ٹھکانا نہیں۔ زیادہ نیاز!

فصیح الملک داغ دہلوی

یکم اگست ۱۹۰۳ء مطابق ۷ رجمادی الاوّل ۱۳۲۱ھ بروز یک شنبہ

(۳)

بنام نعمان الدولہ دلؔ

الحمد للہ خیریت سے ہوں۔ روزہ رکھ رہا ہوں۔ کمشنر صاحب عفاؔ کا بیچارہ رگھاٹ سے جھگڑا ہے۔ شانہ کے درد کے واسطے دوا بھجوا دو۔ پہلی دوا مفید ہوئی۔ فقط!

داغ دہلوی

لہ یہ خط نعمان الدولہ دلؔ کی ایک غزل پر اصلاح لکھ کر اسی کے نیچے مرزا داغ نے قلمبند کر دیا ہے۔

فیصلہ ہو گیا تھا کہ دو ہزار تین سو اٹھاون روپیہ چھ آنے نو پائی ساہوکار لے اور سات سو اکتالیس روپیہ نو آنہ تین پائی منشی سید احمد لیں۔ چنانچہ اس فیصلۂ باہمی کے موافق تقسیم روپیہ کی مولوی عنایت الرحمٰن خاں صاحب کے پاس رجسٹری شدہ لفافہ میں ۳۲ فروری ۸۹ء او کو بھیجی گئی اور رسید اس کی مولوی صاحب نے بھیج دی یہ خط ان کے پاس یا دفتر سرکار عالی میں مثل خرید اسی لغات میں شامل ہوگا۔

میں کوئی وجہ نہیں پاتا کہ جو فیصلہ بہ تراضی طرفین ہو چکا ہے اس کو تبدیل کروں اس لئے میں نے روپیہ کی تقسیم اس طرح قرار دی اور ساہوکار نے میرے پاس رسید بھیج دی ہے میں اس کو روپیہ دے دوں گا۔ مگر منشی سید احمد نے مجھے رسید روپیہ کی نہیں دی نہ وہ اس روپیہ کو لینے پر راضی معلوم ہوتے ہیں۔ سو یہ ان کی عاقبت اندیشی سے بعید ہے۔ اگر انہوں نے روپیہ لے کر رسید دے دی تو میں دونوں شخصوں کی رسیدیں بھیج دوں گا۔ نہیں تو ساہوکار کو روپیہ دے کر رسید اور باقی روپیہ بھیج دوں گا۔

دوم امر کی نسبت التماس یہ ہے کہ منشی سید احمد اپنی کتاب لغات آصفیہ کا مسودہ میرے پاس بھیج دیں۔ میں اس کو ساہوکار مذکور سے روپیہ لے کر بہت جلد چھپوا دوں گا۔ اس صورت میں جناب کو یہ ضرور ہوگا کہ چودہ سو پچاس روپیہ جو بابت قیمت لغات آصفیہ باقی ہے وہ میرے پاس اثنائے طبع کتاب میں یا مابعد ارسال فرمائیں۔ جناب نواب انتصار جنگ بہادر نے مجھے ارقام فرمایا ہے کہ اگر تم اس روپیہ کے ملنے کی درخواست کرو تو سرکار عالی یہ روپیہ بھیج دے گی۔ بموجب اقرارنامہ رجسٹری شدہ کے منشی سید احمد نہ خود اس کتاب کو چھاپنے کے مجاز ہیں نہ دوسرے کو اجازت دے سکتے ہیں۔ اگر حیدر آباد میں کتاب چھپے گی تو عدالت میں غالباً فیصلہ دائر ہوگا اور معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

سوم امر کی نسبت یہ گذارش ہے کہ جس وقت کتاب چھپ جائے گی تو دونوں شخصوں میں آدھی آدھی کتابیں دے دی جائیں گی وہ اپنے آپ فروخت کر لیں گے۔ ساہوکار اقرارنامہ کے بموجب ایک دفعہ اور چھاپنے کا مجاز ہوگا اور سید احمد صاحب کو اختیار ہوگا کہ جتنی دفعہ چاہیں چھاپیں۔

میری رائے ناقص میں یہ فیصلہ ایسا ہے کہ جس میں انصاف بھی ہے اور آئندہ کوئی عدالت میں جھگڑا بھی نہیں کھڑا ہوگا۔ آئندہ جو مصلحت رائے عالی ہو اس کی تعمیل کی جائے فقط!

جناب کا نیازمند: محمد ذکاء اللہ۔ ۱۴ فروری ۱۸۹۰ء (۲۳ جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ)

نوٹ: یہ خط بجنسہٖ نقل کیا گیا ہے۔ مولانا جگہ جگہ بعض الفاظ چھوڑ دینے کے عادی ہیں۔
اصل خط میرے پاس محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

ذکاء اللہ

(۱)

<u>بنام مولانا محمد حسین آزاد</u>

جناب مولانا صاحب!

آپ کا محبت نامہ پہنچا۔ افسوس ہے کہ ... ڈکشنری[1] اور ... دونوں میرے پاس ہیں مگر ان کے مالک اجازت بھیجنے کی نہیں دیتے۔ ... تو ایسا غلط لکھا ہوا ہے فائدہ نقل کا بھی نہیں۔ ... چھاپہ کی کتاب ہے اگر کسی سوبلین انگریز کی کوٹھی میں تلاش کروگے تو مل جائیں گی۔ مجھ سے کئی دفعہ لوگوں نے کہا کہ یہ صلح آپ کرا دیجئے۔ لیکن میں نے یہی کہا کہ دل کا حال کپڑوں کا سا نہیں ہوتا کہ دھونے سے ہی صاف ہو جائے۔ جب دل میں کدورتیں آ جاتی ہیں تو مشکل سے وہ صاف ہوتی ہیں۔ جب تک مولوی صاحب کا یہ خیال ہے کہ میری نظم کا خاکہ اڑانے کا اب لوگوں نے قصد کیا ہے جب تک دل صاف نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک صلح کر لینی مناسب ہے اگرچہ اس کو بقا بہت دنوں تک نہیں۔ مگر اس میں ایک بات ہے اور اس میں آپ کی عالی حوصلگی پائی جاتی ہے۔ فقط۔

ذکاء اللہ (۱۸۷۴ء)

(۲)

<u>بنام نواب محسن الملک</u>

جناب فیض مآب نواب محسن الملک محسن الدولہ منیر نواز جنگ بہادر سلامت!

تسلیم و نیاز کے بعد معروض خدمت عالی میں یہ ہے کہ جناب کا والا نامہ حسب ضابطہ مورخہ ۱۱ر جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ نمبری منفرق ۴۳۵/ میرے پاس آیا۔ اسی مضمون کا والا نامہ نواب انتصار جنگ بہادر کا مورخہ ۱۳ر جنوری ۱۸۹۰ء میرے پاس آیا تھا۔ ان دونوں خطوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امور تصفیہ طلب تین ہیں۔ اول اکتیس[2] روپیہ جو بالفعل میرے پاس ہی رکھا ہے وہ ساہوکار اور منشی سید احمد میں کیونکر تقسیم ہو۔ دوم لغات آصفیہ کا حصہ غیر مطبوعہ کیونکر منطبع ہو کہ جس سے کتاب تمام ہو جو سرکار عالی مقام کی غرض خریداری سے ہے۔ سوم منشی سید احمد کو ساہوکار سے کیونکر نجات ہو۔

امر اول کی نسبت عرض یہ ہے کہ ساہوکار ماسٹر شیو پرشاد صاحب اور منشی سید احمد صاحب کے درمیان ۲۲ فروری ۱۸۸۹ء کو اس روپیہ کی بابت

---

[1] یہ خط پوری طرح پڑھا نہیں گیا [2] یہ رقم سمجھ میں نہیں آئی

اشارات بھی رکھ دئے گئے ہیں اور منظور یہ ہے کہ ان اطراف میں اچھی طرح اعلان کر دیا جائے کہ قرآن مجید کا نیا ترجمہ مل سکتا ہے۔ پہلے آپ دیکھ دیکھا کر اچھی طرح اطمینان حاصل کر لیجئے کہ آیا واقعی میں یہ ترجمہ تراجم موجودہ سے بہتر ہے یا نہیں اور اگر آپ کے نزدیک بہتر ثابت ہو تو آپ اس کی سرپرستی کیجئے۔ کیونکہ اس کی اشاعت میں مدد دینا گویا اغراض رسالت کی تکمیل کرنا ہے بلکہ اگر آپ کر سکیں تو اس ترجمہ کی کیفیت کو سرکار کے گوش گذار کریں اور ان سے سرپرستی کی تحریک فرمائیں۔ ترجمہ کے حجم اور سواد خط اور چھاپہ سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ قیمت جو قرار دی گئی ہے اس میں کوئی ذاتی مفاد مضمر نہیں ورنہ میں اگر اپنی محنت اور مولویوں کی تنخواہ لگاتا تو عسے فی جلد لاگت پڑتی مگر میں نے یہ کام استحساناً کیا ہے۔ ان امری الا علی اللہ۔

میرٹھ میں آپ سے تفصیلی ملاقات نہ ہونے کا افسوس باقی رہ گیا۔ ترجمہ تو ہدیۃً آپ کی خدمت میں روانہ کیا گیا ہے اور صرف خرچ کا...... کیا گیا ہے براہ مہربانی...... کرا لیجئے گا۔ فقط!

خاکسار: نذیر احمد - ۸ر جنوری ۱۸۹۷ء

(۳)

بنام خان بہادر بشیر الدین احمد (اٹاوہ)[1]

مکرمی!

السلام علیکم۔ میں نے جو مضمون مدراس کانفرنس کے لئے لکھا تھا آج بذریعہ رجسٹری آپ کے نام روانہ کیا گیا آپ کے کام کا ہو تو جس تمہید کے ساتھ چاہئے چھاپئے۔ میں آپ کو گھٹانے بڑھانے کی بھی اجازت دیتا ہوں۔

خاکسار: نذیر احمد - ۲۰ر مارچ ۱۹۰۲ء

(۴)

بنام خان بہادر بشیر الدین احمد (اٹاوہ)

مکرمی!

آپ کے گرامی نامہ تلطف آمیز شعر نیاز مند کا جواب عرصہ ہوا کہ ارسال کیا گیا۔ ہنوز امورات مستفسرہ سے اطلاع نہیں ہوئی توقع کہ براہ نوازش جواب سے مطلع کیجئے تاکہ میں اس کے مطابق عمل کروں۔

نیاز مند: نذیر احمد جھانسی ۱۷ر اپریل ۱۹۰۲ء

(۵)

بنام خان بہادر بشیر الدین احمد (اٹاوہ)

مکرمی!

السلام علیکم۔ چالیس حمائل جو آپ کو روانہ کی گئی تھیں ہر چند آپ نے ان کی رسید اخبار میں چھاپ دی ہے مگر دفتر میں رکھنے کے لئے ایک رسید باقاعدہ آپ کے ہاں سے ملنی چاہئے۔ فقط!

خاکسار: نذیر احمد - دہلی ۲۱ر مئی ۱۹۰۳ء

---

[1] یہ چار خطوط اٹاوہ میں محفوظ ہیں۔ (عطیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ)

ڈپٹی نذیر احمد

(۱)

بنام نواب سیّد علی حسن خان بہادر

جناب عالی!

کرامت نامہ پہنچا۔ میں نے حقیقت واقعی بے کم و کاست بالمشافہ عرض کردی تھی اب کامیابی ہو تو اور ناکامی ہو تو دونوں صورتوں میں جناب کا احسان میرے ذمہ ثابت ہو چکا اور میں مدت العمر ممنون رہوں گا۔ اگر کسی مدِ مقابل کے لئے سفارش نہیں کی گئی تو ناکامی کا احتمال ضعیف ہے لیکن آپ نے خط میں اس کی کچھ صراحت نہیں فرمائی۔ رہی حکام انگریزی کی سفارش، اس کا حال یہ ہے کہ بیس برس سے میں سرکار انگریزی سے بے تعلق محض ہوں۔ دس برس کے قریب حیدر آباد رہا اور اس کے بعد سے خانہ نشین ہوں۔ از بسکہ خدمت کی جستجو نہ تھی طبیعت نے بے فائدہ خوشامد اور روا داری کو گوارا نہ کیا۔ لیکن جس وقت تک میں سرکار انگریزی میں تھا لیفٹیننٹ گورنر تک کے سرٹیفکیٹ کتاب میں آپ نے ملاحظہ کئے ہوں گے۔ بڑی خدمت کے لئے بڑے عہدیداروں کی سفارش درکار ہے اور یوں دلی کے ڈپٹی کمشنر اور کمشنر مجھ کو جانتے پہچانتے ہیں۔ ان لوگوں نے بہت لیکچر سنے ہیں اور ضرور میری نسبت اچھا خیال رکھتے ہیں اور پوچھا جائے تو اچھا ہی ظاہر کریں گے لیکن میں ان کی کوٹھیوں پر ان کے سلام کو کبھی نہیں گیا۔

چونکہ آپ نے ایک طرح کا تعلق اس معاملہ سے پیدا کر دیا ہے وقتاً فوقتاً مجھ کو اطلاع ہوتی رہے تو مزید عنایت۔

خاکسار نذیر احمد۔ ۳ر دسمبر ۱۸۹۶ء

(۲)

بنام نواب سیّد علی حسن خان بہادر

جناب عالی!

السلام علیکم! آپ کو شاید معلوم ہے کہ میں نے بڑی محنت سے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کیا ہے مجھ کو اس کے لئے تین برس محنتِ شاقہ اٹھانی پڑی ہے اور تراجم موجودہ اور تفاسیر اور احادیث سے مطابق کرنے کے لئے مولویوں کا اسٹاف رکھنا پڑا ہے تب کہیں جا کر یہ ترجمہ میرے نزدیک با محاورہ، سلیس، مطلب خیز، مستند اور تراجم موجودہ سے بہت بہتر ہوا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ

مولانا حالیؔ

بنام محسن الملک[1]

(۱)

جناب مولوی صاحب محترم و مکرم و معظم دام مجدہم

بعد تسلیم و نیاز کے التماس یہ ہے کہ دو جلدیں کتاب "حیاتِ سعدی" کی اور دو جلدیں "مسدس مدوجزر اسلام" کی خدمتِ والا میں ارسال کرتا ہوں، ان میں سے دو سادی جلدیں آپ کے ملاحظہ کے لئے اور دوسری دو جلدیں جن پر روپہلی ٹھپہ کیا ہوا ہے حضور نواب صاحب بہادر دام اقبالہم کی نذر کے لئے ہیں، پہلی کتاب میں نیازمند نے شیخ سعدی کی لائف اور ان کی تمام تصانیف پر ریویو کسی قدر جدت کے ساتھ لکھا ہے جس پر منشی محمد ذکاء اللہ صاحب کا ریویو علیگڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مورخہ ۱۶ مارچ میں چھپا ہے اور جس کو پنجاب اور اضلاعِ شمال و مغرب کے معتبر اشخاص عموماً پسند کرتے ہیں۔

دوسری کتاب یعنی مسدس مدوجزر اسلام کے آخر میں ایک نیا ضمیمہ ۱۶۰ بند کا اکثر اکابر و احباب کی تحریک سے اضافہ کیا ہے جس کی نسبت ابھی میں نہیں کہہ سکتا کہ پبلک کی کیا رائے ہوگی۔

غالباً جناب کو کثرتِ مہمات مرجوعہ کے سبب یاد نہ رہا ہوگا لیکن نیازمند کو خوب یاد ہے کہ ان دونوں کتابوں کی نسبت جبکہ ان کی ترتیب و تدوین ختم نہ ہوئی تھی ملازمانِ سامی کی طرف سے مختلف اوقات میں اعانت و خریداری کی امید دلائی گئی تھی اور زیادہ تر اسی امید کے بھروسے پر ان دونوں کتابوں کے ایک ساتھ چھپوانے کی جرأت کی گئی ہے، التماس یہ ہے کہ اگر ان کتابوں کی اشاعت اس ملک میں مفید سمجھی جائے تو از راہِ نوازش و کرم دونوں نسخے جو حضور نواب صاحب بہادر کی نذر کے لئے ارسالِ خدمتِ والا کئے جاتے ہیں مع عرضداشت منسلکۂ نیازنامہ پیشگاہ جناب معتمد الیہ میں گذران کر جس قسم کی اعانت یا رعایت ممکن ہو اس کے لئے سفارش فرمائیں۔

جو محنت اور زیر باری مجھ کو برداشت کرنی پڑی ہے اس کا تدارک خاطر خواہ ہو جائے گا۔ اگرچہ ہندوستان میں مصنف کی وقعت ایک بک سیلر سے زیادہ نہیں ہے اور نہ میرا کوئی حق آپ پر ایسا ہے جس کے سبب سے میں آپ کو ایسی تکلیفیں دینے کا مجاز سمجھوں لیکن سچ یہ ہے کہ آپ کے ساتھ ہم لوگوں کو ایک حسنِ ظن اس قسم کا ہے کہ جس امر کی تحریک کو ڈھائی برس سے زیادہ گزر چکے ہیں آج تک اس سے قطعی مایوسی نہیں ہوئی گو کامیابی تو بہت مشکل ہے اگر یہ امید بھی قائم رہے تو غنیمت ہے۔

زیادہ نیاز

نیازنامہ خاکسار الطاف حسین حالیؔ از دہلی کوچہ پنڈت ۲۶ مارچ ۱۸۸۶ء

---

[1] غالباً یہ خط موسومہ ہے نواب محسن الملک کا اور اسی سلسلہ میں ان دونوں کتابوں کی جلدیں حیدرآباد میں خریدی گئی ہیں جن کی رسائد کی نقول اور عبدالرحیم خاں کے موسومہ خط کی نقل موجود ہے۔ اصل خط میرے پاس محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

(۶)

<u>بنام خان بہادر بشیرالدین احمد (اٹاوہ)</u>

(جواب خط یکم دسمبر ۱۹۰۳ء)

السلام علیکم۔ سب سے پہلے میں آپ کو مرگِ عزیز جس کی مرگ کا حال آپ نے اخبار میں بھی چھاپا تھا تلقین صبر کرتا ہوں اگرچہ آپ محتاجِ تلقین نہیں ہیں۔ حمائل شریف کی جلد بندی کے دام ۱۲ ہیں۔ چھبیس جلدیں مجلد آپ طلب فرماتے ہیں اس کی بابت استفسار طلب بات یہ ہے کہ کمیشن جو آپ منظور کرتے ہیں اس کی تعداد کیا ہے مجھے یاد نہیں اور نہ میرے پاس اس کی کوئی یادداشت ہے۔ کانفرنس کی شرکت موقوف ہے اعتدالِ مزاج پر تامّل ہوتا ہے دو وجہ سے اوّل دوری سفر دوسرے وہاں کے لوگ اردو کم سمجھتے ہیں اور اکثر نہیں سمجھتے البتہ آپ کا اور آپ جیسے لوگوں کا شریک کانفرنس ہونا نہایت ضروری ہے ورنہ میں تو اتنے ہی کام کا ہوں کہ فرسودہ مستعمل پیش پا افتادہ باتوں کا کھڑے ہو کر اعادہ کر دیا۔

اخبار کی نسبت مجھ کو یہ کہنا ہے کہ عربی کا اہتمام جیسا چاہئے نہیں۔ مذہبی مضامین بھی بعض بُرے ہوتے ہیں جیسے کسی شخص نے آپ کے اخبار میں لکھ مارا کہ مسلمانوں کی ترقی کے لئے پابندیٔ مذہب ضروری نہیں۔ ابھی شاید پچھلے پرچے میں کسی صاحب نے وخلقنا لھم مما یرکبون سے ریل کی پیش گوئی استنباط کی یعنی بے اصل، بے جوڑ، بے ضرورت۔ ایسی باتوں سے قرآن کے ظاہر الفاظ سے اعتبار اٹھا جاتا ہے اس قسم کے مضامین آپ کے اور آپ کے اخبار کے شایانِ شان نہیں اور میرے نزدیک ایسی باتوں سے اسلام کو نقصان پہنچتا ہے۔

ہاں ـــ حمائلیں جو مجلد جائیں گی ان کی جلد قسم اعلیٰ ہو گی بعض نے اسے قسم ادنیٰ پڑھا۔

خاکسار: نذیر احمد۔ ۴ دسمبر ۱۹۰۳ء

---

(۷)

(نقل خط[1] شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم بہ خطِ شکست، کاغذ بوسیدہ سفیدی مائل قدیم)

مخدومی!

غلام محمد خاں جو بالفعل علوی صاحب کے متوسل ہیں بھتیجے اور داماد ہیں محمد جہانگیر خان بنگلوری کے اور جن دنوں میں بنگلور اور مدراس گیا تھا۔ مجھ کو جو کچھ آرام ملا اور جس قدر ذاتی اور سرکاری کام نکلا سب جہانگیر خاں صاحب کی بدولت۔

محمد خاں وجیہ آدمی ہیں۔ جوان، انگریزی خواں، شریف اور تلنگی بولتے اور سمجھتے ہیں۔ غرض تحصیلداری کے لئے نہایت مناسب ہیں اگر مجھ کو ملیں تو میں خوشی سے لوں گا اور ان کے مقرر ہونے سے محمد جہانگیر خاں کی نظروں میں مجھ کو سرخروئی ہو گی۔

نذیر احمد

---

[1] یہ خط جواہر میوزیم (اسلامیہ کالج اٹاوہ) میں موجود ہے۔ مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم نے یہ خط اغلباً نواب محسن الملک کی خدمت میں لکھا تھا جس زمانہ میں نواب صاحب حیدر آباد میں ریونیو سکریٹری تھے۔ (عبدالشکور)

جناب نے کسی قدر مجبوری ظاہر فرمائی تھی مگر بایں ہمہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ دل سے ان کی اعانت و امداد کرنے پر آمادہ ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اب آپ ان کی اعانت بوجہ شایستہ فرما سکتے ہیں جو مشکلات ان کو درپیش ہیں ان کے حل ہونے کی توقع سرکار عالی کے سوا اور سرکار ممدوح میں آپ کے سوا کسی سے نہیں کی جا سکتی پس بجائے اس کے کہ میں خدمت عالی میں ان کی سفارش کروں میری یہ دعا ہے (نہ محض بمقتضائے فطرتِ انسانی بلکہ بہ امید استجابت) کہ ان کی پچیس سال کی محنت و جانفشانی کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ پیدا ہو اور آپ کی عنایت و توجہ کی بدولت اسلام کی ایک لازوال نشانی یعنی زبان اُردو ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے برقرار رہ جائے۔ یہ احسان صرف مولوی سید احمد پر نہیں بلکہ تمام ہندوستان پر عموماً اور ہندوستان کے مسلمانوں پر خصوصاً سمجھنا چاہیئے۔ زیادہ حد ادب

عریضۂ نیاز

خاکسار نیاز مند الطاف حسین حالی از دہلی ۱۳ ر دسمبر ۱۸۹۲ء

---

(۶)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

جناب من!

آج باقی کتاب کے دیکھنے کا موقع بھی مل گیا اور کتاب کی عظمت پہلے سے بہت زیادہ دل میں پیدا ہوئی۔ مختصر یہ ہے کہ گذشتہ پانچ برس میں اگر کوئی کام ندوۃ العلما نے کیا ہے تو علمائے سلف کے حالات کا لکھوانا ہے اور بس۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر مسلمان عالم اور ہر مسلمان طالب علم اس کو حرز جاں بنائے۔ فجزاکم اللّٰہ عنا و عن سائر مسلمین الہند خیرا۔

خاکسار: حالی از پانی پت ۱۲ ر ستمبر ۱۸۹۸ء

---

(۷)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

مخدومی!

مہمان ناخواندہ عزیز تر از مہمان خواندہ پہنچا باوجودیکہ آج کل عدیم فرصت کے سبب مطبوعات جدیدہ کے مطالعے کے لئے بالکل وقت نہیں ہے۔ اسی حالت میں قریب نصف کے رسالہ علمائے سلف کو دیکھا گیا۔ افسوس ہے کہ مجھے اس عمدہ تصنیف پر مفصل مبارک باد دینے کی فرصت نہیں ہے مگر مختصر یہ ہے کہ اس رسالے نے میرے دل میں آپ کی محبت اور عظمت بہ نسبت سابق کے اضعاف مضاعفہ کر دی ہے مسلمانوں کے لٹریچر میں اپنی طرز کی یہ پہلی کتاب ہے شاید کوئی ناواقف آدمی یہ کہے کہ کیا مسلمانوں نے فن رجال میں ایسی صدہا کتابیں نہیں لکھیں مگر ایسا سوال کرنا سخت غلطی کی بات ہے۔ آپ نے درحقیقت وہ کام کیا ہے جو انگلستان کے مشہور مصنف مسٹر سمویٔل نے سلف ہیلپ کے لکھنے میں کیا ہے۔ اس نے بھی ہزاروں بائیوگرفیاں پڑھ کر ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے جس سے بہتر آج تک کوئی کتاب انگریزی میں اس طرز کی نہیں لکھی گئی۔ مسلمان علما کے حالات لکھنا اور بات ہے اور تمام بائیوگرفیوں کو دیکھ کر چند عنوان تجویز کرنا اور ہر عنوان کے مناسب اس دفتر طویل الذیل سے مضامین انتخاب کرنا اور ان کو جدا جدا عنوانوں کے تحت میں درج کرنا نہایت محنت اور لیاقت اور غور و فکر کا کام ہے۔ آپ کی تصنیف میں اور مسٹر سمویٔل کی کتاب میں صرف یہ فرق ہے کہ اس نے سلف ہیلپ میں کتاب کا موضوع صرف علما میں محدود نہیں رکھا بلکہ اس میں تمام ریفارمر اور موجد و مخترع اور سٹیٹسمین اور سپہ سالار وغیرہ وغیرہ شامل ہیں اور اس رسالے میں صرف علمائے سلف کے حالات سے بحث کی گئی ہے اگر آپ

بنام مولوی عبدالرحیم خاں صاحب

(۲)

مولوی صاحب مخدوم و مکرم دام مجدکم

تسلیم! عنایت نامہ آیا حسب ارشاد قطعہ رسید ٹکٹ لگا کر اس نیاز نامہ کے ساتھ خدمت شریف میں ارسال کرتا ہوں جب روپیہ وصول ہونے کا وقت آئے اس رسید کو داخل فرما کر روپیہ وصول کر لیجئے گا۔ ایک عریضہ جناب مولوی سید مہدی علی خاں بہادر کی خدمت میں بھی اسی وقت بھیجتا ہوں کہ روپیہ مولوی عبدالرحیم خاں صاحب کے حوالہ کر دیا جائے کیونکہ روپیہ کی رسید میں نے مولوی صاحب موصوف کے پاس بھیج دی ہے آپ کی تحریر کے موافق شکریہ کا خط بھی جناب ممدوح کی خدمت میں بھیج چکا ہوں۔ روپے اگر مناسب ہو تو ذریعہ کرنسی نوٹس کے بھیج دیجئے گا کیونکہ منی آرڈر کی فیس زیادہ لگے گی مگر لفافہ جس میں نوٹ ملفوف ہوں اس کی رجسٹری اور بیمہ کرا دینا چاہئے آئندہ جیسا آپ مناسب سمجھیں ویسا کیجئے گا۔ زیادہ نیاز

نیاز نامہ خاکسار الطاف حسین از دہلی کوچہ پنڈت ۲۲ رجون ۱۸۸۶ء

نقل رسید

(۳)

منکہ الطاف حسین حالی مدرس عربی و فارسی اینگلو عربی اسکول دہلی می باشم چونکہ مبلغ پانصد روپیہ سکہ چہرہ شاہی عطیۂ سرکار عالی در وجہ قیمت مجلدات "حیات سعدی" و "مسدس مد و جزر اسلام" بتوسط مولوی محمد عبدالرحیم خاں صاحب دہلوی ملازم سرکار عالی از دفتر متعارف و پ وصول یافتہ ام بنا بر اں ایں چند حرف بطریق رسید نوشتہ شد کہ بطریق یادگار در داخل دفتر موصوف باشد۔

تحریر تاریخ ۲۳ رجون ۱۸۸۶ء مطابق ۱۸ رمضان ۱۳۰۳ھ

یہ عبارت ٹکٹ پر ہے : الطاف حسین حالی بقلم خود

بنام مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

(۴)

جنابِ من!

لفظ ہاتھ میں بلاشبہ ہائے مخلوط ہے لیکن رات اور بات کا قافیہ بھی شعرا نے باندھا ہے۔ قافیے کی ضرورت ایسی ایسی خفیف فروگذاشتوں کو جائز کر دیتی ہے۔ مرزا غالب کبھی اور کسی کی جگہ کبھو اور کسو کو غیر فصیح سمجھتے تھے لیکن ان کے اردو دیوان میں قافیے کی جگہ کسو اور کبھو بندھا ہوا ہے۔ میں بھی ہمیشہ ہاتھ کو ہائے مخلوط کے ساتھ لکھتا ہوں مگر قافیے میں بات باندھنا جائز سمجھتا ہوں۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت محلہ انصاریاں ۶ رفروری ۱۸۹۰ء

والاجناب[1]

(۵)

مکرمی مولوی سید احمد صاحب دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ خدمت والا میں آتے ہیں۔ جو امر کہ ان کو اس سفر دور و دراز پر جرأت کرنے کا باعث ہوا ہے آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ ان کے لئے کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں، ان کی سفارش خود ان کی واجب الرحم حالت ہے جس کا کسی قدر اندازہ آپ مولوی سید علی صاحب بلگرامی کی رپورٹ سے جو ان کے پاس موجود ہے کر سکتے ہیں۔ میں یہ عریضہ صرف اس لئے لکھتا ہوں کہ حیدر آباد سے چلتے وقت میں نے ان کے باب میں آپ کی خدمت میں کچھ عرض کیا تھا۔ اس وقت

---

[1] اصل خط میرے پاس موجود ہے معلوم نہ ہو سکا یہ کس کے نام ہے۔ تمکین کاظمی

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب رئیس بھیکم پور

(۹)

جناب خان صاحب مخدوم و مکرم دام مجدہم

عنایت نامہ کربت امر یعنی مسلمان معلّمہ کی طلب میں صادر ہوا۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں اس میں کامیابی ہونی مشکل ہے۔ پانی پت میں لے دے کر ایک دلّی کی رہنے والی معلّمہ ہے سجاد حسین نے جبکہ وہ کرنال میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر تھے پانی پت میں ایک مدرسہ نسواں قائم کر کے اس معلّمہ کو بمشاہرہ دس روپیہ ماہوار اس میں نوکر رکھا تھا آٹھ دس مہینے میں شاگردیں استانی کے برابر ہو گئیں بلکہ بعض اس سے بھی بڑھ گئیں۔ یہ حال تو اس کی استعداد کا ہے اور مذہب اس کا شیعہ ہے وہ تو فوراً چلی آوے گی مگر اس کا حال یہ ہے جو گذارش کیا گیا۔ مولوی احمد علی خاں صاحب سب جج علی گڑھ نے اس کو بلانا چاہا تھا مگر جب اس کے مذہب اور استعداد کا حال سُنا تو انہوں نے موقوف رکھا۔ دلّی میں جہاں تک میں سمجھتا ہوں لائق استانی ملنا دشوار ہے مگر میں اپنے احباب سے دریافت کروں گا اگر کوئی لائق معلّمہ مل گئی تو اس کے حالات سے اطلاع دوں گا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بجٹ میٹنگ اور سالانہ جلسے کے متعلق جو ایجنڈا سیکرٹری کالج نے ٹرسٹیوں کے پاس بھیجا تھا اس کا جواب بہت کم لوگوں نے بھیجا ہے اور اس لئے ووٹوں کی تعداد کافی نہیں ہے۔ غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ ماریسن صاحب نے اپنا علی گڑھ میں رہنا اس شرط سے مشروط کیا ہے کہ سیّد محمود صاحب کو پریسیڈنسی سے سبکدوش کیا جائے اور ایسا ہی ارادہ نواب محسن الملک کا معلوم ہوتا ہے پس اگر اس سالانہ جلسے میں جو ۳۱ جنوری کو ہونے والا ہے سیّد محمود کی علیحدگی کے لئے ٹرسٹیوں کے کافی ووٹ نہ آئے تو کالج کا خاتمہ معلوم ہوتا ہے اگر آپ کو کسی ذریعے سے معلوم ہو جائے کہ ۲۵ جنوری سے پہلے کافی ووٹ آ گئے یا نہیں تو میں نہایت ممنون ہوں گا، اگر آپ مجھے مطلع فرمائیں گے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۲۵ جنوری ۱۹۰۰ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب رئیس بھیکم پور

(۱۰)

جنابِ من!

آج کل دلّی میں عموماً تکان کا لفظ مونث بولا جاتا ہے اور اکثر حاصل مصدر یا وربل نامن جو الف نون سے بنتے ہیں وہ مونث ہی بولے جاتے ہیں۔ جیسے چڑھان، پھلان، اڑان، اٹھان وغیرہ مگر نہان مذکر بولا جاتا ہے۔ استانی کے باب میں جب تک میں خود دلّی نہ جاؤں سلسلہ جنبانی نہیں ہو سکتی۔ شاید عنقریب وہاں جانا ہو۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے اور کسی مفید مشغلے میں مصروف ہوں گے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۲۱ مارچ ۱۹۰۱ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب رئیس بھیکم پور

(۱۱)

مخدوم و مکرم دام مجدہم!

التسلیم اولیٰ بالتقدیم۔ عنایت نامہ پہنچا۔ مرہون یاد آوری ہوا۔ آپ نے جو عنایت اور محبت بھرے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں ان کا خاص شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگرچہ علی گڑھ میں سر سیّد کے بعد ویسی دل لگی نہیں رہی جیسی ان کے سامنے تھی مگر خدانخواستہ وہاں سے بالکل انقطاع بھی نہیں ہوا۔ قطع نظر دوستی اور محبت کے تعلقات کے سب سے بڑا تعلق محمڈن کالج کا ہے حفظ اللہ من شرور الاعداء

اس کے دائرے کو زیادہ وسیع کر دیتے تو یہ بالکل اسی قسم کی کتاب ہو جاتی جیسی سلف ہیلپ ہے۔ اس کتاب میں اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں مگر میں نے صرف ایک خوبی کا جو کہ تمام تصنیف کی جان ہے ذکر کرنا کافی سمجھا ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ اگر آپ انگلش لٹریچر سے واقف نہ ہوتے تو ایسی تصنیف کا خیال ہرگز آپ کے دل میں نہ گزرتا پس تاوقتیکہ ندوۃ العلما انگریزی تعلیم کی ضرورت پر زور نہ دے گی اس کی چیخ و پکار سے کوئی معتدبہ نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی کے ساتھ میرا یہ بھی خیال ہے کہ صرف انگریزی تعلیم جب تک کہ اس میں شرقی تعلیم کی چاشنی نہ دی جائے گی ہرگز مفید آدمی پیدا نہیں کر سکتی۔ مجھے ایک انگریزی تعلیم یافتہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جو مسلمان علماء کے حالات پر ایک ایسی کتاب لکھ دے جیسی کہ آپ نے لکھی ہے میرے نزدیک یہ کتاب ایسی ہے کہ اس کی ایک ایک دو دو جلدیں ہر مدرسۂ اسلامیہ میں رہنی چاہئیں بلکہ محمڈن کالج کے طلبا بھی اس سے مستفید ہوں تو بہت مناسب ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ کتاب آپ نے اپنے خرچ سے چھپوائی ہے یا ندوۃ العلما نے اس کو چھپوایا ہے۔ مسلمان اور خاص کر پرانے خیالات کے مسلمان ایسی کتابوں کے خریدنے میں بہت ممسک ہیں اس لئے مدارس اسلامیہ میں اس کو مفت تقسیم کرنا چاہیئے۔ آخر میں میری یہ دعا ہے کہ خداتعالیٰ ہمارے عام رئیسوں اور رئیس زادوں کو اسی طرح زیورِ علم و لیاقت و حسنِ اخلاق سے آراستہ کرے جیسا کہ اس نے شروانی رئیسوں میں آپ کو زیورِ علم و فضل و اخلاق سے آراستہ کیا ہے اور آپ کو جملہ مکروہات روزگار سے محفوظ رکھ کر صد و سی سال تک زندہ و سلامت رکھے۔ زیادہ نیاز۔

خاکسار الطاف حسین حالی عفی عنہ از پانی پت۔ ۱ ستمبر ۱۸۹۸ء

---

(۸)

<u>بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم</u>

ذالاجناب!

مکرمت نامہ شرفِ صدور لایا جس سے خاکسار کو عزت حاصل ہوئی۔ قاری عبدالرحمٰن صاحب کے باب میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے اس کا تہِ دل سے شکر ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ ضرور کبھی نہ کبھی کامیاب ہوں گے۔

جو عنایت آمیز الفاظ در باب طلب خاکسار تحریر فرمائے گئے ہیں وہ میرے لئے سرمایۂ نازش ہیں ؎

حاجت کند از طربِ خوانش　　　　خوانی چو بسوئے خود گدا را

میں تعمیلِ حکم کے لئے بسر و چشم حاضر ہوں مگر آج کل سر سید مرحوم کی لائف لکھنے اور اس کے چھپوانے میں مصروف ہوں اس لئے جب تک کہ اس ضروری کام سے فارغ نہ ہو جاؤں کہیں نقل و حرکت کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ سر سید کی لائف اب تک کبھی کی ختم ہو جاتی مگر اوّل تو میں دو تین مہینے بیمار رہا پھر صاحب مطبع کی بی بی کا انتقال ہو گیا اس کے بعد وہ خود شدید بیمار ہو گئے اور کئی مہینے تک مطبع کا تمام کاروبار بند رہا اس سبب سے حرج عظیم واقع ہو گیا۔ اب چند روز سے پھر کام شروع ہوا ہے اور اگر خدا کو منظور ہے تو تین چار مہینے میں کتاب ختم ہو جائے گی اور اس کے ختم ہونے کی پہلی علامت کتاب کا ملاحظۂ عالی میں گذرنا ہوگا۔ لائف میں جو سب سے زیادہ دشوار گذار مرحلہ ہے وہ تفسیر قرآن کا ریویو ہے اور بالکل یہی مقام زیر تحریر ہے یہ مرحلہ طے ہو جائے تو پھر آگے میدان صاف ہے۔ غالباً الفاروق ملاحظہ سے گذر چکی ہوگی معزز مصنف نے ایک نسخہ اس کا مجھ کو عنایت کیا ہے اور میں اس کو اوّل سے آخر تک دیکھ چکا ہوں۔ سچ یہ ہے کہ اس کتاب کی تعریف سے زبان قاصر ہے بس اس کی تعریف میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ جس رتبہ کا ہیرو ہے اسی رتبہ کی اس کی بائیوگرافی لکھی گئی ہے۔ اگر ملاحظۂ عالی سے نہ گذری ہو تو اس کو شوق کر ضرور دیکھنا چاہیئے زیادہ نیاز!

خاکسار دعاگو الطاف حسین حالی از پانی پت ضلع کرنال۔ ۱۰ اپریل ۱۸۹۹ء

بنام مولوی بشیر الدین

(۱۳)

جنابِ من!

منشی رحمت اللہ رعد مالک مطبع نامی پریس کانپور آپ کی خدمت میں ایک جلد سرسید کی لائف کی آج کل میں بھیجیں گے اس کو قبول فرمایئے گا امید ہے کہ آپ اپنے معزز پرچہ میں دو چار بار اس کا اشتہار جو ٹائٹل پیج کے آخیر صفحے پر چھپا ہے شائع فرمائیں گے۔ مگر لائف جو تیسرے درجہ کے کاغذ پر چھپی ہے اس کی صرف دو سو جلدیں چھپوائی گئی تھیں۔ سو کتاب کے شائع ہونے سے پہلے ہی اس کی بہت سی درخواستیں آگئی تھیں اور اب پانچ سات روز میں وہ دو سو جلدیں ختم ہو جائیں گی اس لئے آپ صرف دو قسم کی کتابیں اشتہار میں درج کرایئے گا یعنی قسم اوّل و قسم دوم اور قسم سوم کی خانۂ قیمت میں بجائے قیمت کے یہ لکھوا دیجئے گا کہ اس کی کل جلدیں فروخت ہو گئیں۔ آپ کی خدمت میں جو جلد آئے گی وہ بھی غالباً تیسرے درجہ کے کاغذ کی ہو گی۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی پانی پت ۶ اپریل ۱۹۰۱ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

(۱۴)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

تسلیم۔ اگبن کی تاریخ کے ترجمے کا مسودہ جو کالج لائبریری سے تلف ہو گیا ہے اور جس کی نسبت ابھی میں نے آپ سے ذکر کیا تھا کہ وہ ایک جگہ موجود ہے کل مولوی اسمٰعیل صاحب میرٹھ سے آئے اور وہ مسودہ مجھے دے گئے۔ چار سو سینتیس صفحے کی ایک ضخیم جلد ہے خفی قلم سے لکھی ہوئی جس کے ترجمے کی اُجرت میں سیّد صاحب نے مولوی ابو الحسن کو جو حیدر آباد میں نوکر ہیں ایک ہزار روپیہ دیا تھا کالج کی مہریں جا بجا لگی ہوئی تھیں مگر چرانے والے نے بعض کو جو حاشیے پر تھیں کتر کر وہاں اور کاغذ چپکا دیا ہے اور اکثر جگہ پہلے مہر کی سرخی کو سیاہ قلم سے کاٹا ہے اور پھر کاغذ اس پر چپکا دیا ہے مگر ہر ایک چپی چغلی کھاتی ہے اس کے سوا اس مسودے کے بہت سے آدمی پہچاننے والے موجود ہیں۔ بہر حال یہ مسودہ میرے قبضے میں آگیا ہے کہئے تو محسن الملک کے پاس بھیج دوں اور کہئے آپ کے پاس یا مزمل اللہ خاں صاحب کے پاس روانہ کر دوں مگر مجھ کو آپ کی نگہداشت پر زیادہ اطمینان ہے اس لئے میرا یہ جی چاہتا ہے کہ آپ ہی کی خدمت میں بھیجوں لیکن شرط یہ ہے کہ اس معاملے کی عدالت تک نوبت نہ پہنچائی جائے ورنہ جس معزز اور شریف آدمی نے یہ کتاب لا کر دی ہے ان کو عدالت میں شہادت کے لئے جانا پڑے گا اور ملزم کی طرف سے ان پر وکلا کے سخت حملے ہوں گے جن سے وہ گھبراتے ہیں اور میرے نزدیک تو اس کا ذکر یورپین پروفیسروں سے بھی کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ وہی مثل ہے اپنا گھٹنا کھولئے اور آپ ہی لاجوں مریئے۔ سوا اس کے کہ مسلمانوں کی اور زیادہ رسوائی ہو اور کوئی نتیجہ نہیں معلوم ہوتا۔ جواب سے جلدی مطلع فرمایئے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی عفی عنہ از پانی پت ۹ مئی ۱۹۰۱ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

(۱۵)

جنابِ من!

ڈیڑھ مہینے سے زیادہ عرصہ ہو چکا کہ حیاتِ جاوید کی جلدیں تینوں قسم کی ٹریوٹی شاپ میں پہنچ گئیں۔ مجھے یقین تھا کہ آپ نے ضرور وہاں سے کتاب منگوائی ہو گی کیونکہ اگر مصنف قابلِ وقعت نہ تھا تو بہر حال شبہ ایسا تھا کہ اس کی بائیوگرافی دیکھنے کا خاص کر آپ جیسے

اکثر جی چاہتا ہے کہ وہاں چل کر دو چار مہینے رہوں مگر جب تک سرسید کی لائف ختم نہیں ہوتی میں کہیں جنبش نہیں کر سکتا۔ اس کے پورا ہونے میں جن وجوہ و اسباب سے تاخیر ظہور میں آئی ان کی تفصیل تو بہت طولانی ہے اور ان کا لکھنا بھی فضول ہے۔ خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ لائف انشاء اللہ عنقریب ختم ہونے والی ہے اگر خدا کو منظور ہے تو اس سال کے ختم ہونے سے پہلے شائع ہو جائیگی اور پھر بشرطِ زندگی فراغِ خاطر کے ساتھ علی گڈھ میں رہنا ہو سکے گا۔ دیوان انور کا جو مصرعہ آپ نے تحریر فرمایا ہے افسوس ہے کہ وہ خود مصنف کی غلطی معلوم ہوتی ہے اگر پبلشر لائق ہوتا تو اس کا یہ کام تھا کہ اس شعر کو نکال ڈالتا مگر پبلشر ایک ہندو گریجوایٹ اور صاحبِ مطبع سید ممتاز علی صاحب بے پروا ایک یہ غلطی کیا اس میں ایسی ایسی بہت سی غلطیاں نکلیں گی۔

یہاں بھی اب کی دفعہ جیسی گرمی اور آندھیاں اور خاک باری ہوئی ہے کبھی پہلے نہ دیکھی نہ سُنی مگر خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ پرسوں سے یہاں برسات کی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔ کل دن کو بھی بارش ہوئی اور رات کو بھی معقول چھینٹا ہو گیا جس کی نسبت لوگوں کا خیال ہے کہ آل سے آل مل گئی ہے اور تخم ریزی شروع ہو گئی ہے۔ بیس بیس تیس تیس کوس سے بھی بارش کے ہونے کی خبر آئی ہے مگر زیادہ مفصل حالات اخباروں سے معلوم ہوں گے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ضلع علی گڈھ میں بھی اس بارش کا اثر ضرور پہنچا ہوگا۔ مدت سے شمس العلماء مولانا شبلی کا حال معلوم نہیں۔ ندوۃ العلماء کی نسبت عجیب عجیب افواہیں سُنی جاتی ہیں مگر معتبر ذریعے سے کوئی بات آج تک نہیں سُنی گئی۔ نواب لفٹیننٹ گورنر کے دل میں اس کی طرف سے شکوک کا پیدا ہونا معلوم نہیں کہاں تک صحیح ہے اگر آپ کو فرصت ہو اور آپ مناسب سمجھیں تو اس کے مختصر حال سے خاکسار کو ضرور مطلع فرمائیں۔ زیادہ نیاز!

خاکسار نیاز مند الطاف حسین عفی عنہ از پانی پت ۶ر جولائی ۱۹۰۰ء

(۱۲)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

مخدومی!

میں نہایت ادب سے معافی چاہتا ہوں سرسید کی لائف قریب الاختتام ہے۔ مجھے یہ جلدی ہے کہ دسمبر تک شائع ہو جائے اور کام بہت باقی ہے اس لئے سر کھجانے کی فرصت نہیں پچھلے دو مہینے نہایت پریشانی میں گذرے۔ میری اہلِ خانہ کا ہیضے میں انتقال ہو گیا اور وبا نے نہایت پریشان رکھا۔ اب بخار پھیلا ہوا ہے۔ بارش کی طغیانی جیسی تمام ملک میں ہوئی ہے آپ کو معلوم ہو گی ان وجوہ سے آپ کے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکی۔ ذرا اطمینان ہو جائے تو میں نظم کو بغور دیکھوں گا آپ کا عنایت نامہ سابق بحفاظت رکھا ہوا ہے۔ نواب محسن الملک کو مجبور کرنا چاہیئے کہ اپنا استعفا واپس لے لیں ورنہ یہ باب میں مدرسے کی طرف سے بہت بے چینی پیدا ہو جائے گی۔ میں بھی متعدد تحریریں ان کی خدمت میں بھیج چکا ہوں آپ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ "مسلمانوں کی خود غرضی کا مرض لا علاج اور مہلک ہے" میں نہیں سمجھا کہ اس کا اصل مطلب کیا ہے کیا کچھ لوگ محسن الملک کے مخالف ہیں اگر نامناسب نہ ہو تو ان صاحبوں کے نام سے ضرور مطلع فرمائیں۔ یہ معلوم نہیں ہمارے حاجی اسمٰعیل خاں صاحب کی اس میں کیا رائے ہے اور مرزا عابد علی بیگ صاحب کیا چاہتے ہیں اور نواب لطف علی خاں کیا فرماتے ہیں۔ زیادہ نیاز!

خاکسار حالی از پانی پت ۱۱ر اکتوبر ۱۹۰۰ء

رسالہ معارف ماہِ جون و جولائی میں حیاتِ جاوید پر ایک لمبا چوڑا ریویو لکھا ہے جو غالباً اگست کے شروع تک شائع ہو جائے گا۔ نواب محسن الملک بہادر نے بھی کچھ ریمارکس کرنے کا ارادہ کیا ہے مگمان کا ارادہ ایسا ہی ہے جیسا ہر مسلمان حج کا ارادہ رکھتا ہے۔ مولوی عبدالحلیم شرر نے خلافِ توقع اس کتاب کی تعریف رسالہ دلگداز میں لکھی ہے۔ شمس العلما خان بہادر مولوی ذکاءاللہ صاحب کا بھی ارادہ کچھ لکھنے کا ہے بس نے سوا اس کے کہ نواب محسن الملک کو انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں اس کتاب سے نوٹس نہ لینے کی شکایت لکھی تھی اور کسی صاحب کو اس باب میں کچھ نہیں لکھا اس لئے میں سب صاحبوں کا شکر گذار ہوں۔ اور بھی کئی دوستوں نے ریویو لکھنے پر آمادگی ظاہر کی ہے مگر چونکہ ریویو لکھنا ذرا محنت کا کام ہے امید نہیں کہ ایک آدھ کے سوا کوئی کچھ لکھے۔ افسوس صد افسوس و ہزار افسوس کہ پرسوں بروز چار شنبہ چار بجے حکیم حاذق الملک عبدالمجید خان نے اسی مرض میں جو ایک عرصے سے ان کو لاحق تھا دلّی میں وفات پائی۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون — امید ہے کہ آپ مع جملہ متعلقین کے بخیریت ہوں گے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۲ر جولائی سنہ ۱۹۰۱ء

---

(۱۷)

پانی پت ۱۴ر اکتوبر سنہ ۱۹۰۱ء

جنابِ مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

تسلیم! میں بعض وجوہ سے ووٹ کا کاغذ بابت اس جلسہ کے ٹرسٹیان کو جو ۲۷ر اکتوبر سن حال کو منعقد ہونے والا ہے ۲۷ر ستمبر تک سیکرٹری صاحب کی خدمت میں نہیں بھیج سکا اس لئے قواعد جدیدہ کے موافق میں نے ان پر رائیں جلسۂ مذکور میں پیش کرنے کے لئے آپ کو اپنی طرف سے نائب مقرر کیا ہے اور پراکسی کے فارم جو سیکرٹری صاحب نے میرے پاس بھیجے تھے اس کی خانہ پُری کر کے ان کے پاس بھیج کر لکھ دیا ہے کہ میں نے اپنی طرف سے آپ کو اپنے ووٹ دینے کے لئے قائم مقام مقرر کیا ہے کیونکہ شاید جلسہ ٹرسٹیان میں میں خود حاضر نہ ہو سکوں۔ لہٰذا اس نیاز نامہ کے ساتھ میں اپنی رائیں ہر مد کے متعلق آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں امید ہے کہ آپ جلسہ ٹرسٹیان منعقدہ ۲۷ر اکتوبر میں میری رائیں پیش کر دیں گے۔ زیادہ نیاز!

آپ کا نیاز مند الطاف حسین حالی ٹرسٹی محمڈن کالج علی گڑھ

میں آپ کو یہ بھی اختیار دیتا ہوں کہ میری جس رائے کو آپ قرینِ صورت نہ سمجھیں اس کی جگہ جو کچھ آپ کی رائے ہو میری طرف سے ظاہر فرما دیں۔

حالی

---

(۱۸)

نقل رسید

باعث تحریر آنکہ

سنہ ۱۳۰۹ فصلی الٰہی میں حسبِ دستور سررشتہ تعلیمات سرکار عالی میں نیاز مند کی مصنفہ کتابیں خریدی گئی تھیں ان کی قیمت مبلغ دو سو چونسٹھ روپیہ دس آنے سکہ کمپنی معرفت مولوی عبدالحق بی۔ اے ایڈیٹر رسالہ افسر وصول ہوئے اس لئے یہ رسید لکھ دی گئی۔ ما بالعدم

فقط! مرقومہ ۱۴ر نومبر سنہ ۱۹۰۱ء

وظیفہ خوار سرکارِ عالی الطاف حسین حالی بقلم خود

(اصل محفوظ در ذخیرۂ تمکین کاظمی)

لوگوں کو ضرور مشتاق ہونا چاہیئے تھا مگر جہاں تک خیال کیا جاتا ہے مصنف کی بے وقعتی نے ہیرو کی بھی قدر گھٹا دی ہے۔ جن لوگوں سے یہ امید تھی کہ اس کتاب کے منگوانے میں ایک دوسرے پر سبقت کریں گے ان کی طرف سے سرد مہری کے سوا میں نے اب تک کچھ نہیں دیکھا۔ اگرچہ اس قلیل عرصے میں کتابیں توقع سے زیادہ فروخت ہو گئی ہیں مگر ایسی قدردانی سے وہی شخص خوش ہو سکتا ہے جو تجارت کے سوا تصنیف و تالیف کا اور کوئی مقصد خیال نہیں کرتا۔ بلاشبہ میں نے کسی سے اشتہار یا ریویو وغیرہ لکھنے کی خواہش ظاہر نہیں کی مگر میرا خواہش نہ کرنا اس بات کا ہرگز مقتضی نہ تھا کہ سرسید کا کوئی دوست اس کتاب سے بالکل نوٹس نہ لے اور اخباروں کو جانے دیجیے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ کا گزٹ جس کو سرسید کی یادگار کہا جاتا ہے اور جس کا اہتمام محمڈن کالج کے آنریری سیکرٹری اور سرسید کے جانشین اور ان کے زبدۂ احباب کے ہاتھ میں ہے، آج تک حیاتِ جاوید کی نسبت اس میں ایک حرف نہیں لکھا گیا۔ اگرچہ میں صدق دل سے اقرار کرتا ہوں کہ سرسید کی لائف جیسی کہ چاہیئے تھی ویسی مجھ سے نہیں لکھی گئی لیکن اسی کے ساتھ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ میں نے باوجود اپنی نا قابلیت کے اس بارِ گراں کو اپنے ذمے لے کر سرسید کے تمام اصحاب اور حواریین کو ایک فرضِ کفایہ سے سبکدوش کیا ہے اور اس لئے میں اپنے زعم میں یہ سمجھے ہوئے تھا کہ سرسید کے احباب اگر اس تصنیف کو پسند نہ کریں گے تو اس کی اشاعت میں ضرور مدد دیں گے مگر آج تک کسی نے اس کی بات نہیں پوچھی بلکہ بجائے امداد کے بعض اصحاب متوقع ہیں کہ ان کی خدمت میں ایک ایک کاپی ہدیۃً پیش کی جائے۔ حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب نے سرسید کی زندگی میں وعدہ کیا تھا کہ پانسو روپیہ کی کتابیں خرید کر کالج کو دوں گا۔ مگر میں سرسید کو اور اپنے تئیں بڑا خوش قسمت سمجھوں گا جب یہ سنوں گا کہ انہوں نے کوئی کاپی ڈیوٹی سے خرید فرمائی ہے اور اس کو مطالعے کے لائق سمجھا ہے۔ آپ یقین جانئے کہ میں اس زمانے کی لٹریری ترقی کے آگے ایسے لوگوں کی تحریرات کو جو میری طرح محض اردو فارسی کے مرد میدان ہیں لاشئے محض جانتا ہوں مگر کوڑی جو اپنا بچالا پورنے میں فنتھائے طاقت صرف کرتی ہے وہ اسی کو حریر و اطلس بلکہ ان سے بھی زیادہ گراں قدر تصور کرتی ہے اس لئے کہا گیا ہے ؎

اگر بریاں کند بہرام گورے	نہ چوں پائے ملخ باشد ز مورے

امید ہے کہ آپ میری اس خارج آہنگی اور زیادہ سرائی کو معاف فرمائیں گے۔ زیادہ نیاز!

آپ کا نابعدار الطاف حسین حالی از پانی پت، ۱۷ رجون ۱۹۰۱ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور	(۱۶)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

عنایت نامہ پہنچا۔ برسات کے مطالعے سے برسات کا لطف دونا ہو گیا۔ بہت عمدہ مثنوی ہے اس میں کسی قسم کا تصرف کرنے کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی اگرچہ کہیں کہیں شعرائے ایران و ہندوستان کے مسلمات کے خلاف کیا گیا ہے جیسے کرشمہ کا قافیہ جلوہ یا برسیں کا قافیہ بھر دیں یا بدلا کا قافیہ آیا وغیرہ وغیرہ۔ مگر میرے نزدیک اب ان قیود کو اٹھا دینا ہی بہتر ہے جن کے سبب سے شاعری کا میدان نہایت تنگ ہو گیا ہے۔ گبن کی تاریخ کا ترجمہ حسبِ تحریر مولوی بہادر علی صاحب ایم۔ اے جو انہوں نے مسٹر مارلین کے ایما سے مجھے بھیجی تھی میں نے اپنے ایک عزیز کے ہاتھ مارلین صاحب کے پاس بھیج دی ہے مگر اب تک باوجود گزرنے پندرہ سولہ روز کے اس کی رسید نہیں آئی۔ میں بعنایتِ الٰہی جہاں تک کہ تندرست رہ سکتا ہوں اچھا ہوں۔ مولوی سید وحید الدین صاحب سلیم نے

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب رئیس بھیکم پور

(۲۱)

جناب مولوی صاحب مخدوم ومکرم!

تسلیم! عنایت نامہ پہنچا۔ مولوی ذوالفقار حسین صاحب کے انتقال کا حال معلوم ہونے سے نہایت افسوس ہوا۔ میں آپ کے حال سے اور ان کے خاندان کے اکثر لوگوں سے واقف ہوں۔ ایسا آدمی ملنا سخت دشوار ہے۔ یہ صاحب دہلوی الاصل نہ تھے بلکہ ان کا خاندان نزیلِ دہلی تھا۔ ریاست دادری وبہادرگڑھ کے علاقہ میں ایک قصبہ کلیانہ ہے جو مردم خیزی میں ضرب المثل ہے مولوی ظہور علی بتقریب ملازمت سرکاری وہاں سے دہلی چلے آئے تھے پھر اپنے وطن کی طرف رُخ نہیں کیا۔ مولوی ذوالفقار حسین صاحب اور ان کے بڑے بھائی نے شاید کلیانہ دیکھا بھی نہ ہوگا۔ اہلِ کلیانہ معلّمی کے فن سے ایک خاص مناسبت رکھتے تھے۔ ایک کلیانوی بزرگ سے میں نے بھی صغر سنی میں کچھ پڑھا تھا۔ بہرحال مرحوم کا بدل مشکل سے ملے گا اور خاص کر پانی پت میں تو ایسے لوگوں کا وجود عنقا ہے مگر میں گرد و نواح کے قصبوں میں اور نیز دہلی میں تلاش کراؤں گا۔ اگر کوئی لائق آدمی میسر آیا تو فوراً آپ کو اطلاع دوں گا۔ امید ہے کہ آپ بہمہ وجوہ خیریت سے ہوں گے افسوس ہے کہ مدت دراز کے بعد بتقریب تودیع مسٹر آرنلڈ علی گڈھ جانا ہوا تھا مگر آپ سے اور نیز مکرمی محمد مزمل اللہ خان صاحب سے ملاقات کا موقع نہیں ملا۔ دہلی میں بھی جبکہ حکیم واصل خاں صاحب کے ہاں ہنگامۂ رقص وسرود گرم تھا ایک بجلی کی سی چمک نظر آئی تھی پھر برابر آنکھیں ترستی رہیں۔ لعل اللّٰہ یحدث بعد ذالک امرا۔ والسلام خیر ختام۔

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۲۳ / اپریل ۱۹۰۴ء

نقل رسید

(۲۲)

مبلغ ۱۲؎ بابت قیمت کتاب یادگار غالب جو ۱۳۰۹ فصلی میں حسب الحکم سرکار عالی نظام خلد اللّٰہ ملکہٗ سررشتۂ تعلیمات سرکار موصوف میں نیاز مند راقم سے خریدی گئی تھی معرفت سررشتۂ موصوف کے وصول ہوئی۔

چونکہ پہلی رسید تلف ہوگئی تھی اس لئے مکرر یہ رسید لکھی گئی۔ فقط المرقوم ۱۲ / اسفندار ماہ الٰہی ۱۳۱۴ف مطابق ۱۷ / جنوری ۱۹۰۵ء

(یہ الفاظ ایک آنہ کے ٹکٹ پر ہیں) :　وظیفہ خوار سرکارِ عالی الطاف حسین حالی بقلم خود

(محفوظ در ذخیرۂ تمکین کاظمی)

بنام عبداللہ حسینی حریف

(۲۳)

کوسگی علاقہ جاگیر نواب سر سالار جنگ بہادر میں ایک قدیم قصبہ ہے جس کے تاریخی وجغرافی حالات پر ایک مفید رسالہ سید عبداللہ صاحب حسینی متخلص بہ حریف نے جو خاص کوسگی کے رئیس ہیں مرتب کیا ہے۔ یہ رسالہ ان لوگوں کے لئے جو قدیم زمانہ سے دلچسپی رکھتے ہیں ایک نہایت قابلِ قدر چیز ہے مصنف موصوف نے اس کے ترتیب دینے میں بہت سی قدیم وجدید تواریخ سے مدد لی ہے اور بہت سے ایسے دلچسپ حالات اس میں درج کئے ہیں جن کے فراہم کرنے میں ان کو بڑی زحمت اٹھانی پڑی ہوگی۔ رام چندر جی کے زمانہ سے لے کر زمانۂ حال تک کے اہم واقعات جو کوسگی اور اس کے گرد و نواح سے علاقہ رکھتے ہیں اس میں کافی تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں اور اس کا جغرافیہ اور اس کے ذرائع آبپاشی ومحاصل زمین وخانہ شماری ومردم شماری اور باشندوں کی زبان وغیرہ کی کیفیت اور مزارات اہل اللہ کا بیان بہت عمدگی سے لکھا گیا ہے۔ اگرچہ یہ ایک لوکل تصنیف ہے جس سے خاص کر وہاں کے باشندوں کو

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب رئیس بھیکم پور

(۱۹)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

آپ نے سُن لیا ہوگا کہ ہز میجسٹی امپرر آف انڈیا کی علالت کی وجہ سے آج دربار تاج پوشی ملتوی ہو گیا اور ہندوستان میں جو آج کی تعطیل قرار پائی تھی اس کے التوا کا حکم بذریعہ تار برقی کے تمام ملک میں شائع کر دیا گیا۔ چوں کہ بیماری کا حال معلوم نہیں ہوا کہ معمولی ہے یا خدانخواستہ کوئی سخت مرض ہے اس لئے آج کا دن تشویش و تردد میں گزرا۔ اس حالت میں کسی کام کے کرنے کو جی تو نہیں چاہتا تھا مگر آپ کے عنایت نامے کو آئے ہوئے کئی دن گزر چکے تھے اس لئے اس کا جواب عرض کرنا ضرور تھا۔

لکچر اور نظم اور عنایت نامہ تینوں ایک ساتھ وصول ہوئے۔ تصویر عبرت کو اوّل میں نے مخزن میں دیکھا تھا پھر تہذیب نسواں میں دیکھا اور اب لکچر کے ساتھ اس کو بھی اوّل سے آخر تک پھر پڑھا اور بلا تصنع ہر دفعہ اس کے پڑھنے سے لطف تازہ حاصل ہوا۔ فالمسک ما کررتہ یتضوع —— اوّل تو مضمون ہی فی نفسہٖ مؤثر اور عبرت انگیز ہے اور پھر مناسب الفاظ اور خوبیٔ بیان نے اس میں اور بھی جان ڈال دی ہے مگر شاید یہ کبر سن کا تقاضا ہے کہ جو اثر پہلے عمدہ نظم کے پڑھنے یا سننے سے دل پر ہوتا تھا وہ بات اب نہیں رہی اور یہی وجہ ہے کہ فکرِ شعر سے اب طبیعت کوسوں بھاگنے لگی ہے۔

لکچر جس وقت میرے پاس پہنچا جب تک اس کو اوّل سے آخر تک نہیں دیکھ لیا اپنی جگہ سے نہیں اٹھا اگرچہ اس میں بعض خیالات ایسے ظاہر کئے گئے ہیں جن سے مجھ کو اتفاق نہیں ہے لیکن اس بات کے خیال کرنے سے بے انتہا مسرت ہوتی ہے کہ ہمارے سیکڑوں اور لکچراروں میں آپ کے سبب سے ایک معقول اور قابلِ قدر اضافہ ہوا ہے۔ سب سے پہلے میں نے آپ کی وہ بے مثل تقریر سُنی تھی جو حاذق الملک کی یادگار کے جلسے میں بمقام علی گڈھ اسٹریچی ہال میں آپ نے کی تھی۔ اس کے بعد اخلاقِ اسلامی پر جو لکچر آپ کا انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں چھپا ہے اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور اب یہ لکچر جو حمایتِ اسلام پر آپ نے لاہور میں دیا تھا میری نظر سے گزرا مسلمانوں میں اوّل تو عموماً قحط الرجال ہے اور پھر خاص کر رؤسا کے طبقے میں تو علمی مذاق بالکل مفقود ہی ہو گیا ہے۔ پس یہ کچھ کم خوشی اور فخر کا مقام نہیں ہے کہ ہمارے رئیسوں میں ایک ایسا شخص موجود ہے جو قطع نظر اعلیٰ درجے کے علمی اور لٹریری مذاق کے مسلمانوں کا خیر خواہ اور اسلام کا حامی اور قومی کاموں میں بھی سرگرم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جملہ مکروہات سے محفوظ رکھے اور اسلام کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی ہمدردی سے آپ کو حظّ وافر نصیب کرے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار نیاز مند الطاف حسین حالی از پانی پت ۲۶ رجون ۱۹۰۲ء

(۲۰)

بنام مولوی بشیر الدین

جنابِ من!

کانفرنس گزٹ کا بطور ضمیمہ کے البشیر کے ساتھ شائع ہونا بہت مناسب ہوا ہے خدا کرے کہ وہ مفید بھی ہو۔ ایک صاحب نے یہ صلاح دی ہے کہ "کانفرنس گزٹ" لکھے اوپر زرا خفی قلم سے یہ الفاظ اور لکھنے چاہئیں "ایم۔ اے۔ او ایجوکیشنل" تاکہ اور قوموں کی کانفرنس اور مسلمانوں کی کانفرنس میں تمیز ہو۔ میں بھی اس رائے کو پسند کرتا ہوں۔ اطلاعاً عرض کیا گیا۔

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۸ راگست ۱۹۰۲ء

نوابِ محسن الملک

بنام منشی ذکاء اللہ صاحب

(۱)

مخدوم و مکرم بندہ شمس العلماء منشی ذکاء اللہ صاحب زاد لطفہٗ

مولوی سید احمد مصنف فرہنگِ آصفیہ جن کی چار سو کتابیں سرکار نے خرید فرمائی ہیں یہاں آئے اور جناب نواب مدار المہام سرکار عالی کی ملازمت حاصل کی۔ نواب انتصار جنگ[۱] بہادر اور بندہ نے بھی ان کے مشکلات جو کتاب کے چھاپہ کے ختم ہونے میں پیش ہیں سُنیں اور سرکار میں عرض کیا کہ کسی طرح اس کتاب کا تمام ہو جانا چاہئے تاکہ جس غرض سے سرکار نے چار سو جلدیں خریدی ہیں وہ حاصل ہو اور اس پر یہ امر قرار پایا ہے کہ یہ معاملہ آپ کے سپرد کیا جاوے اس لئے میں آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ آپ مہربانی کر کے اتنی محنت اپنے اوپر گوارا فرمایئے کہ جو معاملہ ان کا ساہوکار سے ہے وہ کس طور پر ہو سکتا ہے اور وہ کس طرح اس کے پنجے سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اور سرکار کی کیا مدد اس کام میں مطلوب ہے اور آئندہ باقی ماندہ کتاب کے چھاپنے کے لئے یہ بہتر ہوگا کہ سرکاری مطبع حیدر آباد میں چھپوائی جاوے اور مولوی سید احمد صاحب اس کی تصحیح یہاں آکر یا وہاں رہ کر کر دیا کریں۔ آپ سے بہتر اس کام کے واسطے دوسرا کوئی نہیں ہے اس لئے آخری تصفیہ اس کا آپ کی رائے عالی پر عمدہ طور سے ہو سکے گا۔ زیادہ نیاز!

محسن الملک ۱۱ رجمادی الثانی ۱۳۰۸ھ (۲ رفروری ۱۸۹۱ء)

بنام انتصار الملک بہادر

(۲)

بخدمت شریف جناب معتمد صاحب مال[۲]

یہ خطوط سید احمد صاحب کے آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ آپ کی کیا رائے ہے براہِ مہربانی مطلع فرمایئے تاکہ ویسا ہی جواب ان صاحب کو دیا جاوے۔ فقط!

محسن الملک ۷ رشوال ۱۳۰۷ھ (۲۷ رمئی ۱۸۹۰ء)

---

[۱] نواب وقار الملک۔

[۲] یہ خط محسن الملک کا انتصار جنگ بہادر کے نام ہے اور اسی کی پشت پر انتصار جنگ کا جواب بھی ہے۔ یہ متعلق ہے سید احمد دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ سے، اصل خط میرے پاس محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

زیادہ وابستگی ہونی چاہیے لیکن چونکہ اس کو ہندوستان کے افضل ترین مدبر نواب مختار الملک بہادر مرحوم و مغفور کے جلیل القدر خاندان سے تعلق ہے اور نیز خاندان موصوف کے حالات بھی اس میں درج ہیں اس لئے وہ ایک ایسا مجموعہ ہے جس سے عام ہندوستانی برابر لطف اٹھا سکتے ہیں۔ امید ہے کہ مولوی سید عبداللہ صاحب کی کوشش جو اس کتاب کے ترتیب دینے میں ان کو اٹھانی پڑی ہے ملک میں حسن قبول کا درجہ حاصل کرے گی۔

راقم الطاف حسین حالی وارد حیدرآباد ۲۸ر جولائی ۱۹۰۷ء

(۲۴)

بنام مولوی قمر علی صاحب

مہربانی فرما کر عزیزی محمود احمد صاحب عباسی کے حال سے مطلع فرمائیے کہ وہ بالفعل بریلی میں ہیں یا علی گڑھ میں اور ان کا مزاج کیسا ہے اور حضرت شاہ نظام الدین صاحب کے صاحبزادے یعنی مولانا نیاز احمد صاحب قدس سرہٗ کے پوتے کا پورا نام اور لقب اور جس محلہ میں وہ تشریف رکھتے ہیں بالتفصیل مجھے لکھ بھیجئے اور اس تکلیف دہی کو معاف فرمائیے۔ امید ہے کہ آپ بہر جہت بخیریت ہونگے زیادہ نیاز

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۹ر فروری ۱۹۰۹ء

(۲۵)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

جناب نواب صاحب مخدوم و مکرم!

تسلیم اولے بالتقدیم! آپ کی تصنیف جدید "فطرۃ الاسلام" کا ایک نسخہ عطیۂ جناب خاکسار کے پاس پہنچا۔ اس خاص عنایت کا شکریہ تہ دل سے ادا کرتا ہوں۔ رسید اور شکریہ بھیجنے میں اس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ میں ایک عرصہ سے علیل چلا جاتا ہوں۔ اگرچہ اب تک کوئی مرض مہلک عارض نہیں ہوا مگر لکھنا پڑھنا بالکل چھوٹ گیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ فطرۃ الاسلام کے مطالعہ سے مستفیض ہونے کے بعد جواب عرض کروں۔ لیکن ضعفِ بصارت اور ضعفِ دماغ نے مجبور کر دیا ہے۔ اکثر احباب و اکابر اپنی تصنیفات بھیج کر ممنون فرماتے ہیں مگر میں ان سے بہت ہی کم مستفیض ہوتا ہوں۔ اگرچہ دوسرے شخص سے پڑھوا کر سننا ممکن ہے مگر سننے سے جی خوش نہیں ہوتا خصوصاً عمدہ تصانیف کو خود پڑھ کر جو لطف آتا ہے سننے سے وہ کیفیت حاصل نہیں ہوتی۔ بہرحال موجودہ شکایتیں رفع ہونے کے بعد میں ضرور کوشش کروں گا کہ خود پڑھ کر یا کسی عزیز سے سن کر آپ کے افاداتِ طیبات سے مستفیض ہوں۔

فہرست مضامین دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ دہریت اور الحاد وبائے عام کی طرح چاروں طرف پھیلا ہوا ہے ایسی کتابوں کا شائع ہونا نہایت ضروری و مفید ہے۔ آپ نے قوم کی بہت بڑی خدمت کی ہے خدائے تعالیٰ اس کا اجر دے گا۔ امید ہے کہ جناب مع متعلقین و متوسلین کے بہمہ وجوہ خیر و بہتر سے ہوں گے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار دعاگو الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۸ر اکتوبر ۱۹۱۰ء

(۲۶)

بنام سید افتخار عالم صاحب

مکرمی سید صاحب دام مجدہم

آپ کا الطاف نامہ مع مطبوعہ ترجموں کے پہنچا۔ میرے سر میں پانچ سات دن سے درد رہتا ہے اس وجہ سے اب تک ریویو نہیں لکھ سکا۔ درد میں تخفیف ہو جائے تو انشاءاللہ تعالیٰ بہت جلد اس فرض سے سبکدوش ہوں گا۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے ریویو کے ساتھ ہی حیات النذیر کی نامکمل جلد جو آپ نے بھیجی ہے وہ بھی بھیج دوں گا اور دوسری مکمل جلد کا منتظر رہوں گا۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت یکم اکتوبر ۱۹۱۲ء

میں ایک درخواست جو نہایت چھوٹی ہے کرتا ہوں، یقین ہے کہ آپ اس کو منظور فرماویں گے یعنی علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کو آپ خریدا کریں جس کی سالانہ قیمت ۸؎ ہے اور اگر معاونین میں آپ داخل ہونا چاہیں تو ۱۲؎ یا ۲۰؎ آپ دے کر اس کو مدد دے سکتے ہیں۔ پچھلا اخبار بطور نمونہ آپ کی خدمت میں مرسل ہے۔

محسن الملک، از علی گڈھ یکم اگست ۱۹۰۲ء

---

(۵)

بنام مولوی بشیر الدین

مکرمی بشیر الدین صاحب!

فروری کا مہینہ بھی آدھا ہوا[۱] اور آپ کی رپورٹ کانفرنس کا ابھی آغاز بھی نہیں ہوا اب بھی آپ کچھ مہینے لگائیں گے اور یہ مجھے منظور نہیں۔ چاروں طرف سے رپورٹ کی مانگ ہو رہی ہے اور آپ نے اب تک کوئی مضمون کانفرنس کی کارروائی پر اخبار میں بھی نہ لکھا اور اخباروں میں مضمون بھی لکھے گئے، رائیں بھی ظاہر کر دی گئیں اس کے نتائج پر بھی بحث ہو گئی اور آپ کے یہاں اب تک ریزولیوشن بھی مشتہر نہ ہوئی۔ چندہ دینے والوں کی فہرست بھی شائع نہ کی گئی۔ ہمارے اور ہمارے کالج کا اثر آپ کے اوپر بھی پڑ گیا۔ میں اخیر فروری میں دورہ پر جاتا ہوں اگر اس عرصے میں رپورٹ کا خاکہ آپ نے تیار نہ کر لیا تو آپ جانیں اور آپ کی رپورٹ۔ میں نہ دیکھ سکوں گا نہ اصلاح کر سکوں گا اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میرا لکھنا آپ پر کچھ اثر نہ کرے گا اس لئے کہ اول تو آپ بیمار، اس پر کام کا انبار اور یک انار و صد بیمار۔

آپ نے باوجود میرے متواتر طلب کے نواب سر امین الدین خان کی انگریزی اسپیچ بھی نہ روانہ کی۔ فقط والسلام!

آپ اس کا جواب دیں کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے اور اگر ممکن ہو تو دو ایک روز کے لئے آپ یہاں ہو جائیں آمد و رفت کا خرچ یہاں سے دیا جائے گا۔

مہدی (محسن الملک)

---

(۶)

بنام مولوی بشیر الدین

مخدوم مکرم بندہ مولوی بشیر الدین صاحب!

کل انوار احمد صاحب آ گئے اور مسودات روئیداد کانفرنس کے جو نوٹ لکھنے والوں نے تحریر کئے تھے اپنے ہمراہ لائے جیسا کہ آپ کو خود معلوم ہے اب کی مرتبہ نوٹ لکھنے والوں نے ہوشیاری اور مستعدی سے کام نہیں کیا۔ پہلے بھی ان کے نوٹ ایسے ہی ہوں گے مگر آپ نے دوبارہ ایک دفتر کا دفتر اپنے قلم سے لکھا تھا اس لئے وہ اچھے معلوم ہوئے تھے۔ بہرحال ان نوٹوں اور مسودوں سے اسپیچوں اور تقریروں کا درست کرنا روح القدس کا کام ہے۔ سوائے بشیر الدین کے کسی اور بشر سے تو ہو نہیں سکتا میں اب کی مرتبہ عموماً دلی کی کانفرنس سے ایسا شکستہ دل ہو گیا ہوں کہ رپورٹ شائع کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ نہایت ناکامیابی ہوئی

---

[۱] خط پر تاریخ درج نہیں اغلب ہے یہ فروری ۱۹۰۳ء کا ہو۔

جنابِ من!

اصل تو یہ ہے کہ سرکار کا منشا اس خریداری سے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہ رہا ہے کہ کتاب تمام و کمال چھاپی جاوے اور جو معاملات مصنف اور ساہوکار کے درمیان ہوئے ہیں ان سے ہم کو کچھ مطلب نہیں۔ سرکارِ عالی کا تعلق خود مصنف سے ہے انہوں نے سرکار میں کتابیں داخل کی ہیں اس وقت تک جو خیال کیا گیا تھا کہ ساہوکار سے اور مصنف سے فیصلہ ہو جاوے وہ محض ایک اخلاقی امر تھا مگر اس قدر اور ہونا چاہیئے کہ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ خاں بہادر سے اور دریافت کیجئے کہ اون کی رائے کیا ہے اور ان کو سرکار کی یہ پالیسی بتلادی جائے اور اس عرصے میں مصنف کو مطمئن کر دیا جاوے کہ وہ چندے اور تامل فرماویں اور مطمئن رہیں۔

میری رائے یہ ہے آئندہ آپ کے نزدیک جیسا مناسب ہو۔[1]

انتصار جنگ معتمد مال ۷ رشوال ۱۳۰۷ھ (۲۷ مئی ۱۸۹۰ء)

بنام مولوی بشیر الدین

(۳)

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

مجھے اوروں سے کچھ امید نہیں کہ لکھنؤ جا کر کانفرنس کا انتظام کریں۔ اگر آپ سے ہو سکے تو آپ فوراً لکھنؤ جایئے اور کوشش کیجئے اگر آپ کی کوشش میں ناکامیابی ہوئی تو یا آپ کی کانفرنس موقوف رہے گی یا علی گڑھ میں رسم فاتحہ خوانی ادا کر لی جائے گی۔

خط راجہ نوشاد علی خاں کے نام بھیجتا ہوں اور کوئی شخص ایسا نہیں نظر آتا کہ میرے خط پر کچھ خیال کرے۔ فقط!

مہدی (محسن الملک) علی گڑھ ۴ اگست ۱۹۰۱ء

بنام نواب سید علی حسن

(۴)

جناب مخدوم مکرم بندہ نواب علی حسن خان بہادر

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ لکھنؤ میں تشریف رکھتے ہیں اور امین الدین کے ذریعے سے آپ کا پتہ بھی دریافت کیا تا کہ خط لکھوں مگر پتہ معلوم نہ ہوا۔ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے عنایت نامہ بھیج کر یاد فرمایا۔

آپ نے جو خواہش فرمائی ہے وہ تمام قوم کی ممنونی کا باعث ہے۔ آپ کو قومی ہمدردی تو ہمیشہ سے ہے اب وہ آتش اور مشتعل ہو گئی ہے۔ یہ قوم کی خوش نصیبی ہے۔ اگرچہ آپ کا بھوپال سے تشریف لانا دشمنوں کو پسند ہوا ہو قوم کے لئے مفید ہوا۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد — خمیر مایۂ دکان شیشہ گر سنگ است

قوم کی پہلی خدمت تو یہ ہے کہ آپ تعلیمی معاملات پر وقتاً فوقتاً کچھ مضمون لکھ کر علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں بھیج دیا کیجئے۔ دوسری یہ ہے کہ اپنے دوستوں اور ملاقاتیوں کو قومی کاموں پر متوجہ کریئے اور عمدہ مشورہ اور صلاحیں ہم کو دیا کیجئے۔ ایک تجویز ہو رہی ہے کہ تعداد ٹرسٹیوں کی زیادہ کی جائے۔ اس وقت جتنی جگہیں وہ سب معمور ہیں اگر یہ تجویز منظور ہوئی تو ٹرسٹیوں کی فہرست میں آپ کا معزز نام بھی جلد نظر آوے گا مگر ٹرسٹی ہونا اور نہ ہونا اور بات ہے۔ آپ کی شان اس سے ارفع اور اعلیٰ ہے اور آپ سے ہر طرح کی مدد ملنے کی امید ہے۔

---

[1] اصل خط تمکین کاظمی کے ذخیرے میں محفوظ ہے۔

اور میرا آپ پر زور دینا وہ صرف دوستی کے سبب ہے۔ آپ میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرتے ہیں، مہربانی سے پیش آتے ہیں، میرا کہنا سنتے ہیں اس لئے مجھے بھی جرأت ہوتی ہے کہ آپ سے وہ باتیں کہوں جو دوسروں سے نہیں کہہ سکتا۔ شکایت را لیوہ شرط آشنائی۔ اگر یہ خیال میرے دل میں نہ ہوتا تو کسی بے تکلفی کی حالت میں بھی ایک لفظ زبان سے ایسا نہ نکالتا جو سوائے مخلص دوستوں کے دوسروں سے نہیں کہا جا سکتا۔

کانفرنس کا کام آپ نے اپنی مہربانی سے لیا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس میں آپ کو کچھ مالی فائدہ نہیں ہوا بلکہ نقصان پہنچا۔ اگر آپ کو یہ خیال ہے کہ میں نے آپ کو معاوضہ کے خیال سے تاکیدی خطوط لکھے تو اس کا مجھے افسوس ہے۔ میرے تو وہم و گمان میں ایسی ناپاک بات نہ تھی اور نہ ہے۔ چونکہ آپ خود جانتے ہیں کہ رپورٹ کے شائع ہونے میں تاخیر ہونے سے اس کا لطف جاتا رہتا ہے اور سب سے بڑھ کر آپ اس تاخیر کے شاکی رہتے تھے اس لئے میں نے آپ پر تاکید کی اور اسی حالت میں بعض الفاظ قلم سے ایسے نکل گئے جن سے آپ کو رنج ہوا۔ رہا دہلی میں تکلیف پہنچنا اس کے اکیلے آپ ہی شاکی نہیں ہیں بلکہ کم کوئی کانفرنس کا ممبر ہوگا جس کو تکلیف نہ پہنچی ہو۔ میں ڈھائی مہینے برابر بیمار رہا اور میرے گھر کے لوگ نواب تک اس تکلیف سے جو ان کو دلی میں پہنچی فارغ نہیں ہوئے۔ ایسا منحوس دن تھا جب دہلی میں کانفرنس کرنے کی تجویز قرار پائی تھی سوائے نقصان اور تکلیف اور شکایت کے کچھ حاصل نہ ہوا اور جو نقصان، بدانتظامی اور فضول خرچی کی وجہ سے پہنچا اس کی تلافی برسوں میں بھی نہیں ہو سکی۔ آپ تو درحقیقت وہاں بیمار ہو گئے تھے اور اسی کا سبب ہے کہ اب تک بیمار چلے جاتے ہیں۔

طاعون نے جو اس مصیبت کو دوبالا کر دیا وہ بھی ہماری ہی بدقسمتی ہے۔ مجھے یہ سن کر کہ آپ کے مکان کی آب و ہوا خراب ہو گئی تھی اور طاعون کے سبب سے کام بند ہو گیا تھا یہاں تک کہ اخبار بھی جاری نہ ہو سکا، نہایت افسوس ہے اور مجھے کس قدر رنج کہ ان باتوں کی لاعلمی کی وجہ سے میں نے آپ کو اور پریشان کیا جس کی میں معافی چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ ضرور معاف کریں گے۔

رپورٹ موجودہ مسودات سے اگر کوئی لکھ سکتا ہے تو صرف آپ لکھ سکتے ہیں۔ اگر آپ کی طبیعت اس قدر بحال ہو کہ آپ ایک ماہ میں اس رپورٹ کو لکھ دیں تو میں آپ کے پاس سب کاغذات واپس کر دوں ورنہ میں خود ردیا دلیطور خلاصہ کے لکھ کر شائع کر دوں گا اور جو اصلی اسپیچیں اور تقریریں ملیں گی وہ درج کر دوں گا۔ باقی اسپیچوں کا نہایت مختصر خلاصہ لکھ دوں گا۔

مجھے آپ کے اس خیال سے کہ جو خرچ آپ نے کیا وہ آپ اپنے اوپر جرمانہ سمجھیں گے اور کانفرنس سے نہ لیں گے نہایت رنج ہوا۔ غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کو اپنا دوست نہ سمجھوں اور آئندہ مثل غیروں کے آپ سے بھی برتاؤ کروں اور آخری فقرہ سے آپ کے خط کے مجھے نہایت رنج ہوا اور آپ اپنے قصور کی معافی چاہتے ہیں یہ لکھ کر کہ میں ماعث اپنے اوپر جرمانہ کرتا ہوں، اس لئے میں آپ کا قصور معاف نہیں کرتا۔ والسلام!

مہدی

محسن الملک،

۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء

اور اس کا سبب صرف بدانتظامی اور فضول خرچی ہے۔ اب کی مرتبہ ایسے رنج اور شکایت کے خط میرے نام آئے ہیں کہ مارے شرم کے جواب بھی نہیں دے سکا۔ دل نہیں چاہتا اور نہ جرأت ہوتی ہے کہ کانفرنس کے لئے روپیہ مانگا جائے یا ایجنٹ بھیجے جاویں۔ غضب خدا کا ۔۔۔[1] صرف ہوا اور نتیجہ سوائے شکایت اور ملامت کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ آج آپ کا خط آیا اس سے اور نیز انوار احمد کی زبانی آپ کی پریشانی اور تکلیف کی کیفیت معلوم ہو کر نہایت رنج ہوا اور جو خطوط میں نے لکھے تھے ان کے لکھنے پر نہایت افسوس اور شرمندگی ہوئی۔ مجھے اگر یہ کیفیت معلوم ہوتی تو ہرگز کوئی ایسی بات نہ لکھتا جس سے آپ کو ذرا بھی رنج ہوتا۔ میں نے صرف جلد کام ہونے کی غرض سے بے تکلف آپ کو وہ باتیں لکھی تھیں جن سے آپ کو غصہ آتا اور میرا یہ خیال تھا کہ غصہ میں آکر آپ جلد رپورٹ لکھ کر بھیج دیتے اور سب کام چھوڑ دیتے مگر مجھ کو یہ کیا معلوم تھا کہ وہاں حالت ہی دوسری ہے اور آپ بیماریوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ میں نہایت افسوس کرتا ہوں اور جو رنج آپ کو پہنچا اس کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ کی وقعت اور محبت جس قدر میرے دل میں ہے وہ میرا ہی دل جانتا ہے۔ چھیڑ چھاڑ دوسری چیز ہے مگر کوئی ایسی بات جس سے آپ کو رنج ہو، کرنا نہایت رنج دہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس رنج کو جو میرے خطوں سے پہنچا معاف کریں گے۔

مدراس کی رپورٹ کی نسبت میرا وہی خیال ہے جو پہلے تھا ہرگز کسی قسم کی تبدیلی میری رائے میں نہیں ہوئی۔ جو محنت اس رپورٹ پر آپ نے کی اور جس خوبی سے آپ نے اس کو لکھا اس کی تعریف عارضی نہ تھی بلکہ اصلی تھی۔ انوار احمد صاحب شاید میری بات سمجھے نہیں۔ میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ دلی کی کانفرنس کی رپورٹ میں تقریریں طول طویل لکھنا فضول اور بے فائدہ ہے اور اسپیچوں کے طول دینے میں کچھ حاصل نہیں۔ پر میں نے کیا غلط کہا کہ اسپیچیں آپ نے لی ہیں۔ میں نے خود اپنی اسپیچوں کی نسبت دیکھا کہ جو کچھ میں نے کہا تھا گو مطلب وہی تھا مگر آپ نے اس کی نظم و ترتیب ایسی خوبی سے کی کہ مجھے اس کے دیکھنے سے خود خوشی ہوئی۔ مگر کیوں اتنا وقت آپ ان اسپیچوں کے مرتب کرنے میں ضائع کریں جس میں کوئی خاص خوبی اور خاص بات نہ ہو۔ رہا روپیہ کا زیادہ خرچ ہونا اس کا حال یہ ہے کہ ۔۔۔۔۔۔[2] کانفرنس کا خرچ ادا کرنا اب تک باقی ہے۔ صوفی صاحب کا تقاضا جاری ہے اور ضمیمہ خرچ کے نہ ہونے سے اب تک چھپا نہیں۔ روپیہ معمولی کام کے لئے بھی نہیں مختلف سکیشن جو قائم ہوئے ہیں ان کے لئے روپیہ مانگا جاتا ہے۔ یہاں کیسہ خالی ہے روپیہ کہاں سے دیا جائے؟ ایسی حالت میں رپورٹ کا حجم اگر زیادہ ہوا اور وہ بھی دس ماہ کے بعد شائع ہوئی تو اس سے کیا حاصل؟ اس میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے آپ ناراض ہوتے۔ ہاں جس طرز سے آپ کو میرا بیان نقل کیا گیا اس سے رنج پہنچنا ممکن تھا۔ آپ کے اس فقرہ سے کہ "خوب انعام میں نے آپ کو دیا" مجھ کو حقیقت مجھے شرمندگی ہوئی۔ بلاشبہ بعض فقرات سے میرے خطوں کے آپ نے ایسا خیال کیا ہوگا، مگر بشیر الدین الیقین جانو کہ وہ باتیں صرف تمہاری طبیعت کو مشتعل کرنے اور جلد کام کرنے کے لئے تھیں، نہ کہ دل سے۔

یہ امر مجھے نہایت ناگوار ہوا کہ آپ بوجہ آزادی طبیعت کے علی گڑھ نہیں آتے۔ یہاں کون سی آزادی آپ سے چھینی جاتی ہے اور کیا آپ کو اپنی مرضی کے خلاف کام کرنا پڑتا ہے۔ آپ کسی کے نوکر نہیں آپ کسی کے وکیل نہیں، آپ کسی کے ممنونِ احسان نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ آپ آزاد نہ رہیں اور یہاں کے آنے کو آزادی کے خلاف سمجھیں؟ رہا میرا کہنا سننا

---

[1] یہ رقم صحیح نہیں معلوم ہوتی۔　　[2] یہ حصہ کٹا ہوا ہے۔

بنام مولوی بشیر الدین

(۹)

مخدومی مولوی بشیر الدین صاحب!

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں اور کیونکر آپ کے ساتھ کام کروں۔ ایک بُری عادت آپ میں یہ ہو گئی ہے کہ آپ خطوں کا جواب نہیں دیتے۔ اگر دو سطر میں جواب بھی دے دیا کرو تو اس قدر تو معلوم ہو کہ تم زندہ ہو اور مرے نہیں۔ میں نے تم کو تین خط لکھے مگر ایک کا بھی جواب نہیں آیا۔ تمام دنیا میں پارسال کی طرح پھر میری ذلت اور رسوائی ہو گی کہ وقت پر کام نہ ہوا۔ آپ نے نہ اس وقت تک رزولیوشن بھیجے نہ چندہ کی فہرست اور میں اس وقت تک ان سب کمیٹیوں کے ممبروں کو کچھ اطلاع نہیں دے سکا جو مختلف کاموں کے لئے مقرر ہوئے ہیں۔ آج کا اخبار بھی پہنچا اس میں بھی سب کچھ ہے سوائے کانفرنس کے۔ نہ اس کی کچھ کیفیت ہے نہ رزولیوشن۔ اگر ہے تو پریسیڈنٹ کو سختی کے ساتھ بُرا بھلا کہا گیا ہے۔ یہ طریقہ یعنی جس سختی سے آپ تحریر کرتے ہیں مجھ کو تو پسند نہیں ہے۔ آپ ہی اس کو شاید پسند کرتے ہوں۔ رائے ظاہر کرنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ سختی سے کام لیا جائے۔ بلکہ خوبی اسی میں ہے کہ اپنا مطلب نرم لفظوں میں ظاہر کیا جائے اور انسانیت اور اخلاق کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔ لیکن مجھ کو اس سے کچھ مطلب نہیں، نہ میں آپ کا ناصح ہوں نہ آپ کسی کی سننے والے ہیں۔ ہاں مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ آپ مجھے بہت تکلیف دیتے ہیں اور وقت پر میرے خطوں کا نہ جواب دیتے ہیں نہ کام کرتے ہیں آپ رزولیوشن اور فہرست چندہ کی بھیج دیجئے یا جواب دیجئے ورنہ میں کوئی دوسرا انتظام کروں گا۔ مجھے پارسال کے سے آثار نظر آتے ہیں کہ باتوں میں دن گذر جاویں گے اور رپورٹ وقت پر تیار نہ ہو گی لیکن میں آپ سے صاف کہے دیتا ہوں کہ میں اب اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر آپ رپورٹ نہ لکھ سکیں تو جن لوگوں نے نوٹ لکھے ہیں ان کو میرے پاس بھیج دیجئے تاکہ میں خود اپنا سر ماروں اور آپ کو آئندہ تکلیف نہ دوں۔

یہ کیا طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے کہ اوّل آپ اخبار میں شائع کر کے کالج کو بدنام اور فضیحت کر دیتے ہیں پھر مجھے توجہ دلاتے ہیں۔ کالج کے طالب علموں پر مشن کا کیا جال چلا اور کیا ہوا جس پر آپ میری توجہ چاہتے ہیں اور نہ صورت نہ توجہ ہونے کے آپ بذریعہ اخبار کالج کی فضیحت کرنے پر آمادہ ہیں۔ مجھے اس وقت تک کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔ بجائے اخبار میں لکھنے کے اوّل مجھے تو اطلاع دی ہوتی۔ یہ کوئی دوستی نہیں ہے نہ کالج کی خیر خواہی کہ آپ ایسی باتیں کہ جس سے مسلمانوں کو کالج کے خلاف جوش پیدا ہو اخبار میں لکھ دیں اور مجھ کو خبر تک نہ کریں اور پھر بھی گول گول لکھیں جس سے یہ بھی نہ معلوم ہو کہ کیا آفت آئی۔ کیا قیامت بپا ہوئی۔ خیر اگر اسی کا نام آزادی اور خیر خواہی ہے تو یہ آپ کو مبارک رہے اور جو آپ کا دل چاہے کریں۔ انوار احمد اور علی محمد کہاں ہیں۔

محسن الملک ۱۵ رجنوری ۱۹۰۷ء

بنام مولوی بشیر الدین

(۷)

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

یہ مہینہ بھی ختم ہوا اور مسودہ روئیداد کا ختم نہ ہوا۔ کل کانفرنس کی میٹنگ تھی مگر میں نے رپورٹ کا ذکر نہ کرنے دیا مگر درحقیقت لوگوں کو بہت ناامیدی ہوئی اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی حالت نہایت افسوس کے قابل ہے اس دفعہ کے البشیر کی چھپائی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی حالت نہایت نازک اور نہایت واجب الرحم ہے۔ چونکہ آپ مجھ سے زیادہ اس تاخیر پر افسوس کر رہے ہیں اس لئے اس باب میں کچھ آپ کو لکھنا تکلیف دینا ہے۔

بجٹ تیار ہوتا ہے اگر آپ نے اپنے اسکول کی اسکیم تیار نہ کی اور آپ یہاں لے کر خود نہ آئے تو یہ سال بھی خالی جائے گا اور آپ کے اسکول کے لئے نہایت ضرورت ہے کہ کسی طرح پر اس کی مالی حالت درست کی جائے۔ فقط!

محسن الملک علی گڈھ، ۲۷ مئی ۱۹۰۳ء

بنام مولوی بشیر الدین

(۸)

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

آپ نے جنرل اسٹینڈنگ کمیٹی کانفرنس میں کمیٹی کے روبرو کہا تھا کہ کانفرنس کی رپورٹ آخر جولائی تک آجاوے گی۔ نصف مہینہ اگست کا بھی گذر گیا مگر رپورٹ کا پتہ نہیں۔ اب صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ آپ کو اپنے وعدہ کا، نہ آپ کو کانفرنس کا، نہ میری عزت کا، نہ اپنی ذلت کا کچھ خیال ہے۔ خدا جانے آپ رپورٹ میں کیا طول طویل لکھ رہے ہیں جو ختم ہی نہیں ہوتی کانفرنس کو مولوی عبدالاحد نے اوّل اور آخر کو آپ نے تباہ کر دیا۔ میرا تو منہ نہیں پڑتا کہ کسی کو کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے لکھوں یا چندہ ممبری مانگوں۔

اب اگر رپورٹ بھی ہوئی تو کب چھپے گی اور کب تقسیم ہوگی؟ آخر کیا ہوگا؟ لوگ مجھ پر لعنت کریں گے اور اب کی مرتبہ کانفرنس میں آنا روپیہ بھی نہ ملے گا کہ معمولی خرچ سال بھر کا چل سکے۔ اس رپورٹ کے سبب سے آپ نے انوار احمد کو بھی روک لیا کہ وہ کالج اور میموریل فنڈ کا کچھ کام کرتے اور آپ نے اخبار میں بھی معذرت تاخیر رپورٹ کی نہ چھاپی۔ اس اخبار میں اگر آپ نے بصراحت اس کے متعلق مضمون نہ لکھا اور معذرت نہ کی تو میں آئندہ سوسائٹی کے اخبار میں اپنی طرف سے اپنی روسیاہی اور ذلت کا عذر چھاپنے پر مجبور ہوں گا۔

محسن الملک۔ ۱۰ر اگست ۱۹۰۳ء

یہ آخری عریضہ ہے جو آپ کی خدمت میں اس معاملہ کے متعلق لکھا جاتا ہے - براہِ مہربانی اس کا جواب بذریعہ رجسٹری شدہ خط کے بھیج دیجئے - تاکہ ہز آنر کے روبرو جبکہ جناب ممدوح آخیر جولائی میں یہاں تشریف لائیں گے پیش کر دیا جائے - کیونکہ ہز آنر جب یہاں تشریف لائیں گے اس معاملہ کو قطعی فیصل فرمائیں گے اور یہ آپ یقین کر لیں کہ سالانہ چندہ دینے کے وعدہ کو بغیر اس کے کہ فنڈ کا انتظام کر دیا جائے ہز آنر مثل انکار کے سمجھیں گے - فقط!

محسن الملک علی گڈھ ۲۹ مئی ۱۹۰۵ء

بنام مولوی نظام الدین حسن

(۱۲)

جناب مخدوم و مکرم بندہ مولوی نظام الدین حسن صاحب!

تسلیم - مصطفےٰ حسین کے خط سے معلوم ہوا کہ بھوپال میں ان کو کامیابی ہوئی اور کانفرنس کے لئے چندہ بھی ملا اور امید ہے کہ ہر ہائینس عالیجناب بیگم صاحبہ بھی مدد کریں گی اور آپ کے واپس آنے پر اوس کا اعلان ہونے والا تھا چونکہ اب آپ تشریف لے آئے ہیں اس لئے میں یہ عریضہ لکھتا ہوں کہ آپ براہِ مہربانی حضور عالیہ سے ایک معقول رقم دلوایئے اور چونکہ آپ ہمیشہ خود مدد کیا کرتے ہیں اور آپ ہی کی مہربانی سے ہر ہائینس نے بارہ سو روپیہ تعلیم نسواں کے لئے مقرر کر دیا ہے اس لئے مجھے آپ کو تکلیف دینے کی ضرورت نہ تھی - مگر مجھے کانفرنس کی حالت نے اس قدر لکھنے پر مجبور کیا ہے - کانفرنس بالفعل قرضدار ہے اور بمبئی اور لکھنؤ کی لوکل کمیٹیوں نے کچھ روپیہ نہیں دیا اور اب کی جو ایجنٹ کانفرنس کے لئے بھیجے گئے تھے اون کو بھی کچھ نہیں ملا - میں بمبئی اور مدراس سے کانفرنس کے لئے کچھ چندہ جمع کرنے کی غرض سے علی گڈھ سے نکلا تھا مگر یہاں آکر بیمار ہو گیا اور بیمار بھی ایسا سخت کہ کچھ کام نہیں کر سکتا - دو ہفتہ سے تو میں کمرہ سے باہر نہیں نکلا - جب چلنا پھرنا نہ ہو تو چندہ کیونکر مل سکتا ہے اس لئے خاص ضرورت ہے کہ کہیں سے کوئی بڑی رقم کانفرنس کے لئے ملے - مجھے آپ سے بہت امید ہے اور پورا یقین ہے کہ آپ کی ذرا سی کوشش سے ہر ہائینس معقول رقم عطا فرمائیں گی خصوصاً شادی کی مبارک تقریب پر - میں آپ کو ہرگز تکلیف نہ دیتا اگر کسی اور طرح پر کام نکلتا معلوم ہوتا -

جو لڑکے ڈیپوٹیشن میں بنگلور گئے تھے اون کو بہت اچھی کامیابی ہوئی - چار ہزار روپیہ کا عام چندہ ہوا اور دو ہزار روپیہ گورنمنٹ میسور نے دئے - کم سے کم اتنا تو آپ ہم کو اپنے یہاں سے دلوایئے -

محسن الملک

بمبئی ۱۲ ستمبر ۱۹۰۵ء

پشت پر تحریر ہے:

شامل مثل مدرسۃ العلوم علی گڈھ　　نظام الدین

غلام عباس

بنام نواب سید علی حسن

(۱۰)

جناب من!

والانامہ مورخہ ۱۸ اگست پہنچا۔ ممنون فرمایا۔ یہ تجویز آپ کی نہایت مناسب ہے کہ ہز آنر[1] کے نام سے وظیفہ موسوم کیا جائے مگر ہز آنر کو اس وقت اطلاع دی جاوے گی جبکہ اس کا سرمایہ منتقل کالج میں جمع ہو جاوے گا۔
اس لئے کہ جو وظیفہ ہز آنر کے نام پر ہو وہ دوامی ہو اور دوامی کا اعلان کالج اسی وقت کر سکتا ہے جبکہ مستقل سرمایہ اس کے سپرد کر دیا جائے اور یہ قاعدہ کی بات ہے آپ بھی خود اس کو پہلے سے سمجھتے ہوں گے۔ والسلام!

محسن الملک

از آنریری سیکرٹریز آفس ایم۔ اے۔ او کالج ۲۴ اگست ۱۹۰۴ء

بنام نواب سید علی حسن

(۱۱)

بعالی خدمت جناب مخدوم بندہ صفی الدولہ حسام الملک نواب علی حسن خاں صاحب زاد الطافکم!

تسلیم! میں عربی تعلیم کے متعلق نقل چٹھی کی جو گورنمنٹ کی طرف سے آئی تھی بذریعہ عریضہ مورخہ ۲۰ مارچ کے آپ کی خدمت میں بھیج چکا ہوں۔ اس کے بعد میں ہز آنر سے بمقام لکھنؤ ملا۔ ہز آنر نے زبانی ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے عربی کے وظیفہ کے لئے چندہ دینے کا وعدہ کر لیا ہے جب تک وہ بقدر اس آمدنی کے فنڈ جمع نہ کر دیں اور کالج کے ہاتھ میں اس کی آمدنی نہ آجائے یا کالج پورے طور پر اس آمدنی کے دوامی ہونے پر اطمینان نہ کر لے ہم گورنمنٹ آف انڈیا کی خدمت میں دوبارہ عربی کی اسکیم کی منظوری اور عربی کے پروفیسر کی تنخواہ دینے کے لئے سفارش نہیں کر سکتے۔ اگر چندہ کا وعدہ کرنے والے اس کا انتظام نہ کر دیں گے تو ان کا وعدہ سالانہ چندہ دینے کا قابل اطمینان نہ سمجھا جائے گا نہ ان کا چندہ دوامی خیال کیا جائے گا نہ گورنمنٹ اس پر بھروسا کرے گی اور نہ اس کی بنیاد پر گورنمنٹ آف انڈیا اس اسکیم کو منظور کرے گی۔
چونکہ ہز آنر اخیر جولائی میں علی گڑھ تشریف لانے والے ہیں اور اس وقت حضور ممدوح قطعی فیصلہ اس کا فرمائیں گے، اس لئے آپ ۲۵ جولائی ۱۹۰۵ء تک اپنے موعودہ چندہ کی آمدنی کے بقدر یا روپیہ نقد بھیج دیں یا کالج میں بقدر اس آمدنی کے کرے بنوانے کا خرچ بھیج دیں یا کوئی دوسرا ایسا انتظام کر دیں جس سے آپ کے موعودہ وظیفہ کی آمدنی کالج کے ہاتھ میں آجائے یا اس پر ایسا باضابطہ اطمینان ہو کہ وہ وظیفہ مستقل اور دوامی سمجھا جائے۔
چونکہ یہ معاملہ گورنمنٹ آف انڈیا تک باضابطہ جا چکا ہے اور ہز آنر نے خود اپنے جواب میں جو ٹرسٹیوں کے اڈریس کا ۲۸ جولائی سنہ گذشتہ کو دیا تھا آپ کا نام نامی اور موعودہ چندہ تحریر فرما کر مشتہر کر دیا ہے اس لئے اگر اس چندہ کے دوامی ہونے کے لئے آپ نے فنڈ کا انتظام نہ کر دیا اور آپ کا نام نامی فہرست میں چندہ کی قائم نہ رہا تو یہ امر آپ کی شان اور درجہ سے بعید ہوگا اور پبلک پر بھی اس کا اثر اچھا نہ پڑے گا اور یہ تو یقینی بات ہے کہ عربی کی مجوزہ اسکیم ہمیشہ کے لئے خارج اور نامنظور ہو جائے گی۔

---

[1] یعنی یوپی کا لفٹیننٹ گورنر ۵ جولائی ۱۹۰۴ء

آپ کو جو کامیابی انٹرنس کے امتحان میں ہوئی اس پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں[1]۔ یہ نتیجہ آپ کے اس حال کا ہے اور خدا نے چاہا تو روز بروز اس میں ترقی ہوگی۔ آپ بمبئی ضرور آئیے، یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کو کیا ملے گا مگر میں کوشش ضرور کروں گا اور کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔ اب تک جس طرح پر توکّل پر کام ہوتے ہیں ویسے ہی یہ کام بھی کیجئے۔ آپ کی ملاقات کو خود دل چاہتا ہے اس لئے کہ یہاں تنہا پڑے پڑے طبیعت گھبرا گئی ہے۔ آپ کے یہاں آنے سے کچھ دن لطف سے گذر جائیں گے۔

محسن الملک

(۱۵)

جناب مخدوم و مکرم بندہ!

دو تین روز سے میں یہاں آیا ہوا ہوں اور متعلق ریفارم مجوزہ کے گورنمنٹ کے خاص خاص حاکموں سے گفتگو ہوئی ہے منشاء گورنمنٹ کا یہ ہے کہ جو تجویزیں اوس نے پیش کی ہیں اون پر کامل بحث اور کافی غور کیا جائے اور پبلک اپنی رائے آزادی کے ساتھ دے اور اس میں جو اصلاحیں معلوم ہوں اون کو پیش کرے۔ تاکہ بعد آجانے پر تمام رایوں کے گورنمنٹ اوس پر غور کر کے قطعی فیصلہ کرے۔ مسلمانوں کے لئے نہایت نازک اور کام کرنے کا وقت ہے اور ان کو چاہیئے کہ گورنمنٹ کی منشاء کے موافق اوس کی تجویزوں کی نسبت اپنی رائے صاف صاف دیں اور متفق ہو کر متفقہ یادداشت پیش کریں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے ذریعہ سے اس کام کا ہونا مناسب ہے اور جس طرح پر ڈیپوٹیشن کے وقت سب ہندوستان کے معزز مسلمانوں نے مل کر کام کیا تھا ویسا ہی اب ریفارم کے متعلق مل کر کام کرنا چاہیئے۔ کسی کسی خیال سے اختلاف کرنا اور اپنی طرف سے علیحدہ علیحدہ کارروائی کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اس لئے میں آپ کی توجہ اس طرف چاہتا ہوں کہ جو تحریریں نواب وقار الملک بہادر سیکرٹری مسلم لیگ کی طرف سے آپ کے پاس پہنچیں اون پر آپ غور کریں اور ایک جلسے میں اپنی تجویزیں بطور یادداشت کے تحریر کر کے ان کے پاس بھیج دیں۔ تاکہ بعد آجانے تمام رایوں کے پھر ایک یادداشت مرتب کی جائے اور کراچی میں جبکہ کانفرنس کا اجلاس ہوگا اونہی دنوں میں کوئی ایک دن اس کے تصفیہ کے لئے مقرر کیا جاوے اور جو آخری یادداشت گورنمنٹ میں بھیجنی قرار پاوے وہ وہاں مرتب کر لی جاوے۔ اس کام میں اگر ذرا غفلت یا تاخیر کی گئی یا کسی غلط خیال سے اختلاف کیا گیا اور مل کر کارروائی نہ کی گئی تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسا نقصان مسلمانوں کو پہنچے گا کہ جس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔

دوسرا امر لائقِ گذارش یہ ہے کہ یہاں آکر مجھے معلوم ہوا کہ بجائے اس کے کہ ایک بڑی مجلس کر کے شکریہ کا تار وائسرائے کے حضور میں بھیجا جاوے۔ مناسب یہ ہے کہ مختلف مقامات میں جلسے کئے جائیں اور مختلف انجمنوں کے ذریعے سے علیحدہ علیحدہ شکریہ کے تار وائسرائے کے حضور بھیجے جائیں۔ اس کا اثر بھی اچھا ہوگا اور پبلک اور گورنمنٹ کو مسلمانوں کی دلچسپی لینے کا یقین ہوگا۔ اس لئے میں آپ سے چاہتا ہوں کہ آپ اس کا انتظام کریں۔ اور نواب وقار الملک بہادر سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ اس کے متعلق آپ کو لکھیں گے۔ اس کام میں غفلت نہ کرنی چاہیئے۔ ایک مسودہ تار کا جو تحریر کیا گیا ہے

---

[1] نظر بظاہر سکول کے طلبہ کی کامیابی کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۳)

<u>بنام نواب افسر الدولہ بہادر</u>

آنریری سیکرٹری آفس ایم۔اے۔او کالج
۴ رجولائی علی گڈھ (غالباً ۱۹۰۶ء) } ربڑ اسٹامپ سے چھپا ہے

جناب مخدوم ومکرم بندہ نواب افسر الدولہ بہادر!

تسلیم۔ تعلیم نسواں کا ڈیپوٹیشن وہاں آتا ہے اگرچہ وہاں عموماً ایسے معاملات میں دلچسپی نہیں ہے مگر آپ کو اس ضروری اور مفید کام میں خاص توجہ ہے اس لئے آپ کے بھروسے پر یہ لوگ آتے ہیں مجھے امید ہے کہ آپ کی مہربانی اور کوشش سے یہ ڈیپوٹیشن وہاں سے محروم نہ آئے گا اور آپ سے پوری امید ہے کہ جہاں تک آپ سے ہو گا آپ امداد سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ ہماری قوم کو تو ایسے کاموں سے نہ دلچسپی ہے نہ اوس پر توجہ بلکہ نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ایسی قومی خدمت کرنے والوں کو معمولی بھیک مانگنے والوں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں لیکن خال خال مثل آپ کے ایسے روشن خیال مسلمان بھی موجود ہیں جو ایسے کاموں کی قدر کرتے ہیں اور ایسے قومی خدمت کرنے والوں کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں۔ مجھے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ؏

که خواجه خود روشِ بنده پروری داند

جناب نواب صاحب! جب میں دوسری قوموں کی حالت دیکھتا ہوں اور ان کی کوشش اور محنت اور ایسے کاموں میں فیاضی پر نظر کرتا ہوں تو اپنی قوم کی حالت پر نہایت رنج ہوتا ہے اور اکثر یہ خیال آتا ہے کہ جس قوم پر خدا کا غضب ہوا اور جو قوم مسخ ہو گئی ہو اس کے لئے کوشش کرنا محض بے سود ہے۔ دل چاہتا ہے کہ جس خبط میں گرفتار ہوں اسے چھوڑ دوں اور غم نداری بز بخر کا مقولہ اپنے اوپر کیوں صادق آنے دوں مگر عادت سے مجبور ہوں اس لئے کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں مگر افسوس ہے کہ نہ مدد ملتی ہے، نہ قوم کو ذرا توجہ ہوتی ہے۔ بہرحال السعی منی والاتمام من اللہ، شاید کچھ ہو جائے اور اس مردہ جسم میں قوم کے پھر کچھ جان آ جائے۔ زیادہ نیاز!

محسن الملک[1]

---

(۱۴)

<u>بنام مولوی بشیر الدین</u>

۲۱ رجولائی ۱۹۰۷ء بمبئی۔ واٹس اینکس

مکرمی بشیر الدین صاحب!

آپ کا خط آیا جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس کا ایک ایک لفظ صحیح ہے اور میں اس کی دل سے تصدیق کرتا ہوں اور اپنی طرف سے انہی الفاظ کو آپ کی نسبت لکھتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ بھی اس کی تصدیق کریں گے کہ مجھے بھی آپ سے ویسی ہی محبت ہے جیسی کہ آپ کو مجھ سے۔ باقی رہی خفگیاں اور غصے کی باتیں، یہ تو ناز و نیاز ہیں جو آپ کے لئے مخصوص ہیں۔

---

[1] یہ خط کسی دوسرے شخص سے لکھوایا گیا ہے۔ محسن الملک نے اس پر صرف دستخط کئے ہیں۔ اس پر شروع میں تاریخ ہے مگر سنہ نہیں۔ البتہ اسی کے ساتھ ایک انگریزی خط آفتاب احمد خان کا تھا جس پر ۱۹۰۶ء درج ہے اس لئے اسے بھی ۴ رجولائی ۱۹۰۶ء کا سمجھنا چاہئے۔
(تمکین کاظمی)

(۱۷)

بنام مولوی بشیر الدین

مکرمی بشیر الدین صاحب!

آپ نے کانفرنس گزٹ میں مناسب شکایت اسکول سیکشن کی کی ہے اور اسٹینڈنگ کمیٹی کو خوب ڈرایا ہے مگر مجھ سے نہ آپ نے زبانی اس کی نسبت کچھ کہا نہ کسی کو کہا اب تک معلوم نہیں کیا معاملہ ہے اور کیا شکایت ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہم سے خود گلہ کیا جاوے اور کمیٹی کو اطلاع نہ دی جائے اور آئندہ کے لئے ڈرایا جائے۔ کانفرنس گزٹ اب کیوں جاری ہے۔ یکم اگست سے تو سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی نے آپ کے سامنے اس کے موقوف کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ افسوس کہ اس وقت کسی کے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے کہ آئندہ تنخواہیں عملہ کی دی جاسکیں۔ دہلی کی کانفرنس نے اوّل اور آپ کی تاخیر نے فوراً اس کے بارے میں ۔۔۔[1] نقصان پہنچایا بلکہ کہنا چاہئے کہ کانفرنس کا خاتمہ کر دیا۔ بہار سے خبر آئی ہے کہ وہاں اب کے کوئی ایک بھی کانفرنس کی ممبری پر راضی نہیں ہوتا اور پانچ روپے دینا نہیں چاہتا۔ فقط!

مہدی (محسن الملک)

---

(۱۸)

بنام نواب وقار الملک

مخدوم بندہ!

اب کے میل[2] میں کسی کا خط بھی نہیں آیا نہ تار یہاں تک کہ[3] ــــــ صاحب کا بھی نہیں۔ فریدوں جی صاحب[4] نے تو شاید کمال احتیاط کی وجہ سے خط لکھنا ہی چھوڑ دیا۔ خدا کرے کہ وہ زیادہ محتاط نہ ہو جاویں۔

آپ تو تاروں کا جواب اس قدر دیر سے دیتے ہیں اور ایسا مجمل کہ طبیعت کو کوفت ہوتی ہے۔ کیا اب وہاں دوبارہ[5] صاحب سے مشورہ کر کے جواب دیتے ہیں یا تار دیر کر کے پہنچتا ہے یا کیا بات ہے کہ اتنی دیر ہوتی ہے اور جواب بھی تسلی بخش نہیں ہوتا۔ پرسوں جو تار دیا ہے اس کے جواب کا انتظار ہے۔ اگر آپ نے تمام تفصیلات پر مطلع ہونے کے بعد رائے اور حکم دینے کو زیادہ مناسب جانا تو کام کا ہونا زیادہ مشکل ہے مگر غالباً اب میرے اخیر کے تار پر ضرور قطعی حکم بھجوا دیں گے۔

یہاں کے کام اب بند ہو گئے ہیں۔ لوگ باہر چلے، اکتوبر نومبر تک کچھ کام نہ ہوگا اگر آپ کا جواب خاطر خواہ آ گیا تو شاید تمہیدی انتظام کچھ ہو جاوے ورنہ اس کی بھی امید نہیں اور میں ۱۴ اکتوبر کے بعد رہنا نہیں چاہتا اس لئے کہ سردی میں میرا مزاج ضرور بگڑ جائے گا اس لئے اگر کام ختم نہ ہوا اور رہنا پڑا تو مناسب ہوگا کہ اب بھی واپس آنے کی اجازت دیں اور مہدی حسن کو رہنے کے لئے لکھ بھیجیں۔ اس لئے کہ نومبر سے پہلے کام شروع نہ ہوگا اور تمام موسم سرما میں یہاں رہنا پڑے گا اور یہ تو ظاہر ہے کہ مجھ سے اس کی برداشت نہ ہو سکے گی۔ اخبارات میں شملہ کا حال دیکھ کر مناسب خوشی ہوئی۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے کامیاب کیا اور سرکار[6] خوبی عزت اور نیک نامی کے ساتھ واپس آئے ہم غریبوں نے بھی کچھ انتظام کیا ہے اس کے بھی کچھ نتیجے ظاہر ہوں گے۔

مہدی (محسن الملک)

---

[1] ایک آدھ لفظ پڑھا نہیں گیا۔ [2] ظاہر ہے کہ خط ولایت سے لکھا گیا۔ [3] نام درج نہیں [4] یہ صاحب بعد ازاں سر فریدون الملک بن گئے تھے۔
[5] نام درج نہیں [6] سرکار سے بظاہر اشارہ حضور نظام کی طرف ہے

آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ جو تار شکریہ کا آپ کی طرف سے بھیجا جائے اس میں بہ تبدیل الفاظ اگر ایسا ہی مضمون ہو تو مناسب ہوگا۔

آپ نہ صرف اپنی انجمن کی طرف سے ہی تار بھجوائیے بلکہ دیگر انجمنوں کی طرف سے بھی جن کو آپ جانتے ہوں۔ اگرچہ لکھنؤ کے راہ سے آیا تھا مگر رات کا وقت تھا اس لئے آپ کو اطلاع نہیں دی اور آپ کو آنے کی زحمت سے بچایا۔ میری طبیعت مکدر ہے شاید یہاں کی ہوا کچھ فائدہ دے[1]۔ فقط!

محسن الملک

---

(۱۶)

مخدوم و مکرم بندہ!

بعد سلام پیشمار کے التماس ہے کہ ڈاکٹر سید سراج الحسن کے متعلق میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ کرنل بار نے بہت عمدہ چٹھی لکھ بھیجی ہے غالباً اب تک آپ کو اوس کی کیفیت معلوم ہوگئی ہوگی۔ بالفعل وہ دورہ پر ہیں جب آپ اون کے بلانے کی ضرورت سمجھیں مجھے اطلاع دیں۔

مجھے بعض دوستوں نے صلاح دی ہے کہ کالج کی مدد کے لئے حضور عالیہ ہر ہائنس بیگم صاحبہ سے درخواست کی جائے کہ وہ ڈیپوٹیشن آنے کی اور کالج کے حالات سننے کی اجازت دیں اور کچھ مدد فرمائیں۔ اگر ہر ہائنس اجازت دیں تو میں خود اس ڈیپوٹیشن میں شریک ہوں مگر میں بغیر آپ کی صلاح کے ایسی جرأت نہیں کر سکتا اس لئے میں آپ سے پرائیویٹ طور پر پوچھتا ہوں کہ ایسی درخواست کرنا مناسب ہے یا نہیں۔ اس وقت کالج کی طرف ہز ایکسیلنسی لارڈ کرزن اور تمام حکام کی نہایت توجہ ہے۔ اگر حضور عالیہ اپنے قومی کالج پر توجہ کریں تو نہایت ناموری ہوگی اور حضور عالیہ کی عالی دماغی کا ثبوت ہوگا۔

آپ سے بہتر کون شخص جان سکتا ہے کہ اس سے کیسے آئندہ فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ قوم میں ناموری اور شہرت اور پبلک کے دلوں میں سچی محبت اور غیرت انہی باتوں سے پیدا ہوتی ہے اور گورنمنٹ پر جو ایسی باتوں سے اثر ہوتا ہے وہ بھی آپ سے پوشیدہ نہیں۔ بالفعل اگر زیادہ از نقد عطا کرنے کا موقع نہ ہو تو عربی کی تعلیم کے لئے ماہانہ مدد حضور عالیہ اچھی طرح فرما سکتی ہیں۔ ہمارا کالج اگرچہ مسلمانی کالج ہے مگر افسوس ہے کہ عربی کی تعلیم اچھی نہیں ہوتی۔ اس کے لئے نہایت اعلیٰ درجہ کے عالم درکار ہیں اور پڑھنے والوں کے لئے وظیفے دینے کی ضرورت ہے۔ اس صیغہ کے اچھی طرح پر چلانے کے لئے بالفعل ساڑھے سات سو روپیہ ماہوار درکار ہیں اگر اس میں کا نصف حصہ یا جس قدر مناسب ہو حضور عالیہ عطا فرمائیں تو اون کے نام سے عربی ڈیپارٹمنٹ قائم ہو سکتا ہے۔ بہرحال میں اس وقت خانگی طور پر آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ڈیپوٹیشن کے آنے کی درخواست کی جائے یا نہیں۔ آپ خانگی طور پر اس کا جواب دیں[2]۔

محسن الملک۔ علی گڑھ۔

---

[1] اس مکتوب میں جن اصلاحات کا ذکر ہے وہ منٹو مارلے کی اصلاحات تھیں جو اس زمانے میں حکومت کے زیر غور تھیں۔ ڈیپوٹیشن سے مراد وہ ڈیپوٹیشن ہے جو سر آغا خان کی سرکردگی میں لارڈ منٹو کے پاس پیش ہوا تھا اور اس نے دوسرے معاملات کے علاوہ مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا تھا۔

[2] یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ خط کس کے نام ہے لیکن ظاہر ہے کہ حضور عالیہ سے علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال مراد ہیں۔ اغلب ہے یہ خط نواب سید علی حسن خان (صفی الدولہ حسام الملک) کو لکھا گیا ہو۔

بنام مولوی بشیر الدین

(۲۰)

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

آج آپ کا خط آیا۔ اگر یہی کیفیت پہلے لکھ بھیجتے تو نہ مجھے انتظار کی تکلیف ہوتی نہ تم کو میری تحریروں سے رنج ہوتا بہرحال آئندہ آپ جواب دے دیا کریں اور جو کیفیت ہو وہ لکھ بھیجا کریں۔

متعلق رپورٹ کے آپ ایک مضمون البشیر کانفرنس گزٹ میں چھاپ دیجئے اور جو معذرت کرنی ہو وہ معذرت کیجئے تاکہ لوگوں کو تاخیر کا سبب تو معلوم ہو جائے۔ علاوہ ازیں پنجاب کے اکثر مسلمان بہت شاکی ہیں ان کی شکایت دور نہ ہو مگر کسی قدر کم تو ہو جائے۔

رپورٹ کا مسودہ جس قدر تیار ہوتا جائے اس کو آپ میرے پاس بھیجتے جائیں۔ فقط والسلام!

محسن الملک ۵ رجون

بنام مولوی بشیر الدین

(۲۱)

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

تم سوتے ہو یا جاگتے۔ زندہ ہو یا دنیا سے چل بسے۔ تمہاری طرف سے کوئی صدا سننے میں نہیں آتی اور کانفرنس کے متعلق تمہاری کوشش کی کوئی نشانی معلوم نہیں ہوتی۔ اب تک کانفرنس کے لئے کہیں سے دعوت نہیں آئی۔ کیا تم کانپور میں امسال کانفرنس قائم کرنے کے لئے کچھ کوشش نہیں کر سکتے؟ ذرا ہمت کرو۔ کانپور جاؤ وہاں کے لوگوں سے ملو اور اگر ممکن ہو تو امسال وہاں کانفرنس قائم کرنے کا بندوبست کرو۔ اخوان الصفا کے بعض ممبر گو غریب ہیں مگر ایسے کام کے لئے مستعد معلوم ہوتے ہیں۔

اگر وہاں سے ناامیدی ہو تو جیسا تم کہا کرتے ہو اٹاوہ میں تجویز کرو، گو میرے نزدیک اٹاوہ اس کے لائق نہیں ہے۔ خود اٹاوہ میں حیف ہے کم مسلمان ایسے ہیں جو ممبری کا چندہ بھی دے سکیں لیکن ہندوؤں سے کچھ ملنے کی امید ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں کانفرنس کے لئے مشن ہائی اسکول جوان دنوں خالی ہو گا مل سکے۔ غالباً ہیڈ ماسٹر صاحب اس کام کیلئے مدرسہ کی اجازت دے دیں اور ایسی حالت میں جلسہ کیلئے کسی ہال بنانے اور خرچ کرنے کی ضرورت نہ ہو گی اور مہمانوں کیلئے میں اپنی کوٹھی خالی کر دوں گا اور کچھ خیمہ کرایہ پر کانپور سے منگوا لئے جائیں گے مگر ممبر کہاں سے آئیں گے۔ اٹاوہ اور اس کے گرد و نواح کے اضلاع ایسے نہیں ہیں کہ جہاں سے چندہ دینے والے ممبروں کے آنے کی امید ہو اور نیز سواری اور گاڑیوں کی بھی مشکل ہو گی اور وہاں کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جس کا شوق لوگوں کو وہاں آنے پر آمادہ کرے مگر چونکہ آپ کا مدت سے یہ خیال تھا اس لئے میں نے اسے بھی ظاہر کر دیا۔ آپ یہ خط جناب صاحبزادہ روح اللہ خاں صاحب کو دکھلایئے اور جو رائے قرار پائے اس سے اطلاع دیجئے۔

میرے دوست محمد حسین صاحب تحصیلدار کا ایک خط میرے نام عبد الصمد صاحب طالب علم کے متعلق آیا تھا مجھے افسوس ہے کہ جواب بھیجنے میں دیر ہوئی۔ للعہ روپیہ میں بھی چندہ میں بھیج دوں گا۔ آپ ان کو مطلع فرما دیجئے۔ فقط!

محسن الملک بمبئی ۶ ستمبر

بنام منشی منصب علی خان

(۱۹)

جناب مخدوم و مکرم بندہ منشی منصب علی صاحب!

تسلیم: شد مدتے کہ گفت و شنو باتو روند اد اے بے نصیب گوش وا بے نوا لبم

میں نے جو عریضہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا اوس کے جواب سے اب تک محروم ہوں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ آپ کو کچھ ملال یا رنج ہوگا مگر جو لوگ بھوپال سے آئے اون کی باتوں سے یہ خیال تو جاتا رہا اس لئے کہ مجھے معلوم ہوا کہ آپ کی مہربانی بدستور ہے اور جو عمدہ خیالات آپ کے تھے اون میں کچھ فرق [؟] نہیں آیا۔ مجھے افسوس ہے کہ ظفر عمر سے وہ امید پوری نہ ہوئی جو مجھے تھی اور آپ کے ساتھ مخلصانہ تعلقات رکھنے کے لئے جو کچھ میں نے نصیحتیں اون کو کی تھیں، میں نے اون کو ہمیشہ خانگی خطوں میں لکھا اور اب زبانی بھی بہت کچھ کہا ہے۔ اگر نوجوانی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے کچھ غلطیاں اون سے ہوئی ہوں تو آپ معاف کیجئے اور پھر اون کو ایک موقع آپ کے ساتھ خیر رمانہ برتاؤ کرنے کا دیجئے۔ مگر آپ یقین کیجئے کہ میں بھوپال میں صرف آپ کو اپنا سمجھتا ہوں اور ہمیشہ آپ ہی کو اپنا دوست اور مددگار سمجھتا رہوں گا اور میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ آپ کے خیالات بھی میری نسبت نہایت عمدہ ہیں۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ مجھے کوئی ذاتی غرض نہیں ہے البتہ کالج کے لئے ہمیشہ تکلیف دینے کی ضرورت رہی ہے اور رہے گی اور اوس کے لئے سب سے بڑی امید آپ سے ہے اور الحمد للہ کہ آپ ویسی ہی اب تک مدد دیتے ہیں جیسی کہ اب تک دیتے رہے ہیں۔

میں دو قطعہ اپیل مطبوعہ کے آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں اون کے دیکھنے سے آپ کو موجودہ ضرورت کی کیفیت معلوم ہوگی۔ یہ موقع آپ کے خاص مدد کرنے کا ہے۔ اب تک جو توجہ ہز ہائنس[1] نے کالج کی نسبت ظاہر فرمائی ہے اوس کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ مگر اس وقت تک کوئی سالانہ گرانٹ خاص کالج کے لئے ریاست سے مقرر نہیں ہوئی۔ اگرچہ سو روپیہ ماہوار زنانہ سکول کے لئے جو دی جاتی ہے وہ بھی علی گڑھ ہی کے مقاصد کے لئے ہے۔ اگر اس وقت سائنس کی تعلیم کے لئے ریاست سے معقول ماہانہ گرانٹ مقرر ہو جائے تو عزت [؟] رہ جائے ورنہ یادگار کا قائم ہونا مشکل ہے اور اگر مدد نہ ملنے کی وجہ سے یادگار قائم نہ ہوئی تو پھر ایسا موقع ہاتھ نہ آئے گا اور ہمیشہ کے لئے شرم اور ذلت نصیب ہوگی۔

اگر آپ مناسب سمجھیں اور ہز ہائنس پسند فرمائیں تو میں خود حاضر ہونے کے لئے آمادہ ہوں۔

چونکہ وقت بہت کم ہے براہِ عنایت اس عریضے کا جواب جلد عنایت فرمائیے۔[2]

محسن الملک

---

[1] ہز ہائنس سے اشارہ علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کی طرف ہے۔

[2] یہ مکتوب ڈاکٹر مختار الدین احمد کا عطیہ ہے۔

نواب وقار الملک

(یہ نواب وقار الملک مرحوم و مغفور کے مکاتیب کا مجموعہ ہے جن میں سے کاتب کے نام کی جگہ بعض مقامات پر نام اور خطاب دونوں درج ہیں بعض میں صرف نام لکھنے پر اکتفا کیا ہے یعنی مشتاق حسین۔ پہلی عرضداشت فارسی میں ہے، بعد کے تمام مکاتیب اُردو میں ہیں۔ جو تصریحات ضروری تھیں وہ ہر مکتوب کے ساتھ حواشی میں درج کر دی گئی ہیں اور مکاتیب مکتوب الیہم کے اعتبار سے نہیں بلکہ تاریخوں کے لحاظ سے پیش کیے جاتے ہیں)

---

(۱)

عرضداشت بخدمت سر آسمان جاہ مدار المہام

بعرضِ عالی میرساند

از ارشادِ عالی مطلع و مشرف شدم و حسب الایماء بسروچشم مثل کار ذاتی و خانگی تعمیل خواہد شد انشاءاللہ العزیز۔

چند کاغذات قابلِ اطلاعِ سرکار بودہ اند وقتے کہ ارشاد شود حاضر شوم۔ ایں کاغذات ضروری نبودہ اند کہ ہرج دیگر کارہائے ضروری کردہ شود مگر بغیر از ملاحظہ سرکار اطمینان صحیح و تصفیہ ہم نخواہد شد۔

درہمیں کاغذات روبکارے بودہ است کہ از محکمہ سرکار در رد شدہ است و در آں الزام دروغ بیانی بر محکمہ مدار المہام عدالت عائد کردہ اند گویا مرا دروغ گو گفتہ اند۔ ایں روبکار موہن لازم می کند کہ ازیں قسم معتمدی استعفا پیش کنم۔ لاکن چنانکہ بر حقیقت اسلام ایمان و بہ بودنش خود یقین دارم ہمچناں بریں امر ہم باطمینان تمام یقین می دارم کہ مسودہ ایں روبکار از نظرِ انور نہ گذشتہ است یا سرکار بر وقت دستخط بر مطالب مندرجہ آں توجہ نہ فرمودہ اند و از اخلاقِ حمیدہ سرکار کہ یک جہان معترف و گرویدہ آں است ہرگز یقین نمی شود کہ سرکار یکے را بر خدمت معتمدی ہم دارند و باز ایں قسم شبہات ہم بہ نسبت آں فرمایند لہذا بجرأت عرض می کنم و معافی آں می خواہم کہ من ایں روبکار را زائد از بازیچۂ اطفال در دلِ خود جا ندادہ ام و ہیچ پروائے آں نکردہ ام مگر ہمیں قدر کہ بہ سرکار اطلاع نمایم و بس زیادہ حد آداب

عرضی

فدوی مشتاق حسین

معروضہ ۸ رمضان ۱۲۹۴ھ (۱۵ ستمبر ۱۸۷۷ء)

بنام مولوی بشیر الدین

(۲۲)

مکرمی بشیر الدین صاحب!

دو دن کے لئے آپ ضرور ہو جاؤ اور اپنے دل کا غصہ مجھ پر دل کھول کر نکال جاؤ مگر میرا حال بھی کچھ سن لو۔ بالخصوص میں آپ کو رام پور کی کانفرنس میں چند امور ضروری کے لئے صلاح لینے کے واسطے بلاتا ہوں۔ انشاءاللہ آپ یہاں سے ناخوش نہ جائیں گے۔

اے یار بیا بخانۂ ما   بیگانہ مشو یگانۂ ما
ترسم کہ شوی زخواب بیدار   گر گوش کنی فسانۂ ما

محسن الملک۔ علی گڈھ ۸ ر دسمبر

بنام مولوی بشیر الدین

(۲۳)

مکرمی!

میں انتظار کرتے کرتے آخر پونا روانہ ہوا اور آپ نے رپورٹ نہ بھیجی۔ ابتدا میں طاعون اور بیماری وغیرہ کا عذر گو صحیح ہو مگر میں دیکھتا ہوں کہ اخیر کو سوائے بے توجہی اور بے پروائی کے یا کثرت اشغال کے دوسرا کوئی عذر تیاری رپورٹ کے لئے نہ تھا۔ میں کیا کہوں میرا تو منہ کالا ہو گیا۔ اوّل دلّی کی کانفرنس کی وجہ سے دوسرے آپ کی وجہ سے۔ آٹھ ماہ تک سارے کاموں کا جاری رہنا اور صرف رپورٹ کا تیار نہ ہونا ایک ایسا امر ہے کہ اس کے لئے پبلک کوئی عذر نہ سُنے گی۔ آپ کو یہ بھی خیال نہ ہوا کہ پبلک میٹنگ میں یعنی سنٹرل کمیٹی کے روبرو آپ کہہ گئے کہ جولائی کے اخیر تک ضرور رپورٹ بھیج دوں گا اور آپ نے اپنے ان الفاظ کا خیال تک نہ رکھا۔ علاوہ اس کے آپ نے اپنے اخبار میں باوجود میری متواتر تاکیدوں کے کوئی معذرت بھی نہ چھاپی۔ اب لاچار ہو کر مجبور ہو کر عاجز ہو کر میں نے ایک مختصر مضمون علی گڈھ گزٹ میں دے دیا ہے اور اپنی ندامت اور ذلّت کا اعتراف کیا ہے اور لکھ دیا ہے کہ یہ کام آپ کے سپرد تھا آپ اس کی وجہ پبلک کو بتا دیں گے۔ میں کل صبح پونا جاتا ہوں اور غالباً ۱۵ ر اکتوبر سے پہلے واپس نہ ہوں گا۔ اس وقت تک رپورٹ نہ دیکھ سکتا ہوں اور نہ درست کر سکتا ہوں۔ پھر دسمبر قریب ہو جاوے گا۔ ممکن ہے کہ رپورٹ دسمبر تک چھپ سکے اس لئے غالباً کانفرنس دہلی کی رپورٹ نہ چھپ سکے گی نہ شائع ہو سکے گی۔ چونکہ آپ مجھ سے بڑھ کر قوم کے ہمدرد اور ان باتوں کے خیال کرنے والے ہیں آپ سے کیا شکایت کروں۔ مگر آخر یہ بات ثابت ہو گی کہ ہم اور آپ سب مسلمان ہیں اور ہم پر خدا کا قہر ہے اور ہم اس کے مستوجب ہیں۔ مگر درحقیقت مجھ کو سخت رنج اور افسوس ہے اور مارے شرمندگی کے میں نے کسی ایک شخص کو بھی نہ خط لکھا نہ ممبر ہونے کی درخواست کی۔ آخر شرم بھی کوئی چیز ہے۔ میں کس منہ سے اب لوگوں سے ممبر ہونے کی درخواست کروں اور کس طرح اپنی روسیاہی دور کروں۔ اپنی مہربانی سے انوار احمد کو بھی آپ نے روک لیا اور جو کچھ وہ کرے وہ بھی نہ کرنے دیا۔

محسن الملک

اور خصوصاً مسلمانوں کے تعلیمی مسئلہ کی طرف مبذول رہی ہے جیسے کہ جناب والا کی ذات ستودہ صفات ...... میں نے ایک نسخہ موجودہ مجموعہ قواعد و قوانین ٹرسٹیان کالج کا جناب عالی کی خدمت میں مرسل کیا ہے اور امید ہے کہ جناب عالی اپنا کچھ قیمتی وقت اس قومی کام میں بھی صرف فرما کر ٹرسٹیوں کو بلکہ قوم کو ممنون فرماویں گے۔ کوئی نیا مسودہ ابھی کسی ٹرسٹی کی طرف سے پیش نہیں ہوا ہے بلکہ تجویز ہے کہ موجودہ مجموعہ کو ...... ملاحظہ کرنے کے بعد بزرگان اہل الرائے جہاں جہاں ترمیم و توسیع کی ضرورت سمجھیں گے اس کی یادداشت سلیکٹ کمیٹی میں بھیج دی جاوے اور انہیں یادداشتوں وغیرہ کے لحاظ سے نیا مسودہ مرتب ہو۔ پس امید ہے کہ جناب بھی مہربانی فرما کر اپنی یادداشت لطف فرماویں گے وسط اگست تک اس یادداشت کا آجانا کافی ہوگا اور اگر اس سے قبل ہی لطف فرمائی جا سکے تو اور بھی موجب مسرت ہے۔

آخیر میں اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں اور امید ہے کہ اس عریضہ قانون کی رسید سے بھی عزت بخشی جائے گی۔ والتسلیم!

خاکسار مشتاق حسین از امروہہ ۱۶ر جولائی ۱۸۹۹ء

---

(۵)

بنام نواب سید علی حسن صاحب

جناب نواب صاحب مخدومی و مخلصی نواب حسام الملک بہادر سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! مجھ کو اگرچہ جناب سے شرف ملاقات حاصل نہیں ہوا۔ لیکن ذکر خیر اکثر اوقات سنتا رہا ہوں اور خصوصاً جناب مولوی حافظ سید احمد رضا خان صاحب سے بہت کچھ جناب کے متعلق سنا ہے اور شکر کیا ہے کہ قوم میں ابھی ایسے افراد موجود ہیں۔ میں گذشتہ چند مہینہ میں علیل تھا اور اس لئے جن کاغذات کو مجھے دو مہینہ پہلے پڑھنا اور دیکھنا چاہئے تھا ان کی نوبت اب آئی ہے اور آج شام ابھی میں نے جناب کا مضمون عرب کی تصنیفات اور یورپ کی فیاضی پر گذشتہ مئی کے معارف میں پڑھا ہے جو کچھ کہ جناب نے اس مضمون میں علیگڑھ کی کوششوں کے متعلق ظاہر فرمایا ہے میں اسے ذاتی تجربہ کی بنیاد پر جو وہاں زیادہ عرصہ تک مقیم رہنے کی حالت میں مجھ کو حاصل ہوا ہے، یہ عرض کر سکتا ہوں کہ وہ بالکل صحیح ہے اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ مذہبی تعلیم کی نسبت جو کچھ وہاں سے صدا نکلتی تھی وہ محض برائے بیت تھی۔ فی نفسہٖ کبھی یہ ارادہ نہیں کیا گیا تھا کہ طلبا اپنی دنیاوی تعلیم کی ترقی کے ساتھ مذہبی تعلیم بھی سچے طریقہ سے حاصل کریں اور اسلامی اخلاق ان میں پیدا ہوں لیکن خیر وہ زمانہ گذر گیا ہے اور اب دیکھنا ہے کہ صاحبان حل و عقد زمانہ موجودہ و آئندہ اس میں کیا تغیر پیدا کر سکتے ہیں۔ اس وقت تک تو اب بھی وہاں جو کچھ کہا گیا ہے اور کہا جا رہا ہے وہ صرف چند الفاظ سے اور کچھ زیادہ نہیں ہے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

معارف کے اس مضمون میں جو کچھ کہ حضرت نے تحریر فرمایا ہے اس میں جان سخن یہ ہے کہ قوم اور علماء میں پھر قریب کا تعلق قائم ہو اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ مطلب فی زمانہ ندوۃ العلماء کے گروہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ تھوڑا عرصہ ہوا جب کہ ندوہ کے ناظم صاحب اور نائب ناظم صاحب اور چند مشاہیر علماء ندوہ نے مہربانی سے امروہہ کو اپنی تشریف آوری سے عزت بخشی تھی۔ اس وقت میں نے ان حضرات سے دریافت کیا تھا کہ آیا بھوپال میں بھی ندوہ کی طرف سے کوئی تحریک ہوئی ہے تو اس کے جواب سے میں اسی قدر نتیجہ نکال سکا کہ کوئی موثر تحریک نہیں ہوئی اور اب جناب کے ان تازہ اظہار خیالات کے لحاظ سے میرے نزدیک مناسب ہے کہ آئندہ جلسہ ندوہ کا بھوپال میں ہو بشرطیکہ اولاً جناب اور نواب مدار المہام صاحب بالقابہ اس کو پسند فرمائیں اور پھر حضور عالیہ متعالیہ دام سلطنتہا اس کو منظور فرمائیں اور جس وقت کہ یہ ارادہ ہو اور منظوری ہو جائے تب جلسہ کے زمانہ اور اوقات کا تصفیہ خود جناب اور نواب مدار المہام صاحب

بنام مولوی حسین عطاء اللہ خاں

(۲)

جناب مخدومی و مکرمی

تسلیم! سرکار نے ارشاد فرمایا ہے کہ نواب نادر جنگ بہادر کے زمانۂ مددگاری کو توالی بلدہ کی تنخواہ کی مثل سرکار میں پھر پیش کی جاوے۔[1] والتسلیم —

خاکسار

وقار الملک ۲۱ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۸۹۱ء

بنام سر سید احمد خاں

(۳)

جناب قبلہ و کعبہ ام سلامت

تسلیم! آپ کا ارشاد تو بمنزلہ حکم کے ہے جس کے بعد سکوت کے سوا اس قسم کے معاملات میں کچھ چارہ ہی نہیں ہے لیکن جو وجوہ ارشاد ہوئی ہیں اون کی نسبت اس قدر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ ممبروں میں سے بھی بہت سے ہوں گے جو ان مضامین کو جن کو وہ سن چکے شاید دوبارہ پڑھنے کی تکلیف نہ کریں اور جن ہزاروں غیر ممبروں نے غلط رپورٹ پڑھی ہے ان کو تو مطبوعہ رپورٹ سے بہت ہی کم تعلق رہے گا اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ "پاینیر" اخبار کے انگریزی پڑھنے والوں کے لئے تو اردو مطبوعہ رپورٹ سے کچھ تعلق نہیں اور اس طرح ہزار ہا فہمیدہ لوگوں کا خیال اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ کسی بیوقوف مسلمان نے اس بات کی بھی کانفرنس میں رائے دی کہ گورنمنٹ کو چاہیئے کہ وہ اپنے موجودہ مسلمان ماسٹروں کے ذریعے سے مذہبی تعلیم بھی کرا دے۔

مگر میں اوپر عرض کر چکا کہ اگر آپ کی رائے سوسیٹی کے اخبار میں جو اردو و انگریزی دونوں کا اخبار ہے اصلاح کی نہیں ہے تو مجھے اوس پر کوئی اصرار نہیں ہے لیکن اس حالت میں اپنے آپ کو آزاد سمجھوں گا کہ اگر کوئی موقع مجھے ملے تو میں اپنے اوپر سے اس دھبے کے مٹانے کی کوئی مناسب کارروائی کر سکوں اور اوس کے سوا دوسری اصلاح بھی ہو گی۔ گو کہ میں قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ ایسا کروں گا مگر شاید کبھی کروں۔ والتسلیم[2]

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ ۱۵ مارچ ۱۸۹۳ء

بنام نواب سید علی حسن صاحب

(۴)

جناب نواب صاحب مستغنی عن الالقاب نواب سعی الدولہ حسام الملک مولوی سید علی حسن خاں بہادر سلامت

تسلیم! اس عریضہ کے ساتھ میں ایک مطبوعہ خط مرسومہ ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم مسلمانان علیگڈھ جو ہفتہ گذشتہ میں جاری ہوا ہے ملفوف کرتا ہوں اس سے جناب عالی کو معلوم ہوگا کہ کمیٹی ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم میں قانون ٹرسٹیان کی ترمیم کا مسئلہ پیش ہو کر ایک سلیکٹ کمیٹی مقرر ہوئی ہے جس کے سیکرٹری ہونے کی عزت احقر کو بخشی گئی ہے سلیکٹ کمیٹی نے یہ بھی تجویز کی ہے کہ ان بزرگان قوم سے بھی اس قومی کام میں مدد لی جاوے جو کہ ٹرسٹی ہونے سے گو ابھی ٹرسٹیز کمیٹی کو عزت حاصل نہیں ہوئی ہے لیکن جن کی توجہ ہمیشہ اس قسم کے قومی کاموں میں

---

[1] یہ چٹھی نواب وقار الملک کی قلمی ہے جس زمانہ میں وہ معتمد تھے، سرکار سے مراد مدار المہام وقت ہیں، نادر جنگ افسر الملک کے بیٹے تھے، یہ چٹھی مولوی حسین عطاء اللہ کو لکھی گئی ہے جو مددگار معتمد تھے۔ (اصل محفوظ در ذخیرۂ تمکین کاظمی)

[2] اس خط کی نقل ڈاکٹر مختار الدین احمد نے ذخیرۂ امین زبیری لٹن لائبریری سے بھیجی ہے۔ نواب وقار الملک نے کانفرنس کے اجلاس ۱۸۹۲ء میں تعلیم دینیات پر جو پیش کیا تھا اس کے سلسلے میں یہ مراسلت ہے۔

علی گڑھ میں سیکرٹری کو مار دینے کی کیفیت یہ ہے کہ نواب محسن الملک بہادر وہ شخص ہیں جو ایسے ایسے دس کالجوں کا کام کر سکتے ہیں بشرطیکہ کام کی طرح اس کو کریں نہ کہ پالیسی کی طرح اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ پالیسی ہے نہ کہ کام۔ پریسیڈنٹ، آنریری سیکرٹری، اسسٹنٹ سیکرٹری، رجسٹرار اور ایک پورا عملہ موجود ہے اور پھر بھی کام کی پکار مچی ہوئی ہے اور لوگ مدد کے لئے تلاش کئے جاتے ہیں تو آخر اس کی کوئی وجہ بھی ہے اور جو وجہ ہے وہ صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام تقررات سوائے ایک رجسٹرار کے کام کرنے کی غرض سے ہوئے ہی نہیں۔ میں مخالف تھا کہ سید محمود کی پریسیڈنسی سے بہت حرج ہوگا لیکن پالیسی اسی کی مقتضی ہوئی۔ خود نواب محسن الملک بہادر نے اپنے تقرر کے وقت کبھی خیال نہیں کیا کہ پتا مار کر کام بھی کرنا پڑے گا انہوں نے کام کے لئے ایک رجسٹرار کو مقرر کر لیا اور سب بوجھ ان پر چھوڑ دیا جس کو اکثروں نے بہت افسوس کے ساتھ دیکھا۔ اسسٹنٹ سیکرٹری کا عہدہ سید محمد احمد کے ہاتھ میں کس قدر بے معنی عہدہ ہو رہا ہے۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کو جائنٹ سیکرٹری بنانے کی تجویز پیش ہوئی اس وقت بھی محرک اور امیدوار عہدہ دونوں میں سے ہر ایک بخوبی جانتا تھا کہ آفتاب احمد خاں کو اپنی بیرسٹری کا کام بیش ہے بجز بالائی بالائی باتوں کے وہ کبھی کام کے اندر گھس کر کام انجام نہ دیں گے مگر پالیسی اسی کی مقتضی تھی تو جہاں پالیسی کی گرم بازاری ہوگی وہاں کام کا یہی ستیاناس ہوگا۔ غضب خدا کا جس شخص نے ایک ریاست کی فنانس سیکرٹری کا عہدہ انجام دیا ہو وہ اور آج تک کالج کا بجٹ نہ بنا سکے (جو ان کے لئے دو دن سے زائد کا کام نہیں تھا) اور بابو صاحب چکرورتی ہی بجٹ بناویں تو بجٹ بنے اور نہیں تو نہیں۔ میری رائے یہ ہے اور پھر میں نے بارہا نواب محسن الملک کو لکھا بھی ہے کہ ان اوہوں سے تو پیاس نہ بجھے گی ایک تنخواہ دار اسسٹنٹ سیکرٹری مقرر کرو جس کی تنخواہ اڑھائی سو تین سو روپیہ ہو تب کام چلے گا اور مجھ کو یقین ہے کہ اس تقرر کی گنجائش وہ بجٹ میں سے نکال سکیں گے اور جب وہ رجسٹراری کو کالج اسٹاف کے ہاتھ میں سونپئے کہ اس کی جگہ ایک اسسٹنٹ سیکرٹری تنخواہ دار مقرر کرنا چاہیں گے تمام ٹرسٹی اس کو شکر گذاری کے ساتھ قبول کریں گے اور کالج اسٹاف کا کام تعلیم دینے کا باقی رہے گا۔ میں تو رجسٹراری کا کالج اسٹاف کے ہاتھ میں ہونا حد درجہ ناپسند کرتا ہوں مگر محض محسن الملک کو پالیسی مجبور کر رہی ہے ایمانداری کی بات یہ ہے کہ اگر میں سمجھوں کہ مجھ سے کام نہ ہو سکے گا تو مجھ کو وہ کام اختیار ہی نہ کرنا چاہئے۔

اب مجھ سے کہا جاتا ہے کہ میں تمام سیاہ و سفید کا مالک ہو کر کام میں ہاتھ ڈالوں جس کے بعد پھر شاید وہ کالج اسٹاف سے رجسٹراری کا لے لینا پسند کریں گے یا نہ کریں گے لیکن چونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میں ان پالیسیوں کی بھول بھلیاں میں مبتلا ہو کر کوئی کام بھی خوشی کے ساتھ نہ کر سکوں گا لہٰذا میں نے ہمیشہ اس سے معافی چاہی ہے اور معافی چاہوں گا۔

اور میں نے صاف صاف اپنے کام نہ کرنے کے وجوہ نواب محسن الملک بہادر کو لکھ کر بھیج دئے ہیں اور اگر مجھ کو یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ مبادا ایسے پرائیویٹ خطوں میں نواب محسن الملک بہادر ان وجوہ کا اظہار پسند کریں گے یا نہیں تو میں صاف صاف وہ وجوہ تم کو لکھ دیتا البتہ ایک عذر ان میں ایسا بھی ہے جس کو میں اس خط میں بھی ظاہر کر سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ کھلے ہوئے ووٹ کے ذریعہ سے میں اپنے لئے کسی بادشاہت کو بھی پسند نہ کروں گا۔ ووٹ مخفی ہونا چاہئے تاکہ ہر شخص کی آزاد رائے معلوم ہو سکے اس کے بعد جو فیصلہ ہو وہ فیصلہ ہے اور جن کوششوں کے ساتھ آج کل ووٹ حاصل کئے جاتے ہیں یا جس طرح جناب سید صاحب مرحوم مغفور نے سید محمود کے لئے ووٹ حاصل کئے اس پر تو بالکل رفتن بہ پائے مردی ہمسایہ در بہشت کی مثل صادق آتی ہے اور میں تو ایسے دوڑ دھوپ کے ووٹوں کے ذریعہ سے اپنے لئے کسی چیز کے حاصل کرنے کو اپنی ذلت سمجھوں گا۔

کی مرضی اور صوابدید پر منحصر ہوگا اور حضرات ندوہ یقیناً کمالِ تشکر و امتنان سے اس کو قبول کریں گے اور پھر یہ امر محتاجِ بیان نہیں ہے کہ ندوہ کا جلسہ بھوپال میں وہ پہلا جلسہ ہوگا جس کی نسبت یہ صحیح طور پر کہا جاسکے گا کہ ندوہ اب تک ایک جسم تھا اور اس جلسہ نے اس میں جان ڈال دی ہے اور اس جسم بے جان میں جان کا پڑنا ان کڑیوں کو پھر درست اور مسلسل کر دے گا جن کے کمزور ہو کر ٹوٹ جانے سے قوم کا سلسلہ علماء قوم کے ساتھ صرف برائے نام باقی رہ گیا ہے اور حضورِ عالیہ دامت اقبالہا اسی زمانہ میں ندوہ کی درخواست پر ندوہ کا ولی ہونا منظور فرمائیں جو گویا تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی اور قوم کی مربی کہی ہوگی اور بہ لحاظ ان کی نظر اور خداداد علمی قابلیت اور شاہانہ مراسم اور نوازشات کے جو حضور ممدوحہ کی ذاتِ بابرکت کے ساتھ مختص ہیں، ندوہ کے پیٹرن کا عہدہ حضور ممدوحہ کے واسطے بے حد موزوں سمجھا جاوے گا۔

حضور ملکہ معظمہ قیصرِ ہند کے زمانہ فرماں روائی ہندوستان میں حضورِ عالیہ متعالیہ ہی اس کی مستحق ہیں کہ وہ مذہبی حیثیت سے مسلمانانِ ہند کی مادرِ مشفقہ و معظمہ تسلیم کی جاویں۔ حضرت کے نامِ نامی کے ساتھ ڈائرکٹری تعلیمات کا انضمام دیکھ کر جس انضمام سے کہ اس عہدہ کو افتخار حاصل ہوتا ہے میں آج کی ڈاک سے چند کاغذات اردو انگریزی جناب کے ملاحظہ کی غرض سے بھیجتا ہوں اور یہ نتیجہ ہے جو میں نے چار سال کی متواتر کوشش میں اپنے صوبجات متحدہ ممالکِ مغربی و شمالی و اودھ کے واسطے حاصل کیا ہے اور جس کے ذریعہ سے اب یہ بات خود اہلِ ملک کے ہاتھ میں آگئی ہے کہ وہ انگریزی سرکاری مدارس میں دینیات کی تعلیم کا انتظام کریں اور جو اس پر بھی نہ سمجھیں تو پھر ان کو خدا سمجھے۔

ندوہ کے جلسۂ بھوپال کی نسبت ایک احتیاطی کارروائی ہے جس کا ذکر میں نے اوپر پیش کیا تھا مگر تاہم اس قدر اس کے متعلق بھی عرض کر دینا کافی ہے کہ اگر　　مدار المہام اس کو پسند فرمالیں تو قبل اس کے کہ اس پسندیدگی کا کوئی اظہار کیا جاوے، صاحب ریجنٹ گورنر جنرل سے کسی ملاقات کے موقع پر اس کا صرف زبانی تذکرہ کفایت کرے گا اور ابھی میری طرف سے یہ صرف میرے ہی خیالات کا اظہار ہے حضرات ندوہ پر میں بھی اس کے بعد ہی پیش کروں گا۔ والسلام۔

خاکسار مشتاق حسین از امروہہ۔ ۲۷ جولائی ۱۸۹۹ء

بنام مولوی محمد بشیر الدین صاحب

(۶)

عزیز القدر محمد بشیر الدین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! محبت نامہ نے مشکور کیا۔ آپ کی فرمائش اخباروں میں مضامین لکھنے کی نسبت نئی نہیں ہے۔ پہلے بھی آپ نے لکھا اور فی الحقیقت قطع نظر دیگر امور کے تمہارا اخبار یوں بھی میرا ہی اخبار ہے اور مجھ کو بہت خوشی ہوتی اگر اس میں میں کچھ لکھتا ہوتا لیکن طبیعت کچھ ایسی بجھی بجھی ہوگئی ہے کہ بہت ہی کم کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے۔ علاوہ اس کے اخبار میں لکھنے کے لئے جو قابلیت درکار ہے وہ بھی میں اپنے میں نہیں دیکھتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنا کوئی دردِ دل ہر ایک شخص کچھ نہ کچھ لکھ ہی لیتا ہے اسی طرح اگر کوئی موقع پیش آیا اور میں کچھ البشیر کے لئے کسی وقت لکھ سکا تو وہ خود میری مسرت کا باعث ہوگا۔

۱۔ نواب سید علی حسن (صفی الدولہ حسام الملک) نواب صدیق حسن خاں کے فرزند اصغر تھے۔ مدت تک محکمہ تعلیمات کے انچارج رہے۔ پھر لکھنؤ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ وہیں وفات پائی۔

بنام مولوی بشیر الدین احمد صاحب

(۸)

عزیز القدر میاں بشیر الدین احمد صاحب سلامت

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ محبت نامہ نے مشکور فرمایا آپ کے گھر میں سے خاص کر اور بچوں وغیرہ کی خیر و عافیت معلوم ہونے سے اطمینان حاصل ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ تصویر کے متعلق یہ ہے کہ میں تو تصویر کا کبھی آدمی نہیں رہا۔ بعض وقتوں میں بعض دوستوں کے اصرار سے کبھی تصویریں تیار ہوئیں تو اکثر تقسیم ہو گئیں تاہم شاید کہیں کوئی تصویر پڑی ہو۔ ایک بڑی تصویر جو میرے پاس تھی وہ مسٹر محمد احمد مرحوم[1] اپنے ساتھ انگلستان لے گئیں۔ البتہ ایک متوسط تقطیع کی تصویر حسب الطلب سید افتخار عالم صاحب کے پاس جب کہ وہ کالج کی تاریخ لکھ رہے تھے ایک دوست سے مانگ کر میں نے بھیج دی تھی انہوں نے لکھا تھا کہ میں کل ٹرسٹیوں کا مرقع تاریخ میں شامل کروں گا لیکن کوئی گروپ انہوں نے اس میں شامل نہیں کیا لہٰذا آج میں نے ان کو لکھ دیا ہے کہ وہ تصویر مہربانی سے آپ کے پاس بھیج دیں۔

آج کل ایسوسی ایشن کی نسبت یہ ہے کہ میں آپ سے کچھ کم اس بات کو سمجھے ہوئے نہیں ہوں کہ قوم کی طرف سے یقیناً بہت کچھ کاہلی و سستی کا اظہار ہوگا اور شاید کہ کامیابی نہ ہو سکے لیکن اس سب کو جان کر اور اس پر پورا یقین رکھنے کے بعد بھی ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنا اپنا حصہ ادا کریں میں بھی جو کچھ اس باب میں میرا فرض ہے اس کو ادا کروں گا۔ تقریباً دو ہفتے بعد اب سے آپ کو لکھنؤ سے غالباً ایک مطبوعہ خط ملے گا اس پر آپ میرے دستخط بھی دیکھیں گے یہ خط عام طور پر بھی مشتہر کیا جائے گا اور جس کسی کو آنا ہوگا اور جس کے دل کو لگی ہوگی وہ آوے گا اس موقع پر مجھ کو در حقیقت یہ ہی دیکھنا ہے کہ کس قدر ایسے لوگ ہیں جن کے دل کو ان امور کی فکر ہے۔ دورہ کرنے کے لئے نہ مجھ کو فرصت ہے اور نہ میں اس کو اس موقع پر اپنے لئے مناسب سمجھتا ہوں۔ تعلیمی کاروبار لکھنؤ کے اس جلسے کے بعد شروع ہوگا اس وقت پھر چندہ وغیرہ جو کچھ بھی درکار ہوگا سب کچھ کیا جاوے گا ابھی تو اوّل ہم کو لکھنؤ کے جلسہ آئندہ میں اس بات کا طے کرنا ہے کہ کیا طریقہ اختیار کیا جاوے۔ میں اگر بتقریب دورہ کہیں گیا تو لوگ مجھ سے سوال کریں گے کہ حضرت پھر کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے اس وقت جو کچھ جواب میں ان کو دے سکوں گا وہ صرف میری اپنی ذاتی رائے ہوگی اور یہ بہت کمزور مسلک اور فالس[2] پوزیشن ہوگا اور ناکامی کی بدنامی سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ السعی منّی والاتمام من اللہ تعالیٰ۔ والسلام۔

ہمارے سب کی طرف سے گھر میں اور بچوں کو بہت بہت سلام و دعا کہئے۔

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ ۴؍ اگست ۱۹۱۰ء

---

[1] محمد احمد بیرسٹر ایٹ لا نواب وقار الملک مرحوم کے صاحبزادے تھے جو جوانی ہی میں انتقال کر گئے۔ ان کی اہلیہ انگریز تھیں جو مرحوم کے انتقال کے بعد ولایت چلی گئی تھیں۔

[2] یعنی غلط موقف

گھر میں اور بچہ کو بہت بہت دعا کہنا۔ امید ہے کہ برخوردار شبیر احمد اپنی تعلیم میں ترقی کر رہے ہوں گے سلمہ اللہ تعالیٰ حبیب اللہ واحسان الحسن بہت بہت سلام عرض کرتے ہیں والسلام

خاکسار مشتاق حسین

اور یہاں سب خیریت ہے امید ہے کہ وہاں بھی سب اچھے ہوں گے۔

ہم نے ایک ترمیم قانون میں گذشتہ سال بھی پیش کی تھی تاکہ یہ کھلے ہوئے ووٹوں کا سدِ باب ہو جس سے آنادی کی رائے ملیامیٹ ہو رہی ہے اور دوسری ترمیم یہ تھی کہ جو ٹرسٹی اجلاس میں موجود نہیں ہوتے وہ بھی تبادلہ خیالات کے فوائد سے محروم نہ رہیں لیکن گذشتہ سال کا اجلاس پالیسیوں کا اجلاس تھا کام کرنے کا اجلاس نہیں تھا آئندہ سال میں پھر اس کو پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن کیا خاک پیش کروں جو قانون گذشتہ سال ترمیم ہوا تھا وہ اب تک کسی صورت میں ہاتھ ہی میں نہیں آیا جس سے دفعات کی ٹھیک ترتیب معلوم ہوتی اور ترمیم آئندہ کے پیش کرنے والوں کو سہولت ہوتی۔ مہینے ہو گئے جو نواب محسن الملک بہادر سے کسی قانون کا تقاضا کر رہا ہوں لیکن صدائے برنہ خیزد۔ مسٹر بیک کو بھی ایک دفعہ میں نے اس کے واسطے لکھا اس بیچارے نے اتنا تو جواب دیا کہ زیر طبع ہے مگر پھر معلوم نہ ہوا کہ کہاں زیر طبع تھا اور طبع کے بعد کیا ہوا۔ مجھ سے نواب محسن الملک بہادر نے مکرر وعدہ کیا کہ میں بہت جلد مرزا عابد علی بیگ والے معاملہ کی پوری کیفیت چھاپ کر ٹرسٹیوں کے پاس بھیجوں گا مگر آج تک انہوں نے اس وعدہ کو پورا نہ کیا اب ٹرسٹی غریب کریں تو کیا کریں۔ سُنی سُنائی باتوں پر میں تو قلم اٹھا نہیں سکتا جب تک کہ خود نواب محسن الملک بہادر کے دستخط سے کسی واقعہ کے متعلق کچھ حالات معلوم نہ ہوں اور دنیا ہے کہ ٹرسٹیوں کو ملزم قرار دیتی ہے یہ ایک معاملہ سُنا کہ اگر باہمی طور پر طے نہ ہوا تھا تو ٹرسٹیوں کے سامنے تصفیہ کے لئے پیش ہونا چاہئے تھا اور معاف کیجئے جس طریقہ سے کہ آپ نے اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے اس کو طے کر دیا اس آسانی سے تو وہ طے نہیں ہو سکتا، جس کا جو قصور ہوا اس کو جب تک اس پر سزا یا تنبیہہ نہ ہو کچھ انتظام قائم نہیں رہ سکتا۔ یہاں ہم کو سیکرٹری صاحب نے ابھی یہ بھی نہیں بتلایا کہ کس کا کیا قصور تھا بجز اس کے کہ آپس میں رنج بہت بڑھے اور بڑھ رہے ہیں مگر کام کی بات اب تک بھی نہ ہوئی۔

مشتاق حسین
امروہہ ۱۳؍ اکتوبر ۱۸۹۹ء

بنام مولوی بشیر الدین

(۷)

عزیز القدر سلمہ اللہ تعالیٰ

آج ایک خط سے معلوم ہوا کہ برخوردار عبد القیوم سلمہ اللہ تعالیٰ کانپور آ گئے ہیں۔ خود انہوں نے بھی لکھا کہ مجھ کو اب جلد علی گڈھ جانا چاہئے میں نے آج ہی دوسرا خط ان کو کانپور بھیج دیا ہے کہ فی الفور آپ کے پاس اٹاوہ آویں اور آپ کے ساتھ علی گڈھ جائیں۔

آپ جس وقت علی گڈھ پہنچیں گے تو وہاں آپ کو دس روپیہ بر سر صاحب مدرسۃ العلوم سے بتوسط پروفیسر ضیاء الدین احمد صاحب ملیں گے۔ باقی آئندہ کے لئے جس طرح آپ مناسب سمجھیں اسی طرح وظیفہ پہنچتا رہے گا، والسلام

خاکسار

مشتاق حسین (وقار الملک) امروہہ ۱۴؍ اپریل ۱۹۰۰ء

ہونی چاہیئے یعنی کہ ٹرسٹی وغیرہ سب پڑے ہوئے جھک مارا کریں۔ وہاں پرنسپل صاحب اس تحریک کو گورنمنٹ میں پیش بھی کر چکے میں نے اس کے جواب میں آنریری سیکرٹری صاحب سے دریافت کیا ہے کہ آیا پرنسپل صاحب کی یہ کارروائی آپ کی اجازت سے ہوئی ہے؟ بہرحال جو کچھ پرنسپل صاحب نے گورنمنٹ کو لکھا ہے اور اس کا جو جواب آیا ہے اس کی نقل آپ مہربانی سے اوّل ہمارے دیکھنے کے لئے بھیجیئے اس کے بعد اور جو کچھ لکھنا ہے وہ دیکھا جاوے گا۔

اس قدر تو ضابطہ کے خط میں میں نے ان کو جواب دیا ہے اور ایک پرائیویٹ خط جو اس سے علیحدہ میں نے ان کو لکھا ہے اس میں ان کے اس طریقۂ کارروائی کی نسبت از حد شکایت کی ہے اور شاید کہ میرے وہ الفاظ سخت بھی ہو گئے ہیں، غصہ کہاں تک نہ آئے یقیناً ان کو اس سے رنج ہوا ہوگا مگر کیا کیجئے کہ مجبوری ہے۔

یہ کارروائی تو ابھی یہیں تک پہنچی ہے اور اگر وہ ایجنڈا جاری کریں گے تو مجھ کو جو کچھ لکھنا ہوگا میں انشاءاللہ تعالیٰ آزادی سے لکھوں گا بھی مگر اور کے ٹرسٹیوں سے آپ اس قسم کی امید کر سکتے ہیں؟ نواب محسن الملک بہادر نے یہ بھی لکھا تھا کہ کیا آپ کی رائے میں اس معاملہ کو سالانہ جلسہ تک ملتوی رکھنا چاہیئے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جو تحریک پیش ہوئی ہے اس کا تصفیہ جلد ہونا چاہیئے آپ اجلاس کی تاریخ مقرر کریں اور ایجنڈا جاری کریں۔

ایک مشتاق حسین نہیں، بیس مشتاق حسین اور ایک بشیر الدین نہیں بیس بشیر الدین نواب محسن الملک بہادر کو اس باب میں جو چاہے کچھ لکھیں یہ لکھ رکھو کہ ان سے ناممکن ہے اور محال ہے جو وہ اس آزادی کا دسواں، بیسواں، سواں حصہ بھی اختیار کریں جس کی ان سے خواہش کی جاتی ہے۔ وہاں خدا نے یہ طبیعت ہی نہیں دی اللہ قوم پر رحم کرے۔ والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ ۲۰ اگست ۱۹۰۱ء

میں نے نواب محسن الملک بہادر کو مل کر ایک کارروائی کی نظیر بھی دکھلائی ہے کہ دیکھو ہز آنر نے چاہا تھا کہ ایک قانونی ترمیم یونیورسٹی کے قواعد میں کر دیں اور اس کے واسطے وہ ۱۷ اگست کو جلسہ طلب کرنے کو تھے مگر جب کہ علماء یونیورسٹی کا خیال ان کو یہ معلوم ہوا کہ اس قدر جلد ایسا قانوناً جلسہ طلب نہیں ہو سکتا تو ہز آنر نے اس کارروائی کو اوائل نومبر پر ملتوی کر دیا ہے۔

مگر یہاں تو وہ مثل ہے کہ من چہ می سرایم و طنبورۂ من چہ می سراید ـــ مسٹر ماریسن جیسے عمدہ اور آزادانہ شخص کو بھی نواب محسن الملک بہادر نے اپنے کرنے کے کاموں میں خود زبردستی دخل دے دے کر قریباً قریباً دوسرا مسٹر بیک بنا دیا ہے ورنہ اس کے معنی کیا ہوں گے کہ ایک طرف تو ٹرسٹیوں سے رقعوں پرچوں کے ذریعہ سے جلدی جلدی ضابطہ پورا کرنے یا بے ضابطگی کے مکمل کرنے کی غرض سے رائے طلب کی جا رہی ہے اور دوسری طرف مسٹر ماریسن اس تحریک کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

"م"

بنام مولوی محمد بشیر الدین مدیر "البشیر"

(۹)

برخوردار عزیز القدر محمد بشیر الدین صاحب سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! ۱۷ر اگست کا محبت نامہ مجھ کو بھی ملا ہے جس معاملہ میں آپ نے لکھا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ نواب محسن الملک بہادر کا ایک مطبوعہ خط بحیثیت آنریری سیکرٹری اس سے قبل مجھ کو ملا جس کے ساتھ نواب فیاض علی خاں صاحب کا ایک مطبوعہ خط بھی شامل تھا۔ موسومہ نواب محسن الملک بہادر اور دونوں خطوں کا یہ منشا تھا کہ ہز آنر کی یادگار میں ایک بورڈنگ ہوس بنایا جاوے جس کا نقشہ و اسٹیمیٹ شملہ میں تیار ہوا ہے اور مجھ سے بھی بحیثیت ٹرسٹی رائے طلب کی گئی تھی اور جواب بہت جلد مانگا گیا تھا اور غالباً وہ خط اسی درخواست سے اور ہر ایک ٹرسٹی کے پاس بھی بھیجا گیا ہوگا۔

میں نے ان کو جواب دیا کہ رائے طلب کرنے کا یہ کوئی طریقہ ٹرسٹیوں کے قانون میں نہیں ہے۔ قاعدہ کے مطابق آپ کو اس تحریک کے تصفیہ کے لئے ٹرسٹیوں کا جلسہ طلب کرنا چاہئے اور حسب قاعدہ اس کا اجنڈا جاری کیجئے۔

آپ کو غالباً خیال ہوگا کہ اب اجنڈے سے کے بعد یک طرفہ ووٹ شماری کا پرانا مہمل طریقہ باقی نہیں رہا ہے بلکہ اب دو مہینہ کے فاصلہ سے تاریخ لگائی جاوے گی اور اول مہینہ میں ہر ایک ٹرسٹی کے پاس سے ابتدائی رائیں آویں گی اور جن ٹرسٹیوں کو تحریک سے کوئی اختلاف ہوگا ان کا اختلاف پھر بجنسہٖ چھاپ کر سب ٹرسٹیوں میں بھیجا جاوے گا اور پھر ہر ایک ٹرسٹی کو موقع ہوگا کہ خواہ اپنی پہلی رائے پر قائم رہے اور خواہ دوسری کوئی بھی دے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب موافق ووٹوں کے حاصل کرنے میں پہلی سی آسانی قائم نہیں رہی۔

اس کے جواب میں نواب محسن الملک بہادر نے مجھ کو لکھا کہ وقت اس قدر باقی نہیں ہے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ وقت بہت باقی ہے اور بالفرض اگر وقت باقی بھی نہیں ہے تو یہ اور بھی اچھا ہے کیونکہ اس قسم کی یادگاریں بجائے اس کے کہ خود اس شخص کی حکومت کے زمانہ میں قائم ہوں زیادہ عزت کی بات ہے کہ اس کے بعد ہوں آخر میں میں نے لکھا ہے کہ اگر ہم کو اپنے قانون کی عزت کرنی ہے تو اس کے مطابق کارروائی کرنی چاہئے ورنہ اگر ٹرسٹیوں کی کمیٹی کو قانون کی چوپال قرار دینا ہے تو مختیار ہے جس صاحب کا جی جس قسم کی کارروائی کو چاہے وہ ویسا کرے۔ میں تو کوئی رائے اس باب میں اس طرح پر نہ دوں گا۔

میں نے ان کو یہ بھی لکھا تھا کہ بورڈنگ کا نقشہ اور اسٹیمیٹ بھی اردو میں چھپوا کر ایجنڈے کے ساتھ سب ٹرسٹیوں میں تقسیم کرو اور یہ بھی بتلاؤ کہ اس بورڈنگ کا بنانا کس سے قطعہ زمین پر تجویز ہوا ہے۔ اس پر انہوں نے لکھا کہ ان باتوں کو دور کے رہنے والے ٹرسٹی کیا سمجھیں گے اور اس پر کیا رائے دیں گے۔ میں نے لکھا کہ اس سے آپ کو کچھ مطلب نہیں۔ اس امر پر اس وقت غور کیا کیجئے جب آپ کسی کو ٹرسٹی مقرر کرتے ہیں مگر جب کہ کوئی شخص ٹرسٹی ہے تو اب خواہ دور کا رہنے والا ہے یا قریب کا ہر ایک کو یکساں حق ہے اور آپ ان کے اس حق سے بے پروائی نہیں کر سکتے۔

آپ کو تعجب ہوگا جب آپ سنیں گے کہ اس کے جواب میں جناب ممدوح نے کیا تحریر فرمایا۔ وہ لکھتے ہیں کہ نقشہ اور اسٹیمیٹ تو پرنسپل صاحب نے گورنمنٹ میں بھیج دیا ہے جہاں سے یہ جواب آیا ہے کہ اول ضلع کے انجنیئر کی رائے اس پر

<u>بنام مولوی محمد بشیر الدین</u>

(۱۲)

عزیز القدر محمد بشیر الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ! ۱۴ ر اگست میں جو نوٹ پولٹیکل ایسوسی ایشن مسلمانان کے متعلق آپ نے دیا ہے وہ میں نے شکر گزاری کے ساتھ پڑھا۔ مراد آباد، بریلی، شاہجہان پور، پیلی بھیت، بدایوں، بجنور، علی گڈھ، بلند شہر، میرٹھ، مظفر نگر، سہارن پور، فرخ آباد یہ بارہ ضلع ختم ہو گئے ہیں۔ مراد آباد کی روئیداد غالباً مارچ گذشتہ میں میں آپ کے پاس بھیج چکا ہوں لیکن آج پھر مراد آباد و شاہجہان پور و پیلی بھیت کی روئیداد میں نے آپ کی خدمت میں بھیج دی ہے باقی اضلاع کے متعلق ہنوز روئیدادیں میرے پاس نہیں آئیں متعاقب آویں گی۔ دو دو اضلاع کے دو جلسے یکجائی ہوئے یعنی علی گڈھ و بلند شہر کا یکجائی جلسہ بمقام علی گڈھ اور سہارن پور و مظفر نگر کا یکجائی جلسہ سہارن پور۔ بدایوں، بجنور، فرخ آباد میں مجھ کو جانا نہیں پڑا وہاں کے لائق حضرات نے خود ہی انتظام کر لیا۔

باقی ماندہ اضلاع صوبہ کے ساتھ خط و کتابت جاری ہے۔ اٹاوہ کے متعلق اس موقع پر پھر یاد دہی کی معافی چاہتا ہوں اب جلدی کرنی چاہیئے۔ پہلا کام مجسٹریٹ ضلع سے اطلاع ہو جانی ہے اُس کے بعد جلسہ کی تاریخ و مقام و وقت مقرر ہو کر اشتہارات کا ایک یا چند دستخطوں سے جاری ہونا ہے۔

ایبٹہ کے واسطے سابق میں نو چودھری محمد یعقوب صاحب نے وعدہ فرمایا تھا اور اب محمد موسیٰ خاں صاحب نے وعدہ کیا ہے۔

اودھ کے اضلاع کا منشی احتشام علی خاں صاحب امید ہے کہ انتظام کریں گے۔ اکتوبر تک انشاء اللہ باقی اضلاع ختم ہو جاویں گے جس کے بعد نومبر کے عمدہ موسم میں بمقام لکھنؤ پہلا جلسہ ڈیلیگیٹوں کا ہونا چاہیئے۔ ارادہ تو یہی ہے آئندہ کامیابی خداوند تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ ۱۱ ر اگست ۱۹۰۳ء

علی گڈھ گزٹ میں ایک مضمون منجانب اخبار اور پائونیر میں ایک تار سہارن پور سے چھپا ہے ان دونوں کی اصلاح کرنی پڑی متعاقب آپ ان اخباروں میں دیکھیں گے۔

میں متعاقب آپ کو البشیر کے واسطے ایک خط لکھتا ہوں جو آپ کی پالیسی کے خلاف ہوگا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں کو ایسی خراب فیلنگ اختیار کرنی نہیں چاہیئے جس سے کہ "البشیر" اکثر مملو پایا جاتا ہے گو وہ ہندو اس کے خلاف ہی کرتے ہوئے پائے جائیں مگر مسلمانوں کو اپنا اسلامی اخلاق وسیع ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے اسی پر میں کچھ لکھوں گا۔ والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین

بنام مولوی بشیر الدین صاحب

(۱۰)

عزیز القدر منشی بشیر الدین صاحب سلامت

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ محبت نامہ پہنچا مشکور کیا۔ جناب سر سید صاحب مرحوم و مغفور کو علی گڑھ میں قیام رکھنے کی وجہ سے انگریزی سے بہت کچھ مدد مل جاتی تھی اور ان کو قریب ہی ضروری کتابیں بھی بہم پہنچ جاتی تھیں اور یہ امر آپ کو معلوم ہے کہ دوسری مشکلات خانہ داری ان کو اس کا دسواں حصہ بھی نہ تھیں جن میں مجھ کو مبتلا ہونا ہوتا ہے اور امروہہ میں رہ کر تو کسی اس قسم کے کام کا بیڑا اٹھانا محالات سے ہے اور امروہہ کا چھوڑنا بھی ان علائق کے ساتھ دشوار۔ آئندہ جب تفصیل سے ملاقات ہوگی تو امید ہے کہ آپ میرا عذر قبول کر لیں گے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگر میں دیکھتا کہ درحقیقت میں اس کام کو سنبھال سکتا ہوں تو اپنی ذاتی ضرورتوں پر اس کو ترجیح بھی دیتا اور مالی مشکلات کے باوجود بھی میں اپنا قیام کسی دوسری جگہ اختیار کرتا لیکن میں صاف صاف دیکھتا ہوں کہ اس صیغہ کی سیکرٹری شپ کو میں کسی طرح انجام نہیں دے سکتا اس کے لئے تو آپ کو دوسری کسی طرف غور کرنا ہوگا اور حامد علی خاں صاحب ہی کو کوئی مدد ایسی دینی[1] مفید ہوگی جو آپ مجھ کو دینا چاہتے ہیں۔ اس مدد کے ساتھ وہ اس کام کو بخوبی کامیابی کے ساتھ انجام دے سکیں گے۔ میرے عذر کی وجہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ قوم سے قومی خدمات کا صلہ لوگوں کو جیسا چاہئے نہیں ملتا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو شخص بھی اس قسم کے معاوضوں سے متاثر ہو کر قومی کاموں کو اختیار کرنا پسند کرے گا وہ کرایہ کے مزدور کی طرح کام کرے گا۔ ایسے شخص کے کام میں کبھی خدا برکت نہیں بخشتا، قومی کام انہی کا حصہ ہے جو بلا خیال معاوضہ اور بلا اندیشہ لومۃ لائم اپنا قومی فرض سمجھ کر کسی کام کو انجام دیتے ہیں گو یہ سچ ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے اور یہی سبب ہے کہ قومی کام بھی اچھی طرح انجام نہیں پا رہے اس قسم کی روح صرف عمدہ تعلیم ہی سے پھونکی جا سکتی ہے۔

یہ خوب ہوا کہ ۲۱ ر ۲۲ ر اکتوبر کو لکھنؤ میں مشورہ کا جلسہ قرار پا گیا اب جو کچھ تجویز بھی اختیار کی جاوے گی کافی غور و خوض اور تبادلۂ خیالات کے بعد اختیار کی جاوے گی۔ والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین (وقار الملک) امروہہ ۴م ستمبر ۱۹۱۰ء

بنام جناب حکیم محمد عبدالسلام

(۱۱)

جناب حکیم صاحب مخدومی و مکرمی مولوی حکیم محمد عبدالسلام صاحب سلامت

منشی ارشاد الدین صاحب پنشنکار کیمپ میرٹھ جو جناب کی خدمت میں اپنے علاج کی غرض سے تشریف لاتے ہیں ان حضرات میں سے ہیں جو اپنے مال اور جان تک کو قومی کاموں پر قربان دئیے ہوئے ہیں اگر اس قسم کے لوگ قوم میں کچھ زیادہ تعداد سے ہوتے تو مسلمانوں کی حالت ہی کچھ اور ہوتی پس ایک ایسی جان جیسی کہ قوم کو عزیز ہونی چاہئے اور جس خاص التفات اور توجہ سے ایک ایسی جان کی حفاظت کی ضرورت ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ میں نے خود بھی ان کے ساتھ خدمت میں حاضر ہونا چاہا تھا اور ان سے عرض کر دیا ہے کہ یوں ہی سمجھ لیں کہ گویا ان کے ساتھ میں خود ہی حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ والسلام!

خاکسار: مشتاق حسین۔ امروہہ ۸ ر مارچ ۱۹۰۳ء

---

[1] یہاں ایک لفظ پڑھا نہیں گیا۔

بہت ضروری تحریر مسلم یونیورسٹی کی نسبت ہے جو میرا سب کچھ سمجھا ہوا مضمون ہے مگر ایک مہینے سے زیادہ ہو چکا اور آجکل آجکل ہی میں وقت گذر رہا ہے کیا کیا جاوے جب کہ دل دماغ کام ہی نہ دیں اس کے علاوہ آپ نے کسی کتاب پر میرا کوئی ریویو غالباً دیکھا بھی نہ ہوگا اور اب تو اظہارِ مجبوری اور معافی چاہنے کے سوا اور کچھ بن ہی نہیں پڑتا اب تو مخدومنا صرف یہ دعا فرمائیے کہ میری زندگی کے جو انفاس باقی ہیں وہ عافیت سے کٹ جاویں اور خدا خاتمہ بخیر کر دے۔ آج کی ڈاک سے میں آپ کی رسالہ کتاب حیاۃ النذیر بصیغہ رجسٹری خدمتِ عالی میں بہت سے شکریوں کے ساتھ واپس کرتا ہوں۔ والسلام!

خاکسار: مشتاق حسین از ڈیرہ دون ۲۲ ستمبر ۱۹۱۲ء

---

(۱۶)

بنام سید افتخار عالم صاحب

جناب مخدومنا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! الطاف نامے کا شکریہ۔ ہاں حضرت سرورِ عالم صلعم کے فرامین ایک وقت میں میں نے طبع کرا کر کالج کی نذر کر دیے تھے وہ فارسی زبان میں ہیں۔ میرے پاس شاید ان کی کوئی ایک جلد ہو تو ہو لیکن آپ مولوی محمد عنایت حسین صاحب . . . . علی گڈھ کو تحریر فرماویں وہاں سے کوئی نسخہ اس کا مل جاوے گا۔ والسلام!

خاکسار: مشتاق حسین امروہہ ۲۲ جنوری ۱۹۱۴ء

---

(۱۷)

بنام محسن الملک[1]

جناب مخدومی

آپ خفا ہوتے ہوں گے کہ آپ کے خطوں اور خصوصاً تاروں کا جواب وقت پر نہ ملا۔ اصل یہ ہے کہ میں نے شملہ سے لوٹتے وقت الٰہ آباد کے مقام سے ایک ہفتہ کی رخصت سرکار سے علاوہ عید کی تعطیل کے لے لی تھی، پرسوں شام واپس آیا ہوں مگر صحت خراب ہے آپ کا ایک خط ۱۷ جولائی کا دو خط ۳ اگست کے ملے۔ جواب آئندہ کے خط میں دوں گا۔ پانچ ہزار پونڈ کے متعلق آپ کا خط مجھ کو وہاں سے چلنے کے دن شملہ میں ملا تھا۔ پہلی ہی منزل میں سرکار نے تار پر روپیہ بھیجنے کا حکم حیدر آباد بھیج دیا تھا۔ یقین ہے کہ اوس وقت روپیہ پہنچ گیا ہوگا۔ میجر رابرٹس صاحب کا تقرر درحقیقت اوس قسم کی پالیسی ہے جس کو میں ہمیشہ عزیز رکھتا ہوں۔ پنڈت وشنو ناتھ کو جب میں نے اپنا مددگار معتمد عدالت مہاراجہ صاحب کے وقت میں بنایا تھا تو وہ بھی پالیسی تھے یعنی کہ اپنی صفائی اور راستبازی کا پاس کیا۔ جواب میں اس لئے دیر ہوئی کہ . . . .[2] اور اوس کے بغیر سودی صاحب کو جواب دینا مناسب نہ تھا۔ آپ کے مکان پر سب خیریت ہے۔ خدا کے لئے اب تو جلد آؤ، جی اکتا گیا۔ میں مفصل آئندہ لکھوں گا۔ والسلام والتسلیم!

خاکسار

مشتاق حسین حیدر آباد دکن ۷ اگست دوشنبہ صبح

---

[1] یہ مکتوب غالباً نواب محسن الملک کے نام ہے جب وہ معدنیات کے مقدمے کی پیروی کے لئے دولتِ آصفیہ کی طرف سے لندن گئے ہوئے تھے۔

[2] عبارت پڑھی نہیں گئی۔

بنام مولوی بشیر الدین

(۱۳)

عزیز القدر سلمکم اللہ تعالیٰ

نہایت افسوس ہے کہ جناب حی صاحب قبلہ نے کل شام نمازِ مغرب کے وقت اس دارِ فانی کو ہمیشہ کے لئے چھوڑا انا للہ و انا الیہ راجعون - آخر لمحہ تک بھی مرحوم کے ہوش و حواس سب درست تھے ......[1] محمد حسین صاحب مرحوم کی قبر کے متصل ہی دفن کئے گئے اللہ تعالیٰ جناب مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے، مشیتِ ایزدی میں کچھ چارہ نہیں ہے گھر میں اور بچوں کو بہت بہت دعا - خالہ پھوپھی صاحبہ معظمہ کی خدمت میں بھی میں نے امیر پور کو علیحدہ خط لکھا ہے مجھ کو جس بات کا سب سے زیادہ اس موقع پر خیال ہے وہ جنابہ معظمہ موصوفہ کا ہے - ان سے یہ سانحہ بہت ہی مشکل سے برداشت ہو سکے گا اور یوں تو جو کچھ بھی خدا کی مرضی ہوتی ہے انسان کو اس پر صبر ہی کرنا پڑتا ہے - اپنے دو نوجوان قابل فرزندوں کا بھی ناقابلِ برداشت صدمہ ان کو برداشت ہی کرنا پڑا ہے - والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین - امروہہ ۱۴ ستمبر ۱۹۰۳ء

بنام سید افتخار عالم صاحب

(۱۴)

جناب مخدومی و مکرمی مولوی سید افتخار عالم صاحب سلامت

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ! گرامی صحیفہ اور حیات النذیر[2] کا شکریہ عرض ہے لیکن افسوس ہے کہ میری حالتِ صحت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ میں اس عمدہ کتاب کو بالاستیعاب دیکھ بھی سکوں جس کے بدون ریویو لکھا نہیں جا سکتا اور نہ اب دماغ میں اتنی طاقت ہے - علی گڈھ سے میں رخصت ہوا ایسی حالت میں کہ مجموعۂ عوارض ہو رہا تھا اور یہاں پہنچتے ہی رمضان المبارک کا مہینہ آگیا جس نے معدے کو بھی بہت خراب کر دیا ہے اور روزانہ جو کام علی گڈھ سے بذریعہ ڈاک سے اب بھی آجاتا ہے اس کو میں روز کا روز ختم نہیں کر سکتا - امید ہے کہ میری یہ معذرت مہربانی سے قبول فرمائی جاوے گی - آپ کی کتاب میرے پاس امانت ہے جس کے پاس فرمائیے میں بھیج دوں - بیہ میں نے اس لئے عرض کیا کہ شاید ریویو کی غرض سے کسی اور صاحب کے پاس آپ اس کا بھیجنا پسند فرماویں اور ابھی زیادہ کتابیں آپ کے پاس تیار نہیں ہیں - والسلام!

خاکسار: مشتاق حسین - ۱۴ ستمبر ۱۹۱۲ء ڈیرہ دون

بنام سید افتخار عالم صاحب

(۱۵)

جناب مخدوم و مکرمنا مولوی سید افتخار عالم سلامت

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ! گرامی نامے نے ممنون فرمایا۔ آپ کا ارشاد میرے سر اور آنکھوں پر، و لاکن لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا، جن چیزوں میں مجھ کو کچھ لکھنا نہیں، پڑھنا نہیں، سوچنا نہیں صرف زبان سے بتلانے جاننے کی بات ہے مثلاً ایک

---

[1] یہاں چند الفاظ پڑھے نہیں گئے۔

[2] سید افتخار عالم مصنف "حیات النذیر" (سوانح مولانا نذیر احمد) نے کتاب تبصرے کے لئے بھیجی تھی۔ نواب صاحب نے کتاب اس لئے واپس کر دی کہ انہیں مطالعے کی فرصت نہ تھی اور نہ وہ ریویو لکھ سکتے تھے۔

بنام محمد یونس

(۱۹)

برخوردار یمن چودھری محمد یونس صاحب سلامت

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! خواجہ غلام الثقلین صاحب مارہرہ تشریف لائے ہوں یا تشریف لانے والے ہوں گے۔ کونسل کی ممبری کے متعلق اون کی ہم سب کو مدد کرنی چاہیئے۔ میرے نزدیک وہ اون چند نوجوان کامیاب طلبأ علیگڈھ کالج میں سے ہیں جن کو کالج کا بہترین نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ اون کی یہ کوشش اپنی ذاتی ترقیِ مدارج کے لیئے نہیں ہے بلکہ صرف قوم کو اور ملک کو نفع پہنچانے کی کوشش میں وہ یہ تمام دردِ سر مول لے رہے ہیں۔ والسلام!

اور یہ میری ذاتی رائے ان کی نسبت مختلف تجربوں کے بعد قائم ہوئی ہے۔

اور میرا یہ خط آپ جس کو چاہیں ملاحظہ کرائیں۔

خاکسار

مشتاق حسین۔ ڈیرہ دون ۲۴ر اکتوبر ۱۹۱۲ء

بنام منشی محمد محمود شاہ خان صاحب

(۱۸)

مکرمی منشی محمد محمود شاہ خان صاحب سلامت

جناب سید محمود صاحب نے جو کچھ اس خط میں لکھا ہے سب صحیح لکھا ہے اور پہلے سے آپ کا بھی یہی خیال ہے۔ وہاں جانا کچھ جناب ممدوح پر احسان کرنے کی غرض سے نہیں ہے۔ بلکہ صرف اپنے آئندہ کے نفع کے لحاظ سے جس کی امید یہاں کی نسبت وہاں زیادہ ہے۔

کل بھی جو خط جناب ممدوح کا میرے پاس آیا تھا اور جس کی بنا پر میں نے کل آپ کو ایک خط لکھا تھا اس میں بھی تمام مطالب اُسی کے قریب قریب تھے۔ خاص وجہ جو اون کو اس خط کے لکھنے کی باعث ہوئی ہے وہ منظوری کا لفظ ہے جو آپ کی جانب سے جناب صدر یا علیٰ صاحب نے لکھ دیا۔ اب آپ کو ایک اطمینان کا خط اور اوس کے ساتھ ایک عرضی بھی بھیج دیں۔ ادب اور تعظیم کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے سب صحیح ہے ہمارا خود پہلے سے یہی خیال ہے نپولین بوناپارٹ کی سرگذشت میں اوس کے ایک نہایت دلی دوست اور ہم مکتب اور لنگوٹیا یار بوریین کا قصہ موجود ہے کہ جب وہ اوّل ہی مرتبہ نپولین کے حسب الطلب نپولین کی شاہنشاہی کے بعد نپولین کے پاس حاضر ہوا تو ویسے ہی ادب سے پیش آیا جیسا شاہنشاہ کے رتبہ کے مناسب تھا، نپولین کہتا تھا کہ مجھ کو پہلے سے یہ فکر تھی کہ بوریین آج میرے سامنے وہی بے تکلفی کرتا ہے یا بے ادب پیش آتا ہے اور جب میں نے بوریین کا وہ طرز دیکھا تو . . . . اور گو آپ سے ایسے امور میں کچھ کہنے کی حاجت نہیں تھی کیونکہ آپ کے خیالات خود عمدہ ہیں مگر جناب سید صاحب نے جو اپنی طرف سے صاف صاف یہ سب مراتب بیان فرما دئے ہیں اون کا یہ صاف، صاف طریقہ بلاشبہ نہایت عمدہ ہے میں تعریف کرتا ہوں اون کی اس قدر مآل اندیشیوں کی اور اس سے زیادہ اطمینان اس بات کا ہوتا ہے کہ جو مواقع احتیاط سے کام کرنے کے ہوں گے اون میں وہ اچھی طرح احتیاط سے کام کر سکیں گے۔

آپ جناب سید صاحب ممدوح کو رجسٹری شدہ لفافہ میں خط اور عرضی بھیج دیجئے۔ میں بالکل متفق ہوں کہ آپ اپنے نفع . . . . . . سب امید میں جائیے اور اگر کامیابی نہ بھی ہو تو اس کو اپنی قسمت اور اپنی رائے کی خطا سے منسوب کیجئے، نہ اون کی عدم توجہی سے، اور یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اون لوگوں کا دل ہمیشہ بہت زیادہ خوش رہا کرتا ہے جو ایک کام کو اختیار کرتے وقت اوّل اس کی مضرتوں اور خطرات کو تسلیم کر لیتے ہیں اور ان کے برداشت کرنے کے واسطے اپنے آپ کو آمادہ کر لیتے ہیں۔ پھر اگر ان خطروں سے نجات ہو جاتی ہے تو دو چند خوشی ہوتی ہے اور اگر وہ خطرات پیش آ جاتے ہیں تو وہ گویا پہلے ہی سے سوچے ہوئے ہوا کرتے ہیں اور اس لئے زیادہ رنج دہ نہیں ہوتے۔

مجھ کو سب خود لکھئے اور یہ خط واپس فرمائیے۔ جناب قبلہ ام مولوی محمد سمیع اللہ خان صاحب بہادر بھی . . . . . تمام خط و کتابت کو ملاحظہ فرما دیں۔ والتسلیم!

نیاز مند
مشتاق حسین از علی گڈھ ۱۲

لہ جہاں نقطے لگے ہوئے ہیں وہاں کاغذ کی خستگی کے باعث عبارت پڑھی نہیں گئی۔

مستدام رکھے۔ بشرطیکہ آپ اس دعا کو بھی خوشامد نہ سمجھیں اور اگر خوشامد جانیں تو پھر یہ دعا میری دلی نہیں ہے۔ گستاخی معاف ہو۔
قصیدہ اس نشان سے واپس عنایت ہو۔ اجمیر شریف سرائے چمن چشتی بذریعہ محمد نعمان ٹھیکہ دار سرائے چمن چشتی، سید جلال مسافر مقیم خانقاہ معلی کو پہنچے۔ زیادہ ادب!

سید جلال۔ ۲۵ر فروری ۱۸۹۰ء

---

(۲)

بنام شاہ زین الدین

قدر دانا سلامت!

سلام مسنون کے بعد مدعا نگار ہوں کہ عنایت نامہ ۱۵ر ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۹ھ کا مع یک غزل اصلاح طلب آیا تھا مگر چونکہ میں لکھنؤ میں نہ تھا، ریاست رامپور میں بہ طلب رئیس رامپور چلا آیا تھا بلکہ ابھی تک رامپور ہی میں مقیم ہوں آپ کے عنایت نامہ کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اب چند روز ہوئے کہ وہی عنایت نامہ سامی مع غزل گرامی رامپور میں میرے پاس آیا ہوا ہے تو اس کا جواب لکھنے میں بدیں وجہ تعویق ہوئی کہ آپ نے اپنے دیوان کے طبع کی تاریخ کی بھی فرمائش کی، پس اس کی فکر میں تھا اب تاریخ طبع دیوان سامی کی نکل آئی لہٰذا اس کا قطعہ درست کر کے خدمت میں بھیجا جاتا ہے۔ اگر پسند آجائے درج دیوان فرمایا جائے اور غزل مرسلہ سامی پر اصلاح دے دی گئی اور غزلیات آپ کی جو پہلے آئی تھیں وہ اصلاح شدہ آج دو مہینے کا زمانہ ہوا کہ ارسال خدمت سامی کر چکا ہوں یقین ہے کہ پہنچی ہوں اور آپ نے دیکھی ہوں۔ نام آپ کے دیوان کا "گنجینۂ معرفت" بہت اچھا رکھا گیا ہے اس سے بہتر نام اب نہ نکلے گا۔ فقط!

راقم آثم جلال بے کمال از رام پور

مکرر یہ ہے کہ اب جو آپ مجھ کو کوئی تحریر بھیجیں تو وہیں لکھنؤ ہی میں بھیجیں کہ میں اب رامپور سے جانے کا قصد رکھتا ہوں۔

اصلاحی غزل یہ ہے :

وصل ہی وصل ہے جب دل میں ہے ہر وقت حبیب
اصلاح : ۱ ہجر کا خوف نہیں پاس ہے پہلو میں حبیب
سنتے ہیں اس کی جگہ ہے رگ جاں سے بھی قریب

۲ اس شہ حسن تک اپنی ہے رسائی مشکل
جس کے دروازے پہ لاکھوں ہوں نگہبان رقیب

۳ تو خبر جلد خدا کے لئے نکلو باہر
بیٹھا دروازہ پہ مدت سے ہے سجادہ غریب

۴ اتنی تدبیریں ہوئیں ایک بھی پوری نہ ہوئی
بڑھنے دیتے نہیں کیا کیجئے کم بخت نصیب

۵ دردِ دل ایسا نہیں ہے کہ دوا سے جائے
دیکھ کر مرض مرا ہو گیا ناچار طبیب

اصلاح : ۶ روبرو کیوں وہ اے سجادہ نہیں آتے ہیں
اپنے مشتاق سے بھی پردہ یہ ہے بات عجیب

۶ شب دیجور سے دل میرا بہت ڈرتا ہے
نہ دکھانا مجھے شکل اس کی مہیب
اصلاح : یا الٰہی نہ دکھا مجھ کو تو یہ شکلِ مہیب

جلالؔ لکھنوی

(۱)

<u>بنام وقار الملک</u>

بہ جناب مرجع خاص و عام نواب انتصار جنگ بہادر دام اقبالکم!

بصد تعظیم گذارش پرداز ہوں۔

حضرت بجواب عالی نامہ لکھنؤ سے نیاز نامہ عرض کر چکا ہوں۔ شرف اندوز ملاحظہ ہوا ہی ہوگا۔ بالجملہ ۱۹ فروری ۱۸۹۰ء تک نیاز مند لکھنؤ میں تھا۔ قصیدۂ ناکام یا یوں کہوں کہ سجلِ ناکامی مجھ کو واپس نہیں ملی۔ ہر چند مجھ کو ضرورت اس کے واپس پانے کی نہ تھی اور نہ اب ہے لیکن چونکہ حضرت نے واپسی کی اطلاع فرمائی، لہٰذا اب ضرور ہوا کہ میں حضرت کو اس کے واپس نہ آنے کی خبر دوں اور چونکہ ہمارے حضرت نے اس آزادانہ حالتِ انبساط کی تقریب فریب منصفانہ گذارش کو ایک حد سے متجاوز تعریف جان کر اس کا داخلِ دفتر رہنا بھی ناجائز ظاہر فرمایا ہے تو اب واجب ہوا کہ میں خواہی نخواہی اس کو مع عرضداشت ہمراہی واپس لوں۔

امیدوار ہوں کہ وہ سجلِ ناکامی مع عرضداشت بدنامی واپسی ڈاک میں مرحمت ہو تاکہ میرے خوار ہونے کا یادگار رہا گواہ نہ رہے۔

من و خدائے من میں خوشامدی نہیں ہوں بلکہ خود خوشامدیوں کا دشمن اور اس قسم کے حضرات پر تعریض کرنے والا، بلکہ میں خود جانتا ہوں میری اسی تعریض کا پاداش ہے جو مجھے حق تعالیٰ جلّ شانہٗ سے آپ کے ہاتھوں ملا کہ خوشامد گروں میں نام بھی داخل ہوا۔ مکرمی مولوی سیف الحق صاحب بالقابہ نے تعریضِ خوشامد گری بھی اپنے نگارش اسمی سیکرٹری اور دہ اخبار میں فرمائی۔ مگر کروڑ کروڑ شکر ہے کہ بہت ہی جلد مجھے کیفر کردار مل گیا اور جو کہیں کیفر میں ادھر سے درنگ ہوتا تو نہ جانے کہاں کہاں کس کس کی خوشامد کرنا اور جانے کیا کیا توہین و تذلیل کی سزائیں جھیلتا۔

الحمد للہ بمقتضائے الخیر فی ما وقع، مجھے اس قصیدہ میں دو صلے ملے۔ ایک میرے خوشامدیوں کی نسبت طعن کرنے کا عوض کہ خود بھی مطعون ہوا، دوسرے آئندہ مدت العمر کے واسطے اس نازیبا کردار سے اجتناب بلکہ تیسرا ایک اور فائدہ بھی بہت بڑا ہوا یعنی حضرات خوشامد گر کی نسبت زبانِ طعن دراز نہ کرنا اور یہ سب فائدے بدولتِ جناب ہوئے۔ خدا آپ کو فائز المرام مدام

(۴)

بنام خان بہادر بشیر الدین صاحب

جس قدر مجھ کو بد وعدہ، کاذب، ہرزہ گو بنائیے تعجب نہیں۔ میں نے دو مہینے ہوئے سرکار میں سفارش بھیج دی کہ فلاں فلاں اشخاص کو کتابیں ہدیۃً بھیجی جائیں اس کی منظوری اب تک نہیں آئی۔ بار بار لکھ چکا ہوں۔ نواب محسن الملک کا بڑا تقاضا تھا، مجبور ہو کر میں نے کتاب بہ قیمت خریدی اور بھیجی۔ کتابیں تمام دفتر میں ہیں اور میں اعظم گڈھ آگیا ہوں۔ اگر زیادہ دیر ہوئی تو کالج سے خرید کر کے بھیجوں گا۔

شبلی۔ اعظم گڈھ ۲۲ ستمبر ۱۹۰۲ء

(۵)

بنام خان بہادر بشیر الدین صاحب

یہ نوٹ چھاپ دیجئے:

"الغزالی (مصنفہ شبلی نعمانی) کے ملنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ڈیوٹی شاپ علی گڈھ کالج سے منگوائی جائے۔"

شبلی نعمانی - ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء

(۶)

بنام مولوی بشیر الدین صاحب

علی گڈھ گزٹ میں کتب مترجمہ انجمن ترقی اردو کی فہرست چھپے گی۔ صیغۂ منقولات میں اس کو لے لیجئے گا۔ میرے پاس محرر نہیں۔ خود کام کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے متعدد نقلیں بھیجی نہیں جا سکتی تھیں۔

شبلی۔ حیدر آباد ۱۷ مئی ۱۹۰۳ء

(۷)

بنام مولوی بشیر الدین صاحب

مخدومی!

انجمن ترقی اردو کی رپورٹ بابت ماہ جون ۳ء علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ نمبر ۶۴ جلد ۳۸ مورخہ ۲۵ جولائی ۳ء[1] میں چھپی ہے۔ براہِ کرم آپ بھی اپنے اخبار میں جلد اس طرح فرماویں۔ اتفاق سے اس رپورٹ کو شائع ہونے میں بہت دیر لگی۔ جولائی کی رپورٹ بھی تیار ہے۔

شبلی۔ سیکرٹری انجمن ترقی اردو ۔ ۴ اگست ۱۹۰۳ء

(۸)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

میرا ہر روز معتد بہ وقت ندوے کی اڈیٹری میں صرف ہوتا ہے۔ ندوہ اب تک کیوں کامیاب نہیں ہوا اس کی وجہ یہ ہوئی

---

[1] ۳ء سے مراد ۱۹۰۳ء ہے۔

شبلی نعمانی

شمس العلماء مولانا شبلی مرحوم و مغفور کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کے یہ مکاتیب اُب تک کسی بھی مجموعے میں شائع نہ ہوئے تھے اور ان میں سے بعض مرحوم کی سیرت پر نہایت عمدہ روشنی ڈالتے ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے نام مولانا شبلی کے بہت سے مکاتیب "مکاتیبِ شبلی" میں چھپ چکے ہیں لیکن جو مکاتیب ذیل میں شائع کئے جا رہے ہیں وہ بالکل نئے اور غیر مطبوعہ ہیں۔

(۱)

بنام مولانا مفتی شبیر علی

استفتاء نامہ سامی پہنچا۔ میرے نزدیک آپ کا جواب قرینِ صحت ہے مگر چونکہ میں نے افتا کا کام مدت سے چھوڑ دیا ہے اور اب اپنے تئیں اس منصب بزرگ کے قابل نہیں سمجھتا اس لئے دستخط کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے اور بزرگانِ دین کے ہوتے میری کیا حاجت ہے۔ والسلام!

شبلی۔ علیگڑھ اکتوبر ۱۸۹۸ء

(۲)

بنام خان بہادر بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر، اٹاوہ

مکرمی! اس رشتۂ علوم و فنون جس سے میرا تعلق ہے اس کے متعلق اگر آپ کی کانفرنس میں اظہار پسندیدگی کا ریزولیشن پاس ہو تو سررشتہ کے استحکام کا باعث ہوگا۔ ریاست کے لئے اس قسم کا محکمہ عزت کا باعث ہے۔ یہاں نا قدر دان لوگ اس کو فضول سمجھتے ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس میں حصہ لیں۔

شبلی۔ حیدر آباد ۱۵ر نومبر ۱۹۰۱ء

(۳)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مبارکباد۔ ریویو پڑھا اور بار بار پڑھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ تحسین نہیں بلکہ حسد کے قابل ہیں اور سچ یہ ہے کہ اگر آپ کسی کمپوزیشن کے موقع پر آئیں تو مجھ میں اسی کمبخت فیلنگ کا ظہور ہوگا۔ یہ ریویو اخبار تک محدود رہ کر اڑ پڑ جائے گا۔ اس کو الگ رسالے کی صورت میں چھپنا اور شائع ہونا چاہیے۔ اس سے اور عمدہ نمونے قائم ہوں گے اور شاید رفتہ رفتہ حیاتِ جاوید کا کل خونِ فاسد ان نشتروں سے نکل جائے۔ والسلام!

شبلی۔ ۲۴ر فروری ۱۹۰۲ء از حیدر آباد

---

[1] مولانا مفتی شبیر علی صاحب آخر میں جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں استاذ تفسیر مقرر ہو گئے تھے۔

طے کر لیجئے۔ ندوے کا منتقل کرنا البتہ مالی مشکلات کے لحاظ سے وقت طلب ہے۔ موجودہ مکان اونے پونے بیچ ڈالے جائیں اور بسولی وغیرہ میں کچے مکانات سر دست تعمیر کرا دئے جائیں۔ بہرحال اب اٹھئے اور کمر باندھئے ورنہ خالی ممبر بننا بہت بڑے مواخذے کا مستوجب ہے۔ والسلام!

شبلی - ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۳ء

(۱۰)

<u>بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی</u>

مکرمی!

(۱) اسلامی خبروں کو میں نے نکال ڈالا۔ (۲) اڈیٹری کی تقسیم یوں ہوگی کہ ہر مہینے میں نصف رسالے کا مضمون آپ اور نصف کا میں بھیجا کروں۔ باہر سے جو مضامین آ جائیں وہ بالائی آمدنی ہوگی۔ (۳) مضمون نگاروں کا یا کسی اور کا کوئی مضمون اس وقت تک نہ چھپنے پائے جب تک میں یا آپ اس کو دیکھ نہ لیں۔ (۴) معاوضۂ مضامین کے لئے ؏ ماہوار مخصوص ہوں گے۔ صلہ حسب عمدگی مضامین باختلاف مراتب دیا جائے گا۔ (۵) اصلی دشواری طبع کی ہے۔ آگرے کو میں ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔ ندوے کا رسالہ کم از کم اردوئے معلیٰ اور مخزن سے زیادہ خوشخط اور نفیس الطبع ہو۔ اس کے لئے ندوہ خود ایک پریس کیوں نہ کھولے؟ ندوے کے پاس چھاپنے کے لئے خود اتنا کام رہتا ہے کہ ایک پریس بخوبی چلا سکتا ہے۔ میں اپنی تصنیفات بلکہ انجمن اردو کی بھی سب تصنیفات اس کو دے سکتا ہوں۔ بعض قابل درس کتابیں بھی آخر چھپوانی پڑیں گی۔ یہ تجویز ضرور ہے۔ (۶) ہاں نصاب کے لئے آپ نے کیا کیا۔ میں مفصل خط بھیج چکا ہوں جس میں قابلِ اخراج کتابوں کے نام لکھے ہیں۔

شبلی - ۲۳ اکتوبر ۱۹۰۳ء

(۱۱)

<u>بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی</u>

مکرمی!

یورپ میں قاعدہ ہے کہ جب کوئی علمی رسالہ نکالنا چاہتے ہیں تو قریباً سال بھر کے لئے مضامین تیار کر لیتے ہیں تب نکالتے ہیں الندوے کے لئے بھی یہ ہونا چاہئے اور چونکہ بڑی دقت چھپنے کی ہے اس لئے میری تو یہ رائے ہے کہ دو تین مہینے کا ذخیرہ اس طرح چھپوا لیا جائے کہ صرف ٹائیٹل پیج اور علمی خبروں کے اضافہ کر دینے کے بعد رسالہ بن جائے۔ میں نے ایک چھوٹا سا مضمون فنِ تفسیر پر ایک ریویو فنِ منطق پر جس میں یونانی منطق کی غلطیاں بتائی ہیں۔ ایک فرنچ عالم کے ایک مضمون کا جو اسلام پر ہے ترجمہ کر لیا ہے۔ مثنوی مولوی روم پر تقریظ کا ایک وسیع سلسلہ شروع کیا ہے۔ آپ بھی اسی طرح جستہ جستہ مضامین لکھ چلئے۔ صحابہ کے اخلاق سے شروع کیجئے اور جو جو خیال میں آتا جائے۔ ہاں یہ بتائیے تقطیع کیا ہو۔ کیا اردوئے معلیٰ کے برابر؟ لیکن خط اس سے جلی ہونا چاہئے۔ اڈیٹر کا ترجمہ عربی میں کیا ہو۔ مدیر سے اچھا کوئی لفظ نہیں ملتا۔ لوح پر اڈیٹروں کا نام لکھنا ہوگا۔ میں اس کو بھی اڑا دیتا۔ لیکن اول تو سرکاری احکام سے اس کی ضرورت ہے دوسرے یہ کہ نئے لوگوں میں ندوے کی ہوا اس قدر اکھڑ چلی ہے کہ محض ندوے کے نام سے اس حلقے

کہ ہم میں سے کسی نے اپنے آپ کو ندوہ نہیں سمجھا۔ میں امرتسر میں ندوے پر ایک جلسے میں اعتراض کر رہا تھا اس پر آبزرور نے ٹوکا کہ یہ کس پر اعتراض ہے، خود اپنے آپ پر؟

مکرمی! اب کم سے کم آپ کو اور مجھ کو یہ فیصلہ کر لینا چاہیئے کہ ندوہ ہمیں لوگ ہیں۔ ملک میں ندوہ پر جو اعتراضات ہوتے ہیں چونکہ ہماری دانست میں ہم پر ان کی زد نہیں پڑتی اس لئے ہم پر یہ تیر اثر نہیں کرتے۔ فرض کیجئے جھگڑے کا اسکول یا انجمن اردو میں فسردگی آئے تو ہماری آپ کی کیا حالت ہوگی۔ معاف فرمایئے گا میں نے آپ کو جوش اور استقلال میں اپنا رہنما مانا تھا لیکن آپ نے مجھ کو بھی سرد کر دیا۔ نصاب تعلیم اور ندوے کے میگزین کی سکرٹری شپ تو آپ نے بے دریغ قبول کر لی لیکن دونوں کے ساتھ کیا کیا؟ خیر اب طعنہ اور تشنیع کا محل نہیں کام شروع ہونا چاہیئے۔ میں نے رسالے کے لئے مولوی عبدالحئی صاحب کو لکھا تھا انہوں نے لکھا کہ ناظم صاحب سے اجازت طلب کرتا ہوں، پھر کچھ جواب نہ آیا۔ حالانکہ یہ مسئلہ طے ہو چکا تھا کسی کی اجازت کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے وظیفے کے اجرا کی جس قدر کوششیں کیں سب برباد گئیں۔ اب اور نئے منصوبے سوچتا ہوں۔ خیر یہ تو جب ہوگا تب ہوگا اس وقت دو کام ضروری ہیں۔ ندوے کا رسالہ۔ یہ ندوے کی علمی عزت کو تھام لے گا۔ یقین کیجئے میری تصنیفات کا سارا زور اس پر صرف ہوگا۔ رسالے میں حسب ذیل چیزیں ہوں گی۔ (۱) علوم و فنونِ اسلامیہ پر ریویو (۲) علوم قدیمہ و جدیدہ کا مقابلہ (۳) اثبات عقائد اسلامیہ از عقل (۴) تحقیقات جدیدہ (۵) کتب نادرہ قدیمہ پر ریویو (۶) اغراض ندوہ (۷) رپورٹ ماہواری ندوہ۔ اڈیٹر آپ اور یہ خاکسار ہوگا لیکن مضامین ہمیشہ بے نام چھپیں گے کیونکہ نام کی صورت میں ان مضامین کی عزت کا پایہ شبلی اور حبیب کی محدود عزت تک رہے گا اور یوں وہ مضامین ندوے کی مجموعی طاقت کے مضامین ہوں گے۔ قیمت صرف عہ اور بغایت کثرت سے تمام ہندوستان میں پھیلایا جائے گا۔ یہاں تک کہ کم از کم دس ہزار پرچے اس کے شائع ہونے لگیں۔ وکلائے ندوہ کو اس کی اشاعت میں بہت کامیابی کی امید ہے۔ یقین کیجئے کہ اگر عمدگی سے اس پرچے کو چلایا جائے تو ندوہ کی مستقل آمدنی ہو جائے گی اور خود وہ ایک بڑی قوت ثابت ہوگا۔ فوراً ناظم صاحب سے دریافت کر کے جواب لکھئے۔

شبلی۔ ۵ / اکتوبر ۱۹۰۳ء

---

(۹)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

میں سال بھر سے اس کوشش میں مصروف تھا کہ وظیفہ جاری ہو جائے تو سال بھر کی رخصت لے کر ندوے میں آؤں اور پھر ترک ملازمت کر دوں۔ لیکن دو ہفتے ہوئے نتیجہ اخیر ناکامی ہوئی۔ اب جو کچھ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ چھ مہینے کی رخصت لوں اور ندوے میں آؤں۔ رخصت میں تنخواہ نہ ملے گی۔ شاید صرف ابتدائی مہینوں کی ملے۔ اس وقت رخصت لینا اس لئے بیکار ہے کہ مہینے بھر کے بعد رمضان کی تعطیل ہو جائے گی اس کے سوا ندوے اور کانفرنس کے لئے پھر ادھر آنا پڑے گا۔ بہرحال اس وقت تین کام ہیں۔ اصلاح نصاب، اجرائے رسالہ، ندوے کا موضع بسولی میں یا اور کسی مقام قریب لکھنؤ میں منتقل کرنا۔ پہلے دونوں کام یہاں سے بیٹھے بیٹھے ہو سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ اب دلیری اور مستعدی سے کام لیں۔ رسالے کی تجویز پاس ہو چکی ہے ناظم صاحب سے طریقہ کارروائی

لازمی صرف چار پانچ مہینے قرار دیے جائیں باقی اختیاری۔ اس صورت میں ندوے میں کام کرنے کا موقع اچھی طرح ملے گا۔ میں نے صراحتہً یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ہر حال میں میں ندوے سے عملی تعلق رکھوں گا۔ ہاں آپ نے مکان ندوہ کے لیے لکھ دیا یا نہیں۔ مدرسہ دیہات میں اٹھ جائے تو وہاں رہنے کا لطف ہے۔

شبلی۔ ۱۷ر نومبر ۱۹۰۴ء

(۱۵)

[بنا]م مولوی عبدالحق

مجی!

آپ کا خط مجھ کو کچھ تو دیر میں ملا، کچھ اور اسباب سے جواب میں تاخیر ہوئی۔

۱۔ قانون　　رام پور کے کتب خانہ سرکاری اور قاہرہ کے کتب خانہ خدیویہ میں موجود ہے۔

۲۔ ابوریحان کی تصانیف کی فہرست مفصل، ترجمہ انگریزی کتاب الہند مصنفہ ابوریحان بیرونی مطبوعہ لندن ۱۸۸۷ء میں جس قدر چھپ چکی ہے اس سے زیادہ نہیں مل سکتی۔

۳۔ اس کی اکثر تصنیفات علم ہیئت کتب خانہ خدیویہ میں موجود ہیں۔

۴۔ عمر خیام کی تصنیفات حسب روایت تاریخ الحکماء شہرزوری جس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے حسب ذیل ہیں۔ ایک مختصر رسالہ طبیعات میں، ایک رسالہ وجود کی حقیقت پر، ایک رسالہ کون و تکلیف پر۔

۵۔ ابوریحان کا سنہ وفات طبقات الاطباء ابن ابی اصیبعہ میں ۴۳۰ھ لکھا ہے اور کتاب مذکور بہت مستند خیال کی جاتی ہے۔

۶۔ ابوریحان کی کتابیں کتب خانہ رام پور و پٹنہ و قاہرہ میں مل سکتی ہیں۔

مسلمان ریاضی دانوں میں سے ابوالوفا، رجوزجانی، بتانی، نسازن، بڑے پائے کے لوگ اور مجتہد الفن ہیں۔ ان کی تحقیقات پر بھی توجہ کیجیے۔

شبلی نعمانی۔ اعظم گڈھ ۳۰ر جنوری ۱۹۰۵ء

(۱۶)

[ب]نام نواب علی حسن خاں

جناب نواب علی حسن خاں صاحب بالقابہم!

نثار شبلیؔ کن ہر متاع کہنہ و نو را　　طراز مسند جمشید و فر تاج خسرو را

[ا]ے مولانا شبلی کی یہ غزل کلیات کے حصہ دستہ گل میں شائع ہو چکی ہے۔ صفی الدولہ حسام الملک نواب علی حسن خاں بہادر کے نام کے مکاتیب بھی مکاتیب شبلی میں چھپ چکے ہیں لیکن یہ مکتوب کہیں شائع نہیں ہوا۔ اگرچہ اس میں غزل کے سوا کچھ نہیں لکھا۔

ہیں اس کی کچھ وقعت نہ ہوگی۔ ہاں رسالے کے صفحات کس قدر ہوں۔ میں تو ۲ جزو کافی سمجھتا ہوں۔ والتسلیم!

شبلی۔ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۰۳ء

---

(۱۲)

بنام خان بہادر بشیر الدین صاحب

جناب من!

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میرا آپ کا تعلق کسی دنیاوی ضرورت پر مبنی نہ تھا کہ خواہ مخواہ اس کو آپ صرف ظاہری صورت میں قائم رکھنا چاہتے ہوں۔ ایک قومی واسطہ تھا اس لئے اگر آپ کو کسی وجہ سے میری طرف سے بدگمانی ہو چکی ہے تو صاف اظہار کر دینا چاہیئے تاکہ دوستانہ تعلقات کی بنا پر ایک کو دوسرے سے جو امیدیں ہوں وہ منقطع کر دی جائیں۔ جس دن سے آپ کے تیور بدلے ہیں مجھ کو وہ یاد ہے۔ بہتر ہوتا آپ شکایت کی وجوہ صاف اُگل دیتے۔ شاید آپ کو اپنے خیال کی غلطی ثابت ہوتی۔ لیکن اگر آپ کی بارگاہ اس قدر بلند ہو گئی ہے کہ اب آپ ہم غریبوں کی صداؤں کا جواب دینا بھی نہیں چاہتے تو اس کی بھی ضرورت نہیں۔ ایک امت آپ کی پیدا ہو چکی ہے۔ وہ ہر طرح پر آپ کی پیغمبری کی قائل ہے۔ اگر ہم جیسے چند مرتد رہے تو آپ کا کیا حرج۔ والسلام!

شبلی۔ ۱۹ر فروری ۱۹۰۴ء

---

(۱۳)

بنام مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی

مکرمی!

رسالے کے لئے میں نے جس قدر مضمون لکھے اور آئندہ لکھوں گا سب کسی قدر دقیق ہیں اور ہوں گے لیکن چونکہ مقصود یہ ہے کہ پرچے کی اشاعت ہر گروہ میں ہو یہاں تک کہ پانچ سات ہزار تک نوبت پہنچ جائے۔ اس لئے کچھ لائٹ لٹریچر بھی ہونا چاہیئے جس کو عربی میں خطابیات کہتے ہیں۔ اس میں اخلاق شامل ہوں اور عوام کے فہم کے قابل۔ اس کو کون لکھے۔ رسالے کے دستور العمل میں یہ دفعہ ضروری ہے کہ اس کی آمدنی بعد وضع مصارف، صرف اشاعت علوم قرآنی میں صرف ہوگی یعنی (۱) اس سے تفسیر پڑھنے والوں کو وظیفے دیئے جائیں گے۔ (۲) قرآن مجید کے متعلق کتابیں خریدی جائیں گی۔ (۳) نایاب کتب تفسیر اور متعلقات تفسیر شائع کی جائیں گی وغیرہ وغیرہ۔ ٹائیٹل پیج کا مسودہ فوراً بھیجئے۔

شبلی۔ ۷ر نومبر ۱۹۰۴ء

---

(۱۴)

بنام مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی

مکرمی!

میں نے نواب محسن الملک کے خط کے جواب میں ان کو جو لکھا ہے وہ یہ ہے کہ ماہوار کالج پر خواہ مخواہ کا ایک بار ہے اس لئے میری خواہش یہ ہے کہ میں کالج میں آکر بلا معاوضہ کام کروں۔ البتہ یہ چاہتا ہوں کہ سال میں میرے قیام کالج کی بدولت

(۱۸)

بنام نواب وقار الملک

بخدمت جناب نواب انتصار جنگ[۱] دام مجدہا!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، معمولی اطلاع دفتر سے جا چکی ہو گی لیکن مزید احتیاط کے لئے گذارش ہے کہ اس جلسۂ ندوہ میں جو یکم و دوم مارچ کو ہو گا آپ کا تشریف لانا ضروری ہے۔ نواب محسن الملک بہادر ضرور تشریف لائیں گے لیکن اگر کالج کا جھگڑا نہ طے ہوا تو البتہ شاید نہ آ سکیں۔

راجہ نوشاد علی خان نے مجھ کو خط لکھا ہے کہ وہ بھی ضرور شریک جلسہ ہوں گے۔ والتسلیم!

شبلی - دفتر ندوۃ العلماء لکھنؤ - ۱۹۰۷ء

(۱۹)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

جناب مولوی صاحب زید عنایتہ!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ اس سال کتب ذیل کا امتحان آپ لیجئے اور پرچے تیار کر کے یکم اپریل تک سربمہر میرے پاس بھیج دیجئے۔ یہ قومی کام ہے۔ اس تکلیف کو ضرور گوارا کیجئے۔

(۱) شرح حکمۃ الاشراق از حکومتہ فی نزاع بین اتباع المشائین تا مثل افلاطونیہ۔ (۲) شرح حکمۃ العین مقالہ اول (۳) سلم العلوم کامل۔ (۴) ہدایہ جلد رابع تصوف کتاب الکراہتہ باب خطر و اباحتہ۔

۱ - فی کتاب ۷ سوال سے کم اور دس سوال سے زائد نہ ہوں۔

۲ - وقت امتحان کی تعیین کر دی جائے۔

۳ - نمبر مفروضہ سو رکھے جائیں۔

۴ - ہر سوال کے محاذی اس کے نمبر لکھ دئے جائیں۔

شبلی - دار العلوم ندوۃ العلماء، صفر ۱۳۲۷ھ (۲۸ فروری ۱۹۰۹ء)

(۲۰)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مولانا!

تسلیم۔ آپ کی تکلیف فرمائی کا بدل مشکور ہوں۔ آپ نے جو شکایت کی ہے یہ تو میرے ہی دل کا زخم ہے لیکن کیا کروں سو سو طرح مدرسوں کو ابھارا، خود جا کر درس میں بیٹھا، پڑھا کر بتایا، اعتراضات کئے، جواب مانگے لیکن وہ جگہ سے نہیں ہلتے۔ سخت کوفت ہوتی ہے لیکن کیا کیا جائے۔ آشنائے فن تمام ملک میں ناپید ہیں اور ذوق علمی کا پتہ نہیں۔ مجبوراً میں نے ادب کو مطمح نظر بنایا ہے۔ جدید مدرسین

[۱] انتصار جنگ، نواب وقار الملک کا پہلا خطاب تھا۔ معلوم نہ ہو سکا کہ مشہور و معروف خطاب کی جگہ یہ کم معروف خطاب کیوں استعمال کیا گیا؟

فغاں از گرمیِ ہنگامۂ خوبان زرتشتی — بہم آمیختہ از زلف و عارض ظلمت و نور را[1]

بہر سو از ہجوم دلبرانِ شوخ بے پروا — گذشتن از سرِ رہ مشکل افتاد است رہرو را

بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت — کنار آب چوپاٹی و گلگشتِ اپالو را[2]

بیا شبلی بہ یادِ نیچہ گیرائے مژگانش

دگر رہ پارہ گرداں ایں قبائے زہد صد تو را

شبلی - از بمبئی کلیر روڈ بنگلہ دھن کاسٹ پوسٹ آفس بائی کلا - ۱۱ ستمبر ۱۹۰۶ء

(۱۷)

بنام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی!

تسلیم - ایسی جلدی نہیں ہفتہ کے بعد چل سکتے ہیں - بات یہ ہے کہ الہ آباد لکھنؤ وغیرہ سے بہت گرم ہے ابھی سے لُو شروع ہو گئی - ہاں یہ بھی طے کر لیجئے کہ بمبئی میں کب تک رہنے کا ارادہ ہے - یعنی فوراً حیدرآباد کا قصد تو نہ ہو - حیدرآباد میں گو لُو نہیں ہوتی لیکن سخت گرم ہوتا ہے - اس کے علاوہ میرے مصالح اس کے مقتضی ہیں کہ میں کم از کم ایک مہینہ کے بعد وہاں جاؤں بہت جی چاہتا ہے کہ آپ کو سمندر پار لے چلوں لیکن آپ حضرت عمرؓ کی طرح دریا سے ڈرتے ہیں[3]۔

حافظ احمد رضا خاں سابق جج ہائیکورٹ حیدرآباد نے اپنی تمام کتابیں جو چار الماریوں کی بقدر ہیں ندوہ کو وقف کر دیں ہیں نے آدمی بھیج کر فہرست منگوائی ہے - کتابیں بھی عنقریب آتی ہیں - ان میں خواجہ حسن دہلوی کا دیوان بھی ہے جو غزل میں عدیم النظیر ہے -

اچھے صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ دو معزز صاحب ندوہ کی برائی بیان کرتے تھے اور آپ لوگ جواب دیتے تھے لیکن وہ لوگ تو معذور ہیں - یہ وہی لوگ ہیں جو کسی وقت ذاتی اغراض کی بنا پر گورنمنٹ سے ندوہ کی برائی کر چکے ہیں - اب کیا وہ اپنے منہ سے آپ جھوٹے نہیں؟ والتسلیم!

شبلی - الہ آباد - بیتھر کی گلی - ۸ راپریل ۱۹۰۷ء

---

[1] یہ شعر خوبانِ زرتشتی سے متعلق ہے اور زرتشتیوں یعنی پارسیوں کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں دو قوتیں کارفرما ہیں - ایک یزدانی دوسری اہرمنی - اسی کو نور و ظلمت سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور اسی کا نام وحدت کے مقابلے میں ثنویت ہے - خوبانِ زرتشتی نے زلف و عارض سے ظلمت و نور کو باہم ملا دیا -

[2] چوپاٹی اور اپالو بمبئی کی مشہور تفریح گاہیں ہیں -

[3] یہ محض ایک لطیفہ ہے جو غالباً اس واقعہ پر مبنی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے مصر فتح کر لینے کے بعد ارادہ کیا تھا کہ بحیرہ روم اور بحیرہ قلزم کو ایک نہر کے ذریعے سے ملا دیں - یہ نہر موجودہ نہر سویز سے ذرا مشرق میں کھودی جانے والی تھی - حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو نہر کھودنے کی اجازت نہ دی - انہیں یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ یونانی جہاز نہر کے اندر آ کر مصر کی طرف سے آنے والے حاجیوں پر یورشیں کریں گے اور راستہ محفوظ نہ رہے گا - اس وقت مسلمانوں نے بحری قوت کی بنیاد بھی نہ رکھی تھی - بعد میں ان کی بحری قوت نے یونان و روم دونوں کی قوت درہم برہم کر ڈالی - بہرحال اگر حضرت عمرؓ ممانعت نہ فرما دیتے تو نہر سویز تیرہ سو سال پیشتر جاری ہو جاتی -

(۲۴)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

اس ستم ظریفی کی کوئی حد ہے کہ شعر العجم آپ وہلیو مانگتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں ۱۲ فروری کا گھر سے نکلا ہوں اس وقت تک کتاب ریلوے سے نہیں آئی ہے۔ اب دفتر کو لکھتا ہوں پہنچ جائے گی۔ مکرر کتابوں کی فہرست لکھنؤ پہنچوں تو بھیجوں۔ ابھی تو دلی میں ہوں کل علی گڈھ روانہ ہوں گا ایک دو دن وہاں رہوں گا آپ آ جاتے تو زیارت ہو جاتی۔

شبلی از دہلی ۳ مارچ ۱۹۱۰ء

(۲۵)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

گرمیاں سخت ہو گئیں۔ میں چند ضروری کام ندوے کے انجام دے کر کشمیر وغیرہ بھاگ جانا چاہتا ہوں۔ شاید ایک ہفتہ کے اندر اندر۔ آزاد بھی ساتھ ہوں گے۔ نظامت کا مسئلہ معرکۃ الآرا ہے اور جتنی شورشیں ہیں سب اس کی تہ میں ہیں۔ میری بداعتقادی، دہریت، بے نظامی، تحکم اور استبداد یہ تمام اوصاف پہلے ہی تھے لیکن نظامت کی دوربین نہ ہونے سے نظر نہیں آتے تھے۔ بہرحال اس کا فیصلہ ضرور کیجئے۔ لیکن چھینٹا پڑنے کے بعد ورنہ میں موجود نہ ہوں گا اور فیصلہ یک طرفہ ہو گا۔ قاعدے کے رو سے ۳ مہینے کے بعد جلسۂ انتظامیہ ہونا چاہئے۔ تاکید کیجئے کہ اس وقت تک دستور العمل بن جائے۔ ترمیمات وغیرہ سب پیش ہو چکی ہیں۔ مولوی ظہور احمد کو تھوڑا سا کام ہے مولوی عبدالحیؒ صاحب کو لکھئے کہ ان پر تاکید کریں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ دستور العمل موجودہ جو مولوی مسیح الزماں صاحب کے عہد میں بنا ہے اس میں رکنیت کے لئے صاحب تقریر و تحریر ہونا، مشہور ہونا، با اثر ہونا شرط ہے لیکن نظامت کے لئے صرف ۲ قیدیں ہیں۔ عالم باعمل ہو، ندوے سے دلچسپی رکھتا ہو۔ یہ مفہوم اس لئے بنایا گیا ہے کہ ایسے حضرات پر بھی صادق آ سکے۔ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کام، محنت، صرف زر، صرف لیاقت اور لوگ کریں اور یہ لوگ صرف افسری جتائیں لیکن تجری الریاح بما لا تشتھی السفن۔

شبلی ۱۴ اپریل ۱۹۱۰ء

(۲۶)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مولانا!

گورنمنٹ کو اب اپنی رقم پر توجہ ہوئی ہے اور کلاسوں اور سبقوں کی جانچ پڑتال کرے گی۔ مولوی شیخ محمد صاحب کے گھنٹے اس قدر کم ہیں کہ ان کی تنخواہ دینے میں گورنمنٹ کو تامل ہو گا اس لئے متنبی، مقامات حریری وغیرہ کے سبق ان سے متعلق کرنے چاہئیں۔ اس کے علاوہ ان کے دو گھنٹے مدرسہ میں اس کام کے لئے رکھئے کہ کتب درجۂ تکمیل مثلاً دواوین وغیرہ درسی کا فرہنگ بنا ڈالیں اور حل الابیات لکھیں۔ ان تحریروں کو انگریزی طریقۂ درس میں لکچر کہہ سکتے ہیں۔ مذہبی پابندی کی انتظام میں کوئی ترقی محسوس ہوتی ہے یا نہیں؟

شبلی۔ الہ آباد پتھر کی گلی ۲۴ اپریل ۱۹۱۰ء

میں ایک عرب ادیب مقرر کیا ہے۔

مجھ کو فرصت ہوتی تو خود کچھ کرتا۔ لیکن یک سر و ہزار سودا۔ موجودہ تصنیف جب تک ختم نہ ہولے کوئی کام نہیں چھیڑ سکتا۔

یورپ نے عمر خیام کا جبر و مقابلہ چھاپا ہے اس نے بہت مسائل قدما پر اضافہ کئے تھے۔ فرنچ زبان میں ترجمہ اور ریویو کیا ہے۔ والسلام!

شبلی۔ لکھنؤ ۳ر جولائی ۱۹۰۹ء

---

(۲۱)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مکرمی!

السلام علیکم۔ کیا آپ دار العلوم ندوہ کی پرنسپلی بمشاہرہ ماء بہ شرط ترقی قبول فرما سکتے ہیں؟ مشاہرہ تو ابھی کم ہے۔
لیکن وسیع قومی کام ہے اور ہر طرح کی اصلاح کا موقع ہے۔ مشاہرہ بھی ضرور بڑھے گا آمدنی کے ساتھ۔

شبلی۔ ندوہ (لکھنؤ) ۱۳ر اگست ۱۹۰۹ء

---

(۲۲)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مکرمی!

میں حیدرآباد آرہا تھا اور آپ کو وہیں سے لکھنؤ روانہ کرتا لیکن انقلاب حال نے روک دیا۔ ۱۰ شوال سے مدرس
کھل جائے گا۔ آپ اس وقت تک ضرور بالضرور لکھنؤ پہنچ جائیں۔ میں وہاں ہوں یا نہ ہوں۔ ہاں ایک بات محض بغرض احتیاط لکھ
ضروری ہے وہ یہ کہ مولوی حفیظ اللہ اگرچہ مستقل نوکر ہو کر ڈھاکہ گئے ہیں لیکن انگریزی میں قاعدہ ہے کہ برائے نام پہلے تقرر میں ایک عا
مدت لکھی جاتی ہے۔ اس بنا پر مولوی حفیظ اللہ نو مہینے کے لئے گئے ہیں اور یہی صورت آپ کے لئے بھی ہوگی لیکن آپ کی تق
قطعی ہے آپ ہرگز پس و پیش نہ کیجئے گا۔ فوراً تشریف لائیے گا۔ یعنی ۱۰ شوال تک جواب لکھنا ہو تو پالن جی ہوٹل باٹی کلا
کے پتہ سے لکھئے گا۔

شبلی۔ ۱۴ر اکتوبر ۱۹۰۹ء

---

(۲۳)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ۱۰ر شوال تک آپ لکھنؤ تشریف لائیں۔ دفتر ندوہ میں تار دے دیجئے گا۔ اسٹیشن پر کوئی جا
آپ کو لائے گا۔ آپ کے قیام کے لئے بھی مکان وغیرہ کا بندوبست کر دیا جائے گا۔

شبلی۔ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۹ء

---

(۳۱)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مولانا!

دار العلوم کی حالت نہایت قابلِ رحم ہے۔ ٹونکی وغیرہ کوئی نہیں آتے۔ آپ ہی رحم فرمائیے۔ مشاہرہ میں ۲۵ کا اس وقت اضافہ اور سبق آپ کی مرضی کے مطابق جس قدر آپ پڑھا سکیں۔ بورڈنگ وغیرہ کے اہتمام سے سبکدوشی، عہدہ وہی پرنسپلی۔ اس صورت میں تو درخواست منظور فرمائیے۔ جو رائے ہو فوراً بلکہ بذریعہ تار مطلع فرمائیے۔ عنقریب مجلس منعقد ہوگی اور کوئی انتظام قطعی ہوگا۔

شبلی۔ ۲ر جولائی ۱۹۱۱ء

(۳۲)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

صاحبِ اختیار افسرانِ کالج سے دریافت فرما کر لکھئے کہ میں اگر آؤں تو کیا مجھ کو گیسٹ ہاؤس میں جگہ مل سکے گی یا اور کہاں؟

عشقیہ حضرت امیر خسرو کیا آپ کے کتب خانے میں ہے۔ ہاں کیا الغزالی، سوانح روم، الکلام اعلیٰ درجے کے کاغذ پر آپ کے ہاں ہیں؟

شبلی۔ بمبئی ۸ر ستمبر ۱۹۱۲ء

(۳۳)

بنام نواب علی حسن خاں

جنابِ من!

تسلیم۔ ایک خط پہلے بھیج چکا ہوں۔ ارادہ ہے کہ عنقریب لکھنؤ آؤں۔ ۱ر دسمبر کو جو جلسہ انتظامیہ ہونے والا ہے اس کی شرکت کا تقاضا ہے۔ آپ وہاں کے موجودہ حالات سے واقف ہیں۔ نیز حکیم عبد الولی صاحب اور مولوی عبد الحیٔ صاحب وغیرہ سے دریافت فرما کر لکھئے کہ وہاں کا آنا کہیں کوفت کا باعث تو نہ ہو۔ اگر طبیعتوں میں کدورت اور خود غرضی ہے اور ندوہ کی کارروائیاں بے ڈھنگی ہیں تو ضرور مجھ کو سوہانِ روح ہوگا۔ اس لئے آپ کی کیا رائے ہے؟ شریک ہوں یا نہ ہوں؟

چونکہ وقت بہت کم ہے اس لئے جواب بواپسی ڈاک عنایت ہو بلکہ مختصر تار بھی دے دیجئے تو اور بہتر ہے۔ میں غالباً آپ ہی کی کوٹھی پر قیام بھی کروں گا۔ جلسہ کے پروگرام میں بہت بے قاعدگیاں ہیں ان کو الگ خط میں لکھوں گا۔

شبلی۔ حیدر آباد، کاچی گوڑہ ۲۴ر جنوری ۱۹۱۳ء

(۳۴)

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر

مکرمی!

تسلیم۔ مشکور یاد آوری ہوں لیکن علیل ہوں۔ اس وقت صرف ذیل کی سطریں حاضر کر سکتا ہوں۔

مشیر نسواں۔ یہ کتاب ایسی حالت میں مجھ کو ملی کہ پیہم تین راتوں سے نیند نہیں آئی ہے اور دماغ بالکل بیکار ہے تاہم

(۲۷)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

میں پہلے سے افسردہ تھا، بیماری نے اور دل توڑ دیا۔ اپیل شائع کرنے کی ضرورت نہیں میں نے کام تقریباً چھوڑ دیا ہے لوگ آئیں اور کام سنبھالیں۔ ۵۰ ہزار خرچ ہو چکے عمارت ناتمام رہی۔ ۲۰ ہزار کی اور ضرورت ہوگی اس کے علاوہ وہ بورڈنگ کا سامان، اضافہ ماہوار، ترقی تعلیم، یہ سب کام ہیں۔ لوگ آئیں اور انجام دیں۔ میں انشاء اللہ کسی اور صوبے میں قیام کروں گا اور اور کوئی مشغلہ ڈھونڈھ لوں گا۔ مولوی سیف الرحمٰن کو بلوائیے اور تقرر کیجئے مصر سے عربی میں نقشہ مل سکتا ہے۔ والتسلیم!

شبلی۔ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۱۰ء

(۲۸)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

جناب من!

آپ کو شاید میرا خط نہیں ملا۔ آپ کے جانے کا سخت افسوس ہے کوئی نعم البدل نہیں مل سکتا۔ ۶ر اپریل کو یہاں جلسۂ انتظامیہ ہے اس میں یہ فیصلہ ہوگا۔ مخالفین تو مولوی حفیظ اللہ کو بلانا چاہتے ہیں۔

آپ سر دست درخواست رخصت بیماری مع سرٹیفکیٹ طبی بھیج دیجئے۔

شبلی۔ ۳ر اپریل ۱۹۱۱ء

(۲۹)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

جناب مولانا!

عجب اتفاق ہے جب آپ کی درخواست رخصت بیماری آئی، میں سخت علیل اور صاحب فراش تھا۔ اسی گڑبڑ میں وہ درخواست کھو گئی۔ براہ عنایت اس کی نقل دوبارہ بھجوا دیجئے یا جدید درخواست۔ مولوی عبداللہ ٹونکی کچھ جواب نہیں دیتے۔

شبلی۔ لکھنؤ ۳۰ر اپریل ۱۹۱۱ء

(۳۰)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

بمبئی کیونکر جاؤں۔ درجہ مولویت کے طلبا کی کتابیں ناتمام پڑی ہیں۔ مدرس اول چھ چھ مہینے سے ندارد۔ جلسہ انتظامیہ کو دو مہینے ہوئے خبرے نہ باشد۔ ہزار کہئے، ایک ایک احتمال پر اتنا بڑا کام موقوف، ڈائرکٹر خاص ان طلبا کے نام مانگتے ہیں جو درجہ مولویت میں ہیں۔ یہ سب کچھ ہے لیکن نہ مجھ کو کچھ اختیار نہ اور کوئی انتظام کرتا نہ کسی کو اس سے بحث۔ میں برابر بہیں ہوں۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب راضی ہو جائیں تو سب راضی ہیں کہ مولوی فضل حق رام پور سے بلا لئے جائیں وہ فرماتے ہیں کہ نواب صاحب ان کی تنخواہ پھر بڑھا کر ان کو بلا لیں گے۔ فرمائیے کیونکر کام چلے۔ عمارت کا وہ حال۔ مدرس کی یہ کیفیت۔ انا للہ۔

شبلی۔ لکھنؤ ۷ر مئی ۱۹۱۱ء

وہ تو یہ نہیں ہے۔ کیا یہ کتاب غلطی سے آگئی ہے؟

شبلی۔ بمبئی ۲۵ رجولائی ۱۹۱۳ء

(۳۸)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

جناب مولانا شبیر علی صاحب دام مجدکم!

تحیۃ و سلام۔ ان چند مظلوموں کی عرضی اس خط میں ملفوف ہے آپ اگر جناب مولوی انوار اللہ خاں صاحب[1] سے مل کر یا جس مناسب صورت سے ممکن ہو مولوی صاحب موصوف کو دیں کہ اعلیٰ حضرت تک پہنچا کر دادرسی کرا دیں تو داخل حسنات اور سبب شکر گذاری ہوگا۔

واقعی یہ مظلومین موجب رحم اور اعانت ہیں۔

شبلی نعمانی۔ ۵ راگست ۱۹۱۳ء

(۳۹)

بنام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی!

تسلیم۔ مدت سے خیریت مزاج اور حالات سامی معلوم نہیں ہوتے۔ میں تبدیل ہوا اور عماد الملک کے ایما سے حیدر آباد آیا اور اب تک یہیں ہوں اور چونکہ ہر روز زیادہ سفر رہتا ہے، آپ کو خط بھی نہ لکھ سکا کہ خط کے بجائے زیارت حاصل کروں گا۔ سیرت ہو رہی ہے ایک جگہ بیٹھ کر دوبارہ نظر اور تکمیل کی ضرورت ہے۔

ندوہ کے موجودہ ارکان جنھوں نے ممبری قبول کر لی ہے (ان کی فہرست) دفتر سے منگوا کر بھیج دیجئے۔

شبلی۔ حیدر آباد۔ کاچی گوڑہ ۱۸ رنومبر ۱۹۱۳ء

(۴۰)

بنام سید افتخار عالم صاحب

جناب من!

تسلیم۔ میری لائف میرے بعد لکھئے گا ورنہ مکمل لائف کیونکر ہو گی۔ تاریخ کا مادّہ نہایت عمدہ بلکہ الہامی ہے۔ کسی مناسب موقع پر چھپا سکوں گا۔

شبلی۔ لکھنؤ ۲۵ رجنوری ۱۹۱۴ء

---

[1] مولوی محمد انوار اللہ خاں فضیلت جنگ قندھار شریف کے قاضی، مدرسہ نظامیہ حیدر آباد کے بانی، میر محبوب علی خاں اور میر عثمان علی خاں کے استاد تھے۔ آخر کار صدر المہام امور مذہبی مقرر ہوئے تھے۔ متعدد تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔

کتاب کو جابجا سے دیکھا۔ مجھ کو ہرگز توقع نہ تھی کہ ہمارے زمانہ کی مخدرات ایسی قابلانہ مفید دلچسپ اور فصیح کتابیں تصنیف کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب محاسن سے مملو اور معائب سے بالکل پاک ہے۔

شبلی۔ ۱۷ مارچ ۱۹۱۳ء

(۳۵)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

جناب مولانا

تسلیم۔ یاد آوری اور مبارکباد کا شکریہ۔ افسوس یہ ہے کہ سیرت نبوی کا کام اس وقت شروع کیا کہ آنکھوں میں پانی اتر آیا۔ بائیں آنکھ بالکل بیکار ہے گو ابھی قدح کے قابل نہیں۔ دہنی پر بھی زور پڑتا ہے تاہم قصد کر لیا ہے جو کچھ ہو سکے گا کروں گا۔

افسوس ہے مجھ کو املا کی عادت نہیں ورنہ لکھوانا آسانی سے ممکن تھا۔

ندوہ کی عمارت نہایت عمدہ بن رہی ہے۔ ۴۶ ہزار خرچ ہو چکے، ۲۵ ہزار کی اور ضرورت ہے۔ اب کے گیارہ ہزار کا چندہ بھی ہوا۔ ایک رئیس نے ۵۰ ماہوار بھی مقرر کئے۔

ندوہ زیادہ کامیاب ہوتا لیکن دوستوں کی عنایت بحال خود باقی ہے۔ مولانا اور شاہ صاحب کسی کام کو چلنے نہیں دیتے خیر بعد اللتیا والتی ہے۔ آپ کی یاد مدرسہ کے در و دیوار تک کو نہیں بھولی۔

ع　عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

شبلی۔ ۲۶ اپریل ۱۹۱۳ء

(۳۶)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مولانا!

تسلیم۔ آپ کے تشریف لے جانے پر کئی دن سناٹا رہا۔ کتاب مذکور قدیم تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ کیا اس کے مضامین اسی قسم کے ہیں جیسے کہ میزان الحکمت کے؟

سب لوگ سلام نیاز عرض کرتے ہیں۔

شبلی۔ بمبئی ۱۶ جولائی ۱۹۱۳ء

اگر کوئی دقت نہ ہو تو کتاب مذکور رجسٹرڈ چند روز کے لئے بھیج دیجئے۔

(۳۷)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مولانا!

سلام مسنون۔ کتاب پہنچی لیکن یہ تو ادب کی کتاب ہے۔ آپ نے جس کتاب کا ذکر فرمایا تھا یعنی ترازو پر،

ندوے میں چلا آؤں۔ تین ہفتے ہوگئے اس کوشش میں ناکامی ہوئی۔ نواب محسن الملک لکھتے ہیں کہ اگر کالج میں آؤ تو یہاں سے کوشش کرائی جائے اور وظیفہ جاری ہو جائے۔ اب فرمائیے کیا کروں۔ کالج میں ندوے کا کام کیونکر ہو سکے گا اور کالج میں نہ آؤں تو حیدر آباد رہ کر اور بھی ندوے سے دوری ہے۔ کوئی معقول رائے دیجئے۔ والسلام!

شبلی

---

(۴۳)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

الندوے کے سلسلے میں اس قدر اور گذارش ہے کہ مصارف میں مصارف طبع کے علاوہ سو روپیہ اڈیٹر کی تنخواہ اور حق ماہوار اجرت مضامین حساب میں داخل رکھنا چاہئے۔ ابھی اڈیٹر کی ضرورت نہیں لیکن مد محفوظ رکھنی چاہئے۔ کیا معلوم کس وقت کیا ضرورت پڑے گی۔ آمدنی جب مکتفی ہوگی تو مستقل اڈیٹر مقرر کر لیا جائے گا اور مضامین کی اجرت تو ابھی سے دینی پڑے گی۔ فلسفۂ جدیدہ کا حصہ انگریزی خواں بغیر معاوضہ کے کاہے کو پورا کریں گے۔ ہاں مکان موجودہ کا بکنا اگر یوں ہی تو کلاً رہا تو ممکن نہ ہوگا۔ لیکن ایک مشاہرہ دار شخص یا کوئی دلال بوعدہ کمیشن مقرر کیجئے کہ اونے پونے بیچ ڈالے۔ یہ لبیت ولعل کا کام نہیں۔ مولوی عبدالحئی صاحب نے مجھ کو لکھا کہ لبھولی کی آب وہوا اور موقع نہایت اچھا ہے فوراً وہاں جھونپڑے ڈالنے چاہئیں۔ میں اگر آیا تو مجھ کو صحابہؓ کی وہ سادہ زندگی موجودہ تکلفات سے بہت زیادہ محبوب ہے۔ بہرحال ناظم حال کو لکھئے کہ دلال یا کوئی تنخواہ دار مقرر کریں۔

شبلی

---

(۴۴)

بنام نواب سید علی حسن خاں

ساغر نمند گیم حیف کہ جز درد نداشت　　جز ہمیں جرعۂ آخر کہ بہ پایاں زدہ ام
جامۂ زہد چہ بر قامت من راست نہ بود　　شیشۂ تقویٰ سی سالہ بہ سنداں زدہ ام
کس چہ داند کہ بہ خلوت گہ آں ماہ تمام　　زدہ ام ساغر و بہ یاد حریفاں زدہ ام [1]
جائے آں است کہ گلشن دمد از کنج لبم　　بوسہا بسکہ براں عارض خنداں زدہ ام

نے تواں برد کہ ایں زمزمہ نے چیزے نیست
شبلی ایں تازہ نواہا نہ چہ مستاں زدہ ام

---

[1] حریفاں کے سلسلے میں سید علی حسن خاں کا نام مرقوم ہے۔

(۴۱)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی

آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

آپ نے دیکھا ادھر اوقاف اسلامی کی تحریک شروع ہوئی اُدھر گورنمنٹ نے یادداشت شائع کی اور ایک کانفرنس اسی مہینے میں بٹھانے والی ہے۔ خیر میرا کام تو اس کے پیچھے جان لڑا دینا ہے ع

آگے نصیب ہے جسے پروردگار دے

ہاں دارالمصنفین پر آپ نے کیوں سکوت کیا۔ آپ سے بڑھ کر اس کی شرکت کا کس کو حق ہے۔ میں اس عمارت کو انشاء اللہ پورا کر کے رہوں گا اور شاید وہی میرا مدفن بھی ہو۔ ۲۴ر سے پہلے علی گڑھ پہنچوں گا۔

شبلی۔ لکھنؤ ۱۶ر فروری ۱۹۱۴ء

---

(۴۲)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی

مکرمی!

رسالے[1] کے ٹائیٹل پیج کا مسودہ لکھ کر بھیجئے۔ ابن خلکان[2] پر عمدہ ریویو لکھا جائے تو کیا کہنا۔ انگریزی ترجمہ ابن خلکان سے بہت مدد ملے گی کیونکہ اس میں بڑی انڈکس بھی شامل ہے۔ میری ایڈیٹری[3] کے لئے جلسے کے مجتمع ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ناظم صاحب کو لکھئے وہ ممبروں کے نام خطوط بھیج دیں۔ اس سلسلے میں یہ کہنا بھی ضرور ہے کہ میں آپ کو دنیا میں اپنا سب سے سچا اور مخلص اور بے ریا دوست سمجھتا ہوں۔ میرے دل میں اگر آپ کی طرف سے کھٹک پیدا ہوئی تو میری زندگی بدمزا ہو جائے گی اور ندوے پر بہت بُرا اثر پڑے گا۔ آپ کے الفاظ ایسے ہیں جن سے میری اڈیٹری کی طرف سے بے دلی پائی جاتی ہے۔ مجھ کو اپنی نام آوری کی اب خواہش نہیں رہی۔ لیکن جب ندوے کی طرف سے مجھ کو ایسا ہوّا بنایا جاتا ہے کہ میرے نام لینے سے ندوے کا سارا کارخانہ برہم ہو جائے گا تو میں بھی انسان ہوں سخت رنج اور غصہ آتا ہے۔ مولوی محمد علی صاحب نے اسی قسم کی باتوں سے ہمیشہ مجھ کو بے دل رکھا اور ندوے کو نقصان پہنچایا۔ حالانکہ لوگوں کا یہ خیال بھی محض مکاری[4] ہے۔ جب میں نے حیدرآباد سے وظیفہ لیا تو اسی زمانے میں خود میرے اشارے سے ناظم صاحب نے ارکان سے دریافت کیا کہ میں آ کر ندوے میں کام کروں تو کیسا ہے، اور موقعوں پر بھی ارکان سے رائے لی گئی۔ ہمیشہ مجارٹی میری طرف رہی۔ باوجود اس کے میں ایسا خطرناک شخص ہوں کہ میرے اظہار نام سے ایسی ہلچل پڑ جائے گی۔ مجی! یہ بہت بے ہودہ اور ناپاک پالیسی ہے جو میرے ساتھ بعض لوگوں نے برتی۔ خدانخواستہ آپ پر اس کی چھینٹیں نہ پڑنے پائیں۔ لوگ یہاں نیچریت سے نہیں ڈرتے بلکہ اس سے ڈرتے ہیں کہ ان کی روشنی ماند نہ پڑ جائے۔ ہاں اس سلسلے میں ایک راز کی بات کہتا ہوں، اپنے ہی تک رکھئے گا۔ کئی مہینے سے نواب محسن الملک نہایت اصرار سے زور دے رہے ہیں کہ کالج میں آ جاؤ دو سو[5] مشاہرہ ہوگا اور وظیفہ حیدرآباد بھی بحال رہے گا۔ میں سال بھر سے کوشش کر رہا تھا کہ وظیفہ بحال ہو جائے تو نوکری چھوڑ کر

◆

اکبر الہ آبادی

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم (۱)

روشن جبین و صاحب قلم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب رئیس پریانواں مجھ سے شکایت کرتے ہیں کہ "آپ کی تحریک سے میں نے البشیر لینا شروع کیا لیکن جناب مولوی بشیر الدین صاحب نہ تو میرے مضامین چھاپتے ہیں اور نہ اخبار وقت پہ بھیجتے ہیں حالانکہ آپ ہی کی تشویق و تحریص سے میں نے مضمون لکھنے کا ارادہ کیا"

اب میں عرض کروں کہ اس شکایت کو دور کیجئے اور مکرمی خان بہادر صاحب کو جو آپ کے قدیمی دوست ہیں معذرت کا خط لکھئے۔

تعلیم مذہبی کے باب میں انہوں نے جو مضمون لکھا تھا اس کا مسودہ میں نے دیکھا تھا مجھ کو بھی پسند نہ آیا اور میں نے سمجھا کہ بہ سبب ناواقفیت کے لکھا گیا ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ جب یہ چھپے گا میں اس کی تردید لکھوں گا اور آپ کی غلطی قطعی ظاہر کردوں گا۔ وہ بہت خوشی سے اس پہ راضی ہیں۔

بہرکیف میری رائے میں آپ ان کے مضامین چھاپ دیا کیجئے۔ غلط یا غیر مفید مضمون کی خبر لینے کو میں خود موجود ہوں گا یا آپ نوٹ کردیا کیجئے۔

ان دنوں حسن میاں سلمہٗ جو میرے چھوٹے بھائی ہیں علیل ہیں اسی سبب سے متردد رہا۔ یہ فرمائیے کہ کلکتے کا ارادہ ہے یا نہیں۔ نہ کیوں ہوگا ایک وقت الہ آباد میں ٹھہر کر ہم سے بھی مل لیجئے۔ وقت سے مطلع کیجئے تو انتظار کروں مکرمی جناب خاں صاحب کی خدمت سراپا برکت میں تسلیم بہ صد تعظیم۔

۵ ر دسمبر ۱۸۹۹ء

آپ کا نیاز مند اکبر حسین

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم (۲)

مولانا۔ مزاج مبارک۔ آپ نے بانیِ اسلام اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صاحب وغیرہ غلط اور بے ادبی کے الفاظ پہ جو اعتراض کیا اس سے نہایت مسرت ہوئی اور معلوم ہوا کہ آپ کا دل محبت و ادب حضور سرور کائنات سے بھرا ہوا ہے۔

دیگر

چند بیهوده به بندِ غمِ دنیا باشم — زین سپس با قدح و باده و مینا باشم
گرچه رندی و طرب شیوهٔ دانا نبود — حاجتم نیست که فرزانه و دانا باشم
مست و پرعربده تنگش بکشم در آغوش — تشنهٔ وصلم و تا کی به محابا باشم
باده هرچند به خرقه توان نیز کشید — چشمِ مستِ تو بر آن داشت که رسوا باشم
جلوهٔ او نگذارد که برم بهره ز وصل — بدمد صبح و همان محوِ تماشا باشم
با همه دعویِ تمکین نتوان خواست ز من — که تو از پرده بدر آئی و برجا باشم

دامنِ عیش ز دستم نه رود تا شبلی
دامنِ مغبچه از کف نه دهم تا باشم[1]

---

[1] یہ دونوں غزلیں کلیاتِ شبلی میں موجود ہیں۔ پہلی کے شعر پچیس ہیں اور دوسری کے دس۔ مولانا شبلی مرحوم نے ابتدا میں جتنے شعر کہے نواب سید علی حسن خاں کو بھیج دیئے۔

خوش ہوئے اور یہ فرمایا کہ مولانا کو ہمارا شکریہ لکھ دو اور یہ کہ باوجود کچھ دنیاوی خیالات میں مخالفت ہونے کے مجھ کو آپ سے بہت محبت ہے اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے۔

طبیعت کی یہ حالت کہ ہنوز طاقت گفتار نہیں۔ ظاہراً تپ نے مفارقت کر لی ہے لیکن معدہ ابھی غذا کو قبول نہیں کرتا۔ دعا فرمایئے کہ اللہ صحت جلد مرحمت فرمائے۔

۲۰ رجون ۱۹۰۵ء کمترین محمد ظہیر پرائیویٹ کلرک

بنام منشی محمد الدین فوق

(۵)

الٰہ آباد۔ مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ عمریں گذریں آپ سے مراسلت نہیں ہوئی۔ میں کیا لکھوں ایک مدت سے کس مصیبت میں ہوں۔ صرف علیل ہی نہیں ہوں۔ اس کے سوا اور بہت کچھ ہوں۔ تفصیل کیا عرض کروں ؎

پڑ گئے گیسوئے اوہام بتاں کے پھندے پا بہ زنجیر ہے اکبر کا قلم آج کے دن

بہر حال دعا ہے کہ خدا عاقبت بخیر کرے۔

رسالہ "طریقت" ماہ دسمبر ۱۹۱۵ء دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ زوائد اور تصنع، لفاظیوں، خود آرائیوں، خود فریبیوں سے پاک۔ سچے روحانی مفید مضامین سے مالا مال۔ جزاک اللہ۔ مس کوریلی کی تقریر سبحان اللہ نورٌ علیٰ نور۔ بابا صاحب کے خیالات بھی خوب۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ پرچہ انگریزی زبان میں شائع ہوتا۔ کچھ ضرور نہیں کہ اعلیٰ درجہ کا انگریزی لٹریچر ہو۔ کام سے کام مطلب سے مطلب۔ کاش گورنمنٹ اسی طریق کی حامی اور مددگار ہو۔ امیر ملحد دنیا پرستی کا وعظ کہہ کر گویا اپنا ہی گھر لٹوانے کی بنیاد قائم کرتا ہے۔ اپنی خیریت لکھئے۔ دعا کیجئے، دعا دیجئے۔

۲۶ دسمبر ۱۹۱۵ء اکبر

(۶)

الٰہ آباد۔ میرے مکرم۔ یاد آوری اور عزت افزائی کا سپاس گزار ہوں۔ چار پانچ سال سے میں ایسی شکایات اور عوارض میں مبتلا ہوں کہ کسی باضابطہ مجلس میں شاید دو گھنٹے تک بھی با اطمینان نہیں بیٹھ سکتا۔ اس موسم میں معذوریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ غذا میں ایسی احتیاطیں ملحوظ ہیں کہ سفر میں بھی کسی کا مہمان نہیں ہو سکتا۔

انہیں وجوہ سے مدت سے آپ کی ملازمت سے مسرت حاصل نہیں کر سکا۔ آپ ملّت کے ایک بڑے باخبر اور سرگرم خیر طلب ہیں۔ اللہ آپ کو کامیاب فرمائے۔ زندگی ہے تو شاید مارچ اپریل میں مل سکوں۔ سچ تو یہ ہے کہ اب مجھ پر زندگانی بار ہے۔

خواجہ حسن نظامی صاحب کو کیوں نہ صدر بنایئے؟ مجھ کو بالتحقیق معلوم ہوا ہے کہ چیف سکریٹری صاحب گورنمنٹ نے اردو کانفرنس لکھنؤ میں اُن کی شرکت منظور کی اور ان سے ملنے کا بھی وعدہ فرمایا۔ یہ بات طے پائی اور بلاشبہ یہی مناسب تھا۔ کہ خواجہ صاحب پالٹکس کو چھوڑ دیں۔ تصوف کی اشاعت کا شغل کافی ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو میں ان کو لکھوں۔

۹ دسمبر ۱۹۱۶ء آپ کا دعاگو اور .... اکبر

علی گڈھ منتھلی میں ایک مضمون مارسین صاحب کا چھپا ہے جس میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ سکھوں اور بنگالیوں کے جزو ہو جائیں علحدہ اُن کی کوئی ترقی نہیں ہو سکتی۔

بغداد و عرب و افغان سے ان کو کچھ سروکار نہیں ہے۔ نہ پولیٹکل حق میں وہ ہندوؤں وغیرہ کے برابر کیے جا سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ

یہ مضمون ذرا ملاحظہ کیجیے اور سید صاحب کا .... اُن کی باتیں یاد کیجیے۔ مارسین کی بات گویا انگلش نیشن کی بات ہے۔

مارسین نے مجبوری سے یہ لکھا، کیا مجبوری تھی جب آپ سے ملوں گا اپنا خیال ظاہر کروں گا۔

اٹاوہ کی آب و ہوا کیسی ہے میں ارادہ کرتا ہوں کہ تعطیل ملے تو ۱۰ - ۵ دن ڈاک بنگلے میں رہوں یا سٹیشن ہاؤس لے لوں۔ یہاں پوری سے مراسلت کر کے اس میں تکلیف و طوالت ہے۔

الحمد للہ کہ عشرت سلمہٗ کیمبرج کالج کے حصہ اوّل کے امتحان میں جو بہت مشکل تھا ۲ رجون گذشتہ کو پاس ہو گئے انشاء اللہ سال آئندہ میں ڈگری حاصل کر کے وطن آئیں گے۔

۲۲ رجولائی ۱۹۰۳ء　　نیاز مند اکبر حسین

<u>بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم</u>

(۳)

مکرمی امید ہے کہ آپ کا مزاج خیر و عافیت سے ہو۔ افسوس ہے کہ وہ حصہ تعطیل کا جو میں آپ کے حضور میں بسر کرنے والا تھا اور آنریبل حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب اور شیخ احمد حسین خاں صاحب نے بھی میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا غیر معمولی بارش کی نذر ہو گیا۔ حاجی صاحب تو علیا رہیں لیکن کچہری کھلنے کو صرف ۵ - ۴ روز باقی رہ گئے۔ افسوس ہے کہ مجھ کو چند روز سے شکایت چشم پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے کارِ نوشت و خواند خصوصاً کتب و اخبار بینی قریباً بالکل بند ہو گیا ہے اور اسی سبب سے عنقریب ریٹائر بھی ہوا چاہتا ہوں۔

آج لکھنؤ جا رہا ہوں اور ڈاکٹر اینڈرسن سے مشورہ کرنے کو، اگر وقت ملا تو ایک دن آپ سے ملنے کو اٹاوہ چلا آؤں گا ورنہ کوئی اور وقت مقرر کروں گا۔

علی گڈھ منتھلی جس میں مارسین صاحب کا مضمون چھپا ہے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس پر کچھ لکھوں۔ مارسین صاحب نے خود ہی کہا اب مصلحت ہے کہ ہم اس کو اور شہرت دیں اور مخالفین کے انبساط کا باعث ہوں۔ غالباً آپ کا بھی یہی خیال ہو۔

یہ خط محض پرائیویٹ ہے　　مشتاق و نیاز مند
۱۹ راکتوبر ۱۹۰۳ء　　اکبر

<u>بنام مولوی بشیر الدین صاحب</u>

(۴)

عشرت منزل۔ الہ آباد۔ مخدومنا تسلیم عرض۔ "البشیر" جناب خان بہادر صاحب مدظلہٗ کو سنایا گیا۔ جناب ممدوح بہت

مہمان صاحب بہ سبب ضعف کے آنہ سکے اور لکھ بھیجا کہ میرا کھانا یہیں بھیج دیجئے ادھر ہاشم سلمہ بیچین ہوا اور میں اوس میں مشغول ہوا خود بھی کھانے کے لئے طیار نہ تھا۔ کچہری کا وقت آن پہنچا۔ میں سمجھا کہ نہایت بے لطفی ہو گی کہ آپ تنہا طعام نوش کریں۔ بہ مجبوری وہیں بھیج دیا۔ اس وقت آپ کا منتظر تھا۔ سُنا کہ آپ باہر گئے ہیں کیا کل شب کو آپکا قیام نہ ہوگا تاکہ آپ سے اطمینان سے ملنے کا موقع ہو۔

اکبر حسین

(۱۲)

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے خط سے روحانی مسرت ہوئی اگرچہ میں اب دنیا سے قریباً بالکل بے تعلق ہو گیا ہوں۔ لیکن آپ کی محبت اور قابلیت کی یاد دل سے نہیں گئی۔

آپ تو اربابِ طریقت میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اب کوئی جلد کلیات کی باقی نہیں ہے پرسوں اخیر کاپی حصہ اول کی کسی کو بھیج دی گئی۔

حصہ دوم پریس میں ہے۔ امید ہے کہ اگست میں اشاعت پا جائے۔ حصہ سوم ابھی زیر ترتیب ہے۔

گردش لیل و نہار کو دیکھئے۔ خوب فلسفے ملا کرتے ہیں۔ خدا آپ کو ترقیات باطنی نصیب کرے۔ دنیائے فانی صرف تماشا اور لہو و لعب ہے۔

الہ آباد ۱۲ رجون ۱۹ء

نیاز مند دعاگو اکبر حسین

<u>بنام مولوی بشیر الدین مرحوم</u>

(۱۳)

پیارے عنایت فرما۔ افسوس ہے کہ مارسیس والا مضمون میں اب تک نہ بھیج سکا۔ انشاء اللہ معہ ترجمہ بھیجوں گا۔

۴ راگست کے البشیر میں محمد علی صاحب نے ہماری خاتونیں کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے بہت جوش اور قابلیت سے لکھا ہے۔

ہمارے برادر مکرم شیخ احمد حسین خان بہادر رئیس پریانواں صیافت فرماتے ہیں کہ یہ مسٹر محمد علی صاحب کون بزرگ ہیں۔ کیا ایڈیٹر سے ہیں امید کرتا ہوں کہ آپ براہ کرم جلد اس امر سے مطلع فرمائیں گے۔ خان بہادر صاحب پردے کے باب میں ایک پمفلٹ شائع کیا چاہتے ہیں۔ خدا آپ کی مدد کرے۔

خادم اکبر حسین

<u>بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم ایڈیٹر البشیر</u>

(۱۴)

جناب ایڈیٹر صاحب۔ جناب مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے قرآن مجید کا جو با محاورہ اردو ترجمہ شائع کیا ہے وہ درحقیقت نہایت عمدہ بلکہ لاجواب ہے اس سے بہتر خدمت اسلام کی اس زمانے میں ذہن میں نہیں آسکتی۔

اللہ تعالیٰ مولوی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے ان کے علم و قابلیت سے قوم کو بہت فائدہ پہنچا اور بہت فائدہ پہنچنے کی اُمید ہے۔

بنام نواب سید علی حسن صاحب

(۷)

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ! جناب نواب نورالحسن خانصاحب کے انتقال کی خبر نے اس قدر مغموم کیا کہ اس کا اظہار دشوار ہے۔ ایسے فرشتہ خصلت لوگ کہاں نظر آتے ہیں میرے بڑے محب اور قدر دان تھے۔ آپ کے دل پر کیا گزری ہوگی اس تصور سے تکلیف ہوتی ہے۔ یہی خیال تسکین دہ ہے کہ ما نیز براہِ سفریم۔

میں اس سال برسات میں بجد علیل رہا ارادہ تھا کہ فوراً تعزیت کے لئے حاضر ہوں لیکن نہ آسکا۔ خود ایسی پریشانیوں میں رہتا ہوں کہ عرض نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو مدت دراز تک صحیح و سالم اور مسندِ عزت پر متمکن رکھے۔ آپ سے بہت کچھ دلی قوت ہے خدا کرے جلد حاضر ہو سکوں۔

۱۶ر نومبر ۱۷ء خاکسار اکبر حسین الہ آباد

بنام منشی محمد الدین فوق

(۸)

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ امراضِ متعددہ کے سبب سے دل و دماغ پر قابو نہیں۔ افسوس کہ آپ کے عنایت ناموں کا جواب ابھی تک نہ لکھ سکا۔ اس وقت تو لکھنا بھی مشکل ہے۔ انگلیوں میں درد ہے۔ دیوان سے کچھ اشعار بھیجے ہیں۔ زندگی رہی تو پھر کبھی۔ طریقت پر خدا آپ کو مستقیم رکھے۔

۲۶ر دسمبر ۱۹۱۸ء اکبر حسین۔ الہ آباد

بنام منشی محمد الدین فوق

(۹)

کتاب حریت اسلام پہنچی۔ یادآوری کا سپاس گزار ہوں۔ بہت دلچسپ کتاب ہے۔ وقت کے مناسب حال ہے۔ خداوند تعالیٰ ہم لوگوں کو حریت عطا فرمائے۔ آپ کو جزائے خیر دے۔ میں چند روز سے بہت بیمار ہوں حواس کا انتشار ہے۔

۲۸ر اپریل ۱۹۲۱ء طالب دعا اکبر

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱۰)

برادرِ طریقت[1] سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی محبت اور مزاج پرسی سے دل کو بہت مسرت ہوئی۔ ضعیفی کے دن ہیں۔ نفسِ واپسیں کا انتظار ہے۔ ہر حال میں خدا کا شکر ہے۔ اس وقت تو علاج سے نفع ہوا ہے۔ امید ہے آپ کا رسالہ اچھی طرح چل رہا ہوگا اور آپ بھی راہ سلوک میں سرگرم اور اس سے بہرہ اندوز ہوں گے۔

الہ آباد ۱۸ر اکتوبر ۱۹۲۴ء خاکسار اکبر

(۱۱)

مکرمی افسوس ہے کہ آج آپ کی مکالمت و مجالست کے لطف سے محروم رہا۔ حالت یہ پیش آئی کہ دوسرے

---

[1] طریقت

شاد عظیم آبادی

(۱)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب علی گڈھ (پٹنہ)

مکرمی!

اردو تعلیم کے پروف جہاں تک چھپے ہیں افسوس ہے کہ ناقص چھپے ہیں۔ اس کے حالات دیباچہ سے واضح ہو سکتے ہیں مگر وہ آخر میں چھپے گا بایں ہمہ جتنے اوراق چھپے ہیں ملاحظہ فرمالیں۔ جو جو پروف چھپتے جائیں گے انشاءاللہ حاضر کرتا جاؤں گا۔ حتی الوسع اسی تعلیمی پہلی کتاب میں تمام رسم الخط و اشارات املائی اور بعض صریح نقائص اس خط کے وضع کئے گئے ہیں۔ اس کا حال بغیر بہ تفصیل ملاحظہ فرمائے ہوئے معلوم نہیں ہوا (ہو گا)؟ گے۔ یہ تحریریں نے ایک موقع کے لئے لکھی تھی۔ یہی مسودہ ہے صاف بھی نہیں کیا گیا ہے اور نہ نظر ثانی کی ہے۔ امید ہے کہ از راہ عنایات بشرط فرصت اس کو ملاحظہ فرما کر واپس مرحمت فرمائیے گا۔ ہر چند اس مسودے میں اکثر زوائد ہیں جن پہ اصلاح دینا ضروری ہے مگر آپ سے ایسی ہی یک جہتی ہے کہ مجھ کو اس کے بھیجنے میں کوئی تامل نہ ہوا۔ ملاحظہ فرما کر واپس فرما دیجئے۔ عمر کم طویل و عدو کم ذلیل۔

خاکسار سید علی محمد شاد ۱۱ مئی ۱۹۰۵ء

(۲)

بنام مولانا شاہ سلیمان صاحب مرحوم پھلواروی

جناب مولائی و ملاذی!

تسلیم بجالاتا ہوں۔ اس دفعہ خاکسار نے محرم میں کوئی مجلس نہیں پڑھی ورنہ حسب وعدہ تکلیف دیتا۔

میرا خود دل چاہتا ہے کہ کسی دن میں پھلواری میں حاضر ہوں۔ چند گھنٹہ تک خدمت والا میں حاضر رہ کر مرثیہ پڑھوں۔ ممکن ہے کہ کوئی منبر بھی رکھوا دیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرش پر بیٹھ کے پڑھوں۔ گو پیرانہ سالی و امراض قلب و معدہ میں گرفتار ہوں مگر ممکن ہے کہ دو گھنٹہ کی صحبت ہو جائے۔

نماؤیا آگرہ کی اردو کانفرنس میں ۲۶ دسمبر تک مجھ کو جانا پڑے۔ اگر اس سے قبل کوئی تاریخ مناسب ہو تو مجھ کو مطلع فرمایا جائے

بعض مقامات پر مجھ کو شبہ پیدا ہوا ہے یا تو میرا شبہ بیجا ہے اور ایسا ہونا کچھ بعید نہیں کیونکہ بغیر علم کی روشنی کے محض عقل وقیاس کو اس منزل میں کہاں تک رسائی ہو سکتی ہے اور یا فی الواقع ترجمہ میں کچھ غلطی ہو گئی ایسا ہونا بھی کچھ بعید نہیں کیونکہ مولوی صاحب کے مددگار اور بزرگوار بھی تھے شاید کسی نے غلطی کی اور نظر ثانی میں اس پر نگاہ نہ پڑی اتنے بڑے عظیم الشان قانون فطرت کے ترجمے میں اگر کہیں دو چار لفظوں پر نظر نہ پڑی تو کچھ تعجب نہیں۔ اب میں ایک شبہ بیان کرتا ہوں۔ سورہ والتین کے ترجمہ بر صفحہ ۱۰۵ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنٰہ اسفل السافلین کا ترجمہ حسب ذیل کیا گیا ہے۔ ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت کا پیدا کیا۔ پھر ہم اس کو (بڈھا کر کے) کمتر سے کمتر مخلوق کے درجے میں لوٹا لائے۔

بریکٹ میں جو الفاظ توضیح کے لئے بڑھائی گئی ہے اس کی صحت میں مجھ کو شبہ ہے درحقیقت ترجمہ غلط نہیں ہے معنی کے بیان میں شاید غلطی ہوئی میرا خیال تھا اور ہے کہ یہاں جوانی اور بڑھاپا مقصود نہیں ہے بلکہ انسان کی روحانی اور اخلاقی حالت کا بیان ہے ترک دنیا کن و بگذر۔

دوسری آیت الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت فلھم اجر غیر ممنون اس خیال کی تائید کرتی ہے۔

اگر میرا خیال صحیح تسلیم کیا جائے تو آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح چاہئے۔ اگر میرا خیال صحیح تسلیم نہ کیا جائے تو یہ بات زیر بحث ہوگی۔

سید اکبر حسین از الہ آباد

بنام جناب بشیر الدین صاحب مرحوم

(۱۵)

واہ حضرت کلکتہ سے واپسی کے وقت وعدہ تشریف آوری آپ نے خوب پورا کیا میں تمام خیالات اور مضامین لئے ہوئے آپ کا منتظر رہا۔ آپ آتے تو خوب گپیں اڑتیں اور منصوبے گھٹتے خیر اب بھی تعمیل ارشاد پر کمربستہ ہوں۔ خدا ماہ صیام نے زیادہ تنگ کر دیا ہے۔

آپ کلکتہ کے تحائف لئے ہوئے سیدھے گھر پہنچے اس ڈر سے کہ حصہ نہ لگائیے۔

نیاز مند اکبر

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم

(۱۶)

مکرمی۔ میں تو آپ کا پرانا آسامی ہوں۔ عشرت ملہ نہ بھی تحریک کرتے تو تعمیل ارشاد کرتا۔ چنانچہ قیمت دے کر اخبار لیا۔ میں علیل رہتا ہوں۔ تعلقات منقطع ہو چکے ہیں اگرچہ اکثر امور لائق بیان ذہن میں آیا کرتے ہیں لیکن خاموشی کو ترجیح دیتا ہوں۔ کبھی اخلاق، معرفت، موعظت میں کوئی شعر کہہ دیتا ہوں۔ خاتمہ قریب ہے اللہ تعالیٰ عاقبت بخیر کرے

؎ صدیوں فلاسفی کی چناں و چنیں رہی　　　لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

یعنی نجات آخرت کا خیال سب کو ہے۔

اکبر

آپ کے دوست جعفر حسین صاحب کہاں ہیں کیا کرتے ہیں؟

ایضاً دراز قد او رمذکورہ بالا ساریوں سے کسی قدر ممتاز ساڑھے چار گز لانبی ۴ عدد
سلیپر سیاہ رنگ کی آٹھ انچ لمبی ۴ عدد
ایضاً ۹ انچ لمبی ۴ عدد
ایضاً سات انچ لمبی ۴ عدد
بوٹ گھنڈی دار تین برس کے لڑکے کے قابل ۴ عدد
ایضاً دو برس کے بچہ کے قابل ۴ عدد

حاصر ۸/
عسہ ۴/
عسہ ۴/
عسہ ۴/
عسہ ۴/
عسہ ۴/
عسہ ۴/

عسہ ۱۲/

اگر آپ کا قیام وہاں ایک ہفتہ تک اور رہے تو میں منی آرڈر بھیج دوں اور اگر موقع نہ ہو بشرطیکہ اتنے روپے آپ کے پاس ہوں تو از راہِ عنایت خود خرید فرما کر اپنے ساتھ لیتے آئیے گا۔ اس کے علاوہ دو ٹکیہ صابون عمدہ فی قیمتی ۲ بھی ہمراہ لائیے گا۔
میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کو خریداری میں زحمت ضرور ہوگی مگر مجبور ہو گیا ہوں۔ چینیا مرغی کا بھیجنا بیحد ضروری سمجھئے۔
اگر آپ کا وہاں ایک ہفتہ اور بھی قیام ہوگا تو مسدس مطلوبہ مولانا ابو الکلام حاضر کر دوں گا۔ لیک آپ کو مولانا ابو الکلام صاحب کے پاس جانے میں اتنی تکلیف نہ ہوتی ہوگی جیسی ہم لوگوں کو باقی پور جانے میں مگر اب چنداں تکلیف کی حاجت نہیں ہے۔ آپ نے ادھورا ترجمہ کیوں بھیجا۔ پورا کر دیتے تو میں دوسروں کے بارِ احسان سے کسی قدر سبکدوش رہتا۔ نہ اس وجہ سے کہ آپ مجھ سے مشورۂ سخن کرتے ہیں بلکہ اس سبب سے کہ آپ جس خاندانِ عالی کے ممبر ہیں مجھ کو اس خاندان سے دلی موانست ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ نے فی زمانہ آپ کو ایسا سعادت مند پیدا کیا ہے کہ آپ کو دیکھ کر میں فخر کرتا ہوں کہ میرے شہر کے پرانے خاندان میں آپ ایسا جوہرِ کامل پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو طویل العمر کرے اور جیسے آپ ہیں ویسی ہی ترقی بخشے۔ آمین رب العالمین!

خاکسار دعا گو: سید علی محمد شاد۔ جولائی ۱۹۱۶ء

---

(۴)

بنام سید وصی احمد صاحب فانی بلگرامی

برخوردار نورِ چشم فضائل مآب سلمکم اللہ تعالیٰ!

آپ کے تشریف لے جانے کے بعد مجھ کو زیرِ ناف سخت درد پیدا ہو گیا۔ رات تڑپ کر کٹی۔ تھوڑی دیر سے کچھ افاقہ ہے جس میموریل کا آپ سے ذکر کیا ہے اس کا ایک انگریزی مسودہ اور کچھ مضمون اس پر زیادہ کیا ہے۔ اردو میں وہ مضمون جاتا ہے۔ پوری امید ہے کہ آپ ان مضامین کو اپنے طور پر انگریزی میں لکھ دیجئے اور صاف کر کے اس دوشنبہ کے قبل میرے پاس روانہ کر دیجئے۔ دوشنبہ کے دن کمشنر صاحب کو دکھا کر چھپوانے کا ارادہ ہے اور اگر آپ کی عنایت ہوگی تو انشاء اللہ ۱۵ر نومبر کو داخل کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر و اقبال میں ترقی عطا کرے۔ آمین!

رقیمۃ الدعا: السید علی محمد شاد۔ ۷ر نومبر ۱۹۱۶ء پٹنہ۔

حالت یہ ہے کہ میں بارہ بجے دن کو صرف ایک وقت غذا کرتا ہوں، بعد اس کے بلا فصل دو گھنٹہ تک سو رہتا ہوں۔ یا تین بجے کا وقت رکھا جائے یا نو بجے دن کا۔ مجھ کو معلوم نہیں کہ پھلواری جانے آنے میں مجھ کو ریل کا کون سا وقت اختیار کرنا ہوگا تاکہ اسی دن شام کو گھر واپس آجاؤں۔ پھلواری کے بعض بزرگوں نے اور دفعہ بھی مجھ پر اصرار کیا تھا مگر مجھ سے نہ ہو سکا۔ غالباً ان بزرگوں کو بھی میری حاضری کی خبر مل جائے گی۔ ظلکم ممدود برب الودود۔

خاکسار خادم: السیّد علی محمد شاؔد۔ پٹنہ ۱۶ / دسمبر ۱۹۱۳ء

(۳)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب علی گڑھ (پٹنہ)

ہر دلعزیز مسلم روحی فداکم!

میں تعجب کرتا ہوں کہ اُس مفصل خط کے بعد جو خط میں نے آپ کو لکھا وہ کیوں نہ پہنچا۔ تصویر کا ایک ورق چھپا ہوا میرے پاس پہنچا۔ دیکھ کر افسوس ہوا میں نے جو پیمانہ اس کا قائم کیا تھا وہی پیمانہ مثنوی کا تھا چنانچہ بہ صراحت برابر خطوں میں اطلاع دیتا گیا ہوں مگر یہ تصویر اس پیمانہ سے دونی ہے۔ اب بجز اس کے اور کیا کر سکتا ہوں کہ مثنوی کی تقطیع بھی اتنی ہی رکھی جائے۔ سخت تعجب ہوا کہ منیجر صاحب نے غور نہ کر لیا۔ یہاں کے مطبع سے اب مجھ کو پوری یاس ہو گئی یعنی اب تک صاحبِ مطبع نے مجھ سے ملاقات تک نہیں کی ہے۔ نبا صاحب نے بڑی مشکلوں سے بلایا تو عجب عجب باتیں اس نے کہیں یعنی اب دیر نہ ہو گی۔ میں نے بھی ڈھیل دے دی ہے کیونکہ جب تصویر ہی بڑی بن گئی تو خواہی نخواہی تقطیع بدلنا پڑا۔ میں نے پرسوں الہلال کو مفصل خط لکھا تھا کہ باقی پور کے مطبع کھڑک بلاس کا منیجر مولوی شجاعت علی خاں صاحب کا سفارشی خط لے کر میرے پاس آیا۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے ایک ایسی کتاب کے جمع کر کے چھاپنے کا قصد کیا ہے جس میں لیڈی ہارڈنگ کے مرنے پر جس جس زبان میں ماتم نامہ لکھا گیا ہے سب کو ایک جگہ جمع کر کے وائسرائے کے پاس بھیج دے مجھ سے بھی اس کی خواہش ہے کہ میں بھی مسدس دے دوں اس سے اس مثنوی کا ذکر آیا تو وہ بخوشی ٹائپ میں چھاپنے پر راضی ہے۔ آج غالباً وہ حساب وغیرہ اور نمونہ لے کر آئے گا دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ طبع کتاب کے بارے میں ہمیشہ سے میری تقدیر یہی رنگ دکھایا کی ہے جس کو آپ نے ملاحظہ کیا۔ دیوان کے بارے میں مخدومی جناب مولانا ابوالکلام صاحب کے ارشاد کا میں ممنون ہوں اہلِ علم سے میں کوئی چیز عزیز نہیں کرتا خاص کر کے جب خود میری ہی بھلائی اس میں ہے۔ اس بارے میں ان سے خط و کتابت ضرور کروں گا۔ سانتی پوری ساریاں کلکتہ میں ہر قسم کی افراط سے ملتی ہیں۔ کر پر بیل والی ساریاں یہاں کی عورتیں پسند نہیں کرتیں۔ ایک انچ کی بیل چار طرف کی ہو میں ہر اس کو پسند کرتی ہیں۔ معمولی قد کی ساری ململ کا کپڑا قیمتی دو روپیہ چار آنہ زیادہ کی دو عدد ساری اور کسی قدر دراز قد عورت کے قابل ویسی ہی ساری ایک عدد درکار ہے۔ زنگونی سلیپر خاص کر کے نئے بازار یا ٹنگیاں میں بہت ملتی ہیں۔ ڈیڑھ روپیہ تک فی عدد قیمت ہے۔ ایک سلیپر ۹ انچ لانبی اور ایک ساڑھے سات انچ لانبی درکار ہے۔ دو معمولی موزے یعنی بوٹ گھنڈی دار ایک تین برس کے لڑکے اور ایک دو برس کے بچے کے قابل قیمتی فی ڈیڑھ روپیہ۔ مذکورہ بالا چیزوں کی فہرست ذیل میں ہے:

ساری سانتی پوری جس میں چار طرف بیل ایک انچ کی ہو معمولی قد کی ساڑھے چار گز لمبی دو عدد فی ۴ ع نقرہ　　　للعہ

طے ہو جائے کہ روپے چار قسطوں میں ملیں گے۔ شروع کتاب کے ساتھ ایک سو، چار جزو چھپنے پر ڈیڑھ سو، نصف چھپنے پر ایک سو، بقیہ کل چھپنے پر (۵)، وعدہ خلافی کا مطبع ذمہ دار ہے اور غلطی کتابت کے مولوی محمد مسلم صاحب سلمہٗ۔ بواپسی ڈاک مفصل جواب دیجئے۔ یہ اخیر کام میرا آپ کو کرنا ہوگا۔ سنا کہ آپ لڑکے کو بھی ساتھ لے گئے ہیں بہت اچھا کیا خدا اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اس کتاب کے چھپنے کے لئے مشکل سے روپے فراہم کئے ہیں، ڈرتا ہوں کہ ضرورت میں خرچ نہ ہو جائیں۔

میری غزلوں کی کاپیاں خود آپ نظرِ غائر سے دیکھیئے۔ ۸۰ برس کی عمر ہے چوک جانا عمداً غلطی کا رہ جانا ضروریات سے ہے اور خاص میرے ساتھ جو زمانہ کی عداوت ہے آپ سے مخفی نہیں۔ میں یہاں تک آپ سے مطمئن ہوں کہ اگر وقت کم ہو تو کچھ ضرورت مجھ سے پوچھنے کی نہیں ہے جو مناسب معلوم ہو خود بنا دیجئے گا۔ مسٹر راس مسعود صاحب نے ایک تذکرہ چھاپا ہے۔ میرا بھی ذکر کیا ہے کیا آپ نے اس کو پڑھا ہے؟

میں اب جتنے دن دنیا میں ہوں جلد کام ختم کر لوں اسی کی دھن ہے۔ میری نظر میں دو شخص پٹنہ بھر میں ایسے ہیں جن پر میں اطمینان کر وں مگر ایک عدیم الفرصت اور دلچسپی نہیں رکھتے یعنی لاڈلے صاحب سلمہٗ ایک آپ اگرچہ آپ بھی حد سے زیادہ عدیم الفرصت ہیں مگر دلچسپی تو رکھتے ہیں۔ والسلام بالاکرام!

مخلص دعاگوئے شما: سیّد علی محمد شاد۔ عظیم آباد ۱۳ دسمبر ۱۹۲۲ء

---

(۷)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب علی گڑھ (پٹنہ)

مطالب محفوظ

حبیبنا و مولانا محمد مسلم روحنا فداکم!

اس میں شک نہیں کہ عزیزی قاضی صاحب نے نہایت قدردانی کے ساتھ میرے ناچیز کلام کے چھپوا دینے کا خرچ گوارا کر لیا۔ تفصیلی حالت یہ ہے کہ میری غزلیں ایک تو منتشر دوسرے ترتیب دئے ہوئے کئی مجموعے۔ وہ مجموعے بھی اس طرح کہ اکثر غزلیں اور اشعار ایک کے دوسرے میں تھیں۔ مزید برآں وقتاً فوقتاً جو مصرع یا الفاظ بدل دئے ہیں وہ بھی ایک کے دوسرے میں ہیں۔ ارادہ تھا کہ اس کتاب "فکرِ بلیغ" سے فارغ ہو کر باطمینان دیوان کی ترتیب دوں گا اسی لئے اکثر مجموعہ کی غزلوں پر بطور یادداشت کچھ کچھ نشان بنا دئے تھے وہ سب مجموعے اور منتشر مسودے میاں قیس صاحب مستحکم وعدہ کر کے اور نہایت اطمینان دلوا کر اٹھا لے گئے اور یہ کہا گیا کہ ہم لوگ ایک جگہ صاف کریں گے اور ایک کا دوسرے سے مقابلہ بخوبی کریں گے اس کے بعد آپ کو ملاحظہ کروا کے کاپیاں لکھوائیں گے۔ کچھ تو مروت اور کچھ اپنی محنت کے کم ہو جانے کے خیال سے یا بیوقوفی اور اعتبار کر کے مطلق عذر نہ کیا یہاں تک کہ میاں قیس نے ایک غزل بھی نہ چھوڑی۔ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر سب لے گئے۔ جب لے جا چکے تو یہ ظاہر کیا کہ قاضی صاحب چونکہ یورپ جلد جائیں گے اس لئے صرف دس جزو کو بقدر مختصر کر کے چھپوائیں گے۔ اگرچہ مجھ پر گراں ہوا مگر جب یہ اطمینان دیا گیا کہ انتخاب تم خود کر دو گے تو مجبوراً راضی ہونا پڑا۔ اس کے بعد میاں قیس نے مہینوں صورت نہ دکھائی۔ بلا بلا بھیجنے پر بلا مبالغہ سیکڑوں خط لکھے ہر دفعہ غلط وعدہ کیا اور نہ آئے آخر بصد خرابی میرے پاس چند اجزا اس مجموعہ کے بھیجے گئے کہ منتخب کر دو۔ سب مجموعے تو

(۵)

<u>بنام سید وصی احمد صاحب فانی بلگرامی</u>

جان و دل شاد بقربان شما!

ایک ہفتہ سے زیادہ ہوا کہ آپ کا گرامی نامہ باعث قوت دل حسرت منزل ہوا تھا۔ کتابوں کی نسبت کیا عرض کروں ایک ہفتہ سے یہی ہو رہا ہے کہ کل چاروں کا ایک ایک جزو تیار ہو جائے گا مگر کوئی نہ کوئی بکھیڑا نکل آتا ہے۔ شاید اب تو از تک نیا ہو کر آپ کے پاس روانہ ہو جائے۔

بھائی اس عمر اور روح فرسا کی اور ضعف نے مجھ کو مار ڈالا ہے۔ اس پر مسودہ دیکھنا، کاپی دیکھنا، پروف دیکھنا اور پھر مختلف مضامین پر نظر رکھنا۔ خدا اہل علم و فن میں عزت رکھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور درجۂ اعلیٰ پر پہنچائے جب دیکھ کر دل اور بھی خوش ہوتا ہے۔ میں تو اس وقت بھی فخر کرتا ہوں اور دل چاہتا ہے کہ تمہارے پاؤں کی خاک اپنی آنکھوں سے لگایا کروں۔

تمہارا خاکسار: السید علی محمد شاد۔ ۳۰ ر دسمبر ۱۹۲۰ء

(۶)

<u>بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب (پٹنہ)</u>

سلمکم اللہ بالعیش والسرور

السلام علیکم۔ مجھ کو یہ شکایت ہے کہ آپ نے متعلق اپنے حالات کی مجھ کو خبر نہیں دی۔ دریافت کرنے سے کوئی درست پتہ بھی نہ مل سکا۔ ابھی قاضی عبدالودود صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ علی گڑھ میں ہیں۔ مسٹر راس مسعود صاحب نے مجھ کو لکھا تھا کہ آپ مولوی محمد مسلم صاحب سے کہہ دیجئے کہ جب میں حیدرآباد پہنچ جاؤں (یہ خط جاپان سے لکھا تھا اور نومبر کے آخر میں اپنا پہنچنا بتایا تھا) تو ہم کو اطلاع دیں۔ مجھ کو پتہ ہی آپ کا نہ مل سکا۔ مولوی عباس حسین صاحب کا خط بھی مل گیا ہے اگر ضرورت ہو تو دونوں بھیج دوں۔ قاضی عبدالودود صاحب میرے غزلیات باصرار چھپوایا چاہتے ہیں۔ حالت یہ کہ وہ بارہ جزو سے زیادہ نہیں چھپواتے اور خود منتخب بھی کرتے ہیں۔ اب میں سخت مجبور ہوں کہ کیا کروں۔ میں برابر بیمار رہا اور دوسرے کاموں میں ایسا الجھا کہ غزلوں کو دوبارہ نہ دیکھ سکا۔ وہ کل مسودات غزلوں کے لئے ہوئے چلے گئے۔ ان کے دادا سے بے حد ربط تھا میں کیا بولتا۔ غرض جہاں تک معلوم ہوا پانچ جزو تک کاپیاں بھی لکھی جا چکی ہیں۔ ان کا پیوا ... وہ علی گڑھ چھاپنے کو بھیج رہے ہیں۔ جس مطبع میں تاریخ اسلامیہ چھپی ہے وہیں اس کو بھی چھپوائیں گے۔ مجھ کو بہت بڑی خوشی اور قوت ہوئی کہ آپ وہاں موجود ہیں۔ انشاء اللہ کوئی غلطی میری خود اور کتابت کی رہنے نہ پائے گی مگر حالت یہ ہے کہ جب تک میری کتاب فکر بلیغ شائع نہ ہو دیوان کا چھپنا مصلحت نہ تھا کیونکہ میرے اصولوں سے ہنوز لوگوں کو اطلاع نہیں ہے اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ ان غزلیات کے ساتھ ساتھ فکر بلیغ کا چھپنا بھی وہیں شروع کیا جائے۔ کتاب مرتب ہے اور مجلد۔ وہیں کتابت ہو، آپ تصحیح کریں۔ مالکان مطبع سے طے کیجئے اور کہئے کہ مصنف اس کا غریب شخص ہے۔ حصہ اول کم از کم بارہ تیرہ جزو سے کم نہیں حصہ دوم کچھ زیادہ ہے۔ تقطیع تاریخ اسلامیہ سے زیادہ ہو تو بہتر ہے ورنہ جو رائے آپ کی۔ (۱) کم از کم پانچ سو چھپے گی (۲) کتابت اور چھپائی ٹھیک تاریخ اسلامیہ کی سی (۳) پوری کتاب جون میں مل جائے اور حصہ اول تا اپریل ضرور رہے (۴) یہ شرط

ماجرا یہ ہے کہ پھر بھی کم بخت ذخیرہ غزلیات اور وہ سات آٹھ تازہ غزلوں کا مسودہ جو بعد کو میاں قیس لے گئے ہیں کسی طرح واپس نہیں ملتا مولانا مسلم آپ کو خدا نے ذی علم و کمال، صاحب تصنیف اور بڑی وہی بات یہ ہے کہ شریف النفس اور سب سے بالا یہ کہ خاندانی رئیس بنایا ہے انصاف کیجئے کہ شرفا اس کو سن کر کیا کہیں گے۔ آپ نے اپنے خط میں قاضی صاحب کو جو دو فقرے انصافانہ لکھے تھے اس پر ان کو سخت رنج ہے اور مجھ پر یہ اصرار ہے کہ تم محمد مسلم صاحب کو اس بارے میں کچھ نہ لکھو۔ بھلا جو تعلقات کہ میرے آپ کے ساتھ ہیں کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں اپنے دُکھ کو ان پر تمام نہ کر دوں۔ خدا کے لئے آپ مذکورہ بالا باتوں میں سے کوئی بات ان کو نہ لکھئے ورنہ خدا جانے اور کیا کیا صدمے مجھ کو اٹھانے پڑیں البتہ کسی تدبیر سے یا اپنی عبارت آرائی سے ایسا کچھ بطور صلاح و فہمائش کے ان کو لکھئے کہ میرا ذخیرہ اور میاں قیس سے میری غزلیں جلد مل جائیں ورنہ میری موت ہے اور یہ وقت نرمی کا ہے غصہ کی کوئی بات نہ لکھئے گا ورنہ معاوضہ میرے ساتھ کیا جائے گا۔ میں بوڑھا اور غریب شخص ہوں اور خانہ نشین۔

اب دوسری بات سنئے یہ دیوان تو خیر جس حالت میں چھپے چھپ جائے گا مگر اب فرض ہو گیا کہ جس طرح بنے اپنا پورا دیوان جلد مرتب کر کے چھپوا دوں۔ یہ مختصر دیوان گویا اشتہار اور پیش خیمہ ہے۔ ناچار بہ مشکل تمام بعض احباب سے نقلیں لے کر اور کچھ اپنی یاد پر اور راس موجودہ ناتمام و ناقص مجموعہ سے (جو انہوں نے بھیج دیا تھا) دس جزو تک صاف کر چکا ہوں۔ خدا جانے اب میرے ذخیرہ کے ضبط رکھنے سے کیا مطلب ہے البتہ کوشش کیجئے کہ میرا ذخیرہ واپس ملے یکے نقصان ما بہ دیگر شماتت ہمسایہ میرا مصمم قصد ہو گیا ہے کہ کسی طرح میرا پورا دیوان اور کتاب فکر بلیغ کم سے کم ڈیڑھ ڈیڑھ سو ہی سہی چھپ جائے۔ دو سو روپے تو سر دست مسودے کے ساتھ بھیج سکتا ہوں باقی کی فکر ہو رہے گی اب از راہ عنایت نشیب و فراز کا لحاظ فرما کر حسب ذیل دریافت کر کے جلد تر جواب لکھئے:

دیوان بیس جزو　　اگر ڈیڑھ سو چھپے گا تو مع لکھائی کیا خرچ ہو گا؟

فکر بلیغ ۲۵ جزو　　ایضاً　　ایضاً

فوٹو کا بلاک　　کس حساب سے بنتا ہے اور کس حساب سے چھپتا ہے؟

مصرع ہائے مطلوبہ ؎ اپنی ناکامی کا غم کیا ہے مگر حشر کے دن : کیا قیامت ہے.... الخ

مقطع خدا جانے ذخیرہ میں کیا ہے ناچار تصنیف کر کے بھیجتا ہوں ؎

بدن سے روح چلی شادؔ سوئے کوچۂ یار
جواب خط کا بھلا اس کو انتظار کہاں

آپ کی بے مثل تحریر بمند رجہ جامعہ میں نے کئی مرتبہ پڑھی اور لطف اٹھایا بارک اللہ الحمد للہ!

دعا گو، سید علی محمد شادؔ۔ پٹنہ ۲۵ر فروری ۲۳ء

مکرر ؎　　در میان قعر دریا تختہ بندم کردہ اند
باز می گوید تر دامن مشو ہشیار باش

کل میں نے قاضی صاحب کو لکھ بھیجا تھا کہ اب جو غزلیں آپ مجھ سے مانگ رہے ہیں تو جن غزلوں کو میں نہ مناسب

ان کے پاس بھیجے میں کیونکر منتخب کرتا، کیا کرتا۔ اصرار کیا کہ بھائی جب تک وہ سب مجموعے نہ ہوں گے فقط ان چند اجزا سے تبدیلات وغیرہ کا کیونکر پتہ لگے لیکن گویا وہ سب مجموعے گرو ہو گئے کسی طرح واپس نہ دیئے۔ ہزار ہزار سر پٹکا مگر سنتا کون ہے آخر تھک کر یہ اجزا بھی حوالے کر دیئے اور کہا کہ بغیر ان سب متفرق مجموعوں کے مجھ سے انتخاب غیر ممکن ہے اس کا بھی مہینوں جواب نہ ملا۔ نہ میاں قیس نے صورت دکھائی۔ ناچار یہ سنا گیا کہ کاپیاں لکھی جا رہی ہیں پھر لکھا کہ صاحب آپ بغیر میرے انتخاب کے کاپیاں کیوں لکھوا رہے ہیں۔ جواب ندارد۔ مولانا مسلم خدا شاہد ہے کہ مجھ کو جس قدر اس کا صدمہ ہوا ہے میں بیان نہیں کر سکتا یعنی میری چیز ضبط کی گئی اور زبردستی مجبور کر کے خود رائی کا مجھے اس پیرانہ سالی میں شکار بنایا گیا۔ پھر سنا کہ پانچ جزو کاپیاں لکھی جا چکی ہیں۔ خط بھیجتا ہوں جواب کون دیتا ہے۔ زبانی جواب یہ کہ کاپی آپ کو دکھائی جائے گی آخر ڈیڑھ جزو کاپی خدمتگار کی معرفت میرے پاس اس حکم کے ساتھ بھیجی گئی کہ آج ہی اس کو دیکھ کر دے دو۔ کاپی دیکھ کر سخت صدمہ ہوا۔ تمام تر ایسی فروگذاشتیں پائیں کہ ایک آہ منہ سے نکلی پھر آرزو و منت کی کہ آپ لوگ اپنی جلد بازی کے سبب سے میرے منہ میں کالک نہ لگائیے۔ ہاتھ تک جوڑے کہ خدا کے لئے اب بھی میرا ذخیرہ بھیج دیجئے کہ میں کسی طرح ان کاپیوں کا تدارک کروں اور برابر یہ بھی لکھا گیا کہ اگر میری جانب سے اطمینان نہیں ہے تو نقد روپے للعہ بطور ضمانت رکھ لیجئے اور وہ ذخیرہ بھیج دیجئے۔ ہزار ہزار منت پر صرف ایک مجموعہ ایسا میرے پاس بھیجا گیا جو موقوف علیہ دوسرے مجموعہ کا ہے۔ اللہ اللہ کس ضیق میں میری جان پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میاں قیس نے گھر کی راہ لی پھر ان کا خط آیا کہ آپ کے پاس جو کاپی گئی ہے اس کو بھیج دیجئے تو سب ذخیرہ آپ کا پہنچا دیں گے۔ میں نے یقین کیا کہ ضرور وہ ایسا کریں گے وہ ڈیڑھ جزو بجنسہ بھیج دیئے پھر نہ ذخیرہ واپس ملا نہ کوئی خبر دی گئی۔ افواہاً سنا گیا کہ علی گڈھ میں چھپنا شروع ہو گیا تب بہ اینکہ مجھ کو دست آ رہے تھے پچاس روپے قرض کئے اور بہ ہزار دشواری کرایہ کی گاڑی کر کے پہلے حضور میں جناب قیس صاحب کے حاضر ہوا۔ عرض حال کیا، وہ دولت پر جناب قاضی صاحب کے لئے میری التماس کا جو کچھ اثر ہوا ہو، جو کچھ آپ کا صرف ہوا ہے مجھ سے لیجئے، میرا ذخیرہ مجھ کو مرحمت کیجئے اور جو کچھ چھپ گیا ہے میرے ذمہ کیجئے اور مجھ سے میری ترتیب کے مطابق چھپوانے میں راضی ہوں۔ قاضی صاحب نے آخر میں فرمایا کہ میرے سب روپے دے دو تو میں ممانعت لکھ بھیجوں اور وہاں جو کچھ چھپا ہے اس کا تاوان اپنے ذمہ کرو بعد وصولی کے تمہارا ذخیرہ مل جائے گا۔ دیکھا اس عمر میں مجھ کو چور اور بدمعاش سمجھا، میں راضی ہو گیا کہ بہتر یہی سہی تو کہا گیا کہ کل حساب ہو جائے گا۔ روپیہ بھیج دو، روپیہ لے کر ذخیرہ دیں گے۔ دوسرے دن ذیل کا حساب آیا:

اجرت کاپی دس جزو = للعہ	خرچ طبع اشتہارات جو اخباروں وغیرہ میں دیئے گئے = ؏	} ماعہ	
نقد قیمت کاغذ = ماعہ	خرچ منگائی خطوط، سواری چونگا وغیرہ و پوسٹ کا خرچ = ؏		

ان کے علاوہ تاوان مطبع وغیرہ جو میاں قیس سے بعد کو معلوم ہوگا۔

حساب دیکھ کر اپنی غربت، مجبوری، پیرانہ سالی، عمر بھر کی ریاضت، مزید برآں خلاف امید میاں قیس صاحب کی حرکت سب نے میرا دل چور کر دیا اور میں نے سمجھ لیا کہ مقصود ایذا دہی ہے اور مجبور محض کرنا ہے، ناچار لہو کا گھونٹ گھونٹنا پڑا اور خاموشی اختیار کر لی یہ سب بلاکم و کاست واقعہ۔ اب اصرار شروع ہوا کہ دیباچہ لکھ دو، تصانیف کی فہرست دو۔ بعض کا اصرار ہوا کہ خاندان کا ذکر بھی لکھ دو۔ اب پھر یہ بھی فرمائش ہے کہ اکثر ردیفوں میں غزلیں کم یا نہیں ہیں کچھ غزلیں اور دو، اور طرفہ

(۱۰)

<u>بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب علی گڈھ (پٹنہ)</u>

روحی فداکم!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ میری ایک فارسی نظم بطور مثنوی دیوان میں چھپنے کے لئے آپ کے پاس گئی ہے یا اب بھیجی جائے کیونکہ قفس صاحب ہفتہ ہوئے لے گئے ہیں اس کے آخر کے اشعار طنز و تشنیع سے بھرے ہیں ان سب کو ضرور نکال دیجئے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمیشہ کے لئے دیوان میں یہ داغ لگا رہے۔ جہاں سے یہ شعر شروع ہے ؎ غیر ازینکہ تلمیذ فقیرانہ، سب کو آخر تک نکال دیجئے، ہرگز رہنے نہ دیجئے ورنہ میرے سر الزام ہونا ہوگا۔ اس کے پہلے کے اشعار میں بھی کوئی شعر توہین و طنز کا رہ گیا ہو تو قلم زد کر دیجئے اور میری طرح جوش میں اگر باقی نہ رکھئے کیونکہ دوسروں کے شاگردوں کے دل میں چھپے طور سے صدمہ نہ پیدا ہو اور وہ اپنا صدمہ دوسری ترکیب سے نکالیں۔

اس کا جواب فوراً دیجئے اور یہ بھی فرمایئے کہ کتنے اجزا دیوان کے چھپ چکے ہیں اور آیا جہاں تک فرمے چھپے ہیں، میرے دیکھنے کو بھیجے جا سکتے ہیں یا نہیں۔ ادھر میں ایک کتاب "فارسی تعلیم" لکھ رہا ہوں۔ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ موجودہ فارسی زبان اور پرانی زبان و الفاظ و طریقہ استعمال میں کیا کیا فرق و تجدید ہوئی۔ قریب قریب ایک ہزار کی فہرست لکھ چکا ہوں۔ پیری، بیماری، تعلقات، صدمات کے ہجوم میں اگر کوئی کام ہو جائے تو ہزار شکر ہے۔ سید حسین تسلیم کہتے ہیں۔

سید علی محمد شاد۔ ۵ / مئی ۲۳ء

جانتا ہوں وہ اس ناقص مجموعہ میں نہیں ہیں اسی ذخیرہ میں ہیں اور اب تو آپ اس سے کام بھی لے چکے مجھ کو بھیج دیجئے تو میں صاف کر کے بھیج دوں ابھی میاں قیس کی طرف سے اس کا جواب آیا اس کو میں ملفوف کرتا ہوں ملاحظہ کر کے واپس کر دیجئے۔ فرمایئے اس کا کیا جواب ہے۔ قرینہ یہ ہے کہ اب مجھ کو وہ ذخیرہ بروز قیامت ملے گا اور طرح طرح کے بہانے ہوں گے خدا کے لئے آپ چار دن کے لئے فرصت لے کر چلے آیئے ورنہ میں تباہ ہو جاؤں گا اب اس ذخیرہ کے ضبط رکھنے سے کیا مطلب ہے۔

سیّد علی محمد شاد ۔ ۲۶ ر فروری ۲۳ء

فرمایئے غلط سلط بے ترتیب مسودہ کو مولوی سلیمان صاحب کے پاس بغیر میرے استمزاج کے اگر یہ صحیح ہے بھیجنے کا کیا حق تھا۔

شاد

---

(۸)

<u>بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب علی گڈھ (پٹنہ)</u>

جانِ قابلیت مولانا محمد مسلم روحی فداک!

ان اوراق کو پہلے اوّل سے آخر تک بنظر غائر ملاحظہ فرمالیجئے جہاں مجھ سے بھول چوک ہوئی ہو یا اشعار مثنوی میں کوئی شعر قابلِ شیاح ہو بے تکلف کاٹ دیجئے۔ میں پچھلے زمانہ کا ہوں اور آپ اس زمانے کے۔ اِدھر نئی غزلیں بیس پچیس کہی ہیں اور اچھی ہیں وقت.. اور گنجائش دیکھ کر مجھ کو جیسا حکم دیجئے عمل کروں۔ والسلام بالاکرام!

سیّد علی محمد شاد ۔ مرقومہ ۱۹ ر اپریل ۱۹۱۳ء

---

(۹)

<u>بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب (پٹنہ)</u>

مولانا محمد مسلم روحی فداکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میرے خط کے جواب میں آپ کا خط پہنچا۔ مجھ کو پہلے بھی یقین تھا کہ آپ ضرور ایسی کتاب کی قدر کریں گے قریب پانچ سو محاورے تو میں ضبط کر چکا ہوں اور کئی سو ایسے محاورے جن میں بہ سبب امتداد زمانہ مجھ کو شبہ تھا ملا جلال الدین ایڈیٹر سابق "حبل المتین" کے پاس بھیج دئے ہیں عنقریب جواب آجائے گا۔ میرے خیال میں پندرہ سو سے زیادہ محاورے جمع کئے جائیں گے۔ گرمی کی حد نہیں، اس پیرانہ سالی میں بہ مجبوری روزانہ آٹھ گھنٹے کام کرنا ہوتا ہے۔ صاف کرنے لگا تھا کہ آپ کا خط پایا۔ اچھا معلوم ہوا کہ بطور نمونہ آپ کے پاس بھیج دوں۔ جہاں تک اس مخزن میں محاورات درج ہیں وہ ہنوز ختم یا شان نہیں ہیں۔ آگے ایسے ایسے الفاظ اور محاورے لکھے جائیں گے کہ اہل ہند کے گوش زدہ نہیں ہیں۔ اس نمونہ کو دیکھ کر اپنی رائے قائم کیجئے اور اس کو جلد واپس کیجئے فارسی والی مثنوی اور وہ دستور العمل اور نسب نامہ بالضرور میرے پاس بھیج دیجئے۔ اس نے شعر بغیر ترمیم کے دنیا بھر کو میرا عدو بیکار بنا دیں گے غالباً آپ کبھی اس کو گوارا نہ کریں گے جب تک یہ چیزیں واپس نہ آئیں گی غلط نامہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ جس قدر توقف ہوگا مجھ پر الزام نہیں ہے آپ نے اپنا حال کچھ نہ لکھا۔ کیسے رہتے ہیں، رمضان کیسا کٹا، لڑکا کہاں ہے، مشغولی کتنی ہے، کب تک مجھ سے ملئے گا، سب کا جواب دے کر ممنون فرمایئے۔

دعاگو: سیّد علی محمد شاد ۔ ۲۹ ر ماہ صیام ۱۳۴۱ھ

صاحب مرحوم کو آپ کے خاندان بھر میں آپ کے والد ماجد سے بہت زیادہ تعلق تھا اُن کو ہمیشہ یاد کرتے تھے اور اُن کے نیک اخلاق اور اُن کی کریم النفسی کے ہر وقت معترف رہا کرتے تھے۔ یقیناً اُن کو بھی بہت بڑا صدمہ ہوا ہوگا۔ آپ کی طرف سے میں نے جناب حکیم صاحب مرحوم کے گھر میں لوگوں کو بہت کچھ تسلی و تشفی دی۔ اور وہ سب آپ کے شکر گزار ہیں۔ میں ان دنوں لکھنؤ سے باہر تھا اور اسی وجہ سے والا نامے کے جواب میں تاخیر ہوئی۔ مجھے ندامت ہے کہ لکھنؤ میں بھی ایک اتفاقی اور فوری بیماری کی وجہ سے مجھے ملنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ والسلام

۲۳ر اپریل سنہ ۱۸۹۶ء

میں ہوں آپ کا خادم محمد عبدالحلیم شرر از لکھنؤ

(۳)

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر[1]

دفتر دلگداز لکھنؤ کٹرہ بزن بیگ خاں۔ بندہ پرور تسلیم۔ میں حیدرآباد سے ایک ایسے عجیب عنوان سے نکالا گیا کہ کسی دوست سے ملنے اور رخصت ہونے کا بھی موقع نہیں ملا۔ اب یہاں آکے اپنے پرانے کاروبار کو پھر جاری کیا ہے۔ مطبع کھول دیا ہے جس میں اعلےٰ درجہ کی چھپائی وقت پر ہوتی ہے۔ مولوی شبلی صاحب اور بعض اور معزز اصحاب نے اپنی اپنی کتابیں چھاپنے کو عنایت فرمائی ہیں۔ خدا نے چاہا تو کام چل ہی جائے گا۔ آپ سے بھی اگر کوئی امکانی امداد ہو تو اس میں دریغ نہ فرمائیے۔

ابھی جلدی میں میں اپنی تمام کتابیں اور کل ضروری سامان جو ہمراہ تھا وہیں چھوڑ آیا ہوں اور ابھی تک اس کے منگوانے کا موقع نہیں ملا۔ آپ کے ذریعہ سے جو نوٹس دئے گئے تھے ان کے جوابات آئے ہوں تو براہ کرم میرے پاس بھیج دیجئے۔ اس لئے کہ اب یہاں سے کارروائی کرنے کا ارادہ ہے۔ اور بالکل نہیں خبر کہ ان لوگوں نے کیا ارادہ کیا ہے۔ اور کیا جواب دیئے ہیں۔ براہ کرم ان سب جوابات کو اگر کچھ ہوں تو فوراً بواپسی ڈاک مرحمت فرمائیے۔

مسٹر ہمایوں مرزا کی کتاب پر ریویو لکھنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ اور وہ کتاب وہیں پڑی ہے۔ اور ایسی جگہ کہ مہینوں مجھے نہ مل سکے گی۔ برخوردار صدیق بھی یہاں آ گیا ہے۔ اور وہ ان کتابوں کو جو میرے کتب خانہ کی ہیں مولوی میر طالب الحق صاحب کے مکان میں اپنے ہاتھ سے رکھ کر بند کر آیا ہے۔ اجازت دی جائے تو نکال کر بھیجئے اگر آپ کوئی نسخہ اس ناول کا ارسال فرمائیں تو میں دلگداز میں ریویو لکھ کے شائع کر دوں گا۔ والسلام

۲۹ر دسمبر سنہ ۱۹۰۹ء

خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

(۴)

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر

مکرمی تسلیم۔ نادم ہوں کہ اخلاقی ملاقات سے پہلے مطلب کی بات عرض کرنا پڑتی ہے۔ مگر ملنے کا تقاضا ہی یہ ہے تو کیا کیا جائے۔ مجھے بڑے اور وسیع مکان کی ضرورت ہے اگرچہ یہ ویسی حیثیت نہیں رکھتا۔ سرکار سے کوئی رقم بابت کرایہ مکان عطا نہیں ہوتی۔ اور اپنے سر پہ اس کا بار اٹھانا ہے آپ کی توجہ ہوئی تو یہ بار کسی قدر ہلکا ہو جائے گا۔ میں سو روپے بھی اپنی حالت سے زیادہ پاتا ہوں۔ مگر مجبوراً کسی قدر زیادہ بوجھ اٹھاؤں گا۔ اچھا ہوتا

---

[1] سید ہمایوں مرزا بیرسٹر ایٹ لا فرزند سید الفت حسین فریدؔ ان کی زندگی حیدرآباد میں گزری۔

مولانا عبدالحلیم شرر

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی

(۱)

جناب من۔ السلام علیکم۔ آپ نے اپنے والانامے مورخہ ۴ ر ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ میں جناب حکیم سعیدالدین صاحب قبلہ مرحوم و مغفور کی حسرت ناک وفات کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے بجا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حکیم صاحب مرحوم کی زندگی کا بہت زیادہ حصہ آپ ہی لوگوں میں گزرا۔ اور جس طرح آپ نے ان کو اپنا بنالیا تھا اُسی طرح اُن کو بھی مرتے دم تک آپ ہی کے ساتھ تعلق رہا۔ جس رئیس کے گھر انتقال ہوا وہ بھی آپ کے ایک معزز عزیز ہیں۔ اور اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ جس دن انتقال ہوا ہے عین اُسی تاریخ جناب خلیل اللہ خانصاحب کے گھر کے لوگوں کا علاج کرنے کو جانے والے تھے۔ میں آپ کا نہایت ہی شکرگزار ہوں۔ اور اسی طرح حکیم صاحب مرحوم کے تمام متعلقین آپ کے ممنون ہیں کہ ایسی غم و اندوہ کی حالت میں آپ نے دل دہی اور تسلی دینے کی کوشش فرمائی۔ حکیم صاحب مرحوم کے جن اوصاف کا آپ نے تذکرہ فرمایا۔ وہ اوصاف بے شک ایسے ہیں۔ کہ اُسی طبقے کے بزرگوں کے ساتھ ختم ہوتے جاتے ہیں۔ جس سے خود اُن مرحوم کو تعلق تھا۔ مگر مخدومی میں کہتا ہوں کہ آپ پھر بھی اس عظیم صدمے کو محسوس نہ کرسکیں گے۔ جو اس نیک ذات کے اُٹھ جانے سے ہم لوگوں کو ہوا ہے۔ درحقیقت خاندان ہی بگڑ گیا۔ آپ کو شاید نہ معلوم ہوگا کہ جس خاندان کی یادگار حکیم صاحب مرحوم تھے اُس کی پچھلی یادگار اکیلے وہی تھے اور اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ ضعیفہ اور بیوہ عورتوں کی ایک بڑی جماعت کی خبرگیری وہی کرتے تھے۔ اب اُن لوگوں کی بے کسی کی حالت ایسی نازک ہے کہ خیال کرنے سے بھی دل کانپ جاتا ہے۔ اگرچہ مرحوم کے بعد قدرۃً اُن تمام باتوں کا ذمہ دار میں ہوں مگر ایسی فیاض و نیک ذات کی جانشینی کے لیے بہت سی لیاقتیں چاہیئے ہیں جو مجھ سے ناکارہ شخص میں بالکل نہیں۔ اصل یہ ہے کہ میرے زخم جگر پہ مرہم رکھا جاسکتا ہے مگر اُن لوگوں کے دلوں کو ڈھارس بندھانا امکان سے باہر اور خدا ہی کے اختیار میں نظر آتا ہے جس کو اب مرحوم کے بعد زندگی کے باقی ماندہ ایام بسر کرنا دشوار بلکہ غیر قابل برداشت مصیبت نظر آتا ہے۔ حکیم

میں منظور ہو کے آ جائے۔ مگر ان سب جائدادوں پر اشخاص یہیں سے نامزد ہو گئے ہیں۔ بہر حال شکر ہے۔ میں حضور میں بلا واسطہ عرائض پیش کر سکتا ہوں اور جو لکھتا ہوں اُس کا فوراً جواب ملتا ہے۔ میرے حال پر نظرِ عنایت بھی غیر معمولی ہے مگر باریابی کا موقعہ ابھی ایک ہی بار ملا ہے۔ لیکن صاحب، اور شاہی مزاج کی نزاکت کی یہ حالت ہے کہ اپنے امور متعلقہ کے سوا اور کسی بات کے عرض کرنے کی مجھے یا کسی کو جراٗت نہیں ہو سکتی۔ آئندہ اگر زیادہ صحبت ہوئی جس کے چار پانچ ماہ بعد قطعی اُمید ہے اس وقت شاید کسی اور بات کے عرض کرنے کا موقع بھی مل سکے۔ والسلام

۲۵ رجولائی ۱۹۱۸ء

خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

پیارے صاحب اور اچھے صاحب کی خدمات میں سلام نیاز اور آداب قبول ہو۔ (شرر) محبوب پیلہ جام باغ حیدرآباد دکن

بنام نواب سید علی حسن

(۵)

ملجائے من وماوائے من ابقاہ اللہ الیٰ یوم القرار۔ گرامی نامہ مورخہ ۱۲ راگست باعث افتخار و مایۂ شرف ہوا۔

میرے ماہوار پانچسو روپیہ تاریخ اسلام لکھنے کے لئے فرمان اعلیٰحضرت صادر ہوا تھا کہ جداگانہ ماہوار دی جائے اس پر معتمدی عدالت نے حسب قاعدہ پانچسو روپیہ جداگانہ ماہوار پیش کی۔ اس پر وزیر فنانس مسٹر گلینسی نے لکھا کہ ایک شخص کو دو ماہواریں دینا خلافِ دستور ہے بہتر یہ ہے کہ اس کام کی بابت کوئی سربستہ رقم یکمشت دے دی جائے۔ اعلیٰحضرت نے اس تجویز سے اتفاق کر لیا۔ اور میری تنخواہ وہی رہی جو تھی۔ اور وہ یکمشت رقم خدا جانے کتنی ملے اور کب ملے اور ملے یا نہ ملے۔ کام میں کر رہا ہوں۔

میری نسبت جو کلمات آپ نے فرمائے اُن میں حقیقت سے زیادہ دخل آپ کی محبّتؔ و عنایت کو ہے ورنہ سچ یہ ہے کہ کبرنی موت الکبریٰ اچھے اور لائق لوگ مر گئے اور مجھ سے نالائق خواہ مخواہ مرد آدمی بن گئے۔

اس میں شک نہیں کہ اعلیٰحضرت کی ذرّہ نوازی کا مجھے بیحد شکر گزار ہونا چاہئے کہ مجھ سے ذرۂ ناچیز کو بُلا کے سرفراز فرمایا۔ آپ میری ترقی و بہبود سے خوش نہ ہوں گے جبکہ آپ میرے قدیم محسن کرم فرما اور وہ رئیس قوم ہیں جنہوں نے مجھے سخت ترین افکار دُنیاوی سے نجات دلائی اور میری نادہندی کو آج تک برداشت فرمایا۔

اب کے سفرِ بمبئی کے موقع پر چند روز کے لئے یہاں ضرور تشریف لایئے۔ مگر حیدرآباد عجیب مقام ہے۔ یہاں کی سوسائٹی چند روزہ اور سطحی نظر سے تو بہت ہی اچھی اور شاندار معلوم ہوتی ہے۔ مگر جب قیام کر کے غور فرمایئے تو مسلمانوں کی باہمی عداوتوں ہندوستانیوں و ملکیوں اور مدراسیوں کی باہمی ناسازگاریوں اور سازشوں سے سخت صدمہ ہوتا ہے اور اس کی تکلیف روز بروز اس قدر بڑھتی جاتی ہے کہ کسی گاؤں کا گوشۂ تنہائی اس سے بدرجہا زیادہ محلِ آسائش و اطمینان نظر آنے لگتا ہے۔ اب میں یہاں ہوں۔ آئے دو مہینہ ہوئے ہیں۔ لیکن لکھنؤ کی خاموش زندگی پر یہاں کی سی ہمہ پُرشور زندگیوں کو قربان کرنے کو تیار ہوں۔ روز طرح طرح کی خبریں اڑتی ہیں اور ہزار دروازہ بند کر کے بیٹھئے پہنچ ہی جاتی ہیں۔ اور وہ ایسا بُرا روحانی اثر دل پر پیدا کرتی ہیں کہ نہ کام میں دل لگتا ہے اور نہ جینے میں۔ جسم کے لئے یہاں کی آب و ہوا موافق ہو یا ناموافق اس کا زیادہ خیال نہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ تدبیر

کہ نقصان گوارا فرما کے آپ مجھے (۱۲۵) ماہوار پر مکان دے دیجیے۔ اس مرحمت و نوازش کا شکر گزار ہوں۔ اور ہمیشہ رہوں گا۔ اور ہمیشہ رہین منت رہوں گا۔ والسلام

خاکسار عبدالحلیم شرر

۲۹ رجب ۱۳۳۸ھ

(۵)

بنام نواب سید علی حسن

ملجائے و ماوائے من۔ آداب و نیاز اور السلام علیکم کے بعد بعد ادب عرض ہے کہ گرامی نامہ مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۱۸ء وصول ہو کر باعثِ سرفرازی ہوا۔ میں جو وعدہ کر گیا تھا اس کو بھولا نہیں۔ آتے ہی مولوی سید عبدالمجید صاحب سے اس بارے میں گفتگو ہوئی اور معلوم ہوا کہ اس بارے میں جناب نے اُن سے بھی مراسلت فرمائی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اس معاملہ میں غور کرتا رہا جن خاندانی تعلقات کا جناب نے تذکرہ فرمایا ہے اُن کا پتہ لگانا نہایت دشوار ہے۔ اس لئے کہ جن دنوں کا یہ واقعہ ہے اُس زمانہ میں یہاں دفاتر کی ایسی ابتر حالت تھی کہ کسی اگلے خاندان کا اب پتہ لگانا قریب قریب غیر ممکن کے ہے۔ اور بالفرض پتہ لگے بھی تو حاصل کیا۔ اس لئے کہ اُن کے ثبوت سے کوئی خاص حق حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ رہا یہ امر کہ جناب یہاں توطن اختیار فرمانا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے کسی اجازت کے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص آزادی کے ساتھ یہاں آ کے رہ سکتا اور جائداد خرید سکتا ہے۔ اور توطن اختیار کرنے کے چند ہی روز بعد سے اُسے جملہ حقوق حاصل ہو سکتے ہیں۔ بجز اس کے کہ ملازمت کے لئے بارہ سال تک یہاں مقیم رہنا مشروط ہے۔ مگر یہاں آ جانے اور مکان خرید لینے کے بعد اگر درخواست کی جائے تو یقیناً یہ بارہ سال کی شرط بھی اُڑ سکتی ہے۔ الغرض آپ کے لئے کوئی امر مانع توطن حیدرآباد نہیں ہے۔

لیکن یہ بات کہ آپ کے تشریف لانے سے پیشتر حضور سے کوئی اجازت حاصل ہو تو بقول سید عبدالمجید صاحب کے ایسی درخواست کو اعلیٰ حضرت مشتبہ نظر سے دیکھیں گے۔ اور خیال ہوگا کہ اجازتِ توطن کے پردے میں کوئی اور حق حاصل کرنا مقصود ہے۔ اور ایسے شبہ کا پیدا ہونا اچھا نہیں۔ میرے خیال میں اگر جناب کو یہاں رہنے کا شوق ہے تو عمدہ کوٹھی یہاں خرید لیجیے اور اُس میں آ کے رہنا شروع کر دیجیے۔ اور یہیں کے قیام کے زمانہ میں وہ کوششیں عمل میں لائیے۔ جن کو جناب یہاں آنے سے پہلے کر رہے ہیں۔ آ جانے اور مکان خرید لینے کے بعد سب باتیں بلکہ خود بخود پوری ہو جائیں گی۔

میں یہاں حضور کی سیرۃ لکھنے کے لئے بلایا گیا تھا۔ اور میرا سابق کا وظیفہ ملا کے پانچسو روپیہ ماہوار تنخواہ قرار پائی تھی۔ یہاں آنے کے بعد اس کام کے لئے تین سو تینتالیس ماہوار کا عملہ ملا۔ اور مواد جمع کرنے کی کوشش شروع ہو گئی۔ اور دفتر کا نام دفترِ شوکتِ عثمانیہ قرار پایا۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت کے ایک فرمان سے حکم ہوا کہ مجھ ہی سے ایک مکمل تاریخ اسلام تصنیف کرائی جائے اور اس کی بابت جداگانہ ماہوار دی جائے۔ اس حکم کے مطابق میرے لئے علاوہ ماہوار سابق کے دوسری ماہوار پانچسو روپیہ اور تین سو چوہتر روپیہ ماہوار کا عملہ معتمدی سے منظور کر کے بارگاہِ خسروی میں پیش ہوا ہے۔ شاید آج ہی کل

(۸)

بنام شمس العلماء مولوی سید ممتاز علی صاحب

لکھنؤ - مخدومی و محترمی مدظلہٗ تسلیم۔ یاد فرمائی کا شکریہ - آپ کے ایسے محسن قوم بزرگان وطن کو بے قیمت کتاب دینا اخلاقی و مذہبی جرم تصور کرتا ہوں۔

ریویو کے بارے میں کوئی ضرورت نہیں ہے - اور نہ یہ کتابیں معاوضہ ریویو کے مقصد سے بھیجی گئی ہیں بلکہ میاں سراج نے آپ کو صرف آپ کا ایک کام یاد دلایا تھا۔ یہ جانتا ہوں کہ عشقیہ ناولوں کا عورتوں کے مطالعہ میں آنا ابھی ہندوستانی معاشرے کے تحمل سے باہر ہے۔ لیکن شاید میرا ناول "طاہرہ" اس سے مستثنیٰ ہو سکے۔ فی الحال وہ صوبہ مدراس کے ہائی اسکولوں کے فائنل ایگزامینیشن کے نصاب میں داخل ہو گیا ہے۔ لیکن ایسے امور میں اصرار نہیں ہے۔ یہ آپ کے مذاق اور آپ کے اصول و مصالح پر منحصر رہے۔

میں صحت یاب تو ہو گیا اور کام بھی کرنے لگا۔ مگر دماغ برداشت نہیں کر سکتا اور ڈاکٹروں کی تاکید ہے کہ لکھنا پڑھنا کلیتہً چھوڑ دو - کسی کو خط تک نہ لکھو۔ مگر آپ ہی بتائیے کہ نہ لکھوں پڑھوں تو کیسے جیوں؟

آپ کے صاف ستھرے اور پھریرے حروف دیکھ کر کیا کہوں - کہ اپنے اس گندے اور کثیف خط پر کیسی ندامت ہوتی ہے - مگر کیا کروں خط ہی بگڑ گیا جو میری حالت ناگفتہ بہ سے زیادہ بدنما ہے۔ والسلام

۳۱ جولائی ۱۹۲۶ء   خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

مژدۂ آمد سن کر چشم براہ ہوں - خدا وہ دن لائے - مگر شرط یہ ہے کہ کم از کم ایک دن میرے یہاں قیام رہے - بغیر اس کے نہ ملاقات سے کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ سیری ہوتی ہے۔

(۹)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

یمین السلطنت سر مہاراجہ کشن پرشاد بہادر پیشکار سرکار عالی - بعرض عالی میرساند - صحیفۂ والا نے شرف افتخار بخشا - حسب الحکم والا رجسٹرڈ دلگداز کو جناب کے محترم نامہ سے عزت دی گئی - اور سالہائے گذشتہ کے کل پرچے مرسل خدمت والا ہیں - رسید سے سرفراز فرمایا جاؤں۔

خط اور اخبار سے غم و اندوہ کا اظہار ہوتا ہے - مگر فدوی کو خبر نہیں کہ وہ کیا سانحہ جناب کو پیش آیا جس کی وجہ سے خط کے کونے میرے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ ہیں - مجھے اس واقعہ سے اپنا سچا شریک غم تصور فرما کے ضرور اطلاع دی جائے۔

یہ امر میرے لئے باعث فخر و مسرت ہے کہ جناب نے سر پنجاب کے ریویو کو پسند فرمایا - یہ تو میرا فرض تھا جس کو میں ضرور ادا کرتا

"دلگداز" کو میں نے وی پی نہیں روانہ کیا۔ ۔ ۔ در اصل وہی عام قیمت جو سالہا سال سے لی جاتی ہے اسی کو جناب سے بھی لینا میں جناب کی شان کے خلاف تصور کرتا ہوں - میں چاہتا ہوں کہ سرکار سے "دلگداز" کی کچھ سالانہ تنخواہ مقرر ہو جائے - اور امید ہے کہ سرکار اس درخواست کو قبول فرمائیں گے۔

سے آفاتِ جسمانی سے بچاؤ ہو سکتا ہے مگر یہاں کے روحانی امراض جو آب و ہوا کی تمدنی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں ان کا کوئی علاج نہیں۔ اگر میری صحیح رائے پوچھئے تو میں تو آپ کو ہرگز مشورہ نہ دوں گا کہ یہاں قیام پذیر ہو کے اپنے دلی و روحانی اطمینان کو نقصان پہنچایئے۔

آپ نے شاید سُنا ہو کہ ظفر علی خانصاحب کو برٹش گورنمنٹ نے یہاں نہیں رہنے دیا وہ مع اپنے بیٹے کے گئے۔ اور حضور نے بکمالِ نوازش حکم دیا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھ کے دارالترجمہ کا کام کریں۔ ان کا بیٹا وہیں اُن کا مددگار رہے اور ان کو اپنے سابقہ وظیفہ ماہوار ۱۲۵ ماہوار کے علاوہ تمام ذات کے اور ۱۰۰ ان کے بیٹے کے جملہ ۲۲۵ محاصل ایصال کئے جایا کریں۔ میں اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا اگر میرے لئے یہ حکم ہوتا۔ مگر افسوس کہ ظفر علی خانصاحب کے لئے یہ اچھا نہیں۔ اس لئے کہ برٹش گورنمنٹ شاید ان کی طرف سے زیادہ غیر مطمئن ہے۔

اچھے صاحب اور پیارے صاحب کی خدمت میں میرا اسلام پہنچا دیجئے۔ والسلام

۱۵ر اگست ۱۹۰۸ء	خاکسار محمد عبدالحلیم شرر از دفتر شوکتِ عثمانیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

(۶)

دفتر دل گداز کٹرہ بزن بیگ خاں لکھنؤ۔ مکرمی تسلیم۔ مدت سے نہ آپ کا کوئی خط آیا نہ آپ کی صورت دیکھنی نصیب ہوئی۔ سالانہ دورہ ہندوستان میں آپ کا اب بھی ہوتا ہوگا مگر دفتر ناظر سے آپ کے تعلقات قطع ہو جانے کے باعث میں آپ کی زیارت و محبت سے محروم ہو گیا۔ شاید کوئی میرا گناہ بھی ہو جو مجھ کو نہ معلوم ہو، ایسی صورت میں سزا دینے سے پہلے آپ کو میرا جرم بھی بتا دینا چاہئے۔ بہر حال یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آپ سے اب ملاقات ہونے کی امید ہے یا نہیں، اب میرا مکان بھی اس قابل ہو گیا ہے کہ آپ اس میں ہفتہ عشرہ آرام سے قیام فرمائیں۔ الغرض اس بارۂ خاص میں مطلع فرما کے مجھے امید و بیم کے مخمصے سے نجات دلایئے۔

اس وقت باعثِ تصدیع یہ ہوا کہ میرے ایک عزیز دوست کے عزیز مولوی محمد حسین صاحب نائب مدرس مدرسہ مدہول کئی سال سے وہاں پڑے ہوئے ہیں۔ جو وہاں نہایت پریشان اور اپنے اعزا و احباب سے منقطع ہو جانے کے باعث جلاوطن ہو گئے ہیں۔ ان کے بارے میں چاہا جاتا ہے کہ آپ ان کو اگر اہل پائیں تو خود اپنے دفتر میں بلا لیں، اور اگر یہ مناسب نہ ہو تو پھر اورنگ آباد ہی کے کسی مدرسہ میں مبادلہ کر دیں تاکہ ان کی جان عذاب جلاوطنی سے چھوٹے۔ اور اگر آپ سے ان کو اس آرزو میں کامیابی ہوئی تو میں نہایت ہی شکرگزار اور رہینِ منت ہوں گا والسلام

صدیق اچھا ہے اور آداب عرض کرتا ہے۔ ۱۱ر جون ۱۳ء	خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

(۷)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی تسلیم۔ "روح تنقید"[1] آپ نے بڑی محنت اور قابلیت سے لکھی ہے۔ میں آپ کی اس کوشش کو بہت ہی قابل قدر تسلیم کرتا ہوں۔ اور اردو لٹریچر کی جانب سے آپ کا مشکور رہوں۔ والسلام خاکسار محمد عبدالحلیم شرر [illegible]

---

[1] یہ میری پہلی کتاب ہے جو پہلی بار اوائل ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی تھی
زور

سید محمود

(۱)

بنام وقارالملک

حبیبی مشتاق حسین!

کل ایک بڑا خط لکھ چکا ہوں۔ آج صرف مسعود شاہ خاں کی نسبت لکھتا ہوں۔ امور مفصلہ ذیل پر اون کو غور کرنا چاہیئے:

اوّل۔ یہ کہ مجھ کو اون کے یہاں بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو سررشتہ دار مجھ کو ملا ہے وہ ہوشیار آدمی ہے اور انگریزی داں ہے اوس سے بخوبی کام چلتا ہے۔

دوم۔ مسعود شاہ خاں کو صرف اس صورت میں یہاں بلایا جا سکتا ہے کہ میں اپنے سررشتہ دار کو ولٹو کی منصفی کا منصرم کر دوں۔ وہ عہدہ خالی ہے۔ مگر یہاں بہت امیدوار اوس عہدہ کے ہیں اون کے فرائض پر میں نے اب تک حکم نہیں دیا بعض اون میں کے ظاہرا مستحق ہیں۔

سوم۔ مسعود شاہ خاں کے یہاں آنے میں اون کا دس روپیہ ماہواری کا نقصان ہے۔ اس کے مکافات بالفعل تو ممکن نہیں اور آئندہ بھی تحقیق نہیں بلکہ صرف اوس کا احتمال ہے۔ پچاس روپیہ سے زیادہ کے جتنے عہدہ میرے اختیار میں ہیں اون میں انگریزی دانی ضرور ہے۔ پس جب تک کہ موقع منصفی یا تحصیلداری کا نہ ہو مسعود شاہ خاں کی ترقی عملہ کی حیثیت سے نہیں ہو سکتی۔ نسبت منصفی یا تحصیلداری کے آپ جانتے ہیں کہ بیسیوں آدمی ان عہدوں کے امیدوار ہیں اور ان کا بہم ہونا آسان نہیں ہے اور نہ میں محقق طور پر اس امر کا وعدہ کر سکتا ہوں کہ ایسا عہدہ ضرور مسعود شاہ خاں کو دلوا دوں گا۔ پس درحقیقت مسعود شاہ خاں کو میری خاطر کرنے کے لئے یہاں آنے کا ارادہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اپنا نفع نقصان خود سمجھ لینا چاہیئے۔ مجھ کو اپنی کسی ضرورت کے سبب سے اون کو بلانا نہیں ہے۔ یہ بات میں اس لئے صاف تحریر کرتا ہوں کہ اگر شاید آئندہ میں اون کے لئے کچھ نہ کر سکا تو موجب شکایت نہ ہو۔ میرا اون کے لئے آئندہ کوشش کرنا یا نہ کرنا اون کی کارروائی اور نیک چلنی اور میری خوشی پر منحصر ہے۔ اون کو اگر یہاں آنا بہرحال منظور ہو تو اون کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ ایک محض غیر بلکہ انگریز حاکم کے سامنے کام کرنا ہے اور بالکل اپنا برتاؤ اس ہی خیال پر رکھنا چاہیئے ہوگا۔ ورنہ (گو میرا دل میں خیال کچھ ہو) اگر ظاہری برتاؤ اون کے ساتھ زیادہ خلوص و رعایت کا رکھا گیا بہ نسبت دیگر اہلکاران عملہ کے تو ضرور حسد اور کینہ کی وجہ سے ایسی خرابیاں اور گمنام

فی الحال نئے ناولوں میں حسب ذیل ہیں اگر ارشاد ہو تو پیش کئے جائیں - اوّل رو ستہ الکبریٰ - دوم حسن کا ڈاکو حصہ اوّل - سوم حسن کا ڈاکو حصہ دوم - چہارم اسرار دربار حرام پور -

اس موقع پر مجھے خاصتہً یہ التماس ہے کہ سرکار نے ایک بار تین چار سو روپے کا عطر طلب فرمایا تھا - جو کارخانہ روغن الریاحین سے بھیجا گیا - اور سرکار کے مطبوع طبع شریف بھی ہوا تھا - مگر پھر اس کے بعد سرکار اس کارخانہ کی مربی گری فرمانا بھول گئے - لہٰذا میں بکمال ادب یاددہانی کرتا ہوں کہ عید الفطر کا زمانہ قریب آگیا ہے جبکہ سرکار میں عید کی خریداری لازمی طور پہ ہو گی - اگر اس موقع پر پھر کارخانۂ مذکور کو یاد کیا جائے تو کمال پرورش ہو گی - میں امید رکھتا ہوں کہ اس عنایت سے محروم نہ رکھا جاؤں گا -

سرکار نے لکھنؤ میں آنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا اور اس وقت جو شوق قدمبوسی خاکسار کے دل میں پیدا ہوا تھا - اس وقت تک باقی ہے معلوم نہیں سرکار کا کب تک آنے کا ارادہ ہے - اس سے بھی ضرور اطلاع دی جائے - والسلام

خاکسار محمد عبد الحلیم شرر - ایڈیٹر دلگداز -
لکھنؤ کٹڑہ بزن بیگ خان -

---

(۱۰)

بنام احسن مارہروی

دلگداز آفس لکھنؤ - مکرمی تسلیم - دلگداز کی حسب ذیل جلدیں بابت سنہ ۱۹۰۰ء عـہ سنہ ۱۹۰۴ء عـہ سنہ ۱۹۰۵ء عـہ سنہ ۱۹۰۶ء عـہ سنہ ۱۹۰۸ء عـہ جملہ ؎ نصف قیمت میں ؎ کو وی - پی - روانہ خدمت ہیں - محصول ڈاک اور منی آرڈر فیس ۵ ر جملہ ؎ کا وی - پی - حاضر ہوتا ہے قبول فرمایئے - مولوی عبد الحق صاحب کا پتہ "دفتر معتمدی عدالت و کوتوالی حیدرآباد دکن" کافی ہے - اردو شہ بحر پول کے فروری اور مارچ کے دو پرچوں میں لکھا ہے - جو جناب کی خدمت میں جا چکے ہیں - فروری کا پرچہ نہ ہو تو بھیج دوں میں بڑا خوش ہوا کہ اردو کے متعلق حد بندی کے آپ خلاف ہیں پالیسی تو یہ ہونی چاہئے - کہ اسے ہندو مسلمانوں کے سابقہ اتحاد کی یادگار اور دونوں کی ملکی ثابت کیا جائے - اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ تنگ خیالی سے کام نکلے - رہے آپ کے کمالات و احسانات جو زبان پہ ہیں وہ کسی کے چھپائے چھپ نہیں سکتے -

خاکسار شرر

(۲)

بنام حسین عطاء اللہ[1]

مکرمی!

آپ کا عنایت نامہ ۲۴ ربیع الاوّل ۱۲۹۹ھ میرے پاس پہنچا۔ اوس کا جواب لکھنے سے میں اس وجہ سے قاصر رہا کہ میں نے حیدر آباد کی ملازمت کا تصفیہ نہیں کیا اور مجھ کو امید تھی کہ آخر فروری یعنی آجکل میں وہاں ہوتا۔ لیکن شاید آپ نے سنا ہوگا کہ بڑودہ سے میں سیدھا اپنے والد[2] کے پاس بغرض مشورہ چلا گیا اور تعجیل اس سبب سے کرنی پڑی کہ اس ہی زمانہ تک ہائیکورٹ الہ آباد میں ایک ہندوستانی جج کی تقرری کی خبر محقق معلوم ہوئی بلکہ جب میں الہ آباد پہنچا تو معلوم ہوا کہ رپورٹ روانہ بھی ہو گئی اور حکام ہائیکورٹ نے میرا نام تقرری کے لئے اس لئے نہیں لکھا کہ ان کو خیال تھا کہ مجھ کو گورنمنٹ انگریزی کی نوکری منظور نہیں ہے۔ اس سبب سے یہ ضرورت پیش آئی کہ قبل اس کے کہ وائسرائے اس معاملہ ججی ہائیکورٹ کا فیصلہ کریں میں اپنے تئیں ہائیکورٹ کی ججی لینے پر آمادہ اور راضی بتلاؤں۔ چنانچہ ایک چٹھی اس مضمون کی میں نے گورنمنٹ کو لکھی ہے اور وہ ہائیکورٹ کو واسطے رائے دینے بھیج دی گئی ہے اور چند روز میں وہ مع رائے کے یہاں واپس آوے گی اور پھر تقرری کا فیصلہ ہوگا۔ اس عرصہ میں یہ چاہتا تھا کہ اگر ہائیکورٹ کی ججی بالفعل نہ ملے تو ضرور سرکار آصفیہ کی نوکری مستقل کر لینی چاہیئے اس لئے کہ نواب صاحب نے میرے لئے عمدہ تنخواہ اور نہایت عمدہ پیش قرار سامی تھی۔ لیکن میرے والد جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میرے سرکار انگریزی کی ملازمت سے علیحدہ ہونے کو ناپسند کرتے ہیں اور بعد چوتھ میری گفتگو کے انہوں نے یہ رائے قرار دی کہ نواب صاحب[3] کو اطلاع دے دینی چاہیئے کہ حیدر آباد میں مستقل ملازمت کا ارادہ نہیں ہے۔ آخر کار میں نے نواب صاحب کی خدمت میں ایک عرضی اس مضمون کی لکھ بھیجی اور اب یہ امر فیصل شدہ ہو گیا۔

نواب گورنر جنرل بہادر نے میرے والد کو ممبر ایک بڑے کمیشن کا جو واسطے درستی انتظام تعلیم تمام ہندوستان کے لئے مقرر ہوا ہے اور جس میں بمبئی، مدراس اور میسور اور پنجاب غرض کہ ہر ممالک سے ممبر انگریز یا ہندوستانی آئے ہیں، مقرر کیا تھا چند مخالفت رائے کے سبب سے میرے والد نے اس کمیشن کو چھوڑ دیا اور پھر مجھ کو بلا کر ممبر کمیشن مقرر کر دیا۔ میرے والد جیسا کہ شاید آپ کو معلوم ہو گورنر جنرل کی کونسل میں ممبر دوبارہ ہوئے ہیں اور ان کا ذاتی کام قانونی اس قدر ہے کہ جس میں میری مدد کی ضرورت ہے۔ پس بالفعل مجھ کو یہاں شدت سے کام ہیں اور اس کمیشن میں میرے ممبر ہونے کے سبب سے اور بھی کام میں کثرت ہے۔ میں نے نواب صاحب سے اجازت چاہی ہے کہ تا صدور احکام گورنمنٹ آف انڈیا در بارہ باز انتقال میری خدمات کے، مجھ کو اجازت بطور رخصت مرحمت فرمائیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا مجھ کو بخوشی واپس لے گی۔ بلکہ اس کمیشن میں ممبر کرنا درحقیقت واپس لینا ہے۔ پس میری واپسی خدمات کا حکم صادر ہو جاوے گا۔ مگر تاہم میرا ارادہ ہے کہ صرف بطور ادائے مراسم رخصت و برائے اظہار اس احسان مندی کے جو میرے دل میں نواب صاحب کے ذاتی عنایات سے پیدا ہوئے ہیں اور نیز احباب سے ملنے کے لئے

---

[1] مولوی حسین عطاء اللہ صاحب اس وقت مددگار معتمد عدالت حکومت حیدر آباد تھے۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی انہی کے نواسے ہیں اور یہ خط انہی نے ادارے کو عطا فرمایا ہے۔

[2] سر سید احمد خاں　[3] نواب سالار جنگ مختار الملک وزیر اعظم حیدر آباد۔

عرضیاں وغیرہ پیش آویں گی کہ جو موجب تکلیف کا ہوگا۔ شاید مسعود شاہ خاں سے میں کبھی مثل دیگر اہل کاران عملہ کے نہ ملوں اور اون کو بھی یہ لازم ہوگا کہ یہاں کسی سے اپنی قدیم خصوصیت اور مدت کی ملاقات کا جج صاحب سے ہونا ظاہر نہ کریں۔ مجھ کو امید ہے کہ آپ ان امور میں مجھ سے متفق ہوں گے اور خیال کریں گے کہ مقتضائے مصلحت یہی ہے۔

میں یہ سب باتیں آپ کو اس غرض سے لکھتا ہوں کہ آپ نے مسعود شاہ خان کی سفارش کی تھی اور اس ملک میں سلسلہ ملازمت میں داخل ہونے کو کہا تھا۔ مجھ کو اون کی سہولت اور آئندہ کی ترقی کا خود خیال ہے۔ اون کو میں ایک لائق اور پورا دیانت دار آدمی سمجھتا ہوں۔ گو کہ مجھ کو ذاتی تجربہ اون کے کام کا نہیں ہے۔ اون کے لئے سعی کرنے کا مجھ کو خیال ہے لیکن انسان کی رائے اور خیال ہمیشہ یکساں نہیں رہتا اور میں ذمہ داری اس بات کی نہیں لے سکتا کہ خواہ مخواہ ضرور منصف یا تحصیلدار کر دوں گا۔ اصل یہ ہے کہ یہ سب امور موقع اور خوشنودی پر منحصر ہیں۔ میرا خیال اون کی طرف کچھ ہی ہو اون کو برتاؤ میرے ساتھ یہاں اس قسم کا رکھنا چاہئے کہ گویا مثل دیگر عام اہلکاران عملہ کے ہیں اون کو سمجھتا ہوں

آپ اس خط کو بذریعہ رجسٹری شدہ خط کے مع اپنی رائے کے مسعود شاہ خاں کے پاس بھیج دیجئے اور اون سے ایک ایسا جواب میرے نام لکھوا کر (رجسٹری شدہ) روانہ کرائیے کہ جس کے پڑھنے سے میری طمانیت اس بات کی ہو کہ

(۱) وہ بلا لحاظ میری خاطر داری کے اپنا نفع و نقصان کو سوچ کر آتے ہیں۔

(۲) آئندہ کی ترقی کا وعدہ میں نہیں کرتا۔

(۳) برتاؤ کا طریقہ بالکل بطور غیر کے رہے گا۔

جس وقت میرے پاس ایسا خط اون کے ہاتھ کا لکھا ہوا آ جاوے گا فوراً پروانہ تقرر بھیج دوں گا اور اگر انہوں نے آنے سے انکار کیا تو میں دوسرے کسی شخص کو مقرر کر دوں گا۔ بہرحال اس کا جواب از حد جلد آنا چاہئے۔

مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کو کل ایک خط مشورہ طلبی مسعود شاہ خاں لکھا تھا لیکن پھر آج تار دے دیا کہ تاوقتیکہ دوسرا خط نہ پہنچے روانہ نہ کریں۔

مولوی سمیع اللہ خاں صاحب نے میرے خط کے جواب میں صرف اس قدر لکھا کہ مسعود شاہ خاں میرے پاس آنے پر راضی ہیں" جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ میری خاطر سے اپنا نقصان دس روپیہ ماہواری کا قبول کرتے ہیں۔ یہ مجھ کو منظور نہیں ہے نشیب و فراز وہ خود سمجھ کر جواب لکھیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس غیر آئین ملک میں آنے سے شاید شمال و مغرب کی بہ نسبت ترقی آئندہ کا زیادہ موقع ہو مگر یہ خود اون کے سمجھنے کی بات ہے۔

اگر وہ چاہیں تو اس ملک میں ابھی فوراً آ ویں۔ آئندہ کبھی مجھ کو موقع ملے گا تب بلا سکتا ہوں۔ اس عرصہ میں شاید یہ بھی معلوم ہو جاوے گا کہ منصفی اور تحصیلداری کی نسبت کچھ قواعد بنتے ہیں یا نہیں اور اگر بنتے ہیں تو کیا۔

بہرحال یہ سب باتیں مسعود شاہ خان خود سمجھ کر جواب لکھیں۔ جہاں تک ممکن ہو اس امر میں عجلت فرمائیں۔

خاکسار: سید محمود۔ رائے بریلی ۹ راگست ۱۸۷۹ء

آپ اس خط کو اگر مسعود شاہ خان کے پاس بھیجیں تو رجسٹری شدہ لفافے میں بھیجئے گا اور وہ بھی مجھ کو رجسٹری شدہ جواب رائے بریلی بھیج دیں۔

(۳)

<u>بنام مولوی حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی</u>

مکرم بندہ!

بعد سلام مسنون ملتمس ہوں کہ میں بذریعہ جداگانہ پاکٹ پوسٹ کے آج کی ڈاک میں اپنی رائے بابت چند امور مندرجہ کاغذات ایجنڈا کارروائی اجلاس بجٹ میٹنگ ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم معینہ ۲۷ راکتوبر ۱۹۰۱ء آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔

(۱) وہ جملہ آراء مقدم امور متعلقہ کالج کے ہیں اور میں نے ان کو صریح اور مفصل خاص برائے ملاحظہ ٹرسٹیان اور ان کی توجہ تحریر کیا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ ان پر غور اور توجہ فرماویں گے (۲) دیگر چند مدات کی نسبت بھی میں نے رائے لکھی ہے جو عنقریب چھپ کر آپ کی خدمت میں پہنچے گی (۳) اگر آپ نے قبل ملاحظہ اس رائے کے اپنے ووٹ روانہ کر دیئے ہیں تو میں عرض کرتا ہوں کہ از روئے جدید قاعدہ دفعہ ۲۳ ترمیم شدہ کے جو نوٹس کی پشت پر بصفحہ نمبر ۲ چھپ کر شائع کیا گیا ہے آپ کو اختیار ہے کہ اپنی رائے ترمیم کریں یا بدل کر آنریری سکریٹری کے پاس بمقام علی گڑھ بھیج دیں کہ وہ شمار میں آویں گے —

(۴) ازراہِ عنایت ان کاغذات کی رسید میرے پاس بمقام سیتاپور ارسال فرمائیں۔

راقم نیاز مند سید محمود۔ سیتاپور۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۱ء

اس کمیشن کے کام سے فارغ ہو کر ماہ اپریل یا مئی میں چند روز کے لئے حیدرآباد آؤں گا۔ امید کہ آپ سے بھی مسرت ملاقات حاصل ہو گی۔ آپ کے اور مولوی محمد صدیق[1] صاحب کے اخلاق اور عنایت مجھ کو ہمیشہ یاد رہے گی۔ گو کہ اب حیدرآباد میں میری ملازمت نہ ہوگی۔

درباره کاغذات وغیرہ کے۔ سب کاغذات جو میرے لئے مرتب ہوئے تھے ان میں کاغذات اصلی سرکاری دفاتر کے بہت کم ہیں۔ وہ سب مولوی مہدی علی صاحب[2] کے پاس بھجوا دئے جائیں گے۔ آپ ان سے مانگ لیجئے۔ چند کاغذات وغیرہ جو خاص میرے لئے لکھے گئے ہیں ان کو میں پھر ایک دفعہ پڑھنا چاہتا ہوں۔ حقیقت میں میرے دل میں بہت سے خیالات درباره طرز انتظام عدالت وغیرہ قائم ہو گئے ہیں اور ان سب کو بہ ترتیب لکھ کر نواب صاحب کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس کمیشن کے کام سے ذرا مہلت ملے تو اس یادداشت کو مکمل طور پر تیار کر لوں گا۔ تب جملہ کاغذات آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ بالفعل جس قدر کاغذات وگشتیات متعلق دفاتر ہیں اور وہ میں نے آپ سے مستعار لی تھیں وہ سب مولوی مہدی علی صاحب آپ کو واپس دیں گے اور جو کاغذات خاص میری مدد کے لئے آپ نے تحریر فرمائے تھے وہ میں تھوڑے عرصہ کے بعد واپس کر دوں گا اگر آپ کو تکلیف یا ہرج نہ ہو۔

مجھ کو اس بات کا نہایت رنج ہے کہ میرا مستقل طور پر حیدرآباد میں رہنا نہ ہوا۔ لیکن درحقیقت اگر مجھ کو ہائیکورٹ کی ججی مل جاوے تو اس کے مقابلہ میں جو تنخواہ کہ حیدرآباد میں مجھ کو مل سکتی تھی وہ کم ہے اور قطع نظر ججی ہائیکورٹ کے مجھ کو ملک اودھ میں پانچ سات سال کے بعد کمشنری کی توقع ہے۔ لیکن جہاں تک میری ذاتی خواہش تھی وہ حیدرآباد کے انتظام میں شرکت کی تھی اور درحقیقت جس قدر عمدہ انتظام وہاں ہو سکتا ہے کسی ہندوستانی ریاست میں ممکن نہیں ہے اور چونکہ مسلمانی ریاست ہے اس کے انتظام میں سعی کرنے کی میرے دل میں ہمیشہ سے خواہش ہے۔

افسوس ہے کہ یہ امید پوری نہ ہو سکے گی۔ گو کہ کچھ وجہ نہیں ہے کہ اگر نواب صاحب توجہ فرماویں تو اب بھی کیوں عمدہ انتظام نہ ہو سکے مگر چند اصول انتظام کے اختیار کئے بغیر انتظام ممکن نہیں ہے۔

بہر حال اپنے خیالات اور آرا اپنی یادداشت میں انشاء اللہ مفصل ظاہر کروں گا اور آپ بھی شاید اس کو دیکھیں گے۔

جب تک یہ تعلیم کا کمیشن یہاں اجلاس کرے گا جب تک مجھ کو یہاں رہنا لازم ہے۔ مولوی محمد صدیق صاحب کی خدمت میں سلام و نیاز پہنچے۔ امید ہے کہ بفضلہ تعالیٰ آپ بخیریت ہیں۔

خاکسار محمود۔ کلکتہ ۲۷ر فروری ۱۸۸۲ء

---

[1] مولوی محمد صدیق عمار جنگ اول اس وقت معتمد عدالت حیدرآباد تھے۔ نواب مختار الملک ان کو اور ان کے بڑے بھائی رفعت یار جنگ اول کو بہت چاہتے اور ان پر اعتماد کرتے تھے چنانچہ اپنے بھانجے اور داماد مکرم الدولہ کے ہمراہ انہی رفعت یار جنگ کو اتالیق بنا کر انگلستان روانہ کیا تھا۔

[2] مہدی علی محسن الملک اس وقت حیدرآباد میں معتمد تھے اور بہت بااثر۔

(۲)

بنام احسن مارہروی

جناب بندہ۔　　(از جلیسر)

آج آپ کا پھر تقاضا پہنچا۔ اتنے بھاری سفر سے بیٹھا جاتا ہوں۔ باوجودیکہ آپ کی یہ تحریر مجھے اڑائے چلنے کو بہت کافی تھی مگر ہمت نہیں پڑتی۔ گرمی کی وجہ سے غزل نہیں کہی جاتی۔ نہایت مجبوری ہے۔ آج مولوی صاحب کو بھی خط لکھتا ہوں اگر وہ معاف فرمادیں تو بہتر ہے۔ نالش کے قصد سے باز نہ آؤں گا۔ آپ جہاں ہوں گے بذریعہ کمیشن اظہار کراؤں گا۔ مولوی محسن صاحب نے جوابات اعتراض متعرض لکھے ہیں۔ آپ نے نہ لکھے تو خیر حضرت ناصح صبر ہے

۱۶ر جون ۱۹۰۳ء　　حیات بخش رسا

(۳)

بنام احسن مارہروی

یاحضرت۔　　(از فرخ آباد)

میں نے مشاعرہ بین پوری غزل آپ کی خدمت میں روانہ کی۔ اس پر اصلاح تو درکنار رسید غزل سے بھی اعزاز نہیں بخشا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا باعث ہوا۔ میں بخیریت ہوں۔ لیکن میرے گھر میں بہت طبیعت خراب ہے تین ماہ رخصت کی درخواست دے دی ہے۔ بعد ایک ہفتہ کے بغرض علاج دہلی جاؤں گا۔ باقی آئندہ

۲۳ر ستمبر ۱۹۰۶ء　　حیات بخش رسا

(۴)

بنام احسن مارہروی

مکرم۔　　(از فتح گڈھ)

وہ امیر حسن صاحب کا خط آیا دیکھا۔ آؤنگا آؤنگا آپ کیوں کہا آؤں گا۔ مگر آج خط مولوی نور الحسن صاحب کابین پوری سے آیا۔ کہ سید علی احسن صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ شرکت مشاعرہ ۲۹ر ستمبر ۱۹۰۷ء نہیں کر سکتے اس لئے قبل ۷ر اکتوبر کوئی تاریخ مقرر فرمائیے۔ مجبوراً جب یہ دیکھا کہ آپ کے ہی لئے مشاعرہ ہوا اور آپ ہی نہ آئیں تو مجبوراً ۶ر اکتوبر یوم اتوار کے لئے آج صبح سے کوشش کی گئی۔ میر طاہر علی صاحب نے یہی کہا کہ بغیر ان کے یعنی آپ کے ہم شریک مشاعرہ نہ ہوں گے۔ اس لئے مجبوراً ۶ر اکتوبر مقرر کی گئی۔ اور جا بجا خط جا چکے تھے۔ اب پھر ترمیمی خط بھیجے جاتے ہیں۔ ۶ر اکتوبر کو تو کوئی عذر آپ کو غالباً نہ ہوگا۔ میں نے ترمیمی خطوں میں سب جگہ آپ کا حوالہ لکھ دیا ہے کہ وہ نہیں آسکتے اس لئے ۶ر اکتوبر مقرر ہوئی۔ جواب بواپسی ڈاک دیجئے۔ امیر حسن صاحب کو بھی اطلاع کر دیجئے فقط

۱۵ر ستمبر ۱۹۰۷ء　　حیات بخش

(۵)

بنام احسن مارہروی

مکرم۔　　(از فتح گڈھ)

آج مالیر کوٹلہ سے خط آیا۔ میں نے پہلے جو خط مالیر کوٹلہ بھیجا تھا۔ آپ کی بیحد تعریف لکھ دی تھی۔ اور عرض کیا تھا کہ تعجب ہے کہ حضور نے ان کو طلب نہیں فرمایا۔ آج کے خط میں لکھا ہے کہ حضرت احسن کو بھی۔ ار جنوری

منشی حیات بخش رسا

بنام احسن مارہروی

(۱)

سید صاحب مکرم ۔

آپ کا کارڈ صادر ہوا ۔ اس سے پہلے جناب طپش کا کارڈ بھی پہنچ چکا تھا۔ نسخۂ مطبع سے کم آئے اور قیمتاً۔ اس لئے صرف ایک نسخہ پر اکتفا کیا گیا ۔ بھیجتا ہوں ملاحظہ سے گزرے گا۔ اور حضرت طپش کو بھی ملاحظہ کرا دیجئے اس تضمین کی بابت دو خط مولوی محمد محسن صاحب کے بھیجتا ہوں اور ایک کارڈ لکھنؤ کا آیا ہوا جس میں مولوی صاحب کی تحریر اور لکھنؤ کی تحریر میری تضمین کی بابت قابل ملاحظہ ہے ۔ اور یہ خطوط میں نے سنداً اپنے پاس رکھے ہیں ۔ مجھے بعد ملاحظہ واپس فرما دیجئے ۔ صرف آپ کے دیکھنے کے لئے بھیجتا ہوں ۔ اور ایک اور سند ہے جس کو آپ نے اپنے قطعہ تاریخ میں لکھا ہے ۔ کہ نہ ہوگا رسا کے برابر کوئی ۔ یہ بھی میرے واسطے سند ہے ۔ جو لوگ مارہرہ میں طبع آزمائی کر رہے ہیں ۔ ان کی کیا بات ہے ۔ میں تو ایک سیدھا سچا بلا پیچ و تاب کے لکھنے والا آدمی ہوں ۔ اتفاق سے لوگوں کے کچھ پسند آ جاتا ہے ورنہ آپ جانتے ہیں کہ سیدھی ڈگر پسند کرنے والا آج کل کوئی نہیں ہے مضمون آفرین لوگوں کی زیادہ پوچھ ہے ۔ یہ آپ لوگوں کی عنایت اور قدردانی ہے ۔ کہ مجھے بھی شاعروں میں شمار کر رکھا ہے ۔ تینوں کارڈ واپس فرمائیے ۔ مگر اچھی طرح پڑھ کر ۔ آپ ۲۹ محرم کے بعد کہاں تشریف لے جاویں گے ۔ نہایت صدمہ آپ کی مفارقت کا ہوگا ۔ ابھی گرمی پڑتی ہے ۔ بارش ہونے پر جاتے تو اچھا تھا ۔ اور جاتے ہو وہاں جہاں خیال پہنچنا بھی دشوار ہے یہاں کہیں ہوتے تو مل آیا کرتے ۔ کل ایک کارڈ سید کلب احمد صاحب کا ایٹہ سے آیا ۔ تنہا تو مانگتے نہ تجھی کو خدا سے ہم ، یہ طرح قائم کر کے ۷ اپریل مقرر کی ہے ۔ اور مجھے طلب فرمایا ہے ۔ آپ تشریف نہیں لاویں گے تو میں وہاں جا کر کیا کروں گا ۔ لہذا فوراً مطلع فرمائیے کہ آپ ایٹہ تشریف لاویں گے یا نہیں ۔ یہ مصرع جو طرح کیا گیا ہے میرا ہے ۔ میرے پانچ چھ شعر اس میں پہلے سے ہیں ۔ اب اور کہہ رہا ہوں مگر اب آگے کو بڑھنے کی امید نہیں ہے ۔ باقی کیا لکھوں ۔ طپش سے کہنا کہ کمبخت تو نے یہ نہ پوچھا کہ اس نازنین زہرہ جبیں کے پیچھے تیری کیا حالت ہے جس نے بازشہر سے اور محمد آباد تک بسمل کر دیا اور تڑپتا چھوڑ گئی ۔ جواب فوراً مرحمت فرمائیے ۔ اور میری اسناد یعنی ہر سہ خطوط بعد ملاحظہ واپس فرمائیے ۔ اس کے ساتھ دلبر ، طپش سب کو سلام پہنچے ۔ ۱۲ اپریل ۱۹۰۴ء رسا

کسی بے درد نے کیا پیار کیا ہے تم کو — پڑ گئے نیل جو یوں پھول سے رخساروں میں
طلبِ بوسۂ رخسار کا مجرم ہوں میں — جھونک دو مجھ کو دہکتے ہوئے انگاروں میں
آپ کے ملنے سے شہرت ہے جہاں میں اسکی — انگلیاں اٹھنے لگیں غیر پہ بازاروں میں
جان دی جنبشِ ابرو پہ ہمیشہ ہم نے — منہ نہ موڑا کبھی چلتی ہوئی تلواروں میں

اے رسا رشک سے ہے اہلِ سخا کا دم بند
میرے آقا کی وہ سرکار ہے سرکاروں میں

حیات بخش رسا
۱۰ راپریل ۱۹۰۸ء

بنام احسن مارہروی

(۷)

مکرم بندہ - آداب نیاز -

آپ کا گرامی نامہ معہ ایک کارڈ کے پہنچا کارڈ دیکھ کر سخت حیرت ہے کہ ایسا کون آپ کا دشمن ہے جس نے ایسی لغو کارروائی کی ہے - یہ بالکل غلط ہے کہ آپ کے خلاف کوئی بات مشہور ہو - نہ خدانخواستہ آپ کے کلام کی بابت میں نے کسی سے چرچا سنا - نہ کسی کی مجال اور ہستی ہے کہ میرے منہ پر آپ کی بابت کچھ کہہ سکے نہ یہ میری حمیت کہ میں اس کو سن سکوں - یہ کسی ایسے بدمعاش کا کام ہے - جو آپ سے در پردہ بغض رکھتا ہے - یا جس کو یہ اندیشہ ہو کہ یہ یہاں آئے تو میرے حالات کہہ کر میرے حق میں کانٹے بو جائیں گے - یا مجھے ان کے آنے سے کوئی نقصان پہنچے گا - اندیشہ یا خطرہ ہے - حافظ صاحب جو آپ کے پاس سے آئے وہ میرے پاس بھی پرسوں آئے تھے - وہ رامپور میں ایسے شخص نہیں ہیں کہ کسی ایسے آدمی کو جانتے بھی ہوں - جو ایسے بد اور نطفہ حرام ہیں اور انہوں نے اگر کسی سے تذکرہ آپ کی آمد کا کیا بھی ہو تو سننے والے کو ایسی کیا غرض تھی - کہ آپ کو ایسے جھوٹے حالات سے اطلاع دینا اور آپ کے دل کو تکلیف پہنچانا بہرحال آپ خود عقلمند اور قابل ہیں اس کا فیصلہ آپ اپنے دل میں فرما سکتے ہیں - اور ذرا بھی اس کا خیال نہ فرمائیے - یہاں کوئی شخص برائے نام بھی آپ کے خلاف نظر نہیں آتا - اور اگر آپ کا مخالف بھی ہو یا آپ کے کلام سے رغبت نہ رکھتا ہو - تو یہ کسی کی مجال یا ہستی نہیں ہے کہ ایسا عمل کر سکے جو کارڈ میں درج ہے - یہ کارڈ مصنوعی کسی پختہ کار کا ہے - یہاں والے کا نہیں ہے - میرے نزدیک میری اس تحریر کو کسی پر ظاہر نہ فرمائیے - میں نے وہ کارڈ احتیاط سے رکھ چھوڑا ہے جب آپ تشریف لائیں گے اس وقت اس کی بابت میں اور آپ بات چیت کریں گے - جاورہ سے واپسی کی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہے ٹیلیگرام آئے گا اسی وقت یا تشریف آوری کے بعد آپ کو مطلع کروں گا - بلیش کل شام کو یہاں سے مارہرہ گئے - وہ آپ سے ملے ہوں گے - ان سے میرے نزدیک آپ اپنے یہاں آنے کے متعلق کوئی بات یا مشورہ نہ فرمائیے - اگر آپ اپنے ساتھ مشفقی سید امیر حسن صاحب دلبر کو بھی لائیں تو عجب لطف ہو گا - باقی خیریت -

۱۱ مارچ ۹ء — راقم نیاز - رسا -

کے لئے مدعو کیا ہے اس سے نہایت خوشی ہوئی۔ لیکن ایک بڑی رنج ہے کہ رامپور سے کل خط آیا ہے وہ مجھے بہت جلد طلب فرماتے ہیں۔ یعنی قبل ۲ ارکے۔ اب جیسی رائے ہو سکندر آباد اطلاع دیجئے۔

۱۰ر جنوری ۱۹۰۶ء　　　حیات بخش

---

(۶)

بنام احسن مارہروی

مکرم بندہ۔　　　(از مقام رامپور)

تسلیم نیاز۔ والا نامہ صادر ہوا۔ معزز فرمایا۔ کئی روز سے عدیم الفرصت تھا۔ اور مضطر صاحب پر جو پریشانی تھی۔ اس میں شریک تھا۔ مضطر صاحب کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔ اور اس کے تین روز بعد ان کے گھر میں بخار و نمونیہ کے مرض میں مبتلا ہوئیں۔ آٹھ روز سخت علیل رہ کر کل شب کو زچہ نے انتقال کیا۔ لڑکا زندہ ہے۔ آج مضطر صاحب بحصول رخصت دو ہفتہ سب بال بچہ لیکر گوالیار ان کے ننھال میں پہنچانے گئے ہیں۔ بچارے کو یکایک نہایت پریشانی و زیر باری کا سامنا ہوا۔ مرضی خدا۔ مجھے فی الحقیقت سوائے دربار داری کے اور کچھ کام نہیں ہے۔ وہ بھی شب کو گھر رات کے جاگنے سے دن میں کسلمند رہتا ہوں۔ عادت پڑتی جاتی ہے اس لئے غزل کہنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ جب کوئی فرمائش یا حکم صادر ہوتا ہے تو کہہ لیتا ہوں۔ ورنہ ضرورت بھی ایسی کیا ہے۔ حکماً عروض ایک استاد سے دیکھتا ہوں۔ اور بھی اسی فن کے متعلق کچھ وقت صرف کرتا ہوں۔ دیکھئے کچھ آتا ہے یا نہیں۔ وکالت شروع کر دی ہے کچہری جاتا ہوں۔ لیکن ابھی کچھ کام چلا نہیں ہے۔ رفتہ رفتہ چلے گا۔ حکام سب عنایت کرنے لگے ہیں سرکار کی پرورش اور خاوندی دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ خدا ان کو سلامت رکھے۔ باقی خیریت ہے۔ سید امیر حسن صاحب کو تسلیمات کہہ دیجئے۔ غزل بھیجتا ہوں۔ مکرر یہ کہ جو شعر خراب ہو یا پھیکا ہو فوراً نکال دینا۔

غزل حیات بخش رسا صاحب وکیل دربار رامپور شاگرد فصیح الملک دہلوی

گوندھ لینا دلِ عشاق نہ تم ہاروں میں　　　پھول کھلتے ہوئے رہ جائیں گے گلزاروں میں
مفت بھی دل نہیں لیتا کوئی بازاروں میں　　　اک تمہیں تم نظر آتے ہو خریداروں میں
جس کو خود رحمتِ باری نہ منانے آئے　　　وہ گنہگار بھی ہے کوئی گنہ گاروں میں
لاکھ پردے میں چھپے پر بھی ہوئے تم رسوا　　　گھر میں بیٹھے ہوئے مشہور ہو بازاروں میں
اپنے عشاق کو گھر سے نہ نکالو اپنے　　　گر سزا دینی ہے جن وہ انہیں دیواروں میں
کھل گیا فیصلۂ روز جزا کا عقدہ　　　کہ خدا بھی ہے بتوں کے ہی طرفداروں میں
لطف ہو حشر میں زاہد کو جو یوں دیکھوں میں　　　کہ گنہ گار سے بیٹھے ہیں گنہ گاروں میں
کس سے زنداں میں اسیری کے طریقے سیکھیں　　　کوئی کمبخت نہیں اگلے گرفتاروں میں
تجھ کو اس رنگ کی جنت میں ملے یا نہ ملے　　　محتسب دیکھ تو کیا چیز ہے میخواروں میں
تم عیادت کو نہ آنا کہ برائے تعظیم　　　طاقت اٹھنے کی نہیں ضعف سے بیماروں میں

روز ہوئے میں ان کے مکان پر صبح کے وقت معمولاً بیٹھا تھا طپش کا خط بھوپال سے ان کے نام آیا تھا۔ طپش نے مجھے اُن سے دریافت کیا تھا۔ چنانچہ وہ خط موم صاحب بہادر نے مجھے دکھایا جو نہایت طول طویل تھا۔ اور اس سے پہلے مضطر صاحب سے بھی طپش مذکور کی خط و کتابت ہے۔ مضطر صاحب کا خیال ان کی طرف اچھا ہے۔ اور جب ان کا خیال اچھا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ موم صاحب بہادر کا خیال اچھا نہ ہو۔ مجھ سے موم صاحب بہادر ان کا حال پوچھتے تھے۔ میں نے جہاں تک زبان نے یاری دی۔ ان کے حالات عمدہ طور پر بیان کر دئے۔ میں ملیح آباد چلنے کی بابت کیا عرض کروں۔ آپ کے حکم سے گریز نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ مالیر کوٹلہ جانے کو روکا گیا تھا۔ خیر وہ تو ابتدائی حالت تھی۔ مولوی عبدالوحید صاحب نے جو مشاعرہ مین پوری میں کیا تھا۔ انہوں نے مجھے خط لکھا۔ اور ایک درخواست حضور پر نور نواب صاحب بہادر دام اقبالہ کو میری شرکت کے لئے بھیجی۔ لیکن وہ قطعی نامنظور ہوئی یہاں جو مشاعرے ہوتے ہیں۔ ان میں مہتمم مشاعرہ کی درخواست بندگان حضور میں پیش ہوتی ہے تب کہیں شرکت نصیب ہوتی ہے۔ ویسے کہیں جانے آنے کی ممانعت تھوڑا ہی ہے۔ رخصت بھی مل سکتی ہے لیکن چونکہ مولوی بشیر احمد خاں صاحب ایک رئیس ہیں اور لکھنؤ کا قرب ہے۔ اور میرا نام بھی اب مخفی نہیں رہا اس لئے اگر کسی اخبار نے میری موجودگی مشاعرہ کی لکھ دی تو میرے لئے خرابی ہے اور صاف صاف اجازت مشاعرہ کے لئے لی جائے تو ناممکن۔ اس بارہ میں جیسا آپ کا ارشاد ہو تعمیل کی جائے۔ مجھے کسی صورت سے عذر نہیں ہے۔ غزل ضرور لکھوں گا۔ یہاں اکثر مشاعرے ہوتے ہیں۔ فی الحال کرنیل صاحب بہادر کے مکان پر ۴ رجون کو عام مشاعرہ ہے اور اسی طرح ۱۱ رجون کو موم صاحب بہادر کے مکان پر۔ طرح کرنیل صاحب بہادر کے یہاں۔ ع چپکے چپکے مجھے دشنام دئے جاتے ہیں۔ دشنام۔ پیغام۔ قافیہ ہے۔ موم صاحب بہادر کے یہاں۔ پھڑکتی ہے ہماری آنکھ اب کوئی خوشی ہوگی ، خوشی قافیہ ہے۔ اطلاعاً عرض کیا۔ باقی حال میرا اچھا ہے۔ روز شب کو ۹ بجے جاتا ہوں بارہ بجے ایک بجے آتا ہوں۔ دربار کی حالت نہایت عمدہ قابل دید ہے۔ سرکار کی مدح سے زبان قاصر ہے۔ باقی خیریت ہے۔ ہمیشہ تابعدار کو تابعدار خیال فرما کر یاد فرماتے رہیئے دلبر صاحب کو تسلیمات۔ کبھی کبھی بخیریت سے مطلع فرمایا کیجئے۔ اور سید مقبول حسین صاحب کی خیر و عافیت مزاج سے بھی اطلاع دیجئے فقط

۲۵ رمئی　　　　　　　　رسا

---

(۱۰)

<u>بنام احسن مارہروی</u>

حضرت جی　　　　　　　　(از ریاست رامپور)

آداب بجا لاتا ہوں۔ میں جس روز سے جدا ہوا۔ میں نے آپ کو اپنے حالات سے مطلع نہیں کیا۔ یہ توقف قصداً تھا بلکہ سہواً یا کسی اور وجہ سے نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ کہ میں اپنی حالت پر مطمئن نہ تھا اور ایسا غیر مطمئن تھا کہ اپنی حالت آپ کو بھی کہتے ہوئے بار معلوم ہوتا تھا لیجئے سنئے۔ ۱۵ رجنوری کو عید الضحیٰ کے روز یہاں پہنچا۔ ۱۸ رجنوری تک سلام کی نوبت نہ آئی۔ ۱۹ رکو سلام ہوا۔ کلکتہ جانے کی طیاریاں تھیں۔ وائسرائے کا تار آیا کہ زیادہ جماعت لانا ضرور نہیں ہے

(۸)

بنام احسن مارہروی

بھائی صاحب کرم تسلیم　　　　(رام پور)

آپ کا والانامہ ۲۹ رجون کا لکھا ہوا۔ آج ۸ رجولائی کو دیکھ رہا ہوں۔ میں نینی تال تھا۔ کیونکہ سرکار بدولت نینی تال پر ہیں۔ صرف پیروی مقدمات کی غرض سے بمشکل اجازت لیکر آیا ہوں۔ آپ کے خط میں جو کچھ لکھا ہے اس کو میں بھی بدل و جان تسلیم کرتا ہوں۔ اور خدا کی قسم آپ کی اس تحریر سے میں بیحد متاثر ہوا۔ لیکن کیا کیا جائے۔ جب کوئی اپنے کمینہ پن سے باز نہ آئے۔ تو اس کے لئے علاج سوائے سرزنش کے اور نہیں ہے۔ چنانچہ اس کا کچھ ظہور ہو رہا ہے۔ اور آئندہ جو ہوگا وہ آپ جلد سن لیں گے۔ آپ کی پچھلی تحریرات جن میں ان حضرات کی تعریف کے دفتر میں پیش کر چکا۔ یہ معاملہ بالبحث تھا کہ وہ آپ کے کتنے کے نوکر رہے۔ جس سے یہ ثابت کرتا ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ کے نمک خوار قدیم ہیں۔ اور آپ کے ساتھ اس نے کیا کیا گستاخی اور نمک حرامی کی۔ جو کچھ ان کے ساتھ اس وقت تک برتاؤ ہوا وہ خود آپ سن لیں گے۔ میں لکھوں گا۔ تو یہ ٹھہرے گا کہ بوجہ رنج کے جھوٹ سچ لکھ دیا ہے۔ ۲۴ گھنٹہ کے اندر نقل مکان و محلہ کرنا پڑا۔ اور کیا اور کیا۔ غرضیکہ آیندہ لکھنا مناسب نہیں ہے۔ یہاں تمام شہر میں اس کمبخت نے یہ مشہور کیا ہے کہ احسن صاحب کا یہ فعل ہے کہ رسا پر اعتراض کیا۔ میرا خیال یہ نہیں ہو سکتا۔ لاحول ولا قوۃ۔ ایسے پاجی کے قول کو کیوں کر مان سکتا ہوں۔ فقط۔

۸ رجولائی ۱۹۱۰ء　　　　رسا

(۹)

بنام احسن مارہروی

مکرم بندہ۔ آداب نیاز۔　　　　(از مقام ریاست رامپور)

والانامہ صادر ہوا۔ معزز کیا۔ پہلے خط میں آپ کی کوئی بات جواب طلب نہ تھی اس لئے کسی قدر اس کے جواب میں تساہل ہوا۔ پھر خط لکھنے والا ہی تھا کہ یکایک میری لڑکی ایسی علیل ہوئی۔ کہ اب تک طمانیت سے نہیں ہوں بہت چھوٹی چیچک نہایت خفیف بعد تین دن بخار آنے کے نمودار ہو کر ڈھل گئی۔ اس کے بعد بخار جم گیا یہاں تک کہ کئی روز بے آب و دانہ غافل رہی۔ ایک حکیم صاحب یہاں بڑے نامی ہیں انہوں نے علاج کیا کچھ دست وغیرہ آئے شکر ہے کہ پرسوں سے اس کی طبیعت اچھی ہے۔ ابھی ٹھنڈائی پیتی ہے۔ کھچڑی کھاتی ہے۔ چلنا پھرنا تک دشوار ہے۔ آپ میری طرف اترانے کے خیالات کو کیوں عائد فرماتے ہیں۔ وہ کیسی ہی ہو پھر نوکری ہے۔ اور نوکری کی جڑ جس قدر کمزور ہوتی ہے اس کو میں اچھی طرح کئی مرتبہ آزما چکا ہوں۔ پھر میرے اوپر تف ہے کہ ایسے خیال کو پاس آنے دوں۔ الحمدللہ کہ سیدھے راستے چلا جاتا ہوں۔ اور چلا جاؤں گا۔ اگر اس شعار کو کسی ترکیب یا مصلحت سے بدل بھی دوں۔ تو کس سے آپ سے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ نیازمند خاص تصور فرماتے رہیے۔ رہی خط و کتابت کی دیر۔ آپ یاد کیجئے ایسا توقف تو کبھی کبھی فرخ آباد ایٹہ وغیرہ سے بھی ہوتا رہا ہے۔ مرم صاحب بہادر کے پاؤں میں پھنسیاں نکل آئی تھیں ایک ہفتہ تک قلعہ میں بھی تشریف نہیں لے گئے تھے مگر اب فضل الٰہی ہے اور اچھی طرح تندرست ہیں۔ آج کئی

گا۔ میرے نام کی غزل جب آپ چھاپیں تو عنوان فقط اتنا ہونا چاہئے۔ ابھی اس سے زیادہ چند وجوہ سے مصلحت نہیں ہے۔ غزل حضرت رسا شاگرد فصیح الملک دہلوی۔

ساقی جو دئے جائے یہ کہہ کے پئے جا — تو میں بھی پئے جاؤں یہ کہہ کر کہ دئے جا
جانے کی جو ضد ہے تو مجھے زہر دئے جا — اتنا تو کہا مان لے اتنا تو کئے جا
کچھ اور نہ کر مجھ پہ جفائیں تو کئے جا — کچھ اور نہ لے میری دعائیں تو لئے جا
آ کر مرے ساقی کا کرم تو کوئی دیکھے — زاہد سے بھی کہتا ہے کہ تھوڑی سی پئے جا
ہم سے تو مسیحا کی خوشامد نہیں ہوتی — اے خضر مبارک ہو تجھے تو ہی جئے جا
گستاخ نہ ہو وصل میں اے دستِ تمنا — کچھ دیر ابھی ان کی بلائیں تو لئے جا
کہتا ہے کسی شوخ کا مجھ سے یہ لڑکپن — ارمان کئے جا ابھی ارمان کئے جا
کیا لذتِ تعزیر نے مجبور کیا ہے — آتا ہے یہی جی میں کہ تقصیر کئے جا
ان کو میری حالت پہ یقین آئے نہ آئے — اس واسطے قاصد مری تصویر لئے جا
خو مجھ کو دعا کی تجھے دشنام کی عادت — میں تجھ کو دئے جاؤں گا تو مجھ کو دئے جا
کمبخت رسا تیری رسائی نہیں ان تک — تو خوب سا اس نام کو بدنام کئے جا

سید افتخار عالم صاحب کو آداب نیاز۔ اور شادالی غزل آئندہ بھیجوں گا۔ اس وقت رخصت ہوتا ہوں۔ دلبر میاں کو تسلیمات۔ جواب اس کا فوراً دیجئے۔ پتہ۔ حیات بخش رسا، بر مکان قاضی علاؤالدین پیشکار فوجداری۔

۲۷ فروری — رسا

بنام احسن مارہروی

(۱)

یا حضرت۔

والا نامہ صادر ہوا۔ معزز فرمایا۔ میں نے اپنے عدم ترسیل عریضہ کے وجوہ آپ کو مفصل لکھ دئے تھے۔ اب میں اطمینان سے گھر پر بیٹھا ہوں۔ کل تک عدالتوں میں چار روز کی تعطیل تھی۔ آج کچہری ہے۔ کچہری جاؤں گا۔ مضطر صاحب پرسوں دوپہر کی گاڑی میں گوالیار سے مستعفی ہو کر یہاں پہنچ گئے۔ وہ روز سے برابر سرکار میں آتے جاتے ہیں۔ بہت عزت و توقیر سے دربار میں دیکھے جاتے ہیں۔ دیر جانے میں ہوتی ہے تو ٹیلیفون کے کے ذریعہ سے بلائے جاتے ہیں۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ رئیس یہاں قابل اور سنجیدہ اور قدر دان ہے۔ ڈیڑھ مہینے سے میں یہاں ہوں۔ روزمرہ حاضر دربار ہوتا ہوں۔ جو باتیں باہر سننے میں آتی تھیں، ان کا بالکل پتہ نہیں۔ خدا جانے کیونکر مشہور ہوئیں یا یہ کہ پہلے ایسی باتوں کا وجود ہوگا۔ اب چند روز سے ترک کی ہوں گی۔ تہذیب کی یہ حالت ہے کہ رسا کے ساتھ صاحب کا لفظ مزید ہوتا ہے، جب کبھی مجھے مخاطب فرماتے ہیں۔ پھر جملہ حاضرین دربار سے نہایت عمدہ طریقہ سے پیش آتے ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ پہلے جو یہاں مدار المہام تھے منجملہ چند ایسے سِفلے

آپ ہماری کوٹھی میں مقام فرمائیں گے۔ اس وجہ سے ساتھ جانے والوں میں پندرہ آدمی کم ہوئے۔ میں کمی میں تھا۔ ابھی نوکر نہ چاکر۔ میں بھی رہ گیا۔ اور جانے والے کلکتہ سدھارے۔ ۲؍ فروری کو واپسی ہوئی۔ میرے لئے کوئی حکم نافذ نہیں ہؤا جس روز سے یہاں پہنچا البتہ خوان نعمت تو ضرور پہنچا۔ باقی ادھر میں لٹکا رہا۔ وہاں سے واپسی کے بعد احکام تقرری جاری ہوئے۔ اس میں بھی درمیانی لوگوں نے کچھ سے کچھ احکام جاری کئے۔ اس کی ترمیم کی بابت کوشش ہوتی رہی۔ آخرکار یہاں تک نوبت پہنچی۔ کہ آپ کا خط ہے کہ آپ کے استاد پہنچ گئے۔ یہ ضرور کہ میں دربار عالی میں برابر آتا جاتا رہا۔ اور غزل خوانی بھی وقتاً فوقتاً ہوتی رہی۔ مگر رنگ ڈھنگ دیکھتے دیکھتے آخرکار قریب ڈیڑھ ماہ کے وقت گزر گیا۔ تو اب ایسی باتوں کی اطلاع آپ کو کیا دیتا۔ ہاں اب بعد بواپسی کلکتہ محرم شریف تشریف لائے اس میں عدالتوں وغیرہ و نیز جملہ کارخانجات کی پندرہ روز کی تعطیل رہی۔ جس میں سوائے مجالس عزا کے کوئی کام نہ ہؤا۔ اور اپنے معاملات کی اصلاح کے لئے ذرا سا موقع بھی نہ ملا۔ اس میں شک نہیں کہ رئیس نہایت قدردان سخی امیر ابن امیر ہے۔ اُن کی قدر افزائی کے شکریہ کو منہ میں زبان نہیں۔ آخرکار یہ طے ہؤا۔ کہ ساٹھ روپیہ ماہوار تنخواہ اور وکالت کا سارٹیفکیٹ۔ اب آپ فرما سکتے ہیں کہ کیا اصلاح معاملات میں کرنی پڑی۔ ان رستموں میں سے ایک کہتا ہوں کہ ایک افسر نے بروقت اجراء حکم وکالت لکھ دیا کہ مشروط بامتحان وکیل مقرر کئے جائیں۔ یہ مجھے منظور نہ تھا۔ آخر بعد محرم جب عرض کیا۔ تب مستثنٰے ہونے کا فوراً دوبارہ حکم جاری ہوا۔ غرضیکہ اب کوئی خلش باقی نہیں رہی۔ جس روز آپ کے استاد تشریف لائے تھے۔ میں نے فوراً ہوم صاحب بہادر سے ملا دیا۔ انہوں نے باخلاق یہ حکم دے دیا ہے کہ جس وقت آپ کا مزاج چاہے میرے پاس آیا کیجئے۔ میں اس کے بعد دو روز کی اجازت لے کر سکندرآباد گیا۔ اور گھر کے لوگوں کو کل رات میں لے کر آ گیا۔ ایک مکان بازار نصراللہ خاں میں لے لیا ہے اس میں کل اٹھ کر جاؤں گا۔ مکان اچھا ہے۔ گھر کے لوگ برادر قاضی علاؤالدین کے مکان میں فروکش ہیں۔ وکالت کا کام مارچ کے شروع مہینے سے شروع کروں گا لوگ کہتے ہیں کہ بہت اچھی چلے گی۔ اچھی وچھی تو خیر دیکھی جائے گی۔ مگر فی الحال ایک مقام کی ٹھہرا دی ہے۔ میرے بعد آغا مظہر لکھنوی ۸۰ ماہوار پر۔ عاشق حسین بزم ۳۰ ماہوار پر ملازم رکھے گئے ہیں۔ مضطر صاحب یکم جنوری کے مشاعرہ کے بعد سرکار سے وعدہ کر گئے تھے کہ میں ہفتہ عشرہ میں حاضر ہوں گا۔ مگر گوالیار سے جا کر یہ لکھا کہ مہاراج گوالیار مجھے ڈھائی سو روپیہ تنخواہ دیتے ہیں۔ اس لئے میں دو سو روپیہ پر رام پور نہیں آ سکتا۔ ۱۵؍ جنوری کو جب میں یہاں پہنچا تھا تو مجھ سے سرکار نے فرمایا تھا کہ دیکھو مضطر وعدہ کر گئے تھے مگر وہاں سے انکار لکھ دیا۔ چند روز بعد اپنے لڑکے کو معافی قصور کے لئے رام پور بھیجا۔ آخرکار پھر وہ دو سو روپیہ پر یہاں آنے کو راضی ہو گئے۔ خداوند کریم کا شکر ہے کہ میں جلد آ گیا اور سرکار کے دل کی سی بات ہو گئی۔ غرضیکہ مضطر صاحب اتوار تک یہاں آ جائیں گے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بعد تشریف آوری مضطر صاحب کیا رنگ رہتا ہے۔ لیکن یہ دم خم تو جناب نواب مصطفٰے علی خاں صاحب بہادر کا ہے۔ ورنہ مضطر ایسے بیجا طریقہ سے انکار کرنے پر پھر یہاں نہ آ سکتے اب دیکھئے میں نے کس قدر مفصل حالات سے اطلاع دی ہے۔ میں غزل اپنی بھیجتا ہوں۔ اس کو آپ چھاپ دیجئے۔ باقی آئندہ بھوپال

مدت ہوئی رسا نے کرلی ہے مے سے توبہ　　　جام و سبو تھے جتنے سب توڑ پھوڑ ڈالے

ذوالفقار علی خانصاحب آج کچہری میں ملے تھے آپ کو سلام کہا ہے اور کوئی تازہ بات نہیں ہے ۔ اور جو کچھ ہوگا آیندہ لکھوں گا۔ دلبر صاحب کو تسلیم۔ ممنون ہوا وہ شعر میری غزل سے خارج کر دیجئے اور آئندہ بھی اسی طرح ٹوکتے رہیئے۔

۴ر مارچ　　　راقم رسا

بنام احسن مارہروی

(۱۲)

مکرم۔

آج دونوں خط آپ کے پہنچے ۔ یہاں پر لوگ غزلیں کہہ رہے ہیں۔ مگر آج آپ کا خط آنے سے مشاعرہ پکا ہوا۔ یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں صرف آپ کا کلام سننے کے یہاں کے لوگ مشتاق ہیں۔ سید امیر حسن اور طلیق کی بابت علیٰ ہذا القیاس لوگ بیحد اشتیاق رکھتے ہیں ۔ اس مشاعرہ میں تحصیلدار صاحب بھی شامل ہوں گے ۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو کسی طرح بلوائیے جب مزہ ہے ۔ کیونکہ تحصیلدار صاحب یہاں کے چھپرا مئو کے رہنے والے ہیں ۔ ان کے تشریف لانے سے تحصیلدار صاحب خود منتظم مشاعرہ ہوں گے ۔ میر اوصاف علی صاحب یہاں بڑے سر آوردہ اور لائق آدمی ہیں اگر آپ سب آئے تو ان شاء اللہ یہ مشاعرہ بھی قابل دید ہوگا۔ اب میں نے خطوط ، رمئی کے جاری کر دئیے کوئی شرط ، رمئی تک نہ سنوں گا۔ جہاں جاؤ وہاں بعد ، رمئی کے جانا خدا کے لئے۔ اس بہانہ سے آپ سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ پھر حیدر آباد جانے آپ کب آئیں - فقط

جلیسر ۲۸ر اپریل　　　حیات بخش

بنام احسن مارہروی

(۱۳)

مکرم۔

والانامہ صادر ہوا۔ کیا کہوں کیا لکھوں ۔ خدا کی قسم کبھی مستعد نہ ہوتا اگر آپ کا اس قدر زور سے تقاضا نہ ہوتا۔ مگر آپ یہ تو سوچا کیجئے کہ اور جیسے والوں میں اور مجھ میں کتنا فرق ہے کہ میں پرایا نوکر ہوں۔ اور اس قدر پابند کہ کسی طرح جنبش نہیں کر سکتا ۔ ابھی تک اجازت منظور نہیں ہوئی ۔ لیکن لوگوں کی خوشامدیں کر رہا ہوں ۔ صاحب کلکٹر یہاں موجود ہیں۔ وہ تعطیل میں کچہری کریں گے۔ ان سے ایک دن کے لئے دریافت کروں گا۔ اور حسب ارشاد چلوں گا۔ غزل کا ایک لفظ اب تک نہیں کہا۔ لیکن آج سے شروع کرتا ہوں۔ ۳۱ر دسمبر کو صبح رامپور پہنچنا چاہیے لہذا میں ۳۰ر دسمبر کی شام کی گاڑی سے یہاں سے چلوں گا۔ اب اسی طرح رات کو دونوں صاحب کاسگنج میں مل جاویں۔ جب مجھ سا غیور شخص آپ کو آزردہ نہیں کر سکتا تو دلبر ایسے کب ہیں کہ آپ کو آزردہ کر سکیں۔ بہر حال ان کو ضرور آپ کے ساتھ چلنا چاہیئے۔ میں چاہے نہ جاتا۔ ولیکن ان کو ضرور جانا چاہیئے ۔ صدر خزانچی سے قرض لئے تب تعطیل کا کام چلا ہے۔ کرایہ ایک پیسہ میرے پاس نہیں ہے ۔ یہ تاریخ جو میں نے لکھی ہے اس کے خلاف کوئی ٹائم مقرر نہ فرمائیے گا۔ اس کا جواب فوراً دیجئے کہ کاسگنج رات کی گاڑی پر ملیں گے ۔ ۳۱ر دسمبر کو اس مشاعرہ میں ضرور پہنچنا چاہئے ۔ حیات بخش ۲۰ر دسمبر

جو نکال دیئے گئے انہوں نے نہایت بدنام کیا۔ آپ کو ایک روز مجھ سے دربار میں پوچھتے تھے۔ بایں الفاظ، کہ وہ کون شاعر مرزا داغ کے شاگردوں میں سے تھے۔ جنہوں نے طرح میں چند شعر قصیدے کے بھی ہمارے سامنے پڑھے تھے۔ میں نے سب حال آپ کا بیان کر دیا۔ اس کے بعد ممیم کی بابت تذکرہ اچھے الفاظ میں نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ اس کی ٹوپی وفتوی وضع قطع پر اور داد پر بہت ہنستے رہے۔ اس روز مشاعرہ سرکاری کا تذکرہ آ گیا تھا۔ یاد کی کیفیت یہ ہے کہ جس کو ایک مرتبہ دیکھ لیا پھر ہمیشہ یاد رکھا۔ قابلیت اردو۔ فارسی۔ عربی۔ انگریزی نہایت عمدہ ہے۔ سمجھ اعلےٰ درجہ کی ان سب پر سخاوت بہت بڑھی ہوئی ہے۔ میں نے بازار نصر اللہ خاں میں ایک مکان لیا ہے۔ اب آپ اسی پتہ سے خط بھیجیں۔ ہوم صاحب بہادر آج کل مصنظر صاحب کی خاطر و مدارات میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ معہ بال بچوں کے آئے ہیں۔ ۲۵ ماہوار کا ایک مکان کرایہ پر لیا ہے ہوم صاحب بہادر سے ایک آدھ مرتبہ آپ کا تذکرہ آیا۔ جشن خطابی کی ابھی کچھ خبر نہیں۔ جشن سالگرہ ۳۱ اگست کو ہوگا۔ حضور پر نور نے ایک روز مجھ سے فرمایا تھا کہ ایک مشاعرہ گرمیوں میں اور ہونا چاہیئے۔ مگر ہوم صاحب بہادر اس کو ٹال گئے۔ پھر سرکار نے بھی دوبارہ کچھ نہ فرمایا۔ مگر میں نے یہ ضرور رائے دی تھی کہ ہونا چاہیئے۔ اب کے سال جو مشاعرہ ہوگا اس کے لئے پانچ ہزار روپیہ کی منظوری ہے۔ جو درج اخبار بھی ہو چکی ہے۔ ذوالفقار علی خاں صاحب یہاں سپرنٹنڈنٹ آبکاری ہو کے مقرر ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ سے ان کی سروس مستقل کرالی ہے۔ وہ بھی کبھی کبھی دربار میں جاتے ہیں۔ مجھ کو مکان معمولی اچھا مل گیا ہے رات کو ۸ بجے دربار میں جاتا ہوں۔ ایک بجے دو بجے واپس آتا ہوں۔ دن کو ذرا بھی واسطہ نہیں۔ کبھی کبھی تھیٹر بھی چلا جاتا ہوں۔ جس روز سرکار تشریف لے جاتے ہیں اس روز ضرور جانا ہوتا ہے آج کل یہاں کے لوگ طرح ذیل میں غزل لکھ رہے ہیں۔ میں بھی غزل لکھ رہا ہوں۔ چند اشعار میں نے بھی لکھے ہیں۔ وہ بھیجتا ہوں بنظر اصلاح ملاحظہ فرمایئے۔

غزل

خُم میکدے میں آکر واعظ نے پھوڑ ڈالے　　بادہ کشوں کے گویا دل اس نے توڑ ڈالے

بہتان میرے خوں کا کوئی نہ چھوڑ ڈالے　　دامن کو اپنے دھو کر قاتل نچوڑ ڈالے

جڑتا نہیں کبھی دل جب کوئی توڑ ڈالے　　ممکن نہیں کسی سے شیشے میں جوڑ ڈالے

کوئی کرے کہاں تک وحشت کی پردہ پوشی　　کب تک کوئی ہمارے دامن میں جوڑ ڈالے

ایسے کی منہ کی توبہ توبہ ہے کوئی توبہ　　سو بار رات دن میں جو شخص توڑ ڈالے

تھے دوست وہ تو ان کو دشمن بنا کے چھوڑا　　دشمن نے دوست بن کر وہ جوڑ توڑ ڈالے

میں اور ان کا شکوہ وہ بھی عدو کے آگے　　یوں جوڑنے کو کوئی بہتان جوڑ ڈالے

کیا اوس پڑ گئی ہے اب گھر پہ اس کے دیکھو　　بال اس نے جب نہا کر اپنے نچوڑ ڈالے

خوابِ عدم سے کوئی اٹھتے ہیں سونے والے　　سو بار شور محشر ان کو جھنجھوڑ ڈالے

قیدِ قفس میں بلبل کہتی ہے آہ کر کے　　اس سے تو کوئی میری گردن مروڑ ڈالے

کہ شاید کچھ ہو رہے ہے۔ اب تک خداوند کریم کا شکر ہے کہ کسی نے یہ نہیں کہا، کہ داغ کے نام کو بدنام کرتا ہے اور جس بہا کے ساتھ میرا کلام لوگوں نے سنا تھا اب تک فضل الٰہی سے وہی بہا ہے۔ یہ خدا کی عنایت اور آپ دوستوں کی دعا کا اثر ہے۔ قسم کھاتا ہوں کہ میں نے اب تک اس مطلع کی غزل پوری نہیں کی صرف دو تین شعر معمولی نکالے ہیں۔ اس درمیان میں سرکار کی غزل پر مصرعہ لگانے میں سرگرمی رہی اس لئے کوئی غزل نہیں لکھی۔ یہ بات حکماً ہے، اس لئے مقدم سمجھا گیا۔ فکر کرتا ہوں۔ جب تک آپ تشریف لائیں گے شرکت ہو جائے گی۔ طپش مرحوم کا رامپور کے نوکر ہو گئے۔ چھٹن صاحب بہادر کے مکان پر فروکش ہیں اور وہیں کھانا کھاتے ہیں۔ وہ پرانے ان کے محسن ہیں۔ اطلاع پر دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ بیر یہاں اگر آپ کی تشریف آوری تک رہے۔ تو ضرور تلاش کئے جائیں گے۔ علی گنج سے تو کیا اچھے ہوتے ہیں۔ کس تاریخ تشریف لائیں گے۔ فقط

رسا

بنام احسن مارہروی

(۱۷)

مخدوم مکرم بندہ۔ آداب نیاز۔ (از مقام رامپور)

میں نے کئی روز ہوئے ایک کارڈ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے ملاحظہ سے گذرا ہوگا۔ فصیح الملک میں جو مضمون عالی صاحب بدایونی کا چھپا ہے اس کا جواب لکھ کر ارسال خدمت کیا جاتا ہے۔ بعد ملاحظہ اس میں جو کچھ ترمیم مناسب ہو اس کو کیجئے۔ اور بموجب نوٹ کے میری طرف سے آپ وکیل ہیں علاوہ میرے مرسلہ مضمون کے اور جس طرح چاہیں آپ اس کو ثابت کر سکتے ہیں یا اس کی تائید میں آپ تحریر فرما سکتے ہیں۔ اس بارہ میں بلکہ میرے وکیل مقرر کرنے کی آپ کو ضرورت کیا ہے۔ آپ تو میرے بہت پرانے وکیل ہیں۔ اور چونکہ ہم سب میں آپ کو بیرسٹری کی سند حاصل ہے اس لئے آپ بلا وکالت نامہ پیروی کے مجاز ہیں۔ رسید سے اس کے بواپسی مطلع فرمائیے۔ اور وہاں جو طاعون وغیرہ سے تشویش تھی۔ اس کا حال لکھئے اور کوئی بات تازہ نہیں ہے۔ میں آپ کی دعا سے بخیریت اور اچھی طرح ہوں۔ زیادہ بجز نیاز کیا عرض کروں فقط بخدمت دلبر صاحب تسلیمات۔

بندہ حیات بخش رسا

بنام احسن مارہروی

(۱۴)

مکرم۔

میں بخیریت پہنچا۔ درخواست رخصت دے دی ہے۔ اب آپ وہ قصیدہ فوراً بھیج دیجئے۔ کیونکہ مجھ سے اس قدر قلیل عرصہ میں نیا قصیدہ طیار نہیں ہو سکتا۔ فصیح الملک کب آپ چاہیں گے۔ وہ مصرعے جو میں نے آپ کے غزل پر لگائے تھے۔ تلاش فرمائیے۔ اور ان کو ضرور چھاپئے۔ قصیدہ کا منتظر ہوں۔ براہ عنایت جلد بھیج دیجئے۔ اور کوئی بات تازہ نہیں ہے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے گھر میں انتقال ہو گیا افسوس ہے۔ مگر باوجود اس کے انہوں نے غزل کو پوچھا ہے کہ کس نے پڑھی تھی۔ میں نے لکھ دیا کہ دلبر نے پڑھی تھی۔ مشاعرہ میں بھی اور نواب صاحب بہادر کے سامنے۔ آپ بھی یہی کہہ دیجئے گا۔ فقط

۶ رجنوری فتح گڑھ   حیات بخش رسا

بنام احسن مارہروی

(۱۵)

(ضلع بلند شہر۔ محلہ قاضی واڑہ)

مکرم۔

والا نامہ بیرنگ صادر ہوا۔ معزز کیا۔ قصیدہ پہنچنے سے بڑی مدد مل گئی۔ غزل کہہ رہا ہوں جس کے مطلع مائے دسمبر یہ ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

سب کچھ دیا خدا نے کہ اُس کو دیا مجھے   اب کیا ہے اب تو عید ہے روز جزا مجھے
آیا ہوں حشر میں کہ ملے گی جزا مجھے   صدقے میں ان بتوں کے ملا ہے خدا مجھے
بہلا رہے ہو وعدۂ محشر پہ کیا مجھے   معلوم ہے نتیجۂ روزِ جزا مجھے
رشکِ مسیح آپ بھی مشہور ہو گئے   اچھا کیا کہ آپ نے اچھا کیا مجھے

رخصت منظور۔ اللہ کا نام لے کر ۱۱ رجنوری کی رات کو ۲ بجے یہاں سے روانہ ہو کر سکندر آباد جاتا ہوں۔ وہاں سے ۱۳ کو مالیر کوٹلہ۔ باقی آئندہ حال کہوں گا۔ آپ بے تکلف ان اشعار کو دیکھ کر مطلع فرمائیے۔ میں امتحاناً جاتا ہوں۔ بغیر آپ کے میرے قدم نہیں اٹھتے۔ یا جی ہو جو بغیر آپ کے کہیں رہے۔ اگر دوامی نہیں تو ایسا جال ضرور پھیلاؤں گا کہ آپ ہر مہینہ یا ہر پندرہ روز میں آتے رہیں۔ جاتے ہی تو طرح کر کے بعد محرم مشاعرہ کی ٹھہرائی جائے گی۔ جواب اس کا سکندر آباد ۱۰ ردسمبر کی شام کو دیجئے۔ تاکہ ۱۲ ردسمبر کو مل جائے۔ فقط دلبر کو سلام

۸ رجنوری   حیات بخش رسا

بنام احسن مارہروی

(۱۶)

مکرم بندہ تسلیم۔

والا نامہ صادر ہوا۔ معزز فرمایا۔ بعد واپسی علیگڈھ جناب ہوم صاحب بہادر نے آپ کے ملنے کی حیثیت سب بیان فرمائی تھی۔ اور میرے مقطع کا حال بھی فرمایا تھا۔ یہ اس کی قدر افزائی ہے کہ وہ اپنے نوکروں کو ایسی توقیر سے دیکھتے ہیں ورنہ میں کمبخت کیا اور میرا کلام کیا۔ ہاں اس سرکار ابد قرار کی روز افزوں قدردانی سے امید ہے

۲۳ر دسمبر کو شملہ سے دہلی وہاں سے قرض دام کر کے یکم جنوری کو ریاست فیض بنیاد حیدرآباد کی طرف مع مسودہ فرہنگ آصفیہ روانہ ہوگا۔ تاکہ حضور کی بدولت اس کے جلد چھپنے کا قرار واقعی حضور سے انتظام کرائے اور یہ ساڑھے چار ہزار روپے بھی خود ہی آکر دے تاکہ ساہوکار کے تقاضے اور سود کے روز افزوں رقم سے نجات پائے فقط زیادہ الٰہی تا ایسے حامی اسلام اور علم و ہنر کی قدرداں ریاست کو تا یوم القیام ہر بلا سے محفوظ اور برقرار رکھ۔ فقط

۲۹ر نومبر ۱۸۸۹ء — عرضی:۔ فدوی سید احمد دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ وغیرہ وغیرہ مقیم کوہ شملہ[1]

مولوی سید احمد کا شمار اردو کے محسنوں میں ہوتا ہے۔ آپ نے فرہنگ آصفیہ نام نہایت جامع لغت اردو کا لکھ کر زبان پر غیر معمولی احسان کیا۔ ولادت ۹ محرم الحرام ۱۲۶۲ھ مطابق ۸ جنوری ۱۸۴۶ء کو بلاقی بیگم کے کوچہ میں ہوئی اور شاہ صابر بخش کے باغ واقع فیض بازار میں ہوش سنبھالا۔ آپ مولوی حافظ سید عبدالرحمٰن خلف مولوی سید خواجہ علی کے فرزند تھے۔ آباؤ اجداد سادات بخارا سے حسنی و حسینی سید اور حضرت غوث الاعظمؒ کی اولاد سے تھے۔

مولوی صاحب نے درسی کتابیں بڑے بڑے اساتذہ سے گھر پر اور سررشتہ تعلیم کی کتابیں سرکاری سکولوں میں پڑھیں۔ تصنیف و تالیف کا ملکہ قدرت سے ملا تھا۔ شعرائے ماضی و حال کا مطالعہ نہایت توجہ سے کیا اور شہزادگان دہلی اور مشہور شعرا کی صحبتوں میں بیٹھ کر اپنے ذوق کی آبیاری کی۔ ایام طالب علمی میں منظوم عقلی نامہ فارسی میں اور انشائے تقویت الصبیان اردو میں تصنیف کی پھر ۱۸۶۹ء میں ایک مختصر رسالہ مناظرہ تقدیر و تدبیر تصنیف کیا جس کا نام کنز الفوائد تھا۔ اس پر دو سو روپیہ انعام ملا۔ اور سرکاری خرچ سے یہ کتاب شائع ہوئی۔ اس سے ہمت بڑھی اور آپ نے اردو لغات کی جمع و ترتیب کا ڈول ڈالا۔ ۱۸۷۱ء میں ایک کتاب وقائع درانیہ اردو میں تالیف کی جس پر گورنمنٹ نے ڈیڑھ سو روپیہ انعام دیا۔ اس سے لغت کے کام کو اور تقویت ملی۔ چنانچہ چھ سال کی مسلسل سعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ لغات اردو کا بہت سا حصہ مسودات کی شکل میں تیار ہو گیا۔

اس زمانہ میں ڈاکٹر ایس۔ ڈبلیو فیلن صاحب انسپکٹر مدارس صوبہ بہار ایک ہندوستانی انگلش ڈکشنری مرتب کر رہے تھے۔ وہ مولوی صاحب کا تذکرہ سن کر دہلی آئے اور ان کو اپنے ساتھ دانا پور لے گئے۔ جہاں مولوی صاحب کی امداد سے سات سال کے عرصہ میں ان کی ڈکشنری مکمل ہوئی۔ اس کے بعد مہاراجہ الور کے طلب کرنے پر ان کا سفرنامہ لکھنے کے لئے الور چلے گئے۔ تقریباً چھ ماہ میں سفرنامہ کے کام سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ گورنمنٹ بک ڈپو پنجاب کی نائب مترجمی پر لاہور بلا لئے گئے۔ ڈکشنری کی ترتیب کے زمانہ میں تکمیل الکلام۔ تحقیق الکلام۔ رس کہان۔ ریت بکہان۔ ناری کتھا۔ قواعد اردو۔ لغات النساء اور ساجن موہنی وغیرہ کتابیں اردو میں لکھیں۔

لاہور آکر اس خیال سے کہ لغات کی اتنی بڑی کتاب چھاپنا مقدرت سے باہر ہے اس کا خلاصہ کیا۔ اور ۱۸۷۸ء سے ماہوار رسالہ کی صورت میں نکالنا شروع کیا لیکن یوں بھی کام نہ چلا۔ آخر سین مہلہ تک چالیس نمبر نکال کر کام بند کر دیا۔ ۱۸۸۸ء میں مدارالمہام نظام دکن شملہ تشریف لائے۔ یہ اس زمانہ میں شملہ ہائی سکول کے ہیڈ مولوی تھے۔ آپ نے ان کی خدمت میں مسودہ پیش کیا، مطبوعہ رسالے اور دیگر کتابیں نذر گذرانیں اور حضور نظام کے نام نامی پر ڈیڈیکیٹ کرنے کی اجازت مانگی۔ اس پر پانچسو روپیہ کا انعام اور چار سو جلدوں کی خریداری منظور ہوئی اور ختم کتاب پر معقول انعام کا وعدہ ہوا۔ اس وقت سے کتاب کے طبع کی بنیاد پڑی اور نام اس کا فرہنگ آصفیہ رکھا گیا۔ غرض جس لغات کی ابتدا ۱۸۶۸ء میں ہوئی تھی۔ وہ ۱۸۹۲ء میں ختم ہوئی اور ۱۹۰۱ء میں بہمہ وجوہ تکمیل کو پہنچ کر پورے تیس سال میں یائے تحتانی تک شائع ہو گئی اور حسب وعدہ پانچ ہزار روپیہ کا انعام مرحمت ہوا اور ماہوار وظیفہ مقرر ہو گیا۔ حکومت پنجاب نے بھی پانچ سو روپیہ انعام اور ہزار روپیہ کی خریداری سے مصنف کی حوصلہ افزائی کی۔ فرہنگ آصفیہ میں چون ہزار کے قریب لغات۔ محاورات۔ اصطلاحات اور ضرب الامثال وغیرہ ہیں۔ آج کل یہ کتاب نایاب ہے۔ (محمد عبداللہ قریشی)

سیّد احمد دہلوی

<u>بنام مدار المہام</u>

(۱)

عالیجاہا!!!

فدوی آج اس امر کا مژدہ سناتا ہے کہ آپ جیسے مقدس بزرگوں اور قدردانوں کی توجہ باطنی سے یہ نیاز مند درگاہ شبانہ روز محنت کر کے فرہنگ آصفیہ کی تالیف و تصنیف سے ۲۴ نومبر ۱۸۸۹ء روز یکشنبہ کو بہمہ وجوہ فارغ ہو گیا۔ پچپن ہزار چار سو انچاس (۵۴۴۹) لغات و محاورے چار ہزار صفحوں میں لکھے گئے اب صرف دیباچہ۔ گورنمنٹ نظام کے نام کا خطبہ۔ حضور کی قدردانی اور فدوی پروری کا شکریہ لکھنا باقی ہے۔ جو اس سبب سے تاجواب گزارش ملتوی ہے کہ حضور نے بروقت تشریف آوری شملہ فرہنگ مذکور کے سرورق کو ملاحظہ فرما کر حضور نظام کے القاب و خطاب میں کچھ غلطی بیان فرمائی تھی اور ارشاد کیا تھا کہ اس کو ضرور درست کر لینا۔ چونکہ اب وہ موقع آگیا ہے اس لئے امیدوار ہوں کہ اپنا اور سلطان دکن حضرت نظام کا پورا پورا القاب و خطاب عنایت فرمائیں۔

دوسری عرض یہ ہے کہ اگست ۱۸۸۹ء میں فرہنگ آصفیہ کی نسبت سردست اکتیس سو روپے اور بعد اختتام چودہ سو (۱۴۰۰) روپے کے ملنے کا حکم امداداً بطور خریداری نافذ فرمایا گیا تھا۔ میری بدقسمتی، ساہوکار کی خوش نصیبی سے باوجودیکہ ایک سال چار ماہ کا عرصہ گزر گیا اور لغات کے مطبوعہ حصص بھی داخل حضور ہو گئے مگر ہنوز روپیہ مرحمت نہیں ہوا جس کے سبب ایک سال سے لغات کا چھپنا بند ہے۔ اگر حسب ارشاد انہی دنوں میں یہ روپیہ مل جاتا تو آج کو ساہوکار ۱۲۹۶ روپے کی سودی رقم پانے کا مستحق نہ ہوتا یعنی بندہ ۲۱۰۰ سو روپے کے سود سے بچ جاتا چنانچہ اسی روز بد کے اندیشہ سے فدوی نے ۷ مارچ - ۴ مئی - ۸ مئی ۱۸۸۹ء کو بذریعہ رجسٹری بار بار یاددہانی بھی کی تھی جس کے جواب سے آج تک محروم ہے اور اب تو وہی مثل ہو گئی۔ قطعہ ؎

لیکے بیٹھا ہوں ہر مہینے قرض   اور رہتی ہے سود کی تکرار
میری امداد میں تہائی کا   ہو گیا ہے شریک ساہوکار

ناچار فدوی نے ہر طرف سے مایوس اور تنگ ہو کر رخصت کی درخواست کر دی کہ خود ہی حاضر خدمت ہو کر گزارش کرے چنانچہ

بنام ملک صفدر علی خوش نویس لاہور

(۳)

حافظ صفدر علی صاحب مصحح سنگ رفاہ عام پریس لاہور نے میری کتاب فرہنگ آصفیہ کی جلد چہارم کے پتھر تقریباً نصف سے زیادہ بنائے۔ میرا خیال تھا کہ منشی علی بخش صاحب سے زیادہ اس کام میں دوسرا شخص مہارت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اوّل تو وہ گورنمنٹ بک ڈپو میں میرے ماتحت ۸۰-۱۸۸۱ء میں رہ کر ہمیشہ تحسین و آفرین کے مورد رہے۔ دوسرے یہ کہ حافظ صاحب کے استاد بھی رہے ہیں۔ لیکن چونکہ منشی علی بخش صاحب نے تقاضائے عمر سے یہ کام بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اس وجہ سے یہ کہنا بیجا نہیں کہ اس وقت حافظ صفدر علی صاحب سے بہتر لاہور میں کوئی سنگساز نہیں ہے۔ انہوں نے صفحے کے صفحے میری کتاب کے از سر نو پتھر پر لکھ کر اکثر اوقات خط سے خط ملا دیا۔ غلطیوں کو نہایت احتیاط اور درستی سے بنایا بلکہ املا بھی کہیں غلطی نہیں کی۔ انگریزی اور ناگری کے الفاظ بھی خوب بنائے۔ پس اس سے زیادہ کیا لیاقت ہو سکتی ہے۔ میں نے خوش ہو کر ان کو کچھ پان کھانے کے واسطے بھی دیا۔ لیکن میں خوش جب ہوتا کہ اس وقت ان کی خدمت جیسا دل چاہتا تھا ویسی کر سکتا اور مجھ کو اس وقت کی عسرت مانع نہ آتی۔ فقط

۱۲ر جولائی سنہ ۱۹۰۱ء

سید احمد دہلوی بقلم خود

بنام مولوی حبیب الرحمٰن صاحب شروانی

(۴)

آپ جیسے ہوں جب حبیب اپنے　　کیوں نہ اچھے ہوں پھر نصیب اپنے

میرے محسن - میرے مربّی - میرے ہمدرد - میرے حبیب خوش نصیب - سلمہ اللہ تعالیٰ

تسلیم بصد تعظیم کے بعد گزارش خدمت ہے۔ کہ نامۂ والا محررہ یکم اگست اس کی تیسری تاریخ کو فرحت بخش دل ناز ہوا۔ اس یادآوری اس ہمدردی کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ بیشک لاہور میں جناب نے احباب کو برائے نام دعوت دی تھی۔ جس کے سبب بدنام ہونا پڑا۔ دعوت کے رقعے پر صاف لکھا تھا ؎

نہ وہ دعوت کہ جس میں ہو رنگ رس　　یک رکابی طعام و دیگر بس

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ گو اس تقریب میں آپ کا شریک کرنا باعث فخر تھا لیکن اتنی دور سے تکلیف دینا باعث شرم۔ دلی قربت ہی کو کافی سمجھا۔ جلد سوم و چہارم حسب ارشاد کل والا نامہ آتے ہی مع سہ نمبر سابقہ بیک رسالہ علم اللسان ارسال خدمت ہوئے۔ چونکہ کاغذ کی تخصیص نہ تھی اس وجہ سے سرکاری پوری کاغذ کی جلدیں روانہ ہوئیں۔ گو ابتدائی حصص اس پندرہ سولہ برس کے عرصے میں ختم ہو گئے مگر آپ کے نمبر پورے کرنے کے لئے کوشش بدل و جان کی جائے گی۔ چنانچہ ایک کتاب جو انہیں ۳ نمبروں کے سبب ناقص تھی اُس میں سے جو نمبر آپ کے کار آمد تھے انہیں نکال کر اور ناقص کر دیا۔ مگر جناب کے ارشاد کو ٹال نہ سکا۔ اکثر احباب کو اس امر کی ضرورت پڑ رہی ہے۔ مجبوراً قلمی لکھوا کر ان کا کام کر دیتا ہوں۔ روپے جزو سے کوئی کم نہیں لکھتا ہے۔ یہی نمبر جو خدمت عالی میں گئے ہیں، اگر نہ ہوتے تو چھ روپے خرچ ہو جاتے۔ چوں کہ موجود تھے اس سبب سے اُس سابقہ قیمت پر بھیج دیئے گئے۔ باقی نمبروں کا بھی اسی طرح پورا کر دیا جائے گا۔ جن

بنام ملک صفدر علی خوش نویس لاہور

(۲)

حافظ صفدر علی صاحب! میر صاحب[1] بھی ملاحظہ فرمالیں

آپ کی لیاقت اور حسن کارگزاری کو میں مانتا ہوں ۶۰۵ صفحہ میں جو آپ نے سطریں بنائی ہیں وہ قابل تعریف ہیں گو شعر میں لفظ (جو) چھوٹ گیا۔ یا چند اعراب رہ گئے یا بعض جگہ قلم باریک ہو کر کشادہ جگہ بے موزوں معلوم دینے لگی۔ لیکن بڑا عیب جو تھا وہ نکل گیا۔ مجھے ایک امر کی آپ سے شکایت ہے۔ اگر وہ بھی نہ رہے تو آپ میری ذات سے زیادہ فائدہ اٹھائیں جدید غلطیاں کھُرچنے میں یا سیاہی بھرنے میں پیدا ہو جاتی ہیں جس کے سبب از سرِ نو پروف پڑھنا اور بار بار پروف دیکھنے کو منگوانا لازم ہو جاتا ہے۔ اس سے وقت بھی بہت ضائع ہوتا ہے۔ بعض غلطیاں سخت بدستور قائم رہتی ہیں۔ بھرے ہوئے پیش یا تو کھوے نہیں جاتے یا سیاہی خراب ہے کہ پھر بھر جاتے ہیں۔ ۵۸۱ صفحہ سے ۶۰۸ تک نشان کر دئیے ہیں۔ جن سے آپ معلوم کر سکتے ہیں۔ مثلاً ۵۸۱ صفحہ میں نَیَم کا نِم ۔ میرا کا مَیرَ ۔ نمُو کا نَمَو ۔ ۵۹۲ میں جناں کا جنان ۔ کپور تھلہ کا کپور تھلہ ۔ کال کا کال ۔ ۵۹۴ دلواتی کا دیواتی ۔ نباّض کا نیاّض ۔ ۶۰۵ میں نمُود کا نمو کر دیا۔ علیٰ ہذا القیاس اسی طرح کی غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ ۶۲۴ صفحہ کی دو آخیر سطریں پریس میں سے خدا جانے کیوں اڑ گئیں۔ یہ پروف قابل اجازت تھے۔ مگر اس قسم کی فروگذاشت کی اجازت بغیر دیکھے نہیں دی جاتی۔

چونکہ اس فروگذاشت کے مقابلہ میں تمہاری عمدہ کارگزاری اور لیاقت کا پلڑا بھاری ہے۔ لہٰذا بالفعل دو روپے علاوہ بطور انعام تمہارے واسطے اس وقت تجویز کئے گئے۔ جو کاتب کی لکھائی سے بھی زیادہ ہیں اور تین روپے اُس وقت ملیں گے جبکہ میں حرف نونؔ سے کتاب کے خاتمہ تک دیکھ لوں گا۔ کہ اجازت طبع دیتے ہوئے پروفوں میں کوئی غلطی قابل صحت نامہ نہیں چھوڑی گئی۔ ورنہ وہی دام صحت نامہ لکھوانے میں صرف کر دئیے جائیں گے۔ اگرچہ اب میں نے صحت نامہ ختم کر دیا ہے اور اس کے لئے کوئی صفحہ نہیں رکھا اگر قابل گرفت غلطیاں نکلیں تو مجبوراً صحت نامہ بڑھانا پڑے گا۔ جس کے سبب سے صفحوں میں بڑی دقت پیش آئے گی۔ کیونکہ سرورق کے اخیر صفحہ پر مع تعداد صفحات صحت نامہ ہندسہ پڑ کر یہاں چھپ گئے ہیں۔

یہ روپے ہفتہ کے روز میر صاحب[1] کے والد کے واسطے جو باورچی جائے گا۔ اس کے ہاتھ روانہ کئے جائیں گے۔ اور میر صاحب تم کو دے کر رسید مجھے بھیج دیں گے۔

امید ہے کہ آئندہ زیادہ تندہی کی جائے گی۔ میں کسی کی زائد محنت کا حق نہیں رکھتا۔ اور دانستہ سہل انگاری کرنے والے کا حق بھی مطلق نہیں سمجھتا۔ فقط

۱۴ فروری سنہ ۱۹۰۱ء

سید احمد دہلوی

---

[1] میر صاحب سے مراد مولوی سید ممتاز علی مالک رفاہ عام پریس لاہور و دارالاشاعت پنجاب ہیں جن کی سرپرستی میں اخبار تہذیب نسواں اور پھول وغیرہ جاری ہوئے۔ وہ بعد میں شمس العلماء کے خطاب سے ممتاز کئے گئے۔

چند دوستوں نے سوانح عمری لکھنے پر مجبور کیا ہے - میرا ان ہیں کیا لکھوں - از دہلی

۴ر اگست ۱۹۰۸ء　　　　سید احمد دہلوی

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

(۵)

عالی جناب من -

تسلیم بصد تعظیم کے بعد مؤدبانہ گذارش خدمت ہے کہ نیاز مند نے جو ۲۶ر جون ۱۹۱۶ء کو رسالہ نذر آصف طبع ثانی ابلاغ خدمت کیا تھا۔ اُس کے صفحہ ۳ سطر ۱۳ میں نام کی غلطی مطبع کی طرف سے ہوئی تھی صرف دس پندرہ ورق چھاپے گئے تھے کہ وہ غلطی معلوم کر کے درستی کرادی گئی - چنانچہ وہ ورق خدمت عالی میں بدیں غرض ارسال کیا جاتا ہے کہ سابقہ ورق صفحہ ۳ - ۴ کا نکلوا کر اس کے بجائے اسے چسپاں کرادیں از حد مہربانی و بندہ نوازی ہوگی - فقط

آپ کا نہایت مرہون منت احسان سید احمد دہلوی المخاطب بہ خانصاحب

۱۴ر جولائی ۱۹۱۶ء　　　　مؤلف فرہنگ آصفیہ و ارمغان وغیرہ

احباب یا خریداروں کے پاس ہیں وہ پوری کتاب تو شاید دے دیں مگر نمبر نہ دیں۔ جس کو پورا کرا لینا منزدیات سے تھا۔ ورنہ اس وقت تک وہ بھی نہ رہتے۔ میرا بے شک ارادہ از سر نو چھاپنے کا تھا اور اسی وجہ سے اول و دوم جلد کو ترمیم کر کے بہت کچھ بڑھا بھی لیا تھا۔ بلکہ ابھی تک بڑھائے جاتا ہوں مگر میری مصیبتوں اور قلت زر نے اس آرزو کو جلد پورا نہ ہونے دیا۔ آپ جلد چہارم کے خاتمے میں میرے اکثر حالات ملاحظہ فرمائیں گے۔ مجھ سا سخت جاں ہو اور نہ اس کام کو انجام پر پہنچائے۔ جس وقت جلد سوم و چہارم کا قرضہ ادا ہوا فوراً اس طرف توجہ کی جائے گی۔ اس وقت مجھے چھ سات ہزار کا قرضہ اہل مطابع کا دین ہے اسی وجہ سے تعداد طبع بھی گھٹا دی اور ابتدائی حصص کو بھی از سر نو نہ چھاپا بلکہ اس امر کو غنیمت سمجھا کہ کسی طرح ایک مرتبہ یہ بدخط مسودہ میری زندگی میں چھپ جائے بعد میں اصلاح دینے اور بڑھانے والے بہتیرے ہو جائیں گے۔ لیکن یہ ذخیرہ جس پر قومی زبان کی بنیاد اور تکمیل منحصر ہے پھر میسر نہیں ہوگا۔ خدا بھلا کرے گورنمنٹ نظام کا جس کے طفیل اور عالی ہمتی سے اتنا بھی ہوا ورنہ پبلک کی طرف سے تو مایوسی ہو ہی گئی تھی۔ اب بھی بہت سا مصالحہ یوں ہی پڑا رہا۔ ورنہ اس سے بھی زیادہ طول ہو جاتا۔ صرف منزدی باتوں کو لے لیا اگر خدا نے مجھے اس قابل کیا تو طبع ثانی میں اس کو دیکھئے گا۔ اب تو اس کا ادنیٰ مسودہ یا نقش اول سمجھنا چاہیئے۔ جس کی حسب دلخواہ صحت بھی نہ ہوئی۔ کارکنانِ مطبع نے اپنی طرف سے کچھ کا کچھ اکثر جگہ سے بہتر پر بنا دیا جس کے سبب صحت نامہ بھی لگانا پڑا۔ گو آپ کسی قدر بھول گئے ہوں مگر میری نظروں میں وہ زمانہ ہر وقت موجود تھا۔ اگر فراموش ہو جاتا۔ تو یہ سلسلہ ٹوٹ جاتا۔ مجھے آپ ہمیشہ یاد رہے اور میں نے اپنی نیاز مندی کو اپنا افتخار سمجھا۔ اس میں کیا شبہ ہے اٹھارہ نہیں بلکہ ۱۹ برس ہوئے ۱۳۰۳ھ سے مجھ کو جناب کی خدمت میں نیاز حاصل ہے۔ اور اس عرصے میں جو جو کچھ جناب نے قومی امداد فرمائی ہے وہ بھی یاد ہے یہ استقلال انشاءاللہ تعالیٰ اور زیادہ ترقی پکڑے گا۔ میں آپ کی مبارکباد کا تہ دل سے ممنون ہوں خدا تعالیٰ آپ کی عمر، ہمت، ہمدردی اور اس قدر دانی میں برکت دے اور آپ کی دعا سے مجھے بار بار یہ فرہنگ حسب منشا چھاپنی نصیب ہو۔ دیباچے کے ۸ صفحے کیا بہت سے لکھے جاتے اور بڑی تقطیع پر لکھے جاتے اسی وجہ سے چھوڑ دیئے تھے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ ؎

بے زر مردم کار نیاید   زرمی باید زرمی باید

نقالوں کا یہ مقولہ بہت ٹھیک ہے۔ ان آٹھ صفحوں میں جو کچھ لکھا جاتا وہ جلد چہارم کے آخر میں لکھ دیا۔ اس وقت اس کا دیباچہ وہی ہے جو ارمغانِ دہلی کا ہے اور مقدمہ وہ رسالہ ہے جو خدمت عالی میں علم اللسان کے نام سے گیا ہے۔ بندہ دسویں تاریخ کو شملے جائے گا۔ وہاں وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب سے مل کر مہینہ بیس روز کے بعد واپس آئے گا۔ اور ایک ہفتہ دہلی میں رہ کر حیدر آباد کے راہ خرچ کا انتظام کر کے سیدھا حیدرآباد پہنچے گا۔ شاید کشود کار ہو آپ بس دعا کیجئے اور جو چیز شملے یا حیدرآباد کی مطلوب ہو بلا تکلف لکھئے بسر و چشم تعمیل ارشاد ہو گی۔ افسوس کہ کل کے پیکٹ میں نقشہ سواری اکبر شاہ ثانی و دربار نہ روانہ کر دیا خیر پھر دیکھا جائے گا۔ امید ہے کہ آپ کو خوشی کی گھڑی میں یہ عریضہ ملے گا۔ فقط آپ کا رہین احسان سید احمد دہلوی بقلم خود نظر ثانی معاف۔

کی تھیں۔ ہیں غزل ضرور بھیجوں گا میرے نام کے ساتھ زائد الفاظ نہ ہوں گے صرف ریاؔض کافی ہوگا۔ دعویٰ تو اس ٹھاٹ سے کر رہا ہوں کہ غزل بھیجوں گا اور قصد یہی ہے مگر غزل بھی تو ہو جائے۔ آج آپ نے محبت جتا کر میرا بہت ہی وقت لیا خدا آپ کا بھلا کرے باتوں میں چند منٹ دل خوب بہلا۔ اب نہ وہ ہم نہ ہماری حالت، فکر دنیا کھا گئی۔ کچھ روز سے اور عالم ہو گیا ہے

یاد ہوں گی تجھے گلشن کی بہاریں گلچیں　　پنکھڑی ٹوٹتی تو شورِ عنادل ہوتا

پژمردہ ریاؔض ۷؍ نومبر ۱۸۹۸ء

(۲)

بنام احسن مارہروی

مکرمی!

کارڈ ملا۔ افسوس میری کیفیت سے آپ کو آگاہی نہیں۔ دو سال سے میں اخبار کی خدمت بوجہ معذوری کچھ نہیں کر سکتا۔ اخبار حکیم برہم صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ غالباً آپ سے خط و کتابت ہوگی۔ وہ جناب داؔغ مرحوم سے کس قدر خلاف تھے اور جلوۂ داغ سے زیادہ۔ مگر مرحوم کے انتقال کے بعد انہوں نے نکتہ چینی سے احتراز کیا۔ اشتہار حسب ہدایت درج ریاض الاخبار ہوگا۔ اگر آپ سے برہم صاحب سے خط و کتابت نہ ہو تو ضرور خط و کتابت کیجئے۔ وہ جلد صاف ہو جانے والے شخص ہیں۔ میں ان سے کہوں گا کہ اگر ریویو لکھیں تو ان کی مصلحت پر نظر رکھیں۔ آپ ایک کارڈ ان کو براہِ راست بھیج دیجئے۔ میں ان سے زیادہ دور رہتا ہوں۔ کم سے کم دو میل کے فاصلے پر۔ دیوان آیا، وہ حکیم برہم صاحب کے پاس ہے آپ ایک جلد مجھ کو بھیج دیجئے مگر انہی کی خدمت میں انہی کے نام پر ہو۔ میں پرسوں مراد آباد جاؤں گا کوشش کروں گا کہ آیا ہوا دیوان مانگ کر ساتھ لے جاؤں کہ ریل پر سفر میں دیکھنے کا موقع ملے۔ میں جلد آپ کو دوسرا خط بھیجوں گا۔ والتسلیم زیادہ حد۔

ریاؔض - ۱۳؍ جنوری ۱۹۰۶ء

(۳)

بنام احسن مارہروی

عالیجناب!

تسلیم۔ کارڈ ملا۔ آپ کے نوازش ہائے بے پایاں کا شکریہ۔ ۷؍ کا وی۔ پی ابلاغ ہے اور وہ ہر جنوری سے مسلسل پرچوں کا پیکٹ بھی جاتا ہے اور جنوری کے سوا جو اخبارات میں واقعات انیس یا میر انیس کے متعلق کچھ لکھا گیا ہے وہ بھی روانہ ہیں۔ مجھے تو آرزو تھی کہ آپ فصیح الملک لکھنؤ سے نکالتے اور ریاض الاخبار کی اڈیٹری کا چارج بھی اپنے ہاتھ میں لیتے۔ مجھ سے اب لکھا پڑھا نہیں جاتا۔ چاہتا ہوں ع

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

میرا بہت زیادہ کلام ضائع ہو گیا۔ بہر حال میں آپ کے لئے ضرور تازہ غزل کا اہتمام کروں گا۔ آپ نہیں جانتے میرا وقت کیسی پریشانی میں گذر رہا ہے ورنہ آپ سا مہربان قدر دان مجھ سے فرمائش کرے اور میں تعمیل نہ کروں۔

ریاؔض از حسین آباد مبارک لکھنؤ ۲۹؍ جنوری ۱۹۰۹ء

ریاض خیرآبادی

بنام احسن مارہروی

(۱)

مکرمی!

کارڈ ملا۔ ریاض الاخبار کی بابت عرض کردہ قیمت قبول فرمانے کا شکریہ۔ ستمبر سے پرچے تلاش کر کے آج یا کل غالباً روانہ کر دوں گا۔ مگر وی پی نے کا۔ ناگوار نہ ہو میری صاف روش جرأت دلاتی ہے ورنہ بقول میرے ؎

میں جانتا ہوں زر طلبی کو کمال عیب
دینار داغ ہے مرے دستِ سوال کا

اگر میرا یہ فعل کچھ بھی گراں ہو تو بے تکلف واپس کر دیجئے گا میں تاوان کو سزائے قصور سمجھ کر پھر وہی پرچہ پوسٹ روانہ کر دوں گا۔ یہ امر کہ انعام زیادہ ہے لوگ پسند نہ کریں گے۔ میں نے صرف رائے کا اظہار کیا تھا ع

ہر کسے مصلحتِ خویش نکو می داند

آپ کو ضرور مجھ سے دلی انس ہے۔ اس قدر متاثر ہوں کہ بے تکلف آرزوئے یکجائی کر بیٹھا۔ آپ میرا خیال صحیح سمجھیں۔ بات یہ ہے کہ میں زر سے پریشان ہو رہا ہوں۔ اوّل تو بالکل تہی کیسہ، چہ خورد بامداد فرزندم کی ہر وقت فکر دوسرے محض تنہا۔ ایسے تجارتی کام تنہا جب ہی چل سکتے ہیں کہ انسان فارغ البال ہو، صیغۂ ملازمت وسیع ہو۔ معانی

ننگی تلوار اور ہیں لاغر
کیا نچوڑے گی کیا نہائے گی

یکجائی کا کوئی مناسب طریقہ ممکن ہوتا تو آپ کی ذاتی مالی و عنایت سے ایک مرتبہ زمین سر پہ اوٹھا لینے کی کوشش کی جاتی۔ مگر یہ حسنِ اتفاق کہاں ممکن۔ پریس ضرور قائم کیجئے صرف گلدستہ کے لئے۔ تجارتی چھپائی یا اخبار نکالنے کو مارہرہ بہت ہی چھوٹا مقام ہے بہرحال کچھ کرتے رہئے، خصوصاً نام آوری کے کام۔ طرح میں غزل تو دوں مگر بہت ہی امتیاز خاص چاہتا ہوں یہ آپ کا کام ہے۔ ریاض خلیل کے ذریعے پبلک کے روبرو جس طرح چاہے مجھے نمایاں کیجئے۔ آپ وفور اخلاق سے یہ سب کچھ کر سکتے ہیں کہ آؤ بھگت کیجئے، ہاتھ سچے سچے پُرجوش الفاظ میں خیر مقدم کیجئے۔ تصویر پھولوں سے لدی ہوئی شائع کیجئے یہاں تک کہیں کہ دنیا میں میرا کوئی ثانی نظر نہ آئے۔ مگر جب کلام پر نظر پڑے گی تو سب مسرت افسوس سے بدل جائے گی آنکھ میں آنسو آ جائیں گے۔ کلام اس قابل ہوتا تو نذر کا مضائقہ نہ تھا۔ نہیں حضرت نہیں۔ واللہ مجھ کو آپ مخلصی سادگی کے ساتھ معمولی درجہ کے شعراء کی آخری حالت میں دیکھئے۔ یہ باتیں مذاق

<u>بنام چودھری فتح محمد صاحب شیفتہ بی۔اے</u>

(۷)

عالی جناب چودھری فتح محمد صاحب بالقابہ!

ہندوستاں میں دھوم ہے کس کے کلام کی — وہ کون ہے ریاضؔ کو جو جانتا نہیں

عنوان تو شاعرانہ تعلّی ہے من آنم کہ من دانم۔ حقیقت اتنی ہے کہ "ریاض الاخبار" ہفتے میں دوبار، "فتنہ" ہفتہ وار، "تار برقی" روزانہ، "عطر فتنہ" ہفتہ وار، "گلچیں" ماہانہ، "صلح کل" روزانہ۔ یہ سب میری ایڈیٹری اور ملکیت میں برسوں شائع ہوتے رہے۔ اس زمانے میں اخبار کم تھے۔ "کوہ نور" پنجابی لاہور سے۔ "اودھ اخبار" روزانہ لکھنؤ سے۔ "لارنس گزٹ" ہفتہ وار میرٹھ سے شائع ہوتے تھے۔ میرے نام اور تخلص کی شہرت کا یہی سبب تھے یعنی وہ پرچے جنہیں میں نکالتا تھا۔ سر عبدالقادر صاحب قریب قریب اسی زمانے کے بزرگ ہیں یقیناً خط و کتابت کے ذریعے سے میرے شناسا بھی۔ نیز ان کی تحقیق و تدقیق و ذکاوت و ذہانت اور عالمانہ وسیع معلومات کا مدّت سے معترف ہوں۔ سر اقبالؔ شاعرانہ حیثیت سے مجھے جانتے ہیں اور اخباری حیثیت سے بھی۔ مجھے اس وقت مرحوم گرامی کی یاد بے اختیار آئی۔ وہ مجھ سے حیدر آباد میں اس وقت ملے تھے جب میں سر مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ کا مہمان تھا۔ میں ان کی فارسی شاعری کا بہت احترام کرتا ہوں۔ اس سے میری یہ غرض نہیں کہ سر اقبالؔ کی اردو فارسی شاعری کا احترام ان کے بلند خیالات کو دیکھتے ہوئے میرے دل میں فرق کے ساتھ ہے۔ میں سمجھتا ہوں سر اقبال کے بلند خیالات نے ان کے ہر مصرع کو ہمالیہ کی بلند چوٹی کا ہم پایہ بنا دیا ہے۔

پچاس سال ہوئے سر سیّد مرحوم نے زندہ دلان پنجاب کا فقرہ لکھ کر پنجاب کو اور صوبوں سے امتیازی حالت میں ظاہر کیا تھا۔ ممکن ہے اس وقت کی تعلیمی دلچسپیاں لاہور کو گل سرسبد بنائے ہوں مگر دیکھتے ہی دیکھتے تمام اصناف میں پنجاب نے اپنی زندہ دلی سے قابو حاصل کر لیا۔ بے اختیار دل سے یہ دعا نکلتی ہے — ریاضؔ

تری اٹھان ترقی کرے قیامت کی

ترا شباب بڑھے عمرِ جاوداں کی طرح

مجھے بہت زیادہ حیرت زبان کی ترقی پر ہے۔ پنجاب کے شہری افراد ہوں یا اہل تصنیف و تالیف، روزانہ ہفتہ وار پرچے ہوں یا ماہوار شائع ہونے والے رسالے، قریب قریب کیسی پاکیزہ اُردو، ساختہ و بے ساختہ زبان میں استعمال کرتے ہیں۔ پنجاب ٹکسالی اردو میں بھی دہلی و لکھنؤ سے قریب قریب یکسانیت حاصل کر لیتا مگر ٹکسالی زبان تو بوجوہ اپنے خاص مرکزوں سے رخصت ہو رہی ہے پھر بھی مایوسی میں امید کی جھلک اس اعتبار سے نظر آ رہی ہے کہ زندہ دلان پنجاب اگر ٹکسالی زبان کی طرف متوجہ ہو گئے تو ضرور اس پر بھی قابو حاصل کر لیں گے۔ وہ ٹکسالی زبان جو غالبؔ و انیسؔ کا حصّہ سمجھی جاتی ہے اور زمانہ سر سیّد سے اب تک نواب بہادر میر ناصر علی مرحوم مدیر صلائے عام کا جو حصّہ ہو گئی تھی ضرور ٹکسالی اُردو کی نظم کو امیرؔ، داغؔ، جلالؔ نے چار چاند لگائے زندہ دلانِ پنجاب کاش ادھر بھی توجہ فرمائیں۔ جو زبان اسکولوں اور کالجوں میں اور ابتدائی مکاتیب میں داخلِ درس ہو چکی ہے اور ہوتی جاتی ہے خاص توجہ سے ٹکسالی زبان ہو سکتی ہے ورنہ تا ثریا می رود دیوار کج کی مصداق جیسی اب ہے آئندہ بھی رہے گی۔

میں آپ کو کیا لکھنا چاہتا تھا اور کیا لکھ گیا گویا کسی اخبار کے لئے بے امید معاوضہ کاغذ سیاہ کر رہا ہوں۔ مجھے جناب کو

(۴)

بنام احسن مارہروی

شفیقی احسن!

کبھی کسی رسالے کو غزل نہیں بھیجی ڈرتے ڈرتے آپ کی فرمائش کی تعمیل کرتا ہوں۔ یہ غزل گذشتہ ہفتے میں کہی تھی۔ چاہتا تھا بھیجوں مگر بھول جاتا تھا۔ آج فصیح الملک نے یاد تازہ کر دی۔ خدا کرے آپ کو پسند آئے اور جو علیہ بڑھانے والی ادفصیح الملک میں ملے۔ کسی شعر میں کچھ تامل ہو تو مجھے لکھ بھیجئے۔ واقعات پر تنقید دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ سنتا ہوں کل معیار شائع ہوا ہے اس میں جواب لکھا گیا ہے۔ مناسب معلوم ہوا تو کسی وقت میں بھی کوئی نوٹ لکھوں گا۔ میری یہ غرض نہ ہوگی کہ آپ کی طرفداری کروں یا صاحب واقعات کی۔ مجھے آپ اکثر یاد فرماتے رہیں۔

نیاز مند سید ریاض احمد ریاضؔ - ۱۹ر مارچ ۱۹۰۹ء

میں شکرگذار ہوں ایک پرچہ فصیح الملک کا جس میں تنقید واقعات انیس ہیں ذیل کے پتہ سے بھیج دیجئے۔ شاہ نظام الدین صاحب دستگیر۔ آگرہ۔ میوے کا کٹرہ۔

(۵)

بنام جناب جگر صاحب

عالی جناب جگر صاحب!

آقائے سخن وسیم کی گرانمایہ ہستی سے نہ صرف گورکھپور بلکہ ہندوستان خالی ہو گیا۔ مرحوم کو آپ کی ذات پر ناز تھا۔ میں بھی آپ کی سنجیدہ وضع اور مذاقِ سخن کو سراہتا ہوں۔ میری گرویدگی کو اور بھی اس لئے ترقی ہوئی کہ آپ نے حکیم امیر احمد اثیم کے ساتھ وہ شفقت روا رکھی جس کی توقع آپ کی ذات ستودہ صفات سے تھی۔ خدا کرے وہ روز افزوں ترقیاں آپ کے فیض سے حاصل کریں۔ خدا وہ دن لائے کہ اثیم کے چھوٹے بھائی مولوی خلیل احمد شمیم بھی گورکھپور پہنچ جائیں۔ دونوں آقائے سخن کی اچھی یادگار ہیں۔ میں قمر صاحب کو بھی نگاہِ امتیاز سے دیکھتا ہوں۔ عیوبِ سخن پر وہ کافی نگاہ رکھتے ہیں اور زیادہ قابلِ قدر ہیں۔

میں ہمیشہ آپ کی یاد تازہ رکھتا ہوں اور اس کے معاوضے کا خواستگار نہیں ہوں۔ انشاءاللہ جلد حاضر ہوں گا۔

نیاز مند ریاض ۱۲ر ستمبر ۲۹ء

(۶)

بنام دل شاہجہان پوری

مکرمی!

۴ر جولائی ۳۳ء کے کارڈ سے یاد فرمائی و عزت افزائی کا شکرگذار ہوں۔ بیمار تھا جواب میں تعویق ہوئی معافی کا خواستگار ہوں۔ مستقل جائے قیام خیر آباد ہی ہے لکھنؤ کبھی دو چار روز کیلئے چلا جاتا ہوں۔ بہت ضعیف ہو گیا ہوں۔ آلام و افکار نے مردہ بنا رکھا ہے۔ "نغمۂ دل" کی اشاعت سے بہت مسرت ہوئی۔ انشاءاللہ مقبولِ عام ہوگا۔ اب تو شاعری اور زبان کچھ سے کچھ ہو کر رہ گئی ہے۔

سیفؔ کے حادثے کا بہت افسوس ہوا۔ گو وہ مزاج کے کیسے ہی تھے بہر حال اچھے تھے کبھی مجھے یاد کیجئے گا تو ان کے انتقال کی تفصیل بھی لکھئے گا۔

ساون میں خاک اُڑ رہی ہے دو ہفتہ سے بارش نہیں ہوئی۔ اللہ رحم کرے۔

ریاضؔ۔ خیر آباد (اودھ) ضلع سیتاپور۔ جولائی ۳۳ء

بنام دل شاہجہان پوری　　مکرمی!　　(۸)

دو صفحوں سے بہ ترمیم یا بلا ترمیم آپ جو چاہیں اپنے کام میں لا سکتے ہیں۔ میرے الفاظ ذیل آپ کے اتفاق و اختلاف کے محتاج ہیں اور وہ بھی صرف میری اور آپ کی آگاہی کے لئے۔

ہے پرے[1] سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود

یہ مصرع کبھی میری نظر سے نہیں گزرا ہیں پرے کے لفظ کو متروک سمجھتا ہوں۔ داغ و امیر و جلال نے بھی استعمال نہیں کیا نہ ان کے متبعین نے۔ عام بول چال میں بھی نہیں بعض دلی والے شاید بولتے ہیں ع

دور ہے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود

پرے کا استعمال بے جا ہوا ہے ممکن ہے بہت پرانی غزل منشی صاحبؒ کی دیکھی ہوئی ہو اس صورت میں نوٹ دے دینا ضروری تھا۔ میں نے بے تکلفانہ اپنا خیال ظاہر کر دیا نہ جواب کی ضرورت نہ بحث کی۔

۲ ۔ اب تو ہر ہر نفس سرد ہے افسانۂ دل ۔ ہر ہر کا لفظ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا ۔

۳ - کہ ایک وقت میں ہم ترکِ آرزو کرتے ۔ ترک و آرزو کرتے، اس کے لئے "ایک وقت میں" کیسا - اس وقت ضرورت یہ ہی سمجھ میں نہ آئی آئندہ شاید سمجھ میں آجائے۔

۴ - اُٹھے تو محوِ تمنا ملے تو غرقِ نیاز ۔ عزیز نے بھی انتخاب میں لیا۔ میرے خیال میں غرق کا لفظ باعتبار مناسبت کوئی رعایتی لفظ چاہتا ہے جیسے غرقِ بحرِ الفت یا آبِ خجالت ۔

دیوان میں جب کہیں کوئی بات قابلِ استفسار نظر آئے گی آپ سے دریافت کروں گا ۔

نیاز نے مقدمے میں بے ضرورت داغ کا یہ شعر لکھ کر ؎

کچھ زہر نہ تھی شرابِ انگور　　کیا چیز حرام ہو گئی ہے

داغ کو میخوار ظاہر کیا ہے اور فوری ثبوت بھی اسی شعر سے دے دیا ہے ۔ یہ بھی اشارہ فرما کر کہ پینے والے کا شعر پینے والے کو زیادہ مزا دیتا ہے اپنی نسبت بھی لوگوں کو بدگمانی کا موقع دے دیا ہے۔ آپ کو صاف صاف دامن آلودہ نہیں کیا غنیمت ہے مجھ سے نیاز سے بہت یکجائی رہی ہے میں نے کبھی پیتے نہیں دیکھا نہ کبھی ایسی حالت میں کہ شبہ کر سکوں، مگر مجھے تو بحث داغ سے ہے کیا داغ کے پینے نہ پینے کے متعلق آپ کچھ کہہ سکتے ہیں؟ یہ غیر ضروری باتیں اس وقت میرے قلم سے نکل گئیں۔ میں خود نیاز سے کسی وقت پوچھ لوں گا۔ میں نے آپ کا وقت ضائع کیا معاف کیجئے اور سراپا ہوا خواہ اور دعا گو سمجھئے۔ اب لکھنے پڑھنے سے معذور رہتا جاتا ہوں اور ساتھ ہی

کچھ اپنے حال کا مجھے احساس ہی نہیں

یہ میں ہوں پیرہن میں کہ مردہ کفن میں ہے

ریاض ۱۵ / اکتوبر ۳۳ء خیر آباد

---

[1] ریاض مرحوم کو سہو ہوا یہ مصرع دل صاحب کا نہیں غالب کا ہے نیاز فتحپوری نے مقدمے میں لکھ دیا تھا۔

نیاز نامہ لکھنے کا اتفاق اس بنا پر ہوا کہ میں نے فضاؔ صاحب کو ایک خط اس غرض سے لکھا کہ میرے دیوان کے طبع کا چرچا تو پنجاب وغیرہ میں زیادہ عرصے سے ہے مگر تاخیر نے ہر طرف ناامیدی کی صورت پیدا کردی ہے اس لئے فضاؔ اور دوسرے احباب کو میں یقین دلانا چاہتا تھا کہ دیوان کی طباعت و اشاعت کا زمانہ اب قریب ہے اور اعتبار دلانے کو میں نے ملک کے سرمایۂ ناز سر سلیمان صاحب چیف جسٹس الہ آباد کی چٹھی جو اسی دن میرے نام آئی تھی بصورت نقل اسی خط میں ملفوف کردی تھی۔ فضاؔ صاحب نے اس چٹھی سے متاثر ہو کر یہ چاہا کہ دیوانِ ریاضؔ کے متعلق اپنے صوبے کے سرمایۂ ناز حضرات یعنی سر عبدالقادر صاحب بالقابہ، سر اقبال صاحب بالقابہ، ملک سر فیروز خان نون ایم۔ اے وزیر تعلیم پنجاب سے ایسی ہی چٹھیاں یا نوٹ حاصل کئے جائیں کہ دیوانِ ریاضؔ کو ان کے ذریعے سے بھی روشناسِ عالم ہونے کا موقع حاصل ہو سکے۔

فضاؔ صاحب نے مجھ سے خواہش کی کہ میں ایک "نیاز نامہ" جناب کو بھیجوں۔ آپ محاسن اور مختلف خوبیوں کا مجموعۂ عجیب ہیں مجھ پر آپ کی ستائش کا بخصوصیت تخلص یعنی بلبل ہیں کہ قافیۂ گل بود بس است یہ اثر ہوا کہ میں آپ کو خط بھیجنے کے لئے بیتاب ہو گیا۔

مجھے اس کی بھی خواہش نہیں ہے کہ آپ جواب لکھنے کی تکلیف گوارا کریں یا میری اس بے سر و پا طولانی تحریر کے پڑھنے میں وقت ضائع کریں۔ میں جس ادنیٰ پوزیشن میں ہوں میں جانتا ہوں۔ مالی حالت نے بہ لحاظ کثیر الاولاد ہونے اور صرف قلعے پا ہوا پنشن ہونے کے مجھ پر ضرور دنیا تنگ کردی ہے مگر دیوان کی اشاعت انشاءاللہ ضرور میرے لئے اطمینان پیدا کردے گی بقول میرے ؏

آس اک چیز ہے دنیا میں اگر ٹوٹ نہ جائے

سر نواب قاضی عزیز الدین وزیر دتیا میرے واسطے بہترین ذریعہ تھے کہ میں لکھنؤ میں اعلیٰ حضرت نظام دکن سے ملوں مگر میری قسمت نے مجھے روک دیا۔

بیشک سر عبدالقادر صاحب، سر اقبال صاحب، ملک سر فیروز خان صاحب نون ایسی بلند پایہ شخصیتیں ہیں کہ وہ میرے دیوان کے متعلق اظہارِ خیال فرمائیں تو ممدوحین کی یہ قدر شناسی ملک کی شکر گذاری کا باعث ہوگی مگر میں ممدوحین سے ایسی استدعا کرنا اس خمار رسیدہ بزرگ کے ادب اور شان کے خلاف سمجھتا ہوں جس نے مجھ سے بے بضاعت کم مایہ شخص کی شاعری کو اس مرتبے پر پہنچایا کہ انگریزی تعلیم یافتہ بلند پایہ حضرات جن کی قابلیت نے دورِ جدید کی شاعری کو کچھ سے کچھ بنا دیا ہے، میرے لئے تو نہیں مگر میرے اشعار کے لئے اچھے الفاظ سے بخل نہیں فرماتے ؎ کہتا تھا گل رخوں سے ریاضؔ شکستہ حال ۔ مجھ کو نہ دیکھئے مرے اشعار دیکھئے

میرا خیال یہ ہے جو حضرات میرے دیوان کیلئے خامہ فرسائی فرمائیں گے وہ اپنے لئے میرے دیوان میں اپنی مستقل یادگار قائم کردیں گے ؏ نوشتہ بماند سیہ بر سپید۔

فضاؔ صاحب نے اپنی امیدیں جو آپ کے دامن سے وابستہ کی ہیں ان کا لحاظ فرماتے ہوئے آپ حضرات ممدوحین کو تکلیف دینا چاہیں اور مزید اعتبار کے لئے اس کی ضرورت معلوم ہو تو آپ سر سلیمان صاحب چیف جسٹس کی چٹھی نقل شدہ جو ملفوف بھیجتا ہوں آپ پیک شدہ صورت میں یا یونہی ان کی خدمت میں بھیج دیں یا خود کسی وقت دکھا دیں گے۔ میں وہ غزل بھی ملفوف بھیجتا ہوں جس کے لئے اچھے الفاظ خان بہادر نور الٰہی صاحب اسسٹنٹ ڈائرکٹر سر رشتہ تعلیم پنجاب نے اپنی چٹھی مرسولہ حال میں مجھ کو لکھے ہیں ؎

قدرداں گوہرِ سخن کے ریاضؔ — منہ مرا موتیوں سے بھرتے ہیں

سید ریاض احمد ریاضؔ خیرآباد (اودھ) ضلع سیتاپور۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۳ء

غلام قادر گرامی

(۱)

بنام نواب عماد جنگ بہادر

عالیجناب نواب صاحب بہادر

تسلیم۔ میری رخصت پانچ ماہ کی پیش گاہ سرکار عالی منظور ہو چکی ہے۔ قرنطینہ وغیرہ کی باعث نہیں جا سکا علاوہ راستہ کی روک ٹوک کے خاص ضلع جالندھر میں بھی طاعون کے آثار نمودار تھے۔ ان وجوہات کے باعث میں رخصت سے استفادہ نہ اٹھا سکا، اب سنا جاتا ہے کہ قصبہ راہون ضلع جالندھر میں طاعون کا کوئی کیس نہیں ہوا۔ خداوند کریم کے فضل سے یہ بیماری وہاں نہ رہی۔ یکم فروری ماہ الٰہی ۱۳۰۷ف سے رخصت سے مستفید ہونا چاہتا ہوں۔ لہٰذا خدمت عالی میں بذریعہ نیاز نامہ ہذا اطلاع دیتا ہوں۔ کہ مہربانی فرما کر یکم فروری سے میری رخصت محسوب کی جائے اور ایام رخصت کی تنخواہ میں خود یکمشت لے لوں گا۔ اور کسی کو نہ دی جائے۔

جناب عالی نے خاکسار گرامی کو زبانی یہی فرمایا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ سرکار عالی سے رخصت کی تجدید کرانے کی کوئی ضرورت نہیں محض ہمارے نام ایک رقعہ بھیج دینا ہی کافی ہوگا۔ امیدوار ہوں کہ میرا یہی رقعہ محاسبی میں بطور یادداشت بھیج دیا جاوے۔ راقم

۳۰ جنوری ۱۸۹۹ء مطابق ۷ رمضان ۱۳۱۶ھ شیخ غلام قادر گرامی[1] شاعر خاص حضور پر نور

(۲)

بنام پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی مرحوم

خدمت اقدس حضرت کیفی صاحب السلام علیکم

ایک تکلیف آپ کو دیتا ہوں وہ یہ کہ کشمیر سے ایک لاجواب پٹی گرم مجھے بھیجدو اور وی پی بھیجدو کسی کارخانہ والے کو کہہ دیجئے۔ وہ وی پی بھیجدے گا۔ اور وہ پٹی نہایت عمدہ اعلیٰ ڈبل ——— قیمت ۱۸ روپیہ یا ۲۰ روپیہ ہو ———

---

[1] شیخ غلام قادر گرامی حیدر آباد میں ملازم تھے انہوں نے ابتداً رخصت لی تھی۔ مگر پنجاب میں طاعون (پلیگ) ہونے کی وجہ سے نہ جا سکے۔ اب اسی سابقہ منظور رخصت سے مستفید ہونے کی درخواست اس خط کے ذریعہ کی تھی یہ خط نواب عماد جنگ معتمد فنانس کا موسومہ ہے۔ وہ اس کے ناصیہ (پیشانی) پر عماد جنگ کی تجویز ہے۔

بنام دلؔ شاہجہان پوری مکرمی! (۸)

مجھے دھوکا ہوا۔ ہر ہر کے لیئے سند کی ضرورت نہ تھی آپ کے شعر میں موزوں ہونا کافی تھا۔ غرقِ نیاز، غرقِ ناز، غرقِ آرزو کے لیئے غرقِ حیرت، غرقِ خجالت کو میں کافی نہیں سمجھتا۔ ہر نکتہ مقامے دارد۔ آپ کے سمجھانے پر بھی ایک لفظ زائد معلوم ہوتا ہے۔ میں اپنی رائے پر زور دیتا ہوں نہ مجبور کرنا چاہتا ہوں۔ نغمۂ دلؔ کے لیئے کسی بات کے اظہار میں تکلف نہیں میں اسے اپنا کلام سمجھتا ہوں۔ زمانے میں بھی زائد ہے۔ سرنگیں، اور نالے کے متعلق فدویؔ کا خیال صحیح نہیں آپ کا خیال صحیح ہے۔ بکا۔ آمد میں بھی آپ سے متفق ہوں تو یہاں ہو جانا غیر صحیح نہیں مگر ہوتے جانا کو ترجیح ہے۔ انکار نہیں ہوتا۔

ہم حرمتِ صہبا کے قائل ہیں مگر واعظ ہوتی ہیں جو چار آنکھیں انکار نہیں ہوتا

یا اور کسی طرح اشاعتِ آئندہ میں ترمیم ہو جانا چاہیئے۔ فدوی حرور کہتے ہیں پختہ گوئی کے مقابلہ میں ایسی خامیاں بے حقیقت ہیں یعنی ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں سب کے کلام میں نکل سکتی ہیں۔

خط آیا میں موجود نہ تھا۔ گورکھپور سے آیا تو ماہ مبارک میں بیکار رہا اس کے بعد زلزلے کی تباہ کاریوں سے ہوش بجا نہ تھے تاخیرِ جواب سے آپ ضرور گراں خاطر ہوں گے میں عفو کا خواستگار ہوں۔

ریاضؔ خیرآبادی ۱۴ فروری ۱۹۳۴ء

بنام جناب شاہ سید شاہد علی صاحب فانی سبز پوش رئیس اعظم گورکھپور (۹)

جناب شاہ صاحب سے بعد سلام نیاز کہیئے کہ امیر احمد کو خط بغیر کسی ہدیے کے بھیجنا اچھا نہ معلوم ہوا۔ خصوصاً جب مولانا اصغر صاحب بھی ہوں۔ ہدیہ کیا بھیجوں؟ سال بھر سے کچھ کہا نہیں۔ رات انجمن زیادہ تھی چاہا کچھ خیال رجوع کروں۔ بہ دقت چند شعر کہے۔ ہدیۃً ارسال ہیں جناب مہاراجہ صاحب[1] بہادر کا ایک شعر یاد آیا۔ نکلا ہوا شعر لاجواب ہے۔ زمین بھی سخت۔ اتنا اچھا شعر کوئی نہیں نکلا۔ جناب شاہ صاحب کی خدمت میں غزل پیش کر کے غزل واپس لے کر با احتیاط رکھ دیجئے گا۔ دوسرے کو نہ دیجئے گا۔ والدعا : ریاضؔ

مہاراجہ صاحب کا یہ شعر ہے ۔

جو آج پی ہو تو ساقی حرام شے پی ہو یہ کل کی پی ہوئی مے کا خمار باقی ہے

ریاضؔ ۔

یونہی سی آرزوئے وصلِ یار باقی ہے ۱ ذرا سی مجھ میں ابھی جانِ زار باقی ہے

لحد پہ آئیں گے وہ انتظار باقی ہے ۲ کسی کا مجھ کو ابھی اعتبار باقی ہے

تری گلی میں نشانِ قرار باقی ہے ۳ غبارِ راہ مری یادگار باقی ہے

یہ کتنی پی کے گئے تھے لحد میں ہم سونے ۴ کہ روزِ حشر بھی کچھ کچھ خمار باقی ہے

اٹھاؤ پھول کہ بستر بنے گا بسترِ مرگ ۵ نہ رات کچھ ہے نہ اب انتظار باقی ہے

یہ بات کیا ہے؟ نظر جام سے نہیں ہٹتی ۶ نہ دور ہے نہ مئے خوشگوار باقی ہے

ہمیشہ غنچہ و گل اپنے جام و مینا ہیں ۷ شراب خم میں ہے جب تک بہار باقی ہے

کریں گے کعبے کا ہم خم بدوش جا کے طواف ۸ اگر یہ زندگیٔ مستعار باقی ہے

نہ شیشے کی وہ پری ہے نہ وہ شباب ریاضؔ ۹ نہ سبزہ زار نہ وہ لالہ زار باقی ہے

---

[1] مرحوم راجہ علی محمد خاں ساحر۔ کے سی۔ آئی۔ والیٔ ریاست محمود آباد ضلع سیتاپور (یو۔ پی)

بنام پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی صاحب (۴)

خدمت عالی حضرت کیفی صاحب۔ تسلیم

"خمخانۂ کیفی" گرامی کو مل گیا۔ میں کیا لکھوں کہ یہ میکدۂ معانی کیا چیز ہے۔ میرے دوست میرے عنایت فرمائے قدیم بالغ نظر جوہر فرد حضرت چودھری خوشی محمد صاحب ناظر ممبر کونسل کشمیر نے جو کچھ آپ کے کلام کی نسبت لکھا ہے۔ بہت صحیح ہے۔

چہ فصاحت چہ بلاغت چہ معانی چہ بیاں   جلوہ فرماست درآغوش زبانِ کیفی

گرامی ہفتاد سالہ، گرامی کے حواس خمسہ پنجاب کی نذر، گرامی کو خاک دکن ہی جذب کرے گی۔ داغ اور امیر مینائی چشم براہ ہیں۔

حضرت کیفی صاحب صاحب، دہلی میں آپ کی یاد نے گرامی کو مضطرب کر دیا۔ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے کا وہ بے تکلف اور راولکھڈے کی دعوت اور آپ کی یاد گرامی نہیں بھول سکتا۔

خدمت اقدس چودھری صاحب بہادر گرامی کا سلام پہنچا دیجئے [1]

والسلام گرامی

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) تصور فرمایئے اور آئندہ کشمیر سے جو کچھ مددگار ہو، بلا تکلف ارشاد کیجئے۔

غزل کا شکریہ۔ کیا اچھا کہا ہے۔

رہ عشق است امید از زمین یاس می روید   دریں صحرا دلِ ہر ذرہ یوسف بچہ ماند

کیا دل بڑھانے والا شعر ہے۔ غزل کتنی اعلیٰ استادانہ شان رکھتی ہے۔ مگر برائے خدا ایسے ٹکڑے قافیے نہ رکھا کیجئے۔ چودھری صاحب کے پاس ضرور بھیجوں گا۔ اپنی چند نظموں کا مجموعہ جو احباب نے زبردستی چھپوا دیا ہے بھیجتا ہوں۔ غور سے ملاحظہ فرمایئے۔ صرف ایک فارسی غزل کی گنجائش نکلی۔

رباعیات کے ترجمے کی نسبت جو آپ پوچھتے ہیں، سو میری رائے یہ ہے کہ سردار امراؤ سنگھ میں وہ سب ضروری اوصاف موجود ہیں جو اس ترجمہ کے لئے چاہئیں اور وہ دل دے کر ترجمہ کر بھی دیں گے۔ ڈاکٹر اقبال بھی اس کام کے ایسے ہی اہل ہیں لیکن ان سے پوری پڑتی نظر نہیں آتی۔ یہ ترجمہ ضرور ہونا چاہئے۔

لاہور آنا ہو تو لکھئے گا۔ واللہ آپ سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ والشوق

برج موہن دتاتریہ کیفی

[1] اس خط پر کیفی صاحب نے یہ چند لفظ قلم بند فرمائے ہیں:

میں نے حضرت گرامی کو ایک نسخہ اپنے مجموعۂ نظم خمخانۂ کیفی کا بھیجا تھا۔ اس کے جواب میں انہوں نے یہ خط اور رباعیات بھیجی ہیں۔ ان کے کلام نے یہ رنگ ابھی اختیار کیا ہے۔ خدا سلامت رکھے۔ ان کا دم غنیمت ہے۔

برجموہن دتاتریہ۔ سری نگر کشمیر

۲۰ اگست ۱۹۲۳ء

آپ کشمیر کے حاکم ہیں فارن سیکرٹری ہیں۔ نہایت اعلٰے نفیس پٹی گرم بھیجیں گے۔ کوٹ اور پتلون گرم پٹی کا بناؤنگا
پچھلے سال علامہ سر اقبال نے مجھے لکھا تھا کہ اقبال و گرامی کشمیر کی سیر کریں غنی کشمیری کی روح خوش ہوگی۔ کہ
گرامی جالندھری میری قبر پر آیا ہے۔ گرامی کی بدقسمتی کہ وہ کاہلی کی آغوش میں بیخود رہا۔

کاہلی کت شکند استخواں　　　نشکنی اش بیخ زہے ناتواں

گرامی کا پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا ہے۔ آئندہ سال کا وعدہ نقش بر آب ہے۔
خدمت عالی حضرت ناظر[1] صاحب کا نذیہ تشکریہ ادا کرتا ہوں۔ میرا سلام کہہ دیجئے۔
خدمت اقدس حکیم مسیح الملک بہادر رئیس اعظم دہلی، گرامی کا سلام پہنچا دیجئے۔ والسلام

گرامی

رباعی: مارا از ما مگر نداد ند برات　　وا ز تنگی کشاکش موت و حیات
نگذاشت کہ یک نفس بخود پردازیم　　فریاد افسوس آہ حسرت ہیہات　　گرامی

بنام پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی صاحب　　(۳)

خدمت اقدس حضرت کیفی صاحب۔ تسلیم۔

گرم پٹی پہنچ گئی۔ پنڈت دیوی چند صاحب رئیس اعظم جالندھر نے میرے پاس پہنچا دی۔ نہایت عمدہ خوشرنگ پٹی ہے۔ آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ مہربانی فرما کر قیمت سے مجھے اطلاع دیجئے۔ بذریعہ منی آرڈر روپیہ بھیج دوں۔ آپ نے گرامی کی فرمائش پوری کی۔ گرامی کی عرض بھی قبول کیجئے وہ یہ کہ قیمت سے اطلاع دیجئے۔ روپیہ بھیجا جائے گا۔ آپ کا گرامی یار شاطر ہے، نہ بار خاطر۔ گرامی آپ کا رہین منت ہے۔

ایک غزل خدمت عالی میں بھیجتا ہوں۔ جناب چودھری صاحب بہادر حضرت ناظر کو بھی دکھلا دیجئے اس غزل کی نسبت وہ اپنا خیال ظاہر کریں۔ آپ بھی اس غزل کی نسبت اپنی رائے دلآویز کا اظہار کیجئے۔ یہ غزل سر اقبال وغیرہ کو بھیجی ہے راجہ دلجیت سنگھ صاحب بہادر رئیس اعظم جالندھر تقاضا کر رہے ہیں کہ رباعیات گرامی مجھے دے دو۔ ہم سردار امراؤ سنگھ صاحب سے انگریزی میں ترجمہ کرائیں گے اور ڈاکٹر سر اقبال لکھ رہے ہیں کہ رباعیات کا انگریزی میں ترجمہ کروں گا۔ فرمائیے آپ کی رائے صحیح کیا ہے[2]　والسلام

گرامی

---

[1] چودھری خوشی محمد ناظر (جموں اور ناظر ملنے) مراد ہیں۔

[2] اتفاق سے، اس خط کا جو جواب پنڈت کیفی صاحب نے لکھا تھا، وہ بھی مل گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

جموں۔ ۱۸ نومبر ۱۹۲۲ء

میرے محب مولانا گرامی کی خدمت میں سلام شوق۔ گرامی نامہ پہنچا۔ اس پٹی کی قیمت پوچھ کر آپ نے میرا دل دکھایا
اوّل تو وہ چیز ہی کیا ہے جس کی آپ قیمت پوچھتے ہیں۔ اور پھر یہ "بار خاطر" والا فقرہ سناتے ہیں حضرت! اسے ہدیۂ کیفی (باقی اگلے صفحہ پر)

خط وحدانی میں سمجھتا ہوں ؏[1]

راقم
شیخ غلام قادر گرامی، شاعرِ خاص حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہ،

(۵)

بنام نواب حسن علی خاں صاحب امیر جاگیردار مرحوم

حضرت جاگیردار صاحب جانشین حضرت نواب فصیح الملک

تسلیم - میرا جی بہت چاہتا ہے کہ میں آپ کو ملوں - ایک زمانہ گزر گیا ملاقات نہیں ہوئی - میں خوش ہوا کہ آپ بفضلِ خدا تندرست ہیں خوش ہیں۔

دیوان داغؔ آپ کی امانت میرے پاس ہے۔ پرسوں اسی وقت اپنے آدمی کو بھیج دیجئے۔ کوئی شخص دیکھنے کو لے گیا ہے منگوا کر دے دیا جاوے گا۔ انشاء اللہ آپ کو ملوں گا۔ اور حضرت جماعت علی شاہ صاحب کی خدمت میں ضرور حاضر ہوں گا۔

راقم گرامی

(۶)

بنام نواب حسن علی خاں صاحب امیر جاگیردار مرحوم

حضرت جاگیردار صاحب بہادر

تسلیم - کیا کروں ترپ بازار کے احباب بتے نہیں چھوڑتے - ان کی یہ سعی ہے کہ میں ترپ بازار نہ چھوڑوں سب نے مل کر ایک مکان ترپ بازار میں تجویز کر دیا ہے - میں آپ کی ہمدردی اور آپ کی عنایات کا شکریہ ادا کرتا ہوں

راقم: گرامی

ایک دو روز تک خدمت عالی میں حاضر ہوں گا۔

---

[1] اس پر جناب ناظرؔ نے یہ دو سطریں لکھی ہیں:-

"دلی شکریہ - حضرت گرامی کی صحت و عافیت کے لئے دعائے صبحگاہی احقر ناظرؔ کا وظیفہ ہے - ان کے دم سے رکن آباد و مصلّٰی کی یاد قائم ہے۔ ، حقیر ناظرؔ"

اس کے علاوہ انہوں نے ایک مختصر خط بھی کیفیؔ صاحب کی خدمت میں لکھا تھا۔ جو درج ذیل ہے:-

"مکرمی پنڈت صاحب۔

تسلیم - رباعیات قابل داد شکریہ کے ساتھ واپس ہیں - میں چاہتا تھا کہ کسی فرصت کے وقت میں مع ایک رباعیاں ساتھ لگا دوں - مگر افسوس ہے کہ فرصت نہ ملی اور یہ خواہش بھی داخل دفتر کرنی پڑی۔

آپ کا مخلص خوشی محمد،

رباعیات

(۱)
ما بخود و آرزو بخود راہ دہد   خود ابلہ و گوشمال آگاہ دہد
سر رشتۂ تدبیر بدستِ امید   گاہے بر بام و گاہ در چاہ دہد

(۲)
برہم زن کارِ ما سیہ کاریِ ماست   خونریزِ امیدِ ما گنہ گاریِ ماست
در موت و حیات نعلِ واژوں زندہ اند   بیداریِ ما خواب و خواب بیداریِ ماست

(۳)
می میرم و دیدہ اشکباری دارد   دل خوں شدہ و با نفس شماری دارد
اے چارہ شناس کار با مرہم نیست   ایں صید بسینہ زخم کاری دارد

(۴)
فریاد، کہ عمرم ہمہ برباد آمد   ناکردنی و کردنیم یاد آمد
کارے کہ نکردنی ست کردم، چہ کنم   فریاد، کہ فریاد بفریاد آمد

(۵)
اے روح! بجسم زار نالی تا چند!   در بندِ قفس، شکستہ بالی تا چند!
پر برزن و بر فرازِ سدرہ بنشیں   در مرکزِ نقطہ خاک مالی تا چند! عـ۱

(۶)
خود را یک چند پاسبانی کردیم   یک چند بخویش سرگرانی کردیم
از بیم و امید پائے در زنجیرم   در پہلوی مرگ زندگانی کردیم

(۷)
ما رخت ز شہر بندِ ہستی بستیم   از خویش گسستیم و باو پیوستیم
در میکدۂ بیخبری، باخبریم   در مکتبِ عین ہوشیاری مستیم

(۸)
دل بستگیٔ خون طرازی دگرست   دل گرمیِ ذوق دل نوازی دگراست
ایں بازیِ عشق ہست، بازیچہ مسنج   بازی دگرست، عشق بازی دگراست

(۹)
دیباچۂ اسرارِ نہانی مائیم   در خوردِ جواب لن ترانی مائیم
جولاں گہِ ما خطِ وجود و عدم است   بازیچۂ مرگ و زندگانی مائیم

(۱۰)
اللہ اللہ چہ زبانست زبانِ کیفی   کیست جز ناظرِ ما مرتبہ دانِ کیفی
چہ فصاحت چہ بلاغت، چہ معانی، چہ بیاں   جلوہ فرماست، در آغوش زبانِ کیفی

یہ رباعیاں حضرت ناظر صاحب کو دکھا دو۔ کیا ان کے پسند ہیں۔ میں حضرت ناظر اور علامہ اقبال کو

عـ۱ اس رباعی پر پہلے جناب چودھری خوشی محمد ناظر نے لکھا ہے۔ "احسنت احقر ناظر" اور حاشیہ میں اپنا یہ شعر قلم بند فرمایا ہے ؎

"یہ جو فرش اسفلِ خاک ہے، یہ نجاستوں کی مغاک ہے
مرا سجدہ پایۂ عرش پر، مری لامکاں میں نماز ہے

احقر ناظر"

(۲)

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر

مجمع فضائل و فیوض جناب خلاصہ خاندان مصطفوی و مرتضوی دام مجدکم!

بعد گذارش آداب و تسلیم عرض ہے کہ محبت نامہ وارد ہوا۔ دریافت خیریت سے مسرت قلبی حاصل ہوئی۔ خدائے تعالیٰ آپ کو ترقی و اقبال کے ساتھ حی و قائم رکھے۔ میری سرگذشت یہ ہے کہ آپ کی لقائے صوری کے بعد جب سے میں وطن کو کلکتہ سے واپس آیا انواع اقسام کی تکلیفات روحی و جسمانی میں مبتلا رہا اور اس وقت تک بلاؤں سے نجات نہیں ملی ہے۔ دو مہینے سے ہز ہائنس نواب صاحب فرمانروائے رام پور کا مہمان ہوں۔ یہاں تقریب شکار سے ہمرکاب آیا ہوں۔ نہیں معلوم کہ کب تک وطن کو معاودت کر سکوں گا۔ وطن کی یہ حالت ہے کہ دس مہینے سے نیورہ نہیں گیا ہوں۔ میں اپنی پریشانیوں کو کیا عرض کروں۔ آپ کی تصنیف شریف گیا میں ہے۔ ساتھ نہیں ہے۔ اس پر ریویو لکھنے کا مجھے کوئی موقع حاصل نہیں ہے۔ البتہ گیا جا کر تعمیل حکم کر سکوں گا۔ اس وقت امیدوار معافی ہوں۔ فقط زیادہ حدِ ادب!

دعاگو: امداد امام عفی عنہ کیمپ بڑکا ڈانڈی رام پور اسٹیٹ (یو۔ پی)!
مورخہ ۴ ۲ رمارچ ۱۹۱۳ء

---

(۳)

بنام منشی محمد الدین فوق

معظمی و محتشمی دام مجدکم!

تسلیم بصد تکریم۔ نوازش نامہ مصدرہ ۱۹ راگست وارد ہوا۔ ذرہ نوازی کا شکریہ قبول ہو۔ میں اپنی تصنیفات سے ایک ایک نسخہ معیار الحق اور بہارستان سخن جلد دوم کا ارسال کرتا ہوں۔ ایک کاپی شاہ شرف الدین بہاری مخدوم الملک کے حالات کی بھی جو بزبانِ انگریزی ہے روانہ خدمت ہوتی ہے۔ کتابیں فقیر کی تصنیفات سے بہت ہیں مگر اس وقت موجود نہیں ہیں۔ بہر حال بہارستان سخن ایک ایسی کتاب ہے کہ جس میں ہر طرح کے مضامین داخل ہیں۔

ایک غزل اس وقت حاضر خدمت کرتا ہوں ؎

اپنی آنکھوں میں کھُبے خود رُخِ زیبا ہو کر   آپ کو دیکھتے ہیں آپ تماشا ہو کر
شوق سے پیس تنِ زار کو میرے اے چرخ   چشمِ عالم میں جگہ پاؤں گا سُرما ہو کر
دیکھ ثابت قدمی اہلِ وفا کی اپنے   تیرے کوچے میں رہے نقشِ کفِ پا ہو کر
اپنے مطلب کا ہوا کرتا ہے دیوانہ بھی   قیس صحرا کو گیا کوچۂ لیلےٰ ہو کر
طور یہ بھی ہے کوئی انجمن آرائی کا   انجمن سے ہو نہاں انجمن آرا ہو کر
پردہ داریٔ محبت کی نزاکت دیکھو   چشمِ یوسف میں پھری خوابِ زلیخا ہو کر
ایک جانب سے محبت نہیں پاتی انجام   میں ترا ہو کے رہوں تو رہے میرا ہو کر

سیّد امداد امام اثرؔ

(۱)

بنام احسن مارہروی

جنابِ مستطاب سیّد صاحب دام مجدکم!

تسلیم۔ عنایت نامہ ورود ہوا۔ یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں آپ کے خاندانِ علمی سے خوب واقف ہوں۔ بزرگوں سے مارہرہ کے حالات سُنا کیا ہوں۔ سبحان اللہ کیا کہنا ہے۔ افسوس کہ سادات بلگرام سے آرہ خالی ہو گیا۔ مجھے جمیع صاحبان کو تہہ سے شکلِ نیاز حاصل تھا اور میں ہمیشہ ان کا مورد عنایات رہا۔ اب ان محترم بزرگوار سے بہت کم حضرات باقی ہیں۔ انقلابِ زمانہ بھی کیا چیز ہے۔ اللہ اللہ!

شاعری کا مذاق نحیف کو نہ تھا اور نہ ہے۔ مکروہاتِ زمانہ اور کثرتِ مشاغل سے فرصت بھی نہیں ملی کہ اس کی طرف متوجہ ہو سکتا۔ علاوہ اس کے اس عہد کی شاعری کے ساتھ طبیعت کو فطری مناسبت بھی حاصل نہیں ہے۔ حضراتِ جدّت پسند اردو کی شاعری کو انگریزی کی شاعری بنا ڈالنا چاہتے ہیں۔ مجھے ایسے حضرات کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی نہیں ہے گو مجھے انگریزی میں اتنا دخل ہے کہ اس زبان کی نظم پر نام تر قادر ہوں اور وقت پر سانٹس (SONNITS) وغیرہ لکھ لیا کرتا ہوں۔ ایسی جدّت کے علاوہ مجھے اس عہد کی غزل سرائی سے بھی کوئی حظ نہیں اٹھتا۔ یا دواوین استادان معروف طومار آورد ہیں یا ایسی شوخی کا جلوہ دکھلاتے ہیں جو زنانِ بازاری کا شیوہ ہے۔ گاہے ماہے جو فرصت مل گئی اساتذہ گذشتہ کے کلام سے انشراحِ روحی حاصل کر لیتا ہوں۔ مجھ سے کم فرصت شخص کے لئے مطالعہ کلام میر تقی میرؔ، مرزا رفیع سوداؔ، خواجہ میر دردؔ، ذوقؔ، مومنؔ، غالبؔ، آتشؔ و رندؔ کا کافی ہے۔ مجھے ہرگز اس کی تمنا نہیں ہے کہ شاعروں کی پلٹن میں نام لکھاؤں اسی لئے گلدستوں وغیرہ میں کبھی غزل نہیں بھیجتا اور اس ذریعہ سے نام آور ہونا پسند نہیں کرتا۔ حقیقت امر یہ ہے کہ شاعری کی طرف مجھے توجہ کرنے کا موقع بھی نہیں ہے۔ مجھے مطلق فرصت نہیں ہے کہ کسی گلدستہ کو ایک نظر دیکھ سکوں۔ ضرورتوں سے جگہ جگہ جانا بھی پڑتا ہے۔ اردو اخباروں کو کون پوچھتا ہے پانیونیر اور انگلشمین کو دیکھ لینے کا بعض اوقات موقع نہیں ملتا ہے۔ ہر چند نیورہ میری قیام گاہ ہے مگر یہاں سے اس قدر غائب رہتا ہوں کہ یہ قیام کا نام ہی نام ہے۔ اس انتشارِ قیام کے باعث میں کسی اخبار یا گلدستہ کا سبسکرائبر (Subscriber) نہیں ہو سکتا۔ انگریزی اخبار جو میرے عزیزوں کے پاس آتے ہیں ان کے دیکھ لینے کا بھی موقع کم پاتا ہوں۔ فقط والتسلیم۔

امداد امام اثرؔ از نیورہ ۱۹ ستمبر سنہ ۱۹۰۵ء

سیّد علی حیدر نظم طباطبائی

(۱)

بنام مولوی ضیاء احمد صاحب بدایونی

مکرمی!

السلام علیکم۔ قصائد مومن کے آپ نے جو اشعار لکھے ہیں اسی طرح میرے پاس کے نسخہ میں لکھے ہیں۔ یہ نسخہ بھی نول کشور کا ہے۔ مومن کا طرزِ کلام بھی اسی طرح کا ہے اس میں کچھ زیادہ غلطی معلوم نہیں ہوتی۔

سید علی حیدر۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء

(۲)

بنام صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ[1]

ادام اللہ اقبالکم!

آپ نے اس گرامی نامہ سے مجھے اپنی عنایت و محبت کا کمال ممنون کیا۔ مجھے طیبہ بیگم صاحبہ[2] مرحومہ کی عنایت و محبت یاد آگئی۔ بیشک اس نواح کی آب و ہوا شہر سے بدرجہا بہتر ہوگی لیکن مجھے روز دفتر میں جانا پڑتا ہے۔ ایک روز بیچ انجکشن بھی ڈاکٹر حامد علی صاحب[3] مجھے دے رہے ہیں۔ طبیعت بظاہر رو بہ اصلاح ہے۔ اطمینان ہو جائے تو چند روز کے لئے آپ کے وہاں چلا آؤں گا۔ دیوان بھی بیرسٹر صاحب کے سامنے ہی دیکھوں گا۔

آپ کا دعاگو: علی حیدر طباطبائی

---

[1] صغریٰ بیگم حیدرآباد کے ایک ایرانی نژاد خاندان کی تعلیم یافتہ خاتون ہیں جو پٹنہ کے بیرسٹر ہمایوں مرزا فرزند الفت حسین فریاد (استاد شاد عظیم آبادی) سے بیاہی گئیں۔ متعدد کتابیں لکھیں اور چھپوائیں۔ حیدرآباد کی انجمن خواتین دکن کی سکریٹری ہیں۔ طبقۂ نسواں کی فلاح و بہبود کے متعدد کام کئے ہیں۔

[2] عماد الملک بلگرامی کی دختر، ڈاکٹر کریم خاں خدیو جنگ کی بیوی اور علی یاور جنگ کی والدہ اور طباطبائی صاحب کی چہیتی شاگرد اور لائق خاتون تھیں۔ ان کے صدارتی خطبے، تقریریں اور مضامین، ادارۂ ادبیاتِ اردو کی طرف سے ان کی دختر سکینہ بیگم صاحبہ معتمد شعبۂ نسواں ادارہ نے مرتب کر کے "رسائل طیبہ" کے عنوان سے چھپوائے۔ ان کے ناول انوری بیگم وغیرہ بھی چھپ چکے ہیں۔

[3] حیدرآباد کے ایک مخیر ڈاکٹر جنہوں نے وفات سے قبل غریب طالب علموں کے لئے کئی لاکھ کا ٹرسٹ قائم کیا جس سے وظیفے دئے جاتے ہیں۔

طُور ہی طُور ہے صحرائے طلب میں اپنے　　ذرّہ ذرّہ ارِنی کہتا ہے موسیٰ ہو کر
خضر و موسیٰ کی حکایت سے عیاں ہوتا ہے　　ق　　جلوہ فرمائیاں کیں آپ نے کیا کیا ہو کر
آبِ حیواں کے چھپا رکھنے کو ظلمات بنے　　طُور پہ آئے نظر برقِ تجلّی ہو کر

آج کیوں صحبتِ احباب پہ مرتا ہے اثرؔ
زیرِ مدفن تجھے کل رہنا ہے تنہا ہو کر

میرے پاس بھی پرچہ نظّام کا مرحمت فرماتے رہیئے۔ مجھے بھی اس کا خریدار تصوّر فرمائیے۔ یہ نہ اس خیال سے کہ حضور نظّام اسے پڑھا کرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ پرچہ اپنی اشاعت دینے والے کی خوبیوں کا آئینہ ہے۔ فقط زیادہ حدِّ ادب!

فقیر امداد امام عفی عنہ۔ گیا مراد آباد صوبہ بہار ۲۴ اگست ۱۹۱۹ء

(۶)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

ملازمانِ سرکار مہاراجہ بہادر دام اقبالہٗ!

میں اس وقت سرکار دام اقبالہٗ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کرتا ہوں کہ ان کی ملاقات سے سرکار نہایت محظوظ ہوں گے۔

جناب دلو رام صاحب کوثری جن کی نظمیں قومی اخباروں میں گل فشانی کرتی رہی ہیں نواحِ دہلی کے رہنے والوں میں ہیں۔ آپ کا مذہب وشنوی ہے۔ یہ حد کامل ہیں اور مذہبِ اسلام کے بڑے مدّاح ہیں۔ اہلِ ہنود میں ایسے حق پرست بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ نعت و منقبت میں ان کا کلام سننے کے قابل ہے مرثیہ بھی کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں اور بڑے بے تعصب خیالات رکھتے ہیں ان کو شرفِ حضوری حاصل ہوگا تو خیر اندیش نہایت ممنون و شکرگذار سرکار دام اقبالہٗ کا ہوگا۔

عریضہ
خیر اندیش حیدر یار جنگ طباطبائی

(۳)

بنام صغرا بیگم ہمایوں مرزا صاحبہ

سلمکم اللہ تعالےٰ

تسلیم - آپ دونوں صاحبوں کا تشریف لانا باعث مسرت ہوگا ۔ یقین ہے کہ میرے یہاں جو ماحضر موجود ہوگا اوس سے بھی آپ تکلف نہ فرمائیں گی ۔ مجھے افسوس ہے کہ میں خود اس درمیان میں نہ آسکا ۔ قصد مصمم تھا مگر مہلت نہ ملی میرے گھر میں سلام کہتی ہیں ۔

سید علی حیدر طباطبائی

(۴)

بنام صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

سلمکم اللہ تسلیم !

اس سانحۂ جاں گداز کو سن کر نہایت قلق ہوا ۔ خدا دشمن کو بھی اس غم میں مبتلا نہ کرے ۔ تاریخ کہہ کر جلد بھیج دوں گا —

خداوند کریم آپ کو خوش رکھے اور دنیا کے مکروہات سے محفوظ ۔

میرے گھر کے لوگ اور لڑکیاں تسلیم کہتی ہیں ۔

علی حیدر طباطبائی

(۵)

بنام صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

لکھا صغرا ہمایوں میرزا نے　　　بہت تفصیل سے کشمیر کا حال
زبان اون کی ہے موج آب کوثر　　　قلم اون کا ہمایوں فرہما بال
عبارت ہے کہ تصویریں کھچی ہیں　　　مطابق کس قدر ہے حال سے قال
یہی کشمیر کا جغرافیہ ہے　　　یہی کشمیر کے تاریخی احوال
وہ جھیل اوس کی سمندر آسمانی　　　پہاڑ اوس کے بلند اور چرخ تمثال
وہ طغیانی وہاں کی ندیوں کی　　　کریں جو نوح کے طوفاں کو پامال
جو ہیں ان وادیوں کے رہنے والے　　　پہاڑوں پر وہ چڑھ جاتے ہیں فی الحال
ہزاروں ہوس بوٹ ایسے ہیں موجود　　　جو ہیں طوفاں کے ڈر سے فارغ البال
وہ باغات اوس کے شاداب و معطر　　　وہ نہریں جن میں جاری آب سلسال
غرض ہے خطۂ کشمیر سارا　　　رخ ہندوستاں پر خوش نما خال

علی حیدر طباطبائی

وہ کسی کام کے کرنے کا خواب دیکھتے ہیں تو ہارون و مامون کے دربار کے سوا انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ یعنی وہ یہ منصوبے باندھتے ہیں کہ جب بغداد کا دربار آراستہ ہو اور ہم شان و شوکت کے ساتھ اس میں جا کر پایۂ تقرب پر کھڑے ہوں تو اس وقت علی گڑھ یونیورسٹی کے واسطے ایسا وقف حاصل کریں جس کی آمدنی کیمبرج اور آکسفورڈ کو آن واحد میں گرد کر دے۔ لیکن آہ بغداد کا دربار نہیں ہم میں برکی عروج کا کچھ شائبہ نہیں پھر ہم قومی خدمت کیا کر سکتے ہیں جب اس خواب سے آنکھ کھلتی ہے تو وہ اپنے دماغ کو اس مریض کے دماغ کی طرح خستہ اور مضمحل پاتے ہیں جس نے ابھی کسی دماغی دورے سے نجات پائی ہو۔ اور اس خواب کا سوا اس کے کچھ نتیجہ نہیں ہوتا کہ وہ چند روز تک خواب دیکھنے کے لائق ہی نہیں رہتے۔ جب وہ ایسا خواب دیکھنے لگتے ہیں تو اس کا خیال نہیں کرتے کہ بغداد کا دربار درباریوں کے عروج نے نہیں سجایا تھا۔ بلکہ وہ ان پاک دل کارباریوں کی محنت کا ثمرہ تھا جو راہِ خدا میں جان لڑا گئے تھے۔ اگر ہم بھی پاک دلی سے قومی خدمت کے لئے مزدور بنیں تو پھر عظمت قومی اور شوکت ملکی کا دربار سج جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم مزدوری کرنے کہاں جائیں۔ جواب یہ ہے کہ جہاں ہم ہیں وہیں مزدوری شروع کر دیں قومی عمارت کا سلسلہ راس کماری سے ہمالیہ تک بلکہ دنیا کے ہر حصے میں پھیلا ہوا ہے۔ اور ہر جگہ مزدور نہ ملنے سے کام بند ہے۔ اس اجمال کی تفصیل سنیئے۔ آمدم بر سر مطلب سب سے اول ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم قومی عمارت کے ایک جز ہیں لہٰذا یہیں سے کام شروع کر دیں۔ لڑکے ہیں تو تحصیل علم کریں تحصیل کے لئے ضرور نہیں کہ کالج میں ہی پڑھیں۔ باہر جانے کی وسعت نہیں تو گھر پر پڑھیں کتب نہ ہو تو بھاگ دوڑ کر جو خواندہ مل جائے اس سے سبق لیں کوئی نہ ملے تو بنئے سے حساب کے گُر ہی سیکھیں۔ اگر ایسے گرد و پیش ہیں جہاں کوئی پڑھا لکھا نہیں تو جو کام گاؤں میں ہوتے ہوں ان کو سیکھیں۔ ہل جوتیں۔ لوہار کا کام کریں۔ نجاری حاصل کریں۔ غرض کچھ کریں۔ یہ کرنا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ ہم اس حسرت میں وقت کھو دیں کہ ہم کو وظیفہ ملتا اور کالج میں جا کر پڑھتے۔

ہاں ہم جوان ہیں۔ گھر میں بیوی ہے بچے۔ بڑی بوڑھی ماں ہیں۔ رہنے کو مکان ہے۔ تھوڑی سی معاش بھی ہے۔ جہاں ہم رہتے ہیں وہ شریف مسلمانوں کی بستی ہے جو گزشتہ تاریخ بھی رکھتی ہے۔ ہمارا بھائی بھی ہے۔ دوست احباب بھی ہیں ہم کچھ لکھے پڑھے بھی ہیں صحبت کی بدولت مسلمانوں کی موجودہ اور دوسری قوموں کی حالتوں سے واقفیت رکھتے ہیں۔ سو اب تو بے انتہا کام ہم کو کرنا ہے جس سے ساری عمر فرصت نہیں ہو سکتی۔ ہم کو اول نیک دلی اور وسعت خیالی اور تحمل کی عادت اپنے نفس میں پیدا کرنی چاہئے اس کے ذریعے سے ہم ان لوگوں سے جن سے ہم کو سابقہ پڑے محبت و ہمدردی کے ساتھ مل سکیں گے۔ کفایت شعاری سے زندگی بسر کر سکیں گے ہمدردی و محبت ملنے والوں کو ہمارا گرویدہ کر دے گی، کفایت شعاری اطمینان قلب پیدا کرے گی۔ اب ہم گھر میں جاتے ہیں تو بیوی کو علم کا شوق دلاتے ہیں۔ ضرورت ہو تو اس کو لکھنا پڑھنا بتاتے ہیں۔ رسوم بےجا کی برائی ذہن نشین کرتے ہیں۔ احکام دین کی پابندی کی تفہیم کرتے ہیں۔ جو نقائص عورتوں کی طبیعت ثانیہ بن گئے ہیں ان کے مقابلے نرمی سے جہاد کرتے ہیں۔ لڑکی کی تعلیم کی فکر کرتے ہیں یعنی اس کو کم سے کم جو ممکن ہے لکھاتے پڑھاتے ہیں، سینا پرونا سیکھنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ بوڑھی ماں سے بکشادہ پیشانی پیش آتے ہیں سعادتمندانہ بات چیت کرتے ہیں جو خدمت قابل سرانجام ہو وہ انجام دیتے ہیں مکان کی صفائی کا اہتمام رکھتے ہیں، وغیرہ وغیرہ دیکھئے اس تھوڑی سی دیر میں کتنی خدمتیں انجام دیں تعلیم نسواں، مادی ترقی، حفظ صحت، وغیرہ بہت سے کام کیے۔ دوست احباب سے ملتے ہیں تو ان سے ان کا دکھ درد سنتے ہیں ان کی خوشی سے خوش ہوتے ہیں ان کے رنج سے مغموم۔ مگر یاد رہے منافقانہ نہیں مخلصانہ پھر دیکھتے ہیں کہ ان کو کس خدمت کی ضرورت ہے اس خدمت کو بخوش اسلوبی ادا کرتے ہیں۔ فرض کیجئے ہمارا دوست خوش حال ہے مگر لڑکے کی تعلیم سے بے فکر ہے اس کو اس طرف توجہ دلائیں گے یا وہ بے جا جھگڑتا ہے اس کو اس کی مضرتیں سمجھائیں گے۔ فضول خرچ ہے تو کفایت شعاری کی ترغیب دیں گے۔ فیاض ہے تو روپیہ مفید کاموں میں صرف کرنے کا شوق دلائیں گے۔ وقس علیٰ ہذا۔ اس کے ساتھ ہی یہ توقع نہ کریں گے کہ ایک بار کی فرمائش و فہمائش بارآور

حبیب الرحمٰن شروانی

بنام سید مخدوم عالم صاحب

مخدومی، علیکم السلام و رحمۃ اللہ۔

الطاف نامے کا سپاس گزار ہوں۔ آپ بیکاری کی شکایت کرتے ہیں، اور مجھے باکار بننے کی تدبیر میں مشورے کے خواستگار ہیں۔ مجھ کو تعجب ہوتا ہے کہ ایسا شخص کیوں کر بیکار ہو سکتا ہے جس کے قبضے میں شباب، علمی استعداد، روشن خیالی، خاندانی عظمت، معاش وغیرہ اسباب قوت ہوں۔ مسلمانوں میں کام کرنے کے اتنے میدان کھلے ہوئے ہیں کہ اگر کوئی کام کا شائق ہو تو ع کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست۔ کا مضمون ہوتا ہے۔ ابھی ابھی کی کانفرنس میں جو پریذیڈنشل ایڈریس میں نے دیا اُس میں مسلمانوں کا دماغی و مادّی افلاس جس پیرائے میں دکھلایا ہے وہ دونوں پر تازیانے کا کام نہ دے تو سمجھنا چاہیے کہ دل مر چکے۔ ہر ایک مسلمان (جو بااراده ہو) کرے، اس افلاس کو دور کرنے اور قومی قوا میں اضافہ کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ کس طرح! یہ مجھ سے سنئے۔ مسلمانوں میں جو مرض ساری ہے وہ بے فکری کا ہے۔ باقی کل خرابیاں اس مرض کے اعراض ہیں۔ اگر اس مرض کا علاج ہو جائے یعنی مسلمان اپنی حالت پر غور کرنے اور [illegible] حقیقی طور پر کریں تو آج ہی کایا پلٹتی ہے۔ آپ خانقاہوں میں، مسجدوں میں، عربی مدارس میں، کانفرنسوں میں، کالجوں میں، گھروں میں، بازاروں میں، احباب کی مجلسوں میں، بغرض مسلمانوں کے ہر طبقے میں جا کر دیکھئے بے دلی اور کم حوصلگی کا سناٹا ہر جگہ آپ محسوس کریں گے اور یہ رنگ آپ کہیں نہیں دیکھیں گے کہ ایک یا دو مسلمان جواں مردانہ کسی کام کے کرنے میں جان لڑا رہے ہیں اور ان کی ساری حرکات و سکنات سے حوصلے کی گرمی ٹپک رہی ہے جو دیکھنے والوں کے دلوں میں کچھ نہ کچھ برقی اثر دوڑا دیتی ہے۔ کیا اس سے اعلیٰ اور پاکیزہ کام کسی مسلمان کے واسطے ہو سکتا ہے کہ وہ اس [illegible] کرنے اور حوصلے کی گرمی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ حقیقتہً یہ زمانہ مسلمانوں کے لئے ایک اعتبار سے خوش قسمتی کا زمانہ ہے اور یاد رہے کہ یہ وقت مسلمانوں پر آج کل آن کر پڑا ہے وہ تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا اور جو موقع قومی خدمت کا ہم کو حاصل ہے بہت کم نصیب ہوا ہو گا۔ اگر کوئی جوان عزم نیک و دل کے ساتھ اس خدمت میں جان دے دے تو شہادت کے مراتب پانے کی امید کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کی بے فکری کا ایک شعبہ یہ بھی ہے کہ جب

صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم امارت کے علاوہ علم و فضل میں بڑی بلند شخصیت کے مالک تھے اور جو کتب خانہ انہوں نے فراہم کیا تھا وہ دور حاضر کے نوادر میں سے تھا۔ وقت کے تمام اکابر علم سے ان کے گہرے تعلقات تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے ان کے بعض مکاتیب مجموعہ کاروان خیال میں شائع ہو چکے ہیں۔

۳

بنام جناب وقار الملک صاحب بہادر مرحوم

جنابِ والا، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

والا نامے نے معزز کیا۔ کل پنجشنبہ کو قصدِ روانگی تھا، مگر لڑکے کے پاؤں میں انگوٹھے کی کو پک گئی اس لئے دو روز کا توقف مناسب معلوم ہوا۔ اب کل انشاء اللہ شنبہ کو بوقت صبح یہاں سے روانہ ہو کر شام کو پانچ بجے علی گڈھ سے ریل میں سوار ہونے کا ارادہ ہے۔ اس طرح انشاء اللہ دوشنبہ کو منصوری پہنچوں گا۔ پھر ایک روز ڈیرہ دون آرام دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ راستہ سے انشاء اللہ بذریعہ تار کے جناب کو اطلاع بھیج دی جائے گی۔ بحمد اللہ کہ یہاں خیریت ہے۔ بفضلہ امید ہے کہ عزیزی مشتاق احمد سلمہٗ کو آب و ہوائے کہسار راس آرہی ہوگی۔

نیازمند حبیب الرحمٰن

سنہ ۱۹۱۴ء

۴

بنام سید افتخار عالم مارہروی

مکرمی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

گرامی نامے کا شکریہ۔ حضرت امیر خسرو کی تالیف کا مسئلہ ابتدائے قیام انجمن اردو سے پیش نظر رہا ہے۔ علامہ شبلی مرحوم جب سکریٹری تھے اُس وقت بھی توجہ دلائی گئی تھی اور بعض اہل قلم نے وعدہ کیا۔ میں سکریٹری ہوا تو یاد دلاتا رہا۔ اسی عرصے میں علامہ شبلی نے دو کوششیں کیں۔ ایک شعر العجم میں دوسری حیات خسرو میں۔ جہاں تک میری ناقص نظر ہے جو مواد بآسانی ہاتھ آسکتا ہے حالات کے متعلق وہ صرف ہو چکا۔ جب تک کاوش سے اور زیادہ مواد بہم نہ پہنچایا جائے مزید واقعات نہیں مل سکتے۔ کلام کی بابت ایک کوشش کالج میں ہو رہی ہے اور بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے۔ آپ اگر کام کرتے ہیں تو میری رائے میں کیجئے۔ بیرنٹو لیے شیر پکڑنے کا سامان کیجئے۔ عشق حقیقی است مجازی مگیر + این دم شیر است بہ بازی مگیر

مقصود ڈرانا نہیں ہے، چونکہ آپ نے مجھ کو لکھا ہے اس لیے منزل کی دشواری سے آگاہ کرنا میرا فرض ہے۔ حیات نگار کلام پر مفصل ریویو کرے گا اس کے لیے عمیق اور وسیع مطالعے کی ضرورت ہوگی۔ ایک نقطۂ خیال سے آپ احق ہیں۔ آپ مارہرے کے ہیں۔ امیر خسرو کی زادوبوم پٹیالی تھی یعنی آپ ہی کے ضلع کے باشندے تھے۔

رباعی آپ نے کہاں دیکھی ہے۔ مطبوعہ دیوان میں یا قلمی میں۔ کیا قلمی بقیہ نقیہ مل گیا ہے۔ یہاں جو مطبوعہ ہے اس میں نہیں ہے۔ قلمی مجموعوں میں سے نکالنا آسان نہیں۔ اس لئے صحت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بظاہر الحاقی ہے۔ پہلے مصرع میں تو بہ سالک تصغیر لوسہ ہو سکتی ہے۔ دوسرے مصرع میں جو سالک ہے تو قافیہ کے لئے مرادف معنی چاہیے۔ برہان قاطع میں یہ لغت نہیں ملا۔ چوتھے مصرع میں قافیہ قطعی نہیں۔

۱۵؍ مئی سنہ ۱۹۱۵ء   نیازمند حبیب الرحمٰن حبیب گنج

ہو گی۔ نہ اس سے ملول ہوں گے کہ دوست نے ہماری نصیحت پر عمل نہیں کیا۔ فرض کیجئے ہمارا دوست مفلوک ہے اُس کی بے کاری رفع کرنے کی کوشش کریں۔ کچھ نہ ہو سکے تو اپنے ہمدردانہ برتاؤ اور کلام سے اُس کی مصیبت کے ہلکے کرنے کی کوشش کریں یہ بھی تھوڑی ہمدردی نہیں۔ بھائی سے برادرانہ شفقت کا برتاؤ رکھیں اُس کی ناز برداری کریں اپنے اور اُس کے حقوق کو برابر سمجھیں تنگ دلی سے کام نہ لیں۔ اس طرح دوسروں کے لئے عمدہ نظیر قائم کریں۔ فرصت کا وقت مطالعہ وغیرہ علمی مشاغل میں صرف کریں۔ شادی وغیرہ تقریبوں میں شریک ہوں تو سب سے اول ایسا شگفتہ مزاج قائم رکھیں کہ صاحب تقریب کو ہماری مہمانداری میں دقت پیش نہ آئے۔ بلکہ ہماری آسائش کی فکر نہ کرے تو بھی ہم نہ بگڑیں اور اس طرح دل میں گنجائش پیدا کر کے کچھ مناسب حال الفاظ اس کے کان میں ڈال دیں جو ناکہ اس تقریب میں کام نہ آئے تو آیندہ آئیں گے۔ یہ بھی نہ سہی تو ہمارا برتاؤ دوسروں کے لئے نظیر ہوگا۔ نظیر بھی نہ ہوا تو ہم اپنے فرض سے ادا ہو لئے گئے۔ نیز ایک پریشان حال بندۂ خدا (صاحب تقریب) کی مصیبت نہ بڑھائیں گے۔ ہمارے محلے میں جو مسلمان دوکاندار ہیں ان کو ہم صفائی معاملہ کی ترغیب اس طرح دلاتے ہیں کہ جو ہمارا معاملہ اس سے ہو اس میں صفائی رکھیں اور اُن کے ساتھ سہولت کا برتاؤ کریں۔ موقع موقع سے ہمت استقلال کے متعلق دو چار لفظ بھی اُن کے کان میں ڈالتے رہیں۔ اپنی بستی کی گزشتہ تاریخ کے مرتب کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اُس کے عمدہ سبق تحریراً و تقریراً ابنائے زمانہ کو سناتے ہیں۔ بزرگوں کی علمی یادگاروں کو جو ہماری دسترس کے اندر ہوں قائم و محفوظ رکھنے کی سعی کرتے ہیں اور اس سب کچھ کرنے کے بعد جب (بالفرض) ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جو کوشش ہم نے کی وہ بالکل بار آور نہیں ہوئی بلکہ سب جگہ اکارت گئی تو پھر ہم یہ خیال کر کے مطمئن رہتے ہیں کہ ہم نے اپنا فرض پورا ادا کیا اور یہ اطمینان ہم کو کوشش میں برابر مصروف رکھتا ہے۔ میرے مخدوم! اگر ہم نے اپنی زندگی اس طرح بسر کی تو کیا ہم بے کار رہے اور کیا بیکاری اس کا نام ہے کہ ہم نوکری کے پابند ہو کر بیکار ہو جائیں۔ درازنفسی معاف فرمائیں۔ والسلام بالاکرام۔　　خاکسار حبیب الرحمن

حبیب گنج ۴ جنوری ۱۹۰۴ء

۲

بنام خواجہ الطاف حسین حالی

جناب خواجہ صاحب سرآمد کملائے عصر

سلطنت کے خطاب پر اہل کمال کو مبارکباد دینا غالباً ایک سخت مرحلہ ہے میں نے کلکتہ میں جتنے اللہ جیسے شمس العلماء دیکھے ہیں ان کو دیکھ کر آپ سے اہل کمال کو اس خطاب پر مبارکباد دینے کا حوصلہ کم باقی رہا ہے۔ جہاں غیر مستحقوں نے کسی نہ کسی طرح اس خطاب کے پانے میں کامیابی حاصل کی ہے وہاں　　مولوی فیض الحسن صاحب مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی۔ مولوی شبلی صاحب بھی کسی نہ کسی طرح اس زمرہ میں آ گئے تھے۔ پس میں اس پرشکوہ گروہ کو آنکھوں سے لگا کر آپکو شمس العلماء ہونے پر مبارکباد دیتا ہوں خداوند تعالیٰ آپ کے فیض کے انوار سے ملک و ملت کو عرصۂ دراز تک درخشاں رکھے۔

نیاز مند حبیب الرحمن

حبیب گنج ضلع علیگڈھ ۳۰ جون ۱۹۰۴ء

(۷)

فرزند نواب رفعت یار جنگ ڈپٹی کلکٹر ننگسگور

جناب نواب صاحب سراپا لطف و کرم مدّ محبتہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عزیز گرامی قدر ناصر الدین احمد سلمہ کی شادی کی نوید آپ نے دی۔ کس قدر خوش ہوا بیان نہیں۔ عزیز کی شادی آپ کی ہے اپنا اخلاص محبت اور یاد فرمائی۔ اس سے جو مسرت ہوئی وہ کس زبان میں آسکتی ہے حاضری سے جسم تو قاصر رہے گا۔ لیکن میرا دل اور روح آپ کے اور عزیز سلمہ کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ تقریب سعید مبارک فرمائے۔ نیاز کیش صدر یار جنگ

حبیب گنج۔ ضلع علی گڑھ۔ ۱۴ر جنوری ۱۹۲۰ء

(۸)

بنام نواب رفعت یار جنگ بہادر

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

میں چھ ہفتے کی عادی رخصت پر کل شب انشاء اللہ روانہ ہوں گا۔ کل قبل دوپہر ۹ اور ۱۰ ساعت کے درمیان آپ کے بنگلہ پر حاضر ہوں گا۔ اگر اس وقت مثل تکیہ بابا شاہ مسافر علیہ قدس سرہ موجود رہے تو تبادلہ خیالات باسانی ممکن ہوگا۔

مجھ کو افسوس ہے کہ ایک بار آپ نے یہاں تشریف لانے کی زحمت گوارا فرمائی، مگر نوبت ملاقات کی نہ پہنچی۔

لیک ویو۔ ۱۱ جولائی ۱۹۲۱ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۹)

بنام نواب سید علی حسن مرحوم

جناب مکرم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ شکر کرم

بحمد اللہ مع الخیر میں یہاں پہنچ گیا۔ لکھنؤ کی حاضری کا قصد مصمم ہے انشاء اللہ تعالیٰ تاریخ کا تعین کر کے عرض کروں گا۔ اگست کے اول ہفتے میں وقف کرنال کے ٹرسٹیوں کی میٹنگ طلب کی ہے آپ کی شرکت ضروری ہے۔ اہم مسائل پیش ہو کر طے شدنی ہوں تقسیم روپیہ پھر عمل میں آئے گی۔ والسلام　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ۱۷ر جولائی ۱۹۲۳ء

(۱۰)

جناب نواب صاحب مکرم۔ السلام علیکم

پھولوں کی کشتی پہنچی۔ دل و دماغ پھولوں کی خوشبو سے اور مشام جان الطاف کی مہک سے معطر ہوا۔ دل دماغ اور جان ہر کے سب ادائی شکر سپاس میں تو زبان میں۔ کمرے کئی وقت پھولوں کی خوشبو سے مہکتے رہے۔ امید ہے کہ مزاج سامی قرین عافیت ہے۔

سلہ واقعہ بن یحییٰ حیدرآباد　　امید منزل۔ مطابق ۵ر اپریل ۱۹۲۵ء　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۵)

بنام سید مخدوم عالم صاحب

مخدوم حبیب۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

شکریہ یاد فرمائی۔ الحمدللہ کہ میں مع جملہ اعزہ و احبہ خیریت سے ہوں۔ اور آپ کے کاروبار میں مصروف ہونے پر شکرگزار۔ کام کا سعی کے ساتھ جاری رکھنا ایک ایسی کامیابی ہے جو عارضی نقصان و تکلیف کی تلافی کر سکتی ہے۔ جو آفت آج عالم میں برپا ہے اس کو دیکھ کر غالباً عقل و دانش کسی کو اس تمنا کی اجازت نہ دے گی کہ نقصان سے محفوظ رہنا چاہتے۔ کام ہوگا تو نقصان بھی ہوگا نفع بھی۔ کام نہ ہوگا نہ نقصان ہوگا نہ نفع۔ کون نفع میں رہا؟ جو جائداد آپ کے پاس باقی ہے اُس کو علیحدہ کرنے کا کبھی خواب بھی نہ دیکھئے۔ جائداد جا کر پھر نہیں آتی۔ قدیم شرفا پر معاش کے دروازے بہت کچھ بند ہو چکے ہیں۔ آپ یقین مانئے آپ کے محترم خاندان کے مصائب پر دل دکھتا ہے۔ شہری و دیہاتی زندگی باعث تباہی یا فلاح نہیں۔ اصول کی پابندی بنیاد کامیابی ہے (پابندی اصول جب ہی ہوگی کہ عنایت الٰہی شامل حال ہو) جہاں اصول چھوڑ دیئے گئے۔ نظام زندگی درہم برہم ہو گیا۔ میں نے ابھی ابھی فرنگی محل میں جا کر دیکھا۔ الحمدللہ کہ نخاس اور چوک کے وسط میں وہ بقعہ اس خوبی سے قائم ہے کہ صدیاں گزرنے پر بھی لکھنؤ کی آب و ہوا اسے نہیں پہنچ سکی۔ وجہ محض یہ ہے کہ بزرگوں کے طریقوں کو دانتوں سے پکڑے ہوئے ہیں۔ ستر برس کے لڑکے اطمینان کے ساتھ طلبا کو درس دیتے ہوئے میں نے آنکھ سے دیکھے اور کان سے اُن کا درس سنا۔ اُن کی آنکھ میں نشست برخاست میں وہ جلوے ہیں جو دیکھنے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ بے شک ملا نظام الدینؒ اور بحرالعلومؒ اسی خاندان میں تھے۔ مولوی طفیل احمد صاحب کی یاددہانی میں نے نہیں پڑھی سائنس سے مذہب کو کبھی نقصان نہیں پہنچا ہم کو جو کچھ نقصان پہنچ رہا ہے اس سے کہ ہم نہ سائنس جانتے ہیں نہ مذہب۔ آپ مجھ کو سائنس داں مسلمان بتائیں پھر میں غور کروں گا کہ اُس کے مذہب کو سائنس سے کیا نقصان پہنچا۔ نیم ملا ہمیشہ خطرۂ ایمان رہا ہے۔ نیاز مند

حبیب گنج ۲۰ مئی ۱۹۱۵ء　　　حبیب الرحمٰن

(۶)

بنام سید مخدوم عالم صاحب

مخدومی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ پہنچا۔ چار مزدور بھی آئے۔ قلم یک قلم ختم ہو گئی۔ اہلیہ کے صاحبزادے مع گاڑی کے تشریف لے آئے باغ تو دور جا کر جس قدر قلمیں ہاتھ لگیں لے گئے۔ اس وقت باغبان کو بلا کر کھدوا کر پوچھا تو پانچ قلم دار کا پتا لگا کر روانہ کرتا ہوں۔ تعداد میں کم ہیں لیکن وہ درخت قسم میں اعلیٰ ہیں۔ انناس۔ گلاب خاص۔ تخمی قلمیں فرخ آبادی درخت کا ہے۔ یہ آخر فصل میں پھل دیتا ہے وزن میں بڑا آم ہوتا ہے۔ شیریں ہے مگر ریشہ ہے۔ نارنگی اور امرود وغیرہ کی پود کا یہاں اہتمام نہیں ہے۔ نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۱۵ء

(۱۳)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی - السلام علیکم

۱۴ نومبر کا عنایت نامہ پہنچا ممنون ہوں، میرا نسخہ کلیات میر حسن کا یہاں نہیں ہے میرے خانگی کتاب خانہ میں بمقام حبیب گنج ہے میں آپ کا خط مہتمم صاحب کتاب خانہ کے پاس بھیجتا ہوں وہاں سے تفصیل آنے پر انشاءاللہ مفصل جواب لکھوں گا۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہیں۔[1]

نیازمند حبیب الرحمٰن

حیدرآباد ۸ر دسمبر ۲۶ء

(۱۴)

بنام مولانا مفتی سید شیر علی صاحب[2]

جناب قدوۃ الفضلا عمدۃ العلماء - السلام علیکم ورحمۃ اللہ

جناب کے استاد بھائی مولینا سید سلیمان اشرف صاحب[3] کا رسالہ المبین ہدیۃً ارسال خدمت ہے اس کی نسبت جناب کی گرانمایہ رائے مولف فاضل کو مطلوب ہے۔ اگر اوقات گرامی میں سے کچھ وقت نکال کر مطالعہ فرمایا جائے اور رائے قلمبند ہو تو عنایت کرم ہے جلد ہو سکے تو مزید کرم۔

نیازمند حبیب الرحمٰن

امید منزل، ۱۵ر نومبر ۱۹۲۹ء

(۱۵)

بنام مولانا مفتی سید شیر علی صاحب

قدوۃ الفضلا زبدۃ العلما جناب مولینا سید شیر علی صاحب مد فیوضہم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اجمیر شریف میں مولینا سید سلیمان اشرف صاحب سے ملاقات ہوئی تھی، المبین کی بابت رائے گرامی کا اشتیاق بار بار ظاہر فرمایا اب مکرمت نامہ آیا ہے۔ حافظ احمد حسین خان صاحب[4] کو بھیج کر یاددہی کا ارشاد ہے، چنانچہ تعمیلاً حافظ صاحب آئے ہیں۔ امید ہے کہ کامیاب واپس ہوں گے۔

نیازمند حبیب الرحمٰن

حیدرآباد - ۲۲ر دسمبر ۱۹۲۹ء

(۱۶)

جناب نواب صاحب - وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ زاد کرمہ

الحمدللہ مع الخیر ہوں۔ چہار شنبہ کی شب نواب میرزا یار جنگ بہادر[5] کی دعوت میں پہلے سے مصروف ہے، چہار شنبہ کو ورنگل جانا

---

[1] یہ خط میرے نام لندن میرے استفسار کے جواب میں بھیجا گیا تھا۔ [2] مولانا مفتی شیر علی مرحوم جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں استاد تفسیر تھے [3] مولانا سید سلیمان اشرف مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے استاد دینیات۔ [4] نظام کالج حیدرآباد کے استاد دینیات ہیں [5] مرزا سمیع اللہ بیگ، مرزا یار جنگ چیف جسٹس حیدرآباد

(۱۱)

بنام علامہ عبدالعزیز میمن

مکرمی ذو الفضائل ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

۹ نومبر کا مورخہ سامی نامہ پہنچا۔ ممنون یاد فرمائی ہوں، اس سے مسرت ہوئی کہ آپ کا تقرر مسلم یونیورسٹی میں ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ توفیق سعی بخشے اور سعی مشکور فرمائے۔

(۱) کوشش کیجئے کہ آپ کے طلبا میں ذوق اسلامی و علمی پیدا ہو۔ اس کی وہاں بہت کمی ہے بلکہ فقدان ہے

(۲) مولینا سید سلیمان اشرف صاحب سے اکثر نیاز مندانہ ملئے۔

(۳) وہاں کی تلون سے خود ملون نہ ہو جیئے اور وں کو علمی رنگ کا شائق بنائیے۔ ان شاء اللہ دسمبر کے اواخر میں ملاقات ہو گی زیادہ۔

الدیوان "آگئے" پیش نظر ہیں۔ انشاء اللہ اجازت طبع عنقریب بھیجتا ہوں امتحان کی بقیہ کل اجزا آچکے؟ انشاء اللہ ساتھ لاکر آپ کے حوالے کئے جائیں گے۔ اجرت کتابت اور ہو گی مولینا کھنگشے کو بھیج دیا جائیگا۔ کتاب اچھی ہے نقل دستیاب ہو جائے تو خوب ہو۔

(۴) پارٹی فیلنگ سے بہت سخت اہتمام کے ساتھ محترز رہیں۔ اسی طرح مذہبی مناقشے سے

امید ہے کہ آپ مع الخیر علی گڑھ پہنچ چکے، اسی لئے وہاں کے پتے سے خط بھیجتا ہوں۔

حیدرآباد ۔ ۱۵ نومبر ۱۹۲۵ء — نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۱۲)

بنام نواب رفعت یار جنگ مرحوم

جناب نواب صاحب مکرم سراپا کرم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ شکر کرم

الحمد للہ خیریت ہے اور عافیت سامی کی دعا۔ زحمت فرمائی کی مطلق حاجت نہ تھی ۔۔ ارشاد سابق پاکر حاضری دعوت کا عزم مصمم کر چکا تھا۔ اب دوسرے حکم کی بھی انشاء اللہ تعالیٰ تعمیل بالراس والعینین ہو گی۔

جو مقصد عالی پیش نظر ہے اس ہی کے پورا کرنے کے لئے آج سے ۴۵ برس پہلے ندوۃ العلما قائم ہوا تھا، شروع سے اس کے خدام میں میرا نام ہے۔ اسی مجلس کی فرمائش سے جو کتاب علمائے سلف نامی میں نے لکھی اس میں ایک خاص باب علمائے ماضی کی رواداری کا بھی ہے اس میں مستند روایتوں سے دکھایا ہے کہ علمائے امت مختلف فرقوں کے علما کے ساتھ کیا برتاؤ فرماتے تھے۔ فرقوں کا مٹا دینا تو غالباً ممکنات سے خارج ہو لیکن باہمی نفرت اور عداوت تو بہت کچھ کم ہو سکتی ہے۔

مکرر ۔ یہ ارشاد نہ ہوا کہ بیان کس وقت ہوگا۔ بہر حال میں ۹ بجے انشاء اللہ حاضر ہو جاتا ہوں۔ اس کے بعد جیسا ارشاد ہوگا۔ اگر اس سے پہلے حاضری پیش نظر ہو ارشاد فرمایا جائے۔

نیاز مند حبیب الرحمٰن

امید منزل ۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۲۶ء

(۲۰)

بنام نصیر الدین ہاشمی

کرمفرما - السلام علیکم

شکریہ ادا فرمائی۔ مکرمی امجد صاحب سے دیرینہ تعلقات ہیں حیدرآباد کی حاضری کے زمانے میں خوب تعارف رہا۔ کلام کی خوبیاں دل میں جاگزیں ہیں۔ سب سے ابتدائی مجموعہ رباعیات سے لے کر اب تک کا کلام برابر سامعہ نواز جان پرور رہا ہے۔

آپ نے ان کے کلام کا مجموعہ شائع کیا خوب کیا۔ ایک کلمہ خیر سے برا نہ مانیئے بلکہ اپنے استاد کو دکھا لیجئے۔ امجد صوفی ہیں ان کا کلام بھی صوفیانہ انداز میں شائع ہوتا۔ آج کل کی ظاہر نمائی اس کے مناسب نہ تھی۔ میرا خیال ہے کہ اس سے کلام کا اثر بڑھا نہیں گھٹ گیا۔ ظاہر بین نہ اب سمجھتے ہونگے جب سمجھتے کہ صوفیانہ جلوہ پیش نظر ہوتا اہل فہم اس انداز سے انبساط کی جگہ انقباض محسوس کریں گے۔

حبیب گنج ۴ ر اگست ۱۹۳۴ء

(۲۱)

بنام مولوی ضیاء احمد صاحب بدایونی

کرمفرما۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شکر کرم نامہ۔ دیوان مومن کے نسخے کا شکریہ مکرر۔ ایک ادبی خدمت عمدہ صورت سے ادا ہوگئی۔ حکیم مومن خاں ادب اردو کے رکن رکین اور بزم سخن میں صدر نشین ہیں۔ ان کے کلام کا اس صفائی صحت اور خوبی سے شائع کرنا سارے اہل ذوق کی منت گذاری کا باعث ہوگا۔ جزاک اللہ تعالیٰ۔ کسی مستشرق کا قول آپ نے نقل کیا ہے۔ اس دیوان کو دیکھ کر وہ رائے واپس لے گا۔ کاش وہ یہاں آیا ہوتا تو میں دکھاتا کہ اردو دیوان کس اہتمام سے لکھے اور چھاپے گئے ہیں۔ خدمت میں کوتاہی ہوگی اگر معاونوں کی طرف توجہ نہ دلاؤں۔

"تعارف" اس وقار کے خلاف ہے جو ایک علمی خادم میں ہونا چاہیئے۔ آج کل کے بے مایہ لوگ ہوس خودستائی کو اس سے پورا کرتے ہیں۔ آپ نے ان کی تقلید کیوں کی۔

شرح کی گرانباری نے دیوان کو ایک کورس کی کتاب بنا دیا۔

دیوان کے پانچ نسخے مجھ کو اور بھیج دیجئے۔ قیمت حاضر کی جائے گی۔ کوٹھی بنارسی پہ منشی اللہ داد صاحب کے پاس پہنچ جائے گا۔

حبیب گنج - ۱۳ ر اکتوبر ۱۹۳۴ء   نیاز مند حبیب الرحمن

(۲۲)

بنام نصیر الدین ہاشمی

عنایت و کرم فرما - السلام علیکم -

دو رسالوں کا پیکٹ پہنچا ممنون الطاف ہوں۔ آپ نے مجھ کو یاد رکھا اور غائبانہ عنایت سے مسرور کیا۔ [illegible]

رسالے دونوں مفید و معلومات افزا ہیں۔ "مکتوبات امجد" نے وہ وقت یاد دلایا جب ابتدائی رباعیات کی اشاعت ہوئی تھی۔ امجد صاحب سے ملاقات کا سلسلہ قائم ہوا تھا جو آخر قیام دکن تک مسلسل لطف افزا رہا۔

ہے۔ چہارشنبہ کی دوپہر کو خوشی سے حاضر ہو سکتا ہوں۔
امید ہے کہ مزاج سامی قرین عافیت ہوگا۔

نیازکیش حبیب الرحمٰن
خیریت آباد ۲۸ نومبر ۱۹۳۲ء

(۱۷)

بنام نواب رفعت یار جنگ صوبہ دار اورنگ آباد

جناب مکرم السلام علیکم شکر کرم

انشاء اللہ چہارشنبہ کی دوپہر کو حاضر ہونگا دو رفیق بھی میرے ساتھ ہیں اگر اجازت ہوگی ان کو بھی ساتھ لاؤں گا۔

۲۹ نومبر ۱۹۳۲ء　　　نیازکیش حبیب الرحمٰن

(۱۸)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مکرمی السلام علیکم شکر کرم

رسالہ بھی آگیا۔ آپ نے اس سے پہلے بھی بعض نتائج قلم بھیج کر ممنون کیا تھا۔ پتہ معلوم نہ ہونے سے رسید لکھنے سے قاصر رہا اور اس کو فروگذاشت تصور کر کے نادم بھی رہا۔

اب گذشتہ عنایتوں کا بھی شکریہ ادا کیجئے۔ اب رسالہ تازہ وارد روانہ کرتا ہوں توجہ نہ کیا جائے کہ معاوضہ ہے۔ بلکہ یہ تحفہ درویش ہے چونکہ بے نوا ہمی دارد

نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ۲۵ جون ۱۹۳۳ء

(۱۹)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مکرم فرما السلام علیکم

ممنون کرم ہوں کہ آپ یاد فرماتے رہتے ہیں۔ تمہید شعرات اردو کا ایک نایاب [illegible] پہنچا۔ [illegible] ہندوستانی میں [illegible] رسالہ کی شکل میں بھی وہ مقالہ سامنے آگیا۔

معلوم ہوا ہے کہ آپ کا وقت زیادہ تر ادب اردو کی خدمت میں مصروف ہیں اور روز بروز [illegible] شوق کو کم نہیں کیا ہے۔ امید ہے کہ مزاج سامی بعافیت ہوگا۔ الحمد للہ یہاں خیریت ہے۔

حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ۱۲ دسمبر ۱۹۴۳ء

(۲۶)

بنام آنریبل ڈاکٹر سید محمود، منسٹر بہار، پٹنہ

جناب من، السلام علیکم

مخل اوقات گرامی ہونے کی معافی چاہ کر چند سطریں ایک ملکی تعلیمی ادارے کے بارے میں لکھنا چاہتا ہوں۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کے اغراض و مقاصد اور حالات جناب کو معلوم ہیں، اُن کا یہاں لکھنا تضیع اوقات کے جرم کا ارتکاب ہوگا۔ اس کانفرنس کے اجلاس سالانہ ہندوستان کے تمام صوبوں کے دارالصدر کے علاوہ بہت سے اضلاع اور ایک سے زیادہ اسلامی ریاستوں میں ہو چکے ہیں۔ کانفرنس کے خادموں کی دلی آرزو یہ ہے کہ اُس کا سالانہ اجلاس صوبہ بہار کے مردم خیز و علم پرور دارالصدر پٹنہ میں بھی دیکھتے۔ اور وہاں کے اہل علم اصحاب کی رائیوں سے مستفید ہوتے۔

بہت عرصہ ہوا کہ ہندوستان کے علماء کی مشہور انجمن ندوۃ العلماء کے اجلاس میں پٹنہ حاضر ہونے کا مجھ کو بھی شرف حاصل ہوا تھا۔ اس وقت کی یاد میرے دل میں خصوصاً یہ تمنا تازہ رکھتی ہے کہ زندگی میں ایک بار وہ عزت حاصل ہوتی۔

اجلاس کے متعلق مزید تفصیل نظامی صاحب اور سید الطاف علی صاحب پیش کر سکیں گے۔

نیازمند حبیب الرحمٰن　　　۲۵ اگست ۳۵ء

(۲۷)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی، السلام علیکم

میرے کتب خانہ کے مہتمم کا جواب آیا۔ اُن کی علالت کی وجہ سے جواب میں دیر ہوئی۔ نتیجۂ اطلاع حسب ذیل ہے۔

کلیات حسن اردو :۔ اول، قصائد : منقبت و امراء کی مدح میں۔

مثنویاں :۔ سحرالبیان، رموز العارفین۔ مدح قصر جواہر۔ در بیان شادی۔ ہجو حویلی گرمی۔ صفت چاہ۔ ہجو خاک۔ در صفت سورجہ۔ تعریف باد بیجانہ۔ در تعریف فیض آباد۔ مدح جواہر علی خاں۔ تہنیت عید۔ متفرق ۳۔ جملہ ۱۵ مثنوی۔

اس کے بعد غزلیات۔ مخمسات۔ مسدسات۔ فردیات، رباعیات۔ واسوخت۔

تفصیل بالا سے معلوم ہوگا کہ انگلستان کے نسخے سے میرے یہاں کے نسخے میں کلام زیادہ ہے۔ البتہ مثنوی گلزار ارم کا نام مہتمم نے نہیں لکھا۔ امید کہ آپ خیریت سے ہیں۔ الحمد للہ یہاں عافیت ہے۔　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حیدرآباد، ۶۔ جنوری ۱۹۳۵ء

امید ہے کہ مزاج سامی قرین عافیت ہوگا۔ بحمد اللہ یہاں خیریت ہے۔ نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ۲۴ جنوری ۱۹۳۶ء

(۲۳)

بنام عرشی صاحب

مکرمی ناظم صاحب کتابخانہ ریاست، السلام علیکم

شکریہ یاد آوری۔ یہاں کی کتابوں کی متعدد نوعیت کی فہرستیں مرتب و لکھی تو ہیں مگر مطبوعہ نہیں ہیں۔ اگر ہوتیں تو ضرور ارسال کی جاتیں۔ یہاں دیہات میں ناقل کا اہتمام بھی دشوار ہے۔ اگر وہاں سے ناقل آ سکے تو نقل آسانی سے ہو سکے گی، کوشش کی جائے گی کہ طعام و قیام کی ان کو تکلیف نہ ہو۔ حال میں ایک عالم کتابخانہ آصفیہ حیدرآباد سے آ کر مواد فہرست لے گئے ہیں۔ نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۲۸ رجون ۱۹۳۶ء

(۲۴)

جناب نواب صاحب صدر یار الطاف و کرم مد الطافہ۔ السلام علیکم

کارڈ تقریب عزیزہ سلمہا کا آیا۔ یاد فرمائی کا دل شکرگزار ہے۔ جسماً تو شرکت سے مجبور رہا لیکن میرا دل آپ کی مسرت میں شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل بیت اطہار کے صدقے میں یہ تقریب مبارک فرمائے، عرصہ دراز تک دولہا اور دولہن شاد و کامیاب رہیں۔

بارک اللہ علیہما و جمع فیہما بالخیر۔　　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب منزل، علیگڈھ۔ ۱۶ نومبر ۱۹۳۶ء

(۲۵)

بنام نواب سید شمس الحسن صاحب خلف جناب نواب سید علی حسن صاحب

عزیز گرامی قدر سلمہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم و رحمت اللہ و برکاتہ!

آپ کے والد ماجد اور اپنے مہربان مخدوم نواب صاحب کی خبر رحلت سے دلی افسوس ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ نواب صاحب کی خدمت میں دیرینہ نیاز تھا جس کے باعث علامہ شبلی مرحوم ہوئے تھے۔ اس دوران میں مرحوم کے جو اوصاف دیکھے تھے وہ ہمیشہ نقشِ دل رہیں گے۔ ہر ملاقات میں حسن اخلاق اور مخلصانہ محبت کا اثر دل محسوس کرتا تھا۔ ندوۃ العلماء کی نظامت جس بے لوث اور خلوص سے کی وہ یادگار ہے۔ جس وقار اور شان سے زندگی بسر کی وہ مثال ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جناتِ الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آپ کو اور جملہ پس ماندوں کو صبرِ جمیل اور اجر جزیل بخشے۔ نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علیگڈھ۔ ۲۴ نومبر ۱۹۳۶ء

امید ہے فرائضِ اشاعت کی طرف جو توجہ مبذول ہوئی ہے وہ ایک واقعی نعمت ہے اگر مرتبہ بھی ہو تو بہتر ہے نقائص ... مناسب التماس ہے کہ نسخہ ضرور ثابت ہو تصحیح و تحشیہ کا بھی مشتاق ہوں والسلام ختم الکلام

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۳ اپریل ۱۹۳۲ء

(۳۱)

بنام عرشی صاحب

مخدوم مکرم ... الطاف ... السلام علیکم و رحمۃ اللہ

غلام مصطفیٰ خاں ایم اے مسلم لیگ رام پور آتے ہیں سید حسن غزنوی کے متعلق ریسرچ کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری لینی چاہتے ہیں ... اسی سلسلے میں آتے ہیں ... سرمایہ خوشی کا ... رام پور آتے ہیں ... خاک ... امید ہے ... ملاقات ہوگی ...

آپ ... اگرچہ ... کرچکے ہیں تاہم میرے خوق ... ان چند سطور ... پر آمادہ کیا

امید ہے کہ آپ ... بخیر و مشاغل ... میں مصروف ہونگے الحمدللہ خیریت ہے

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۲ء

(۳۲)

بنام عرشی صاحب

مکرم و محترم ... عرشی صاحب ... السلام علیکم و رحمۃ اللہ

غلام مصطفیٰ خاں ... غزنوی کے کلام ... ریسرچ ... رام پور ... ان کی تحریر سے معلوم ہوا کہ دیوان حسن ...

... کتب خانہ ریاست ... سے ممنون ہوں گا اگر ... ان کی نقل بعد مقابلہ یہاں آجائے ... اجرت ...

امید کہ مزاج گرامی مقرون عافیت ہوگا ... مشاغل ... مصروفیت ہوگی الحمدللہ یہاں بھی خیر و عافیت ہے

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ... ۱۹۳۳ء   نیازمند حبیب الرحمٰن

(۳۳)

بنام عرشی صاحب

کرم فرمائے ... السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

... صاحب ... اہل علم ... رام پور تشریف ... مخطوطات ...

... رسالت ... آپ کے اخلاق کریمانہ و علم دوستی سے ...

... ممنون ہوں گے۔

... الحمدللہ یہاں خیریت ہے   نیازمند حبیب الرحمٰن

۱۶ جنوری ۱۹۳۳ء

(۲۸)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

اول شکر عنایت نامہ کا اس کے بعد مکاتیب غالب کا

مکاتیب دیکھ رہا ہوں۔ بڑی ادبی خدمت ہوئی۔ ریاست رامپور کا قدیم شاہانہ حارث پوری کے شایاں۔

ہز ہائنس مد اقبالہ کے عہد کی گرامی پایہ یادگار ہے۔ دلی تمنا ہے کہ بہت سی ایسی یادگار رہیں۔ سلسلہ جاری رہے۔

چیف منسٹر صاحب کے توجہ نے بڑی مدد کی بلکہ یہ کہیے کہ پروان چڑھایا۔

آپ کی دیدہ ریزی اور محنت اور آپ کے معاونوں کی خدمت لائق صد تحسین و ستائش ہے۔

یہ کام رامپور ہی میں ہونا تھا اور وہ بھی آپ سے نکتہ سنج کے ہاتھوں سے

آفرین بر دست و بر بازوئے تو　　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۴ مارچ ۱۹۳۸ء

(۲۹)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر، السلام علیکم

رات مکاتیب غالب صفحہ ۸۰ تک پڑھ ڈالی۔ آپ کی کوشش بلیغ کا دل نے مزید اعتراف کیا۔ اللہ تعالیٰ رامپور کو ہمیشہ اس

سے علمی اہتمام میں مشکور رکھے۔

جس دیدہ ریزی سے آپ نے واقعات کی تحقیق کرنے میں وقت صرف کیا ہے وہ ہر ایک واقعہ کی صحت کو بڑھا دیتا ہے۔ مولوی عبدالحق

صاحب کے ذخیرہ کتب کے بابت ذکر صفحہ ۱۰ انتہا ہے۔ یہ پورا ذخیرہ انجمن ترقی ہے کہ بہت سا حصہ باقی بھی رکھا تھا۔ جو غبن ہے تک ذخیرہ ہوتا۔

مولوی شبلی صاحب مرحوم نے بھی بہت سی کتابیں اس نیت سے دیکھی تھیں اور اس بناء پر موصوف فرمایا کرتے تھے کہ اگر ان کتاب خانوں کی تاریخ

لکھی جائے تو ان کی وسعت پر لوگ حیرت کریں۔

رامپور کے مختلف علوم کے نوادر کی ذخیرے کے یہاں بھی ہیں۔ مولانا حکیم مظفر حسین خاں کے نسخہ علاوہ مہر کے ہیں۔ دو پر حکیم

نجم الدولہ کی بھی مہر ہے۔ مزاج گرامی کی دعا ہے۔ آپ کا نیازمند ہوں۔　　　نیازنشان حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۵ مارچ ۱۹۳۸ء

(۳۰)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما کرم و لطف بے حد، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

۱۵ مارچ کے سامی نامہ کا جواب لکھ رہا ہوں۔ مکتوب کا ابھی دیکھ رہا ہوں پژمردہ جان پر

(۳۷)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما صاحب الفضل عرشی باامتیاز کو فرشی خاکسار کا سلام

گرامی نامہ پہنچا [illegible] لطف [illegible] مقالہ بہت غور سے دل لگا کر پڑھا کسی ترمیم کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی لہٰذا معارف کو بھیجا جا رہا ہے ممنون ہوں کہ آپ نے میرا ذکر بلطف خاص سے فرمایا گیا مظہر کے متعلق [illegible] آپ نے جو تحقیق کا قدم آگے بڑھایا ہے [illegible] الفضل [illegible] والسلام مع الاکرام

نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۵ اپریل ۱۹۴۱ء

(۳۸)

بنام عرشی صاحب

عزیز باتمیز کی خدمت میں فرشی بانیاز کا سلام

اس وقت پروفیسر شیرانی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آج کل قدرت اللہ شوق کا تذکرہ طبقات الشعراء حسب فرمائش انجمن ترقی اردو ایڈٹ کر رہے ہیں دو نسخے موجود ہیں تاہم مزید نسخہ مطلوب ہے ... ... کتاب خانہ ریاست رامپور میں نسخہ موجود ہوگا تو آپ شیرانی صاحب کو اس کے پتے سے آگاہ فرما دیں مجھ کو اس کا اطمینان ہے کہ آپ کا شوق [illegible] مدد میں دریغ نہ فرمائیں گے اس لئے مزید تحریر غیر ضروری ہے والسلام مع الاکرام

نیاز مند حبیب الرحمٰن

لاہور ۱۵ اپریل ۱۹۴۱ء

(۳۹)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر دام الطافہم السلام علیکم

باعث تکلیف دہی یہ کہ کتاب شرح صدر شہید علی ادب القاضی امام ابی بکر خصاف کتاب خانہ ریاست میں ہے یا نہیں حیدرآباد میں اس کے طبع کا اہتمام ہو رہا ہے۔ اول نسخہ مطلوب ہے۔

نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۴ جولائی ۴۱ء

(۴۰)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر محقق بلند پایہ عرشی صاحب السلام علیکم

المعارف جولائی۔ اگست میں آپ کا محققانہ مضمون پڑھا شوق انگیزی و لطف بخشی آپ کی تحقیق اور انداز بیان نے ہمیشہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک ایسے نازک پہلو طلب افزا [illegible] مضمون آپ نے لکھا ہے دل حیرت میں ہے کہ صدیوں کی گمنامی کے بعد مظہر کس قوت سے نمایاں ہو رہا ہے۔ حمد کس پہ ہوا کہ ظہور الامر [illegible] روشنی کی طرح نکلا۔ اور جو پردہ چھپانے کے لئے ڈالا گیا تھا۔ وہ [illegible] کا باعث ہوا۔

(۳۴)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

شکر کرم۔ مضمون بہت وقیع ہے۔ مگر میرا علم محدود کوئی تصنیف میرے پیش نظر نہیں جو گزشتہ کتابخانوں کے بابتہ آگاہی بہم پہنچائے اس لئے مجبور رہوں۔

ایک مخلصانہ گزارش۔ میدان ریڈیو شاری امتیاز نہیں رکھتا والسلام بالاکرام　　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۵ اپریل ۱۹۴۰ء

(۳۵)

بنام علامہ کیفی چریاکوٹی مرحوم و مغفور

مولوی صاحب۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

الطاف نامہ اور تصنیف دو مہینے سے پیش نظر ہے۔ تحفہ افزا ہے کیف آفریں ہے۔ تاخیر ضرور قابل گرفت ہے مگر عذر اعتماد کرم اور لطف اندوزی ہے۔

نظم سے ایک بار زیادہ مستفید ہوا۔ کلام کی خوبی نے گرویدہ کیا۔

ممدوح کی بے مائگی مدح پر شرمندہ۔

بہرحال اس دور میں فارسی کا قصیدہ اس روانی و برجستگی سے اداء کرنا قابل صد آفریں ہے۔

مجھ جیسے ناشناس کی تحسین و آفرین نہیں اہل فہم و سخن شناس کے صد آفرین کے لائق ممنون کرم ہوں اور شکر گزار الطاف۔ والسلام

۳۔ جون ۱۹۴۰ء

(۳۶)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر مد العالی فہیم　السلام علیکم و رحمۃ اللہ

منشی احمد حسین صاحب نے مقالہ گرامی لا کر مجھ کو دیا۔ تفسیر کے متعلق بحث محکمانہ ہے میں نے پڑھا روح فرحت بالیدہ ہو گئی۔ کامیابی عظیم ہے۔ بارک اللہ۔ دل تمنا ہے کہ اور نسخے ملے اور نسخہ کتابخانہ مکمل ہو کر شائع ہو۔ ہز ہائینس نواب صاحب بہادر نے اشاعت منظور فرمائی یہ اس عہد کا بڑا علمی کارنامہ ہو گا۔

مکرر مبارک۔ دوسری صدی ہجری کی تالیف تفسیر کی اشاعت بڑا کارنامہ ہو گا۔ انشاء اللہ

منشی موصوف نے یہ مژدہ بھی سنایا کہ حبیب گنج میں ملاقات اور معائنہ کتابخانہ آپ کے پیش نظر ہے۔ اہلاً و سہلاً مرحبا۔

بوقت فرصت ضرور قصد کیجیے۔ دلی مسرت حاصل ہو گی۔ امید ہے کہ مزاج سامی مع الخیر ہو گا۔ الحمد للہ تعالیٰ یہاں بھی خیریت ہے۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۶ فروری ۱۹۴۱ء　　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

اس عبارت بالا کے شروع کرنے سے پہلے یہ الفاظ لکھے ہیں "نقل کتبہ کاتب"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نسخے سے یہ نسخہ چھاپا گیا وہ نواب صاحب کا دیکھا ہوا تھا۔ تالیف تذکرہ کا سال ۱۲۵۰ھ ہے۔

الحمد للہ خیریت ہے آپ کی صحت کا آرزومند	نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج - ۱۹ ستمبر ۱۹۴۱ء

---

(۴۳)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر - السلام علیکم و رحمۃ اللہ

زحمت انتظار کی معافی چاہتا ہوں۔ کتاب مرآۃ الاسرار کی نقل بموجب نمونہ ۲ کرا دیجئے۔ اجرت کا حساب اصل کتاب کے صفحہ بہ صفحہ کے مطابق ہوگا نمونہ میں کششیں زیادہ ہیں۔ والسلام

کیا آپ کے کتابخانۂ فیض رسا میں امام طیبی کا حاشیہ تفسیر کشاف ہے؟ مسمی بہ فتوح الغیب	نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۱ء

---

(۴۴)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما عنایت گستر - السلام علیکم و رحمۃ اللہ

ایک معذرت خواہ امیدوار کرم حاضر ہے۔ خطوں کے جواب میں خلاف معمول اس قدر تاخیر ہوئی ہے کہ آپ کو زحمت انتظار رہی مجھ کو معذرت کرتے نہیں بنتی۔ کثرت اشغال۔ بیرونجات کی مسلسل آمد و رفت باعث ہوئی۔ اس کے ساتھ اتفاق بھی ہے کہ ایسا ہوا۔ ایک باعث یہ ہے کہ مہتمم کتابخانہ آجکل علیل ہے

غالب کا نمونہ فارسی خط میرے پاس ہے۔ مہتمم صحت پا کر کتابخانے میں آئیں انشاء اللہ نقل ارسال خدمت ہوگی

فہرستوں کے زبان کے بابت عرض ہے کہ جس زبان کی کتابیں ہیں اسی زبان میں ان کی فہرست تو فائدہ اتم ہوگا۔ میرا ایسا خیال ہے۔

فہرست عربی کا نمونہ مہتمم کے تحویل میں ہے۔ صحت کا انتظار ہے۔ مرآۃ الاسرار کی نقل کے مصارف کا اگر تخمینہ پورا عنایت ہو تو نقل کی بابت معقول نمونہ ۱ و ۲ دونوں کا تخمینہ عنایت ہو۔ خیریت سامی کا ... اگرچہ تمام نامہ معذرت ہے والسلام

مگر میرا ربط آپ سے ہے۔ اس لئے بکار سرکار رام پور غیر ضروری ہے۔	نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ - ۲۶ نومبر ۱۹۴۱ء

---

(۴۵)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما عنایت گستر مد الطافہم - السلام علیکم و رحمۃ اللہ

شکریہ از کرامت۔ مرآۃ الاسرار کی نقل کے مصارف کی تفصیل معلوم ہوئی۔ کاغذ کے مصارف اور معلوم ہو جائیں اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ کاتب کو کیا پیشگی دیا جائے گا تو میں رقم حاضر کر دوں۔ عمدہ خط والے کاتب سے لکھوائیے۔ نمونے کے قلم سے ذرا قلم خفی کر دیا جائے تو زیادہ موزوں معلوم ہوگا۔

مہتمم کتابخانہ تو ہنوز علیل ہیں شفاہ اللہ تعالیٰ دوسرے قلم سے خط غالب کی نقل ملفوف ہے۔

اس کے بعد مستشرقین سے جو احتساب ہوا وہ بھی سبق آموز ہے۔ آج وارالخی ایکہ نام نہاد اہلِ تحقیق رہ گیا اور اپنے کے تسبیح خواں بنے ہوئے ہیں۔ عرشی نے اپنے خیال کی بلندی قائم رکھی۔

بالآخر آپ نے "کرنی" کی تحقیق میں جو مراتب و مدارج طے کیے وہ قابلِ مبارک باد ہیں۔

آپ کے مضمون کو پڑھ کر پورا اطمینان ہو جاتا ہے کہ مظہر کرہ شاعر اور مولف شرح ظہور الاسرار ایک ہے

مظہر کی روح آپ کی تحقیق سے شاد ہوئی ہوگی۔ جزاکم اللہ تعالےٰ

تھوڑی سی خود غرضی۔ مرآۃ الاسرار کا حوالہ پڑھ کر طبیعت مشتاق مطالعہ ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کی نقل کا اہتمام ہو سکے۔ جیسا کہ اس سے پہلے کتابخانہ ریاست سے یہ کتابخانہ فیض حاصل کر چکا ہے۔ والسلام والاکرام　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۳ اگست ۱۹۴۱ء

(۴۱)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما کرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

شکر کرم۔ سرورست موم مفسر صاحب کا نام تحریر فرمایئے تا کہ خط لکھوں اور تفصیل سے ممنون کیجیے کہ "معمولی خط" کی کیا لاگت ہوگی؟ خط پاکیزہ کاغذ عمدہ اور مضبوط تک کس لاگت میں ہاتھ آئے گا۔

اس کے بعد انشاء اللہ جواب مفصل پیش ہوگا۔ والسلام ختم الکلام　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۴ ستمبر ۱۹۴۱ء

(۴۲)

بنام مالک رام

عنایت گستر مہر پرور

خط پڑھ کر کس قدر خوشی ہوئی۔ کیا بیان کروں۔ جب عرصہ تک کوئی خط نہ آیا تو جامعہ ملیہ سے دریافت کیا جواب شافی نہ ملا۔ بار بار خیال رہا۔ خط میں جس وقت "مالک رام" پہ نظر پڑی، دل خوشی سے اچھل گیا کہ مطلب پا لیا۔ اس سے اور زیادہ خوشی ہوئی کہ باوجود دوری ملک میں ہونے کے ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔

مفتی ولی کی کتاب سراج المعرفت میرے یہاں نہیں ہے نہ غالب کی پنج آہنگ مطبوعہ مطبع نور الدین۔ تذکرہ گلشن بیخار البتہ خود شیفتہ کا صحیح کردہ چھپا ہوا نسخہ ہے۔ مگر مطبع کا نام نہیں۔ انتہا یہ کہ ٹائیٹل پیج بالکل سادہ ہے۔ غالباً جہانگیر آباد دہلی میں چھاپا گیا۔ اس کے اختتام کی عبارت لکھتا ہوں عبارت آرائی سے قطع نظر کر کے مطلب کے الفاظ لکھ رہے ہیں۔

الحمد کہ سخن آفریں را ستایش و آفرینندہ کلام ہمیں را نیایش کہ بتاریخ دوم شہر شوال المکرم ۱۲۵۲ھ یک ہزار و دو صد و پنجاہ و دو از ہجرت سردار انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایں جامہ جہاں نما۔۔ موسوم بہ گلشن بیخار۔۔۔۔ بیساختہ و پرداختہ۔۔۔۔ نواب مصطفیٰ خاں بہادر متخلص بہ شیفتہ است بریں اوراق آرایش و بنظر تصحیح جناب ممدوح نمایش گرفت۔

سے ملاقات نہیں۔ کیا آپ کے اطمینان پر یہ نسخے مل سکتے ہیں۔ مصارف آمد و واپسی میرے ذمہ ہیں گے۔

امید ہے کہ مزاج گرامی مع الخیر اور مصروف مشاغل علیہ ہوگا۔ الحمد للہ میں بعافیت ہوں۔ والسلام

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۵ اپریل ۱۹۴۳ء　　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۵۰)

بنام عرشی صاحب

کرم گستر لطف پرور گرامی مرتبت عرشی مکرم۔ فرشی کا سلام شوق ما فوق شکر لطف و کرم

حسب معمول معتبر تحریر سامی مژدہ ادبی ہے کہ آئی انتخاب مرزا غالب کی اشاعت دل نواز خبر ہے۔ نسخہ میرے پاس آئے جو قیمت مقرر ہوگی حاضر کی جائے گی۔ علیٰ ہذا القیاس دستور الفصاحت الکاشف کے نسخوں کی تفصیل دیکھی۔ یہاں جو نسخہ نقل ہوا ہے۔ اس کے مقابلے اور تصحیح کا اہتمام کل سے شروع ہوتا ہے۔ انشاء اللہ متعدد نسخے جمع ہیں۔ اگر آپ کے باقاعدہ توسط سے نسخہ ع۲۵ اور ع ۲۹و۳۱ یہاں بھجوا دیں گے۔ نیز بیمہ تو بیشاکر م قاضی سید احمد شاہ صاحب اور آپ کا ہو۔ انشاء اللہ بعد فراغ جلد بحفاظت نسخے واپس ہونگے۔ مصارف آمد و رفت میرے ذمہ ہوگے

الحمد للہ بہ عافیت ہوں۔ آپ کی عافیت کا آرزو مند۔ والسلام ختم الکلام　　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۷ مئی ۱۹۴۳ء

(۵۱)

بنام عرشی صاحب

بلند پایہ ادیب جناب عرشی مکرم　　خاکسار کا سلام فرشی

شکر کرامت۔ بہ تعمیل ارشاد اصل نسخہ سید حسین سے مقابلہ کیا۔ جو پر چہ منورو گرامی نامہ تھا۔ اسی پر نتیجہ مقابلہ[1] لکھ کر واپس کر رہا ہوں۔ یہ مصرع کہاں کا ہے "اگر توفیق از ساحراں اختر" اس کا پتہ نہ لگا اس لئے مقابلے سے معذور رہا۔ مکرر۔ لفافہ بند کر کے دوبارہ نظر ڈالی مصرع مل گیا۔ مقابلے کا نتیجہ درج پرچہ ہے

مہتمم کتابخانہ مولوی صاحب شرح طیبی کے نسخوں کے مقابلے میں منہمک ہیں اس لئے تعمیل ارشاد نہ کر سکے تاخیر کا خیال کر کے اس وقت میں نے ہی مقابلہ کر کے تعمیل ارشاد کی۔

مکاتیب غالب کے بابت دوسرے وقت عرض کر سکوں گا۔ اس وقت کوئی خیال پیش نظر نہیں والسلام

مکرر یہاں کا محولہ نسخہ سید حسین ۱۲۸۴ھ کا چھپا ہوا ہے۔ میرزا کو اس پر "مدظلہ العالی" سے یاد کیا ہے۔ محمد مرزا خان نے اپنے مطبع محمدی دہلی میں چھاپا تھا۔

نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۴ جون ۱۹۴۳ء

---

[1] میرا استفسار تھا: "اگر توفیق از ساحراں اختر" یا مالک رام صاحب نے عظلیہ چھاپا ہے ـــــ اسی پر چہ پر یہ سطر لکھ دی "یہ مصرع قطعہ تاریخ غسل میں نہیں ہے یہ بھی معلوم نہ ہوا کہاں کا ہے اس لئے مقابلہ متعذر تعین سے ابہام ہو مقابلہ کیا۔ ۔ بائے حبیب الرحمٰن ہوا ہے۔ مکرر۔ دوبارہ دیکھنے میں پتہ لگ گیا" اصل میں عظلیہ ہے جیسا مالک رام نے لکھا ہے۔

امید ہے مزاج سامی مع الخیر ہوگا۔ الحمد للہ یہاں خیریت ہے۔

مکرر کاغذ کا انتخاب آپکی رائے زریں پر محمول ہے۔　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲ جنوری ۱۹۴۲ء

(۴۶)

بنام عرشی صاحب

مصدر لطف و کرم عرشی صاحب السلام علیکم

ایک محترم کی فرمائش یہ دریافت کرنے کی ہے کہ آیا رام پور لائبریری میں اخبار الاخیار حضرت شیخ دہلویؒ کا نسخہ بخط مولف ہے۔ جواب منت افزا

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۶ اپریل ۱۹۴۲ء　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۴۷)

بنام عرشی صاحب

کرم گستر

نیکی، پوچھ پوچھ بزم معارف میں ذائقہ ادب چکھ چکا ہوں۔ مقالہ ضرور عنایت ہو۔ والسلام

حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۱۱ مئی ۴۲ء　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۴۸)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما عنایت گستر۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

بنا، شرف الدین نے چھاپے کے نمونے آپ کے فرمائش کے بموجب میرے پاس بھیج دیئے ہیں۔ تھوڑی تکلیف گوارا کر کے نمونے دیکھئے۔ پسند کیجئے۔ مولوی عبدالحمید خاں اور میں نے نمونہ ۲ پسند کیا ہے۔ آپ کو بھی اتفاق ہو تو فرم سے یہ دریافت کر لیجئے کہ نمونہ مذکور کے اگر ایک ہزار نسخے طبع ہوں تو کیا صرف ہوگا۔ نیز ۵۰۰ نسخوں کا۔ آپ میرے لئے ہوئے تعجوم آتے ہیں اہل شوق کو دعوت دے رہے ہیں یاد کر رہے ہیں۔ میں مسرور ہوں کہ بحمدہ تعالیٰ احباب باہم پر کرم فرما ہوں گے۔ لطف ہم آمیں حاصل ہوگا۔

یا رب ایں آمدوست من چہ خوش است　　تو بدیں آمدہ مرا برساں

حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۱۳ مارچ ۱۹۴۳ء　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۴۹)

بنام عرشی صاحب

لطف و کرم فرما عمر آمد آویا۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

یہاں ایک نسخہ کئی نسخوں سے شرح کاشف امام طیبیؒ کا نقل کیا گیا ہے۔ اب اس کے مقابلے کا اہتمام ہے۔ مزید نسخوں کی تلاش ہوتی ہے جناب میاں محمد رضا صاحب محدث مرحوم کے خاندان میں ایک سے زائد نسخے ہیں۔ میں اس آستانے کے حاضر باشوں میں سے ہوں مگر جانشین حال

(۵۶)

بنام عرشی صاحب

مکرم و کرم فرما عرشی کو مخلص کا فرشی سلام

کتابخانہ عالیہ ریاست رام پور میں نواب نجیب الدولہ مرحوم والی نجیب آباد کی نادر شبیہ ہے۔ اگر آپ کی توجہ سے اس کی تین کاپیاں مجھ کو مل سکیں تو دل سے ممنون ہوں گا۔ مجھ کو حضور پُر نور فرماں روائے رام پور کی علم نوازی سے امید ہے کہ پیشگاہ معلّیٰ سے اس کی اجازت صادر ہو سکے گی۔

نیاز مند حبیب الرحمٰن ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ نیاز۔ شوق سلام۔

سلطان جہاں منزل علی گڑھ۔ مورخہ ۷ اپریل ۱۹۴۵ء

(۵۷)

بنام عرشی صاحب

ادیب بلند پایہ عرشی بلند پایہ ‏ ‏ ‏ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

علی گڑھ سے کارڈ آپ کا لکھا ہوا یہاں آیا۔ نادرات شاہی کے انطباع کا مژدہ لایا۔ اس سوال سے بڑا لطف دل نے پایا۔ کیا جناب نے ملاحظہ فرمائی جناب کی توجہ نہ ہو اور کتاب ملاحظہ ہو جائے یہ کس طرح ممکن ہے۔ ایک نسخہ قیمتاً میرے پاس آجائے۔ ‏ ‏ ‏ نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۶ اپریل ۴۵ء

(۵۸)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر ‏ ‏ ‏ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شکر کرامت۔ نادرات شاہی آئی جو آنکھیں بابر و جہانگیر کی تحریریں اولوالعزمیوں کی تصویریں دیکھ چکی ہیں وہ ان تصنیفوں سے عبرت زدہ ہوتی ہیں۔ تخت نشین شہر یار۔ مشاغل یہ۔ حیف صد حیف۔ کیسے کیسے امراء گرد حاضر کام کون لے۔ تصویر کی اطلاع کانفرنس کو کرتا ہوں وہیں کی فرمائش پر مکلف ہوا تھا۔

ملک گوہر کا نسخہ یہاں نہیں ہے۔

مولوی معین الدین صاحب کا سلام مسنون ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۲ مئی ۴۵ء

(۵۹)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما الطاف گستر عرشی با امتیاز کی خدمت میں فرشی با نیاز کا سلام اخلاص انضمام۔

گوناگوں نوازشوں کا شکر پیکٹ کھولی۔ ایک جاں فزا دلپذیر نظر چڑھی۔ کیا وجاہت ہے۔ کیا شان ہے۔ اب نہ یہ صورتیں ہیں نہ وہ سیرتیں۔

ایک کاپی سید الطاف علی صاحب فرمائش کو دیدوں گا۔ اور وہ چاہیں گے تو سب ان سے ایک کاپی ری ٹچ کرانے کے بعد کتابخانے کے لئے

(۵۲)

بنام عرشی صاحب

ادیب زمانہ جناب عرشی کی خدمت میں خاکسار فرشی کی تسلیم و تہنیت عید سعید

حافظ شیرازی کا ایک قلمی دیوان بخط قوام شیرازی یہاں ہے۔ خط میں شان خطاطی ہے۔ پورا نسخہ ہے مگر سن کتابت نہیں ہے۔ معتبر ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ کتاب خانہ ریاست میں خطاط موصوف کا نوشتہ نسخہ مثنوی مہر و مشتری کا ہے۔ اگر اس پر سنہ کتابت ہو تو اطلاع سے ممنون کیجئے۔ اس سے اس کا زمانہ متعین ہو جاتا ہے۔ والسلام ختم الکلام۔

نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۔ ۸ اکتوبر ۱۹۴۳ء

(۵۳)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر   السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

۱۱ ماہ حال کا نامہ لطف آیا۔ نامہ لطف یوں کہ حبیب گنج پر لطف فرمائی ہو گی یہ مژدہ لایا۔ بریں مژدہ صد گونہ بہجت رو داست۔ ضرور آئیے انشاء اللہ آرام سے آئے گا۔ مگر ذرا اطمینان سے۔ دکم از کم ایک شب قیام کیجئے تاکہ کتابوں پر تفصیلی نظر پڑ سکے اور مجھ کو اس سے نفع پہنچے۔ اس سے زیادہ کرم ہو تو مہین کرام دستور الفصاحت آپ کے اہتمام سے شائع ہوئی خوب ہوا۔ مجلد نسخہ مجھ کو عنایت ہو۔ قیمت مع صرف حاضر کی جائے گی۔

قوام کے دیوان میں آپ کی تحریر چسپاں کئے دیتا ہوں تاکہ عہد کا کچھ تعین ہو جائے۔

الحمد للہ بعافیت ہوں آپ کی عافیت کا آرزو مند۔   نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۳ء

(۵۴)

بنام ڈاکٹر غلام یزدانی صاحب

کرم فرمائے یزدانی صاحب السلام علیکم

مدت کے بعد نصف ملاقات ہوئی۔ شکر کرم۔ اس لطف پر مزید کرم شمالی افریقہ پر مضمون کی کاپی۔ نقشے دیکھ کر آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ اصل عمارتیں کس قدر جلا افزا ہوں گی ۔۔۔ فرانس کی تاریکی البتہ نظر گذر کے لئے لگی ہوئی ہے۔ والسلام   نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۳ فروری ۱۹۴۴ء

(۵۵)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر   السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

الطاف نامہ پہنچایا۔ نور چشم کے حادثے کی خبر نے دل دکھایا۔ اللہ تعالیٰ صبر و اجر آپ کو بخشے۔ رضینا بقضاء اللہ تعالیٰ۔ کوشش کی جائے گی کہ طبی کا مقابلہ رام پور میں ہو سکے۔   حبیب منزل علی گڑھ ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۴ء

(۶۳)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف مجسم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کل بٹیروں کی ضرورت ہے، رام پور میں ملتی ہوں نرخ معلوم ہو جائے تو آدمی بھیجوں۔

ایک تازہ مضمون بھی سنا دیجیے؎

"کے عادل را فروزد شمع دل - چوں ندارد رنگ و بو اوراق گل"

نگاہ نے ذوق "امتیاز" ڈھونڈا نہ پایا - نہ پایا

حبیب منزل علی گڑھ ۱۱ فروری ۱۹۴۵ء　　　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۶۴)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما　السلام علیکم

ناصرات شاہی کا ایک نسخہ قیمت طلب عنایت ہو۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۰ نومبر ۱۹ء

(۶۵)

بنام عرشی صاحب

مکرم کرم فرما دام لطفکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سید امام الدین صاحب یہاں آئے۔ کتبہ حبیبیہ نے ضیافت پیش کی۔ تاریخ خانجہانی کا جو نسخہ یہاں ہے اس کا ایک باب نہیں ہے۔ اگر آپ کی توجہ سے باب مذکور کی نقل حسب نشاندہی سید صاحب موصوف ہو سکے تو یہاں کا نسخہ مکمل ہو جائے گا۔ آپ کے کرم میں اضافہ اجرت کتابت ادا ہو گی انشاءاللہ

حبیب گنج ضلع علی گڑھ - ۲۲ مارچ　　　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۶۶)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر عرشی بلند پایہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس مہینے کا معارف آیا۔ ... عبد الرابع پر نظر پڑی معاً وہ خیال ذہن میں فرشی کے آیا جو عرشی کا ہے یعنی نام مذکور تصنیف ہے عبد الواسع کی۔ رباعی دیکھی، آپ کی تحقیق پڑھی۔ اپنے یہاں کا نسخہ قصائد عبد الواسع جبلی نکلوا کر دیکھا۔ اس میں وہ رباعی موجود ہے جو معارف میں منقول ہے۔

قصائد عبد الواسع جبلی کا نسخہ یہاں کا ضخیم قدیم خوش خط ہے۔ تاریخ تحریر نہیں۔ کاغذ کا اندازہ کم سے کم چار سو سال لکھا ہونا ظاہر کرتا۔ نسخہ پہلے قصائد ہیں قطعات ہیں نیز رباعیات (تعدادی ۱۴۱)

معارف کی منقولہ رباعی کے مصرع چہارم میں شعر "سوختم" کے بعد لا الہ کا لفظ رہ گیا ہے۔

میں لے لوں گا۔ قیمت پہنچ گئی۔ نادرات شاہی کا شکریہ کہہ چکا ہوں

"شفقت اکرم" کم کس طرح ہو سکتا ہے ع ما ہمانیم کہ بودیم وہماں خواہد بود۔ کاروبار کی غیر معمولی مصروفیت باعث سکوت رہی، دیباچہ پورے ذوق سے میں اول سے آخر تک لفظ لفظ پڑھا آپ کی عادی ہمہ گیری۔ بیان کی پاکیزگی لفظ لفظ سے عیاں ہے جس قدر روشنی مطالب کے سمجھانے اور اس عہد کے مناظر کو سامنے لانے کے لئے درکار تھی وہ سب موجود ہے، اسکو پڑھ کر کتاب کا پڑھنا لطف بالائے لطف ہے۔

ایک کمی جانکاہ ہے مگر آپ کیا کریں، بہیر وہیں سب کچھ ہے، جوانمردی نہیں اسی نے تباہ و برباد کیا۔ نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب منزل علی گڑھ ۱۳ مئی ۱۹۴۵ء

(۶۰)

بنام طاہر فاروقی صاحب اسلامیہ کالج پشاور

مکرم و کریم فرما السلام علیکم

ابھی سید الطاف علی صاحب نے آپ کی تحریر دکھائی جس میں آپ نے علی گڑھ کانفرنس کے سالانہ اجلاس کو آگرہ میں منعقد کرنے اور باقاعدہ دعوت نامہ بھیجنے کا عزم ظاہر فرمایا ہے، مبارک

جس وقت دعوت نامہ آیا انشاء اللہ قبول کیا جائے گا .. .. اتفاق دیکھئے کہ جس وقت آپ کی تحریر پڑھی اسی وقت جونا گڑھ کا لفافہ ملا کھولا، پڑھا، بدستور عذر مجبوری کا اظہار تھا، اس سے آپ کی ہمت پر مزید آفرین دل سے نکلی۔ والسلام

۱۵ مئی ۱۹۴۵ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۱)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما حسرت نواز السلام علیکم ورحمۃ اللہ

شکر ہے کہ مراسلت کا سامان ہاتھ آتا رہتا ہے، کام بھی بنتا ہے۔ دل شاد کام بھی ہوتا ہے۔ معارف اعظم گڑھ میں اوراقِ گل پر تبصرہ ہے۔ ملنے کا پتا نہیں۔ میں نے کہا کہ آستانہ عرشی کریم پر حاضر ہوں حصول مدعا ہوگا۔ انشاء اللہ ایک نسخہ قیمت طلب میرے نام آ جائے۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۹ مئی ۴۵ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۲)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما السلام علیکم

ابھی ربعد نامۂ مظہر الطاف" پڑھا، جواب روانہ ہو چکا تھا، کشش شوق ہے، زیر تحقیق و تحریر مقالہ انشاء اللہ تالیفات نقابخانہ کے معیار پر پورا اترے گا آپ علیل تھے میں بھی علیل رہا، اب آپ بفضلہ تعالیٰ بعافیت ہیں میں بھی، آپ کو ضعف ہے مجھ کو بھی رہ۔ والسلام ختم الکلام

حبیب منزل علی گڑھ ۹ جون ۴۵ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۷۰)

بنام عرشی صاحب

ادیب با امتیاز بلند پایہ! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

شکر کرم و کرامت۔ مقالات شروانی کا نسخہ مرسلہ آپ کے واسطے ہے۔ علی گڑھ لکھ دیا ہے کہ ایک نسخہ کتابخانہ ریاست کے واسطے آپ کے نام اور بھیج دیں۔

ایک علمی منظر" مقالہ کی قدر دانی باعث مسرت و سپاس خاص ہے۔ اس منظر نے مجھ کو ایسے عالم میں رکھا تھا جو اس عالم سفلی سے ماورا تھا شکر ہے کہ آپ نے اوس کی قدر کی جو ذوق سامی کے نزاکت پسندی کی شہادت ہے۔ تحفہ گرامی فرہنگ غالب کا شوق سے انتظار کروں گا۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۔ اگست ۴۰ء — نیازمند حبیب الرحمٰن

(۷۱)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما بر حال مخلص دیرین! اسلام علیکم و رحمۃ اللہ

فرہنگ غالب کا نسخہ پہنچا۔ زہے الطاف۔ شکر الطاف قبول ہو، غالب آپ کے ذوق خاص سے فیض یاب ہے نیز فارسی ادب۔ ورنہ کون غالب و ادب فارسی کا جویا ہے۔

فرہنگ غالب پر نظر ڈالی۔ بہت فیض رساں تالیف ہے۔ پہلی نظر میں مجھ کو یہ سبق ملا کہ جہال یعنی عوام فارسی بھی ہے۔ ورنہ اس سکہ ہندی ہونے کا علم تھا۔ والشکر

نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۵ ستمبر ۱۹۴۶ء

(۷۲)

بنام مالک رام

مصدر لطف و کرم۔ وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ

۷۔ ماہ حال کے الطاف نامے کا شکر گزار ہوں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے خط بھیجا ہو اور اس کو پا کر میں نے پہلے موقع پر جواب نہ دیا ہو، میری عام عادت جواب وقت پر لکھنے کی ہے۔ ابیا آپ کے خط نہیں پہنچے۔ یا میرے۔

بہر حال، الحمد للہ بعافیت ہوں صحت درست ہے۔ کسی مرض کی شکایت بفضلہ تعالیٰ نہیں، اطمینان رکھیے۔

حالات اس نواح کے پر اضطراب ہیں۔ اخباروں میں آپ پڑھتے ہوں گے۔ میرے مشاغل للہ الحمد باطمینان و فراغ خاطر جاری ہیں۔

امید کہ آپ کا مزاج بھی قرین صحت و عافیت ہو گا۔ — نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۴ اکتوبر غالباً ۱۹۴۷ء

اس دیوان کے ساتھ دیوان ابوالفرج رونی ہے اور اسی کاتب کا لکھا ہوا۔ اس پر ۹۹ھ سنہ کتابت درج ہیں۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ، ۲۰ر اپریل ۱۹۴۶ء   نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۷)

بنام عرشی صاحب

لطف و کرم فرمائے من! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

اطہر عباس صاحب ابوالفضل پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ مہربانی سے یہاں آئے کام کیا۔ اب رام پور آتے ہیں۔ اجنبیت سے گھبراتے تھے میں نے آپ کے اخلاق کا ذکر کرکے مطمئن کر دیا۔ زیادہ تحریر کی ضرورت نہیں کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند۔ الحمدللہ عافیت شامل حال ہے۔ آپ کی خیریت و عافیت میں تمنا۔ مولوی عبدالمجید خاں، پروفیسر فارسی جامعہ عثمانیہ پاس بیٹھے ہیں آپ کو سلام شوق کہتے ہیں۔ والسلام

غالباً نومبر ۴۶ء   نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۸)

بنام مالک رام

گرامی قدر! السلام ثم الکلام

شکریہ یاد آوری۔ فسادوں کا کیا کہنا۔ ملک اور اہل ملک کی قسمت۔ ایک عالم اس سے ماورا بھی ہے ؎

بنودے نشانے از روے دوست لیکن۔ دو جہاں بہم برآید سر شور و شر ندارم

یہ مقال نہیں حال ہے۔ وللہ الشکر

تصویروں کی بابت علی گڑھ میں عبدالوحید خاں سے مل کر انتظام کرنے کا ارادہ ہے۔

"مصنف" کا مطلوب نمبر صحیح کرکے بھیجتا ہوں

ملا جی کا سلام قبول ہو۔ الحمدللہ تعالیٰ عافیت ہے۔ آپ کی عافیت کی تمنا

حبیب گنج ضلع علی گڑھ، ۱۷ر مارچ ۱۹۴۷ء

(۶۹)

بنام ڈاکٹر زور

کرم فرمائے من! السلام علیکم

اس نیاز نامہ کے ساتھ ایک نسخہ مقالات شروانی کا پیش کرتا ہوں۔ یہ مقالات میری ۴۲ سالہ محنت ادبی کی یادگار ہیں۔ مختلف موضوعوں پر لکھے گئے ہیں۔ امید ہے کہ یہ ادبی تحفہ قبول ہوگا۔ کبھی فرصت سے اس پر نظر ڈالی جائے گی

یہ ضروری التماس ہے کہ یہ کتاب عام مطالعے میں نہ رہے بلکہ کتب حوالجات کی الماری میں محفوظ رکھی جائے۔

سلطان جہاں منزل علیگڑھ، ۲۹ جون ۱۹۴۷ء   نیازمند حبیب الرحمٰن

طبع کا اہتمام ہوگا مولوی صاحب کے قیاسہ کا اہتمام کیا جائے نیز مددگاران تصحیح کا۔ اس طرح اس مقدس کام میں آپ بھی شریک ہو جائیں گے۔ والسلام بالاکرام

حبیب گنج ۸ نومبر ۱۹۴۷ء — نیازمند حبیب الرحمٰن

(۷۶)

بنام مالک رام

میرے کرم فرما مالک رام صاحب، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط آیا۔ مسرور ہوا، ممنون ہوں، جزاک اللہ تعالیٰ خیراً

آپ کے خاندانی حوادث پڑھ کر دل دکھا۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ بچھڑے ہوئے عزیزوں کو مع الخیر والعافیہ ملائے

"مصنف" میں ترجمہ بیشک تشنہ چھپا ہے۔ اور مضامین مفصل بھی ہیں۔ آپ سوال بھیجئے، میں جواب شافی ان شاء اللہ پیش کر دوں گا۔ آپ کا محولہ خط یہاں نہیں پہنچا۔

الحمدللہ یہاں خیر و عافیت ہے۔ امن و امان ہے۔ والسلام — نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ۱۸ دسمبر ۱۹۴۷ء

(۷۷)

بنام مالک رام

عزیز القدر سلمہ، شکریہ یاد آوری

غالب کا خط واپس آکر داخل کتابخانہ ہو چکا

اب میرا زیادہ ورکنارہ کم لکھنے کا بھی وقت باقی نہیں رہا ہے۔ ۸۳ برس عمر کے ہو چکے۔ خط لکھنے میں اعصاب درد کرتے ہیں۔ اس لئے مراسلت موقوف ہو چکی۔ آپ کی فرمائش کی تعمیل سے مجبور ہوں۔ الحمدللہ تعالیٰ عافیت ہے۔ آپ کے لئے تمنائے عافیت۔ والسلام ختم الکلام

حبیب گنج ۲۸ جنوری ۱۹۴۸ء — نیازمند حبیب الرحمٰن

(۷۸)

بنام مالک رام

مصدر عنایت و لطف، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۲ اپریل کا التفات نامہ پہنچا۔ دل اس کو پڑھ کر خوش ہوا۔ اے وقت تو خوش کہ وقت من خوش کردی

آپ کے نقوش عنایت دل کو ہمیشہ خوش کرتے ہیں۔ اب میرا لکھنے پڑھنے کا شغل بہت کم رہ گیا ہے جو مقتضائے سن ہے۔ تھوڑے لکھنے سے بھی ہاتھ کی رگیں دکھ جاتی ہیں۔ الحمدللہ مزاج بہ عافیت رہتا ہے۔ کوئی شکایت نہیں۔

حبیب گنج اپنے وطن سے آپ کی مطلوبہ فہرست کتب طلب کرتا ہوں۔ وہاں سے آنے پر آپ کے پاس بھیج دی جائے گی ان شاء اللہ

اردو کلام کا مجموعہ چھپ گیا ہے۔ دو نسخے بھیجتا ہوں۔ فارسی دیوان بھی زیر طبع ہے۔ چھپ جانے پر وہ بھی پہنچے گا۔ والسلام ختم الکلام

صدر یار جنگ، ۲ مئی ۱۹۴۹ء — نیازمند حبیب الرحمٰن

(۷۳)

بنام مالک رام

میرے عنایت فرما مالک رام صاحب! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

الحمد للہ تعالےٰ بخیریت ہوں، حالات مثل تمام عالم کے یہاں بھی ہیں، امید ہے کہ آپ بھی خیریت و عافیت سے ہوں گے

میرزا غالب دہلوی کا خط کتاب خانہ حبیب گنج کا آپ کے پاس سے نہیں آیا ہے، آپ نے اس کے فوٹو اسٹاٹ منگائے تھے، اصل خط براہ مہربانی بعجلت بھیج دیجئے، اگر اندیشہ تلف ہونے کا ہو تو نہ بھیجئے گا۔

نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ۹ نومبر ۱۹۴۷ء

(۷۴)

بنام مالک رام

گرامی قدر سعادت نشاں وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ

شکریہ یاد آوری۔ آپ کے خطوں کا جواب ہمیشہ وقت پر لکھتا ہوں۔ اس کے وقت پر پہنچنے کا ذمہ دار نہیں آج کل ڈاک کے حالات معلوم۔

ایک ڈاک کا خط علی گڑھ سے پورے چالیس روز میں یہاں پہنچا تھا۔

علی گڑھ سے انشاء اللہ آپ کی فرمائش کی تعمیل کروں گا۔ یہاں سے مناسب نہیں۔

آپ کی والدہ صاحبہ کی خبر ملنے سے تردد ہے۔ اللہ پاک تردد رفع فرمائے۔ آپ، ان کے جمال سے، وہ آپ کے دیدار سے شاد و شادکام ہوں۔ آج کل ہر طرف یہی قصے ہیں۔ اعمال کی شامت یہ ہے

امید ہے کہ آپ کی والدہ صاحبہ اور آپ مع الخیر ہوں گے۔ الحمد للہ یہاں عافیت ہے

نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ۱۸ر نومبر ۱۹۴۷ء

(۷۵)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے، امید ہے کہ بفضلہ تعالیٰ آپ بھی بخیریت و عافیت ہوں گے، دلی تمنا یہ ہے کہ شرح طیبی کی اشاعت ہو جائے ایسی نادر کتاب اور اب تک گوشہ خمول میں۔

اول اس کی صحت کا اہتمام ہے۔ یہاں تین نسخوں سے نقل و مقابلہ ہو چکا ہے۔ رام پور کے نسخے کی تشنگی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مکتبہ حبیبیہ کے مہتمم مولوی معین الدین صاحب کو آپ کے پاس رام پور بھیجوں۔ مولوی صاحب نے طیبی غایتہ شوق توجہ سے نقل کی ہے۔ موصوف رام پور میں رہکر وہاں کے نسخوں سے جو کرمی قاضی صاحب کے کتابخانے میں ہیں، مقابلہ کریں۔ دوسرے صاحب علم ان کی مدد پر مقرر ہوں۔ حال میں ایک صاحب یہاں سے گئے ہیں وہ اہل اس کام کے ہیں۔

مکلف خدمت یہ ہوں کہ مولوی صاحب کے قیام میں اور کام میں مدد فرمائیے۔ مصارف یہاں سے ادا ہوں گے انشاء۔ اس کے بعد بحول اللہ و قوتہ تعالیٰ

کتاب خانے میں دیکھ کر بہت خوشی ہوگی۔

الحمدللہ تعالیٰ خیروعافیت شامل حال ہے۔ میں بعافیت ہوں۔ اپنے مختلف مشاغل میں مصروف ہوں۔ آپ کی خدمت دلنواز یہی تھی کہ خط لکھا۔ اگر کوئی ضرورت ذہن میں آئی بے تکلف لکھ دوں گا۔ والسلام ختم الکلام

حبیب گنج　　　نیاز مند حبیب الرحمن

(۸۲)

بنام سید ہمایوں مرزا صاحب

الطاف فرمائے مخلصان تسلیم

آپ مجھ کو اجازت دیں کہ منشی وزیر خاں صاحب سفیر آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کو آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ منشی صاحب موصوف یہاں مامور ہیں۔ امید ہے کہ آپ نہ صرف خود لائف ممبری قبول فرمائیں گے بلکہ اور صاحبوں کو بھی ترغیب دے کر الدال علی الخیر کا درجہ حاصل فرمائیں گے۔ جو ہمدردی آپ کو قومی تعلیم سے ہے اس نے ان چند سطروں کے لکھنے کی جرأت دلائی ہے۔

صدر یار جنگ

(۸۳)

جناب نواب صاحب، السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

۲۔ ابان سنہ حال روز یکشنبہ کو جو کاغذات متعلق کمیشن کر بیر جناب نے دست بدست عنایت فرمائے تھے وہ اس نیاز نامہ کے ساتھ واپس ہیں۔ میں نے اپنی نوشتہ تجویز پر نظر ڈالی۔ سابق رائے میں تبدیلی کی وجہ محسوس کرنے سے میں قاصر رہا۔ بوقت تحریر کرنے تجویز کے مواد پیش نظر پر پورے غور کے ساتھ لحاظ کیا گیا اور تجویز لکھی گئی تھی۔ اب اس قدر عرصہ دراز کے گزر جانے کے بعد تمام وجوہ کو یاد رکھنا اور تائید میں پیش کرنا ممکن نہیں جو رائے قائم کی گئی ہے اس کی بنیاد تجویز مذکور میں ظاہر کر دی گئی ہے۔

آپ کی رائے بالکل آزاد ہے۔ جو رائے قائم فرمائی جائے زیب قلم ہو۔

صدر یار جنگ

(۸۴)

جناب مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ

مولوی انوار احمد صاحب سفیر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ دو کتابیں لے کر حاضر خدمت ہوتے ہیں دونوں کتابوں کو کانفرنس نے شائع کیا ہے۔ جو اپنی اپنی جگہ پر مفید اور قابل مطالعہ ہیں۔ ایک کتاب دور جدید کے مسلم علمی خیالات کا آئینہ ہے۔ دوسری مرحوم نواب وقار الملک کے سوانح حیات کی مکمل سرگزشت ہے۔ امید ہے جناب کا ذوق علمی اس خدمت کی حوصلہ افزائی کا باعث ہوگا۔ والسلام

صدر یار جنگ　　　سیکرٹری

(۷۹)

بنام مالک رام

مہربان مخلصاں یادآور دوستاں دام الطافہم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۰ ماہ گزشتہ کے الطاف نامے کا شکر ولی۔ الحمدللہ بخیر وعافیت ہوں۔ برادر عزیز عبدالوحید خاں کہتے ہیں کہ انہوں نے جواب آپ کو بھیجا نیز میرے اردو دیوان کا ایک نسخہ۔

آج کل موسم یہاں خلاف دستور ٹھنڈا ہے۔ ہوا پروائی زور سے مسلسل چل رہی ہے۔ حالانکہ لو چلنے کا زمانہ ہے۔

آپ کی مطلوبہ فہرست دواوین تیار ہو رہی ہے۔ بعد تکمیل انشاءاللہ روانہ کی جائے گی۔ والسلام ختم الکلام

صدر یار جنگ　۸ مئی ۱۹۴۹ء

(۸۰)

بنام مالک رام

عزیز القدر گرامی شان سلمہ۔ وعلیکم السلام۔

۲۸ مئی کا نامہ عزیز آیا۔ دل خوش ہوا۔ الحمدللہ تعالیٰ بالخیریت وعافیت ہے معمول قاعدہ کے مطابق یہ موسم پوری بلکہ شدت گرما کا ہے لیکن آج کل ابر ہے موسم ٹھنڈا ہے۔ صحت اچھی ہے۔

آپ کا خط مہتمم کتابخانہ کو بھیج کر ہدایت کرتا ہوں کہ اوس کے مطابق فہرست مرتب کرکے بھیجیں جس وقت بنے گی انشاءاللہ آپ کو بھیجی جائے گی۔

دیوان اردو کے پہلے نسخے ایک وجہ سے خارج ہو گئے۔ دوبارہ طبع ہو رہے ہیں۔ طبع ہو جانے پر انشاءاللہ نسخہ آپ کو بھیجا جائے گا۔ آپ کے لئے فرمائشی نقل کا انتظام بھی انشاءاللہ کر دیا جائے گا۔ اور نقل میری طرف سے بطور ہدیہ کتابخانہ آپ کو بھیجی جائے گی۔

آپ رخصت کے زمانے میں یہاں بھی آئیں تو دل کو بڑی خوشی ہو۔ میری عمر کا جمع کردہ سرمایہ کتب دیکھیں۔ عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں کی کتابوں کا سرمایہ ہے۔ فہرستیں متعدد میں نے مرتب کی ہیں ان کو دیکھ کر آپ انشاءاللہ خوش ہوں گے۔

عزیزی عبدالوحید خاں کو آپ کا سلام و پیام پہنچا دیا گیا۔

ایک سے زیادہ حاضرین آپ کا پیام سننے اور سن کر خوش ہونے کے اہل ہیں۔ "بیا و آر حریفانِ بادہ پیما را" ان کیلئے دلنواز اور راحت بخش ہے مکرر۔ برادر عزیز عبدالوحید خاں نے بیان کیا کہ اردو دیوان حسرت آپ کو بھیج دیا گیا۔

صدر یار جنگ، ۴ جون ۱۹۴۹ء

(۸۱)

بنام مالک رام

میرے مہربان عنایت فرما خوش رہو۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مدت کے بعد بلکہ مدت بعید وہ بعد کے بعد آپ کی تحریر دیکھ کر آنکھیں پرنور دل پرسرور ہوا۔ یاد ہمیشہ دل میں رہتی ہے خط کس طرح لکھتا جب پتہ معلوم نہ تھا۔ اب معلوم ہوا تو لکھ رہا ہوں۔ اس سے خوشی ہوئی کہ اکتوبر میں آپ کا ہندوستان آنے کا ارادہ ہے۔ اوسی سلسلے میں آپ کو یہاں

علامہ اقبال

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱)

ڈیر فوق!

اہل اللہ کے حالات سنے جو آپ نے بنام یادِ رفتگاں تحریر فرمائے ہیں مجھ پر بڑا اثر کیا اور بعض باتوں نے تو جو آپ نے اس چھوٹی سی کتاب میں درج کی ہیں مجھے اتنا رلایا کہ میں بے خود ہو گیا۔ خدا کرے آپ کی توجہ اس طرف لگی رہے۔ زمانہ حال کے مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ ان لوگوں کے حیرت ناک تذکروں کو زندہ کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال کی اصل علت حسنِ ظن کا دور ہو جانا ہے۔

بھائی فوق! خود بھی اس گوہر نایاب کی تلاش میں رہو جو بادشاہوں کے خزانوں میں نہیں مل سکتا بلکہ کسی خرقہ پوش کے پاؤں کی خاک میں اتفاقیہ مل جاتا ہے[1]۔ والسلام!

آپ کا دوست
(شیخ) محمد اقبال ایم۔اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

از سیالکوٹ
۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۲)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا نوازش نامہ مجھے کل ملا۔ میں ایک دو روز کے لیے بغرض مشورہ لاہور گیا تھا کیونکہ وہیں کام شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ کشمیری میگزین دیکھتا ہوں۔ اس پرچہ کی کامیابی آپ کو ہوئی اور ہو رہی ہے اس کے لیے مبارکباد دیتا ہوں اور جو کچھ آپ گاہے گاہے میری نسبت اپنے کالموں میں تحریر فرماتے ہیں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ جموں کے راستے کشمیر جائیں تو ضرور سیالکوٹ تشریف لائیں تاکہ مجھے آپ کی دوستانہ قدر و منزلت کرنے کا موقع ملے۔ افسوس ہے کہ میں ابھی کچھ عرصہ تک آپ کے لیے کچھ نہ لکھ سکوں گا کیونکہ قانونی کتب کی طرف متوجہ ہوں۔ چونکہ اس کام کو شروع

۱؎ ملاحظہ ہو علامہ کا شعر ہے

تمنا درد دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

(۸۵)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک مجموعہ میری تقریروں کا انجمن اسلامیہ کے اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔

ایک نسخہ اس کا بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا جاتا ہے۔

چونکہ میں جائزہ خدمت دیگر بلدہ سے جا رہا ہوں، اس لئے امید ہے کہ یہ مجموعہ یادگار آپ کے کتاب خانہ میں رہے گا۔

صدر یار جنگ

بنام منشی محمد الدین فوق

(۶)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا کارڈ ابھی ملا ہے۔ بھلا آپ کو آنے کی کیونکر ممانعت ہو سکتی ہے؟ میں نے اس خیال سے لکھا تھا کہ آپ معروف آدمی ہیں، آنے میں حرج ہوگا اور تکلیف مزید کہ انارکلی شیرانوالہ دروازہ سے دور ہے۔

کتاب جب آئیے تو ضرور ہمراہ لائیے بلکہ اس کے آنے میں دیر ہو تو بلا کتاب تشریف لائیے۔ ۲۱ دسمبر کا کشمیری نہیں ملا اور نہ آپ کی تازہ کتاب وجدانی نشتر نظر سے گزری ہے۔ والسلام!

آپ کا خادم محمد اقبال۔ لاہور ۲۱ دسمبر ۱۹۱۵ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۷)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ دونوں کتابیں مل گئی ہیں۔ انگریزی کتاب پہلے سے میرے پاس موجود ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کو مفت میں تکلیف ہوئی۔

وجدانی نشتر خوب ہے۔ مگر تعجب ہے کہ شیخ ملا کے ملحدانہ و زندیقانہ شعر "من چہ پروائے مصطفیٰ دارم" کو آپ اس کتاب میں جگہ دیتے ہیں اور ملا کی تشریح کس قدر بیہودہ ہے۔ یہی وہ وحدت الوجود ہے جس پر خواجہ حسن نظامی اور اہل طریقت کو ناز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم کرے اور ہم غریب مسلمانوں کو ان کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ وجدانی نشتر پر ریویو دوسرے صفحہ پر درج ہے۔

محمد اقبال۔ لاہور ۲۳ دسمبر ۱۹۱۵ء

بنام امین زبیری صاحب[1]

(۸)

مخدومی!

السلام علیکم۔ آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔

میری رائے میں اس بحث پر سب سے بہتر کتاب قرآن کریم ہے مگر تدبر شرط ہے۔ اس میں تمام باتیں موجود ہیں۔ بلکہ Modern Ego Engenics کے تمام مسائل بھی اس میں موجود ہیں۔

زمانہ حال کی سفریجیٹ عورتوں نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک کتاب Right of Woman میری نظر سے گزری ہے کسی عورت کی لکھی ہوئی ہے مگر افسوس ہے کہ مصنف کا نام ذہن میں محفوظ نہیں ہے۔

جان اسٹورٹ مل نے بھی اس پر ایک مفصل مضمون لکھا تھا۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال۔ لاہور ۲۹ اپریل ۱۹۱۷ء

---

[1] عطیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد

کیا ہے اس واسطے ارادہ ہے کہ اس کو حتی الامکان پورے طور پر کروں ۔ روٹی تو خدا ہر ایک کو دیتا ہے ۔ میری آرزو ہے کہ میں اس فن میں کمال پیدا کروں ۔ آپ بھی دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس مہم میں میرا شاملِ حال ہو ۔

انشاءاللہ نومبر میں لاہور آ کر مستقل طور پر کام شروع کروں گا ۔ اس وقت آپ سے خوب خوب ملاقاتیں ہوا کریں گی جیسے کبھی کبھی پہلے ہوا کرتی تھیں اور میں کشمیری میگزین کی ترقی اشاعت کے لئے بھی چند باتیں آپ سے کروں گا ۔ باقی خیریت ہے ۔

اللہ یار صاحب جوگی کی خدمت میں میرا شکریہ پہنچا دیجئے[1] ۔ علاوہ ازیں تاراچند صاحب تارا (علوائے سوہن فروش دہلی دروازہ) کی خدمت میں ۔ والسلام!

محمد اقبالؔ از شہر سیالکوٹ ۲۹ اگست ۱۹۰۸ء

بنام منشی محمد الدین فوقؔ

(۳)

ڈیر فوقؔ!

مرزا فضل احمد[2] صاحب کا خط ملفوف ہے ۔ وہ اس خط کو کمیٹی میں پیش کرنا چاہتے ہیں ۔ اس کے علاوہ ایک اور کارڈ بھی آیا ہے ۔ مہربانی کر کے اس کی تعمیل بھی کریں ۔ جو خط آپ نے میری طرف سے میگزین میں شائع کیا ہے اس کی چند کاپیاں (اگر وہ علیحدہ شائع ہوا ہو) غلام محمد ڈار متصل گھنٹہ گھر گوجرانوالہ کے نام ارسال کر دیں ۔ اگر علیحدہ شائع نہ ہوا ہو تو ان کو جواب لکھ دیں ۔ یہ صاحب آپ کے میگزین کے خریدار ہیں ۔

راقم

محمد اقبالؔ (آنریری جنرل سیکرٹری انجمن کشمیری مسلمانان لاہور)

۱۱ مئی ۱۹۰۹ء

(پوسٹ کارڈ) بنام منشی محمد الدین فوقؔ

(۴)

بصحنِ گلشنِ ما صورتِ بہار بیا
کشادہ دیدۂ گل بہرِ انتظار بیا

اقبالؔ

۷ مارچ ۱۹۱۲ء لاہور

بنام منشی محمد الدین فوقؔ

(۵)

ڈیر فوقؔ!

السلام علیکم ۔ آپ آجکل لاہور میں ہیں یا امیرا کدل[3] میں؟ ایک دفعہ آپ نے کشمیری میگزین میں میرے حالات شائع کئے تھے ۔ اگر اس نمبر کی کوئی کاپی آپ کے پاس رہ گئی ہو تو ارسال فرمائیے ۔ پھر واپس کر دی جائے گی ۔ اگر پاس نہ ہو تو کہیں سے منگوا دیجئے ۔

زیادہ کیا عرض کروں ۔ آپ کبھی ملتے ہی نہیں ۔ اب تو آپ پیرِ طریقت بھی بن گئے ۔ خدا کرے کہ جلد حافظ جماعت علی شاہ صاحب[4] کی طرح آپ کے بھی دورۂ کشمیر کے متعلق اطلاعیں شائع ہوا کریں ۔ والسلام! اس کارڈ کا جواب جلد ملے ۔

آپ کا خادم محمد اقبالؔ ۔ لاہور

۲۳ جولائی ۱۹۱۵ء

---

[1] غالباً جوگی صاحب کا شکریہ اس لئے ادا کیا ہے کہ انہوں نے ولایت سے اقبالؔ کی تشریف آوری پر لاہور کی ایک تقریب میں نظم پڑھی تھی ۔ تاراچند تارا بھی شاعر تھے شاید انہوں نے بھی کوئی نظم پیش کی ہو ۔

[2] میرزا فضل احمد مرحوم خان صاحب میرزا قطب الدین وکیل راولپنڈی و جاگیردار و مالک اخبار رہنما راولپنڈی کے والد بزرگوار تھے ۔

[3] سری نگر، کشمیر [4] مرحوم علی پوری

رسالہ "راہنمائے کشمیر" جو حال میں آپ کے قلم سے نکلا ہے نہایت مفید اور دلچسپ ہے۔ طرزِ بیان بھی دلکش ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ رسالہ عام لوگوں کے لئے نہایت مفید ہوگا۔ افسوس ہے میں آج تک کشمیر کی سیر نہیں کر سکا لیکن امسال ممکن ہے کہ آپ کا رسالہ مجھے بھی اُدھر کھینچ لے جائے۔

"اسرارِ خودی" کی کوئی کاپی اب موجود نہیں۔ مدت ہوئی پہلی ایڈیشن جس کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی ختم ہو گئی۔ میں نے ارادتاً کم تعداد میں چھپوائی تھی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ اصل (صحیح لفظ نہیں پڑھا گیا) اسلام ہندوستان میں ایک فراموش شدہ چیز ہے۔ اس واسطے اس کے مضمون سے بہت کم لوگوں کو دلچسپی ہوگی۔

ممکن ہے کہ دوسری ایڈیشن شائع ہو۔ ایسا ہوا تو سب سے پہلے ایک کاپی آپ کی خدمت میں ارسال ہوگی۔ اس مثنوی کا دوسرا حصہ بھی قریب اختتام ہے۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال۔ لاہور ۸ رجون ۱۹۱۷ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱۱)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا خط معہ ملفوف اخبار مل گیا ہے جس کے لئے شکریہ ہے۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے بعض نمبر پنجاب پبلک لائبریری اور شاید یونیورسٹی لائبریری میں بھی ہوں۔ آپ کسی روز جا کر خود دیکھیں۔

رسالہ "نظام" کا اجراء مبارک ہو۔ میرے خیال میں تو آپ "طریقت" ہی کو فروغ دیتے تو شاید حضور نظام تصوف کی اشاعت کا صلہ عطا فرماتے۔ محمد دین صاحب "صوفی" آپ سے بہتر نہیں ہیں لیکن وہ آدمی معاملہ فہم اور کاروان ہیں۔

میں بھی آپ کے لئے انشاءاللہ کچھ لکھوں گا۔

حکیم محمد دین صاحب کئی روز سے نہیں ملے۔ خدا کرے کہ اچھے ہوں۔ آپ ملیں تو میری طرف سے استفسارِ حال کیجئے۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۱۶ دسمبر ۱۹۱۸ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱۲)

ڈیر فوق صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے جس میں اودھ پنچ (لکھنؤ) کا ایک صفحہ ملفوف تھا۔ میں لاہور میں ہوں۔ سردی کی وجہ سے کہیں باہر نہیں گیا۔

نظم زیرِ تنقید میری ابتدائی نظموں سے ہے۔ اس میں بہت سی خامیاں ہیں لیکن تعجب ہے کہ معترض نے ان میں سے ایک پر بھی اعتراض نہیں کیا اور جس قدر اعتراض ہیں غالباً کتابت کی غلطیوں پر ہیں۔ لوگ اس نظم کو بار بار چھاپتے ہیں اور بغیر میری اجازت کے کم از کم مجھے پروف ہی دکھا لیا کریں۔ اس کا علاج میرے پاس کچھ نہیں۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۲۸ دسمبر ۱۹۱۸ء

۱؎ فوق صاحب نے "طریقت" بند کر کے "نظام" جاری کیا تھا　۲؎ مولوی محمد دین صاحب مدیر رسالہ "صوفی" پنڈی بہاؤالدین۔

بنام محمد الدین فوق

(۹)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا دستی خط مل گیا ہے۔ منشی قمر الدین جن کو آپ نے سفارشی خط دے کر بھیجا ہے وہ اس قابل نہیں کہ ان کو اجازت دی جائے۔ مجھے یہ بات گذشتہ تجربے سے معلوم ہے۔ ورنہ میری عادت میں کسی کو محروم کرنا داخل نہیں۔ علاوہ اس کے یہ لوگ تجارتی اغراض کو ملحوظ رکھتے ہیں اور اس بات کی مطلق پروا نہیں کرتے کہ شعر غلط چھپا ہے یا صحیح۔ اس کے بعد اعتراض مجھ پر ہوتے ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان نظموں کو میں نے شائع کیا ہے۔

اس سے پیشتر میں اس شخص پر مقدمہ دائر کرنے کو تھا مگر مولوی ظفر علی خان کے کہنے سے باز رہا۔ اس نے اس سے پیشتر میری نظموں کو میری اجازت کے بغیر شائع کر دیا تھا۔ اب یہ سب معاملہ مولوی احمد دین وکیل کے سپرد کیا ہے کہ اگر کوئی میرا کلام میری اجازت کے بغیر چھاپے تو اس پر دعویٰ کر دیا جائے۔

اخباروں میں جو کچھ شائع ہوا ہے اسے میں نے پڑھا ہے۔ مگر سب اخبار میری نظر سے نہیں گذرتے۔ "مخبر دکن" کے لئے شکر گزار ہوں۔ مجھے اس معاملہ کا مطلق علم نہیں نہ میں نے حیدر آباد میں کسی کو لکھا ہے نہ وہاں سے مجھے کسی نے تحریک کی ہے۔ میرے خیال میں یہ بات محض اخباری گپ شپ ہے۔ حیدر آباد میں تو مجھ سے بہتر آدمی موجود ہوں گے۔

اودھ پنچ (لکھنؤ) نے جو اعتراضات مجھ پر کئے ہیں ان کا مجھے علم نہیں۔ ضرور پرچہ تلاش کرنا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ ان اعتراضوں میں کوئی کام کی بات ہو۔ لکھنؤ والے یا اور معترض یہ خیال کرتے ہیں کہ اقبال شاعر ہے۔ مگر میری غرض شاعری سے زبان دانی کا اظہار یا مضمون آفرینی نہیں نہ میں نے آج تک اپنے آپ کو شاعر سمجھا ہے۔ حقیقت میں فن شاعری اس قدر دقیق اور مشکل ہے کہ ایک عمر میں بھی انسان اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ پھر میں کیونکر کامیاب ہو سکتا ہوں جسے روزی کے دھندوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ میرا مقصود گاہ گاہ نظم لکھنے سے صرف اسی قدر ہے کہ چند مطالب جو میرے ذہن میں ہیں ان کو مسلمانوں تک پہنچا دوں اور بس۔ والسلام!

امید ہے کہ آپ قمر الدین صاحب کو اجازت نہ دینے سے ناراض نہ ہوں گے۔ غالباً آپ کو ان کے حالات کا پہلے علم نہ تھا ورنہ آپ ان کی سفارش نہ کرتے۔

مخلص محمد اقبال

کسی روز ضرور ملیے۔ آپ کی "فوقیت" اب اس قدر بلند ہو رہی ہے کہ نظر ہی سے غائب ہو گئی۔

محمد اقبال - ۶ مارچ ۱۹۱۷ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱۰)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ کشمیر اور رائل کشمیر پر مختلف کتابیں لکھ کر آپ نے مسلمانوں پر اور ان کے لٹریچر پر احسان کیا ہے۔ البتہ کشادہ کی قبر پرستی ایک ایسا مضمون ہے جس پر جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ نے اب تک کچھ نہیں لکھا۔ اس طرف [illegible] سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

بنام منشی سراج الدین صاحب

(۱۵)

مخدومی منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کی علالت کی خبر معلوم کر کے تردد ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ نقل فیصلہ مرسلہ سیٹھ کریم بخش صاحب مل گئی ہے اور میں نے فیصلہ بغور پڑھا ہے۔

دفعہ ۱۳ کے متعلق جج صاحب[1] بہادر نے جو کچھ لکھا ہے میری رائے میں غلط ہے۔ ہائی کورٹ میں اس کی چارہ جوئی ہو سکتی ہے لیکن اگر عدالت ہائی کورٹ اس امر میں ہم سے متفق ہو اور واقعات پر متفق نہ ہو تو ہمیں کوئی فائدہ نہیں۔ اس واسطے زیادہ ضروری امر واقعات کے متعلق ہے۔

واقعات کے متعلق یہ عرض ہے کہ جج صاحب نے وہی بات لکھی ہے اور اپنے فیصلے کو اسی بات پر مبنی کیا ہے جس کا احساس ہمیں پہلے ہی سے تھا یعنی یہ بات کہ واقعات اور بے ضابطگیوں سے ڈگری دار کی بدنیتی ثابت نہیں ہوتی۔ میں نے یہ تمام باتیں پہلے ہی عرض کر دی تھیں۔ سب سے بڑی کمزوری اس مقدمہ میں یہی ہے۔ مجھے امید نہیں کہ ہائی کورٹ جہاں تک بے ضابطگیوں اور غلطیوں کا تعلق ہے اسے۔ ڈی حلیم صاحب سے مختلف تجویز کرے۔

شیخ صاحبان اپنی جگہ سوچ لیں اور اس تمام زیر باری کا اندازہ کر لیں جو اپیل وغیرہ کا نتیجہ ہوگی۔ اگر معمولی مالیت کا مقدمہ ہوتا تو مضائقہ نہ تھا۔ مقدمہ کی مالیت بھی بڑی ہے اور اخراجات وکلاء وغیرہ بھی اسی حیثیت سے ہوں گے۔ غرض ان کو تمام امور ملحوظ رکھ کر آخری فیصلہ کرنا چاہیئے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کی زیر باری میں اور اضافہ ہو۔ وجوہات اپیل دو چار روز تک لکھ کر ارسالِ خدمت کر دوں گا۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو آپ اپیل دائر کر دیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ چند ابتدائی غلطیوں کی وجہ سے اس مقدمہ کا فیصلہ آپ کے حق میں نہ ہو سکا مگر خدا تعالیٰ کی درگاہ سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ اگر یہ صورت نہیں تو اللہ تعالیٰ سیٹھ صاحبان کے لئے کوئی اور صورت پیدا کر دے گا۔ سیٹھ صاحبان کی خدمت میں السلام علیکم۔

مخلص محمد اقبال لاہور ۱۳ اگست ۱۹۲۱ء

بنام منشی سراج الدین صاحب

(۱۶)

ڈیر منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کے ارشاد پر غور کیا جائے گا۔

افسوس کہ رحمان راہ[2] کامل طور پر نہ بچا مگر پھانسی سے بچ گیا۔ لالہ کنور سین[3] صاحب سے لاہور میں میں نے اس مقدمہ کا مفصل ذکر کیا تھا اور تمام بڑی بڑی باتیں ان کو سمجھا دی تھیں اور یہ بھی درخواست کی تھی کہ مقدمہ کی سماعت جموں میں کریں تو میں بغیر مزید فیس کے بحث

---

[1] سشن جج

[2] رحمان راہ سری نگر کا ایک باشندہ تھا اور وہ قتل کے مقدمہ میں ماخوذ تھا۔ یہ مقدمہ سری نگر ہی میں اقبال کو ملا تھا۔ یہ شخص پھانسی سے تو بچ گیا مگر قید ہو گیا۔

[3] جسٹس کنور سین جج ہائی کورٹ کشمیر بھی علامہ اقبال کی طرح مولانا میر حسن کے شاگرد تھے۔ عربی فارسی خوب جانتے تھے۔

بنام منشی محمد الدین فوق　　(۱۳)

مُکرمی فوق!

السلام علیکم۔ ایک کاپی اس نظم کی مجھے بھی ارسال کیجئے جو میں نے آپ کو رسالہ نظام میں شائع کرنے کے لئے بھیجی تھی۔ اس کا مسودہ بھی میرے پاس موجود نہیں۔

مخلص محمد اقبال از لاہور ۲۵ فروری ۱۹۱۹ء

[منشی سراج الدین صاحب جموں کے رہنے والے تھے کئی سال تک مختلف بندوبست افسروں کے ماتحت مثل خواں رہے پھر تحصیلدار ہو گئے۔ اپنی قابلیت اور حکمت عملی کی بدولت افسر مال کے عہدے تک پہنچے۔ وہیں سے ریٹائر ہوئے پنشن لینے کے بعد کشمیر اور جموں میں ریونیو ایجنٹ (وکیل) کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

آج سے قریباً پینتیس چالیس سال قبل ریاست میں شیخ محمد بخش اور سیٹھ کریم بخش نامور تاجر رئیس اور کوٹھی دار تھے۔ زمانہ کے الٹ پھیر سے ان کی حالت پتلی ہو گئی اور پنجاب نیشنل بنک کی شاخ سری نگر نے حساب کتاب اور لین دین کے معاملہ میں ان کی ڈگریاں اور قرقیاں کرائیں، ہزاروں کی جائداد سینکڑوں میں نیلام کرا دی۔ نیلام، قرقیوں وغیرہ میں بہت سی بے ضابطگیاں ہوئی تھیں۔ منشی سراج الدین نے جو شیخ محمد بخش مرحوم کے داماد تھے ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کی قانونی قابلیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے کشمیر بلایا۔ ڈاکٹر صاحب مولوی احمد دین بی۔ اے پلیڈر اور اپنے منشی شیخ طاہر دین کے ہمراہ کشمیر گئے اور قریباً دو ہفتے سری نگر میں رہے۔ لاہور واپس آ کر منشی صاحب کو جو خطوط لکھے ان میں اسی مقدمے کے متعلق ذکر ہے۔]

بنام منشی سراج الدین ریٹائرڈ افسر مال[1] کشمیر　　(۱۴)

مخدومی منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

آپ سے رخصت ہو کر پانچ بجے شام راولپنڈی پہنچ گئے اور ۱۰ بجے شام کی ٹرین بھی مل گئی۔ رستے میں بھی خدا کے فضل و کرم سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ کی مستعدی، خدمت گذاری اور مہمان نوازی کی تعریف کرتے کرتے منزل ختم ہو گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

میرا خیال تھا کہ آپ کے مقدمہ میں حکم سنا دیا گیا ہوگا مگر سیٹھ کریم بخش صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ جج صاحب بہادر رخصت سے واپس آ کر حکم سنائیں گے۔ آپ سیٹھ صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں کہ اگر وہ اشتہار نیلام جو پنڈت جانکی ناتھ نے پیش کیا ہے مثل پر نہیں ہے تو اس کا کچھ اثر نہ ہونا چاہیئے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھنا چاہیئے۔ وہ مسلمان کی آخری امید ہے سیٹھ صاحب اور بڑے شیخ صاحب سے کہئے کہ درود شریف پڑھنے سے غفلت نہ کریں۔ اس زمانے کے مسلمانوں کے لئے یہ بات خاص کر حلال مشکلات ہے زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ میری طرف سے سب کی خدمت میں سلام عرض کیجئے۔ گرمی کی شدت ہے، بارش مطلق نہیں ہوئی اور نہ اس کے بظاہر کوئی علامات نظر آتے ہیں۔ خواجہ اسد اللہ صاحب (ایڈووکیٹ سری نگر کشمیر) ملیں تو میرا سلام ان سے ضرور کہئے۔ والسلام

بخدمت سیٹھ کریم بخش صاحب مضمون واحد۔　　مخلص محمد اقبال لاہور ۱۱ جولائی ۱۹۲۱ء

---

[1] منشی صاحب کشمیر میں افسر مال تھے۔

ان کے مرید مولوی عبدالکریم نے شیعوں کی تردید میں یہی افسوسناک طریقہ اختیار کیا ہے[1]۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ چودھری محمد حسین[2] صاحب سے سلام کہئے گا۔ والسلام!

محمد اقبال سیالکوٹ ۲۵ راگست ۱۹۲۲ء

(۱۸)

بنام میر خورشید احمد

مخدومی!

السلام علیکم۔ والانامہ ملا جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

مولوی عبدالسلام کی دونوں کتابوں سے میں بہت مستفیض ہوا۔ میری طرف سے ان کی خدمت میں بہت بہت آداب عرض کیجئے نیز التماس دعا بھی کیجئے۔ کرسمس کے دنوں میں دلی آنے کی امید نہیں۔ البتہ فروری میں ممکن ہے۔ انشاءاللہ العزیز مولوی صاحب سے بھی شرفِ نیاز حاصل ہوگا۔ غزل مطلوب کے جتنے اشعار یاد ہیں عرض کرتا ہوں ؂

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں!   کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں
طرب آشنائے خروش ہو تو نوائے محرمِ گوش ہو   وہ سرود کیا کہ چھپا ہوا ہو سکوت پردۂ ساز میں
دمِ طوف کرمکِ شمع نے یہ کہا کہ وہ اثر کہن   نہ ترے فسانہ سوز میں، نہ مری حدیثِ گداز میں
تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئنہ ہے وہ آئنہ   کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئنہ ساز میں
نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں   نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں
نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی   مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں[3]

شاید دو چار شعر اور بھول گئے لیکن اس وقت یاد نہیں آتے، پھر عرض کروں گا۔ جو شعر آپ نے خط میں لکھا ہے معلوم نہیں کس کا ہے مگر شعر خوب ہے۔

۱؎ اقبال کی نظم "ابرِ گہربار" یا "فریادِ امت" کا ایک شعر ہے ؂

یہ نصاریٰ کا خدا اور وہ علیؓ شیعوں کا   ہائے کس ڈھنگ سے اچھوں کو برا کہتے ہیں

غالباً اس کے مفہوم کے متعلق دو فریقوں کی رائیں مختلف تھیں۔ اقبال سے پوچھا گیا تو واضح کر دیا کہ اس میں عقائد کی بحث نہیں بلکہ فرقہ بندی کی بحث ہے مناظروں میں بعض اصحاب نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کے خلاف برے انداز میں باتیں کرتے اور ٹوکا جاتا تو کہہ دیتے ہم حضرت مسیح علیہ السلام کو نہیں کہتے بلکہ انجیلوں کے مسیح کو کہتے ہیں۔ یہی طریقہ بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کے متعلق اختیار کر لیا تھا جیسا کہ اقبال نے خود اجمالاً اشارہ کر دیا ہے گویا اقبال کا یہ شعر اس طریق مناظرہ و گفتگو کے خلاف ہے۔

۲؎ جن کو اقبال نے آخری عمر میں اپنی جائداد کا ٹرسٹی مقرر کیا تھا۔ (محمد عبداللہ قریشی)

۳؎ "بانگِ درا" اس کا صرف ایک شعر اور ہے ؂

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا   ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

کر دوں گا مگر افسوس کہ وہ مقدمہ کشمیر میں سُنا گیا۔

بہر حال میں نے منشی اسد اللہ کی تحریر پر اپنی بحث کے مفصل نوٹ ان کو بھیج دیے تھے جو عدالت میں پیش کر دیے گئے تھے لالہ کنور سین صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہاری بحث کے مفصل نوٹ مثل پر موجود ہیں۔ اس وقت اگر میعاد کا سوال نہ اٹھایا جاتا تو مقدمہ مہاراجہ (سر پرتاب سنگھ) کے سامنے ہی غالباً فیصلہ ہو جاتا۔ مگر منشی اسد اللہ صاحب یہ خیال کرتے رہے کہ بایں ہمہ مقدمہ کونسل کے سامنے پیش ہوگا جہاں رحمان راہ کی بریت کی توقع ہے اس واسطے اس وقت التوا کو غنیمت سمجھا گیا۔ ورنہ میں نے تو مہاراجہ صاحب سے بھی کہہ دیا تھا کہ آپ ابھی فیصلہ کر دیں۔ کیونکہ دوبارہ یہاں آنے کا خرچ موکل اپنی غریبی کی وجہ سے نہ اٹھا سکیں گے۔ مگر منشی اسد اللہ صاحب کا یہی خیال تھا کہ التوا بہتر ہے مگر افسوس کہ بعد میں ان کا خیال پورا نہ ہو سکا اور کونسل اب تک نہ بن سکی۔ وہ غلطی سے یہ سمجھتے رہے کہ اس فیس میں جو انہوں نے مجھ کو دی تھی میں دوبارہ کشمیر آ جاؤں گا۔ مگر یہ کیونکر ممکن تھا۔

اس کے علاوہ مہاراجہ صاحب کے سامنے میں نے یہ سب کچھ کہہ دیا تھا۔ بہر حال اب میں نے سُنا ہے کہ وہ گورنمنٹ آف انڈیا میں لالہ کنور سین صاحب کے فیصلہ کے خلاف اپیل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے مندرجہ بالا طویل حالات لکھ کر آپ کو تکلیف دی ہے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ اگر رحمان راہ کے وارثوں کا ارادہ اپیل کرنے کا مصمم ہو تو میں بغیر کسی مزید فیس کے ان کی اپیل لکھ دوں گا۔ آپ یہ امر ان کے گوش گذار کر دیں۔

چونکہ کشمیر میں یہ معاملہ ہندو مسلمان سوال بن گیا ہے اس واسطے ممکن ہے رحمان راہ کے وارثوں کو یہ خیال ہو کہ گورنمنٹ آف انڈیا کا قانونی ممبر بھی تو ایک کشمیری پنڈت ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور دقت بھی ہے اور وہ یہ کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے مہاراجہ کی طرف سے اگر کسی کو پھانسی کا حکم ہو تو اس کی اپیل گورنمنٹ آف انڈیا میں ہوتی ہے۔ قید کا اگر حکم ہو تو اس کی اپیل نہیں ہوتی۔ بہر حال اگر ان کا ارادہ ہو تو مجھے اس میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ اس صورت میں آپ ان سے کہہ دیں کہ میری بحث کے مفصل نوٹ اور دیگر کاغذات بھیج دیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔　　والسلام!

مخلص محمد اقبال لاہور ۲۰ اپریل ۱۹۲۲ء

---

(۱۷)

بنام میر خورشید احمد[۱]

مکرمی!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں شملہ میں آفتاب دیکھنے کو ترس گیا۔ اس کے علاوہ اندیشہ تھا کہ ہوا کی رطوبت سے نقرس عود نہ کر آئے۔

شعر زیر بحث کے متعلق یہ عرض ہے کہ دوسری پارٹی کا خیال صحیح ہے۔ اعتقادات کی بحث نہیں بلکہ فرقہ بندی کی بحث ہے بعض اسلامی فرقے (خاصتاً احمدی) مسیحؑ و علی مرتضیٰؓ کو نصاریٰ کا خدا اور شیعوں کا علیؑ کہہ کر گالیاں دے لیتے ہیں۔ خود مرزا صاحب مرحوم بعد

---

[۱] میر خورشید احمد صاحب ان دنوں حکومت ہند کے فارن اینڈ پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تھے اور اب گلگت ایجنسی سے ریٹائر ہونے کے بعد راولپنڈی میں مقیم ہیں۔ بڑا سمجھا ہوا علمی مذاق رکھتے ہیں۔

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱۹)

ڈیر فوق صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ آپ کے مصائب کا حال سن کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے۔ مولوی عبداللہ غزنوی حدیث کا درس دے رہے تھے کہ ان کو اپنے بیٹے کے قتل کئے جانے کی خبر ملی۔ ایک منٹ تامل کیا پھر طلبا کو مخاطب کر کے کہا: "ما برضائے او راضی ہستیم۔ بباشید کہ کارِ خود بکنیم۔" یہ کہہ کر پھر درس میں مصروف ہو گئے۔ مخلص مسلمان اپنے مصائب کو بھی خدا تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔

"شباب کشمیر" ضرور لکھئے، بہت مفید کتاب ہوگی ——— اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کشمیر کے لوگوں میں خودداری کی روح پیدا کی جائے۔ میں نے بھی ایک نظم اس مضمون پر لکھی ہے جو عنقریب فارسی مجموعہ میں شائع ہوگی۔ افسوس ہے کہ مجھے تاریخ کشمیر سے بہت کم آگاہی ہے۔ ممکن ہے پنڈت شیو ناتھ شیم آپ کی مدد کر سکیں۔ راج ترنگنی غالباً ان کے پاس ہے۔ اگر نہ ہوئی تو پنجاب پبلک لائبریری سے ضرور مل جائے گی۔

"اسلام میں سیاست" چودہ سال ہوتے انگریزی زبان میں لکھا گیا تھا یعنی ۱۹۰۸ء میں جب ترکی میں انقلاب ہو رہا تھا جس کا نتیجہ آخر کار ۱۹۰۹ء میں سلطان عبدالحمید خان کی معزولی میں ظاہر ہوا۔ یہ مضمون لندن کے سوشیالوجیکل ریویو میں شائع ہوا تھا۔ پیسہ اخبار نے اس کا ترجمہ بہت غلط شائع کیا ہے۔ صحیح ترجمہ زمیندار میں شائع ہوا تھا۔ یہ ترجمہ چودھری محمد حسین صاحب ایم۔ اے سیکرٹری نواب سر ذوالفقار علی خاں صاحب نے کیا تھا، معتبر ہے۔ اگر آپ چھاپنا چاہیں تو بڑی خوشی سے پمفلٹ فارم میں شائع کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ البتہ چودھری صاحب سے بھی اجازت لے لیں تو بہتر ہے۔ وہ ایک آدھ روز تک سیالکوٹ جانے والے ہیں وہاں سے جنوری کے شروع میں واپس آئیں گے۔ ان کو اجازت دینے میں مجھے یقین ہے تامل نہ ہوگا۔ انگریزی مضمون چند روز ہوئے "مسلم آؤٹ لک" میں چھپا تھا۔ وہ مطلوب ہو تو مسلم آؤٹ لک سے مل سکتا ہے۔

باقی رہے میرے حالات، سو ان میں کیا رکھا ہے؟

میری طرزِ رہائش مشرقی ہے۔ آپ جب چاہیں شوق سے تشریف لا سکتے ہیں۔

محمد اقبال، لاہور، ۱۹ دسمبر ۱۹۲۲ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۲۰)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ مخدومی جناب مولوی صاحب[1] نے جو نام لکھے ہیں ان میں سے میں کسی کو نہیں جانتا۔ سوائے عشق پیچہ شاعر کے جو کوئی شاعر نہ تھا ہاں تک بند ضرور تھا۔ سیالکوٹ کے مشہور قدیم شعراء میں سے شیخ محمد علی راسخ تھے۔ ان کا دیوان فارسی میں بہت ضخیم ہے، میں نے خود دیکھا ہے۔ غالباً شاہجہان یا عالمگیر کے عہد میں تھے۔ ٹیک چند نے بہارِ عجم میں جا بجا ان کے اشعار کو محاوراتِ فارسی کی سند میں لکھا ہے۔ ایک

---

[1] شمس العلماء مولوی سید میر حسن سیالکوٹی۔

حضورِ سرورِ کائنات کو مخاطب کر کے چند اشعار میں نے لکھے تھے جو مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیجئے۔ مجھے یقین ہے انہیں پسند آئیں گے ـــ

تیغ لا در پنجۂ این کافرِ دیرینہ دہ — باز بنگر در جہاں ہنگامۂ الّائے من!

از سپہرِ بارگاہت یک جہاں اختر نصیب — جلوۂ داری دریغ از وادیِ سینائے من

با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار — یا رسول اللہ او پنہاں و تو پیدائے من ﷺ

مخلص محمد اقبال لاہور ۱۳ر دسمبر ۱۹۲۲ء

نوٹ: اس خط کا جواب میر خورشید احمد کی طرف سے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں[2]۔

---

[1] اس کے سات شعر ہیں جو "پیام مشرق" میں چھپے۔

[2] فارن آفس دہلی ۱۷ر دسمبر ۱۹۲۲ء

مطاعی جناب قبلہ ڈاکٹر صاحب

آداب - جناب نے اپنے گرامی نامہ میں اس ننگِ آفرینش کو "مخدومی" سے خطاب فرمایا ہے۔ میں اسے پڑھ کر بہت نادم ہوا اوّل بے ادبانہ جرأت یہ کہ جناب ایسی مقدس ہستی کو خط لکھتا ہوں، دوم گستاخانہ آرزو یہ کہ جواب کا امیدوار رہتا ہوں، اس پر آپ سے مخدومی کہلاؤں؟ کیونکر کافرِ ادب نہ ٹھہروں۔

جواب میں بہت توقف ہوا۔ اس کی وجہ صرف یہ کہ قبلہ مولوی صاحب کو خط سنانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ کل صبح ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے خط پڑھ کر سنایا۔ فرمانے لگے، ڈاکٹر صاحب کو میرا سلام کہو اور لکھو ـــ

اے سالکِ رہ، سخن ز ہر باب مجو — جز راہِ وصولِ ربِّ ارباب مجو

چوں علّتِ تفرقہ است اسبابِ جہاں — جمعیتِ دل ز جمعِ اسباب مجو

پرسوں شب ایک محفل میں بیٹھے ہوئے یہ مطلع ع

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

دُہرا رہے تھے۔ فرمانے لگے، جو کوئی جس لائق ہوتا ہے اسے وہی ملتا ہے۔ جو ذہن اور تخیل ڈاکٹر صاحب کو عطا ہوا ہے اگر سائل اور بیخود (دہلوی) کو عطا ہوتا تو یہ حضرات برداشت نہ کر سکتے۔ ان کے دماغ پھٹ جاتے اور دیوانے ہو جاتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

کل صبح ملا۔ فرماتے تھے میں نے ڈاکٹر صاحب کو دہلی میں دیکھا ہے اور ان سے باتیں بھی کی ہیں۔ شاید انہیں یاد ہو۔

میں منتظر ہوں، کب فروری آئے اور جناب کی صحبت کے فیوض حاصل ہوں۔ اگرچہ یہ فقرہ رسمی ہے کہ میرے لائق کوئی کارِ خدمت ہو۔ لیکن میں اسے دل سے لکھ رہا ہوں کیونکہ اپنے لئے سعادت جانتا ہوں۔

خورشید

میرے اشعار کو کشمیریوں کی ہجو تصور کرتے ہیں وہ شعر کے مذاق اور مقاصد سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ ان کے لئے یہی جواب کافی ہے کہ میرے آباؤ اجداد اہلِ خطہ میں سے ہیں۔

شملہ میں .... کے لئے حاضر ہونا پڑے گا مگر معلوم نہیں یہ رسم کب ادا کی جائے گی۔[1]

محمد اقبال لاہور ۲۶ر مئی ۱۹۲۳ء

بنام میر خورشید احمد

(۲۲)

بر بناگوشِ نوائے نیک تناز دُرِ یتیم
سنبلِ تازہ ہے بر دمد از نقرۂ سیم　(فرخی)

اس شعر سے ظاہر ہے کہ دُرّ مع التشدید واحد ہے اور اس کی صفت میں لفظ یتیم واقع ہوا ہے جس کے معنی بے نظیر و یکتا کے ہیں۔ والسلام!

محمد اقبال از لاہور ۳۱ر مئی ۱۹۲۳ء

بنام میر خورشید احمد

(۲۳)

مکرمی!

تسلیم۔ لفظ دُرّ مع التشدید جمع نہیں بلکہ واحد ہے۔ میں آج صبح قصیدہ بُردہ پڑھ رہا تھا اس میں یہ شعر نظر آیا ؎

فَالدُّرُّ یَزدَادُ حُسناً وَّ ھُوَ مُنتَظِم
وَلَیسَ یَنقُصُ قَدراً غَیرَ مُنتَظِم

یعنی موتی حسن کے اعتبار سے بڑھ جاتا ہے جب سلسلہ میں منسلک ہو اور اگر منسلک نہ ہو تو بھی اس کی قدر گھٹتی نہیں۔ ایسی صورت میں دُرِّ یکتا کیونکر غلط ہو سکتا ہے۔ اگر یہ لفظ جمع ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ یکتا کا لفظ اس کی صفت نہیں ہو سکتا۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور یکم جون ۱۹۲۳ء

بنام میر خورشید احمد

(۲۴)

مکرم بندہ!

السلام علیکم۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں جہاں آپ چاہیں چھپوائیں۔ ہمایوں بھی اچھا رسالہ ہے
امام شرف الدین کا لقب "بُصیری" ہے۔ عربوں میں تخلص کا دستور نہ تھا۔ میں نے مثنوی رموزِ بیخودی میں بھی ان کا ذکر کیا ہے ؎

اے بصیری را ردا بخشندہ　　بربطِ سلمےٰ مرا بخشندہ

والسلام! محمد اقبال لاہور ۲۰ر جون ۱۹۲۳ء

---

[1] غالباً نائٹ ہڈ کی رسم کی طرف اشارہ ہے جو خاص اہتمام سے ادا کی جاتی تھی۔

شعر مجھے بھی یاد ہے ؎

از جدائے سرو قدِ دیگر بہ بند افتادہ ام　　　دوستاں رحمے کہ از بامِ بلند افتادہ ام

غالباً کسی نہ کسی تذکرہ میں ان کا ذکر ضرور مل جائے گا۔ مولوی صاحب قبلہ میر حسن صاحب کے متعلق جہاں تک مجھے یاد ہے میری کوئی نظم نہیں شاید کوئی شعر اشارۃً کسی نظم میں ہو۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۴ مارچ ۱۹۲۳ء

بنام میر غلام رشید احمد

(۲۱)

مخدومی!

تسلیم۔ سائل صاحب (دہلوی) کا جواب میری رائے ناقص میں صحیح ہے۔ اصل عربی لفظ دُرّہ (دُرّۃ التاج) ہے۔ جمع اس کی دُرر آتی ہے اور شاید درار بھی۔ فارسی میں بغیر تشدید بھی لکھتے ہیں۔ دُرِ یکتا، دُرِ ثمین، دُرِ مکنون، دُرِ یتیم، دُرِ خوشاب، دُرِ شاہوار، دُرِ نایاب، جہاں تک مجھے معلوم ہے سب درست ہیں۔ اگر ان ترکیبوں میں دُرِ یکتا وغیرہ مع التشدید بھی لکھیں تو بھی درست ہے۔ افسوس ہے سند اس وقت مجھے کوئی یاد نہیں۔ اگر مطالعہ میں آگئی تو لکھ بھیجوں گا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ دُرِ یکتا اور دُرِّ یکتا دونوں درست ہیں۔ نیاز صاحب فتح پوری کا استدلال صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ قاآنی نے ایزد یکتا (حالانکہ یکتا ایزد کی صفت معنًا نہ ہونی چاہیے) اور رُخِ یکتا بھی لکھا ہے۔ ایسی صورت میں دُرِ یکتا میں کیا تامّل ہو سکتا ہے۔

ساقی نامہ[1] کشمیر کے متعلق بعض لوگوں کا گلہ سن کر مجھے تعجب ہوا۔ افسوس ہے ہندوستان سے فارسی رخصت ہو گئی سعدی نے محض قومی رقابت سے کشمیریوں کی ہجو کی ہو گی۔ کیونکہ ایک زمانہ میں کشمیر ایران کا ہمسر رہ چکا ہے۔ میں نے تو دُکھڑا رویا ہے اور یہ بات سیاق اشعار سے صاف ظاہر ہے۔ دُکھڑے کی بنا بھی واقعات پر ہے جن کا میں نے کشمیر میں خود مشاہدہ کیا۔ پنجاب کے کسانوں کی حالت کشمیر کے کسانوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ نظم کا موضوع کسانِ کشمیر ہیں نہ کسانِ پنجاب۔ جو لوگ

---

[1] ساقی نامہ "پیامِ مشرق" کی مشہور نظم ہے جو علامہ اقبال نے نشاط باغ کشمیر میں کہی تھی۔ اس میں بہار کا منظر پیش کرنے کے بعد ساقی (خدا) سے دعا کی گئی ہے کہ وہ باشندگانِ کشمیر کے دلوں میں آزادی کا جذبہ پیدا کر دے۔ اس کے چند شعر جنہیں ہجو تصور کیا گیا ہے، یہ ہیں ؎

کشیری کہ با بندگی خو گرفتہ　　　بتے می تراشد ز سنگِ مزارے
ضمیرش تہی از خیالِ بلندے　　　خودی ناشناسے ز خود شرمسارے
بریشم قبا خواجہ از محنتِ او　　　نصیبِ تنش جامۂ تار تارے
نہ در دیدۂ او فروغِ نگاہے　　　نہ در سینۂ او دلِ بے قرارے
ازاں مے فشاں قطرۂ بر کشیری
کہ خاکسترش آفریند شرارے

(محمد عبداللہ قریشی)

بنام منشی محمد الدین فوق

(۲۸)

ڈیر فوق!

اودھ پنچ کا مضمون "بیماران لکھنؤ" کے جواب میں ہے۔ مجھے پہلے سے خیال تھا کہ اس کا جواب لکھا جائے گا، بہرحال موجودہ لٹریری مذاق کی حالت قابلِ ماتم ہے۔

ذخیرۃ الملوک (مصنفہ امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ) کے دیکھنے کا میں بھی مشتاق ہوں۔ سُنا ہے کوئی شخص کشمیر میں اس کا ترجمہ اُردو میں بھی کر رہا ہے۔ والسلام!

محمد اقبال۔ ۵ مئی ۱۹۲۶ء

(۲۹)

بنام میر حسن الدین[1]

جنابِ من!

السلام علیکم۔ مجھے کوئی تامل نہیں، آپ بلا تکلف اس کا ترجمہ شائع فرما سکتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک اس کا ترجمہ کچھ مفید نہ ہوگا۔ یہ کتاب اب سے اٹھارہ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت سے بہت سے نئے امور کا انکشاف ہوا ہے اور خود میرے خیالات میں بھی بہت سا انقلاب آچکا ہے۔ جرمن زبان میں غزالی، طوسی وغیرہ پر علیحدہ کتابیں لکھی گئی ہیں جو میری تحریر کے وقت موجود نہ تھیں۔ میرے خیال میں اب اس کتاب کا تھوڑا سا حصہ باقی ہے جو تنقید کی زد سے بچ سکے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔ میری رائے میں ترجمہ کرنے سے بہتر یہ بات ہے کہ آپ خود ایسی تاریخ لکھیں۔ فقط!

محمد اقبال لاہور ۱۱ر جنوری ۱۹۲۷ء

(۳۰)

لاہور۔ ۷ر جولائی ۱۹۲۳ء

میر ولی اللہ[2] خوش نویس ائمہ جامع مسجد دہلی کے خاندان سے ہیں اور یہ وہ محترم خاندان ہے جس کے مورثِ اعلیٰ کو شہنشاہ شاہجہان علیہ الرحمۃ نے بخارا سے بلا کر امام جامع مسجد مقرر کیا تھا۔ میر ولی اللہ کے دادا مولانا حافظ امیر الدین مرحوم و مغفور ابوظفر بہادر شاہ بادشاہِ دہلی کے استاد تھے۔ ان کے والد حافظ سید محمد سعید سلطنتِ دکن اور بھوپال کے وظیفہ خوار تھے جو ان کو ان کی خاندانی شرافت و نجابت و تقویٰ کی بنا پر عطا کیا گیا تھا، میرے نزدیک اس خاندان کے افراد قدر کے مستحق ہیں۔

محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا۔

---

[1] میر حسن الدین بی۔ اے ایل ایل بی وکیل جامعہ عثمانیہ کے ایک لائق سپوت تھے۔ اقبال کی کتاب "فلسفۂ عجم" کا ترجمہ کیا تھا جو بعد کو تصدق حسین صاحب تاج نے شائع کیا۔ یہ خط اسی کے ترجمہ کا ذکر کرتا ہے۔ حسن الدین صاحب نے حیدر آباد میں سالہا سال تک ایک ہفتہ وار اخبار "مملکت" مرتب اور شائع کیا۔ یہ خط تاج صاحب نے ادارے میں داخل کیا ہے اور اب تک نہیں چھپا ہے۔

[2] اصل خط ولی اللہ (بشیر) کے پاس محفوظ ہے جس کا فوٹو گراف انہوں نے مجھے دیا ہے جو میرے ذخیرے میں موجود ہے۔ ولی اللہ بشیر (جن کا ذکر اس خط میں ہے) یہاں موجود اور بڑے اچھے خطاط ہیں۔ (تمکین کاظمی)

بنام میر خورشید احمد

(۲۵)

مکرمی جناب خورشید!

امین صاحب کا میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کیجیے۔ قطعہ ان کا بہت اچھا ہے کسی اخبار میں اس کی اشاعت کر دیجیے شاید زمیندار اس مطلب کے لیے بہتر ہوگا۔

تعجب ہے عربی شعر کو جناب[1] نگار کسی عجمی کا بتاتے ہیں۔ وہ شعر حضرت بصیری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو مصر کے مشہور شعرا میں سے ہیں۔ ان کا نام امام شرف الدین ہے چھٹی صدی کے آخر میں مصر میں پیدا ہوئے اور ساتویں صدی کے وسط میں بمقام قاہرہ ان کا انتقال ہوا۔ خالص عرب تھے۔ مشہور قصیدہ بُردہ جس کا لوگ ورد کرتے ہیں انہی کی تصانیف سے ہے۔ والسلام!

میں انشاء اللہ اگست میں شملہ آؤں گا۔

محمد اقبال لاہور ۲۶ ؍ جون ۱۹۲۳ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۲۶)

ڈیر فوق صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ تا حال ہر طرح خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اگر آپ نے خواب میں مجھے دوزخ میں دیکھا ہے تو یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ لاہور آج کل دوزخ سے کم نہیں۔ باقی خیریت ہے۔ امید کہ آپکا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال لاہور۔ ۳۰ ؍ جون ۱۹۲۴ء

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۲۷)

جنابِ من!

السلام علیکم۔ میں نقرس کی وجہ سے صاحبِ فراش تھا اس واسطے اس سے پہلے آپ کے خط کا جواب نہ دے سکا معاف فرمایئے۔

"دکن میں اُردو" نہایت مفید کتاب ہے خصوصاً اس کا پہلا حصہ جو میں نے نہایت غور سے پڑھا اُردو زبان اور لٹریچر کی تاریخ کے لیے جس قدر مسالہ ممکن ہو جمع کرنا ضروری ہے۔ غالباً پنجاب میں بھی کچھ پُرانا مسالہ موجود ہے، اگر اس کے جمع کرنے میں کسی کو کامیابی ہوگئی تو مؤرخِ اُردو کے لیے نئے نئے سوالات پیدا ہوں گے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

لاہور ۷ ؍ مئی ۱۹۲۵ء

نوٹ: اس خط کے چند سال بعد "پنجاب میں اردو" محمود شیرانی نے شائع فرمائی۔

---

[1] جناب نیاز فتحپوری۔ مدیر "نگار" لکھنؤ۔

بنام غلام رسول مہر

(۳۴)

جناب ایڈیٹر صاحب "انقلاب"

السلام علیکم۔ ۲۶ر جولائی کے انقلاب میں آپ نے نواب احمد یار خاں صاحب کے ایک مکتوب کا حوالہ دیا ہے۔ میں اس مکتوب کے متعلق چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں اور استدعا کرتا ہوں کہ سطور ذیل اپنے اخبار کے کسی کالم میں شائع فرما کر مجھے ممنون فرمائیے۔

نواب صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ کسی مطبوعہ پمفلٹ میں وہ تمام تجاویز درج تھیں جن پر اب "انقلاب" معترض ہے اور اس پمفلٹ کی تجاویز پر تمام مسلم ارکان کونسل نے دستخط ثبت کئے تھے اس واسطے نواب صاحب موصوف کے خیال میں اس مسلم کشی کے لئے صرف پنجاب سائمن کمیٹی کے ممبر ہی ذمہ دار نہیں بلکہ تمام مسلم ارکان کونسل ذمہ دار ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا یہ مطبوعہ پمفلٹ وہی تحریر ہے جس پر آپ نے متعدد مضامین "انقلاب" میں لکھے تھے اور جس کی تجاویز کے خلاف لاہور کے تمام میونسپل وارڈوں نے ریزولیوشن پاس کئے تھے۔ یہ ریزولیوشن بھی غالباً آپ کے اخبار میں شائع ہو چکے ہیں۔

پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات کا مجھے کوئی علم نہیں۔ ان کی رپورٹ اب تک شائع نہیں ہوئی لیکن نواب صاحب کے خط سے جس کا ملخص آپ نے "انقلاب" میں شائع کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خطرہ بالکل بجا ہے اور غالباً پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات وہی ہیں جو مذکورہ بالا پمفلٹ میں درج تھیں۔ بہرحال میں نے متعدد ارکان کونسل سے دریافت کیا وہ سب کے سب پمفلٹ مذکورہ کی تجاویز پر دستخط کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ نواب احمد یار خاں صاحب سے بھی میں نے گفتگو کی وہ فرماتے ہیں کہ کوئی میٹنگ کسی جگہ ہوئی تھی جہاں مسلم ارکان کونسل نے ان تجاویز پر دستخط کئے تھے۔ ممکن ہے نواب صاحب کے پاس ان حضرات کے دستخط موجود ہوں۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں کسی ایسی میٹنگ میں شریک نہیں ہوا اور نہ کسی پمفلٹ کی تجاویز پر میں نے دستخط کئے ہیں۔ جن ارکان کونسل سے میں نے دریافت کیا ان کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں۔

سردار حبیب اللہ۔ مسٹر دین محمد۔ سید محمد حسین شاہ۔ مولوی سر رحیم بخش۔ پیر اکبر علی۔ ملک محمد امین شمس آبادی۔ مسٹر غلام لیسین۔

ان حضرات نے بڑے زور سے نواب احمد یار خاں صاحب کے بیان کی تردید کی۔ مسٹر دین محمد تو شاید اس مضمون کی کوئی تحریر بھی آپ کی خدمت میں اشاعت کے لئے ارسال کر چکے ہیں[۱]۔ والسلام!

محمد اقبال شملہ ۲۸ر جولائی ۱۹۲۹ء

---

[۱] سائمن کمیشن کی اعانت کے لئے ایک مرکزی سائمن کمیٹی بنی تھی، اس کے علاوہ مختلف صوبوں میں بھی سائمن کمیٹیاں بن گئی تھیں۔ پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات شائع ہونے سے قبل ایک پمفلٹ شائع ہوا تھا جس میں ایسی باتیں درج تھیں جنہیں پیش نظر رکھتے ہوئے شبہ ہوتا تھا کہ کمیٹی کی سفارشات اسی نوعیت کی ہوں گی۔ "انقلاب" میں اس پمفلٹ پر نکتہ چینی کی گئی۔ نواب احمد یار خاں مرحوم نے تحریر فرمایا کہ اس پمفلٹ پر پنجاب کونسل کے مسلم ممبروں نے دستخط کئے تھے۔ حضرت علامہ مرحوم اس زمانے میں کونسل کے ممبر تھے انہوں نے فوراً اعلان کر دیا کہ میں نے کسی ایسے پمفلٹ پر دستخط نہیں کئے۔ نیز جن ممبروں کے نام درج کئے ہیں انہوں نے بھی مرحوم کے استفسار پر دستخط کرنے سے صاف انکار کیا۔ یہ گویا نواب احمد یار خاں مرحوم کے بیان کی تردید تھی۔

بنام تمکین کاظمی

(۴۱)

جنابِ من[۱]!

تسلیم۔ نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ میں ذاتی طور پر تراجم کا قائل نہیں ہوں۔ تاہم آپ چند اشعار ترجمہ کر کے بھیجئے تو میں رائے دینے کے قابل ہو سکوں گا۔ اس سے پہلے جو نمونے تراجم کے وصول ہوئے بہت ناقص تھے۔ میں نے خود اسرارِ خودی پہلے اردو میں لکھنی شروع کی تھی مگر مطالب ادا کرنے سے قاصر رہا۔ جو حصہ لکھا گیا تھا اس کو تلف کر دیا گیا۔ کئی سال بعد پھر بھی کوشش میں نے کی۔ قریباً ڈیڑھ سو اشعار لکھے مگر میں ان سے مطمئن نہیں ہوں۔

محمد اقبال لاہور ۱۶ راگست ۲۸ء

بنام تمکین کاظمی

(۴۲)

جنابِ من[۲]!

تسلیم۔ میں نے آپ کا ترجمہ دیکھا ہے افسوس کہ ناقص اور بعض بعض جگہ غلط ہے۔ میری رائے میں اس ترجمہ سے اردو لٹریچر کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ محض لفظی ترجمہ ادبی اعتبار سے بے سود بلکہ شاید مضر ہے۔ میری دوستانہ رائے یہ ہے کہ آپ اپنے اوقات کے لئے کوئی بہتر مصرف تلاش کریں۔ امید ہے کہ اس بے لاگ رائے سے آپ ناخوش نہ ہوں گے۔

محمد اقبال لاہور ۴ رستمبر ۲۸ء

بنام تمکین کاظمی

(۴۳)

جنابِ من[۳]!

تسلیم۔ نوازش نامہ مل گیا ہے۔ "زبورِ عجم" پر شوق سے مضمون لکھئے میری طرف سے اجازت ہے۔ فی الحال علالت کی وجہ سے بہت کم لکھتا پڑھتا ہوں۔ درد گردہ نے دو ماہ تک بیقرار کیا۔ اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں اور صحت کے خیال سے چند روز کے لئے شملہ میں مقیم ہوں۔ لاہور جاتے ہی فرصت کے اوقات الٰہیاتِ اسلامیہ پر لکچر لکھنے میں صرف ہوں گے جن کا وعدہ میں مسلم ایسوسی ایشن مدراس سے کر چکا ہوں اگر فروری ۲۹ء تک یہ لکچر لکھ سکا تو مدراس میں پڑھے جائیں گے۔ امید ہے کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔

محمد اقبال شملہ ۱۸ رستمبر ۲۸ء

۱۔ یہ خط میرا مسودہ ہے۔ میں نے علامہ کی اسرارِ خودی کا ترجمہ اردو نظم میں کرنے کا ارادہ کیا تھا اس کی اطلاع علامہ کو دی تو علامہ نے یہ جواب لکھا ہے۔ اصل خط میرے ذخیرے میں محفوظ ہے۔　(تمکین کاظمی)

۲۔ اس خط کے متعلق لوگوں کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ یہ میرے نام ہے۔
میں نے اقبال کی فارسی نظموں کا اردو نظم میں ترجمہ کرنا شروع کیا تھا ان دنوں مجھے قافیہ پیمائی کا شوق تھا اور اسی کو میں شاعری تصور کرتا تھا۔ یہ ترجمہ میں نے اقبال کو بھیجا تو انہوں نے یہ رائے دی جو اس خط میں آپ ملاحظہ کر رہے ہیں۔ میں نے غور کیا تو بالکل صحیح مشورہ تھا۔ اسی روز سے میں نے شاعری ترک کر دی اور اب بحمد اللہ اس سے کوسوں دور ہوں۔
میں علامہ اقبال کا ممنون ہوں کہ ان کی وجہ سے میں نے ایک بیکار مشغلہ سے چھٹکارا حاصل کیا۔ یہ خط میرے پاس محفوظ ہے۔　(تمکین کاظمی)

۳۔ یہ خط بھی میرے نام ہے جو محفوظ ہے۔　(تمکین کاظمی)

بنام مہر صاحب

(۳۷)

ڈیر مہر صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کے اخبار میں یہ شائع ہوا ہے کہ جموں کے حوادث کے متعلق جو پریس رونما ہوئے، تمام فوٹو لے لئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ سری نگر میں جو آتشباری ہوئی اس کے فوٹو بھی میں نے سنا ہے موجود ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اپنے کسی دوست یا نامہ نگار کی معرفت تمام مذکورہ بالا فوٹو حاصل کر سکیں؟ یہ کام بڑا ضروری اور مفید ہے۔ اس کے لئے فوراً کوشش شروع کیجئے اور میرے انگلستان روانہ ہونے سے پہلے سب کو حاصل کر لیجئے۔ آپ کا جہاز مکتوب ہو چکا یا نہیں؟ چوہدری صاحب تو رہ گئے۔[1] والسلام!

محمد اقبال لاہور ۱۶ راگست ۱۹۳۱ء

بنام مہر صاحب

(۳۸)

ڈیر مہر صاحب!

السلام علیکم۔ میں تو دہلی کے لئے تیار تھا اور اب علی بخش بستر وغیرہ بھی باندھ چکا تھا۔ خیال تھا کہ گوٹ کی تکلیف جو مجھے گذشتہ رات ہوگئی تھی۔ آج شام تک رفع ہو جائے گی۔ میں نے اس کا علاج بھی کیا مگر اب گرگابی پہنی تو تکلیف بڑھ گئی۔ اس واسطے میں دہلی نہ جا سکوں گا میری طرف سے ورکنگ کمیٹی کی خدمت میں نیز سیٹھ صاحب کی خدمت میں معذرت کر دیجئے[2]۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۳۰ رجنوری ۱۹۳۲ء

---

[1] علامہ مرحوم دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے عازم لندن ہونے والے تھے۔ اس سے پیشتر جموں اور کشمیر میں مسلمانوں کی طرف سے اپنے حقوق کی بازیافت کے لئے تحریک شروع ہو چکی تھی اور حکومت کشمیر نے مسلمانوں پر سخت ظلم کئے تھے۔ "حوادث" میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ میں بھی لندن جا رہا تھا اس لئے مرحوم نے استفسار فرمایا کہ جہاز میں نشست کا بندوبست کر لیا ہے یا نہیں چوہدری صاحب سے یہاں بھی چودھری محمد حسین مرحوم مراد ہیں۔

[2] اس مکتوب میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کی طرف اشارہ ہے جو دہلی میں منعقد ہونے والا تھا۔ میں بھی اس کا ممبر تھا اور ساتھ جانے والا تھا لہٰذا مجھے اطلاع دی کہ نقرس کی تکلیف شروع ہو جانے کے باعث میرا جانا مشکل ہے۔ سیٹھ صاحب سے مراد حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون مرحوم ہیں جنہوں نے علامہ مرحوم کو تشریف آوری کے لئے تاکیدی پیغام بھیجا تھا۔ مہر

بنام پروفیسر رشید احمد صدیقی

(۳۵)

جناب صدیقی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے۔

میری رائے ناقص میں خواجہ حافظ کے شعر میں "بادیہ پیمائی" ہے[1]۔

پہلے مصرع میں 'اینجا' سے مراد 'دریں بادیہ' ہے۔ مفہوم شعر کا یہ ہے کہ اس دشت میں سینکڑوں ہوائیں بے سلسلہ (یعنی بے زنجیر، آزادانہ) رقص کر رہی ہیں اور یہی ہوائیں اے دل تیری رفیق (حریف بمعنی رفیق) ہیں جب تک تو بادیہ پیما ہے۔ یا ان کا رقص اس غرض سے ہے کہ تو آسانی اور اطمینان سے اس صحرا کو طے کر لے۔ شاعر کا مقصود اپنے آپ کو تسکین دینا ہے کہ تو اس بادیہ گردی میں تنہا نہیں ہے بلکہ عالم کا ہر ذرہ تیری ہی خاطر حالتِ رقص میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلا مصرع بہت بلند ہے اور کسی اور مضمون کا متقاضی ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور، دسمبر ۲۹ء

بنام مدیر انقلاب مہر صاحب

(۳۶)

جناب مدیر انقلاب!

السلام علیکم۔ آپ کے بیش قیمت کالموں کی وساطت سے میں ان بے شمار احباب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے میرے والد مرحوم کی وفات پر مجھ سے اور میرے اعزا سے اظہارِ ہمدردی فرمایا۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ چونکہ فرداً فرداً خطوط اور برقی بیانات کا جواب لکھنے سے قاصر ہوں اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ میرا دلی شکریہ میرے احباب تک پہنچا کر مجھے ممنون فرمائیے۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال لاہور یکم ستمبر ۳۰ء

---

[1] خواجہ حافظ کا شعر ہے؂

صد بادِ صبا اینجا بے سلسلہ مے رقصند　　　　این است حریف اے دل تا بادیہ پیمائی

"بادیہ پیمائی" کی جگہ دیوان میں دو نسخے ہیں۔ ایک "بادہ نہ پیمائی" دوسرا "بادہ بپیمائی" یہ سوال غالباً یہ تھا کہ تینوں میں سے کون سا صحیح ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے "بادیہ پیمائی" کو درست قرار دیا۔

بنام مولانا عرفان صاحب

(۴۲)

۵ جولائی ۱۹۳۲ء (بصیغۂ راز)

جناب مولانا!

السلام علیکم۔ مولانا شوکت علی تو اس وقت مقدمہ کی تیاری میں مصروف ہوں گے۔ آپ ان سے دریافت حالات کر کے اس خط کا جواب دیں۔ کچھ روز ہوئے میں نے ان کی خدمت میں لکھا تھا کہ ایک ہندو بزرگ مسٹر للت کا خط میرے پاس آیا تھا، اس کا مضمون یہ تھا کہ "ڈاکٹر مونجے ہماری اسکیم کو جو تم نے لیگ کی صدارتی ایڈریس میں پیش کی تھی تسلیم کرتے ہیں۔ پنڈت مالوی سے بھی مشورہ کرنے کے لئے جا رہا ہوں وہ بھی ہندو مسلمانوں کی صلح کی خاطر اس کو تسلیم کر لیں گے۔ گو اس وقت علانیہ طور پر اس سکیم کو تسلیم کر لینا مصلحت نہیں ہے۔" یہ خط بصیغۂ راز تھا اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں نے مولانا شوکت علی صاحب سے بھی گفتگو کی ہے وہ بھی صلح پر آمادہ ہیں۔ اسکیم جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے یعنی شمالی ہندوستان کے مسلمان صوبوں کا ایک ہو جانا۔

اس خط کے موصول ہونے پر میں نے مولانا شوکت علی کو لکھا اور انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ مسٹر للت ان سے ملے تھے میں نے مسٹر موصوف کو دو خط اس کے جواب میں لکھے تھے مگر یہ خط قریباً ایک ماہ کے بعد ڈیڈ لیٹر آفس کے ذریعہ سے میرے پاس آ گئے ہیں۔ پہلے مجھ کو شبہ تھا کہ اس میں کوئی چال اور عیاری نہ ہو مگر اب خطوں کے واپس آ جانے سے یہ شبہ رفع ہوا۔ مسٹر للت اب معلوم نہیں کہ کہاں ہیں اور مذکورہ بالا خط لکھنے سے ان کا کیا مقصد تھا۔ ممکن ہے مولانا شوکت علی اس پر کچھ روشنی ڈال سکیں بعض لوگ مشورہ دے رہے ہیں کہ میرے خطوط کے واپس آ جانے کے بعد مسٹر للت کے خط کو شائع کر دینا چاہئے۔ اگر ممکن ہو تو حالات دریافت کرنے کے بعد مجھ کو مطلع فرمائیں۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

افسوس کہ بمبئی کے فسادات ختم ہونے میں نہیں آتے۔

مخلص محمد اقبال

بنام مہر صاحب

(۴۳)

ڈیر مہر صاحب!

کل مع الخیر میڈرڈ پہنچے۔ یہاں سے قرطبہ، غرناطہ وغیرہ جائیں گے ۱۷ فروری تک واپس پہنچنا ہے۔

آج یہاں کے وزیر تعلیم سے ملاقات ہوئی اور پروفیسر آسن سے جنہوں نے دانتے کی ڈوائن کامیڈی اور اسلام پر کتاب لکھی ہے۔ صدر جمہوریہ سے غالباً ملاقات ہوگی۔ امید ہے سب طرح خیریت ہوگی۔

چودھری صاحب سے مضمون واحد[1]۔

محمد اقبال

---

[1] یہ مکتوب جیسا کہ اس کی عبارت سے ظاہر ہے، ہسپانیہ کے دار الحکومت میڈرڈ سے بھیجا گیا تھا۔ ۱۹۳۲ء کے اواخر میں حضرت علامہ تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن گئے تھے تو اس سے فارغ ہو کر اسلامی یادگاروں کو دیکھنے کے لئے ہسپانیہ پہنچے تھے۔ چودھری صاحب سے مقصود چودھری محمد حسین مرحوم ہیں۔

بنام مہر صاحب

(۳۹)

ڈیر مہر صاحب!

میں تو آج دہلی جانے کے لئے تیار ہو گیا تھا مگر جاوید کا بخار بدستور رہے۔ رات بھی اسے ایک سو پانچ ہو گیا تھا۔ آج ڈاکٹر صاحب نے دیکھا ہے، ان کو شبہ ہے کہ بخار میعادی ہے۔ پختہ پتہ کل صبح کے معائنے سے ہو گا۔ اس تشویش کی حالت میں میرے لئے سفر مشکل ہے۔ ڈاکٹر نے بھی یہی مشورہ دیا ہے۔ آپ میری طرف سے ہز ہائی نس[1] کی خدمت میں معذرت کریں کہ میں ان کے حکم کی تعمیل میں سفر کے لئے تیار تھا مگر مذکورہ بالا ناگہانی افتاد کی وجہ سے رک گیا۔ زیادہ کیا عرض کروں بہت مشوش ہوں۔ والسلام!

محمد اقبال ۲۹ فروری ۳۲ء

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۴۰)

مخدومِ من!

"دکن میں اردو" اور "یورپ میں دکنی مخطوطات" کا نسخہ جو آپ نے بکمال عنایت مجھے مرحمت فرمایا ہے اس کے لئے نہایت شکر گزار ہوں یہ کتاب اردو زبان اور لٹریچر کی تاریخ میں نہایت مفید ثابت ہو گی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ایسی مفید تالیفات کا سلسلہ جاری رکھ سکنے میں کامیاب ہوں گے، ابھی بہت سے مواد کا جمع ہونا اور بہت سی کتابوں کے صحیح ایڈیشنوں کا چھپنا باقی ہے تاکہ اردو کے ارتقا کی ایک صحیح تاریخ مدون ہو سکے۔ آپ کا یہ کارنامہ قابلِ قدر ہے اور میں آپ کو اس کتاب کی اشاعت پر مبارک باد دیتا ہوں۔ مخلص محمد اقبال۔ لاہور ۹ مئی ۳۲ء

بنام مہر صاحب

(۴۱)

ڈیر مہر صاحب!

گذشتہ رات پنڈت موتی لال نہرو کا ایک تار میرے نام آیا تھا جس کا مقصود یہ تھا کہ میں اس بیان پر دستخط کروں جو دہلی سے شائع ہوا ہے اور جو آج کے "انقلاب" میں بھی شائع ہوا ہے۔ اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تار دیا گیا ہے:

Committed to joint statement already issued from Lahore. Sorry cannot now Sign another statement. Another Unity Conference essential

Sd. Md. Iqbal

محمد اقبال

---

[1] اس مکتوب میں "ہز ہائی نس" سے مراد اعلیٰحضرت نواب حمید اللہ خاں بہادر والیِ بھوپال ہیں۔ بہت کم اصحاب کو معلوم ہو گا کہ کشمیر میں مسلمانوں نے جو تحریک شروع کر رکھی تھی اس میں ایک موقع پر مہاراجہ ہری سنگھ والیِ کشمیر کی خواہش کے مطابق اعلیٰحضرت نواب حمید اللہ خاں والیِ بھوپال مصالحت کرا دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اس ضمن میں اعلیٰحضرت ممدوح نے علامہ مرحوم کی وساطت سے گفتگو شروع کی تھی۔ چنانچہ حضرت مرحوم دو مرتبہ بھوپال تشریف لے گئے۔ ایک مرتبہ اعلیٰحضرت دہلی آئے تو حضرت علامہ کو اسی گفتگو کے لئے دہلی بلا لیا۔ حضرت علامہ عزیزی جاوید کی علالت کے باعث جا نہ سکے اور میں نے دہلی پہنچ کر پیامِ معذرت اعلیٰحضرت کی خدمت میں پیش کیا۔

مہر

Kucha chelan
Delhi 15. Z. 33.
From - Mr. Asif Ali, Bar-at-Law,

The enclosed letter is a draft manifesto which speak for itself. There is every chance of resuscitating the League after a close examination of the possibilities of making the League representative organization. I can assure you that if we proceed in the manner suggested in the manifesto we can secure the objects we have in view. I am, therefore, requesting you to let me know by wire before the 29th April, 1933, if you agree with the manifesto or you may suggest any alterations.

It is proposed to issue the manifesto to the press on the 30th instt. and unless you suggest any -alteration or decline to be signatory you will be included among the signatories·

Further I request you to send in nominations to the council of the league to be put up before the councile see that all of them are reliable and energetic persons.

Further still I must request you to sed that those who are under notice to pay up arrears lest they are put along with other defaulters (who must be removed or struk off).

I am confident that if we enorl a large electorate of Rs.1/- member we can make the League really representative, I need hardly emphasize the necessity of reorganizing the League befor 1935. The future of muslim politics depend entirely on sound organizations and disorganized muslims will be a source of great wekness and the responsibilities of allowing-the interest of the community no less than this country to suffer, will be ours if we neglect our duty now.

Those who have used the League and other organizations for selfish and narrow ends of their tethervand must go it will be very serious to fail to be stirred now and step in to the field.

Please do you duty.

(۴۴)

بنام مہر صاحب

پیرس

ڈیر مہر صاحب!

السلام علیکم۔ کل "انقلاب" کے بہت سے نمبر اقبال شیدائی صاحب[1] سے مل گئے جن کو پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ ۱۲ جنوری کو ہسپانیہ کے سفر سے واپس آیا۔ اب ۱۰ فروری کو وینس سے اطالوی جہاز کانٹے وردی پہ سوار ہو کر ۲۲ کی صبح کو انشاء اللہ العزیز بمبئی پہنچ جاؤں گا۔ ہسپانیہ میں جو کچھ دیکھا ایک خط کے ظرفِ تنگ میں کیونکر سما سکتا ہے؟

امید ہے آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔ چودھری محمد حسین صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجئے اور گھر میں بھی خیر خیریت بھیج دیجئے۔

خان صاحب، ذکاء الدین[2] کی وفات کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ خدا تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے۔ ان کے اعزا تک میری طرف سے تعزیت پہنچا دیجئے۔ مجھے ان میں سے کسی کا ایڈریس معلوم نہیں۔

سالک صاحب کس رنگ میں ہیں؟

محمد اقبال یکم فروری ۳۳ء

(۴۵)

بنام مہر صاحب

ڈیر مہر صاحب

یہ اس خط کی نقل ہے جو مسٹر آصف علی بیرسٹر دہلی نے ان حضرات کے نام لکھا تھا جن کے دستخط احیائے مسلم لیگ والے مینی فیسٹو پر تھے۔ آپ کے ملاحظہ کے لئے ارسال کرتا ہوں۔ "ہمدم" کا ایڈیٹر اور مفتی اعظم کے متعلق جو نوٹ ہے اسے بھی پڑھ لیجئے۔

اس کے علاوہ اقبال شیدائی کا خط پیرس سے آیا ہے وہ آپ سے متوقع ہے کہ ساہوکاروں اور سود کے متعلق چند مضامین لکھیں جو عام ہوں۔ ان میں پنجاب کے مسلمانوں کے قرضے کا بھی عام طور پر ذکر ہو۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ایسے مضامین مسلمانوں کے متعلق ہمدردی پیدا کرنے میں ممد و معاون ہوں گے۔ والسلام!

محمد اقبال

---

[1] انگریزی دورِ حکومت کے مشہور انقلابی، جو پیرس میں مقیم تھے۔ پاکستان بن جانے کے بعد وطن واپس آ گئے۔ آج کل کاروبار میں مشغول ہیں۔

[2] خان صاحب ذکاء الدین خان مرحوم ڈسٹرکٹ و سیشن جج جو ڈاکٹر صاحب کے دوست تھے۔

بنام منشی محمد الدین فوق

(۴۸)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ خط رستی ابھی موصول ہوا۔ کل گورکھپور سے حکیم برہم کا خط آیا تھا انہوں نے مجھے ۸۔ کا "ریاض الاخبار" ارسال کرنے کا وعدہ کیا ہے مگر ابھی پہنچا نہیں۔ اس پرچہ سے حضرت ریاض (خیرآبادی) کی رائے معلوم ہوگی۔ حکیم برہم لکھتے ہیں کہ ہم لوگ آپ کے بہت مشکور ہیں۔ والسلام!

آپ کا اقبال!

اس انگریزی مضمون کا ترجمہ بھی انشاءاللہ ضرور شائع ہوگا۔ غالباً شیخ عبدالقادر صاحب کریں گے، کیونکہ انہوں نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ ایڈیٹر سول اینڈ ملٹری نیوز کا میری طرف سے شکریہ ادا کریں۔

آپ کا اقبال!

میں ایڈیٹر صاحب سول اینڈ ملٹری نیوز کا دل سے ممنون ہوں۔ جو رائے انہوں نے میرے ٹوٹے پھوٹے اشعار کی نسبت اپنے قیمتی اخبار میں ظاہر فرمائی ہے حقیقت میں میں اس کے قابل نہیں ؎

حق تو یوں ہے کہ وہ ہے سب شعراء سے بدتر

آپ اچھے ہیں جو کہتے ہیں جلال اچھا ہے

میں ایڈیٹر صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ انشاءاللہ اس انگریزی مضمون کا ترجمہ شیخ عبدالقادر صاحب ایڈیٹر مخزن کریں گے۔

اقبال

لفافہ پر: علی گڑھ منتھلی کا آخری نمبر ضرور دیکھیے۔ اس میں حسرت موہانی نے ایک ..... حملہ آپ پر کیا ہے۔

اقبال

(تاریخ ۱۲؍۱۱؍۰۵)

بنام سید مبارک شاہ صاحب جیلانی

(۴۹)

جناب من!

السلام علیکم۔ افسوس ہے کہ میں آپ کے تعمیلِ ارشاد سے قاصر ہوں۔ مجھے فرصت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ فرمائشی اشعار کیونکر لکھے جا سکتے ہیں۔

محمد اقبال!

(۴۶)

بنام منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق صاحب!

مجھے معلوم نہیں لفظ سپرو کے معانی کشمیری زبان میں کیا ہیں۔ ممکن ہے اس کے معنی وہی ہوں جو آپ نے تحریر فرمائے ہیں یعنی وہ لڑکا جو چھوٹی عمر میں بڑوں کی سی ذہانت دکھائے۔ البتہ کشمیری برہمنوں کی جو گوت سپرو ہے اس کے اصل کے متعلق جو کچھ میں نے اپنے والد مرحوم سے سنا تھا وہ عرض کرتا ہوں۔

جب مسلمانوں کا کشمیر میں دور دورہ ہوا تو براہمۂ کشمیر مسلمانوں کے علوم و زبان کی طرف بوجہ قدامت پرستی یا اور وجوہ کے توجہ نہ کرتے تھے۔ اس قوم میں سے پہلے جس گروہ نے فارسی زبان وغیرہ کی طرف توجہ کی اور اس میں امتیاز حاصل کر کے حکومت اسلامی کا اعتماد حاصل کیا وہ سپرو کہلایا۔ اس لفظ کے معنی ہیں وہ شخص جو سب سے پہلے پڑھنا شروع کرے (یا جس نے سب سے پہلے پڑھنا شروع کیا) "س" تقدم کے لئے کئی زبانوں میں آتا ہے اور "پرو" کا روٹ وہی ہے جو ہمارے مصدر "پڑھنا" کا ہے۔

والد مرحوم کہتے تھے کہ یہ نام کشمیر کے برہمنوں نے اپنے ان بھائی بندوں کو ازراہ تعریض و تحقیر دیا تھا جنہوں نے قدیم رسوم و تعلقات قومی و مذہبی کو چھوڑ کر سب سے پہلے اسلامی زبان و علوم کو سیکھنا شروع کیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ نام ایک مستقل گوت ہو کر مشہور ہو گیا۔[1]

دیوان ٹیک چند (ایم۔ اے) جو پنجاب میں کمشنر تھے، ان کو تحقیق لسان کا بڑا شوق تھا۔ ایک دفعہ انبالہ میں انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ لفظ سپرو کا تعلق ایران کے قدیم بادشاہ شاہ پور سے ہے اور سپرو حقیقت میں ایرانی ہیں جو اسلام سے بہت پہلے ایران کو چھوڑ کر کشمیر میں آباد ہوئے اور اپنی ذہانت و فطانت کی وجہ سے برہمنوں میں داخل ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

پنجاب میں جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی گھر مسلمان سپرو خاندان کا نہیں ہے۔ اعجاز[2] کی شادی کے وقت اس امر کی جستجو کی گئی تھی مگر ناکامی ہوئی۔

محمد اقبال ۱۶ر جنوری ۱۹۳۴ء

(۴۷)

بنام مولوی عبدالحق صاحب

مخدومی!

السلام علیکم۔ مزاج اقدس! آپ کی کانفرنس کے دو پروگرام دیکھنے میں آئے ہیں ایک انگریزی میں اور ایک اردو میں۔ انگریزی پروگرام کی رُو سے اجلاس عام ۲۸ کو ہے اور اردو پروگرام میں ۲۹ کو بتلایا گیا ہے۔ آپ اگرچہ آج کل بے حد مصروف ہیں مگر اتنی تکلیف آپ کو دوں گا کہ مجھے آپ اطلاع دیں کہ کونسا پروگرام صحیح سمجھا جائے۔ نیز یہ کہ مشاعرہ کس تاریخ کو ہے؟

جواب موڈل ٹاؤن کے پتے پر ارسال فرمائیں کیونکہ کالج کل سے بند ہو رہا ہے۔ والسلام مع الاکرام!

مخلص محمد اقبال ۲۰ر دسمبر ۱۹۳۶ء

---

[1] علامہ اقبال بھی کشمیری برہمنوں کی سپرو گوت سے تعلق رکھتے تھے تفصیل کے لئے منشی محمد الدین فوق کی کتاب "تاریخ اقوام کشمیر" دیکھئے۔

[2] حضرت علامہ کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب۔

جناب مکرم فرمائے بندہ خانصاحب زاد عنایتکم - السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ' نظم مرسلہ پہنچی - واقعی تصویر عبرت ہے - آپ نے جو مضمون انتخاب کیا ہے وہ تو ایسا ہے کہ اس پر کوئی چاہے تو ایک کتاب لکھ دے - چند سطوروں میں کیا لکھا جا سکتا ہے - مگر جتنا آپ نے لکھا ہے نہایت صاف اور پاکیزہ اور دل گداز ہے اپریل کے پرچے میں آپ اس نظم کو دیکھیں گے - گو یا مخزن کے نئے سال کی ابتدا میں آپ کی نظم چھپے گی - خدا کرے کہ سال بھر آپ کے کلام نظم و نثر سے فیض پہنچتا رہے - میں نے آپ کا ریویو پڑھا - اور پھر کئی دوستوں کو پڑھنے کے لئے دیا - بس یہی ثبوت پسندیدگی کا ہے - آپ نے حیات جاوید کی داد بھی خوب دی ہے اور اس پر تنقید بھی خوب لکھی ہے - حیات جاوید ایک ایسی کتاب ہے جس پر بہت سے ریویو نکلنے چاہئے تھے - مگر افسوس ہے کہ اپنی قسم کا یہ پہلا ہی نکلا ہے - اور یقین نہیں کہ اور بعد میں جلد نکلیں - مجھے افسوس ہے کہ مولوی غلام محمد صاحب کے مشورے سے آپ نے اور قاری شاہ سلیمان صاحب نے امرتسر کا قصہ ملتوی کر دیا - آج میرے پاس خط آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے صاحبان آپ کے منتظر تھے - بہرحال پھر موقع بشرط خیریت آ جاتا ہے - منشی محبوب عالم صاحب اور شیخ محمد اقبال صاحب کو آپ کا سلام شوق پہنچا دیا تھا - وہ اسی شوق سے جواب سلام عرض کرنے کی فرمائش کرتے ہیں -

۱۴ ر مارچ سنہ ۱۹۰۲ء		بندہ شیخ عبدالقادر از لاہور

---

(۴)

بنام خان بہادر بشیر الدین احمد صاحب

جناب مکرم بندہ مولوی صاحب السلام علیکم - آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۷ اپریل ملا - اس سے پہلے بھی ایک خط آپ کا آیا تھا جس کے جواب میں بوجہ علالت تاخیر ہوئی - کوئی ماسٹر ایسا مجھے دستیاب نہیں ہوا جس کو آپ کے ہاں بھیج سکوں - متلاشی رہوں گا -

جن لڑکوں کے سرٹیفیکیٹ درکار ہیں - ان سب کے رول نمبر اور نام وغیرہ ٹھیک طور پر دریافت کر کے جلد لکھے ہیں میں آپ کو سرٹیفیکیٹ بھجوا دوں گا - سرٹیفیکیٹ عرصہ سے تقسیم ہو چکے ہیں، یہاں قاعدہ یہ ہے کہ میرا نوٹ سٹوڈنٹ کی درخواست میں جب تک کسی ایسے شخص کے ذریعہ نہ آئے جن کو یونیورسٹی پہچانتی ہو عطائے سند کے لئے غور نہیں ہوتا -

مخزن کا دوسرا سال شروع ہوا ہے اور پہلے میں کسی قدر حجم بڑھا دیا گیا ہے - اپریل کا پرچہ کل آپ کو بھیجا جائے گا - چند سطور ہیں نوٹس کے لئے -

لاہور ۲۳ ر اپریل سنہ ۱۹۰۲ء		بندہ شیخ عبدالقادر

---

(۵)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

جناب مکرم بندہ خاں صاحب - السلام علیکم - گو عام عقل انسانی یہ تقاضا کرتی ہے کہ اگر کوئی ایک سال کے عرصے میں دو دفعہ پنجاب آ چکا ہو اور دو سفروں میں سے ایک دربار کی چپقلش کا سفر ہو تو اسے پھر تحریک سفر کرنا نادانی ہے مگر :

اس دل کو کیا کروں کہ بہلتا کہیں نہیں

سر عبدالقادر

(۱)

بنام خان بہادر بشیر الدین احمد صاحب

جناب مکرم بندہ مولوی صاحب۔ السلام علیکم۔ پندرہ کاپی پراسپکٹس کی ارسالِ خدمت ہیں، انہیں کاپیوں کے ساتھ ابھی درخواست فارم کے کارڈ شامل نہیں کئے گئے۔ لیکن چونکہ آپ کی اخبار میں مخزن پر نوٹ لکھنے کے لئے پراسپکٹس کی ضرورت تھی، آپ کو فوراً جلد ہی روانہ کیا گیا ہے۔ آپ خود ملاحظہ فرما کر نوٹ لکھ دیجئے۔ اور بعد میں باقی ماندہ کاپیاں اپنے احباب میں تقسیم کرا دیجئے۔ تاکہ جو صاحب اٹاوہ میں خریداری کا قصد رکھتے ہوں ان کے کارڈ میرے نام جلد پہنچ جائیں۔ اور مجھے پہلا نمبر نکالنے سے پہلے قدرے اندازہ لگانے کا موقع ملے کہ مانگ کہاں تک ہو گی۔

لاہور ۲۸ مارچ ۱۹۰۱ء بندہ عبدالقادر

---

(۲)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

میرے کرم فرما جناب خانصاحب۔ السلام علیکم۔ کارڈ مورخہ ۲ مارچ اور لفافہ مورخہ ۴ مارچ پے در پے پہنچے۔ یاد آوری کا مشکور ہوں۔ نہایت خوشی ہے کہ آپ بخیریت وطن پہنچ گئے اب "باز آئی" کا مضمون انشاء اللہ اکتوبر میں پھر سوچا جائے گا۔ اگر آپ کوئی نقش یہاں سے دل پر لے گئے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس سے گہرا نقش آپ چھوڑ گئے ہیں۔ ایک دل پر نہیں بلکہ کئی دلوں پر۔ ہمارے میر نیرنگ صاحب نے انبالے پہنچ کر خط لکھا ہے جس میں آپ سے تعارف ہو جانے کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ اور یہاں کے احباب میں تو اکثر آپ کا ذکر خیر رہتا ہے۔ ابزرور کے مینجر صاحب کو لکھ بھیجتا ہوں کہ وی پی جناب مزمل اللہ خاں صاحب کی خدمت میں بھیج دے۔ اور مخزن بھی علیحدہ بھجوائے دیتا ہوں۔ آپ کی تقریر وطن کے اگلے پرچے میں شائع ہو گی انہوں نے مولوی محبوب عالم صاحب سے لے لی تھی۔ اگر آپ کو بہت زیادہ کاپیاں درکار ہوں تو اخبار کی چند زائد کاپیاں چھپوا کر آپ کو بھجوائی جا سکتی ہیں۔ ورنہ وہاں سے کاغذ فارغ ہوتے ہی مطبع رفاہ عام میں دے دوں گا۔ اور ڈیڑھ سو کاپی حسب ایما چھپوا کر بھجوا دوں گا۔ قبر نور جہاں کے متعلق نظم کا منتظر ہوں۔ زیادہ شوق۔

۶ مارچ ۱۹۰۲ء بندہ شیخ عبدالقادر از لاہور

---

(۳)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

کیا کریں۔ مضمون نثر خواہ مختصر ہو مگر مخزن کے رنگ کا ہو۔ آپ نے آج تک نثر کا ایک مضمون نہیں دیا۔ اور دوسرے یہ کہ بھی کبھی ہمارے بعض چیدہ مضمون نگاروں کو بذریعہ تقاضا کے بیدار کرتے رہیں۔ گو میں خود بھی اُن لوگوں سے پختہ وعدے کر جاؤں گا۔

۹ر جولائی ۱۹۰۳ء　　　　نیاز مند عبدالقادر، از لاہور

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

(۷)

میرے عنایت فرما جناب خانصاحب۔ السلام علیکم۔ نہ آپ وداع عہد کیجے نہ وداع یار۔ انجمن میں اگر آپ آئیں گے۔ تو انجمن کی رونق بڑھے گی میرا یہاں بیٹھے دل شاد ہو گا۔ اور یہ مسرت کہ آپ اتنی دور سے کسی کے دل کا سرور ہو سکتے ہیں گو آنکھوں سے اوجھل ہوں۔ آپ کو تسلی بخشے گی اور وداع یار اسے نہیں کہتے کہ امید لگی ہوئی ہے۔ کہ اب واپس آئے۔ دو ڈھائی سال گزرتے کتنے دن لگتے ہیں اگر خدا نے چاہا تو پھر وہی جلسے ہوں گے۔ اور وہی لطف ملاقات۔ ہو سکا تو فن تقریر آپ کی خاطر ذرا باقاعدہ سیکھ آؤں گا۔ تاکہ فغاں میں تاثیر زیادہ ہو جائے۔ آپ دعا میں یاد فرمایا کیجئے گا۔ یہ میرے حق میں خاص دوستی ہو گی۔ میں خدا سے چاہتا ہوں کہ انگلستان کی سیر اور وہاں کے قیام کا مجھ پر وہ اثر پڑے جس کی آپ نے آرزو ظاہر فرمائی ہے اور اگر کوئی بُرا اثر پڑتا ہو تو میں جا ہی نہ سکوں۔ مخزن کے متعلق جو تلطف آمیز وعدہ آپ نے فرمایا اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں میر صاحب اور اقبال کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات سے خط و کتابت چھیڑ دیجئے گا۔ خالی از دلچسپی نہ ہو گا اور ہمارا مطلب بھی نکل آئے گا۔ سید کاظم حبیب کنتوری، اورنگ آباد۔ میر علی محمد شاد آنریری مجسٹریٹ پٹنہ اور سید اکبر حسین صاحب جج جن سے غالباً آپ کی ملاقات ہو گی۔ کبھی مولانا شبلی سے کچھ لکھوانے کی کوشش کیجئے۔ مجھے تو انہوں نے ایک دفعہ جواب دے دیا تھا اس لئے میں متقاضی نہیں ہوا۔ مگر ؎

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب

ان سب حضرات کو اس امر کی تاکید کیجئے گا کہ مضامین عام دلچسپی کے تلاش کریں۔ خالص اسلامی قومی رنگ مخزن میں بدقت کھپتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ نہیں کھپتا۔ اور اس کی اس پالیسی سے یہ فائدہ ہو رہا ہے کہ ہندو صاحبان کے ایک معقول تعداد اس کے ناظرین میں ہے اور اس طرح اردو سے کچھ دلچسپی رکھتی ہے۔ میں انشاء اللہ آپ کو ولایت سے خط لکھتا رہوں گا۔ غزل مرسلہ پہنچ گئی سبحان اللہ مقطع کیا لاجواب ہے۔ اور اس کا دوسرا مصرع تو غضب ہی ہے۔ شکریہ قبول فرمائیے۔

کیا یہ سچ ہے کہ ندوے میں بہت سی اندرونی دقتیں پڑی ہوئی ہیں؟ خدا کرے یہ گتھیاں سلجھ جائیں۔ اب کے سنا ہے مدراس میں تحریک ہو رہی ہے جو اندازہ میں نے اہل مدراس کی دینداری کا لگایا ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ وہاں ندوہ کانفرنس سے کچھ بڑھ کر کامیاب ہو گا۔ قلق ہے کہ اب کے بمبئی کی کانفرنس نہ دیکھ سکوں گا۔ مزید آنکہ جو استفسار آپ نے دربارۂ ایڈیٹری فرمایا ہے اس میں ابھی قدرے متذبذب ہوں مگر امید ہے کہ عنقریب آپ کو اطلاع دے سکوں گا۔ کہ انتظام خاطر خواہ ہو گیا ہے۔ ایک نظر محمد حیات صاحب پر ہے اور دوسری شیخ عبدالعزیز پر جو پہلے میرے نائب تھے اور اب کالج میں ہیں۔ ابھی فیصلہ نہیں ہوا۔ دوسرے شاہ دین صاحب اس بارے میں خواجہ احمد شاہ صاحب سے خط کتابت کر رہے

آپ کا پچھلے سال جلسۂ انجمن کے موقع پر لاہور میں رونق افروز ہونا کچھ ایسا پسند آگیا ہے اور آپ کی آواز انجمن کے پلیٹ فارم پر پھر سننے کا اشتیاق ایسا ہے کہ وہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ آپ کو پھر بلاؤں۔ باوجودیکہ آج ہی سیکرٹری صاحب سے سن چکا ہوں کہ آپ نے عذر کر دیا ہے۔ میرا مطلب لکھنے سے یہ نہیں کہ آپ اپنے کاروبار دنیاوی چھوڑ کر جلسے دیکھنے پر تل جائیں مگر اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی سخت ہرج یا نقصان کے بغیر آپ آسکیں اور اصلی رکاوٹ صرف سہ بارہ سفر پنجاب کی تکلیف سے بچنے کی ہی ہو تو اپنے مشتاقانِ جمال کی خاطر اس کو بھی "بالائے غم ہائے دگر" گوارا کر لیجئے۔ اس درخواست میں اقبال اور میر نیرنگ بھی میرے ساتھ شریک ہیں۔ بلکہ حقیقت یوں ہے کہ میر صاحب کے ایک فقرے نے مجھے اس پُرجسارت درخواست کرنے پر آمادہ کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ اگر آپ کے خانصاحب سے لاہور میں ملاقات کرا دو تو جانیں۔ اب میں کچھ آپ کی طرح تسخیر کا عمل تو رکھتا نہیں کہ جسے اور جب چاہوں بلالوں۔ یہی ہے کہ جذبِ دل آزما دیکھوں۔ سو یہ چند حروف لکھتا ہوں میں اکثر یہ دعا مانگا کرتا ہوں کہ خدا ہماری قوم میں ایسے اصحاب پیدا کر دے جو آسودہ حال ہوں اور گو کاروبار اور مشاغل رکھتے ہوں مگر محض فکر معیشت سے آزاد ہوں اور مشاغل علمی اور قومی کے لئے بہت سا وقت اُن کے قابو اور اختیار میں ہو اور اس دعا کے وقت آپ جیسے حضرات کی تصویر سامنے ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر آپ کو بھی علائق کی مجبوری ایسے مواقع سے جیسے کہ جلسۂ انجمن ہے، روک دے تو پھر امید کس کی طرف نظر اٹھائے۔

۶ رفروری ۱۹۰۳ء　　　　بندہ شیخ عبدالقادر از لاہور

---

(۶)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

میرے عنایت فرما جناب خانصاحب بہادر۔ السلام علیکم۔ کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے ہیں کہ وہ جو سال میں ایک آدھ دفعہ آپ سے ملاقات کے سامان ہو جایا کرتے تھے۔ اور یہ وہ موقع ہوتے تھے جن کا میں شوق سے منتظر رہا کرتا تھا کوئی دو تین سال کے لئے ان کی راہ مسدود ہو۔ اور میں یہ عرصہ ہندوستان سے باہر گزاروں۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ کوئی دو مہینے کے اندر سفر انگلستان کا عازم ہوں اور وہاں مقصد قیام تکمیل فن اخبار نویسی ہے۔ اور اس کے علاوہ کوئی اور چیز بھی حاصل کرنے کا موقع ہو جائے تو وہ بھی فتوحات بالائی میں سمجھ کر حاصل کر لی جائے گی۔ اس لئے اس عزم سے آپ کو مطلع کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کیونکہ آپ اُن چیدہ بزرگان قوم میں ہیں جن سے مجھے گو نیاز دیرینہ نہیں مگر تھوڑے ہی دنوں میں تعلق گہرا ہو گیا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ آپ سے خواستگار دعا ہوں کہ خدا مجھے اس کام میں برکت دے۔ اور توفیق عطا فرمائے۔ کہ واپس آکر پھر کچھ خدمت اُس کے بندوں کی کر سکوں۔ آپ سے ایک دوستانہ التماس ہے کہ میری غیر حاضری میں آپ مخزن کے حال پر خاص نظر عنایت رکھیں۔ اس کا خاطر خواہ انتظام کیا گیا ہے کہ یہ رسالہ میرے پیچھے چلتا رہے۔ ترتیب و اصلاح مضامین وغیرہ کا کام بدستور میں اپنے ہاتھوں میں رکھوں گا اور وہاں سے ایڈٹ کر کے بھیجتا رہوں گا۔ اور یہاں دفتر کا انتظام آگے سے عمدہ کر کے جاؤں گا۔ چھپوائی کی تاریخوں کے انضباط کی بھی معقول صورت پبلشرز سے باضابطہ معاہدے کے فیصلے پیدا ہو گئی ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ چند خاص مربیان رسالہ اس کے لئے خصوصیت سے مساعی رہیں۔ آپ سے ایک درخواست تو یہ ہے کہ آپ ہر مہینے نہیں تو ہر دوسرے مہینے مزید ایک مضمون۔ نظم نہیں تو نثر ہی سہی۔ عطا

اس کی بھی کسی موقع پر داد دیجئے گا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین سے متعدد ملاقاتیں ہو چکی ہیں جن میں متعدد قومی امور کے متعلق مشورے ہوتے، خدا کرے ان کا کچھ نتیجہ ہو۔ وہ چند ضروری مضامین البشیر میں لکھیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ البشیر میری نظر سے گذرا کرے۔ آپ ایک کاپی مجھے بھی باقاعدہ بھیج اسکیں تو نہایت ممنون ہوں گا۔ اور کاہ بکاہ خط سے یاد فرماتے رہیں۔

۲۶ جولائی سنہ ۱۹۰۸ء　　　عبدالقادر

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

(۱۰)

میرے کرم فرما جناب خانصاحب زاد لطفکم۔ السلام علیکم۔ آپ کو یہ تو بذریعہ اخبارات معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں آخر انگلستان آ پہنچا۔ خدا کا فضل سفر میں شامل حال رہا۔ اور یہاں آکر بھی اب تک نعمت صحت حاصل ہے اللہ کام بخوبی ہو رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ عجلت میں چلنے کے سبب صرف ایک افسوس رہ گیا کہ آپ حضرات سے وقت رخصت ملنا نہ ہو سکا۔ اچھا۔ یار زندہ صحبت باقی پھر انشاء اللہ کبھی ہم ہوں گے اور آپ۔ اور تصانیف کا خزانہ کھلے گا۔ اور اس سے چیدہ چیدہ کلام سے بہرہ اندوز ہوں گا۔ اس خط کے لکھنے سے محض رسید منظور نہیں۔ یہ آپ کو پہلے سے معلوم ہے۔ دو مطالب ہیں۔ ایک سلسلۂ خط و کتابت جاری کرنا۔ آپ ضرور اوقات فرصت میں مجھے یاد فرمایا کیجئے۔ آپ کے خطوط سے مشرف ہونا مسرت خاص کا باعث ہوگا۔ اور جواب لکھنے میں مجھے راحت ملے گی۔ دوسرے میری غیر حاضری میں مخزن کی طرف خاص طور پر توجہ فرمانے اور مستقل قلمی امداد دینے کا جو وعدہ آپ نے گزشتہ اگست میں فرمایا تھا اس کی تجدید۔ سو میں جانتا ہوں کہ اس مختصر خط سے دونوں مطلب حاصل ہو جائیں گے اور دوبارہ یاد دہانی کی ضرورت نہ پڑے گی۔ میں نے آج نواب محسن الملک بہادر کو خط لکھا ہے کہ اگر وہاں کے اصحاب کی رائے ہو جائے کہ آرنلڈ صاحب کو پرنسپل پر بلایا جائے تو وہ ہمیں کوئی باضابطہ قرار داد کر کے ارشاد فرمائیں کہ ہم تحریک کریں۔ ہمیں بہت امید کامیابی کی ہے۔ اگر آپ اس خیال کو پسند فرمائیں تو آپ بھی اس بارے میں ساعی ہوں۔ اردو اخبارات میں ندوہ کے متعلق بعض پریشان کن خبریں پڑھتا ہوں۔ معلوم نہیں کہاں تک درست ہیں آپ کچھ مطلع فرمائیں۔

۱۹ اگست سنہ ۱۹۰۴ء　　　نیاز مند عبدالقادر از لندن

بنام ڈاکٹر اقبال

(۱۱)

پیارے اقبال۔ السلام علیکم۔ آپ کا محبت نامہ مرقومہ ۱۰ اگست (ایبٹ آباد) ۲۹ اگست کو ملا۔ میں دو خط سیالکوٹ کے پتے سے لکھ چکا ہوں امید کہ وہ آپ کو مل گئے ہوں گے۔ اگر آپ کے نقل و حرکت مکانی میں کوئی گم ہو گیا۔ تو افسوس ہوگا۔ اب یہ پھر سیالکوٹ ہی کو بھیجتا ہوں کیونکہ آپ نے لکھا ہے کہ آپ ۵ ستمبر کو سیالکوٹ جاویں گے۔ گو ڈاک مس ہونے کی جو معذوریاں آپ نے لکھی ہیں وہ معقول ہیں۔ مگر پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ آپ معذوری میں بھی کچھ لکھ ہی دیا کریں خواہ دو سطریں ہی کیوں نہ ہوں۔ اس سے دو فائدے ہیں، ایک تو سلسلہ نہیں ٹوٹتا، دوسرے تسلی ہو جاتی ہے۔ اب دیکھئے پچھلے دنوں آپ کا خط نہ آیا تو مجھ سے بھی ایک آدھ ناغہ ہوا۔ آپ تکلیف تحریر کو نہ دیکھا کیجئے بلکہ یہ خیال کیا کیجئے کہ کس طرح ہم منتظر رہتے ہیں۔

ہیں۔ اس بات کی خاص احتیاط سوچی گئی ہے کہ اعتدالِ روِش میں فرق نہ آئے۔ جو انگریز ہمارے ہاں پہلے تھا اُس کی جگہ دوبارہ قائم کرنے کی تجویز ہو رہی ہے۔ میں اس بارے میں خصوصیت سے کوشش کر رہا ہوں۔ کہ میری غیر حاضری میں بلند وہ کے کام میں کوئی ہرج نہ ہو۔ ممکن ہوا تو وہاں سے بھی کچھ اس کی خدمت کرتا رہوں گا۔

۱۶ر جولائی سنہ ۱۹۰۳ء　　　بندہ عبدالقادر از لاہور

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

(۸)

پیارے خانصاحب بہادر۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ پہنچ کر کاشف حالات ہوا۔ آپ کے لئے یہاں آپ کے سب دوست اور اُن سب میں نیاز مند بالخصوص برابر چشم براہ ہے۔ اور اس وقت تک اس مجبوری کو کوستے ہیں جس نے ہمیں اس موقع ملاقات سے محروم رکھا۔ تاہم دنیا میں علائق سے چھٹکارا نہیں کسی اور موقع کے منتظر رہیں گے۔ خدا آپ کو خوش رکھے اور کاروبار میں کامیاب۔ میں علی گڑھ آرنلڈ صاحب کو رخصت کرنے ۲۵ر فروری کو گیا تھا۔ اس سفر کا ارادہ عین اُن کی روانگی کے قریب ہوا اس لئے پہلے سے آپ کو خط لکھ نہیں لکھ سکا۔ مگر امید غالب تھی کہ آپ وہاں تشریف فرما ہوں گے۔ کیونکر قریب ٹرسٹی صاحبان کو اس موقع پر بُلایا گیا تھا۔ میں نے جاتے ہی دریافت کیا تو کسی نے کہا کہ آپ اس سے شاید ایک دن پہلے تک نمائش میں تھے مگر پھر تشریف لے گئے۔ میں صرف دو روز وہاں ٹھہرا اور اس خیال سے کہ آپ ابھی گئے ہیں بلا بھیجنا مناسب نہ جانا۔ مجھے مسرت ہے کہ مضمون آپ کے پیش نظر ہے۔ مجھے ہر وقت اس کا منتظر سمجھئے۔

۱۱ر اپریل سنہ ۱۹۰۲ء　　　نیاز مند شیخ عبدالقادر از لاہور

بنام مولوی بشیر الدین

(۹)

لندن۔ معرفت THOMAS COOK & SON LUDGATE CIRCUS.

مکرم و مشفق بندہ۔ السلام علیکم۔ آپ نے جن عنایت آمیز الفاظ میں مجھے یاد فرمایا ہے۔ اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کو خط لکھنے کا قصد رکھتا تھا مگر موقعہ نہ ملا۔ اب (کٹا ہوا ہے پڑھا نہیں گیا) ارادے سے کئی دن پہلے آپ کے لئے خط لکھ رکھتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ خدا کے فضل سے آبزرور کے جاری رہنے کا عمدہ بندوبست ہو گیا ہے۔ گزشتہ سال میرے رک جانے کا یہی سبب تھا۔ اور اب تسلی ہو گئی تو چلا۔ آپ دیکھیں گے کہ اس میں بہمہ وجوہ بہ نسبت سابق رونق ہو گی نہ کہ کمی۔ ٹائپ اب نیا آیا ہے۔ ترتیب مضامین میں کچھ جدت کی گئی ہے۔ ہمارے پُرانے ایڈیٹر مسٹر والس سے مضامین میں مدد لی گئی ہے اور خدمت ایڈیٹری شیخ عبدالعزیز صاحب بی اے کے سپرد ہوئی ہے۔ جو پانچ سال میرے ساتھ اسسٹنٹ ایڈیٹری کا کام کر چکے ہیں اور پورا تجربہ اور قابلیت رکھتے ہیں۔ مجھ سے یہ انتظام ہوا ہے کہ میں ہفتہ وار ایک خط اور ایک مضمون آبزرور کے لئے لکھتا رہوں جس کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ امید کہ آپ کسی مختصر نوٹ میں اس امر کا تذکرہ کر دیں گے۔ تاکہ قدردانوں کو اطمینان ہو جائے۔

نیز آپ دیکھتے ہوں گے کہ مخزن کا کام بھی بخوبی چل رہا ہے اور اس پر بھی میری غیر حاضری کا کوئی مضر اثر نہیں پڑا۔ بلکہ یہاں سے جو مضمون بھیجتا ہوں اور جو تصویریں چھپوانے کا انتظام ہوا ہے اس کے سبب کچھ خوبی بڑھ جائے گی۔

تشریف لاتے ہیں ۔ زہے نصیب ۔ اگر آپ آج ۷ بجے تشریف لا سکیں تو ملاقات سے مجھے نہایت مسرت حاصل ہوگی ورنہ کل صبح ۸ اور ۹ کے درمیان میں مکان پر ہوں گا ۔ اس کے بعد چکر میں ہوں ۔ اگر ان وقتوں میں سے کوئی آپ کے لئے موافق نہ ہوا تو میں کسی وقت موقع نکال کر پہنچوں گا ۔

میری طرف سے بہن صاحبہ یعنی بیگم صاحبہ ہمایوں مرزا صاحب کی خدمت میں بعد سلام یہ عرض ہے کہ لیڈی عبدالقادر نے انہیں بہت بہت سلام کہلا بھیجا ہے ۔ مگر بعض کام شدنی ایسے درپیش تھے کہ وہ میرے ہمراہ نہیں آ سکیں ۔ خدا پھر کوئی موقع لائے ۔ والسلام

۳۰ دسمبر ۲۷ء راقم عبدالقادر

(۱۴)

بنام ڈاکٹر زور صاحب

۴ ٹمپل روڈ ۔ لاہور ۔ مکرمی سید صاحب زاد لطفکم ۔ السلام علیکم ۔ آپ کا عنایت نامہ مرقومہ ۲۷ اگست ملا ۔ زور کے زور[1] کا پیغام بہت دلچسپ ہے ۔ بچے کو میری طرف سے دعا پہنچا دیں ۔ اور کہئے کہ مجھے معلوم ہوتا کہ وہ میرے ساتھ سات بجے جانے کو تیار ہے تو میں ساتھ لے جاتا ۔ مگر وہ اکیلے واپس کیسے آتا ۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے ۔

آپ سے مل کر اور آپ کی جماعت کا کام دیکھ کر دل خوش ہوا ۔ میں ایک خط نواب مہدی یار جنگ صاحب کو لکھنے کو ہوں ۔ اس میں آپ کی جماعت کے کام کا ذکر مناسب الفاظ میں کر دوں گا ۔ اور ان کو توجہ دلاؤں گا ۔ سب احباب کو سلام شوق کہہ دیں ۔

میں ۱۵ کی صبح کو یہاں پہنچا اور اس وقت سے برابر مصروف ہوں ۔ اور احباب بکثرت ملنے کو آ رہے ہیں ۔ ہر چند کہ تعطیلات کی وجہ سے ایک کثیر تعداد لاہور سے باہر گئی ہوئی ہے ۔

فوٹو کا گروپ جو آپ نے ارسال فرمایا ۔ اس کا شکریہ قبول فرمایئے ۔ فوٹو اچھا نکلا ہے ۔

۳۱ اگست ۲۹ء آپ کا خیر طلب عبدالقادر

(۱۵)

بنام ڈاکٹر زور

لائل پور ۔ مکرمی جناب زور صاحب ۔ السلام علیکم ۔ عنایت نامہ مرقومہ یکم ستمبر ملا ۔ ممنون ہوں ۔ آپ کے پہلے خط کا جواب میں نے لاہور سے بھیج دیا تھا ۔ اور اسی دن نواب مہدی یار جنگ بہادر کی توجہ ادارۂ ادبیات اردو کی طرف دلائی تھی ۔ امید ہے وہ خط ان کو مل گیا ہوگا ۔ میں چند روز کے لئے یہاں آیا ہوں ۔ اگر خط لکھیں تو لاہور کے پتے سے ہی لکھیں ۔ میں عنقریب شملہ جانے والا ہوں ۔

آج ایک گرامی نامہ رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری صاحب کا آیا تھا ۔ جس میں انہوں نے آپ کے ادارہ کے مفید کام کا اعتراف کیا تھا ۔ خدا کرے آپ کو ہر دو حضرات ممدوح کی توجہ سے ادارہ کی ترقی کے لئے مدد ملے ۔ گو آج کل جو حالات ہیں ۔ وہ چنداں مساعد نہیں ۔ بہر حال یہ غنیمت ہے کہ آپ اور آپ کے رفقا اپنے محدود وسائل کے

[1] میرا لڑکا سید شاہ تقی الدین قادری سجادہ نشین ۔ (زور)

تو میرا شوق دیکھ مرا انتظار دیکھ

مشرقی کے مضمون کی تعریف کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جیسا کہ آگے لکھ چکا ہوں۔ میرے لئے تو یہ بس ہے کہ آپ نے پسند کیا اس میں کئی اوروں کی تعریف آگئی۔

ہاں۔ اگلے ستمبر کے صرف آپ ہی منتظر نہیں[1]۔ یہاں بھی کئی لوگ منتظر ہیں۔ان میں سب سے بڑھ کر میں ہوں اور پھر وہ جو میرے ذریعے مشتاق بنتے جاتے ہیں۔

آرنلڈ صاحب[2] سے اب میں اکثر ملتا رہتا ہوں۔ کیونکہ میری طبیعت نے اجازت نہ دی کہ ان کی شاگردی سے محروم رہوں اور نہیں تو فرنچ ہی شروع کر دی ہے۔ کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی ہے۔ آپ کے آنے تک خوب واقف ہو جاؤنگا اگر ایبٹ آباد میں لیکچر دیا ہے تو اس کا حال لکھئے گا[3] اور جہلم اگر اتریئے تو پوری کیفیت سے مشکور فرمایئے گا مفصل خط اگلے ہفتہ انشاء اللہ لکھوں گا۔ اب ڈاک کا وقت قریب ہے اور ایک دوست ملاقات کے لئے تشریف لے آئے ہیں اس لئے اسے مختصر کر دینا پڑا۔

لندن ۲ ستمبر ۱۹۰۴ء　　بندہ عبدالقادر

---

(۱۲)

بنام مولانا عبدالعزیز

مکرمی مولانا عبدالعزیز صاحب سلامت باشد۔ السلام علیکم۔ یہاں جناب صاحبزادہ صاحب سے ملاقات ہوئی اور آپ کے متعلق گفتگو رہی۔ انشاء اللہ امید پڑتی ہے کہ عنقریب اس اسامی پر کسی کا تقرر ہوگا۔ جس کے لئے آپ نے کوشش کی تھی۔ اور اغلب ہے کہ آپ کے نام ہی قرعۂ فال نکلے۔ آپ کو اگر یہ خط مل جائے۔ تو براہ مہربانی بواپسی مطلع فرمائیں کہ اگر آپ کا تقرر ہو جائے تو آپ کب تک چارج لے سکیں گے۔

میرا خیال ہے کہ ان دنوں آپ وطن گئے ہوئے ہوں گے۔ مگر اب کالجوں کے کھلنے کا زمانہ قریب ہے۔ خدا کرے کہ آپ آگئے ہوں یا جلد آنے والے ہوں اور میرا خط آپ کو لاہور میں مل جائے۔ زیادہ خیریت

شملہ ۱۸ ستمبر ۲۵ء　　راقم عبدالقادر

---

(۱۳)

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر

امید منزل خیرت آباد۔ کرم فرمائے بندہ دام لطفکم۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ میں آج صبح حاضر ہوا۔ اور کل شام جا رہا ہوں۔ اس اثنا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد تھا۔ اب آپ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ آپ

---

[1] یہ اس دور کا مکتوب ہے۔ جب سر عبدالقادر مرحوم ولایت جا چکے تھے اور حضرت علامہ جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ چنانچہ وہ اگست ۱۹۰۵ء میں ولایت روانہ ہوگئے اور ستمبر میں پہنچے۔

[2] حضرت علامہ مرحوم کے محبوب استاد، جن کے متعلق ایک نظم بھی "بانگ درا" میں موجود ہے۔

[3] یہ لکچر انگریزی میں تھا اور اسی زمانے میں چھپ گیا تھا۔ بعد ازاں اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا تھا۔ جس کا عنوان تھا "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر"۔

انیس نسواں کے مضامین کے لئے میں نے شیخ محمد اکرام صاحب کو لکھا ہے وہ اپنے سب پرچے جو تا حال چھپے ہیں۔ آپ کے پاس بھیج دیں بلکہ ان کو صلاح دی ہے کہ وہ انیس نسواں کا تبادلہ سب رسالوں سے مستقل طور پر (ARRANGE) کریں۔ ادبی دنیا اور نیرنگ خیال کے مضامین لاہور جانے کے بعد آپ کو بھجوانے کی کوشش کروں گا۔ ایک مضمون مخزن میں اس زمانے میں شائع ہوا تھا۔ جب اس کا دور ثانی یا ثالث تھا اور میں اس کا ایڈیٹر تھا۔ وہ سر اقبال مرحوم کی رموز بیخودی پر تھا۔ وہ انتخاب مخزن حصہ سوم میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب کی ایک جلد اگر مل گئی تو وہ بھی آپ کو بھیج دونگا۔

اورینٹل کانفرنس کی بابت جو آخری فیصلہ ہو اس سے مطلع کیجئے گا۔ ارمغان کے لئے مضمون لکھنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن یقینی وعدہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ابھی میں سفروں کی مصروفیات میں ہوں۔ اور خط لکھنے کے لئے بھی مشکل سے وقت نکلتا ہے۔ تا بہ مضمون چہ رسد۔

"مضامین عبدالقادر" یا "مقدمات عبدالقادر" کچھ بہت اچھا نام آپ کی مجوزہ کتاب کے لئے نہیں ہے۔ جب آپ اس کام کو شروع کریں گے تو کچھ اور نام سوچا ہوگا۔ زیادہ خیریت۔ جواب اگر لکھیں تو لاہور کے پتے سے لکھیں۔

شملہ ۱۷ ستمبر ۱۹۳۹ء

آپ کا مخلص عبدالقادر

بنام سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹر

(۱۷)

مکرم بندہ جناب سید ہمایوں مرزا صاحب سلامت باشد السلام علیکم۔ آج اورینٹل کانفرنس کا افتتاح ہے۔ اچھی رونق کا موقع ہوگا۔ اگر آپ پچھلے پہر فارغ ہوں اور اس میں تشریف لانا چاہیں تو اس کے لئے ایک ٹکٹ ارسال خدمت کرتا ہوں۔ تشریف لائیے گا۔ نیز لیڈی عبدالقادر کی طرف سے بیگم صاحبہ[1] کی خدمت میں یہ پیغام دے دیں کہ وہاں ایک نشست گاہ پردہ دار خواتین کے لئے بھی رکھی گئی ہے۔ اگر بیگم صاحبہ اس اجلاس کو دیکھنا چاہیں تو لیڈی عبدالقادر کے پاس پونے پانچ تک پہنچ جائیں۔ یا انہیں اطلاع دیں کہ وہ پونے پانچ بجے ان کو ہمراہ لے لیں۔ اس صورت میں وہ پونے پانچ سے پہلے تیار رہیں۔ نیز بیگم حمید علی صاحبہ سے بھی پوچھ لیں۔ وہ اگر چلنا چاہیں تو وہ بھی چلیں۔ جواب سے ممنون فرما دیں۔ کہ بیگم صاحبہ اگر جانے کو تیار ہیں تو آیا وہ ادھر آئیں گی یا لیڈی عبدالقادر ادھر آئیں۔ بیگم صاحبہ کو وہ خود خط لکھنے کو تھیں لیکن چونکہ میں آپ کو خط لکھ رہا تھا۔ انہوں نے اسی میں اپنا پیغام بھیج دیا ہے۔ والسلام۔

لاہور ۱۹ نومبر ۳۹ء

راقم عبدالقادر

بنام ڈاکٹر زور

(۱۸)

نئی دہلی، کنگ ایڈورڈ روڈ۔ مکرمی جناب محی الدین زور صاحب۔ تسلیم۔ آپ کے عنایت ناموں کا جواب میرے ذمے ہے۔ تاخیر کی معافی چاہتا ہوں۔ مجھے چونکہ اکتوبر میں دفعتاً یہاں آجانا پڑا اور یہاں آکر غیر معمولی مصروفیت رہی اور درمیان میں کچھ زکام وغیرہ کی تکلیف سے کچھ دن علیل رہا۔ اس لئے خط نہ لکھ سکا۔ میں نے آپ کو مضامین

---

[1] صغریٰ بیگم ہمایوں مرزا۔

باوجود ہمہ تن اس کی ترقی میں کوشاں ہیں۔

آپ نے جو مضمون اردو سے متعلق اپنے مجوزہ ارمغان کے لئے طلب کیا ہے اس کے لکھنے کی کوشش کروں گا۔ مگر وعدہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مجھے ان دنوں بہت کم فرصت رہتی ہے۔ یہ بتایئے کہ دیر سے دیر کب تک مضمون آپ کو پہنچ جانا چاہیئے۔ مخزن کے بعد میں نے جو مضامین اردو میں لکھے۔ انہیں اگر آپ جمع کر کے چھاپنا چاہتے ہیں تو ان کا پتہ بتانے میں آپ کی مدد کرنے کو میں تیار ہوں۔ صرف یہ بتا دیجئے کہ اس زمانے میں کئی دیباچے مصنفین کے اصرار پر ان کی کتابوں کے لئے لکھے گئے۔ ایک سے ایک کا رنگ الگ ہے۔ مثلاً سر اقبال مرحوم کے اردو کلیات کا دیباچہ۔ حفیظ صاحب جالندھری کے شاہنامے کا دیباچہ، منشی سکھ دیو سنہا بسمل الہ آبادی کے دیوان کا دیباچہ۔ مسٹر تلوک چند محروم کے دیوان کا دیباچہ۔ اگر آپ ان کو شامل کرنا پسند کریں گے تو مجموعہ خاصہ بڑا ہو جائے گا۔ ورنہ بعض رسائل کے مضامین ہی ہیں اور بعض ان میں سے دیرپا بھی ہیں۔

آپ کے ہاں کے گروپ کا فوٹو آپ نے بھیجا تھا۔ اس کی رسید دے چکا ہوں۔ آج جو پرانا گروپ آپ نے نام لکھنے کے لئے بھیجا ہے اس پر جو نام یاد آئے ہیں۔ میں نے لکھ دیئے ہیں وہ آپ چھاپ لیں۔ باقی لوگوں میں سے بھی کئی شکل سے پہچانتا ہوں مگر نام یاد نہیں آتے وہ گروپ واپس ارسال خدمت ہے۔

صرف نواب محسن الملک اور وقار الملک مرحوم اور دیگر ایسے حضرات کے نام میں نے نیچے نہیں لکھے کیونکہ انہیں آپ خود پہچانتے ہیں۔ وہ نام آپ خود لکھ لیجئے۔

۷ ستمبر ۱۹۳۹ء　　　　آپ کا مخلص عبدالقادر

---

(۱۶)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی جناب زور صاحب۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ لاہور سے ہوتا ہوا مجھے یہاں ملا۔ میں ۱۷ ستمبر سے یہاں ہوں اور ۲۱ کو انشاء اللہ لاہور واپس جاؤں گا۔

آپ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اب میرے مضامین اور مقدمے الگ چھاپے جائیں۔ میرے خیال میں مضامین اتنے نہ ہوں گے کہ ایک علیحدہ معقول جلد ان سے مرتب ہو سکے۔ اس لئے دونوں کو یکجا چھاپنا بہتر ہوگا۔ افسوس کہ میرے پاس کوئی یادداشت موجود نہیں جس سے معلوم ہو کہ مضامین کہاں کہاں چھپے۔ حافظے سے جو پتے اس وقت یاد ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ حال میں جو تین چار مضمون انیس نسواں کے لئے لکھے۔

۲۔ ۱۹۳۸ء ایک مضمون ادبی دنیا لاہور میں چھپا۔ شاید لندن میں اردو۔ عنوان تھا۔ ۱۹۳۹ء میں ایک مضمون کوہ نور کے عنوان سے ادبی دنیا میں چھپا۔

۳۔ غالباً ۱۹۳۳ء یا ۱۹۳۴ء میں ایک مضمون مسولینی کے متعلق نیرنگ خیال لاہور میں چھپا۔ اور جو یاد آئیں گے آگے بتاؤں گا۔

آپ اگر ۲۱ دسمبر کو دہلی سے روانہ ہونے کو ہیں تو مجھے مندرجہ بالا پتہ پر بذریعہ تار اطلاع دے دیں کہ آپ کس گاڑی سے آ رہے ہیں۔ ایک کا نام فرنٹیئر میل ہے جو دہلی سے ۹ بجے ۲۰ منٹ پر چلتی ہے۔ اور دوسری بھٹنڈہ اور فیروز پور کے راستے چند منٹ بعد چلتی ہے۔ چونکہ یہ دونوں گاڑیاں دو مختلف پلیٹ فارموں پر آتی ہیں اس لئے یہ اطلاع ضروری ہے تاکہ میں کسی کو سٹیشن پر بھیج دوں۔ اگر یہ اطلاع نہ دے سکیں تو باہر نکل کر یہ پتہ کسی ٹیکسی یا تانگہ والے کو بتا دیجئے۔ وہ آپ کو بہ آسانی لے آئے گا۔ امید کہ آپ ہر دو روز میرے پاس ٹھہریں گے۔ زیادہ خیریت

۲۹ دسمبر ۱۹۳۹ء   آپ کا مخلص عبدالقادر

بنام ڈاکٹر سدر

(۲۱)

۴۔ ٹمپل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی ڈاکٹر سدر صاحب۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ مورخہ ۴ر مارچ ملا۔ میں نے اکرام صاحب کو تاکید لکھی ہے کہ وہ اپنا رسالہ آپ کے پاس برابر بھیجتے رہیں۔

سب رس مجھے برابر ملتا ہے۔ خوب ہے۔ میں ابھی ان دنوں میں تو کوئی مضمون نہیں لکھ سکتا۔ کیونکہ بعض پہلے وعدے ابھی پورے نہیں کر سکا۔ لیکن جب کوئی چیز خیال میں آئے گی تو لکھوں گا۔

لاہور کے بعض رسالے جو اچھا کاغذ بدستور لگا رہے ہیں صرف "استقلال" کا نمونہ دکھا رہے ہیں ورنہ سب گرانی کے شاکی ہیں۔

امید کہ آپ بہمہ وجوہ بخیریت ہوں گے۔ آپ کو مسٹر کے۔ اے حمید صاحب کی کتاب "اتاترک" مل گئی ہوگی، اس میں میرا دیباچہ ہے۔ آپ کو کونسے اردو دیباچوں کا پتہ چلا ہے۔

۸ر مارچ سنہ ۱۹۴۰ء   آپ کا مخلص عبدالقادر

بنام صوفی غیرت قادری

(۲۲)

مکرمی جناب صوفی محمد شریف صاحب غیرت قادری۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا خط اور جدید کتاب شاہنامہ حکیم نذیر احمد صاحب[1] نے دے کر آئے۔ مسودہ میں نے سنبھال لیا ہے۔ انشاء اللہ آہستہ آہستہ پڑھتا رہوں گا۔ اور جب موقع ملے گا تو آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ ۱۱ر اکتوبر کے بعد تشریف لا سکتے ہیں۔ اگلا یا ۱۲ کو عید ہو جائے تو ۱۳ر اکتوبر کو تشریف لائیں۔ میں ۱۳ تک یہاں ہوں۔ ۱۳ر کی شام کو واپسی کا ارادہ ہے۔ مل کر مسرت ہوگی۔ لیکن آپ محض تاکید کے لئے تکلیف سفر نہ کریں۔ جب میں لکھنے کے کام سے فارغ ہوں گا تو آپ کو اطلاع دوں گا۔ آپ مل بھی لیں گے اور اپنی کتاب بھی لے جائیں گے۔ زیادہ خیریت۔

۔ر اکتوبر سنہ ۴۲ء   آپ کا مخلص اور طالب دعا عبدالقادر

بنام صوفی غیرت قادری

(۲۳)

بہاولپور۔ مکرمی جناب صوفی محمد شریف صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ مرقومہ یکم مارچ ملا۔ میں آپ

---

[1] حکیم نذیر احمد کیف صاحب (غیرت قادری)

اور دیباچے بھجوانے کی تحریک اس اثنا میں بھی جاری رکھی۔ منشی تلوک چند صاحب محروم کے دیوان کا دیباچہ میں نے لکھا تھا۔ ان سے میں نے کہا تھا کہ آپ کو وہ اپنا دیوان بھجوا دیں۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ لکھئے کہ پہنچا یا نہیں۔ تاکہ نہ پہنچا ہو تو انہیں یاد دہانی کی جائے۔

حضرت حفیظ جالندھری کے شاہ نامے کی دو نو جلدوں کے دیباچے میں نے لکھے تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ عنقریب حیدرآباد جائیں گے تو دو نو جلدیں آپ کو دیں گے۔ اور جو مضامین مل سکیں گے آپ کو بھجواؤں گا۔ یا پتہ دونگا

مسٹر عزیز احمد صاحب ایک دن ملے تھے ان سے معلوم ہوا کہ آپ کے ادارے کو پانچ سو روپیہ وزارت تعلیمات سے ملا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو موجب مسرت و تشکر ہے چند روز ہوئے خواجہ حمید الدین صاحب مہتمم "مدیر سب رس" کا کارڈ آیا تھا۔ کہ جنوری سنہ ۴۰ء کے سب رس کے لئے کوئی مضمون بھیجوں۔ مگر میں نہایت متاسف ہوں کہ یہاں کے کام کے ساتھ مضمون نگاری کے لئے وقت نہیں نکال سکتا۔ پھر کبھی کچھ لکھ سکوں تو اور بات ہے۔ یہاں کا عارضی کام جلد ختم ہونے کو ہے اور میں یا واخر ماہ حال میں لاہور جاؤں گا۔ وہاں کی خط و کتابت کے لئے وہی پہلا پتہ ہو گا۔ والسلام

۴ر دسمبر سنہ ۱۹۳۹ء   آپ کا مخلص عبدالقادر

---

(۱۹)

بنام ڈاکٹر زور

کنگ ایڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی۔ مکرمی ڈاکٹر زور صاحب تسلیم۔ عنایت نامہ پہنچا۔ دیوان محروم آپ کے پاس پہنچ گیا۔ خوب ہوا۔ شیخ محمد اکرام صاحب نے تو کہا تھا انہیں نسواں کے پچھلے پرچے بھیج رہے ہیں۔ اب انہیں دوبارہ یاد دہانی کر دی جائے گی۔ اسی طرح حفیظ صاحب کو بھی۔ حفیظ صاحب یہاں آئے تھے۔ آپ کے مجوزہ مجموعے کا نام وہ "مضامین شیخ" یا "مضامین سر شیخ" تجویز کرتے تھے۔

آپ کا ایک خط مجھے نہیں ملا۔ اسی میں غالباً (۵۰۰) روپے سرکار سے ملنے کا ذکر تھا۔

آپ اگر اردو کانفرنس کے لئے دہلی آئے تو آپ کی ملاقات سے بہت مسرت ہوگی۔ میں تو یہاں کے کام سے فارغ ہو کر عنقریب لاہور جانے کو ہوں۔ ۲۱ ر دسمبر کے بعد جو خط مجھے لکھیں اس پر لاہور کا پتہ درج کیجئے۔ کانفرنس کے متعلق میرا ارادہ ہے کہ میں لاہور جا کر اس جلسے کے لئے پھر دہلی آؤں گا اور ۲۸ سے ۳۰ تک مولوی عبدالحق صاحب کے ہاں مقیم ہوں گا۔ زیادہ خیریت

۱۷ر دسمبر سنہ ۱۹۳۹ء   آپ کا مخلص عبدالقادر

---

(۲۰)

بنام ڈاکٹر زور

۴۔ ٹمپل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی ڈاکٹر زور صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ پہلی اور دوسری جنوری کے لئے لاہور آ رہے ہیں۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہو گی۔ مجھے یہ بڑا افسوس رہا ہے کہ کانفرنس کے جلسے میں بوجہ ناسازی طبع شریک نہیں ہو سکا۔

کو دعا بھیجتے ہیں میرے ساتھ شریک ہیں۔ آپ دونوں کو ہم دونوں کا سلام۔ آپ لوگ کبھی لاہور آئیں تو مجھے اور انہیں ملیں۔ والسلام

۲۹ اگست ۱۹۴۲ء　　آپ کا خیر طلب عبدالقادر

(۲۵)

بنام آغا صادق صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ۔

شملہ

مکرمی جناب سید آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط مورخہ ۹ ستمبر لا دوسرے ہوتا ہوا کل یہاں ملا۔ یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس میں تین نظمیں ملفوف ہیں۔ مجھے بہت پسند آئیں۔ انشاء اللہ انہیں اپنے چند الفاظ کے ساتھ بعض رسائل کو بھیج دوں گا۔

آپ نے لکھا ہے کہ اس سے پہلے ایک خط آپ بھیج چکے ہیں "جس میں زیادہ کاغذات کی گنجائش نہ تھی"۔ وہ خط مجھ تک نہیں پہنچا۔ آیا کہیں ڈاک میں ادھر ادھر ہو گیا یا لاہور والوں نے پتہ بدل کر نہ روانہ کیا۔ درمیان میں ایک مرتبہ یہ ہوا کہ میری ڈاک جو لاہور میں تھی ایک شخص کے ہاتھ دستی یہاں بھیجی گئی اور اس کا سامان جس میں میرے کاغذ بھی تھے ریل میں چوری ہو گیا۔

اگر آپ کا خط کہیں ان کاغذوں کے ساتھ گم ہو گیا ہے تو افسوس ہے۔ آپ یہ لکھئے کہ وہ خط کس مضمون کا تھا۔ اگر اس میں بھی کچھ نظمیں تھیں تو کسی وقت تکلیف فرما کر ان کی نقلیں دوبارہ بھیج دیجئے۔ اگر اس میں کوئی اور مضمون تھا تو اسے پھر اپنے خط میں دہرایئے۔

امید کہ آپ ہر طرح سے بخیریت ہوں گے اور کوئٹہ میں آپ کے وجود سے علمی مجالس میں وہی گرمی ہوگی جو میں نے ۴۳ء میں دیکھی تھی۔

اس سال ہم ماہ مئی سے یہاں آ گئے تھے، اور یہ مہینہ یہاں ختم کرکے اکتوبر کی کسی تاریخوں میں لاہور واپس جانے کا قصد ہے

والسلام　۱۶ ستمبر ۴۶ء　　آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۶)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

شملہ

مکرمی جناب سید آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۸ ستمبر ملا۔ ممنون ہوا۔ جو خط گم ہو گیا تھا اس کا مضمون معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ آپ اپنا کلام جمع کر کے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کے لئے "صبح صادق" نام تجویز کیا ہے۔ آپ کے تخلص کے لحاظ سے موزوں نام ہے۔ مزید شائع کیجئے۔ آپ ازراہ لطف اس مجموعہ کو میرے نام معنون کرنا چاہتے ہیں۔ اس خیال کے لئے آپ کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگرچہ میں اپنے آپ کو اس کا مستحق نہیں سمجھتا۔ لیکن اسے آپ کی رائے پر چھوڑتا ہوں۔

آپ یہ بھی چاہتے ہیں کہ آپ کے مجموعہ کلام پر کچھ خامہ فرسائی کروں۔ اس کے لئے میں پورا مسودہ دیکھنا پسند کروں گا۔ اگر مسودہ بھیجیں تو رجسٹری شدہ پارسل ہو۔

کی کتاب کو پڑھ چکا ہوں اور جا بجا سے کچھ انتخاب بھی کیا ہے۔ میں انشاءاللہ جس وقت فرصت ملتی ہے ایک مختصر سا دیباچہ یا تعارف لکھ کر بھیجوں گا۔

ہمارے دوست راجہ عنایت اللہ خاں صاحب کے بے وقت انتقال کی خبر سے از حد ملال ہوا۔ خدا مرحوم کو جنت نصیب کرے اور پس ماندگان کو توفیقِ صبر دے۔ آپ سے انہیں دلی محبت تھی۔ اس لئے آپ کو ان کی جدائی کا صدمہ ہونا ضروری ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ سن کر کہ آپ علیل رہے ہیں افسوس ہوا مگر شکر ہے کہ اب آپ کو خدا نے صحت بخشی ہے۔

میں جلد تو لاہور آنے کا ٹھیرنے کا ارادہ نہیں کر رہا۔ جب دو چار دن کے قیام کی صورت نظر آئے گی تو آپ کو لکھ بھیجوں گا۔ والسلام

۳ رمارچ ۱۹۴۳ء　　آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۴)

بنام بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر

عزیزہ من بشیر النساء بیگم صاحبہ۔ تسلیمات۔ میں اور لیڈی عبدالقادر صاحبہ جب سے حیدرآباد سے واپس آئے ارادہ کرتے رہے کہ آپ کو اور آپ کے شوہر جناب ضامن علی صاحب کو خط لکھیں اور جو توجہ آپ دونوں نے ہمارے قیام حیدرآباد کے دوران میں ہمارے حال پر رکھی اس کا شاکرانہ اعتراف کریں مگر اتفاقات ایسے پیش آئے کہ نہ ہو سکا۔

ہم اورنگ آباد ہوتے ہوئے یکم کو دکن سے نکلے اور تیسری اگست کو لاہور پہنچے حیدرآباد سے جاتے وقت یہ افسوس رہا کہ آپ مہمان خانۂ سرکاری پر ہمیں ملنے آئیں اور ہم نہ تھے۔ جو کتابیں اور غیر مطبوعہ نظمیں آپ دے گئیں وہ مل گئیں۔ پھولوں کے خوبصورت ہار جو آپ نے ہمیں دئیے تھے جب ہم آپ کے ہاں چائے پر گئے، بہت سارا رستہ ہمارے رفیق سفر رہے۔ اور آپ کی علم دوستی اور ذوق ادب کی یاد دلاتے رہے۔ میں لاہور سے روانہ ہو کر ۵ ر اگست کو یہاں پہنچا مگر آتے ہی مجھے بخار ہو گیا۔ لیڈی میری بیماری کی خبر سن کر لیڈی صاحبہ لاہور سے یہاں آئیں اور چند دن تیمارداری میں مصروف رہیں۔ پھر وہ بیمار ہو گئیں اور مجھ سے زیادہ تکلیف میں رہیں۔ اب ہم دونوں بفضلِ خدا خفت پا چکے ہیں اس لئے آپ کو خط لکھنے کا رہا ہوا کام یاد آیا۔ آپ کے ادبی مذاق اور خاص کر سر اقبال مرحوم سے والہانہ عقیدت سے ہم بہت متاثر ہوئے۔ اور آپ کے شوہر کے اخلاق سے (اور جس شوق سے وہ آپ کی ادبی کوششوں کی اشاعت اور مقبولیت کے لئے کوشاں رہتے ہیں) بھی ہم بیحد متاثر ہوئے۔ خدا آپ دونوں کو ان ادبی خدمات کے لئے سلامت رکھے۔ اور آپ کے ذوق علمی میں اور ترقی دے۔

آپ نے جو جلدیں رسالہ سب رس کی لیڈی صاحبہ کو پڑھنے کو دی تھیں وہ ان کے زیر مطالعہ رہی ہیں۔ اور آپ کے مضامین کو انہوں نے بہت پسند کیا۔ وہ خود علیحدہ خط لکھنے کی اس وقت معافی چاہتی ہیں۔ کیونکہ ایک مختصر سے سفر کے لئے جو ہمیں پھر درپیش ہے اس وقت وہ تیاری کر رہی ہیں۔ اور آپ کے شکریے میں اور آپ

مصیبت آئی ہے اور خاص کر مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو جس تباہی کا سامنا ہوا ہے۔ خدا ان سب پر رحم کرے اور آپ کو بھی بگڑی ہوئی حالت کو سنبھالنے کی ہمت دے۔ فی الحال تو صرف تھوڑی سی تنخواہ پر آپ کا گزارہ محدود ہے۔

بٹالہ کے ایک شاعر کو چوروں نے لوٹ لیا تھا۔ وہ صبح کو اٹھ کر مکان کے باہر بیٹھ گیا۔ اس کے پاس صرف ایک عینک رہ گئی تھی اور ایک بوتل جس میں پارا تھا۔ دوست پوچھنے آتے تھے کہ کچھ بچا یا نہیں۔ اس نے یہ شعر کہا:[1]

چشم حیران و دل بیتاب با من ماندہ است ٭ زاں ہمہ یک عینک و سیماب با من ماندہ است

وہی کیفیت آپ کی ہے۔ خدا دل بیتاب کو تسکین تاب دے۔ خدا کا شکر ہے کہ مستورات کی آبرو محفوظ رہی۔

"نظریت اسلام" پر آپ کی نظم پڑھی۔ ماشاء اللہ خوب نظم ہے۔ میں بھی بعض تفکرات میں مبتلا رہا۔ اس لئے ابھی دیباچہ دیوان صادق نہیں لکھ سکا۔ انشاء اللہ آپ کے تعطیلات میں آنے تک لکھنے کی کوشش کروں گا۔

شملہ پر آپ کا دیوان دیکھ رہا تھا کہ یکایک وہاں کے طوفان سے نپٹنے کے لئے نکل آنا پڑا۔ فوجی CONVOY کے ذریعہ بمشکل تین دن میں یہاں مع والیس پہنچا۔ اس کے بعد سے قدرے علیل ہوں۔ والسلام

۱۹ر نومبر ۴۷ء آپ کا خیر طلب عبد القادر

---

(۳۰)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

۳ ٹمپل روڈ لاہور

طرحی آغا صاحب صادق حسین صاحب صادق۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط ۱۵ر فروری کا لکھا ہوا ملا۔ افسوس کہ آپ کا ادھر رخصت پر آنے کا ارادہ ملتوی ہو گیا۔

میں جب گزشتہ گرما میں شملہ گیا تھا تو آپ کے کلام کے مسودات ساتھ لے گیا تھا اور ارادہ یہی تھا کہ وہیں سے آپ کو پیش لفظ لکھ کر بھیج دوں گا۔ اشعار کو پڑھنا شروع کیا۔ نصف کے قریب دیکھ چکا تھا شملہ میں افراتفری شروع ہوئی میں معہ بال بچوں کے وہاں سے ایک فوجی قافلہ کی مدد سے باہر آیا۔ تین دن راستے میں سڑک پر صرف ہوئے اور تین جگہ ہمارے قافلہ پر گولی چلی۔ مگر خدا کے فضل سے ہم بخیریت پہنچ گئے۔

اس دوران میں میری صحت کچھ خراب رہی اس لئے وہ کام جہاں تھا وہیں رہا۔ پھر اسے شروع کرنے کی نوبت

---

[1] یہ شعر ملا نورالعین واقف بٹالوی کا ہے۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے "خزانہ عامرہ" میں واقعہ یوں لکھا ہے کہ حاکم لاہوری اور واقف حج کے ارادے سے سورت پہنچے۔ واقف پر جہاز کے سفر کی ہیبت طاری رہی اور سورت ہی میں ٹھہرا رہا۔ حاکم حج کے بعد واپس ہوا تو دونوں اورنگ آباد پہنچے۔ اورنگ آباد اور بالاپور کے درمیان سب سامان لٹ گیا۔ اس موقع پر واقف نے مولانا غلام علی آزاد کو حیدر آباد اطلاع بھیجی تھی تو یہ شعر لکھا تھا:

عینک و پارۂ سیماب با من ماندہ است ٭ چشم خراب و دل بے تاب با من ماندہ است

پارۂ سیماب اس لئے ساتھ تھا کہ واقف کو کیمیاگری کا بہت شوق تھا۔ اور پارہ ساتھ رہتا تھا۔ مولانا آزاد نے حیدر آباد سے کچھ روپے بھیجے تو حاکم و واقف وطن پہنچے۔

میں انشاءاللہ دس اکتوبر تک لاہور واپس جاؤں گا۔ اس کے بعد خط و کتابت ہو تو وہاں کے پتہ سے ہو۔

والسلام

۳۰ ستمبر ۴۶ء　　آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۷)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

۴ ٹمپل روڈ لاہور

مکرمی آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کے اشعار کا مجموعہ مجھے ۴ نومبر کو مل گیا تھا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کے صاحبزادے لے کر آئے تھے۔ میں اس دفعہ دہلی جو مسلم لیگ کے جلسہ جوبلی ہال میں شامل ہونے کو جا رہا تھا۔ پارسل بنا بنایا رکھا ہے۔ میں دہلی سے ۱۹ کی صبح کو واپس آیا اور اسی شام پھر سفر درپیش تھا۔ کل شام سفر سے واپس آیا ہوں۔ ڈاک میں آپ کا ۲۴ نومبر کا لکھا ہوا خط پایا۔ آپ کی تشویش رفع کرنے کے لئے جواب خط لکھ رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے یا ان کے لڑکے نے آپ کو اطلاع کر دی ہوگی۔ کہ مجموعہ اشعار پہنچا دیا گیا ہے۔ جب تھوڑے دنوں میں فرصت پاکر اسے دیکھنا شروع کروں گا اور پھر رفتہ رفتہ تعمیل ارشاد کی فکر کروں گا۔

امید کہ آپ بہمہ وجوہ بخیریت ہوں گے۔ والسلام

۲۸ نومبر ۴۶ء　　آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۸)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ۔

۴ ٹمپل روڈ لاہور

مکرمی سید آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ مورخہ ۲۸ دسمبر ملا۔ میں خط کی بجائے آپ کا منتظر تھا۔ خط سے معلوم ہوا کہ آپ وطن میں پہنچ کر علیل ہو گئے اور اب جنوری کے تیسرے ہفتہ میں یہاں آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

دعا ہے کہ خدا آپ کو جلد صحت بخشے۔ جب آپ لاہور آئیں گے تو آپ سے مل کر خوشی ہوگی۔

آپ کی "شاہکار فطرت" والی نظم میں نے رسالہ ہمایوں کے جوبلی نمبر میں اشاعت کے لئے بھیجی ہے اور اس کے شروع میں چند سطریں اپنی طرف سے لکھی ہیں۔ والسلام

۳۱ دسمبر ۴۶ء　　آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۹)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ۔

۴ ٹمپل روڈ
لاہور

My dear Sadiq

السلام علیکم۔ انگریزی میں سرنامہ لکھ کر قلم نے قدرتی طور پر اردو کی طرف رخ کیا۔ کیونکہ خط آپ کے نام تھا اور جن مصائب کا ذکر آپ کے خط میں تھا ان کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار اپنی زبان میں ہی بہتر ہو سکتا ہے۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ آپ کے خاندان اور جائداد پر اتنا بڑا اثر اس انقلاب کا پڑے گا جس سے پنجاب اور دہلی پالیسی

قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ میں نے سرسری نظر میں بھی اس قدر تو دیکھ لیا کہ آپ نے نہایت محنت اور کاوش سے ادب اردو کی ایک بڑی خدمت کی ہے۔ کتاب کے مفصل مطالعہ سے انشاء اللہ اوقات فرصت میں مستفید ہوتا رہوں گا۔ امید کہ اردو کے شائقین آپ کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ اور آپ اسی طرح کے اور اہم کام انجام دے سکیں گے۔ والسلام

آپ کا مخلص (سر) عبدالقادر

نہ آئی۔ انشاء اللہ عنقریب پھر شروع کردوں گا۔ اس لئے اگر آپ کا کوئی دوست اِن دنوں میں مسودات مجھ سے لینے آئے گا تو اسے خالی ہی جانا پڑے گا۔

آپ اپنے کلام کے مناظر قدرت والے حصے کو علٰحدہ چھپوائیں تو مناسب ہوگا۔

یہ سن کر کہ کوئٹہ میں نئی انجمن بہار ادب قائم ہوئی ہے اور آپ اس کے سیکرٹری ہیں، خوشی ہوئی۔ اردو کو اب آپ جیسے حضرات کی خدمت کی بیش از بیش ضرورت ہے اور کوئٹہ میں آپ کی کوشش سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ والسلام

۲۵ فروری ۴۸ء   آپ کا خیر طلب عبدالقادر

(۳۱)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

۳۔ ٹمپل روڈ، لاہور۔ مکرمی جناب آغا صاحب! تسلیمات! کل آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ ممنون ہوں۔ یہ معلوم کر کے کہ آپ کوئٹہ سے ایک اردو رسالہ "سنگ تراش" نکال رہے ہیں، خوشی ہوئی دعا ہے کہ خدا کامیاب کرے۔

افسوس کہ میں دو تین ہفتہ سے بیمار ہوں اور صاحب فراش۔ بہت زیادہ بیمار ہوگیا تھا۔ اب قدرے بہتر حالت ہے مگر ابھی ہلنے چلنے سے معذور ہوں۔ اس لئے ابھی تو آپ کے رسالے کے لئے کچھ لکھنا ممکن نہیں۔ بعد صحت اور بشرط حیات آگے چل کر دیکھا جائے گا۔

آپ کے دیوان کا دیباچہ بھی بدستور تعویق میں ہے۔ خدا مجھے اس سے بخیریت عہدہ برآ ہونے کا موقع دے۔

۱۳ دسمبر ۱۹۴۸ء   والسلام عبدالقادر

(۳۲)

بنام جناب تمکین کاظمی صاحب

۳۔ ٹمپل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی جناب تمکین کاظمی صاحب۔ آپ کا ایک خط میری علالت سے پہلے ملا تھا اور ایک دورانِ علالت میں، مجھے افسوس ہے کہ ان حالات میں جواب لکھنے سے میں قاصر رہا۔ اس کے بعد کچھ صحت کو آغاز ہوا، مگر کمزوری اب تک باقی ہے، آپ کی دعا کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ کا رسالہ مینا پہنچا اسے دیکھ کر خوشی ہوئی تھی ابھی کچھ لکھنے کا ارادہ ہی تھا کہ بیماری نے گھیر لیا۔ اس کے بعد معلوم نہیں کہ اب چل رہا ہے یا نہیں، اس اثنا میں دنیا میں اور خاص کر آپ کی دنیا میں انقلاب عظیم آیا۔ معلوم نہیں اس کا آپ پر اور آپ کے کاروبار پر کیا اثر پڑا۔

امید ہے کہ آپ ذاتی طور پر بفضلہ بخیریت ہوں گے۔

۲۷ مئی ۴۹ء   آپ کا خیر طلب عبدالقادر

(۳۳)

بنام جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب

مکرمی جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب زاد لطفکم۔ تسلیم۔ آج بذریعہ رجسٹری آپ کی بیش بہا کتاب "یورپ میں دکھنی مخطوطات" مجھے پہنچی۔ میں آپ کی اس غائبانہ عنایت کا دل سے ممنون ہوں اور آپ کے اس تحفے کو نہایت

قائل نہیں اور ان تمام ہنگاموں کو "شر ارخس" سے زیادہ نہیں سمجھتا، ۸ راپریل کے فیصلہ پر کیا "بندۂ دام فریب" ہوں گا مگر دوستوں کی موت اس زمانہ میں بھی جبکہ موت کا بازار گرم ہے دو چار آنسو بطور خراج کے وصول کر ہی لیتی ہے اور ۸ راپریل کو میرے چند عزیز ترین دوست نذر اجل ہو گئے اس لئے میرا غم و غصہ بے جا نہیں ـــــ مگر موت جسمانی نہیں، اس لئے کہ میں تو اس کا قائل ہی نہیں ہوں۔ بہت سے مُردوں کو جن کی ہڈیوں تک کا بھی پتہ نہیں چلتا "علی احیاء" میں شامل کرتا ہوں مگر ان جیتی جاگتی کٹھ پتلیوں کو جو قومی سٹیج پر نچائی جاتی ہیں اور نچائی جا رہی ہیں مُردوں سے بدتر سمجھتا ہوں کیونکہ موت ان کے جسموں کو نہیں آئی بلکہ ان کی روحوں کو۔ تم تو پہلے ہی کہہ چکے ہو کہ ؎

محروم ہوں، مجبور ہوں، بے تاب و تواں ہوں
مخصوص ترے غم کا مزا میرے لئے ہے

پھر جس چیز کا صحیح معنوں میں اجارہ تھا کہ اس دربار سے مل گیا ہو اس میں شرکت کے دعویٰ کی مجھ سے جرأت نہیں ہو سکتی۔ تاہم یہ بھی سچ ہے کہ میں بھی کسی قدر محروم و مجبور ہوں۔ اس پر بھی میں نے انصاری کو راہِ راست پر استقامت کی، جس طرح مجھ سے ہو سکا "ترغیب دی اور امید کی کہ میری اس دعا کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوگا کہ "ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا" میرا خط ڈجوان کو بھیجا گیا تھا، کوئی معمولی تحریر نہ تھی۔ اس میں میرے فگار دل کے متعدد ٹکڑے منسلک تھے۔ مگر برادرم آخر شہ یہی معلوم ہوا کہ جس دنیا میں ہم لوگ رہتے ہیں وہ اس دنیا سے بہت مختلف ہے جہاں یہ ہمارے عزیز بس رہے ہیں۔ ہمارے تمام خیالات تمام اندازے، تمام تخمینے فضول اور غیر متعلق ہیں۔ میں نے غالب کے ایک مصرع پر جو غزل لکھی تھی اس میں ایک شعر تھا ؎

تقوے کے بعد خوف کہاں حُزن پھر کہاں
عالم ہی اک جُدا ہے وہ رنج و محن کہاں

تقوے کا دعویٰ کرتے بھی ڈر لگتا ہے اور یہ سب جھوٹا فخر ہوگا اگر میں کہوں کہ میں متقی اور خدا ترس ہوں۔ مگر با وجود بار بار انبیاء اور کم از کم چھوٹی موٹی تکلیفوں کے اب تک اس وعدۂ الٰہی کو سچا جان رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ وہ پورا بھی ہو رہا ہے کہ "سنلقی فی قلوب اللذین کفروا الرعب" اس لئے باوجود فاسق و فاجر اور بندۂ حرص و ہوا ہونے کے اپنے کو اپنے دیرینہ احباب کی دنیا سے ایک الگ دنیا میں پاتا ہوں اور گو اس دنیا کو اس پرانی دنیا سے بدرجہا بہتر جگہ پاتا ہوں اور خوش ہوں کہ اس کی سرحد میں داخل ہو رہا ہوں۔ تاہم پرانے تعلقات دامنگیر ہوتے ہیں اور گو خود پیچھا چھڑا لیتا ہوں تاہم دامن کے ٹکڑے اس خارستان گلستان منظر میں الجھے رہ جاتے ہیں جن کے لئے آنسوؤں کا ایک چھوٹا موٹا قافلہ رواں ہو جاتا ہے۔ افسوس کہ احرار [1] سے زیادہ ہمت والے نہ نکلے۔ اب انہی کی نہیں بلکہ خود حریت کی جگ ہنسائی ہو رہی ہے۔ مگر اس کا زیادہ رنج نہیں۔ رنج پرانے دوستوں کی رفاقت چھوٹنے کا ہے۔ غالب نے سچ لکھا تھا کہ ؎

دھمکی میں مر گیا جو نہ باب نبرد تھا
عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا

مگر اچھا ہوا یہ چھوٹا سہارا بھی گیا۔ اب ایک سہارا باقی ہے اور وہ ہمیشہ کافی تھا اور اب بھی ہے۔ غالب کی غزل کا

[1] یہاں پڑھا نہیں گیا۔

مولانا محمد علی جوہر

(۱)

قبلہ و کعبہ!

السلام علیکم - ابھی سرکار سے آرہا ہوں اور چونکہ رجسٹری شدہ ڈاک میں چند منٹ باقی ہیں اس لئے عریضہ لکھے دیتا ہوں۔ سرکار نے کچھ نہیں کہا۔ صرف یہ پوچھا کہ اطلاع مل گئی یا نہیں؟ میں نے کہا کہ جی ہاں۔ فرمایا "پھر؟" میں نے کہا میں تو لکھ چکا ہوں کہ جو حکم ہو سر آنکھوں پر، ہز آنر صاحب کا حکم میں نہیں مانتا۔ سرکار کا حکم ہے۔ میں ان سے واقف نہیں ہوں۔ کہا "پھر؟" میں نے بھی کہا تھا مگر لاٹ صاحب کو شک تھا۔ میں نے کہا کہ اس میں شک کی جگہ ہی نہیں ہے۔ وہ میرے اشارے کے خلاف نہ چلیں گے۔ پھر فرمایا کہ لاٹ صاحب نے کہا کہ آپ ان سے قطع تعلق کر دیجئے۔ اس پر میں نے کہا کہ یہ ناممکن ہے۔ وہ میری رعایا ہیں۔ ان کا خاندان مدتوں سے میری ریاست کا ایک جزو ہو گیا ہے تو لاٹ صاحب نے کہا کہ خیر آپ ان کو آئندہ جرأت نہ دلائیں۔ سرکار نے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے۔ آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے گا۔ آج ہی تار دے رہے ہیں کہ محمد علی آیا ہے۔ شوکت علی اور محمد علی دونوں کو مفصل کیفیت سمجھا دی ہے آئندہ اطمینان رکھیں شکایت کا موقع نہ دے گا۔ محمد علی آپ کے پاس حاضر ہونا چاہتا ہے۔ کب بھیجوں۔ میں نے تار میں ایسا کوئی لفظ نہیں آنے دیا کہ جو آپ فرمائیں گے وہی وہ کرے گا۔ گویا گذشتہ را صلوٰۃ، آئندہ را احتیاط۔[1]

محمد علی - رامپور ۱۶؍ دسمبر ۱۹۰۷ء

---

(۲)

چھندواڑہ - ۲۶؍ اپریل ۱۹۱۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر واجب الاحترام!

السلام علیکم - ۸؍ اپریل کے محبت نامہ کا جواب آج دیتا ہوں اور محجوب ہوں کہ اس تاخیر کا باعث سوائے اس کے کچھ نہیں بیان کر سکتا کہ اس عرصہ میں برابر غم و غصہ کا شکار رہا۔ میں بڑے بڑے معاملات میں بھی آج کے عارضی فیصلوں کا

---

[1] یہ مکتوب غالباً نواب صاحب رامپور کو لکھا گیا تھا۔

(حافظ لطف کو دوستوں کے لئے اور مدارا کو دشمنوں کے لئے لازمی گردانتے تھے۔ ہم دوستوں کے لئے مدارا [۱])۔ یہ سب کچھ لکھ تو دیا ہے اور آج بھی اس طرح لکھ رہا ہوں کہ گویا ہم ہی ابناء اللہ اور احباء اللہ ہیں۔ مگر برادرم! ان حیرت انگیز انقلابوں کو دیکھ کر خوف ہوتا ہے کہ کہیں بڑا بول آگے نہ آئے۔ بنی اسرائیل کا وہ واقعہ یاد آتا ہے جس کا قرآن کریم میں مذکور ہے "ثم تولوا الا قلیلاً منہم"۔ خود مسلمانوں نے بعض اوقات اس خیر القرون میں بھی سنت بنی اسرائیل کی تقلید کی تھی چنانچہ منھزمین اُحد سے کہا گیا تھا کہ "ولقد کنتم تمنون الموت من قبل ان تلقوہ فقد رایتموہ وانتم تنظرون"۔ دعا کرو کہ یہ حال اپنا بھی نہ ہو بلکہ آخر تک ایمان اور عمل صالح پر قائم رہیں۔ تمہاری دعا ضرور مقبول ہوگی اس لئے کہ اوّل تو آل رسول، پھر تقلید سنت یوسفی سے مشرف ہو چکے ہو۔ اب چونکہ تم نے مجھے بھی اپنے زمرہ میں جو ابرار اور اخیار کا ہے شامل کر لیا ہے اور خود لکھ چکے ہو کہ

ع خوش اسی حال میں جوہر بھی ہے آزاد بھی ہے

خیر یہ تو ہوا۔ بہن نے لکھا تھا کہ تم پیشگوئی کرتے ہو کہ جمہور کی خواہش کے خلاف حامیان استبداد ایک ذلیل یونیورسٹی قائم کرنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔ ارے بھائی اس میں پیش گوئی ہی کیا ہے۔ تم تو ان کے متبع ہو جو خوابوں کی صحیح تعبیریں بیان فرمایا کرتے تھے اور اس طرح محبس سے نکل کر تخت تک پہنچ گئے۔ میں گو اس مقام سے بہت دور ہوں۔ یہ تو میں بھی جانتا تھا اور سال گذشتہ ہی میں سب کو جتلا چکا تھا کہ عزیزان من مسئلہ یونیورسٹی کا نہیں ہے بلکہ قوم کی بیکسی اور تمہاری خواری و خرابی کا، اور رہی یونیورسٹی تو سن لو کہ اسے ہم بنائیں گے ہم۔ نہ تمہارے قوم فروش اور کالج فروش کیونکہ ہم سے کسی نے حتمی وعدہ کر لیا ہے اور وہ وعدہ کا سب سے پکا بھی ہے کہ "ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنون"۔ اگر خوف ہے تو اس شرط کا کہ "ان کنتم مومنون" سو خدا سے دعا ہے کہ ہم کو ایمان پر قائم رکھے اور ان بزرگوں کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے جن کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ "فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا واللہ یحب الصٰبرین" اگر ہم ایمان پر قائم رہے تو پھر سنت اللہ میں تو تبدیلی ہو ہی نہیں سکتی۔ ہمارا انعام کہیں نہیں گیا ہے۔ وہاں تو ملے ہی گا، مگر یہاں بھی مل جائے گا کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ:

"فاٰتٰھم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الاٰخرۃ واللہ یحب المحسنین"۔

اس پر میں نے لکھا ہے کہ ؎

انعام کا عقبیٰ کے تو کیا پوچھنا لیکن — دنیا میں بھی ایماں کا صلہ میرے لئے ہے

اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ تمہارے دونوں دیوان پڑھ چکا اور نہایت غور سے پڑھے اور بار بار پڑھے۔ ارتقائے سخن ظاہر ہے۔ اب اگر یہ لکھتا ہوں کہ

ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

تو اس کے صریح معنی یہ ہوئے کہ جو سختیاں الہ آباد، جھانسی، پرتاب گڑھ اور فیض آباد میں جھیلنا پڑیں ان سے زیادہ کا متمنی ہوں۔ مگر یہ بھی ہو تو جانتا ہوں کہ تم زیادہ کے بھی متحمل ہو گے اس لئے کہ وہ خود کسی نفس پر اس کی سکت سے زیادہ تکلیف کا بوجھ نہیں ڈالتا اور ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا ملتا ہے۔ غم و اندوہ کے لئے لکھا گیا ہے تم میری غزلیں منگواتے ہو،

---

[۱] یہاں کچھ عبارت پڑھی نہیں گئی۔

ایک شعر پچھلے کئی برسوں سے دل میں کھب چکا ہے ؎

چاک مت کر جیب کو بے فصلِ گل
کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیئے

اس پر ایک نامکمل غزل قافیہ کو محدود کر کے میں نے بھی لکھی تھی جس کا ایک شعر ہے ؎

ایک ہی در کا بھکاری ہوں مجھے
اک فقط تیرا سہارا چاہیئے

گو لکھنے کو تو لکھ گیا۔ خود اب جا کر کہیں اس کا مفہوم سمجھا ہوں اور پھر سورۂ یوسف پڑھتا ہوں تو اس آیہ کریمہ کا مطلب اب سمجھ میں آتا ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت یوسفؑ نے فرعون کے جام بردار سے اس کی رہائی کے وقت کہا تھا کہ بھئی ہمارا بھی ذکر اپنے آقا سے کر دینا کہ مفت ظلم ہوتا ہے اور وہ بھول گیا اور اس طرح چند سال اور حضرت یوسفؑ مبتلائے زنداں رہے۔ جب ایسے برگزیدہ پیغمبر کے لئے بھی فرعونوں کی یاد دہانی داخل شرک نہیں تو کم از کم مذموم سمجھی گئی اور اس حدہٗ لاشریک کو اس میں بھی استعانت غیر اللہ کا شائبہ معلوم ہوا تو پھر ہمارے تمام تعلقات تو شرک جلی ٹھہرے۔ اقامت صلوٰۃ میرا ایمان، اجماع امت پر میرا اعتماد۔ تاہم بعض اوقات اس تنگ و تاریک بتکدہ میں عبادت اپنی نجات کے لئے زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے جہاں ایک وقت میں ایک ہی عبادت کرنے والا اپنے معبود کے حضور میں کھڑا ہو کر اپنی بندگی کا اظہار کر سکتا ہے خوف ہوتا ہے کہ کہیں اپنے مذہب کی وسیع و فراخ مساجد میں نماز کے ساتھی اور خود امام بھی مجھے کفر و شرک کی طرف نہ گھسیٹ لے جائیں اور دوسروں کی اصلاح تو گئی خود اپنی نجات سے مایوس ہونا پڑے۔ سب کچھ ہو ہوا کر اب یہی رہ گیا ہے کہ اپنی جان بچانے کی کوشش کروں اور مدرسہ کو چھوڑ کر پھر خانقاہ میں اعتکاف کروں۔ بھائی دعا کرو کہ اگر اپنی نجات کے متعلق خوف و ہراس میں کمی ہو تو ہو کم از کم دوسروں کے متعلق یہ بے اعتباری باقی نہ رہے۔ اگر یہی حالت رہی تو کہیں کا نہ رہا۔ البتہ جب تمہارا خیال آتا ہے اور تم سے بھی زیادہ بہن کا کہ جو نہ صرف تمہارے ناموس کو بلکہ ہم سب کے ناموس کو اس طرح ہمت و جرأت کے ساتھ سنبھالے ہیں اور صامت و ساکت نہیں بلکہ کلمۂ حق کو بآوازِ دُہل سب کو سنا رہی ہیں، تو یہ بے اعتباری دور ہوتی ہے اور جس طرح خدا سے میں مایوس نہیں ہوں اسی طرح اس کے بندوں سے مایوسی بھی قرین کفر معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ لوگ قومی اسٹیج کی کٹھ پتلیاں نہیں ہیں۔ وہی غریب اور کمزور لوگ ہیں جن سے اسلام کی ابتدا ہوئی تھی۔ رہے یہ حضرات تو ان کے متعلق تو بدگمانی بہت پہلے سے تھی۔ چنانچہ میں نے متعدد بار ان "آزادوں" کے مضمون کو غزلوں میں باندھا تھا۔ مثلاً ؎

تجھ سے مقابلہ کی کسے تاب ہے ولے　　　میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد

یا ؎

ہیں اتنے لاف شوق پہ مرعوبِ حُسن بھی　　　یہ طائفہ عجیب ہے اک مرد و زن سے دور
ہے بُعد کربلا سے بھی، قُربِ یزید بھی　　　اور چاہتے یہ ہیں کہ نہ ہوں پنجتن سے دور

یا ؎ دشمنوں سے نطف ہے تو کچھ　　　دوستوں سے بھی مدارا چاہیئے

تنہا انتظام کا سارا بار اٹھا سکتے تھے، نہ ان کی محکومی کے پیشِ نظر سلطان یا اہلِ حجاز سے اس تجویز کے قبول کی امید ہو سکتی تھی، نہ بصورت موجودہ کوئی اور موثر قدم اٹھایا جا سکتا تھا۔ پنجاب کے تمام ارکانِ خلافت بالاتفاق مولانا محمد علی کی رائے کے خلاف تھے۔ یہی زمانہ ہے جب مولانا نے انہیں "پنجابی ٹولی" کہہ کر پکارنا شروع کیا۔

سلطان عبدالعزیز نے ۱۹۲۶ء میں حج کے موقع پر ایک موتمر منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے تمام اسلامی ملکوں کو دعوت نامے بھیجے۔ مدعوین میں مجلسِ خلافت بھی شامل تھی۔ نمائندوں کے انتخاب کے لئے مجلس مذکورہ کا ایک اجلاس دہلی میں بلایا گیا۔ اس میں دستور کے مطابق مختلف اصحاب نے مختلف نام پیش کئے۔ ارکانِ پنجاب کی طرف سے مولانا عبدالقادر قصوری مرحوم کا نام پیش کیا گیا۔ جیسا کہ اندیشہ تھا، دونوں کے سلسلے میں خاصی کشمکش اور گرمی پیدا ہوئی۔ مولانا نے جو تفصیلات اپنے مکتوب گرامی میں پیش کی ہیں، اچھ قیاس آرائی فرمائی ہے اسے معرضِ بحث میں لانے کا یہ موقع نہیں تاہم اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ ارکانِ پنجاب کا پیش کردہ نام منظور نہ ہو سکا اور مولانا محمد علی مرحوم جن اصحاب کو منتخب کرانا چاہتے تھے وہ کثرتِ رائے سے منتخب ہو گئے۔

چونکہ رائے شماری کی گرمیٔ ہنگامہ میں اک گونہ ناخوشگواری پیدا ہو گئی تھی اس لئے مولانا ابوالکلام آزاد اور مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم نے دونوں فریقوں کو سمجھا کر حالات کو طبعی رفتار پر لانے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں وہ مولانا محمد علی مرحوم سے بھی ملے جس کا ذکر مولانا نے فرمایا ہے۔

میں اس زمانے میں "زمیندار" میں تھا اور پیشِ نظر معاملے میں اختلاف رائے کے باوجود بے تکلف مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی سے ملتا تھا۔ اپنے فہم و بصیرت کے مطابق میری کوشش یہی تھی کہ ایک خاص معاملے میں اختلاف کے باعث تعلقات میں ناخوشگواری پیدا نہ ہو۔ اس ضمن میں اپنے خیال کے مطابق معذرت کے مناسب پہلو بھی پیش کرتا رہتا تھا۔

مولانا کی صحت اس وقت بھی خاصی خراب تھی۔ بیماریوں کا غلبہ تھا۔ اپنے معتقدات و آراء میں یگانہ خلوص و پختگی کے باعث وہ خفیف سے اختلاف پر بھی غصے میں آ جاتے تھے اور سخت سے سخت باتیں کہہ دینے میں بھی تامل نہ فرماتے تھے۔ اس کی شہادت خود مکتوب بھی پیش کر رہا ہے۔ خدا شاہد ہے کہ ان کی کسی بھی بات پر کبھی ملال پیدا نہ ہوا۔ ان کی بے مثال شخصیت اور بے مثال قربانیوں کے باعث دل میں انتہائی عزت و احترام کے جو جذبات موجزن تھے وہ برابر قائم رہے۔ محاسن کی فراوانی نے انہیں محبوبیت کا ایسا پیکر بنا دیا تھا جس سے نیازمندانہ وابستگی بہر حال زندگی کی ایک عزیز متاع تھی۔ وہ یقیناً ان یگانہ افراد میں سے تھے جن کی جگہ دس عظیم الشان شخصیتیں مل کر بھی پر نہیں کر سکتیں۔

یہ تحریر نجی کی تھی لیکن اب کہ ان کی وفات پر ربع صدی سے زیادہ مدت گزر چکی ہے، اسے اقلاً آثار متبرکہ کے طور پر شائع کر دینا غالباً نامناسب نہ سمجھا جائے گا۔

(غلام رسول مہر)

اچھا بھیج دوں گا۔ مگر بھائی تم شاعر تھے، میں شاعر نہ تھا۔ البتہ عنایت ایزدی نے تمہیں تین دیوانوں والا بنا دیا تو اس قسم کی عنایت نے مجھ سے بھی تین چار غزلیں لکھوا دیں۔ پہلے بھی تک بندی کر لیتا تھا مگر کاغذ کے پھولوں میں خوشبو نہیں ہوتی۔ اب کچھ بو باس آنے لگی ہے، سو بقول تمہارے ع ترے غم کو نہ دے کیونکر دعا دل - اس وقت صرف نظر بندی کی پہلی غزل لکھے بھیجتا ہوں۔ بہن کو کل خط لکھوں گا۔ تم میری افسردگی کا ذکر کر کے میری طرف سے معافی مانگ لینا ورنہ وہ ناراض ہی رہیں گی کہ جواب کیوں نہ دیا۔

تمہارا مرید باعقیدت : محمد علی

(۳)

بنام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی!

السلام علیکم۔ ہمدم کے ذریعے سے آپ کے برادر محترم نواب نورالحسن خاں[1] صاحب کے انتقال پر ملال کا حال معلوم ہوا۔ خدا مرحوم کو غریق رحمت فرمائے اور آپ کو اور مرحوم کے سب پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

میں نے خط و کتابت تقریباً ترک کر دی ہے مگر دل نہ مانا کہ اس موقع پر اظہار ہمدردی سے دریغ کروں، حالانکہ جانتا ہوں کہ اس قسم کے اظہار سے کچھ حاصل نہ ہوگا نہ شاید اس کے لکھنے سے کہ آج کل ساری دنیا میں گرم ہے ہم کو بھی اپنے مصائب پر صبر کرنا چاہیئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ ہم کو ان حوادث سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ایمان کو جان و مال پر ترجیح دینے کی ہمت دے۔ یہ سب اس کی امانتیں ہیں اور خدا ہم سب کو امانت میں خیانت سے بچائے۔ آپ بھی ہمارے لئے دعا فرمایئے کہ ثبات قدم عطا فرمائے۔ "ربنا اغفرلنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۔"

برادرم رشید الدین حسن صاحب کی خدمت میں بھی آداب عرض کرتا ہوں۔ خدا ان کو اور ان کی زوجہ محترمہ کو بھی صبر عطا فرمائے۔ والسلام!

نیازمند: محمد علی۔ چھندواڑہ (ممالک متوسط) ۷/ نومبر ۱۹۱۷ء

یہ مکتوب مختصر سی تمہید کا متقاضی ہے۔ سلطان عبدالعزیز مرحوم والی نجد نے حجاز فتح کر لیا تھا۔ اہل حجاز نے جنوری ۱۹۲۶ء میں انہیں بادشاہ تسلیم کر لیا۔ مجلس خلافت میں حجاز کے انتظام کے متعلق اختلاف رائے موجود تھا۔ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور ان کے رفقا چاہتے تھے کہ حجاز کو ایک بین الملی انتظامی ادارے کے حوالے کر دیا جائے۔ دوسرے گروہ کے نزدیک یہ تجویز بجائے خود بھی ناقابل عمل تھی اور اس میں خرابی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آزاد اسلامی حکومتیں اس باب میں چنداں سرگرم نہ تھیں اور صرف مسلمانان ہند کی طرف سے اس کے پیش ہونے کا کوئی اثر نہ ہو سکتا تھا۔ نہ وہ

---

[1] یہ نواب صدیق حسن خاں کے فرزند اکبر تھے۔

تمہارے "تمہارے ہر طرح نیاز مند" سالک صاحب ع کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا" کی ڈھگہ پنہ[1] کا جواب نہ رمضان میں دیا نہ عید کے بعد ہی دیا۔ تمہارے اور تمہارے "راجہ" ظفر علی خاں صرف "مالک" نہ کہ "مدیر مسئول" کے پروپیگنڈا کا جن کو "زمیندار" کی قلمی پالیسی سے بقول تمہارے کوئی تعلق نہیں ہے[2] جواب دینا ضروری تھا لیکن پھر نہیں دیا حالانکہ دوبار تم نے اور تمہارے جتھہ والوں نے منہ کی کھائی اور پھر ہار کر بگڑی بات کو بنانے کی کوشش کرنے لگے۔ اس کا بھانڈا پھوڑنے کا ارادہ تھا مگر تحمل سے کام لیا گیا۔ اس کے بعد بھی تم لوگ باز نہ آئے۔ جلسہ میں صدر کی اعانت سے تمہارے جتھہ نے ہر امکانی کوشش ہماری ہی تجویز کی مخالفت میں کی یہاں تک کہ شوکت کا اور میرا نام جس طرح تم نے زمیندار کی فہرست "اہل حق" یعنی اہل حدیث اور بزعم خود ضعفائے بیرون پنجاب مثلاً "حکیم صاحب اور "ندوی المذہب" سید سلیمان سے خارج کر دیا تھا اسی طرح تمہارے صدر صاحب نے اپنی فہرست سے بھی خارج کیا اور مجھے مجبور کیا کہ میں تم لوگوں کی طرح سے پس پردہ نہیں بلکہ صاف صاف خود اپنا اور شوکت صاحب کا نام پیش کروں۔ پھر جب ووٹ گننے کا وقت آیا تو تم نے سیکرٹری خلافت کمیٹی پر اپنی بیہودہ بے اعتمادی کا ثبوت اس طرح دیا کہ خود ووٹ شماری کرنے بیٹھ گئے۔ ایک اور شخص نے تم پر بے اعتمادی کا ثبوت اسی طرح دیا مگر ہم نے بند کر دیا اور سیکرٹری کی طرح تمہیں بھی رسماً رائے شماری کرنے دی۔ وہ تو خدا ہی کو منظور تھا کہ تم لوگ ذلیل ہو اور تم نے شعیب غریب کے ۱۶ ووٹ گنے۔ اگر تم نے بھی افضل کی طرح ۶ گنے ہوتے تو تمہارے صدر صاحب کا کاسٹنگ ووٹ ضرور اس غریب کے خلاف ہوتا۔ پھر ظفر علی خاں کے کذب و افترا کا پردہ چاک کرنے کے جرم میں جناب صدر کی طرف سے ذاتیات کی گندگیوں کا غواص ٹھہرایا گیا۔ گو ہم لوگ تمہاری طرح جلسہ سے فرار نہ ہو جاتے۔ ووٹ دوبارہ گنے گئے اور ۱۸ نکلے۔ تم ذلیل تر ہوتے مگر اس پر بھی تم نے عبرت حاصل نہ کی۔ اب مطالبہ ہوا کہ عبدالقادر صاحب صدر الصدور جماعت اہل حدیث و پنجابیان خلافت کے ووٹ بھی گنے جائیں۔ اب تمہارے نمائندے کے فقط ۱۶ ووٹ نکلے اور اور تذلیل ہوئی۔ ظفر علی خاں کے ۹ ووٹوں نے تمہیں اور ذلیل کیا[3]۔ تاہم ان تمام حقیقتوں پر میں نے پردہ پڑا رہنے دیا۔ شام ہی کو حکیم صاحب[4] اور تمہارے صدر صاحب تشریف لائے اور مجھے یقین دلایا کہ تمہارے صدر الصدور قصوری صاحب نے بھی اپنی بے قصوری کا ثبوت تم کو سمجھا کر دیا اور رٹے پایا کہ تم اور ظفر علی صاحب اور اہل حدیث خلافت کے وفد کے خلاف کچھ نہ لکھو گے اور جلسے کی روداد کے متعلق کوئی مخاصمانہ و معاندانہ پہلو اختیار نہ کیا جائے گا مگر افسوس کہ تم سے نہ رہا گیا اور آخر شش یہ تحریر چھپ ہی گئی۔

اب تم سے اتنی التجا ہے کہ آئندہ مجھ سے اپنی عقیدتمندی وغیرہ کا دعویٰ میرے سامنے نہ کرو گے۔ میں کسی سے منافقانہ ملنا نہیں چاہتا۔ میں جن کو اچھا سمجھتا ہوں ان سے تو شاید اسے چھپا بھی لوں مگر جن کو برا سمجھتا ہوں ان پر کسی نہ کسی طرح اور اکثر بلا سخت و سست کہے ہوئے اسے ظاہر کر ہی دیتا ہوں۔ ایک بار نہیں بلکہ کئی بار تم "زمیندار" میں میرے خلاف لغو بیانیوں کے "سہواً" چھپ جانے کا اعتذار کر چکے ہو۔ اب آئندہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم کو اہل حدیث اور حنبلی اور غیر مقلد

---

[1] یہ پنجابی کا لفظ "ڈھگہ" ہے۔ [2] میں نے دو تین مرتبہ اخبار میں لکھا تھا کہ مولانا ظفر علی خاں "زمیندار" کے مالک ہیں لیکن پالیسی کے ذمہ دار ایڈیٹر ہیں مقصود یہ تھا کہ "زمیندار" کی کسی تحریر سے مولانا محمد علی اور مولانا ظفر علی خاں کے باہمی تعلقات میں فرق نہ آئے اور جواب صرف ایڈیٹروں سے مانگا جائے۔

[3] ان تفصیلات پر بحث غیر ضروری بھی ہے اور غیر مناسب بھی۔ [4] مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم۔ جوہر

(۴)

بنام مہر صاحب

برادرم مہر!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ سے جب سے گفتگو ہوئی تھی تو اس قسم کی بحث کو بے سود سمجھ کر میں کمرہ سے اٹھ کر چلا آیا تھا۔ مگر شوکت صاحب سے آپ کی گفتگو جاری رہی اور اس کے بعد وہ مُصر تھے کہ میں آپ کے متعلق یہ خیال کروں اور وہ خیال کروں۔ میں نے اس بنا پر آپ سے تفصیل کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے عرض کیا، ایک دن میرے مہمان ہو کر رہیئے اور تنہائی میں گفتگو کیجیئے، مگر آپ نہ رُک سکے اور صرف تھوڑی دیر یوں ہی سی بات چیت ہو کر رہ گئی۔

میرا ارادہ تھا کہ آپ کی (خاص آپ کی بھی!) اور اہل پنجاب اور جو اہل حدیث شریک تھے ان کی اور جناب صدر[1] کی روش کے متعلق تفصیل کے ساتھ ہمدرد میں لکھوں کہ جلسے میں کس طرح جتھہ بندی سے کام لیا گیا اور باوجود کہ پنجاب کے تیرہ ووٹ ایک ہی پلڑے میں رکھے جاتے تھے، کس طرح باقی ہندوستان نے تقریباً بلا استثنا آپ کی جتھہ بندی کے خلاف رائے دے کر اسے شکست دی۔ مگر اس کے متعلق ہدایات (مولانا عبدالماجد دریا بادی کے مواجہہ میں جو ایک بڑی حد تک ابن سعود کے مرشد ہیں) دے کر آپ سے دوبارہ ملنے کے بعد میں نے ان ہدایات کو نظر انداز کرنے کے لئے "ہمدرد" کے عملہ سے کہا تاہم یکم مئی کے "زمیندار" میں پہلا مضمون ہی اس جتھہ بندی کو پھر قائم رکھنے کی کوشش میں لکھا ہوا نظر آتا ہے[2]۔ الحمدللہ کہ اب جو کچھ سب و شتم ہے وہ شوکت صاحب، صلح کل شوکت صاحب، بھولے بھالے بڑے بھائی صاحب کے لئے وقف ہے اور میں صرف "ایک دو عظیم الشان شخصیتوں" کی مجہول شخصیت سے زیادہ سخت کسی لقب کا مستحق نہ سمجھا گیا۔ آپ فرمائیں گے کہ "خلافت" کا رویہ صحیح نہ تھا۔ مضمون ایک نامہ نگار کا تھا اڈیٹر ذمہ دار نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ۔ مگر دیکھئے کہ اہل حدیث کی جتھہ بندی سید سلیمان[3] اور صاحب صدر کیا مولوی کفایت اللہ[4] صاحب تک کی حمایت میں جھلک رہی ہے اور پھر دعویٰ یہ ہے کہ نہ میں خود اہل حدیث ہوں نہ میرے پیشوا اور مقتدا مولانا عبدالقادر قصوری جن کا انتخاب اہل حدیث کی طرف سے مع اسمٰعیل صاحب غزنوی اور غالباً ان کے والد کے چینیانوالی یا چینیاں والی مسجد کے جلسے میں کیا گیا ہے۔ بھائی مہر! یہ جھوٹا انکسار، جھوٹی عقیدہ مندی چھوڑ دو، جھوٹی صلح سے سچی لڑائی اچھی۔ درک اسفل کا مقام بلاوجہ نہیں مقرر کیا گیا ہے ؎

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد [2] "زمیندار" اس وقت پیش نظر نہیں لیکن یقین ہے کہ اس میں اجلاس کے حالات بیان کئے گئے ہوں گے [3] سید سلیمان مرحوم انہیں بھی مولانا محمد علی مرحوم ہمارا ہم رائے سمجھتے تھے [4] مولانا کفایت اللہ مرحوم صدر جمعیۃ العلما۔

(۵)

بنام مولانا شوکت علی

پیارے شوکت!

عید مبارک۔ عید مبارک کا تحفہ دس پیر کو کاٹ بھیج رہا ہوں۔ یوں تو ہم سب اچھے ہیں، مگر گلنار کے برص کا علاج ہو رہا ہے اور حمیدہ کا علاج بھی حکیم تفضل حسین خاں صاحب کا جاری ہے۔ امجدی کے پاؤں پر بھی کسی قدر زور ہے۔ میں ویسے تو اچھا رہا مگر حکیم تفضل حسین خاں صاحب کی گولیاں کھا رہا ہوں، انشاء اللہ کل پرسوں قارورہ کا امتحان کراؤں گا۔ افلاس نے پریشان کر دیا ہے۔ خدا رحم کرے۔ آپ کی حالت مجھ سے بدتر ہے اور میری ایک حساب سے آپ سے بدتر ہے کہ پندرہ سو روپیہ ماہوار کا خسارہ ہے اور نہ اس کے کم کرنے کی کوئی صورت ہوتی ہے، نہ اس کے کسی سے دلوانے کی۔ خداوند کریم ہمارے ایمان، حبِ اسلام اور حبِ وطن کی آزمائش فرما رہا ہے۔

آپ کا خط کل ملا۔ لمبین کو اپنی مالی حالت لکھ بھیجی ہے اور پوچھا ہے کہ کم سے کم کس قدر رقم تمہیں درکار ہوگی۔ اگر میں اتنی ادا کر سکا تو ادا کر دیا، پھر جاری کر کے دونوں اخباروں کے ذریعہ سے خسارہ کو گھٹاؤں گا، ورنہ پھر پبلک زندگی کو خیرباد ہے۔ دو تین لڑکوں کو پڑھا کر پچاس روپیہ ماہوار کما لیا کروں گا، امجدی اور لڑکیاں کپڑا سی کر سترا سی پیدا کر لیں گی، ان کو بھی پڑھاتا رہوں گا اور مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر قرآن کریم و حدیث شریف پڑھوں گا اور کوئی اگر میرے خیالات سننا چاہے گا تو اسے سنا دیا کروں گا۔ اب یہ ممکن نہیں کہ ترکِ تعاون جاری رکھ کر (جس کا چھوڑنا ترک اسلام ہے) اخبارات کے خسارے بھی ادا کیا کروں۔ ایک آخری کوشش غالباً اسی ماہ میں اور کر دیکھوں اور شاید آپ کے پاس ایک دو دن کے لئے آؤں، فی امان اللہ۔ امجدی اور بچوں کا سلام۔ طارق بہت یاد آتا ہے۔ زہرہ، زاہد، شاہد، شبیب، قمر کو پیار۔ عابد اچھا ہے۔ قطب میاں صاحب اسے زبردستی پچاس روپیہ دے گئے ہیں۔

کہئے آپ نے سلطان ابن سعود، شریف عدنان اور موتمر کے ارکان کو خط بھی لکھے یا نہیں۔

مفصل جواب کا منتظر: آپ کا محمد علی۔ ۵ راپریل ۱۹۲۶ء

(۶)

بنام مولوی محمود احمد عباسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرم!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ شرمندہ ہوں کہ آپ کے ۱۳ راپریل کے خط کا ۱۴ رمئی کو جواب دے رہا ہوں۔ آپ غالباً

تمہیں ”وہابی“ اور ”غیر مقلدوں“ کی تقلید جامد کرنے والا اور وہابیوں کی ہر بدعت کی اسی طرح حمایت کرنے والا سمجھتا ہوں جس طرح بعض غالی حنفی سلطان ابن سعود کے متعلق ہر خبر کا جو ان کے خلاف ہو یقین کرنے والے ثابت ہوتے ہیں۔ گو یہ بھی معلوم ہے کہ تم جب مجھے نماز پڑھاتے ہو تو نہ رفع یدین کرتے ہو نہ آمین بالجہر کہتے ہو اور برخلاف اس کے ظفر علی خاں جب ایک اہل حدیث کے پیچھے حجاز میں نماز پڑھتے ہیں تو آمین بالجہر پکارتے ہیں۔ میں تم کو اپنا دوست نہیں سمجھتا بلکہ حاسد اور دشمن جانتا ہوں۔ اگر چاہتا تو جو وقت اس رنج کی تحریر لکھنے میں صرف کیا ہے ”ہمدرد“ کا ایک مضمون اسی مطلب کا لکھنے میں صرف کرتا۔ لیکن ارضِ پاک حجاز کا قصد ہے یہ نہیں چاہتا کہ حق کی حمایت ہی میں کیوں نہ ہو تمہارے اور جتھے کی قلعی کھولنے میں ”ہمدرد“ کے کالموں کو صرف کروں اور عین اس وقت جب کہ ہنود کی مخالفت سے مسلمانوں کو بچانے کی تدابیر سوچی جا رہی ہیں آپس کے بغض و عناد کو شہرت دوں اس لئے تمہیں کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔

برادرم! ”ایک دو عظیم الشان شخصیتوں“ پر رشک و حسد نہ کرو۔ ”ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ واسع علیم“ یہ شخصیتوں کی ”پرستش“ یوں ہی نہیں ہوا کرتی۔ ہمارے پاس تم سے اور تمہارے جتھے والوں سے زیادہ دولت و ثروت نہ تھی، نہ ہی خاندانی وجاہت سے ہم اس درجہ کو پہنچے ہیں۔ قوم کی خدمت کرتے ہیں، اللہ سے ڈرتے ہیں (گو اور زیادہ ڈرنا چاہیئے) اور لومۃ لائم کی پروا نہیں کرتے۔ سلطان جابر اور ”عظیم الشان شخصیتوں“ کے آگے بھی صاف بات کہنے سے نہیں چوکتے اور منافقانہ کسی سے نہیں ملتے۔ اگر یہ طریقہ استعمال کرو گے تو اسی درجہ پر پہنچ جاؤ گے ورنہ ایک دوسرے ظفر علی خاں بن جاؤ گے۔

تم نے نہ صبر و تحمل کا اب تک ثبوت دیا ہے نہ انکسار حقیقی اور صفائے قلب کا۔ تم سے اس کی امید نہیں کہ ”ٹھنڈے دل سے“ اس عریضہ کو پڑھو گے اور اس پر غور کرو گے۔ لیکن خداوند کریم سے دعا ہے کہ تمہارے دل میں اس کا یقین ڈال دے کہ جس غرض سے یہ خط لکھا گیا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ ایک آخری کوشش اور کر لی جائے کہ ایک نوجوان مسلمان، جس کو اس نے قابلیت سے محروم ہرگز نہیں رکھا ہے راہِ راست پر آجائے اور ریاکاری اور رشک و حسد اور غلو اور جتھہ بندی کو چھوڑ کر حق پرستی اور حق گوئی کو اپنا شعار بنائے اور آئندہ چل کر قوم و ملک کی بہترین خدمت کر سکے۔

یہ تحریر رنج کی ہے اور شائع کرنے کی غرض سے نہیں بھیجی جاتی۔ ۸، ۹ مئی کے جلسے کے انتظامات کا بوجھ اور ”کامریڈ“ و ”ہمدرد“ کے قرضے کی ادائیگی کی فکر اور پھر اپنے سفر حجاز اور حج کے اخراجات کی فراہمی مارے ڈالتی ہے۔ ایسے وقت میں اتنا وقت میرے پاس نہیں ہے کہ میں محض بحث مباحثے میں الجھتا رہوں۔

اگر میری اس تحریر کی سختی کو جائز سمجھتے ہو تو خیر، ورنہ اسے للہ معاف کر دو کہ زندگی کا کیا اعتبار ہے اور میں صحت کو پہلے ہی خیرباد کہہ چکا ہوں۔ اگر نہیں معاف کر سکتے تو ایک بار دل کھول کر مجھے برا بھلا کہہ لو میں چلنے سے پہلے للہ معاف کرتا جاؤں گا اور کہے سنے کی معافی چاہ لوں گا۔ والسلام!

تمہارا خیر طلب بھائی: محمد علی ۲ مئی ۱۹۲۶ء

آپ کا خط آگیا ہے، براہِ راست یہ بظاہر بیہودہ سوال کرتا ہوں۔ "ہمدرد" کا سرمایہ نہ کبھی تھا نہ اب ہے۔ سب کی تنخواہیں مل جاتی ہیں مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ پندرہ دن دیر سے ملیں گی یا ڈیڑھ دو مہینے کی دیر سے، کاغذی، ایسوسی ایٹڈ پریس اور مالک مکان کو تو آٹھ آٹھ دس دس ماہ اور ایک ایک سال کا بھی انتظار کرنا پڑا ہے۔ یہ اس لئے کہ پہلے جب آدھا خرچ کامریڈ کے خریداروں پر پڑتا تھا دونوں اخباروں پر پانچ سو سے لے کر ایک ہزار بارہ سو تک خسارہ ماہواری ہو جاتا تھا اور اب جبکہ سب خرچ ہمدرد ہی پر پڑتا ہے پندرہ سو روپیہ ماہوار کا خسارہ ہے۔ خدا شاہد ہے کہ اس لئے ہرگز اس کارخانے کو نہیں چلا رہا ہوں کہ اپنے اور بال بچوں کے اخراجات کے لئے رقم نکالنا مقصود ہے۔ جب سے کامریڈ نکالنے کا خیال ہوا تھا صرف ایک غرض سامنے تھی کہ جو پیغام خدا نے مجھے پہنچایا ہے اسے دنیا تک پہنچا دوں۔ لیکن اب دنیا کی ذہنیت اتنی بدل گئی ہے کہ اخبار اور سفر کرکے تقریر کے ذریعہ سے یہ پیغام دنیا تک نہیں پہنچا سکتا اس کے لئے مصارف کا انتظام اب ممکن نہیں۔ ارادہ کیا ہے کہ اپنی اس محدود "دنیا" جو "ہمدرد" پڑھتی ہے کو ایک بار اچھی طرح اطلاع دے دوں کہ اگر وہ اسے جاری رکھنا چاہتی ہے تو اس کا قرض ادا کرے اور خریدار بڑھائے تاکہ خواص کی امداد کا انتظار نہ کرنا پڑے (اور اب تو انتظار بھی نہیں کرتا، اس لئے کہ یقین ہو گیا ہے کہ امداد نہیں آئے گی)۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تو پھر اس کا دنمانے کو بند کر دوں اور قوت لایموت کے لئے چند گھنٹے کوئی کام کر کے ہر مہینے چالیس، پچاس یا ساٹھ خود پیدا کر لیا کروں، اتنا ہی بیوی اور بچے بھی پیدا کر لیا کریں، باقی وقت میں انہیں تعلیم دوں، خود تعلیم حاصل کروں اور چند گھنٹے روزانہ اس لئے بچا لیا کروں کہ جو کوئی مجھ سے مشورہ طلب کرنے کے لئے آئے اس کو اپنی رائے سے مطلع کر سکوں تاکہ "گوشہ نشینی" اور خود غرضی کا مجرم نہ بنوں۔ اس طرح پبلک کی وہ خدمت کر سکوں جو ایک پچاس ساٹھ روپیہ کی آمدنی والا کر سکتا ہے۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ عین اس زمانے میں جبکہ "ہمدرد" کی حالت یہ ہے، ہاتھ بٹانے کے لئے بیتاب ہیں یا خود کسبِ معاش کے لئے اسی طرح مجبور ہیں جس طرح "ہمدرد" کو بند کر کے میں مجبور ہوں گا اور "ہمدرد" کی سب ایڈیٹری اسی طرح کرنا چاہتے ہیں جس طرح میں "ہمدرد" کو بند کر کے شاید تین چار لڑکوں کی پرائیویٹ ٹیوٹری کرنے لگوں۔ یقیناً میں ایمانداری سے اپنی تنخواہ کے برابر محنت کیا کروں گا لیکن مجھے اس سے بحث نہ ہوگی کہ وہ لڑکے کون ہیں اور کس کے ہیں۔ کیا آپ کو بھی آج اس سے بحث نہیں کہ آپ "ہمدرد" کے سب ایڈیٹر مقرر ہوتے ہیں یا کسی اور اخبار کے، یا آپ کی نظر انتخاب خاص "ہمدرد" پر پڑی ہے؟ آپ نے کہا کہ "ہمدرد" میں کام کرنے کا محرک وہ معاوضہ نہیں ہے جو چند ابعض منقوش کی شکل میں حاصل ہو، میں اسے تسلیم کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن کیا آپ واقعی اس شخص کے ساتھ رہ کر اس کے مصائب میں شریک ہونا چاہتے ہیں جس کے خیالات کو آج مطلق ہر دلعزیزی حاصل نہیں، حالانکہ وہ سمجھتا ہے کہ آج سے زیادہ وہ کبھی محنت نہیں کیا کرتا تھا اور آج سے زیادہ صحیح رہنمائی اس نے کبھی نہ کی تھی اور آج سے زیادہ وہ ہر دلعزیزی کا کبھی بھی مستحق نہ تھا؟ نہ معلوم آپ "ہمدرد" کو پڑھتے بھی ہیں یا نہیں۔ ۱ر اکتوبر ۱۹۲۶ء سے اس وقت تک سات مہینے مسلسل اتنی محنت میں نے کی ہے کہ کہہ نہیں سکتا اور اردو میں اپنے نزدیک صحیح مذہبی اور سیاسی خیالات کا اتنا انبار لگا دیا ہے کہ چند کتابیں میرے مضامین سے مرتب ہو سکتی ہیں جو باوجود اس زود نویسی کے اس قابل ہوں گی کہ ان سے لوگ دیر تک فائدہ حاصل کر سکیں۔ لیکن جن کے سامنے ان خیالات کا آج اظہار کرنے کی جسارت

ایک بار غریب خانہ پر تشریف لائے تھے، مگر وہ وقت میرے لئے نزع کے وقت کی طرح ہوتا ہے، اگر چند منٹ بھی کسی اور طرف توجہ کرنی پڑتی ہے تو اس دن کا اخبار ایک دو اطراف کی ڈاکوں کو کھو دیتا ہے اور ایک ملاقاتی کا لحاظ رکھنا سیکڑوں خریداروں کے ساتھ بدمعاملگی کا مجرم بنا دیتا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہوا کہ آپ پھر تشریف نہ لائے، حالانکہ میں نے عثمان (اپنے بھانجے اور مینیجر) سے کہہ دیا ہے کہ بھائی تم جانتے ہو اس وقت میں کسی سے ملنا ناممکن ہے، شام کے لئے وقت مقرر کر دو۔ خود مجھ سے ساری عمر وقت کی پابندی نہ ہوئی، لیکن اب اس کا طالب ہوں کہ لوگ ملنے سے پہلے وقت مقرر کر لیا کریں یا شام کو آیا کریں۔ کیا کروں اگر صبح کو کسی سے ملاقات کرتا ہوں تو اس دن کا اخبار وقت پر نہیں نکل سکتا۔ یوں بھی طوالت کے باعث (جس کا سبب محض یہ خواہش ہوتی ہے کہ جو کچھ میرے ذہن میں ہے وہ دوسروں کو سمجھا دوں، اگر زیادہ محنت کرنا پڑے تو گوارا کیا جائے مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ چند الفاظ یا فقروں کی کمی کے باعث میرے خیالات دوسروں کے دماغ و قلب تک نہ پہنچ سکیں) بعض دن کئی ڈاکیں نکل جاتی ہیں اور مقامی فروخت میں بھی کمی ہو جاتی ہے لیکن اس نقصان سے بھی فائدہ تو خریداروں ہی کو پہنچ جاتا ہے۔ اگر محض کسی سے ملاقات کے باعث اخبار وقت پر نہ نکل سکے تو خریداروں کے سامنے کوئی عذر پیش نہیں کر سکتا۔ کاش آپ کسی دن شام کو مجھ سے مل لیتے تو آپ کو نہ خط لکھنا پڑتا، نہ اتنی دیر جواب کا انتظار کرنا پڑتا اور میں بھی سب باتیں آدھ گھنٹے میں آپ کے گوش گذار کر سکتا جن کے لکھنے کے لئے دو گھنٹے درکار ہیں۔ برادرم! اس وقت سارا اسٹاف "ہمدرد" کا میں ہوں جو روزانہ ۸، ۱۰ گھنٹے کی محنت میں ایک لیڈر لکھ دیتا ہوں (جو دو دو تین تین بلکہ چار چار پانچ پانچ لیڈروں کے برابر ہو جاتا ہے) اور ایک غریب جعفری ہے جو تاروں کا ترجمہ کرتا ہے اور اخبار کو ترتیب دیتا ہے۔ بعض دن ایک اور سب ایڈیٹر جواب علیحدہ ہو چکے ہیں، لیڈر یا نوٹ لکھ دیتے ہیں۔ جعفری بیمار ہو گیا تھا تو وہی تاروں کا ترجمہ کر دیتے تھے مگر اپنے صبح کے مطب کے بعد، اس لئے کہ ڈاکٹر بھی ہیں۔ ایسی حالت میں اگر خود اس اخبار کے ضروری بزنس (BUSINESS) سے بھی غافل رہنا پڑے تو کون سی تعجب کی بات ہے؟ یہ معذرت امید ہے کہ قبول ہو گی۔ اس وقت پانچ بجے ہیں، ابھی تھکا ہارا ایک ۸ کالم کا مضمون ختم کر کے پلنگ پر آ لیٹا ہوں۔ لیکن لیٹے لیٹے مشکل نہ بھی ہوتا تب بھی آپ کو خط لکھنا آسان نہ تھا۔ ہاں عبدالرحمٰن صدیقی نے مجھ سے دو بار آپ کے متعلق ذکر کیا تھا۔ برادر بزرگ فرید احمد صاحب نے بھی دو تین بار زبانی، تحریری اور ٹیلیفون پر ذکر فرمایا تھا لیکن جواب دینا مشکل تھا۔ دبی زبان سے عبدالرحمٰن سے البتہ اس قدر کہا تھا کہ محمود احمد صاحب کو نوکری کی تلاش ہے یا وہ بھی میری طرح پاگل ہو گئے ہیں جو "ہمدرد" میں کام کرنا چاہتے ہیں اور میری ہی طرح ان کو بھی اپنے دل پر قابو نہیں، وہ مجبور کر رہا ہے کہ جو پیغام خدا نے تمہیں دیا ہے وہ دوسروں تک پہنچا دو اور بلاغ ہی تک محدود نہیں رکھتا بلکہ باخع النفس بھی بنائے ڈالتا ہے۔ ان کا جواب مجھے مطمئن نہ کر سکا۔ فرید احمد صاحب سے یہ پوچھنے کی ہمت نہ تھی۔ آپ کے انجینئر بھائی سے شاید پوچھ لیتا، مگر ان سے ملنا نہ ہوا، حالانکہ ان سے ملنے کا بہت ہی متمنی تھا۔ والدہ مرحومہ کی قبر اور آمنہ مرحومہ (میری لڑکی) کی قبر کے پتھر انہی کی معرفت تیار ہو رہے ہیں اور لوح مزار بھی۔ مگر اب تک کام ختم نہیں ہو سکا حالانکہ تقریباً دو سال کی مدت گذر گئی۔ جب جب ملاقات ہو جاتی ہے تقاضا ہو جاتا ہے۔ اللہ اللہ کر کے اب والدہ کی قبر پر تو لوح کندہ ہو کر لگ گئی، گو پتھر قبر پر ٹھیک نہیں جمائے گئے ہیں اور چاروں کونوں کے DECORATIVE پتھر ابھی نصب نہیں ہوئے ہیں اور لڑکی کی لوح مزار تیار بھی نہیں ہوئی ہے، نہ پتھر علی گڑھ بھیجے جا سکے ہیں۔ وہ بیچارے بھی سخت معروف ہیں۔ خیر اب خود

اور اب جنوبی افریقہ کے داخلہ کے مسئلہ میں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کا طرزِ عمل یہ ہرگز نہ ہوتا، مگر میں جو زود رنج مشہور ہوں صورتِ حالات اور ضرورت دونوں کو پیشِ نظر رکھ کر مجبور ہو گیا کہ اس قدر صبر و ضبط سے کام لوں۔ اگر میں واقعی اس قدر زود رنج ہوتا جس قدر کہ ہمارے دوستوں نے دشمنوں سے بھی زیادہ مشہور کیا ہے تو کبھی اس قدر صبر و ضبط کا یارا نہ رکھ سکتا۔ بہرحال اب اس تمام حزم و احتیاط کا یہ نتیجہ نکلا ہے۔ اب جو آپ کی رائے ہو۔ میں نے ابھی اس جواب کی نقل آپ کے ملاحظہ کے لئے کی تو پھر جی چاہا کہ ان حضرت کو پہلے جواب لکھ دوں اور بعد کو اس کی بھی نقل اس کے ہم رشتہ آپ کو ارسال کر دوں اور تب جا کر آپ کو یہ خط لکھوں۔ مگر میں نے پھر صبر و ضبط سے کام لیا اور ابھی انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ کے دوست سر حبیب اللہ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے ان کو کچھ لکھا تھا یا نہیں؟ وہ ہندوستان کی طرف سے جنیوا میں سرکردگی فرمائیں گے، نہیں معلوم وہ کیا فرماتے ہیں۔ میرا قیاس ہے کہ انہوں نے انہیں حضرت کے ذریعہ سے پیش بندی فرما دی ہے اور ابھی تو پہلا ہی قدم مشکل ہے، یعنی آپ کو پاسپورٹ ملنا۔ جب آپ اس مرحلے سے بھی گذر جائیں گے۔ تب بھی سر حبیب اللہ سے آپ کو واسطہ پڑے گا، بلکہ براہِ راست آپ کو جنوبی افریقہ کی حکومت سے داخلہ کی اجازت مع میرے مانگنا پڑے گی اور جب سنگاپور کی حکومت عرفان صاحب کے صوبہ سرحد کے ریکارڈ کو اس قدر REPROACHABLE سمجھتی ہے تو کیا جنوبی افریقہ کی حکومت ہمارے ریکارڈ کو بالکل IRREPROACHABLE سمجھے گی۔ حقیقتاً دونوں حکومتوں کے درمیان اس معاملہ کے متعلق اب بھی گفتگو و شنید ہو چکی ہو گی تاہم مجھے مطلع کیجئے کہ سر حبیب اللہ کیا فرماتے ہیں اور اس میں کچھ کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ نہ بھی مدد کریں تب بھی ہمیں پاسپورٹوں اور داخلہ کی اجازت کے حصول کے لئے کوشش کرنا چاہئے تاکہ اتمامِ حجت ہو جائے اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہم کو کرنا ہو وہ ہم کریں۔ اسی وجہ سے میں نے سر ڈینیس برے کے خط کا جواب اب تک نہیں لکھا ہے نہ اخبارات کو مولانا عرفان کے متعلق کوئی اطلاع دی ہے۔ حکومت ہمارے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہے اور وہ لاہور کا اخبار بیچنے والا اور یہاں دہلی کا قدِ آدم پوسٹر مسلمانوں کو اس کا یقین دلا رہے ہیں کہ ہم حکومت سے مل گئے اور آئندہ کبھی بھی اس کی مخالفت نہ کریں گے۔ ان لوگوں کی اس قسم کی مجنونانہ حرکات پر مجھے حیرت نہیں ہوتی، مرتا کیا نہ کرتا، مگر حیرت اس پر ہوتی ہے کہ عوام کا مذاق ان لوگوں نے اس قدر بگاڑ دیا ہے کہ ایک خاصی جماعت ان مجنونانہ باتوں پر یقین لے آنے کو تیار رہے اور اس میں سے بعض جو کبھی مجھ سے اس کی شکایت کرتے تھے کہ آپ ان لوگوں کے منہ کیوں لگتے ہیں یہ اس قابل نہیں کہ آپ جیسا لیڈر ان کا مدِ مقابل بنے (حالانکہ اوروں میں کسی نے نہ اس طرف توجہ کی، نہ اتنی ہمت کی کہ ان کے روز افزوں اثر کا مقابلہ کر کے عوام پر ان کی حقیقت ظاہر کر دے اور اس لئے عوام میں ان کا اس قدر مہلک مگر زبردست اثر پھیل گیا) وہی آج اس کی تعریف بھی کر رہے ہیں کہ آپ نے اس بار ان لوگوں کو منہ نہیں لگایا، مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ لوگوں نے یہ افواہ اڑانا شروع کی ہے کہ یہ دونوں بھائی انگریزوں سے مل گئے ہیں اس کی ضرور تردید کر دینا چاہئے۔ خدا کی شان ہے علی برادران کے متعلق یہ افواہ اڑائی جائے اور انہیں اس کی تردید کرنا پڑے۔ یہ لوگ جو ایسی بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں، عوام نہیں بلکہ ان سے زیادہ سنجیدہ طبقہ کے لوگ ہیں۔ حقیقتاً سمجھدار لوگوں کی آج اتنی کمی ہے کہ ان کا ایک ہاتھ کی بھی انگلیوں پر گن لینا مشکل نہیں۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ ہماری ساری عمر کی محنت کا اس سے زیادہ

کروں گا وہ مجھے پاگل سمجھیں گے اور کہیں گے کہ یہ خود ستائی اس شخص کے بیوقوف اور بیہودہ ہونے کی صاف دلیل ہے لیکن اس خود ستائی کی "ہمدرد" کے مضامین پڑھ کر آپ بھی کسی قدر تائید کر سکتے ہیں تو آ جایئے، میرے مصائب میں شریک ہو جئے۔ اگر یہ نہیں ہے تو بزنس BUSINESS کے طور پر طے کر لیجئے کہ تاروں کا اور انگریزی اخبارات کے CUTTINGS کا کتنے روپیہ ماہوار پر ترجمہ کر سکئے گا اور اخبار کو مرتب کرنے میں مدد دے سکئے گا۔ ہمدرد میں جو اشتہار نکل رہا ہے وہ محض بزنس کی کارروائی ہے مگر میں نے اب تک اس کو بھی انجام نہیں دیا اس لئے آس بالکل ٹوٹی نہ تھی اور امید تھی کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ صحیح معنوں میں ASSISTANT بھی مل سکے۔ آج کل تجربہ تو یہی کہہ رہا ہے کہ ASSISTANT تو نہیں RESISTANT بہت سے مل جائیں گے۔

تحریری جواب عنایت کرو اور پھر اگر جی چاہے تو ایک دن کے لئے آ کر مل جاؤ۔ میں یہاں سے ۸ یا ۹ کو بمبئی چلا جاؤں گا۔ ۲۳، ۲۴ تک آنا ہو گا۔ بہتر ہے کہ اس سے پہلے ہی سب کچھ طے ہو جائے۔

جواب کا منتظر اور روپیہ لگانے کی معافی کا خواستگار

آپ کا بھائی: محمد علی ۳ مئی ۱۹۲۷ء

داؤد صاحب مرحوم کی قبر پر میری طرف سے فاتحہ پڑھ لیجئے گا۔ میں ۱۱½ برس کی عمر میں علی گڑھ گیا تھا تو وہ میرے بھائیوں کے ہادی اور رہنما تھے۔ آج تک اس پر لطف زمانے کو نہیں بھولا ہوں۔

محمد علی

(۷)

بنام مولانا شوکت علی صاحب مرحوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیارے بھائی!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ میں ایک ہفتے سے برابر اس کی کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کو خط لکھوں مگر یہ خط مجھے سخت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ آپ کی اور غالباً میری بھی ڈاک کھولی جاتی ہے اور اگرچہ ہماری زندگی ایک کھلے ورق کی طرح ہے پھر بھی میں نہیں چاہتا کہ بعض باتیں غیروں تک جائیں۔ زبانی گفتگو کرنا اور بھی مشکل ہے اور میرا خیال ہے کہ مجھے اسی طرح ہمیشہ خاموش رہنا پڑے گا۔

پہلے اس کے کہ میں اپنے آئندہ پروگرام کے متعلق کچھ کہوں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ ایک ہفتہ ہوا کہ ڈینس راس صاحب کا جواب آ گیا۔ کیا آپ کے لئے اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل ہے کہ اس کے دیکھتے ہی میرے جذبات و احساسات کی کیا کیفیت تھی اور میں اگر اسی وقت اس کا جواب دیتا تو کیا دیتا۔ میں نے ان حضرت سے نہایت ہی حزم و احتیاط سے شُستہ گفتگو کی ہے اور یہی حال تحریر کا رہا ہے۔ افغانستان کے پاسپورٹوں کے سلسلے میں مولانا عرفان کو اپنے ہمراہ صوبہ سرحد میں ستمبر ۱۹۲۷ء میں لے جانے کے معاملہ میں جب کہ پہلی بار ان سے نیاز حاصل ہوا تھا اور دوبارہ مولانا عرفان کو منگا پور اور جاوا بھجوانے میں

لیکن نماز کی نیت باندھنا تو فرض ہے، ان حکومت پرستوں اور خود غرضوں کا الیکشن ایجنٹ بننا کس نے ہمارے لئے فرض مقرر کیا ہے؟ سر عبدالرحیم صاحب اور فضل الحق صاحب کے MANIFESTO میں اپنی جتھہ بندی کے لئے تو سارے جتن کئے گئے، مگر مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور ہندوانی غضب سے بچنے کے بارے میں ایک حرف بھی نہ تھا۔ ان حضرات کا آلۂ کار بننا ہمارے لئے کب فرض ہے کہ بال بچوں کو بھوکا چھوڑ کر ہم ان کے مفت کے ایجنٹ بنتے پھریں۔ حقیقتاً مجھے تو اب تک یہ بھی نہیں معلوم کہ ان خود غرضوں اور حکومت پرستوں سے شفیع داؤدی صاحب جیسے مخلص مسلمان نے اشتراک کے لئے کیا سمجھوتہ کیا ہے اور رہیں اگر اس وقت کام کر بھی سکتا تو ہرگز نہ کرتا جب تک یہ طے نہ ہو جائے کہ نفس پرستوں کے مقابلہ میں ملت پروروں کا کس طرح انتخاب ہوگا اور جب دونوں کونسلوں میں جا بیٹھیں گے تو ہم عملی کی کیا صورت ہو گی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج میں کسی کام کے قابل بھی نہیں ہوں۔

سب سے پہلے حمیدہ کی علالت ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ برسوں سے بیمار چلی آ رہی تھی۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں اسے شملہ لے کر گیا اور اگرچہ وہاں جانے سے فائدہ ہوا مگر میرٹھ سے لوٹنے پر ملیریا نے شملہ میں بھی آ دبایا تھا اور وہاں بھی ایک ہفتہ صاحب فراش ہی رہی تھی اور دہلی واپس آنے کے بعد پھر بے اطمینانی تھی۔ ۶ر مئی ۱۹۲۸ء کو شادی ہوئی اور ۲۰ مئی سے جو سلسلہ علالت کا شروع ہوا تو آج تک جاری ہے۔ ڈاکٹر انصاری کا ہمیشہ علاج ہوا تھا۔ منصوری میں ڈاکٹر بچر کا علاج ہوا تو اسی پر لیڈی ڈاکٹر کیمبل کا مسلسل علاج ہوتا رہا۔ مگر فروری ۱۹۲۹ء میں حالت ابتر ہو گئی اور حالانکہ ان کا، مس کین کا اور ڈاکٹر سنگھ کا CONSULTATION کرایا گیا اور سنگھ کا علاج ہوا لیکن کچھ بھی اصلاح نہیں ہوئی۔ اب تک ملیریا ہی کا شبہ ہوتا رہا۔ اس کے بعد حکیم محمد احمد صاحب کا علاج کرایا گیا مگر فائدہ نہ ہوا۔ ہاضمہ ہمیشہ سے خراب تھا، قولنج کا درد برسوں سے اٹھا کرتا تھا، بہت ہی کم ایک وقت سے زائد کھانا کھاتی تھی مگر اب تو پیچش کے سے آثار معلوم ہوتے اور آنوں آنے لگی، جسے سنگھ نے کونین کا اثر سمجھا۔ حکیم محمد احمد خاں کی دوا سے آنوں آنا بند ہوئی مگر قولنج نے سخت تکلیف دی۔ جب پھر ڈاکٹر انصاری اور ان کے ساتھ ڈاکٹر قریشی کا علاج کرایا گیا تو BACILLUS COLI کا شک گذرا مگر S·K·SEN BACTERIOLOGIST کی رپورٹ سے ثابت ہوا کہ یہ بھی نہیں ہے تاہم قیاس کیا گیا کہ اثر اسی کا ہے اور ایک پچکاری کا سلسلہ شروع ہوا جس سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور بخار ۱۰۲ سے بڑھ کر روزانہ ۱۰۳، ۱۰۴ اور ۱۰۵ تک پہنچ گیا۔ تب جا کر ڈاکٹر انصاری نے اس کا اقبال کیا کہ بھائی ہم اب تک اس کے مرض کی تشخیص نہیں کر سکے۔ اتنا جانتے ہیں کہ دق نہیں ہے۔ تاہم چونکہ ایک شب کو باہر سوتے ہوئے سردی لگی اور کچھ اور بڑھانہ گیا جس سے خفیف سی کھانسی کی خراش پیدا ہو گئی ہے، اب ہم علاج میں پہلے کی طرح دق کی رعایت بھی رکھیں گے۔ ایک ہفتہ یہ علاج جاری رہے، اگر اس سے فائدہ نہ ہو تو سول سرجن کو بلا کر دکھایا جائے تاکہ وہ کوئی آزاد رائے قائم کر سکے۔ آج وہ ہفتہ ختم ہوتا ہے اور غالباً کل سول سرجن بلایا جائے گا۔ روزانہ ۱۰۲ بخار ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ امر ہے کہ غذا بالکل نہیں ہوتی۔ گذشتہ نصف ماہ میں مرغی کا شوربہ اور روٹی کا چھلکا بھی نہیں کھایا گیا، صرف علی الصبح ایک یا نصف انڈا آملیٹ کی شکل میں، ایک یا دو بار ایک توس اور مکھن اور ایک یا آدھا پاپا۔ یہ دن بھر کی کل غذا ہو گئی تھی — BULGARIAN BACILLUS CULTURE کا دہی بنا کر دیا گیا، مگر وہ بھی نہ رک سکا۔ صبح سے رات تک برابر ابکائی آتی رہتی ہے

نتیجہ نہیں نکلا کہ ہندو ایک نامراد اور متعصب اور تنگ دل جماعت بن گئے اور مسلمان ایک جماعت بھی نہ بن سکے، بلکہ منتشر افراد کا
ایک گروہ ہو کر رہ گئے ہیں اور برنارڈ شا کے ڈرامے "BACK TO METHUSELAH" میں EVOLUTION کی
آخری STAGE - "AS FAR AS THE EYE CAN SEE" ہے انسان نے جو LABORATORY میں بیٹھ کر جو مشین کا مرد
اور عورت کا جوڑا بنایا ہے، اس کی طرح ہو گئے ہیں۔ ان سے جب پوچھا جاتا ہے کہ تم ہمارے متعلق کیا خیال کرتے ہو تو
جواب دیتے ہیں کہ ہم کیسے بتا سکتے ہیں۔ ہم نے آج صبح کا اخبار نہیں دیکھا ہے۔ مسلمانوں میں آج ایک اخبار بھی نہیں جس کے
چلانے والے مکر و فریب، زر پرستی اور خود غرضی سے پاک ہوں اور امور عامہ کے متعلق سنجیدگی اور متانت سے اور غور و فکر
کے بعد رائے کا اظہار کر سکیں اور پھر "قوم" ہے کہ ہر صبح ان کی رائے کی اس طرح محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں دو سال
سے اس کا ارادہ کر رہا تھا کہ بہتر ہے کہ دو تین سال اس "قوم" کو اس کے حال پر چھوڑا جائے۔ اس کا جزو خود اس ضرورت
کو محسوس کرے کہ ہم سے رائے مانگے، تو اسے اظہار رائے سے کبھی محروم نہ کیا جائے مگر خواہ مخواہ ہر وقت اظہار رائے سے
احتراز کیا جائے اور آئندہ کنواں پیاسے کے پاس دوڑا دوڑا نہ پھرے۔ جب یہ لوگ اپنے حاصل کردہ تلخ تجربے سے اس قدر
سیکھ لیں گے کہ یہ اخبار بیچنے والے اور یہ قد آدم پوسٹر اور یہ بھوسوں کے بھوکے خود قوم کے محتاج ہیں، قوم ان کی ہرگز محتاج
نہیں تو وہ بھی اپنی اس روش کو ترک کر دیں گے کہ ؎

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اخبار نویسوں میں آج ایک بھی اہل الرائے نہیں، اگر کچھ ہیں تو "اہل قلم" ہیں جو قلم چلا کر اپنی روٹی کمانا ایک حد تک جانتے
ہیں لہٰذا جو کوئی اہل الرائے اس میدان میں آتا ہے اس کا وہی حشر ہوتا ہے جو ہمیشہ اندھوں میں ایک آنکھوں والے کا ہوتا ہے
یہ سراسر غلط ہے کہ IN THE KINGDOM OF THE BLIND THE ONE-EYED IS KING - حقیقت یہ ہے
کہ IN THE KINGDOM OF THE BLIND THE ONE-EYED IS HUNG - یہ تو عام بحث تھی اب میرے پروگرام
کے متعلق سنئے۔ میں حمیدہ کی علالت اور اپنے افلاس کے باعث مجبور تھا کہ برما نہ جاؤں مگر آپ کے اصرار سے، اور اس
امید پر کہ میرے گھر کے مصارف کے لئے آپ روپیہ بھجوا سکیں گے میں برما گیا۔ وہاں جو کچھ ہوا اسے میں اپنے خط میں تفصیل
سے تحریر کر چکا ہوں اور اگر آپ نے عرفان صاحب سے پوچھا ہو گا تو انہوں نے بھی ساری کیفیت بیان کر دی ہو گی جب
گھر کے مصارف کے لئے امجدی کو کچھ بھی نہ مل سکا، اور یہاں ماجد روزانہ مصارف کے لئے تنگ ہونے لگا، اور حمیدہ کی علالت
نے دوا دارو کے اخراجات بھی بڑھا دئے، اور ۲۵- راجپور روڈ پر ڈاکٹر شراف کی کوٹھی اسے کرایہ پر لینا پڑی، اور اس
ایک کی جگہ دو گھروں کا خرچ درکار تھا، مجھے تعجب ہوا کہ آپ نے مجھے کلکتہ تار دیا کہ کچھ عرصہ تک میں بنگال میں دورہ کروں
جہاں ایک شخص بھی میرا دورہ نہیں چاہتا تھا، الا ماشاءاللہ ان چند لوگوں کے سوائے جنہیں ایک زبردست الیکشن ایجنٹ کی
ضرورت تھی جو مفت میں ان کی مدد کیلئے کھڑا ہو جائے۔ یہی وہ قوم ہے جو آج ہماری محتاج ہے، باقی سب مستغنی ہیں۔ سعدی کو تو اسی کی فکر تھی کہ ؎

شب چو عقد نماز بر بندم   چہ خورد بامداد فرزندم

کوئی خریدار خریدتا ہے، مجھ سے مکان خالی کرانا اس بنا پر ہے جس بنا پر عبدالحق اور انوارالحق (انوار صالح کا بہنوئی ہے) مسلم لیگ میں ہمارے خلاف اس قدر نمایاں حصہ لے رہے تھے اور جس بنا پر مولانا عبدالقادر قصوری اور پنجابی ٹولی یکایک نہرو رپورٹ کے موافق ہو گئے ہیں۔ بہرحال میں نے یہ آخری نوٹس پاکر فوراً فیصلہ کر لیا کہ ہمدرد کو بند کر دیا جائے اور اب اس مکان میں ایک دن بھی نہ رہا جائے مگر برما جانا ضروری تھا اس لئے چند مکانات کو فوراً امجدی کو دکھا کر برما چلا گیا اور امجدی سے کہہ گیا کہ ارمئی تک قرول باغ چلی جاؤ۔ پریس کو اکھڑوانے کے لئے ماجد، صدیق، اسرائیلی اور جعفری سے کہہ گیا کہ وہ اسے DISMANTLE کرا کے کسی GODOWN وغیرہ میں رکھوا دیں۔ حمیدہ کے لئے اس کی خواہش کے مطابق ایک ٹھنڈی جگہ کی تلاش تھی جو اس وقت قرول باغ میں نہ مل سکی، مگر ڈاکٹر شراف ولایت جا رہے تھے، راجپور روڈ پر ان کا بنگلہ نصف کرایہ پر ماجد نے لے لیا اور وہ اور حمیدہ تو حسب قرارداد ارمئی سے گھر خالی کر کے چلے گئے مگر قرول باغ میں اس وقت کوئی اور مکان طے نہ ہو سکا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مشینوں کے اکھڑوانے، لدوانے اور کسی اور جگہ STORE کرانے کا بندوبست نہ کر سکا۔ ماجد علاوہ تیمارداری کے اپنی مصیبت میں مبتلا ہے اور رات ہی پھر آلور سے لوٹا ہے اور اب تک کچھ نہ مل سکا۔ اس کو فرصت نہ تھی۔ صدیق صاحب محض بیکار ہیں۔ اسرائیلی صاحب اور جعفری بھی اس میدان کے مرد نہ تھے، نہ اب مجھے حمیدہ کی بیماری میں اتنا ہوش ہے کہ خود کھڑے ہو کر اس کام کو کراؤں۔ جب ماجد باہر جاتا ہے (اور یہ اکثر ہوتا ہے) مجھے اور امجدی کو حمیدہ کے ہاں سونا پڑتا ہے۔ ماجد کے نوکر کی ماں کو نمونیہ ہو گیا اور وہ تار ملتے ہی امروہہ چلا گیا اس لئے اس بار تو کوئی نوکر بھی نہیں ہے۔ میرے پاس عرصہ سے کوئی نوکر نہ تھا۔ دن بھر دوا پلانا، غذا کھلانے کی کوشش کرنا، حرارت معلوم کرنا، تسلی اور تشفی دینا، ڈاکٹروں کے پاس جانا اور رات کو تھک کر حمیدہ کے پاس پڑ جانا یہ میرا دن رات کا وظیفہ ہے سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر کسی بدمعاش نے ایک پرزہ بھی توڑ ڈالا تو ساری مشین بےکار ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں اکھڑوانے، PACK کرانے اور کہیں سے لدوا کر لے جانے اور STORE کروانے میں صرف کثیر کی ضرورت ہے اور وہ ندارد، مجبور ہو کر فیصلہ کیا ہے کہ پریس کو فروخت کر دوں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کام آسان نہیں۔ پھر اس کی بھی DEBENTURE BOLDER سے اجازت لینا ہے اور تمام مشینوں اور ٹائپ کی فہرست تیار کرانا اور خریدنے وقت کی قیمت نکال کر اس وقت کی قیمت کا تخمینہ کرنا ہے۔ خدا بھلا کرے خان صاحب عبدالعلی خان کا کہ پہلے دور کے ٹائپ وغیرہ کی چوری کا تخمینہ لگانے میں انہوں نے جو کوشش کی تھی اس کے کاغذات موجود ہیں جس سے پریس کی بعض چیزوں کی اصل قیمت معلوم ہو سکتی ہے ورنہ عثمان صاحب نے تو اس بری طرح کام کیا ہے کہ کسی چیز کا پتہ لگانا آسان نہیں۔ جس طرح بھی ہو رہا ہے یہ کام کر رہا ہوں۔ اگر ماجد اب چند دن تک یہاں رہے تو میں گھر جا سکوں گا۔ لیکن یہ مہینہ بھی ختم ہو رہا ہے اور اب میں سو روپیہ ماہوار مکان کا کرایہ کس طرح اور کہاں سے لا کر دے سکتا ہوں؟ مجبور ہو کر صالح صاحب سے کہا ہے کہ پہلے دور کے خانہ کی طرح نیچے کا پریس کا حصہ مجھے کرایہ پر اس وقت تک کے لئے دے دیں جب تک کہ پریس دو تین ماہ میں فروخت ہو جائے۔ چار دن تک ان کے پیچھے دھوپ اور لوؤں میں پھرتا رہا۔ کل جواب ملنے والا تھا مگر نہ ملا۔ اگر وہ اس پر راضی ہوتے تو سوائے اس کے چارہ نہیں کہ اسی مکان میں ابھی قیام کروں حالانکہ وہ اب بالکل ویرانہ کی طرح سونا پڑا ہے اور اس کا ۳/۴ حصہ میرے لئے

ہچکائی روکنے کی دوا بھی اب مطلق کارگر نہیں ہوتی۔ بعض دن صبح کا ناشتہ بھی ٹال دیا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس دن غذا مطلق نہیں ہوتی! عرفان صاحب کی موجودگی ہی میں حالت بے حد خراب تھی لیکن آج خراب تر ہے۔ تاہم SPUTUM کا امتحان کرایا گیا تھا۔ رپورٹ سے صرف معمولی سی کھانسی کا پتہ چلا، دق کے کوئی آثار نہیں۔ ایسی مریضہ کو چھوڑ کر نہ میں بنگال کا دورہ کر سکتا تھا اور نہ بمبئی آ سکتا ہوں اور جنوبی افریقہ کا تو کسی کو خیال بھی نہیں آ سکتا۔ آمنہ کی موت کے بعد ہی میں امجدی سمیت برما جانے کو تیار ہو گیا تھا مگر آپ کو TYPHOID میں موت کے منہ میں چھوڑ کر برما نہیں جا سکتا تھا، صرف کلکتہ جا سکتا تھا، اور گیا تھا۔ قوم اور ملک کا کام ساری عمر کیا ہے، کبھی اپنے عیش و آرام کے خیال نے یا کسی اور ذاتی غرض نے آج تک اس سے نہیں روکا لیکن ایک جوان لڑکی کی موت کے بعد دوسری جوان لڑکی کو ایسی حالت میں چھوڑ کر میں کہیں نہیں جا سکتا۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ اس کا شوہر مجبور ہو کہ اپنا روپیہ وصول کرنے کے لئے باہر مارا مارا پھرے۔ میں تو برما چھوڑ کر بھی حمیدہ کو دیکھنے نہیں آیا، گو ماجد کو اس کا رکا ہوا روپیہ دلوانے کے لئے تیار تھا کہ تھرڈ کلاس ہی میں سفر کر کے فوراً الور پہنچ جاؤں، بیشتر اس کے کہ مہاراجہ الور ولایت چلے جائیں تاہم ماجد کو تار میں لکھ دیا تھا کہ برما کے کام میں اس سے ہرج ضرور ہوگا۔ ماجد کا تار آ گیا کہ کام میں ہرج نہ کیجئے، یہاں پر امید بندھی ہے۔ چنانچہ میں برما نہیں گیا اور دس دن اور وہاں ضائع کئے۔ مجھے اور بھی تعجب آپ کا تار کلکتہ میں پا کر اس سے ہوا کہ آپ نے میری مالی حالت اور میرے کوچہ چیلاں کے مکان سے نکلے جانے کا بھی مطلق خیال نہ کیا، آپ کے اصرار پر اور اس امید پر کہ آپ امجدی کو میرے روپیہ میں سے کم از کم اتنا بھجوا دیں گے کہ وہ کام چلا سکیں۔ برما مارچ میں چلا گیا تھا مگر آپ روپیہ فراہم نہ کر سکے اور امجدی جس مصیبت میں گرفتار رہیں اس کا شاید آپ کو اندازہ نہ ہو سکا، ورنہ آپ مجھے ہدایت نہ کرتے کہ برما میں اتنی دیر لگانے کے بعد وہاں سے آتے ہوئے میں بنگال میں دورہ کروں۔ کلکتہ میں خلافت کے سب سے زیادہ پرجوش اور با اثر کام کرنے والوں کا یہ حال ہے کہ میں نے اس روپیہ کو جو کمریڈ کے دوبارہ اجرا کے لئے گل شیر خاں وغیرہ نے بلا میری اجازت کے جمع کر دیا تھا، چند ماہ کے لئے قرض مانگا کہ جب تک کچھ کمانے کا انتظام کر سکوں گذر اوقات ہو سکے اور انہوں نے حتمی وعدہ بھی کر لیا کہ دو تین دن میں بذریعہ تار روانہ کر دیں گے، آج تک اسے روانہ کر رہے ہیں۔ ایک صاحب سے پانچ سو روپیہ قرض حسنہ ملے تو اس وقت تک کام چلا اور احمد علی بھائی نے امجدی کی جائیداد میں سے پانچ سو روپیہ بھجوائے تو ماجد کے قرضہ میں سے دئے ورنہ حمیدہ کے علاج کے لئے بھی کچھ نہ تھا۔ ایسی حالت میں وہ کون سا سیاسی یا مذہبی فرض ہے جس کے ادا کرنے کے لئے میں مجبور رہوں کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوں؟

سب سے بڑی مصیبت مکان کی ہے۔ مسلم لیگ کے جلسہ کے بعد عبدالرحمٰن وکیل کے سامنے صالح صاحب نے قطعی نوٹس دے دیا کہ مکان خالی کر دیا جائے چاہے انہیں کوئی زیادہ کرایہ دینے والا ملے یا نہ ملے، یا کوئی خریدار مکان خریدے یا نہ خریدے۔ آپ کو معلوم ہے کہ صالح صاحب خود ہی اس کی وجہ بھی ظاہر کر چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ میں وہابی اور ابن سعود کا خاص نہیں۔ ان کے الفاظ یہ تھے کہ چچا جان پسند نہیں کرتے (وہ آج کل مکہ مکرمہ میں ہیں) اور آپ اختلاف عقائد بھی رکھتے ہیں۔ گذشتہ سال تو میں نے نہ صرف اس زمانے کا تمام کرایہ، بلکہ حسب قرارداد گذشتہ دور کا بھی کرایہ اس دور کے کرایہ کے ساتھ بہ قسط پچاس روپیہ ماہوار ادا کر چکا تھا اب جبکہ وہ یہ بھی نہیں کہتے کہ کوئی کرایہ دار تم سے زیادہ کرایہ ادا کرنے کو تیار ہے، یا

شاہ امان اللہ خاں اور ان کے رفقا اور عزیز دہلی سے صبح کو گذریں گے۔ چیف کمشنر سے ٹیلیفون پر دریافت کرنے پر اس کی
تصدیق ہوئی اور معلوم ہوا کہ اگر میں جا کر ملنا چاہوں تو کوئی روک ٹوک نہیں ہے اور اگرچہ وہ خود اسٹیشن پر نہ ہوں گے نہ حکومت
دہلی کی طرف سے کوئی اور شخص، تاہم پولیس کے عہدہ دار انتظام کے لئے موجود ہوں گے اور MAJOR WICKHAM
کوئٹہ سے ہمراہ آ رہے ہیں ان سے ملنا کافی ہوگا۔ چنانچہ ۶ بجے گھر پہنچ کر کپڑے بدلے اور سوا چھ بجے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ معلوم
ہوا کہ گاڑی پانچ گھنٹے دیر سے آ رہی ہے۔ احتیاطاً اسٹیشن والوں سے کہہ گیا کہ اگر کچھ وقت گاڑی بچا سکے اور پہلے آنے والی
ہو تو ماجد کے ایک پڑوسی کے ہاں مجھے ٹیلیفون کر دیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ خبر پا کر کہ ٹرین دس بجے پہنچ جائے گی، میں
سوا نو بجے ماجد کے مکان سے چل کر ۹¾ بجے اسٹیشن پہنچ گیا۔ ہندو اخبارات INTERVIEW مانگتے تھے مگر میں نے پیچھا چھڑایا۔
دس کے قریب یکایک اسپیشل آ گئی۔ ہر شخص کو اجازت تھی کہ پلیٹ فارم پر آئے اور پولیس کا صرف اسی قدر انتظام تھا کہ
جب گاڑی رک گئی اور اس میں سے بلوچستان کے مسلح پولیس والے دس بیس آدمی نکلے تو تماشائی چند قدم پیچھے کھڑے کر دئے
گئے۔ میں نے MAJOR WICKHAM سے ملاقات کر کے اعلیحضرت سے ملنے کی خواہش ظاہر کی جو ان کے وزیر تک
پہنچا دی گئی مگر میجر وکھم نے کہا کہ غالباً وہ کسی سے نہ ملیں گے، ان کے پاس کپڑے تک نہیں ہیں۔ اتنے میں ان کے چند رفقا اور عزیز گاڑیوں سے
اتر کر دوسری گاڑیوں میں جانے والے تھے۔ میں نے سب کو سلام کیا۔ انہی میں امیر یا سردار عنایت اللہ خاں بھی تھے جن کی شکل حبیب اللہ خاں
سے کسی قدر ملتی ہے اور جسم بھی بھاری پڑ رہا ہے اور چہرہ بھی گول ہے۔ مجھ سے مصافحہ کیا، مگر جب میں نے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہا
تو ہاتھ شرافت کے ساتھ کھینچ لیا۔ میرا مزاج پوچھا، میں نے کہا کہ اچھا نہیں ہوں، پوچھا بیمار ہو؟ میں نے کہا بیمار اور اس سے زیادہ
سوگوار: اسلام، مسلمانانِ عالم، ایشیا، افغانستان، ہندوستان اور ان کے خاندان کے حال پر ——— حسرت بھرے لہجہ میں شکریہ
ادا کر کے جلد رخصت ہو گئے۔ اس وقت ان لوگوں سے زیادہ گفتگو کرنا بھی انہیں تکلیف پہنچانا تھا اس لئے میں نے عنایت اللہ خاں
صاحب کو روکنا نہ چاہا۔ اس کے بعد عبد الہادی خاں صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، خود ہی کہا کہ میں عبد الہادی ہوں۔ میں نے
ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا، انہوں نے میرے ہاتھ کو۔ میں نے کہا کہ اعلیحضرت کو اگر اطلاع دے دی جائے کہ میں خراج ہمدردی لے کر
حاضر ہوا ہوں تو ممنون ہوں گا، کہا ضرور عرض کر دوں گا۔ اس کے بعد لالہ گردھاری لال اور "تیج" کا سنپولیا "دیش بندھو" گپتا اور
ہندوستان ٹائمز کے ایڈیٹر صاحب جناب مسٹر ساہنی اور چند اور ہندو اور بھیا، حسان اور فرنٹ پریس وغیرہ کے چند نمائندے
آ گئے اور کچھ کیمرہ والے بھی اور عبد الہادی خاں صاحب سے کہا کہ ہم ہندو کی طرف سے حاضر ہوئے ہیں اور ملنا چاہتے ہیں۔
انہوں نے پوچھا کہ کیا کسی PUBLIC MEETING میں ان کا اس کام کے لئے انتخاب ہوا تھا؟ تو کہا کہ جلسہ کیسا؟
ہمیں تو صرف گھنٹہ بھر پیشتر معلوم ہوا کہ اعلیحضرت کا گذر ہوا ہے۔ اعلیحضرت نے ان کے لائے ہوئے گلدستے سے پھول قبول کر لئے
اور بلا ملے دلے ان کا شکریہ ادا کر دیا۔ عبد الہادی خاں نے مجھ سے آ کر بھی کہا کہ اعلیحضرت مشکور ہیں اور انہوں نے یا ان
کے کسی درباری نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کی ہمدردی تو آج کی نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کی ہے۔ سردار غلام جیلانی خاں سے
ملا۔ عبد الہادی خاں تو معمولی پشاوری کا سا لباس پہنے ہوئے تھے۔ البتہ زیادہ تر لوگ نیلگوں GREY رنگ کی کسی سوتی کپڑے
کی جودھ پوری برجیس پہنے ہوئے تھے، جو ممکن ہے کہ MILITARY UNIFORM ہوں۔ امیر عنایت اللہ خاں اور

بےکار اور غیر ضروری ہے۔ اگر پریس والا حصہ کرایہ پر مل گیا تو کل ہی قرول باغ کے مکانوں میں سے ایک کو کرایہ پر دے کر سارا سامان ڈھوانا پڑے گا۔ ایسی حالت میں جنوبی افریقہ تو درکنار، مجھے افسوس ہے کہ بمبئی تک نہیں آسکتا۔

پھر سب سے آخر میں خود میری علالت ہے۔ یقین جانئے کہ میں سخت بیمار ہوں۔ جنوبی افریقہ کا سفر ممکن تھا کہ میری صحت کے لئے بےحد مفید ہوتا۔ مگر میری گوناگوں مجبوریوں نے اس کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔ لیکن اب میں درحقیقت کہیں بھی نہیں جاسکتا، اگر حمیدہ اچھی ہوتی اور روپیہ پاس ہوتا تو جا کر کسی گوشہ میں پڑ جاتا اور اپنا علاج کراتا۔ لاہور جا کر وہاں ایک مشہور و معروف حکیم صاحب جن سے تہرو ماکٹ نے مجھے ملایا تھا، علاج کروانے کا اپریل میں وعدہ تھا۔ اب چاہتا تھا کہ ہر ہفتہ ایک دن کے لئے وہاں چلا جایا کروں مگر حمیدہ، مکان، پریس اور مالی حالت سب نے مجبور کر دیا کہ دہلی ہی میں قیام کروں اور حکیم نذیر احمد صاحب سے جو حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں برسوں سے ان کے نسخے لکھا کرتے تھے، علاج کراؤں۔ وہی حمیدہ کو بھی دیکھ چکے ہیں، اور سول سرجن کے علاج سے بھی فائدہ نہ ہوا تو ان سے یا انور کے حکیم صاحب سے جو انور سے علیحدہ ہو کر دہلی آ گئے ہیں، حمیدہ کا بھی علاج کرایا جائے گا۔ برسوں COL. SAIHGAL, I.M.S., EYE. SPECIALIST کو آنکھ دکھائی تھی۔ سوائے اس کے کہ غالباً پانی آ رہا ہے وہ کچھ نہ کہہ سکے، نہ علاج کر سکے اور کہا کہ دہلی میں تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد ڈاکٹر کو آنکھ دکھاتے رہنا۔ چنانچہ ڈاکٹر نبیر کو سول ہاسپٹل جا کر گھنٹہ سوا گھنٹہ تک آنکھ دکھائی۔ سب ذیابیطس کا اثر ہے اور پانی آ رہا ہے جب بالکل آجائے گا تو آپریشن ہو سکے گا۔ لیکن ایک ذیابیطس کا آپریشن ملک الموت کے لئے پھاٹک کھول دیتا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ کوئی اور طریقہ علاج کا ڈھونڈا جائے۔ پاؤں میں احساس کی کمی روز کم ہوتی جاتی ہے اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکڑی کے پاؤں ہیں۔ مگر افسوس کہ لکڑی کے بھی نہیں کہ درد سے تو بچوں اور آپریشن کا تو اندیشہ نہ رہے۔ ایسی حالت میں مجبور ہوں کہ کوئی کام نہیں کر سکتا اور گو بمبئی آنے کا قطعی ارادہ تھا اور [1] پر روشنی ڈالنے کا تہیہ کر چکا تھا مگر ان مختلف مجبوریوں کے باعث اس INQUIRY میں بھی شریک نہیں ہو سکتا۔ حقیقتاً اگر یہ INQUIRY بجائے بمبئی کے دہلی میں بھی ہوتی تو اس کے لئے وقت نکالنا مشکل ہوتا۔

اب تک پریس کے فروخت کرانے کی اجازت DEBENTURE HOLDERS سے، لینے اور اس کے گاہک فراہم کرنے کا کام بھی مطلق نہیں کر سکا ہوں۔ خود مُردوں کی طرح ہوں اور ایک اپنے سے بھی سخت تر علیل لڑکی کی تیمارداری میں مصروف ہوں اور نہیں جانتا کہ کل کو میرا رزاق میرا رزق کہاں سے دلوائے گا۔ ایسا آدمی سب قومی کاموں سے معذور ہے اور مجھے معذور سمجھئے اور میرے لئے دعا کیجئے۔

میرا آئندہ کے لئے یہ پروگرام ہے کہ ان موجودہ مشغولیتوں سے پیچھا چھڑاؤں، قرول باغ میں رہوں اور دو کتابیں ایک انگریزی اور ایک اردو میں لکھوں، دونوں اسلام کے متعلق اپنے خیالات پریشاں کا مجموعہ اور ان سے پیشتر زیادہ تر سال بھر کی روٹی پیدا کرنے کے لئے اپنا سفرنامہ دو تین ماہ میں کہہ ڈالوں اور چھپوا دوں۔ دیکھئے کہ اس کے لئے بھی فرصت اور سرمایہ نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔ اس وقت تو کل کے کھانے کو بھی کچھ نہیں۔

اترسوں شام کو دو مسلمان نوجوانوں سے جو DAILY CHRONICAL میں کام کرتے ہیں، معلوم ہوا کہ

---

[1] یہ لفظ پڑھا نہیں گیا۔

نوکروں کے پاس ایک آدھ چمڑے کا ولایتی CABIN TRUNK تھا اور نہ معلوم وہ میجر وکہم کا تھا یا شاہ امان اللہ خاں کے رفقائے سفر میں سے کسی کا۔ بعد کو سنا ہے کہ چند جوڑے جوتوں کے بھی بازار سے لائے گئے تھے۔ پانچ چھ سلیبں برف کی ٹرین کے رُکتے ہی رکھوا دی گئی تھیں۔ ٹرین کے رُکنے کے بعد ہی شاہ امان اللہ خاں کی گاڑی کی کھڑکیاں اندر سے چڑھا دی گئی تھیں لیکن پلیٹ فارم کی دوسری طرف میں نے لوگوں کو اس طرح کھڑا دیکھا کہ گویا اُدھر سے کھڑکی کھلی ہوئی ہے اور کچھ دکھائی دے رہا ہے۔ چنانچہ میرے آدھ گھنٹہ کھڑا رہنے کے بعد ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ دوسری طرف کی کھڑکی کھلی ہے اور امان اللہ خاں نظر آ رہے ہیں، مگر میں نے اُدھر جانا مناسب نہ سمجھا۔ ان کو اس حالت میں دیکھنا ہم دونوں کے لئے تکلیف دہ ہوتا۔ اس لئے میں ان کی گاڑی کے قریب ہی باورچی خانہ کی گاڑی کے دروازے پر کھڑا رہا جہاں سے کمان کے وزیر وغیرہ ان کے درجہ میں جاتے تھے۔ طارق میاں میرے ساتھ رہے اور نہایت مودب اور خاموش کھڑے رہے۔ اور دو تین وزیر صاحب اور دوسرے لوگوں سے مصافحہ بھی کیا۔ عنایت اللہ خاں صاحب کے SALOON کی کھڑکیاں بھی بند تھیں۔ ٹرین پورے گھنٹہ بھر کے بعد دہلی سے روانہ ہوئی۔ نہ معلوم آپ COLABA گئے تھے یا نہیں۔ میں نے عبدالہادی خاں صاحب اور غلام جیلانی خاں صاحب سے جنہوں نے آپ کے متعلق پوچھا کہہ دیا کہ آپ بمبئی میں ہیں، اور انشاء اللہ ضرور ملاقات کریں گے۔

یہ تمام منظر میرے لئے سخت درد انگیز تھا اور میری آنکھوں میں بار بار آنسو ڈبڈبا آتے تھے۔ "ملک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء و بیدک الخیر انک علی کل شئ قدیر۔ دیکھئے اب افغانستان کا کیا حشر ہوتا ہے اور ہندوستان پر اس کا ردِّ عمل کیا ہوتا ہے۔ اب اس طول طویل داستان کو ختم کرتا ہوں چار پانچ دن ہوئے اسے شروع کیا تھا اور ۱۲ صفحہ لکھ کر چھوڑنا پڑا تھا۔ آج صبح سے بغیر غسل و وضو و منہ دھونے کے اسے شروع کیا تو اس وقت جب کہ ایک ناشتہ نہ کرنے والے شخص کو سوا بارہ بجے سخت بھوک لگ رہی ہے، ختم کرتا ہوں۔ یہ خلافت میں ہرگز ہرگز شائع نہ کیجئے گا۔ صرف دوست احباب کو دکھایا جا سکتا ہے، اور وہ بھی اگر آپ کو اس کی ضرورت محسوس ہو، ورنہ صرف آپ کے لئے لکھا گیا ہے۔ خدارا صورتِ حالات کے سمجھنے میں غلطی نہ کیجئے۔ نہ میں خدا سے مایوس ہوں نہ اپنے نفس سے، لیکن اس وقت جو فیصلہ کیا ہے وہی صحیح ہے، خلافت کے کام کے لئے ہر وقت حاضر ہوں، الا ماشاء اللہ، جب آج کی سی مجبوریاں دہلی میں قید کر دیں۔ ڈاکٹر انصاری کا خط پڑھا۔ خدا اس شخص پر رحم کرے۔ اسے سوائے اپنے دنیا میں کوئی مظلوم اور معصوم نظر ہی نہیں آتا۔ اب آپ کسی کی خوشامد نہ کیجئے۔ یہ آپ کی غیر ضروری بلکہ نامناسب فروتنی ہی تھی جس نے پہلے مجھے اور اب آپ کو بھی گالیاں دلوائیں۔ سب کا سلام۔

آپ کا پریشاں حال بھائی:

محمد علی

غلام جیلانی خاں دونوں کوٹ اتارے ہوئے تھے اور غالباً شہزادے بھی کوٹ اتارے ہوئے تھے اور ننگے سر۔ گرمی بہت محسوس کر رہے تھے۔ غلام جیلانی خاں کی تو داڑھی بھی چار پانچ دن سے نہیں منڈی تھی اور ٹھڈی پر ذراسی بوکچیا داڑھی تھی، اس کے لگ بھگ منڈی ہوئی داڑھی بھی آ پہنچی تھی۔ عبدالہادی خاں اور غلام جیلانی خاں دونوں نے انکار کیا کہ جس طرح CIVIL & MILITARY میں چھپا تھا کوئی لڑائی ہوئی اور شاہ امان اللہ خاں کے ڈھائی ہزار آدمی مارے گئے۔ انہوں نے کہا کہ کوئی جنگ نہیں ہوئی اور اعلیٰحضرت نے خوں ریزی سے احتراز کیا اور جنگ نہیں کی۔ غلام جیلانی خاں نے مجھ سے شکایت کی کہ تم انگورا گئے اور مجھ سے نہ ملے۔ میں نے کہا کہ پورا ارادہ تھا لیکن جب مصطفیٰ کمال پاشا نے اس قدر بیہودگی کی تو مجھے بے حد غصہ آیا اور میں فوراً چل دیا اور بھول گیا کہ ابھی آپ سے ملا بھی نہ تھا۔ جب ریل چل دی تب یاد آیا اور نادم ہوا۔ میں نے لجاجت سے ان سے معافی چاہی اور پوچھا کہ کیا انہوں نے میرے بیان کو باور کر کے مجھے معاف کر دیا، تو انہوں نے کہا کہ ہاں، آپ معذور تھے۔ میں نے غلام نبی خاں صاحب کا اپنے ساتھ دہلی میں کھانا کھانے کا ذکر کیا اور پھر ان کے ساتھ پیرس میں افغانی کھانا کھانے کا ذکر کیا۔ کہا کہ مزار شریف ان کے قبضہ میں ہے اور وہ وہیں ہیں۔ میں خود قندھار صرف پانچ دن پہلے آیا تھا۔ کہا کہ توفیق رشدی بک سے تمہاری ساری گفتگو سنی تھی۔ وہ مجھ سے ملے تو اچھی طرح مگر میں سمجھتا ہوں کہ وہ رُک رُک کر ملے اور سوائے FORMAL COURTESY کے اور کچھ نہ تھا۔ شاہ امان اللہ خاں صاحب کے اس طرح شکریہ ادا کرنے سے میں نے سمجھ لیا کہ وہ ملنا نہیں چاہتے یا ان سے کوئی عہد لے لیا گیا ہے کہ کسی سے نہ ملیں۔ میں نے غلام جیلانی خاں سے جب کہا کہ میں ہدیۂ ہمدردی پیش کرنا چاہتا ہوں تو کہا کہ میں وزیر صاحب سے کہے دیتا ہوں، مگر میرا خیال ہے کہ یہ بھی ٹالنے کے لئے تھا۔ دونوں بار انہوں نے خود ہی "رخصت" ہونے کے الفاظ استعمال کئے، جس سے مجھے محسوس ہوا کہ وہ زیادہ گفتگو سے بھی گھبراتے ہیں۔ البتہ ایک اور شخص جس کے خشخاشی داڑھی تھی اور جو عربی بھی بولتا تھا اور فارسی بھی، وہ نہایت محبت اور جوش سے ملا۔ اس کے ذریعہ میں نے عنایت اللہ خاں صاحب کو بھی اطلاع بھجوائی کہ اگر ممکن ہو تو میں مل لوں۔ اس نے تھوڑی دیر بعد آکر جواب دیا کہ وہ سخت متاسف ہیں۔ کوئی جگہ نہیں جہاں مجھے بلوا کر وہ گفتگو کر سکیں۔ ایک SALOON CARRIAGE میں وہ اور ان کی مستورات تھیں اور ایک میں شاہ امان اللہ خاں اور ان کے بال بچے اور ان دو SALOON CARRIAGES کے علاوہ چند فرسٹ کلاس کے درجوں میں اور لوگ تھے۔ ایک DINNING CAR بھی تھی اور SALOON CARRIAGES میں بھی KITCHEN کے ڈبے تھے مگر ایک آدھ نوکر کے سوا اس میں کچھ نہ تھا۔ دہلی کے اسٹیشن پر مسلم ریفریشمنٹ روم سے کچھ کھانا پاس کر گیا تھا، اور میں نے اسٹیشن سپرنٹنڈنٹ کو یہ کہتے سنا تھا کہ چند دُنبے انہوں نے منگائے ہیں، وہ بھی چڑھانے کے لئے تیار ہیں۔ ڈپٹی کمشنر گاڑی آنے کے بعد ہی آ گیا تھا اور غالباً سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی۔ ڈپٹی کمشنر کے ساتھ دو نئے چھوٹے چھوٹے سے ہندوستان کے بنے ہوئے SUIT CASES تھے اور دو نہایت ہی سستے CUSHIONS جن پر نہ جھالر ٹانکی گئی تھی نہ ریشم کا کوئی COVER وغیرہ تھا، بالکل اس طرح کے جس طرح کے کہ کوئی مسافر اسٹیشن پر خرید کر سر کے نیچے بطور تکیہ کے رکھے۔ نہ معلوم کسی کے پاس بستر بھی تھے یا انہی تکیوں پر تکیہ کرنا پڑا تھا۔ BAGGAGE کہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ صرف ایک جگہ

اہل حدیث یا کسی اور جماعت سے لڑنا نہیں چاہتے مگر جس طرح ضرورت کے وقت احناف کی ایک جماعت کی مخالفت سے ہم نہیں ڈرے اور ان سے ہم نے اختلاف کیا اسی طرح ضرورت پڑے گی تو اہل حدیث کی جماعت کی مخالفت سے ہم انشاءاللہ نہیں ڈریں گے اور اختلاف کریں گے۔ دعا کرو کہ خدا حق سے نہ پھیرے اور کسی جماعت کی باطل پرستی ہم کو ان کی تقلید پر آمادہ نہ کرے بلکہ عدل و قسط پر اور حق پر ہم کو قائم رکھے۔ شوکت صاحب کا سلام شوق بھی میرے سلام شوق کے ساتھ شامل ہے اور میری بیوی کی طرف سے بھی تبریک و تہنیت کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ میری صحت یہاں اتنی خراب تھی کہ اگر حج و زیارت اور اسلام کی خدمت مقصودِ سفر نہ ہوتے تو اتنے دور دراز کا سفر اور وہ بھی بغیر طبی مشیر کی ہمراہی کے ہرگز نہ کیا جاتا مگر الحمدللہ کہ صحت قیاس سے کہیں بہتر رہی۔ البتہ غالب کا ایک شعر صادق آتا ہے ؎

موت ان کی ہے جو بس مر کے وہیں دفن ہوئے
زندگی ان کی جو اس کوچے سے گھائل آئے

ایک بار تو DIABETIC NEURITIS نے فالج کی شکل پیدا کر دی تھی اور موتمر کے دوسرے اجلاس میں اسی باعث تاخیر ہوئی۔ خیال ہوا کہ میاں کی طرف سے بلاوا آ گیا اور باوجود اپنے گناہوں کے ان کی رحمت کے تصور سے مطمئن تھا بلکہ خوش اور مگن۔ خیر مر کے وہیں دفن ہونے (اور نجدیوں کے ہاتھ سے ہڈیوں کے منتشر کئے جانے) کی نوبت تو نہ آئی مگر اس کوچے سے گھائل آنے کے سبب بظاہر ایک نئی زندگی پا کر آیا ہوں۔ امید تو یہ ہے کہ دو شگافوں میں سے اس شگاف میں جو مدینہ منورہ میں دیا گیا تھا ذرا سا چھید ہمیشہ باقی رہے گا۔ ذالک من فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم۔

اب رخصت ہوتا ہوں۔ دیکھو کب ملنا نصیب ہو۔ لاہور اور پنجاب آنے کا ارادہ تو ضرور ہے بشرطیکہ میرے آنے سے کہیں اور انتشار نہ بڑھ جائے۔

اب یہ لکھو کہ "زمیندار" میں ہو یا قطع تعلق ہو گیا۔ آئندہ کیا ارادہ ہے؟ والسلام!

تمہارا خیر طلب بھائی: محمد علی

---

(۹)

بنام غلام بھیک نیرنگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی نیرنگ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پرسوں کنور عبدالوہاب خاں صاحب تشریف لائے تھے اور ان سے اس دعوت کا حال معلوم ہوا تھا جو چند حضرات ایک مسلم کانفرنس کو امرتسر میں دینا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ تمہارے نام بھی

ا؎ میں نے مولانا کے سابقہ گرامی نامے کا جواب ان کے حجاز جانے سے پیشتر دے دیا تھا۔ پھر وہ حج و زیارت سے مشرف ہو کر واپس آئے تو ان کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کیا۔ یہ گرامی نامہ اس کا جواب ہے۔ — نیرنگ

(۸)

بنام مہر صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم مہر!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ تمہارا ایک طول طویل محبت نامہ "بہ انداز صحافت" تحریر کردہ مجھے چلتے وقت ملا تھا اور شاید ستمبر میں دوسرا مختصر محبت نامہ ملا جس میں امید ظاہر کی گئی تھی کہ میں ضرور اس کا جواب دوں گا۔ پہلے خط کا جواب دینا ایک بڑھی ہوئی بحث کو اور بڑھانا تھا، اور میں اس سے تنگ آگیا تھا اس لئے جواب دینا نہ چاہا مگر دوسرے محبت نامہ کا جواب ضرور دیتا اگر سر کھجانے کی بھی فرصت ملتی۔ اتنا دور دراز کا سفر اس طرح کیا گیا تھا کہ پانچ منٹ بھی رخت سفر باندھنے کے لئے نہ ملے تھے۔ یہی نہیں زادِ راہ مہیا کرنے کے لئے بھی وقت نہ ملا تھا۔ کیونکہ جو کچھ میری دریوزہ گری کے باعث ملا تھا وہ سب "ہمدرد" و "کامریڈ" کے قرض ادا کرنے کے لئے تھا اور وہ بھی ناکافی تھا۔ میرے لئے، بچوں کے لئے اور "ہمدرد" کے جاری رکھنے کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ چلنے سے دو تین روز پیشتر ہی میری بیوی کا کچھ روپیہ ان کے بھائی کے پاس تھا، اس میں سے دو ہزار راستے میں دئے جانے کا وعدہ کیا گیا تو جان میں جان پڑی۔ ایک دوست نے کچھ آخری دن دیا تو وہ بچوں کے کھانے کے لئے چھوڑ گیا۔ علاوہ بیماری کی فکر کے اور علاج کے باعث فرصت نہ ہونے کے مرکزی خلافت کمیٹی کے جلسے، کانگریس کمیٹی کے احمد آباد والے جلسے اور سب سے زیادہ دہلی کی خلافت کانفرنس کے جلسے نے مصروف رکھا تھا۔ بمبئی جا کر ایک دو دن ملے تو کچھ رختِ سفر درست کیا۔ ٹیکسی کے کرایے نے ادھیڑ ڈالا مگر وقت کی کمی کے باعث ٹیکسی لینا ناگزیر امر تھا۔ اس رواروی میں باوجود کوشش کے تمہارے مختصر محبت نامہ کا بھی جواب نہ دے سکا۔ معافی کا خواستگار ہوں۔

یہ معذرت میرے ذمہ باقی تھی۔ قرضہ ادا کر کے اب تمہارے آخری محبت نامہ کا جواب مختصراً دیتا ہوں اس لئے کہ رپورٹ کی تیاری میں ہم سب لوگ مشغول ہیں اور ملنے والوں کے ہجوم کے باعث اس کے لئے بھی وقت نہیں ملتا۔

حج و زیارت پر مبارکباد کا شکریہ قبول کرو۔ بھائی خدا کے گھر اور رسولِ خدا (روحی فداہ) کے مرقدِ منور کی زیارت کو جاتے وقت ہم میں سے گنہگار سے گنہگار بھی (جیسا کہ میں ہوں) نیت کو بخیر کرنے اور رکھنے کی کوشش کرتا ہے، میں نے بھی یہی کوشش کی۔ اب یہ کوشش کامیاب ہوئی یا ناکام رہی اسے وہی خدا جانتا ہے جو نیتوں کا پرکھنے والا ہے۔ اسلام اور خدا کے گھر اور رسولِ خدا کے مولد و مدفن کی بہتری کے لئے جو کچھ ہم کر سکتے تھے ہم نے کیا۔ جو کچھ وہاں دیکھا ہے اور جو جو اثر دل پر ہوا اس کو یہاں آکر بیان کر رہے ہیں اور وہ بھی آئندہ کام کے جاری رکھنے کی غرض سے۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت اتحاد و اتفاق ہے مگر اتحاد و اتفاق اسی وقت اچھا ہے جبکہ حق پر ہو، ورنہ باطل پر اتفاق تو نہایت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ جو کوششیں ہم سب مسلمانوں کو حق پر متحد کرنے کی کر رہے ہیں ان کو کامیاب کرے۔ ہم

اس کے داعیوں میں بھی۔ لیکن اگر مقصود وہی ہے جو بعض ہمارے پنجابی اور دیگر بھائیوں کا گذشتہ اجلاسِ خلافت کمیٹی منعقدہ ۱۴ر مارچ بمقام دہلی میں تھا، یعنی ترکِ موالات کو ہم سے ترک کرانا تو میں اس دعوت الی الشر میں شریک نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے داعیوں میں۔ ترکِ موالات کی مشکلات سے میں ناواقف نہیں لیکن دین اور اسلام کی راہ میں ان سے کہیں تکلیف دہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہم کو بھی کرنا پڑے گا۔ جو صاحب ۲۱-۱۹۲۰ء میں ہمارے ساتھ نہ تھے وہ آج بھی ہمارے ساتھ نہ ہوں تو کچھ تعجب کی بات نہیں لیکن جو صاحب اس وقت تارکِ موالات تھے وہ آج مشکلات سے گھبرا کر موالات کی طرف بڑھیں تو یہ ان کو مبارک ہو مگر میں تو اوس طرف قدم نہیں اٹھا سکتا۔ تبلیغ میرا دین و ایمان ہے۔ خلافت تنظیمِ مسلمانان کا نام ہے اور قیامِ امن کے لئے اس تنظیم کی ضرورت ہے۔ اسلام گوشہ نشینوں اور تسبیح ہلانے والوں کا مذہب نہیں ہے۔ سیاست بھی تنظیمِ مسلمانان کا ایک لازمی جزو ہے اور ہم کو ایک اسلامی سیاست کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا ہے جس میں غیر مسلموں کے ہر گروہ کے ساتھ ہمارا سیاسی تعلق صاف اور غیر مشتبہ نظر آ سکے۔ موجودہ ''کمزوری بلکہ بے حسی اور ناکارگی'' جس کا آپ نے ذکر فرمایا ہے اور جسے آپ دور کرنا چاہتے ہیں محض ''بدنظمی'' کے باعث نہیں ہے، بلکہ اس باعث ہے کہ ایک جماعت جس میں انگریزی پڑھے لکھے مسلمان اور علماء بھی زیادہ تعداد میں شامل ہیں ایسے ''نظم'' کو قائم کرانا چاہتے ہیں کہ جس میں ان کے نزدیک وہ مصیبتیں سہنا نہیں پڑیں گی جو ترکِ موالات میں ہم کو سہنا پڑتی ہیں۔ ''متفرق اور متضاد عناصر کا تصادم'' دور کرنا بہت اچھا ہے مگر یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ جو لوگ تارکِ موالات نہیں ہیں وہ بھی تارکِ موالات ہو جائیں۔ پھر تو نہ کوئی تفریق و تضاد باقی رہے گا اور نہ کوئی تصادم ہوگا یا کم از کم اس طرح ہو سکتا ہے کہ جو حضرات تارکِ موالات نہیں ہیں وہ صاف کہہ دیں کہ بھائی ہم ان تکالیف کے لئے تیار نہیں ہیں جو ترکِ موالات میں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ ہم اپنی جگہ پر رہ کر فلاں فلاں خدمت قوم کی کرلیں گے۔ جو تارکِ موالات ہیں وہ مصیبتیں جھیلیں اور اس دشوار گذار راہ سے گذریں، ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں لیکن اگر ''رخصت'' چاہنے والے نہ ''عزیمت'' والے بنیں، نہ اپنے آپ کو ''رخصت'' چاہنے والا سمجھیں، بلکہ منہ بند کر کے اپنے آپ کو ''نفسِ مطمئنہ'' والا کہنے لگیں، حالانکہ ہوں ''نفسِ امارہ'' کے پنجے میں اور اپنے آپ کو صاحبِ ''عزیمت'' سمجھ کر حقیقی صاحبانِ ''عزیمت'' کو ''رخصت'' بھی نہ دیں تو ایسی جماعت کی شرکت خطرہ سے خالی نہیں اور اس کی دعوت، دعوت الی الخیر نہیں بلکہ دعوت الی الشر ہے۔

بھائی نیرنگ! مجھ سے زیادہ میری کمزوریوں کو صرف خدا ہی جانتا ہے۔ میں نیکی کا دم نہیں بھرتا، پاکی کا دعویٰ نہیں کرتا، لیکن یہ جانتا ہوں کہ ایمان کی حفاظت میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ جب کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا ہوتا ہے اور بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے۔ میں اگر اپنے میں اتنی قوت نہیں دیکھتا کہ نیکی کی طرف لپکوں تو کم سے کم برائی کی طرف سرکنا بھی نہیں چاہتا اور بہتر یہی ہے کہ جہاں ہوں وہیں کی زمین پکڑ کر بیٹھ جاؤں۔ جن صاحبوں کی فہرست بطور داعیوں کے آپ نے ارسال کی ہے ان کو دعوت، مولانا ظفر علی خاں صاحب کی صدارت اور (معاف کرنا) پنجاب کا اس کانفرنس کی جائے وقوع قرار پانا یہ سب چیزیں مل کر ایک ایسا اجتماع پیدا کر دیتی ہیں جیسے پنجاب کے پانچوں دریا مل جائیں اور جہاں پایاب بھی ہوں وہاں بھی دھارا اس زور سے بہے کہ عبور کرنے والے

دعوتی خط آئے گا تاکہ داعیوں میں شریک ہو۔ جو کچھ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا تھا وہی آپ کی خدمت میں بھی عرض کرتا ہوں۔ میں مسلمانوں کی مختلف عناصر کی کانفرنس کو ہندو مسلمانوں کی اتحادی کانفرنس سے بھی زیادہ ضروری سمجھتا تھا اور خود مسلمانوں کی ایک یونٹی کانفرنس کو مختلف اقوام کی یونٹی کانفرنس سے پہلے منعقد ہونا چاہیئے تھا۔ اگر مہاتما جی نے ایک نہایت خطرناک برت نہ رکھ لیا ہوتا تو گذشتہ ستمبر کی یونٹی کانفرنس کا انعقاد بعد میں ہوا ہوتا اور مسلمانوں کی یونٹی کانفرنس کا انعقاد پہلے اور اس کے بعد بھی جب کنور عبدالوہاب خاں صاحب نے اس کی طرف مجھے متوجہ کیا تو میں نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور حکیم صاحب اور بھائی سے اس کا ذکر کیا، چنانچہ سب نے اتفاق کیا مگر کانگریس کے اجلاس سے پیشتر کوئی اجتماع ہونا مشکل نظر آیا۔ کانگریس سے واپسی پر بھائی نے اس کی تحریک مسلم لیگ کے جلسے میں کی اور بڑی مشکلوں سے کثرت رائے حاصل کر کے اپنی تحریک کو منظور کرا لیا۔ تاہم جیسا کہ تمام .... جماعتوں کا قاعدہ ہے اگر کوئی چیز ان خداوندوں کی مرضی کے خلاف کثرت رائے سے منظور بھی ہو گئی تو یہ لوگ عمل میں تساہل کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ چیز کھٹائی میں پڑ جاتی ہے اور تعمیل کا نام بھی نہیں آتا۔ مسلم لیگ نے آل پارٹیز کے اجتماع کے لئے ایک جلسہ ۲۲ر جنوری کو طلب کیا مگر باوجود بیرے کئی روپے کے تار کے شوکت صاحب کی اس تحریک کے مطابق مسلمانوں کے تمام فریقوں کا آج تک اجتماع نہ ہو سکا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ گذشتہ جون میں خلافت کمیٹی کا جلسہ دہلی میں ہوا تھا۔ اس موقع پر بھی مسلمانوں کے تمام فریقوں کو دعوت عام دی گئی تھی کہ قومی تنظیم کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے دہلی میں مجتمع ہوں۔ اس کے جواب میں بھی مسلم لیگ کے لوگ شریک نہ ہوئے اس لئے شوکت صاحب نے خیال کیا کہ بہتر ہوگا اگر بجائے خلافت کے یہ دعوت خود لیگ کی طرف سے دی جائے لیکن نتیجہ وہی ہوا کہ کوئی اجتماع آج تک نہ ہو سکا۔ مسلم لیگ کی کونسل اور مسلمانوں کا جو اجتماع جنوری گذشتہ میں یہاں ہوا تھا وہ صرف اسی غرض سے تھا کہ ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلم لیگ کے خداوند ہماری تائید حاصل کریں اور چونکہ ہم ان کے تمام خیالات سے متفق نہ تھے اس لئے یہ نہ ہوا لیکن پھر بھی ہمیں کو جھکنا پڑا اور مروت کے خیال سے ہم نے کہہ دیا کہ بہت اچھا، آپ اپنے مطالبات کو مسلمانوں کی طرف سے پیش کریں ہم آپ کو پورا موقع دیں گے کہ آپ ہندوؤں کو ان کے پورا کرنے پر راضی کر لیں، تاکہ کل کو یہ نہ ہو کہ آپ شکایت کریں کہ ہندو تو ہمارے مطالبات پورا کرنے پر راضی تھے مگر تمہاری مخالفت نے ان کو روک دیا۔ جناح صاحب اور ان کے ساتھیوں کو پورا موقع دیا گیا کہ وہ اپنے مطالبات پیش کر کے ہندو کو راضی کر لیں لیکن اس میں انہیں مطلق کامیابی نہ ہوئی اور اجتماع کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس کے بعد نہ لیگ کے سیکرٹری صاحب نے، نہ صدر صاحب نے اس ریزولیوشن پر توجہ کی جسے شوکت صاحب نے لیگ میں پیش کر کے منظور کرایا تھا اور مسلمانوں کی آل پارٹیز کانفرنس آج تک جمع نہ ہو سکی۔ الحمدللہ کہ آپ نے اس طرف توجہ فرمائی ہے مگر میں نہیں دیکھتا کہ داعیوں میں مختلف الخیال اور متفرق عناصر شامل ہیں۔ میں نے چھوٹتے ہی کنور صاحب سے پرسوں کہہ دیا تھا کہ اگر اس کانفرنس کا مقصود یہ ہے کہ مختلف الخیال لوگ ایک جگہ جمع ہوں اور فیصلہ کریں کہ مسلمانوں کا کاروبار کس طرح چلے اور کیا کیا عنصر کس کس طریقہ پر کس کس کام کو کرنے کے لئے تیار ہے اور اس پر اصرار کرنا مقصود نہیں ہے کہ ہم بھی ترک موالات چھوڑ کر موالاتیوں کے طریقوں پر چلنے لگیں تو میں کانفرنس میں بھی شریک ہو سکتا ہوں اور

یعنی ۱۹۲۱ء میں ہنود کو مہاتما گاندھی کی طرف مائل دیکھ کر یقین ہوا تھا کہ اس قوم کے بھی دن پھرے ہیں۔ آج انہیں پھر شاید بدبختی میں مبتلا پاتا ہوں لیکن انہی کے قدم بقدم چل کر مولوی مالوی اور منشی لاجپت رائے یعنی انہی دو ہندوؤں کی طرح کے مسلمان سرداروں کا اتباع کرنا نہیں چاہتا ؎

نہ پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے   ہم طرزِ جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

آپ کو یاد ہوگا کہ آپ ہی نے مجھے یہ راستہ بھوالی میں بتایا تھا اور فرمایا تھا کہ لڑائی ہندو مسلمان کی نہیں بلکہ مالویت اور گاندھیت کی ہے۔ میں گاندھیت کا ساتھ دے کر ہندوستان اور اسلام کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ ایک مسلمان کے لئے محض مالویت کی مخالفت کرنا اس کو ہنود میں تقویت پہنچانا ہے اور اس میں نہ اسلام کی بہتری ہے نہ ہندوستان کی اور نہ خود ہندوؤں کی۔ ممکن ہے کہ آپ کا خیال ہو کہ مہاتما گاندھی سے خود بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں۔ ایک حد تک میں اس خیال کی تائید کر سکتا ہوں لیکن گاندھی انسان ہیں فرشتے نہیں نہ خدا ہیں۔ ان پر ہنود کا اور بالخصوص ہنودِ پنجاب کا ایک عرصہ سے نرغہ رہا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے خود آپ سے سالِ گذشتہ میں مسلمانوں کی BRIEF مانگی تھی، مگر جس جس سے اس چیز کے لئے کہا گیا اس نے سوائے ہندو اخباروں کے پلندوں کے جو میرے سر پر کھینچ کر مارے گئے، مجھے مشکل ہی سے کوئی چیز بھیجی جس کو میں پڑھ کر مہاتما جی کے سامنے مسلمانوں کا CASE پیش کر سکتا یا جس کو مہاتما جی کو دے سکتا۔ ہم میں جوش زیادہ ہے مگر کام کا طریقہ ہم نہیں جانتے۔ نہ پتّہ مارنا ہم کو آتا ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی مہاتما جی نے مسلمانوں کے CASE کے متعلق سنا ہے وہ زیادہ تر مجھی سے یا میری ہی معرفت سنا ہے۔ اگر مسلمانوں کی بے صبری، اشتعال پذیری اور پھر صحیح طریقۂ کار سے ناواقفیت کے باعث مہاتما گاندھی کے دل پر جو ہندو ہیں اور ہندو رسم و رواج اور طریق بود و ماند کا پیدائش سے لے کر اس وقت تک بہت کچھ اثر پڑا ہے، اثر ہوا اور انہوں نے مسلمانوں کے متعلق ایک حد تک غلط فیصلہ کیا تو زیادہ تعجب کی بات نہیں۔ ان کے خیالات کی اصلاح کرنا اب بھی ہمارا فرض ہے۔ لیکن اس کے لئے وہ سوقیانہ طریقہ ہرگز مفید نہیں ہو سکتا جس کو حضرت مولانا ظفر الملت والدین ظفر علی خاں صاحب نے اختیار کیا ہے۔ بھائی نیرنگ صاحب! افسوس ہے کہ مسلمان پھر اسی طریقہ پر چلنے لگے ہیں جو ابتداً انہوں نے اختیار کیا تھا ؎

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں

مجھے معاف کیجئے یہ خط بہت طویل ہو گیا اور جیسا کہ دنیا کا کتّا میں ہوں اسی طرح کا یہ میرا خط ہو گیا۔ اس میں رشک ہے، حسد ہے، غیبت ہے، اپنی لفاظی ہے، خود ستائی ہے لیکن کیا کروں جیسا میں ہوں ویسا ہی اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہوں۔ ایک فاسق و فاجر ہوں اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہوں کہ جو کچھ میرے دل میں ہے اس کو ظاہر کر دوں کم سے کم ایک جرم کا ارتکاب تو اب تک نہیں کیا ہے یعنی تقدس کا دعویٰ نہیں کرتا اور سجدۂ ریائی سے زمین کو بھی گندہ اور ناپاک نہیں کرتا۔

جو کچھ میرے دل میں تھا وہ سب کہہ گذرا۔ اب اس سے زیادہ کیا لکھوں اگر ایسا شخص آپ کے کسی کام کا ہو تو حاضر ہوں ورنہ معذور رہوں۔

محمد علی

کے پاؤں اُکھڑ جائیں اور دریا کی رَو کے ساتھ بہنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آئے۔ اس دھار کی تیزی میں آج بہنا کل سے ڈوبنے کا پیش خیمہ ہے۔ میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ صحیح معنوں میں شاعر ہیں، آپ کے دل میں مذہب اور قوم کا عشق ہے، آپ کیوں اُن "سوداگروں" کے ساتھ اس سیاسی مول تول میں شریک ہوتے ہیں، اگر آپ کو میں انہی جیسا سمجھتا تو ہرگز یہ کچھ نہ لکھتا جو لکھ رہا ہوں۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

آپ دیکھتے ہیں کہ ایک طرف میں علماء سے دست و گریباں ہونے کے لئے تیار ہوں، لیکن دوسری طرف مصطفےٰ کمال پاشا اور عصمت پاشا کی الغائے خلافت اور SECULAR STATE کا قائل نہیں۔ افراط و تفریط دونوں سے بچنا چاہتا ہوں۔ کنور عبدالوہاب خاں صاحب مجھ سے بھی زیادہ تیکھے جوان ہیں۔ میں شیخ ہوں گو "رام پور افغاناں" میں پیدائش اور عرصہ تک سکونت کے باعث کبھی کبھی "پٹھن ولی" پر اتر آتا ہوں لیکن پھر بھی شیخ ہوں، جب ذرا جوش کم ہوتا ہے اور عقل پھر ہدایت کرنے لگتی ہے تو مونچھیں نیچی کر لیتا ہوں۔ کنور صاحب اب تک راجپوت ہیں۔ وہ زود خشم ہیں اور الدالخصام کو چھوڑ کر جھٹ جھیتوں پر غصہ اتارنے لگتے ہیں مگر ماشاء اللہ آپ جوش اسلامی کے ساتھ عقل کا بھی وافر حصہ رکھتے ہیں اور خود شاعر ہیں۔ ایک قرآن کریم کی اس آیت کریمہ پر غور فرمائیے کہ "ولتسمعن من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا و ان تصبروا وتتقوا فان ذالک من عزم الامور" (آل عمران آخر سے) جس صبر کو وہ میری کمزوری سمجھتے ہیں وہ میرے نزدیک عزم امور ہے۔ پھر غالب کے اس شعر پر غور کیجئے

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ

کنور عبدالوہاب خاں صاحب سمجھتے ہیں کہ مجھے پیاس نہیں لگی۔ مگر میرے مذہب میں شراب نہ بھی ملے تب بھی پانی پینا حرام ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ میں ہنود سے مرعوب ہوں اور ان کی خوشامد کرتا ہوں حالانکہ مجھ ہی بدبخت کے یہ شعر ہیں ؎

فرشتوں نے کیا ہے ان کو سجدہ
نہیں اے بُت یہ بندے تیرے بس کے

جوہر اور صاحبداراں کی خوشامد کیا خوب
عرش و کرسی پہ گذر ہے ترے درباری کی

اب کی بار آئے تھے تو فرماتے تھے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اسلام کی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ انگریزوں سے بغض کی وجہ سے۔ خیر یہی سہی لیکن ع مرے بت خانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو۔ میری استواری کی ذرا بھی داد نہ دی اور معتقد بھی ہوئے تو انہی شہیدانِ امتحانی کے جن میں سے ایک یعنی فرہاد کے متعلق غالب کہہ گذرے ہیں ؎

دلم بر رنج نابرداری فرہاد می لرزد
خداوندا بیامرزاں شہید امتحانی را

کنور صاحب بھول گئے کہ اب بھی دفعہ ۱۲۴ الف کا وار دفعہ ۱۵۳ الف کے وار سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور زیادہ کثرت سے اور بالخصوص آجکل تو دفعہ ۱۵۳ الف کی سزا حکومت کا مقرب بارگاہ بناتی ہے نہ کہ زندانی۔ خیر اب یہ دکھڑا کہاں تک روؤں میں تو آج بھی اپنے کو اسی جگہ پاتا ہوں جہاں ۱۹۲۰ء میں تھا۔ ہنود میں غلامی ہم سے زیادہ سرایت کر گئی ہے اسی باعث وہ مالوی اور لاجپت رائے کے ساتھیوں میں پھر ہو گئے ہیں۔ اگر میں نے رائے بدلی ہے تو صرف اسی قدر جتنے کہ واقعات بدلے ہیں،

اس لئے ٹھہرنا چاہتا ہوں کہ تمہیں زیادہ باتیں نہ کہنے دوں (حالانکہ ان کو علم تھا اور خود بھی چاہتے تھے کہ زیادہ باتیں اور صاف صاف باتیں ہوں) غریب وزیر ہند نے وعدہ کیا کہ اب دس منٹ اور لے گا اور ڈاکٹر کے حکم کے خلاف مجھے تھکائے گا نہیں۔ پھر بھی کوئی آدھ گھنٹے اور ٹھہرا اور پہلے بھی تقریباً آدھ گھنٹے باتیں ہو چکی تھیں۔ اس طرح گھنٹہ بھر اب ملا۔ کوئی پندرہ منٹ نواب احمد سعید خاں کے ہوٹل میں اسی طرح کی باتیں ہوئی تھیں۔ مجھ سے اعتراف کیا کہ طرح طرح کے لوگوں سے ملا ہوں، کسی وزیر ہند نے اتنے مختلف الخیال لوگوں سے گفت و شنید نہیں کی، مگر تم نے جو باتیں بتائیں وہ تو عجیب و غریب ہیں۔ پیچیدہ ترین مسائل پر جو سمجھ ہی میں نہیں آتے تھے آج ایک روشنی کا سیلاب ٹوٹ پڑا۔ اسی طرح اخبار اسپیکٹیٹر (SPECTATOR) کے اڈیٹر سے دو گھنٹے باتیں ہوئیں اور اس پر پورا پورا اثر پڑا۔ اسی طرح ٹائمز کے ایک فارن اڈیٹر پر جس کے متعلق ہندوستان اور اسلامی ممالک پر مضامین لکھنا اور لکھوانا ہے، اس سے ڈیڑھ گھنٹے تک یعنی ساڑھے دس سے شب کے بارہ بجے تک ٹیلیفون پر گفتگو ہو چکی تھی اور خود ہی اس نے ملنے کے لئے آنے کی درخواست کی۔ سوا گھنٹہ اس سے ترکی وغیرہ اور نجد اور یمن اور آخر میں ہندوستان کے متعلق گفتگو ہوئی۔ یہ بھی گرویدہ ہو کر گیا ہے اور دونوں اخباروں میں خود اڈیٹروں کے مضمون ان خیالات کے جو میں نے ان پر ظاہر کئے، شائع ہوں گے۔ اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ یہ خط حیات کو بھوپال پڑھنے کے لئے بھیج دو۔ مجھ میں اتنی جان نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ سے چند سطریں بھی لکھ سکوں۔ پلنگ پر نہ لکھ گیا تو میز کرسی پر دس دن میں پہلی بار خط لکھا۔ دوسرے خط سیکرٹری ٹائپ کرتی ہے۔ حیات سے کہنا کہ وہی MISS MANTON یا اب MRS. KELLEY سیکرٹری ہیں، مگر مجھے خوف ہے کہ میں ان کی تنخواہ کا جو دی ہے، دیر تک متحمل نہ ہو سکوں گا۔ کام کی جگہ سے دوری نے مجبور کر کے مسز ماکنڈی کے مکان سے جہاں ۶ گنی ہفتہ دینا پڑتا تھا یہاں بھجوایا ہے جہاں تقریباً بیس پونڈ ہفتہ کا بل آیا ہے اور وہ بھی رعایتی، مگر ڈاکٹروں کا قرب ہے، کام کا قرب ہے، گلنار و شعیب اور شوکت بھائی اور زاہد کا قرب ہے اور غالباً اب موٹر کار رکھنا بھی بند کر دوں اور ٹیکسی پر گذر کر سکوں۔ ہفتہ وار نہ سہی تو دو ہفتے میں ایک بار تو تم براہِ راست چند سطور ہی مجھے لکھ سکتے تھے۔ اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو پھر پرانا سلسلہ بند۔ یوں بھی میں چند دن کا مہمان ہوں۔ یہ کہنا کہ فرصت نہیں ملتی، پیسہ نہ ہونے کے باعث بہت پریشان تھے وغیرہ وغیرہ بے کار کے عذرات ہوں گے اور بدتر از گناہ۔ تم گپ بازی اور سیر سپاٹے کے عاشق ہو، کام سے وقت ملا تو اس میں صرف کیا، بھلا ایک دو درافتادہ مریض کو دو سطریں لکھنے کے لئے وقت کس طرح ملتا۔

ہاں اتنا اور لکھ دیتا ہوں کہ نہ ہندو لیڈر قابلیت کا ثبوت دے رہے ہیں اور نہ مسلمان۔ سب سے زیادہ اہم کمیٹی وہ ہے جو ترکیبی حکومت کا ڈھانچہ تیار کر رہی ہے اور اس میں اس قدر وقت ان کی بدلیاقتی اور عدم تدبر سے ضائع ہو رہا ہے کہ خدا کی پناہ۔ مگر باوجود میرے پہلے سے کہلانے کے آغا خاں، شفیع اور جناح نے اس میں میرا نام نہیں رکھا حالانکہ پہلی کمیٹی میں صرف میری موجودگی جلسہ کے باعث میرا نام تھا اور اس پر

(۱۰)

بنام مولوی عرفان صاحب

ہائیڈ پارک ہوٹل لنڈن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم عرفان!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ - میں تم سے سخت ناراض ہوں اور جو کچھ اثر تم نے میرے دل و دماغ پر پہلی رہ کر قائم کر لیا تھا وہ تمہارے لکھنؤ کے قیام میں بتدریج زائل ہوتا جاتا ہے - تم نے مجھے خطوط لکھنا کیوں بند کر دیا؟ بھوپال آنے میں اس قدر تساہل کیوں؟ کیا سبب میں تپ گو رہتا تھا اور اب جب کہ تم کو اخبارات تک سے معلوم ہو گیا کہ میں پیرس میں موت کے منہ میں پڑا تھا تب بھی تم نے دو سطریں لکھ کر عیادت اور مزاج پرسی تک نہ کی۔ لطف یہ ہے کہ میری علالت تک کے حالات جو اخبارات میں چھپے تھے وہ آپ کے اڈیٹر صاحب نے خود بقول آپ کے گما دئے اور آپ نے اس کو ایک معمولی چیز سمجھا۔ میں نے پیرس میں جو تکلیف اٹھائی وہ ساری عمر کبھی نہ اٹھائی تھی اور حالانکہ بھائی صاحب اور بھتیجے صاحب اور داماد صاحب موجود تھے، ایک دکھیا بیوی کا دم تھا کہ اکیلی تیمارداری کر رہی تھی اور ایک ڈاکٹر بہت وہ بھی کو خدا زندہ و سلامت رکھے اور بامراد کرے کہ وہ غریب صبح کو اپنے کارخانہ جانے سے پیشتر دیکھ بھال کے جاتا تھا اور میرے کام کرتا تھا اور رات کو تھکا ہارا آتا تھا تب بھی گھنٹہ بھر میری دیکھ بھال کرتا تھا۔ اسپیشلسٹوں کو بھی وہی ڈھونڈھتا تھا اور لاتا تھا اور ان کو تمام معلومات میری علالت کے متعلق بہم پہنچاتا تھا، ان کی ہدایات مجھے سمجھاتا تھا اور دوائیں وغیرہ خرید کر لاتا تھا بلکہ عمل تک اپنے ہاتھ سے تیار کیا کرتا تھا - جب سے یہاں آیا ہوں دو بار صاحب فراش ہو چکا ہوں، ایک بار تین دن کے لئے ۱۴، ۱۵ اور ۱۶ نومبر کو اور اب ۲۵ نومبر سے صاحبِ فراش ہوں - بیچ میں بھی اپنی تقریر کرنے کے بعد سخت تکلیف اٹھائی اور شب کے بارہ تک درد قلنج میں مبتلا رہا اور ڈیڑھ دن گھر سے نہ نکلا - لیکن اب تو نکلنا چاہوں بھی تو نہیں نکل سکتا - دل کی خرابی کے باعث دورانِ خون ٹھیک نہیں ہے، اس لئے نیچے کا سارا جسم سخت ورم میں مبتلا ہے - دمے والوں کی طرح شب کو سانس چلتی ہے، اس لئے لیٹ بھی نہیں سکتا، ۲۴ گھنٹہ پلنگ پر برابر بیٹھا رہنا پڑتا ہے۔

مگر اس پر بھی وہ کام کر رہا ہوں جو نہ کسی سے ہو سکتا ہے نہ کوئی کرتا ہے - با اثر لوگوں پر گفتگو سے اثر ڈالتا ہوں، ٹیلیفون پر رات دن گھنٹوں باتیں ہوا کرتی ہیں خواہ ٹائمز کا فارن اڈیٹر ہو یا مسٹر برنارڈ شا، اور ایسے لوگوں کو اپنے سونے کے کمرہ میں بلا بھی بھیجتا ہوں اور گھنٹوں ان سے باتیں ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ وزیر ہند نے نہایت شرافت سے خود ہی دو بار یہاں آنے پر اصرار کیا اور بالآخر جب میں بالکل مجبور و معذور تھا تو گذشتہ چہار شنبہ ۲۶ نومبر کو جس وقت میں اس ہوٹل میں آ گیا ان کو بھی بلا لیا۔ وہ تو گھنٹوں باتیں ہوتیں، مگر شوکت صاحب آ گئے اور میں نے ان کو نکالا تو کہنے لگے میں

مولانا شوکت علی

کیمپ بہرائچ ۲۳ر ستمبر ۱۸۹۶ء　　　　(۱)

قبلہ و کعبہ

آپ کے دونوں خط مجھ کو ملے۔ دیر سے جواب دینے کی معافی چاہتا ہوں۔ میں اس عرصہ میں برابر سفر کرتا رہا اور نہایت درجہ کام میں گھرا ہوا تھا۔ افسوس کہ میں کسی طرح سلطان پور حاضر نہیں ہو سکتا کاشتکاروں کو روپیہ تقسیم کر رہا ہوں اور اس ماہ کے آخر تک برابر کرتا رہوں گا۔ انشاء اللہ اکتوبر میں علی گڈھ حاضر ہوں گا۔ سلطان پور اور فیض آباد میں ایک شخص کو بھی نہیں جانتا مگر انشاء اللہ جس وقت موقع ملا راجہ صاحب اوتر ولہ سے کالج کے لئے روپیہ دلواؤں گا۔ اس کے بارے میں آپ کو بعد میں لکھوں گا خدا کرے آپ سلطان پور میں کامیاب ہوں۔ ڈیوٹی کے لئے میں برابر کوشش کر رہا ہوں اور خدا سے امید ہے کہ قریب..۵ کے اور وصول ہو جائے گا۔ آپ عبدالحلیم سے کہہ دیجئے گا۔ غالباً وہ بھی سلطانپور میں ہوں گے۔ جو چھوٹے چندے آپ کے آنے کے وقت بڑھے گئے تھے وہ ابھی میں نے وصول نہیں کئے۔ اون کا وصول ہونا آسان ہے مگر اول... ۱۰۰۰ راجہ صاحب نانپارہ سے مل جانا چاہیئے۔ مسٹر حامد علی خان سے بہرائچ ملا تھا اونہوں نے کہا کہ جس وقت عمارت کی بنیاد رکھی جاوے اوسی وقت روپیہ حاضر ہے۔ اس بات پر خوب غور فرمایئے گا کہ بنیاد رکھنے کی رسم کس طور پر ادا کی جاوے گی۔ راجہ صاحب نانپارہ خوشی سے علی گڈھ آنا پسند کریں گے مگر جلسہ ذرا پُر تکلف ہو۔ آئندہ کی مدد کی بڑی امید ہے۔ بڑودہ اور بھوپال میں کامیابی پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ مجھے اپنے چھوٹے بھائی مسٹر محمد علی سے بڑی امیدیں ہیں۔ خدا کو منظور ہے تو کچھ سال کے بعد وہ قوم اور کالج کا نام روشن کریں گے۔ اگرچہ اون سے سختی اور بے رخی سے برتاؤ کیا گیا مگر ہماری کالج کی محبت ایسی نہیں ہے کہ وہ غیر لوگوں کی بے توجہی سے کم ہو جائے۔

امید ہے کہ آپ تندرست اور اچھے ہوں گے۔[۱]

آپ کا فرمانبردار
شوکت علی

---

[۱] غالباً یہ خط سر سید مرحوم کے نام ہے۔

آغا خاں کے ذریعے سے مجھے کہلوایا گیا کہ تمہاری صحت اس کی متحمل نہ ہو سکے گی۔ جب وہ کمیٹی اتنی عریض و طویل ہو گئی کہ سب کو اس میں داخل کرنا پڑا تو اب مختلف کمیٹیاں ہر بحث کے لئے بن رہی ہیں۔ اب تک ایک میں میرا نام نہیں ہے۔ میں نے آغا خاں کو صاف صاف ٹیلیفون پر سنائیں اور ممکن ہے کہ خود ہندوؤں کی درخواست پر میرا نام بڑھا دیا جائے۔ البتہ ہندو مسلم کمیٹی میں ضرور میرا نام ہو گا۔ اس معاملے میں شوکت صاحب نے میری غیر حاضری میں حسبِ معمول ڈھیل کی اور سب بدمعاشوں پر اعتماد کیا اور شفیع داؤدی کی طرح ہر ایک کے ساتھ مل کر کام کرنے کے ذوق میں تدبر سے کام نہ لیا اور ہر ایک ان کو آلۂ کار بنانا چاہتا ہے، ان کو صلاح کار و مشیر کوئی نہیں بناتا۔ وہ لوگ خود صلاح کار و مشیر اور مختار عام بن بیٹھے ہیں۔ میں نے آ کر ایک دو بار کھڑکھڑایا تو آنکھیں کھلیں اور ابھی اور ان شاء اللہ کھولوں گا۔ اچھا اب رخصت۔

تمہارا اور تم سے بیزار

محمد علی

سے بھی بعض ایسی باتیں سُنیں جن سے مجھ کو رنج ہوا ہے۔ جو کام کرتا ہوں اپنے دل کی خوشی اور خدا کی رضا جوئی کے لئے کرتا ہوں اور بہت ہوشیاری سے کرتا ہوں تاکہ میری ذات سے اسلام کو اور وطن اور کسی شخص کو نقصان نہ پہنچے مگر اس سے بچنا محال ہے اس لئے غلطیاں ہوتی ہیں مگر میں غرض اور ذاتی منفعت کے لحاظ سے ان کا مرتکب نہیں ہوتا ہوں۔ میں مسلمانوں کے آپس کے اتحاد کا حامی تھا، ہوں اور رہوں گا مگر ایسا اتحاد نہیں جو ان کو نقصان پہنچائے۔ میں اپنے اندرونی معاملات کا تصفیہ کسی انگریزی حاکم کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتا اور میں صاف عرض کروں گا کہ مجھ کو سر فضل حسین[1] پر اعتبار نہیں ہے اور نہ میں ان کو اتنا قابل آدمی سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ ان کے ہاتھ میں چھوڑ دوں۔ انہوں نے یہی نہیں کہ ہندوستان کے مسلمان کے واسطے کچھ نہیں کیا بلکہ پنجاب کے مسلمانوں تک کو سکھوں کے مقابلے کے لئے بھی تیار نہیں کیا۔ ہاں اپنی پارٹی بنائی اور اپنے حاشیہ نشینوں کو فائدہ پہنچایا۔ وہ زبردست اور بہت تجربہ کار اور گہرے کام کرنے والے ہیں مگر مسلمانوں کی قوم کا مستقبل ان کے سپرد نہیں کیا جاسکتا۔ وہ آسانی سے اپنے اثر سے مسلمانوں میں تفرقہ ڈلوا سکتے ہیں اور [illegible] جب جیسے آج ہوا، کو اس قدر ہمت دلائیں کہ وہ غریب محمد علی کی روح کو بھی صدمہ پہنچائیں مگر مسلمان اس کو پسند نہیں کریں گے۔ میں "سیاست" کا جواب نہیں دوں گا مگر ان کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کے دلوں میں محمد علی کی کس قدر محبت اور وقعت ہے۔ یہ خط اقبال کو دکھا دیجئے گا۔ میں دو دن میں بنگلور و مدراس کے دورہ پر جاؤں گا۔ اب اچھا ہوں۔ سالک صاحب کو سلام!

آپ کا بھائی

شوکت علی (خادم کعبہ) بمبئی ۷ر جولائی ۱۹۳۱ء

---

(۴)

بنام مہر صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

برادرم مہر!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ میں نے آج آپ کو ایک تار بھیجا ہے جس کی نقل ہمراہ ہذا منسلک ہے۔ میاں جعفر شاہ کو بھی آگے لانے کی ضرورت تھی اور ان کو یو پی کانفرنس کی صدارت کے لئے انتخاب کیا تھا مگر وہ صوبات علاقہ میں دورہ کر رہے ہیں خدا معلوم آ بھی سکیں گے یا نہیں۔ مجھ کو امید ہے کہ وقت کی نزاکت کا خیال کرکے آپ اس بار کو اپنے ذمہ لے لیں اور اجمیر شریف ۲۴ ستمبر کی شام یا ۲۵ کی صبح کو ضرور پہنچ جائیے اور اپنی قبولیت کا مجھے تار دیجئے۔

---

[1] یہ شبہ صحیح نہ تھا کہ سر فضل حسین مرحوم انگریز حاکموں کے ایماء سے سب کچھ کر رہے تھے لیکن چونکہ وہ انگریزی حکومت کے رکن سمجھے جاتے تھے ان کی تجاویز و تدابیر کے متعلق اس قسم کے شبہات عام تھے۔

(۲)

بنام مہر صاحب

ضروری

برادرم! السلام علیکم۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس نام نہاد خلافت کمیٹی، پنجاب نے آپ دونوں¹ کا نام ہی نکال دیا ہے
صوبہ انبالہ سے نذیر گرگٹ² صاحب کا نام ہے نہ ثناء اللہ³ صاحب کا اور نہ صوفی⁴ صاحب کا۔ کب تک ان کی لغویتوں کو ہم خاموشی
سے دیکھتے رہ گئے؟ یہاں مسلمانوں میں از حد جوش ہے اور کام کے لئے تیار ہیں۔ یہ وقت ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے اور تمام مسلمانوں کو
ایک جھنڈے کے نیچے جمع کر کے ہر شعبہ میں لگا دینا چاہئے تاکہ دس برس میں ہماری حالت درست ہو جائے۔ مقابلہ سخت کرنا
پڑے گا مگر خدا ہماری مدد کرے گا۔ آپ اور برادرم سالک کو ضرور آنا ہو گا۔ ۲۴ تک آپ آ جائیے۔ دفتر کے اور لوگ کام کو [illegible]
اخبار آپ یہاں سے یہ حالات ان کو بھیجتے رہئے۔ ۱۵ دسمبر کے اخبار میں جلد ۳ نمبر ۱۴۹ میں میرے تار کا غلط ترجمہ شائع ہوا
ہمارے [illegible] کے لئے مولانا محمد علی کا انتخاب ہوا ہے۔ مجھ کو تو عظیم الشان جلوس مفت میں ہندوؤں کی بدتمیزی کی وجہ سے مل گیا
اب ۲۰ دسمبر کو محمد علی آ رہے ہیں۔ لوگ بعض جلوسوں سے جلوس نکالیں گے۔ مہربانی فرما کر اخبار میں تصحیح فرما دیجئے گا۔ میں [illegible] بھی
کیا ہوں گا آپ ضرور آیئے اور احباب کو ہمراہ لایئے۔ پنجاب میں ہم کو اب کام کرنا ہو گا۔ خدارا ان حضرات سے آزادی دلوا دیجئے۔
اب تو یہ ہم زندوں کے نام ہو کر رہنا چاہتے ہیں۔

آپ کا

شوکت علی (خادم کعبہ) کلکتہ ۱۹ دسمبر ۱۹۲۸ء

(۳)

بنام مہر صاحب

برادرم مہر! السلام علیکم! افسوس کہ آپ شملہ میں نہ تھے۔ تکلیف دہ منظر تھا۔ ایک طرف تو کانگریسی مسلمان گاندھی اور ہندوؤں
کا کھلونا بنے ہوئے تھے۔ دوسری طرف ایک "ہاں" فضل حسین¹ اور انگریزی حکام کے منشاء کے مطابق ناچ رہا تھا اور ہر طرف
بدگمانی اور شکوک کی فضا تھی۔ [illegible] ہمارے مہربان سید حبیب² خوب لطف لے کر دلچسپی [illegible]
اپنی [illegible] اعلان بھی کر دیا اور چلتے چلتے محمد علی مرحوم پر بھی ہاتھ صاف کر دیا [illegible]
ان کو پروا نہیں کہ شوکت علی [illegible] تھا۔ آپ نے "سیاست" دوسری جولائی کا دیکھا [illegible] کو دعا دیجئے گا۔ ان کی زبان

---

¹ دونوں سے مراد مہر صاحب اور سالک [illegible] ² میر غلام بھیک نیرنگ مرحوم ³ مولانا ثناء اللہ امرتسری [illegible] پانی پتی [illegible]
[illegible] ایک مسجد میں مسلمان [illegible] کے لئے قرآن مجید کی تدریس [illegible]
[illegible] دور ترک موالات کے ایک ممتاز کارکن تھے۔ قید بھی کاٹی۔ مدت ہوئی ان کا انتقال ہو چکا ہے۔
[illegible] اس زمانے میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے۔ ² سید حبیب شاہ مرحوم ایڈیٹر روزنامہ "سیاست"

[illegible]

سرکشن پرشاد

(۱)

بنام عماد الملک

جناب من شاد نواز

آج مولوی محمد علی صاحب[1] صوبہ دار ورنگل سے خبر وحشت اثر انتقال پر ملال آپ کے نور نظر لخت جگر سید محمد ہاشم بلگرامی[2] کی مسموع ہوئی جو میرے قدیم رفیق شفیق اور اسکول فلو تھے۔ بمجرد استماع شادؔ کے داغ کھائے ہوئے دلِ ناشاد پر جو کچھ اثر پڑا اس کے اظہار کے لئے الفاظ کا میسر آنا ایک طرح کا مبالغہ ہے۔ چہ جائیکہ آپ کے قلبی اثرات کا اندازہ وہ تو سوائے علام الغیوب کے کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

اگرچہ اس داغ کے لئے کسی وقت کسی زمانہ کی تخصیص اور قید نہیں۔ تاہم ایک نوجوان ہونہار لائق فائق اولاد کا صدمۂ مفارقت وہ بھی اس سن و سال میں۔ (اللہ آپ کو دیر گاہ رکھے) بیساختہ امیر انیسؔ مرحوم کا قول یاد دلاتا ہے

کیوں کر نبھے جہاں میں پیر و جواں کا ساتھ
پیر و جواں کا ساتھ ہے تیر و کماں کا ساتھ

شادؔ

فانی بیٹھ حیدرآباد۔ ۳۱ر جنوری ۱۹۱۷ء

(۲)

بنام نصیر حسین خاں خیالؔ

مائی ڈیر خیالؔ صاحب۔

میں نہایت نادم ہوں کہ آپ کے خط کا جواب بہت دیر سے ادا کر رہا ہوں۔ اس کی وجہ بجز اپنی علالت طبع کے اور خط کے دیر سے پہنچنے کے اور کیا ہو سکتے ہیں۔ جب سے کرمن گھٹ آیا ہوں اکثر احباب کے خط پہلی چوتھے پانچویں پہنچتے ہیں۔ الغرض میں آپ سے نہایت شرمندگی کے ساتھ معافی چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میرے تاخیر جواب کا کوئی مخالف اثر خیالِ خیال محب میں کوئی انقلاب پیدا نہیں کرے گا

الحمد للہ اب ڈائریا سے نجات ملی ہے لیکن کمزوری ہے۔ غالباً کسی روز آپ سے دو چار روز میں ملنا ہوگا۔ آپ

---

[1] محمد علی محمود نواز جنگ بعد کو حیدرآباد میں انسپکٹر جنرل پولیس تھے۔

[2] عماد الملک کے یہ فرزند ہاشم بلگرامی حیدرآباد ہائی کورٹ میں جج تھے۔

یک طرف ہندوستان کے انگریزوں کی چالبازی اور بے اتفاقی دوسری طرف ہندوؤں کی شرارت۔ ہماری طرف سے کسی کمزوری کا ظاہر ہونا ہلاکت کے ہم معنی ہے۔ گاندھی کی اس نئی حرکت اور غریب اچھوتوں کو دھمکی نے ان کا اور کانگریس کا سارا پول کھول دیا[1]۔ ہندو قوم میں اندھا دھند تقلید کا مادہ موجود ہے۔ اندیشہ ہے کہ اگر ہماری طرف سے مسلمانوں کے لئے صاف اور مردانہ ہدایات نہ دی گئیں تو ان کو ہمت پڑے گی کہ مسلمانوں کے خلاف بھی اس دھمکی کو کام میں لائیں۔ آپ پر سب باتیں روشن ہیں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کاش ڈاکٹر اقبال صاحب بھی آپ کے ہمراہ آسکتے تو بہت اچھا ہوتا۔ میں آپ کے تار کا منتظر ہوں۔ خدا کرے آپ بخیریت ہوں[2]

آپ کا پریشان بھائی

شوکت علی (خادم کعبہ) بمبئی ۱۶ ستمبر ۱۹۳۲ء

---

[1] اس فقرے میں اشارہ غالباً اس طرف ہے کہ گاندھی جی نے فرقہ وار فیصلے میں اچھوتوں کو الگ نیابت دیئے جانے پر مرن برت کا اعلان کر دیا تھا۔

[2] مولانا شوکت علی مرحوم کا ایک خاص اور نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ اپنے ہر نیاز مند کو آگے بڑھانے کی کوشش انتہائی فراخ دلی سے کیا کرتے تھے میاں جعفر شاہ پھلواری کانفرنس کی صدارت کے لئے نہ پہنچ سکے تو صدارت کے لئے میرا نام تجویز فرما دیا۔ مجھے بھی خاص مشغولیتوں کے پیش نظر معذرت کرنی پڑی!

بنام نصیر حسین خیالؔ (۴)

حضرت خیالؔ شاد نواز دام محبتہ

بعد انتظار بسیار آپ کا مؤدت نامہ پہنچا۔ ممنون ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھے اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے بھی بصد شادمانی پھولے پھلے رہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اطمینان خاطر کے ساتھ شاد کو محبت نامہ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ سفر یورپ کے التوا کی خبر نے شاد کے حال کو خوش تو کیا تھا مگر اس کے ساتھ ہی پھر آپ کا قصد بدستور معلوم کرکے افسوس ہوتا ہے۔ اگرچہ اب بھی دور ہیں لیکن ہندستان میں رہ کر جب چاہیں حیدرآباد آسکتے ہیں۔ البتہ یورپ سے حیدرآباد آنا معنی دارد۔ اگر مستقل ارادہ ہے تو بسلامت روی و بازآئی۔ آپ کے حیدرآباد سے رخصت ہونے کے بعد بہت سی چہ میگوئیاں ہوئیں۔ بلکہ اب تک جتنی زبانیں ہیں اتنی ہی باتیں مشہور ہو جاتی ہیں۔ الغرض دنیا بھی عجب تماشا گاہ ہے۔ اسی تماشا بینی میں عمر ختم ہوتی جاتی ہے۔ جن میں فطرتاً اللہ تعالیٰ نے تجسس اور تفکر کا مادہ دیا ہے۔ اور ہمائے فکر جدا ارتقا تک پرواز کرجاتا ہے۔ ویسے معدودے چند ہیں۔ شادؔ آپ کا دعا گو الحمدللہ مع عیال و اطفال خیریت سے ہے مگر اطمینان قلب میسر نہیں بلکہ روزمرہ انکارات میں ترقی ہے۔ مگر کیا کیا جائے بجز صبر و شکر کے چارہ نہیں۔ یہاں کے حالات بدستور ہیں۔ اگرچہ آپ کی روزانہ یہاں بھی ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ شادؔ ترستا تھا۔ لیکن آپ کا خلوص اور جذب محبت کا اثر ممنون منت بنا رکھا تھا۔

افسوس کہ آپ دکن سے جدا ہوئے۔ فقیر شادؔ کی نسبت آپ کا حسن ظن قابل تشکر و امتنان ہے۔ غالباً ولایت میں آپ سے سالار جنگ بہادر سے ضرور ملاقات ہوگی۔ شادؔ کی جانب سے دعا و سلام پہنچا کر شاد کو ممنون فرمانا۔ فاللہ خیراً حافظا۔ فقط

۱۳ر اگست سنہ ۱۹۲۰ء شادؔ

بنام عماد الملک (۵)

شاد نواز حضرت من

. . . .

صاحب موصوف نے ایک رسالہ موسوم بہ رسائل عماد الملک تحفتاً جناب کی جانب سے پہنچایا جس کے دیکھنے سے آنکھوں میں نور اور دل میں وجدانی کیفیت سے سرور کا نقشہ سمایا۔ اگرچہ بظاہر چند اوراق کی ایک کتاب ہے جس میں (۲۷) حروف کا ایک بسیط و دلفریب مرقع خانہ ہے۔ مگر ہر ایک شاہدانہ رعنائی و زیبائی سے جلوہ آرا ہے۔ الفاظ کی اجتماعی ہیئت سے فقروں نے جو حسن ترتیب پایا ہے پریزادان معانی کی مجلس کا عکس ہوش غارتگری کر رہا ہے۔ اگر محققانہ نظر سے دیکھا جائے تو علم و فضل کا ایک خزانہ ہے۔ جس میں اس ملک اور دوسرے ممالک کے صاحب نظروں کے لئے جواہر بے بہا ہیں۔

شادؔ آپ کی اس یاد فرمائی اور عنایت کا دل سے کمال درجہ ممنون ہوا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ جب

خود مجھے دیکھ کر اندازہ کرلیں گے۔

مجھے یقین ہے کہ آپ اور ہمارے بھیا[1] سر علی سب خیریت سے ہوں گے۔ طاعون نے تو حیدرآباد کو تباہ کر دیا۔ معاذ اللہ۔

اس فقیر کو اطلاع ہوئی کہ ہمارے بھیا کے مکان میں چوہے متاثرہ کرے۔ اللھم احفظنا۔ یقین ہے کہ تبدیل مقام کئے ہوں گے[2]

۲۴ رفروری ۱۹۲۰ء

شاد

بنام نصیر حسین خاں خیالؔ

(۳)

شاد نواز حضرت خیال دام محبتہ

آج کی تاریخ تک اس فقیر کے کان چو من گوش روزہ دار بر اللہ اکبر است کے متمنی تھے اور نہایت بیتابی کے ساتھ دل التوائے سفر کی خبر سننے کا منتظر تھا۔ مگر افسوس ہے کہ اثر الٹا ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دعا اور اثر میں بھی دشمنی ہے۔ ابھی معلوم ہوا کہ کل آپ کا قصد روانگی کا ہے[3]

دیدۂ احباب و دل ہمراہ تست　　　تو نہ پنداری کہ بے ما می روی

آپ کا سچا خلوص اور آپ کی ہمدردی اہلِ دکن کے ساتھ اور خصوصاً آپ کا حسنِ سلوک اس فقیر حقیر کے ساتھ یہ صفات ایسے نہیں ہیں کہ شادؔ آپ کو دل سے بھول جائے۔ اگر خدا نہ کرے ایسا کیا تو شادؔ بھی جماد بے حس ہے۔ چوں کہ آپ کا قصد سفر دور و دراز کا ہے اس لئے شادؔ اپنے خاندان کے عمل درآمد کے لحاظ سے حضرت امام ضامن علیہ السلام کے ضامن بھیج کر متوقع ہوں کہ آپ اس کو قبول کرکے شادؔ کو ممنون کریں

بسفر رفتنت مبارک باد　　　بسلامت روی و باز آئی

اپنے متعلق تو شادؔ اتنا ہی کہتا ہے کہ جو گزرے گی ہم پہ گزر جائے گی۔ آپ کی واپسی[4] تک فلک کی نیرنگیاں قابل دید ہوں گی۔ معلوم نہیں کہ موجودہ گردشِ لیل و نہار کے بعد زمانے کی کایا پلٹ کس قسم کی ہوتی ہے اور ہم اہلِ وطنوں کی قسمت کا فیصلہ کیا ہوتا ہے اور مشیت الٰہی کیا ہے۔ بہرحال۔ انی توکلت علی اللہ فھو حسبہ۔

شادؔ کے بچے آپ کو سلام کہہ رہے ہیں۔ خدا حافظ۔

شاد

مطابق ۱۰ رمئی ۱۹۲۰ء

---

[1] یہ مہاراجہ کی شرافت اور وضعداری تھی کہ اپنے رقیب سر علی امام کو بھیا کہا کرتے تھے۔

[2] یہ حیدرآبادی طرز اردو ہے کہ کیا ہوگا کی جگہ بطور اخلاق جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔

[3] سر علی امام کے استعفا کے بعد نواب نصیر حسین خیال کو بھی یک بیک حیدرآباد چھوڑنا پڑا۔

[4] شاید مہاراجہ کو توقع تھی کہ پھر سر علی اور خیال کی حیدرآباد میں بحالی ہوگی۔

چھوٹی رانی کو دو روز سے پیچش آنوں اور لہو ہے۔ خدا فضل کرے کہ شاد کے لئے خدا نے اس ہستی کو اب باعث آرام گردانا ہے۔ باقی سب برائے نام ہیں۔

شرح دستخط

مہاراجہ بہادر

ستی پیلس ۲۴؍ جولائی ۱۹۲۴ء

(۸)

بنام عماد الملک

جناب من شاد نواز کرم فرما زاد لطفکم۔

جناب کا نامہ کرم مع دو کتب کے پہنچا۔ ممنون کیا۔ آپ اپنی قدیم مہربانیوں اور تعلقات کے لحاظ سے فقیر شاد کے متعلق حسن ظن رکھتے ہیں یہ آپ کے بزرگانہ اشفاق کی دلیل ہے۔ فقیر شاد آپ کو کیا بلحاظ سن و سال اور آپ کے فضائل حمیدہ اور اپنے مرتبۂ تلمذ و نیاز مندی کے نہ صرف کرم فرما سمجھتا ہے بلکہ اپنا واجب العزت بزرگ سمجھتا ہے اس پچاس سال کے عرصہ میں حیدرآباد میں جو انقلابات ہوئے ان کے اثرات بد سے محفوظ رہنا یہ آپ کی دانش مندی اور محتاط طبیعت کا نتیجہ ہے۔

افسوس ہے کہ آپ کی بصارت میں کچھ نقص پیدا ہو گیا ہے۔ اور پاؤں نے معذور کر دیا ہے۔ یہ سب کچھ کبر سنی کا تقاضا ہے۔ خداوند عالم جل شانہٗ کی جو مشیت ہو اس پر صابر و شاکر رہنا ہی ہمارے لئے سعادت کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بصحت و عافیت رکھے۔ آپ کا وجود مغتنمات روزگار سے ہے۔ فقیر کا بھی بہت جی چاہتا ہے کہ گاہے ماہے جناب کے فیض صحبت سے مستفیض ہوں۔ مگر بار خاطر ہونے کا خیال ہر وقت سد راہ ہوتا ہے۔ اگر میری حاضری مخل اوقات نہیں سمجھی جاتی تو مہینے میں کم از کم ایک زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ آکر صرف آپ کی مزاج پرسی کیا کروں۔ یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

فقیر
شاد

۴؍ مئی ۱۹۲۶ء

(۹)

بنام حضرت بے نظیر شاہ وارثی

مولینا

تسلیم عرض ہے کاغذات روانہ خدمت ہیں۔ حضرت وارث میاں کے واقعات اور حالات جیسے جیسے پڑھتا ہوں حیرت کی تصویر بن جاتا ہوں۔ اور قلب میں ایک ایسی قوت پیدا ہوتی جاتی ہے کہ جس کو شاد ہی محسوس کرتا جاتا ہے۔ سبحان اللہ کیسے خاص نفوس اس دنیا سے اٹھ گئے۔ مگر گئے کہاں۔ البتہ ہماری بصیرت کا قصور ہے۔ خدا بصیرت عطا فرمائے۔ ابھی درشن کی تمنا باقی ہے۔ مگر مجھے امید قوی ہے کہ وہ ضرور درشن دیں گے اپنے امیدوار کو محروم نہ کریں گے۔

شاد　فقیر

(۱۰)

بنام عماد الملک

مائی ڈیر عماد الملک بہادر

محبت نامہ مجھے ملا۔ بجائے اس کے کہ یاد آوری کا شکریہ ادا کروں آپ کی اس مخلصانہ عنایت کا دلی شکریہ

اس معدن فضائل و کمال کا مشاہدہ کرتا رہے گا اس عنایت کو دل سے فراموش نہ کرے گا۔ ....

اس نادر رسالے کے طبع ہونے سے پیشتر اگر ایسا کیا جاتا یا شادؔ کے گوش اخلاص میں اس کی اشاعت کی خبر پہنچتی تو شادؔ بمقتضائے ذوق طبعی ضرور کوئی قطعہ یا رباعی اس کی توصیف میں لکھ کر بھیجتا۔ شادؔ کا بھی تحفہ اس کے ساتھ یادگار زمانہ رہتا۔ انشاء اللہ اس کتاب کو بالاستیعاب فرصت سے دیکھ کر استفادہ کروں گا۔ قطعہ

عماد الملک نے بھیجا رسالہ　　کروں کیا اس کی میں تعریف اے شادؔ
خزانہ ہے یہ حکمت کا یقینی　　دلِ اہل یقیں اس کو رکھے یاد

حال میں چند رسالے جدید طبع ہوئے تھے جو روانہ خدمت ہیں۔ بزم توحید۔ قومی لیڈر۔ معراج ترقی۔ اسریہ پرکاش کرشن کلا۔ گیان درپن۔ مثنوی سرِ وجود۔ آشوب عظیم۔

۱۴ر نومبر ۱۹۲۱ء　　شادؔ

بنام عماد الملک

(۶)

شاد نواز

محبت نامہ رقم زدہ ۱۸ر جولائی ۲۲ء وصول ہوا .... خدائے بزرگ و برتر بصحت و عافیت بہت دن تک آپ کو زندہ شادکام رکھے ؎

تنت بہ ناز طبیباں نیازمند مباد　　وجود نازکت آزردۂ گزند مباد
سلامتِ ہمہ آفاق در سلامت تست　　بہیچ عارضہ شخص تو دردمند مباد

.... اقوال حضرت علی علیہ السلام کو آپ کا پسند کرنا فقیر شادؔ کے لئے باعث نازش ہے کلمات طیبات اور ماہ کامل میں صرف ترجمہ ہے۔ اصل قول حضرت کا نہیں ہے۔ فقیر نے حضرت کے اشعار اور اصل اقوال اور کچھ صاحبوں سے جمع کئے ہیں جن کو اردو میں ترجمہ کرکے نظم کر رہا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد تکمیل اور قبل طبع آپ کے معائنہ کے لئے بھیجوں گا۔ وہ اشعار اور اقوال اور ان کا ترجمہ غالباً آپ پسند فرمائیں گے۔

۲۹ر جولائی ۱۹۲۲ء　　شادؔ

بنام خواجہ حسن نظامی

(۷)

حضرت سلامت۔

فقیر نے محبی محب کے جواب میں کچھ رباعیاں لکھی ہیں اور وہ ایک کتاب کی صورت میں ہیں۔ اس کا نام "سلک گہر" ہے۔ فقیر کی خواہش ہے۔ کہ آپ اس پر تقریظ لکھیں۔ شوکت بلگرامی مرحوم نے بھی اس پر تقریظ لکھی تھی۔ غبار صاحب منتظم میشی بھی تقریظ لکھ رہے ہیں۔ مگر حضرت کی تقریظ کی ضرورت ہے۔ سلکِ گہر زیر طبع ہے۔ جہاں تک ممکن ہو تقریظ جلد ارسال فرمائیے۔

اس مژدۂ جاں فزا نے اپنے جامہ سے باہر کر دیا کہ حضرت محرم میں حیدرآباد تشریف فرمائیں گے۔ خدا ہمچنیں کند

بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ خیر کچھ پروا نہیں۔ واللہ غالبٌ علیٰ امرہٖ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

جواب پسند آیا اس کا شکریہ۔ خدا حافظ

شاد عفی عنہ

بنام اکبر الملک بہادر

(۱۳)

مہربان من نواب اکبر الملک بہادر

اعلیحضرت پیر و مرشد مدظلہم العالی نے یجواب اڈریس صرف خاص جو اپیچ ارشاد فرمائی اس کی نقل حسب وعدہ منسلک ہذا ہے۔ یقین ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ جشن سالگرہ مبارک کے طفیل آپ ہم روزانہ ملتے تھے اب تو شاید مہینوں اتفاق نہ ہوگا۔[۱]

شاد عفی عنہ

---

[۱] یہ خط مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کا ہے۔ اس پر تاریخ نہیں ہے۔ مہاراجہ کشن پرشاد اس وقت مدار المہام یعنی دیوان ہو چکے تھے اور ریاست حیدرآباد کے سب سے بڑے عہدہ دار تھے۔ لیکن جس نرم اور ایک حد تک مقربان حضور سے خوشامدانہ لہجے میں اس خط کا آخری جملہ لکھا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاص کر اکبر الملک کو نواب سے مراسم بڑھانے کے لئے کس قدر کوشاں رہتے تھے۔

ادا کرتا ہوں۔ کہ آپ نے اپنی نیک دلی اور فطرتی ہمدردی سے مجھے بھی ابنائے جنس کی ہمدردی کا اہل سمجھا اور اس کار خیر میں شریک کر کے داخل حسنات کیا جو میرے خیال میں نہ تھا۔ میں نہایت خوشی بلکہ آپ کے شکریہ کے ساتھ سو بیچے کلدار آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔

مزید محبت بہمیں نمط مستدام باد

شاد

(۱۱)

بنام عمادالملک

جناب من شاد نواز

تسلیم۔ آپ کا محبت نامہ پہنچا .... (۶ سطر) .... یہ فقیر حقیر آپ کے نوازشات اور دلی خلوص کا ہمیشہ سے ممنون ہے اور انشاءاللہ تعالیٰ خدا توفیق دے کہ میں اپنی زندگی تک اسی تشکر و امتنان کو نباہ دوں۔

بمبئی میں میرے دو بچے ایک لڑکا اور ایک پوتا نمونیہ سے سخت علیل ہو گئے تھے۔ جس کے باعث مجھے چندے وہاں قیام کرنا پڑا .... (۰ سطر) .. ... حال میں بندے نے ایک فارسی غزل لکھی تھی جس کی نقل منسلک ہذا ہے۔ بنظر اصلاح دیکھیں .... (۲ سطر)

(غزل ۷ شعر کی ہے)۔

مطلع۔ دلا تا چند حرص دین و دنیا شرم دار آخر بشو یکسو ہوائے این و آن از سر برآر آخر

مقطع۔ رسیدی بر در مقصد نشستی بر سر مسند دعائے صبحگاہی شادؔ ے آید بکار آخر

شاد

(اورنگل)

(۱۲)

جناب من

تسلیم۔ جناب کا نامہ الطاف پہنچا۔ آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔ بیشک آپ کو مجھ سے محبت ہے۔ اسی لئے محبت کا تقاضا ہی یہ تھا کہ آپ میری ہمدردی فرماتے۔

اخبارات میں جو کچھ ہو رہا ہے حاسدوں کے حسد کے پھپھولے ہیں جو اس شکل میں ظاہر ہو کر پھوٹ رہے ہیں آپ نے جو یہ فرمایا کہ مصاحبت میں جہاں دیدہ پرانا آدمی ہونا تھا۔ جناب من آپ جہاں دیدہ اور میدان محبت کا دیکھا بڑا تجربہ کار شخصیت ہیں تو اس کا کیا جواب ہے۔ کیا محبت کے سودائی کو کوئی مصاحب، کی مصاحبت سد راہ ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مالک سے زیادہ تو میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ کس قدر میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوا ہوں گا کہ یہ بھی خیال نہ رہا تو بیچارے مصاحب اور واعظ اور پند گو کر ہی کیا سکتے۔ خیر یہ قصہ عجیب و غریب ہے چونکہ آپ نے ایک ہی طرف کے لوگوں کی زبانی قصہ سنا ہے اس لئے آپ نے یکطرفہ فیصلہ صادر فرما دیا۔ دراصل یہ یاروں کی

یاد رکھنا بھول جاؤ گے یہ سارے چہچہے — میں اگر اے ہم صفیرو اس چمن میں رہ گیا
آبرو جاتی رہے گی دیکھ اے خوں بار آنکھ — قطرۂ خوں بھی اگر میرے بدن میں رہ گیا
جان دیدی غم سے لیکن اف رے استقلالِ عزم — وصل ہو کر تیشہ دستِ کوہکن میں رہ گیا
دوست کا کیا دشمن پر بھی آنچ آنے نہ دی — خود میں جل کر شعلۂ آتش فگن میں رہ گیا
آپ کے آتے ہی بیخودؔ آپ سے جاتا رہا — بارے اتنا ہوش تو دیوانہ پن میں رہ گیا

(۲)

بنام احسنؔ مارہروی

سیّدی و معظمی!

کورنش۔ میری ترقیات کے لئے جو میری آرزو کے خلاف فارسی کا قطعۂ تاریخ عنایت ہوا تھا وہ میرے واسطے باعثِ افتخار تھا۔ مگر افسوس کہ تمام مجموعہ کی کاپیاں تیار ہو گئیں اور وہ قطعہ نہیں ملتا لہٰذا ملتجی ہوں کہ وہی یا کوئی اور۔ بہتر تو یہ ہے کہ چند قطعہ بواپسی ڈاک عنایت فرمائیے۔ بھلا یہ آرزو تو پوری ہو جائے۔ خیریت مزاج اور دعائے رفع تردّدات کا طالب:

بیخودؔ از جودھپور ۳ رجنوری ۱۹۱۲ء

(۳)

بنام احسنؔ مارہروی

معظمی و مکرمی سیّدی و سندی سلالۂ خاندان برکاتیہ افتخارِ تلامذۂ فصیح الملک مرحوم!

آداب و تسلیم قبول ہو۔ حضور کا ایک عطوفت نامہ مورخہ ۸ راکتوبر دوسرا رقم زدہ ۲۳ رجنوری سنہ حال تیسرا مورخہ ۲۱ رفروری ۱۹۱۱ء مع قطعات تاریخ و مثنوی میرے پیش نظر ہیں۔ افسوس ہے ناتوانی اور علالت کی بدولت نہ رسید لکھ سکا نہ جواب۔ بلکہ اب باوجود قلم لے کر بیٹھنے اور مکرمی حضرت دلگیر کی فہمائش غزل اور سہرا لکھنے کا مصمم ارادہ کرنے کے ایک شعر بھی نہ لکھ سکا۔ اس سبب سے معافی اور اس کے ساتھ دعا چاہتا ہوں تاکہ بیماریاں بھی رفع ہوں اور پریشانیاں بھی اور سوا آپ کے خاندان اور آپ کے اجدادِ کرام یا آپ کے عزیزانِ عالیمقام کی توجہ کے آپ کے بیخودؔ کا کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔

قطعاتِ تاریخ اور مثنوی تاریخی کی تعریف و ثنا از حد تصنیف میرے امکان میں نہیں ہے۔ یہ تقدیری بات ہے کہ جانشینِ داغؔ کی تقریظ نہ صرف آپ کی تاریخوں سے بلکہ عزیزم سیّد عنایت احمد جیرتؔ بدایونی و سیّد افتخار حسین صاحب مضطرؔ خیر آبادی و قاضی کبیر احمد جودھپوری و مرزا احمد حسین بیگ صاحب دہلوی و سیّد محمد نوح صاحب نوحؔ ناروی، غرض بہت سے احباب کی تصانیف کے مقابلہ میں بہت ہو گئی ہے۔ دیوان میں نے اپنے عنایت فرما اور پرانے ملنے والے مولوی سیّد نصرت علی صاحب دہلوی صاحب نصرت المطابع واقع فراش خانہ کو چھپنے کے واسطے دیا ہے۔ مگر کاپی باوجود بہت اچھی لکھی جانے اور فوراً واپس بھیج دینے کے خود میرے دوست بیمار ہو گئے اور کئی مہینوں تک کاپیاں پڑی رہنے سے پتھر پر اترنے کے قابل نہ رہیں۔ چنانچہ اسی خوشنویس سے دوبارہ پھر کاپیاں لکھوائی گئیں جن کو میں نے دوبارہ تصحیح کے بعد ہی بھیجا ہے

بیخود بدایونی

(۱)

بنام احسن مارہروی

مخدومی!

یہ عریضہ ۲۴ جون کے کارڈ کا جواب ہے اور اس قدر تاخیر کا سبب وہی میری پریشانیاں ہیں جو دم بھر چین نہیں لینے دیتیں۔ ناقدروانی کی شکایت جو میں نے پہلے خط میں لکھی تھی وہ یہاں کے نئے اختیار آفیسروں کی نسبت تھی۔ نہ کہ اپنے احباب کی نسبت، اور احباب میں بھی آپ، جو اس ذرۂ بے مقدار کو اس کی حیثیت سے کہیں زیادہ آب و تاب دے رہے ہیں۔ جون سے اب تک ایک مصرع بھی نہیں لکھا تھا لیکن اس ہفتہ میں جودھپور چھوڑ کر دورے کو اٹھا تو کوئی مشغلہ یا کوئی ہم سخن ساتھ نہ تھا۔ ریل میں اور اونٹ پر جو کچھ لکھا ہے وہ بھیجتا ہوں۔ والتسلیم!

نیازمند خادم: بیخود از جودھپور۔ ساوڑی۔ پرگنہ و ڈیوڑی مارواڑ، ۲ ستمبر ۱۹۰۵ء

جواب جودھپور کو بھیجئے گا۔

یہ چند اشعار پہلے کے یاد آ گئے ہیں۔

بیخود بدایونی

تذکرہ بیخود کا یارانِ وطن میں رہ گیا — کیا فسانہ حیف کیسی انجمن میں رہ گیا
دل سارہبر کوچۂ قاتل میں لے آیا ہمیں — فرق اب کیا رہنما و راہزن میں رہ گیا
فصلِ گل ہے دستِ وحشت ہاتھ کاٹے جائیے — تار بھی باقی اگر اب پیرہن میں رہ گیا
کیا جگہ پائی ہے شوخی سے دلِ بیتاب نے — فتنہ بن کر اوس کے چشمِ سحر فن میں رہ گیا
کہتے ہیں تیرا دلِ صد چاک کچھ شانہ نہ تھا — پھر یہ کیونکر میری زلفِ پر شکن میں رہ گیا
کیا کہوں میرا دل شگفتہ کیا تھا کیا نہ تھا — ایک غنچہ تھا کہ مرجھا کر چمن میں رہ گیا
میرے غم میں اس قدر افسردہ کیوں ہیں اہلِ بزم — میں نہیں میرا فسانہ انجمن میں رہ گیا

خواجہ عشرت لکھنوی

(۱)

<u>بنام احسن مارہروی</u>

لکھنؤ۔ احاطہ خان ساماں ۶؍جولائی ۱۹۰۹ء

مخدومی بھائی احسن صاحب!

تسلیم۔ میں بہت سے مخمصوں میں مبتلا ہوں۔ آپ کا مضمون تو لکھا ہوا مدت سے رکھا تھا۔ لیکن میرا خیال تھا کچھ فصیح الملک کے استفسار کے جواب میں انجمن کے متعلق لکھوں۔ وہ اب تک نہ ہو سکا۔ بہرحال ایک مضمون مرسل ہے۔ مئی کے پرچہ میں جگہ ہو تو اس کو لکھوا دیجئے۔ جون کے واسطے اور کچھ لکھنے والا ہوں۔ میرا مضمون آپ ضرور دیکھ لیا کیجئے کیونکہ میں ہمیشہ مسودہ بھیج دیتا ہوں۔ ممکن ہے کوئی غلطی رہ گئی ہو۔ ....

(نامکمل)

---

(۲)

<u>بنام احسن مارہروی</u>

مکرم بندہ جناب سید صاحب!

تسلیم۔ نوازش نامہ موصول ہوا۔ حسب الحکم عالی ایک مضمون نثر کا، دو غزلیں بھیجتا ہوں۔ آئندہ برابر لکھتا رہوں گا۔ مجھ کو اپنا قدیم خادم تصور فرمائیے۔ نہ کبھی آپ سے ناراض ہوا ہوں نہ ہو سکتا ہوں۔ میں آپ کو اپنا قابلِ تعظیم دوست سمجھتا ہوں۔ میری طرف سے آپ خاطر جمع رکھئے۔ کتابیں جو آپ کی خدمت میں بھیجی ہیں وہ وہی تھیں جو آپ نے بذریعہ پوسٹ کارڈ مجھ سے پہلے طلب کی تھیں اگر خلافِ فرمائش میں نے بھیجی ہوتیں تو مجھ کو ضرور افسوس ہوتا لیکن اب صرف آپ کی پسند نہ آنے کا افسوس ہے۔ بہرحال جو آپ کی مرضی ہو میں ہر طرح موجود ہوں۔ فقط!

عشرت۔ از لکھنؤ احاطہ خان ساماں

۱۶؍نومبر ۱۹۱۰ء

لہذا امید ہے کہ اب جلد چھپے گا۔ کل اجرت وغیرہ سالانہ ۳۸ روپے طے ہوئی ہے جس میں میرے عنایت فرمانے اپنے منافع کی نسبت میری نیازمندی پر خیال زیادہ رکھا ہے اور اس رقم میں سے ۳۰ روپے مطبع میں پہنچ چکے ہیں۔ اب آئندہ تقدیر ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی۔ میں آپ کا ی خادم ہوں اور موروثی غلام ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی عنایت کو میرے دم آخر تک قائم رکھے اور بیماری و ضعف کے سبب سے میں بہت مجبور ہوں۔ لکھنا، پڑھنا، بولنا، چلنا کوہ کندن معلوم ہوتا ہے۔ نوکری کی مجبوری میں ریل میں بیٹھا ہوا دردہ سے آرہا ہوں اور اپنی عدالت کے اہلکار قاضی عبدالغنی صاحب جو میرے ساتھ بہت محبت رکھتے ہیں ان سے یہ خط لکھوا رہا ہوں۔ والتسلیم!

محمد عبدالحی

راشدُالخیری

(۱)

بنام شمس العلماء مولوی سید ممتاز علی

مکرمی و معظمی!

السلام علیکم۔ گرامی نامہ کا ممنون ہوں۔ میرا مقصد ہرگز یہ نہ تھا کہ میرے متعلق جو اعتراض تھا اس کی تردید کروں، بلکہ عصمت کے مضمون سے آپ کو میری طرف سے بدگمانی نہ ہو اور اب کہ چل چلاؤ کا وقت ہے کوئی غلط فہمی نہ ہو جائے۔ آپ ضرورت نہیں۔ خیال فرماتے تو جانے دیجئے۔

حاجیہ تاج بیگم صاحبہ کے معاملہ میں جس قدر میں نے کوفت اٹھائی وہ تھوڑی بہت آپ کے علم میں ہی ہے۔ آپ اس سے باخبر ہیں اب یہ آپ ہی فرمائیے کہ رہائی کے بعد اگر ان کے شوہر نے سنگدلی اختیار کی تو مقدمات میں دہلی سے سشن جج صاحب کی خدمت میں کیونکر لے جاتا۔ میرے اعضا اب وہ نہیں رہے۔ اکثر بیمار رہتا ہوں۔ ایک آنکھ کمزور ہو گئی ہے۔ ایک ٹانگ میں ہر وقت درد رہتا ہے۔

کاش وہ سات روپیہ اس سے پہلے یاد آجاتے۔ اس کے بعد مدتوں حساب رہا۔ کبھی کے محسوب ہو چکے ہوتے۔ اگر یاد فرمائی پر بھی تساہل کرتا تو بدمعاملگی کہی جاسکتی تھی۔ مجھے جہاں تک یاد ہے یہ پہلی مرتبہ آپ نے تحریر فرمایا ہے حالانکہ اس کے بعد عرصہ دراز تک سیکڑوں روپیہ کا حساب رہا۔ میاں امتیاز نے جو روپیہ بھیجے تھے اس کا حساب آپ دیکھ لیں اور مجھے جہاں تک بھی یاد ہے وہ میں نے مضامین کے واسطے .... اور شاید ایک آدھ مضمون روانہ بھی کیا تھا۔ مجھے اب معلوم ہوا کہ مضمون کی ضرورت نہیں ہے۔

میں عصمت سے اپنا نام علیحدہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور وسط اکتوبر میں دہلی جاؤں گا۔ مہربانی فرما کر آپ میاں امتیاز سلمہٗ سے فرما دیجئے کہ وہ وسط اکتوبر میں ایک کارڈ حساب کا لکھ کر مجھے دہلی روانہ کر دیں، میں تمام حساب صاف کر دوں گا۔

غزل

جھاڑتا کیوں ہے اگر بھر گئی پوشاک میں خاک
غافل اک دن تجھے سونا ہے اسی خاک میں خاک

نہ سکندر رہے نہ دارا نہ فریدوں ہے نہ جم
سیکڑوں ہو گئے اس گردشِ افلاک میں خاک

چار دن کے لئے مسند پہ ہے تکیہ بیجا
موت ہر وقت نئی گھات میں ہے تاک میں خاک

زر کو مٹی ہی سمجھتے ہیں قناعت والے
کیمیا ہے نظرِ صاحبِ ادراک میں خاک

بعد مرنے کے ٹھکانے سے لگی ہے مٹی
جم گئی ہے چمن کوچۂ سفاک میں خاک

ہے یہ درگاہِ الٰہی میں دعا عشرتؔ کی
جا کے ہو روضۂ پاک شہِ لولاک میں خاک

غزل ولہ

بزم ابتر ہوئی نکلے جو وہ مے خانے سے
شیشے توڑے گئے پھینکی گئی پیمانے سے

روح نکلے گی جو ساقی ترے مستانے سے
سیدھی جنت کو چلی جائے گی مے خانے سے

محفل آباد رہے خیر ہو خُم کی ساقی
ایک دو گھونٹ چھلکتے ہوئے پیمانے سے

حکما کہتے ہیں ہوتی ہے غذا جزوِ بدن
ہم تو تحلیل ہوئے جاتے ہیں غم کھانے سے

آپ بھی جلتے ہیں غیروں کے جلانے والے
ہم کو روشن یہ ہوا شمع کے جل جانے سے

قطع کر رشتۂ امید اگر دانا ہے
کشتِ امید ہری ہوگی نہ اس دانے سے

میکشی ترک نہ مجھ رند سے ہوگی واعظ
عہد شیشے سے ہے پیمان ہے پیمانے سے

دیکھ تو چل کے ذرا سیر وہاں بھی عشرتؔ
دو قدم خانۂ اللہ ہے بت خانے سے

سلسلہ موجود ہے لیکن میں الزہرا میں خاصی محنت کر رہا ہوں۔ تین پیکٹ روانہ کر چکا ہوں۔ امید تھی کہ چوتھا آج روانہ کروں گا مگر یہ بحث چونکہ حضرت سیدہ کی ام المومنین کے ساتھ تعلقات سے تھی اور　　کے بعد تمام کتاب میں مشکل بحث ہے افسوس ہے اس وقت تک مکمل نہ کر سکا ان شاء اللہ آج رات کو یہ مسودہ جو تقریباً ایک جزو کا ہوگا مکمل ہو جائے گا۔ اسی طرح دوسرے تیسرے روز میں مسودہ بھیجتا رہوں گا اور امید ہے کہ پندرہ بیس روز میں پانچ چھ جزو آپ کی خدمت میں پہنچ جائیں گے۔

الصالحات کے متعلق آپ یہ ہرگز خیال نہ فرمائیے کہ میں اس کی نظر ثانی نہ کروں گا۔ دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے آپ جب فرمائیں مجھے اس کی نظر ثانی میں تین چار ہفتہ صرف ہوں گے۔

میرا پہلا پیکٹ رجسٹری نہ ہو سکا امید ہے کہ وہ بھی پہنچا ہوگا، یہ تیسرا تھا۔

امید کہ مزاج بہ خیر ہوگا۔

نیاز مند: راشد الخیری۔ دہلی ۱۷ر اکتوبر

(۴)[۱]

مخدومی! السلام مسنون:

پانی پت کا کارڈ پہنچا۔

امید ہے آج آپ مع الخیر روانہ لاہور ہو گئے ہوں گے۔ وحید مرحوم کے مضمون کو میں نے دوبارہ درست کر دیا تھا اب آپ کے نوٹ آنے پر پھر لکھوں گا۔

کوئی مضمون پورا دردناک اس وقت ہو سکتا ہے جب لکھنے والا واقعات میں محدود نہ ہو جس قدر　　وسیع ہوگا، اسی قدر وہ　　لکھ سکتا ہے اور اس لئے کہ وہ پابند نہیں ہے۔　　اور مقررہ دائرہ　　سے علیحدہ نہیں ہو نے دیتا لیکن جہاں محض واقعات سے بحث کرنی ہے وہاں واقعات کا لحاظ درازی کو سلب کر لیتا اور وہ صرف واقعات کے تحت میں لکھتا ہے۔ بہرحال نوٹ آجانے پر میں دوبارہ لکھوں گا۔

میں دو روز سے بالکل خالی ہوں۔

نیاز مند: راشد الخیری!

پتہ کے واسطے صرف عصمت کافی ہے۔

---

[۱] اس خط کے بعض الفاظ پڑھے نہیں گئے۔

کتاب کے متعلق اگر تغیر و تبدل کی ضرورت ہو اور دوبارہ محنت کرنے پر درست ہو سکتی ہو تو میں حاضر ہوں۔ اگر نہیں تو میں انشاء اللہ کسی اور کو دلوا دوں گا اور جس وقت اب کوئی درخواست کتاب لکھنے کی آئی تو آپ سے منگوالوں گا۔ میاں امتیاز سلمہٗ کو دعا۔

نیاز مند: راشد الخیری - ۱۲ر جولائی ۱۹۲۱ء

(۲)

بنام منشی امتیاز علی تاج

عزیزم سلمہٗ!

سلام مسنون۔ ہاں یہ ہی درست ہوگا کہ آدھے صفحے پر لکھوا دو اور آدھا چھوڑ دو۔ جب مکمل ہو جائے تو روانہ کرو۔

یہاں کاتبوں کی دقت نہیں ہے مگر چھپائی کی مصیبت واقعی سخت ہے۔ سیاہی عصمت میں بھی ویسی استعمال ہو رہی ہے دلی میں انگریزی سیاہی نہیں ملتی۔ قطعیت میں تو نہیں مگر ہاں چھپائی کا انتظام یہاں ہو جانا ممکن ہے۔ سنجوگ کی کاپیاں ختم ہوتے ہی بھیج دینا۔

میں نے منشی کو مسودہ صاف کرنے کے لئے دیا تھا۔ اس کم بخت نے صاف تو صرف ساڑھے تین سلپ کئے اور ایک سلپ کھو دیا۔ اگر نہ ملا تو مجھے سخت اذیت ہو گی۔

تمہارا خیال آغاز اسلام وغیرہ بہت اچھا ہے اور میں اس کتاب کے ختم کرتے ہی انشاء اللہ اس پر شروع کر دوں گا۔ صرف اتنا خیال ہے اسلام کا نام آجانے سے ذمہ داری بہت بڑھ جائے گی۔ خیر یہ بعد میں طے ہو جائے گا لیکن اس سلسلہ میں جو کتابیں میرے پاس موجود ہیں ان کے علاوہ جو تمہارے ہاں ہوں اور تمہاری رائے میں مجھ کو مدد دے سکیں ان کو ابھی سے چھانٹ لو میں مطالعہ کے بعد واپس کر دوں گا۔ یہ کتاب میں انشاء اللہ آٹھ دس روز میں ختم کر لوں گا اور میں چاہتا ہوں کہ اس وقت تک مضامین کا معاوضہ اگر طے ہونا ہے تو ہو جائے کیونکہ پچھلی دفعہ جو سو روپیہ تم نے بھیجے تھے اس کے بعد مجھ کو سو روپیہ اور لینے پڑے جو پندرہ فروری کو واپس کرنے ہیں اور اس کے ساتھ اپنے اخراجات کے واسطے ضرورت ہو گی کیونکہ میں نے اس عرصہ میں کسی سے روپیہ نہیں لیا اور اس وجہ سے دو ایک کو ناخوشی ہوئی۔

بعض ضرورتوں پر خیال کرنے کے بعد میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ اس کتاب کو ختم کر لوں تو جون میں ایک روز کے واسطے لاہور آجاؤں۔

مولوی صاحب کو میرے خط کا جواب جلد دینا چاہئے اس کے جواب پر مجھ کو اپنی ضروریات کا انتظام کرنا ہے۔ والدعا!

نیاز مند: راشد الخیری - دہلی ۲ر فروری

(۳)

مکرمی و معظمی!

تسلیم۔ پہلی رجسٹری کے جواب میں جو گرامی نامہ وصول ہوا اس میں جو کچھ تحریر تھا وہ ایک خاص حد تک چونکہ درست تھا اس لئے اس کا جواب میں نے جلد نہ دیا۔

ستمبر میں ملیریا وغیرہ کی وجہ سے میں اور بیوی بچے کچھ ایسے پریشان رہے کہ میں حسب دلخواہ کام نہ کر سکا اور گو ابھی تھوڑا بہت

پہنچا کر اپنے بے جا حاکمانہ اقتدار کو ثابت کرنا چاہا ہے تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اس کا ناگوار اثر کہاں تک قابلِ برداشت ہو سکتا ہے۔

گو میں بہت کچھ لکھنا چاہتا ہوں مگر آپ کے جواب آنے سے پہلے میں اپنے خیالات کا اظہار نامناسب سمجھتا ہوں۔

تاہم میں آپ کو یہ بات سمجھانی چاہتا ہوں کہ مصطفےٰ حسین ایک کالج کا طالب علم اور بدبخت مسلمانوں کی قوم کا ایک رکن ہے اس کے ساتھ بُرے برتاؤ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک مسلمان کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا گیا۔

کالج کے اسٹاف کو ہم عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہتے ہیں اور اس پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ایک شریف قوم کی تعلیم گاہ کی خدمت کر کے اس کی بے انتہا شکرگذاری کا مستحق ہوگا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کالج کا یورپین اسٹاف ایسا خود مختار اور مطلق العنان ہو جائے کہ وہ ہماری توہین یا تحقیر کرنے پر بھی ہماری خاموشی کا متوقع رہے۔ مہربانی فرما کر صحیح واقعات سے مجھے جلد مطلع فرمائیے اور اپنی موجودہ نرم پالیسی کو ترک کیجئے ورنہ آپ دیکھ لیں گے کہ آپ کا کالج بہت سی مشکلوں میں پھنس جائے گا۔

اجمل خاں ۱۹ر نومبر ۱۹۰۶ء

---

(۳)

بنام مولانا شوکت علی

بھائی شوکت علی صاحب!

السلام علیکم۔ میں آج کل لبنان کے ایک چھوٹے سے قصبے عین زحلتا، میں ہوں۔ یہاں سے بیروت، عکہ اور حیفہ ہوتا ہوا مصر جاؤں گا۔ چونکہ میں ۲۵ر ستمبر کی صبح کو بمبئی پہنچ رہا ہوں اور وہاں دو تین روز قیام بھی کرنا ہے اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آپ خلافت کی ورکنگ کمیٹی ۲۶ر ستمبر کو کر دیجئے تاکہ ضروری مشورہ ہو سکے۔

آپ کو معلوم ہے کہ میں پانچ مہینے باہر رہ کر ہندوستان واپس آ رہا ہوں اور میری لڑکی بھی علیل ہے جس کے پاس میں ایک عرصہ تک قیام کروں گا اس لئے پھر مجھے کسی جلسے کی شرکت کے لئے سفر کرنا بہت دشوار ہوگا۔ اگر آپ میری اس رائے کے ساتھ اتفاق کریں تو نوٹس جاری کر دیں۔

میں صحت کی درستی کے لئے ہندوستان سے باہر آیا تھا اور اس چٹھی میں جو میں نے ڈپٹی کمشنر کو لکھی تھی اپنے سفر کی غایت بھی یہی لکھوا دی تھی اور یہ بھی تحریر کر دیا تھا کہ میرا یہ سفر سیاسی نہیں ہے۔ اس لئے امید ہے کہ آپ اس کا لحاظ رکھیں گے اور نوٹس میں جلسے کی ضرورت کا اظہار کرتے ہوئے کوئی ایسی بات تحریر نہ کریں گے جو میری چٹھی کے مضمون کے خلاف ہو۔

امید ہے کہ آپ کا دورہ کامیاب رہا ہوگا اور آپ کے وزن میں خداوند تعالےٰ کے فضل و کرم سے مزید اضافہ ہوا ہوگا پیارے شعیب کو سلام یا پیار جو آپ مناسب سمجھیں۔

اجمل۔ ۲۰ر اگست ۱۹۲۵ء۔ عین زحلتا

حکیم اجمل خاں

(۱)

بنام نواب وقار الملک

مکرمی!

السلام علیکم - پارسل جھومر کا روانہ کیا گیا ہے امید ہے کہ خدمت والا میں پہنچا ہوگا۔ جھومر کی لاگت کا پرچہ ہمرشتہ خط ہذا ہے۔ مبلغ ۱۸ للعہ اس کی لاگت میں (جیسا کہ پرچہ حساب میں درج ہے) آتے ہیں۔ مبلغ ۱۰ عہ روپیہ آپ کے میرے پاس جمع ہیں۔ مبلغ ۸ روپے آپ کی طرف اور واجب الادا ہیں۔

اگر جھومر ناپسند ہو تو واپس ہو سکتا ہے۔ صرف مزدوری بنوائی کی دینی ہوگی۔

اجمل - دہلی ۹ مارچ ۱۹۰۵ء

میں کل دہلی سے روانہ ہوں گا۔ آپ کو خدا حافظ کہتا ہوں۔

محمد اجمل

فرحت مرزا آپ کو آداب عرض کرتے ہیں۔

(۲)

بنام نواب محسن الملک

مکرم بندہ جناب نواب صاحب!

السلام علیکم - میں جب میکلن پور میں تھا تو میں نے سید مصطفےٰ احسین صاحب کے ناگوار قصہ کا حال سُنا تھا۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے کہ وہ سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کے جلسہ سے اٹھا دیئے گئے اور وہ بلائے ہوئے آئے تھے تو میں سمجھتا ہوں کہ ان کی بیجا توہین کی گئی جس کا رنج کم سے کم میں اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں اور یہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں اس کے اسباب مختصر طور پر آپ سے دریافت کروں۔

اگر مصطفےٰ احسین واقعی بے قصور ہیں اور پرنسپل صاحب نے خود یا کسی دوسرے پروفیسر کے اشارہ سے انہیں تکلیف

(۶)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مہر مجسم دام لطفکم!

السلام علیکم۔ میں نے آج آپ کا ایک قیمتی اور مختصر مضمون علی گڑھ منتھلی میں قصبہ ریڑی کے متعلق سُنا۔ آپ سے مجھے تنہا اس وجہ سے تعلق نہیں ہے کہ آپ جناب محمد تقی خاں صاحب کے لائق فرزند ہیں بلکہ میں آپ کو ستھرے علمی مذاق کی وجہ سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ علی گڑھ منتھلی کے اس مضمون کو سُن کر آپ کے اچھے خیالات کی فہرست میں میں نے اسلامی یادگاروں کے پاکیزہ مذاق کو اور بڑھا دیا ہے

معاف کیجئے گا یہ خط میرے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں ہے کیونکہ میں ابھی لکھ پڑھ نہیں سکتا۔

محمد اجمل؛

(۴)

بنام غلام رسول مہر

پرائیویٹ

مکرمی!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب سے میرا شکریہ ادا کر دیجئے اور یہ فرما دیجئے کہ جو آپ کی خوشی ہو وہ میری خواہش پر مقدم ہے[1]۔

مہر صاحب! سوریہ[2] کی آبادی بہت پریشان حال ہے اور اس کے مصائب خیال اور تصور سے بالاتر ہیں۔ ایک طرف شام کے فرزندوں نے اپنی عدیم المثال جوانمردی اور حریت پسندی کو دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے تو دوسری طرف ان صدمات کو برداشت کرنے میں جو ڈیڑھ سال سے پے در پے انہیں پہنچ رہے ہیں اپنے صبر و استقلال کو بھی انہوں نے ہر انسان کے رو برو آشکارا کر دیا ہے۔ یہ سب کچھ ہے مگر ہم نے ان کے لئے کیا کیا ہے؟ اس کا کوئی معقول اور صحیح جواب ہمارے سامنے نہیں ہے۔

"دمشق ریلیف فنڈ" کے نام سے جو انجمن دہلی میں قائم کی گئی تھی اس نے بھی کوئی عملی کام اب تک نہیں کیا۔ صرف اس کے قیام کے اعلان کو پڑھ کر جن ہمدرد مسلمانوں نے چندے بھیجے وہ تو دفتر سے سوریہ بھیج دیئے گئے۔ ان چندوں کے سوا جن کی مجموعی تعداد غالباً کل تین ہزار ہے نہ اور کوئی رقم آئی اور نہ بھیجی گئی۔ سچ یہ ہے کہ فراہمی چندہ کے لئے کوئی کوشش بھی نہیں کی گئی۔

کیا آپ اور مولانا ظفر علی خاں صاحب اس نیک کام میں "دمشق ریلیف فنڈ کمیٹی" کی اعانت کر سکتے ہیں؟ اور کیا "زمیندار" میں اس انسانی اور اسلامی امداد کے لئے فہرست اعانت کھول سکتے ہیں؟ اگر یہ ممکن ہو تو ہندوستانی مسلمانوں کی غفلت، سستی اور کاہلی کی کسی قدر اشک شوئی ہو سکتی ہے۔ والسلام!

اجمل۔ ۲۱ اگست ۱۹۲۶ء

(۵)

بنام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی جناب نواب صاحب!

السلام علیکم! مزاج شریف۔ کرم نامہ پہنچا آپ کا اس سے پہلا خط بھی وصول ہو گیا تھا لیکن افسوس ہے کہ مسلسل سفر اور دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے اب تک آپ کو جواب نہیں دے سکا۔

بھوپال کے معاملہ کی بابت جس وقت موقع ہوا انشاءاللہ کوشش کر کے اس کے نتیجہ سے آپ کو اطلاع دوں گا۔ اطمینان رکھئے۔

امید ہے کہ آپ خدا کے فضل سے مع متعلقین بخیریت ہوں گے۔ والسلام!

اجمل از رامپور اسٹیٹ ۱۰ مارچ ۱۹۲۷ء

---

[1] "زمیندار" حکیم صاحب مرحوم کے نام اعزازی جارہا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے قیمت وصول کی جائے۔ مولانا ظفر علی خاں کی طرف سے ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اعزاز کو قائم رہنے دیجئے، یہ اسی کا جواب ہے۔ [2] اس وقت شام میں فرانسیسیوں کے ظلم و ستم انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ حکیم صاحب مرحوم خود وہاں کے حالات دیکھ آئے تھے اور بہت متاثر تھے، جیسا کہ پورے مکتوب سے واضح ہے۔

شاید آپ اپنا سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ ایسے مغالطے عبارت کو خبط کر دیتے ہیں اور ان سے پہلو ملال کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مجھے آپ کے اغراض سے لا واللہ کوئی تعرض نہیں مگر یہ ملاحی تحریر ہے۔ اگر نفسانیت کو اشتعال دیں تو کوئی عجب بھی نہیں۔ اس کے نتیجہ میں شکر رنجی ہو گی اور بے لطفی اور اس سے میں تجاوز کرنا چاہتا ہوں۔ زیادہ شوق ملاقات۔ فقط

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل ۱۲ر جنوری ۱۹۰۳ء

بنام احسن مارہروی

(۲)

اخلاص منزلی احسن صاحب زاد عنایتکم!

تسلیم۔ ۲۷ر ماہ رواں کا عنایت نامہ اس وقت کے ڈاک سے وصول ہوا۔ مجھے عالم صاحب کی تحریر سے آپ کی مقفوفیت کا حال دریافت ہو گیا تھا۔ اللہ آپ پر رحم کرے اور آپ کی افکار کو دور فرمائے میں چند مرتبہ آپ کو لکھ چکا ہوں اور ہمیشہ اس بات کا جواب نہیں دیکھتا آپ کی کسی تحریر میں اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ اخلاص مندانہ فصیح اللغات کی ترتیب میں مجھے استمداد نہیں کرتے۔ آپ جب تک وہاں اپنے معاملات میں گھرے ہوئے ہیں وہ مسودہ مجھے دے دیجئے گا کہ میں اوس کو آگے چلتا رکھوں مجھ پر کوئی اعتبار نہ کیجئے حضرت قبلہ کو بھیج دیجئے۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اوستاد کی زندگی کو غنیمت تصور کیجئے، آپ ہیں کس دھن میں؟ جب آپ فارغ ہو جائیے گا اور یہاں آ جائیے گا میں سب کچھ آپ کو دے دوں گا۔ کیوں اس قدر بے اعتبار آپ ہوتے ہیں؟ اللہ علیم ہے اگر میں لالچ پر نظر کروں تو بقسم عرض کرتا ہوں کہ آپ کو کوئی حصہ اس کا نہ لینے دوں یہاں یہ خیال ہی نہیں ہے اور آپ مفت بدگمان ہو رہے ہیں۔ آپ کی محنت کا حصہ بٹاتا ہوں کیونکر آپ کو یقین دلاؤں۔ اور امر کہ آپ بغیر ختم کئے نہیں چھوڑ سکتے۔ یہاں اس کے بغیر شروع کئے نہایت نقصان دکھائی دیتا ہے۔ یہ تو آپ نہ فرمایئے کہ بغیر کسی کی مدد کے آپ نے اسے شروع کیا۔ کسی کی مدد کے بغیر تو دونوں حیثیتوں سے یہ چیز آپ کے بس کی نہیں ہے۔ میں نے اوس کے اجزا صاحب عالم کے عشرت کدہ میں ہفتوں پڑے دیکھے ہیں۔ اون کی نظر کے بغیر تو حضرت قبلہ تک لے جانے بھی بے سود سے ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں بے مدد مالی رقم کے بھی یہ کام آپ کے امکان سے خارج سا ہے۔ رہا صورت نفع اللہ علیم ہے کہ اس میں ہم دخل نہ دیں گے جب تک آپ جواب صاف نہ دے دیں گے اس کام کے لئے مگر کتاب کی ترتیب میں تو نقصان نہ ڈالو۔ کہاں کا فر آپ کی امید پر پانی پھیرتا ہے بلکہ در حقیقت آپ ایک عالم کی امیدوں پر پانی پھیرتے ہیں ایک فضول بدگمانی کو اپنے ذہن میں جگہ دے کر دیوانی معاملات میں کس کو یقین ہے کہ کب تک نجات ہو جائے گی۔ یہ بھی آپ کا ایک زعم ہے میں سخت علیل ہوں اور اپنی علالت سے نہایت مشوش ہوں۔ اللہ فضل کرے اگر یہی صورت میری شکایت دورہ دوران سر کی رہی تو مجھے علاج کے لئے ضرور دہلی جانا ہو گا۔ مشین کے معاملہ وغیرہ کو مجھے نہ سپرد کیجئے آپ جانیں اور منشی عبدالغنی خان اگر وہ چٹھی میرے پاس آئی تو میں منشی عبدالغنی خان کو اطلاع کر دوں گا۔ میں اچھا نہیں ہوں دوران سر اور اختلاج کی بے حد شکایت ہے یہاں آجکل ایسی گرمی ہے جیسے اپنے وطن میں آغاز ماہ اپریل میں ہوتی ہے شب کو کسی قدر خنکی ہوتی ہے ورنہ تمام دن سفید باریک شیروانی پہنی جاتی ہے۔ زیادہ اخلاص والتسلیم۔

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد۔ ۳۰ر جنوری ۱۹۰۳ء

سائل دہلوی

بنام احسن مارہروی

(۱)

اخلاص منزلی سید علی احسن صاحب زاد عنایتکم!

تسلیم عرض ہے۔ آج صبح ہی حضرت قبلہ کا عنایت نامہ وصول ہوا اور آپ کا مرسلہ عنایت نامہ اوس میں ملفوف تھا آپ نے جو کچھ اپنا واقعہ اور سانحہ حضرت کو لکھا میں نے سب دیکھا۔ مجھے پہلے ہی تعجب تھا کہ کوئی سبب ضرور دوبارہ نہ ملنے کا ہوا ہوگا ایسا کیونکہ ہو سکتا تھا۔ لیکن حضرت سے کسی نے یہ کیوں کہا ہوگا کہ آپ پھر بھی تشریف لائے تھے اونہوں نے بددل ہو کر جیسا مجھے لکھا تھا میں نے حرف حرف غیر رنگ کی سیاہی سے نقل کر دیا تھا۔ مجھے آپ کے نقصان اور پریشانیوں کا نہایت الم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنا رحم و فضل کرے۔ دیکھئے دیکھئے ذرا طبیعت کو روکئے۔ مجھ پر تہمت نہ لیجئے۔ اللہ علیم ہے کہ میں آپ سے نہایت معترف ہوں اور ذرا ملال یا کسی لالچ ذاتی سے کبھی کچھ نہیں لکھتا بلکہ ہر پہلو سے آپ پر تاکید کرتا ہوں کہ آپ فصیح اللغات سے غفلت نہ کریں۔ یہی صورت آپ کی عدیم الفرصتی کی ہے تو ایک بڑے مدعا کا صریح خون ہو رہا ہے۔ آپ کو مصالح اجازت نہیں دیتے۔ اس طرف رجوع کرنے کی اور آپ کو اپنے لالچ پر خاص طور پر ایسی نظر ہے کہ آپ اوس میں دوسرا نہ کسی سے مدد لینے میں بھی نقصان کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ مجھے اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم ہوئی ہے اس سبب سے میں نے کبھی آپ کو پایا نہیں ہے اور جب کبھی جو کچھ لکھا ہے بے منشاء حضرت قبلہ[1] کا ہی قلم نہیں اٹھایا۔ نواب میر حسن علی خان صاحب بہادر اس کے شاہد ہیں جب آپ کو کوئی خط لکھا حضرت کے ایما سے لکھا اور حضرت کو دکھا کر نواب صاحب[2] کو ملاحظہ کرا کر بھیجا ہے۔ میری طرف آپ اب بھی کوئی تہمت کا وہم نہ لائیں ورنہ میں جس وقت صاف ہو جاؤں گا بشرط زندگی اور اوستاد سلامت رہیں اور منظور خدا ہے تو بہت جلد فصیح اللغات مرتب ہو جائے گی اور کوئی وقت ہی نہیں ہوگی۔ اس فقرے کے معنی بتا دیجئے کیا ہیں ورنہ سوائے خاندان والا کے اور کسی کی مجال نہیں جو میرے ذاتی کام میں دست اندازی کر سکے۔ نشان نمبر ایک کے لفظ کے معنی آپ کو آپ کے اوستاد نے کیا بتائے ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ بڑے جوش میں یہ دو لفظ لکھ گئے ہیں۔ میں نے پڑھنے لکھنے میں آپ سے بات زیادہ پا پڑ بیلے ہیں۔ میری نسبت آپ بے تکلف ایسے لفظ نہ برت جایا کیجئے جس کے کئی کئی پہلو نکلتے ہوں۔ نشان نمبر دو کے معنی آپ خود غلط سمجھے ہوئے ہیں۔ جس کا م کا ذکر کیا ہے اور جس سے مراد ہے وہ

---

[1] بظاہر داغ مراد ہیں [2] نواب میر حسن علی خان

بنام احسن مارہروی

(۶)

برادرم احسن صاحب زاد عنایتکم!

تسلیم - عنایت نامہ پہنچا، مضمون مندرجہ سے آگہی ہوئی - میں نے آپ کو آپ کے طلب پر جو اشعار سنداً موزوں کر کے دیئے ہیں وہ بحیثیت استاد مرحوم کے شاگرد ہونے کے نہیں دئے۔ اس سے قبل آپ کے قلم سے کئی بار میری نسبت نکل چکا ہے کہ میں اون کے تلامذہ میں رشادت کا مرتبہ نہیں رکھتا اور یہ سچ ہے اون کے شاگرد مجھ سے اچھے ہیں - میں نے وہ سندیں آپ کو اس وجہ سے لکھ کر دی ہیں کہ میں جہان آباد کی خاک سے بنا ہوں اور یہاں کے فصیح نژدوں میں بفضلہ تعالیٰ مانا جاتا ہوں۔ اگر آپ نے محض شاگرد جہاں استاد ہونے کی وجہ سے مجھے یہ عزت بخشی کہ مجھ سے اشعار استنادطلب کئے تھے تو ضرور آپ اون کو طبع نہ کیجئے مگر اتنا عرض کر دینا نامناسب نہ ہوگا کہ جا ، جائے ، جاگہ ، جانگاہ ، جاگہ یہ سب فارسی لفظ ہیں - میں سمجھ نہیں سکتا کہ استاد مرحوم نے بقول آپ کے (جائے) کو کیوں اور کب ترک کیا - میری غزلیں میں اکثر یہ لفظ اون کے کان تک پہنچا مگر کبھی اس کے متعلق اون کی زبان سے کچھ نہیں سنا - چنانچہ میری غزل کا مطلع یہ حاضر ہے جو اون کی اصلاح شدہ ہے ؎

چرچا ہے جا بجا ترے جلوہ گاہ کا　　　موسیٰ کو لوگ کہتے ہیں لونڈا نگاہ کا

میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کہ تو او نہوں نے اس کے ترک کرنے کی ہدایت کی لیکن مجھے کچھ بھی نہ لکھا - علاوہ ازیں آپ فضل الٰہی سے منتہی تلامذہ میں سے ہیں خود ہی اجتہادی قوت آپ کو حاصل ہے - غور تو کیجئے کہ کس قدر پیارا لفظ ہے یہ ہے نے خمسہ میں جس پر الزام ترک ہونے کا لگایا جاتا ہے - میرے نزدیک اپنے پانچوں لفظوں میں یہی لفظ ہے جو افصح ہے - میری آپ سے اخوت و محبت ہے میں اپنا کلام سند میں آپ کی معرفت خود ملک میں پیش کرنے سے احتراز کروں گا کہ آپ کو میری وجہ سے کاہش نہ اٹھانی پڑے اور آئندہ اس خدمت سے آپ بھی مجھے معاف فرمائیں گے - باقی بافضالہ خیریت ہے - فقط!

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل ۱۲ فروری سنہ ۱۹ء

بنام درک شاہجہان پوری

(۷)

جان داناجاہ سلمہ اللہ تعالیٰ!

۱۰ جون کا کارڈ موصول ہوا - خیریت رسی کی نوید نے مطمئن کیا - الحمد للہ تعالیٰ میں بھی تا دم تحریر بہ نیاز زیارت بہمہ وجوہ مع الخیر ثابت ہوں - آپ کی مخلصانہ پرسش نے گرویدہ اخلاق کر لیا ہے - خدا تعالیٰ آپ کو فائز المرام اور کامیاب رکھے - میں عدیم الفرصتی کی وجہ سے خط و کتابت کی رسم میں تقیید نہیں کر سکتا ، جس قدر اس وضع کی پابندی کرتا ہوں اسی قدر پابندی سے جواب خطوط لکھتا ہوں - میری شاعری کی مدح سرائی میرے مخلصوں کو زیبا نہیں - اپنوں کی ہر ادا سے مذموم بھی اپنوں کو عزیز ہوا کرتی ہے میں آپ کو اپنا جانتا ہوں اس لئے آپ کی خصوصیات کی سند نہیں - بھائی بیباک صاحب کو ہدیۂ دعا پیش کر دیجئے اور مزاج پرسی کر لیجئے باقی بافضل الٰہی بتصدق حضرت ختم پناہی و آلہ و اصحابہ خیریت ہے -

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خاں سائل ۱۴ جون سنہ ۱۹۱۷ء شنبہ -

بنام سید افتخار عالم صاحب مارہروی

(۳)

مخلصی!

تسلیم۔ آپ کی یاد آوری کا پہلے شکریہ بعد ازاں ۳۰ اگست کے کارڈ کا جواب ہے۔ مجھے یہاں سے واپس پہونچے کو چار ماہ گذر گئے۔ ناصر میاں بفضلہ تعالیٰ مدرسۂ اعزہ میں تعلیم پاتے ہیں۔ فضول اوقات زیادہ گزرتے ہیں، لکھنے پڑھنے سے رغبت نہیں۔ کھیل کا بھی سلیقہ نہیں ہے۔ خود آرائی کا شوق ہے اور روپیہ کی بربادی مدنظر۔ امانت بُری ہوتی کیا کروں ——— بروقت بکتے بکتے بھیجا پک گیا۔ گلدستۂ معیار الانشا ملاحظہ میں آیا ہوگا۔ کئی پیچیدگیاں فضل الٰہی سے سُلجھ گئیں۔ اس کی معاونت فرض ہے اور احسن صاحب سے بھی میری از سلام یاد دہانی کیجئے گا۔ والتسلیم۔ فقط!

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد از حیدر آباد ترپ بازار۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء

بنام ہمایوں مرزا بیرسٹر

(۴)

زاد عنایتکم تسلیم!

انشاء اللہ تعالیٰ چھ بجے اگر میں نہ بھی آپ کے ساتھ جا سکا تو آپ کے لئے گاڑی حاضر ہو جائے گی۔ ممکن ہے کہ میں قبل و بعد جاؤں واپسی کے لئے بھی آپ کے واسطے انتظام و خیال رکھا جائے گا، مطمئن رہیں۔ میں اپنی بابت اس وجہ سے مشکوک ہوں کہ میری لڑکی علیل ہے۔ والتسلیم۔

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل ۱۱ مارچ ۱۹۰۶ء

بنام احسن مارہروی

(۵)

محترمی سید صاحب زاد عنایتکم!

تسلیم۔ بدایوں شریف سے واپس آتے ہی ایسا سخت علیل ہوا ہوں کہ اس وقت تک صاحبِ فراش ہوں گاؤ تکیہ کے سہارے نیم دراز آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ مرض نہایت تشویش ہے۔ عارضہ انقباض قلب و دوران سر ملے جلے ہیں ——— سول سرجن معالج ہے، اللہ مالک ہے۔ او دھم کے متعلق میں اپنا مطلع حاضر کرتا ہوں اور یہ مطلع اوس غزل کا ہے جو حضرت اوستاد مرحوم کے ملاحظہ سے بھی گذری ہوئی ہے ؎

منہ کیے رہتے رہے بل گئی دیر تک   شب وصل اور حوم مچی دیر تک

اس مطلع کے موزوں پڑھے جانے میں آپ کے تمام مطالب حاصل ہو جائیں گے۔ تذکیر و تانیث و اشباع کسی بات کی کسر نہ رہے گی۔ میں اپنی حالت آپ کو لکھ چکا ہوں اس صورت میں خود تو غزل کی نقل کر نہیں سکتا۔ کوئی لکھا پڑھا میرا پرسانِ حال آگیا تو اوس سے لکھوا کر ملفوف دنیا زنامہ کر دوں گا۔ ورنہ شام کو یہ غزل بے خط بند ہو کر ڈاک کے سپرد کر دیا جائے گا۔ مجھے معذور تصور فرمائیے گا۔ غالباً آپ نے مُنّو میاں سے اوس غزل کی نقل حاصل کر لی ہوگی جو اون کے خسر صاحب لے گئے تھے اور آپ سے اونہوں نے نقل بھیجنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ جناب سید امیر حسین صاحب دلبر سے ملئے تو میرا سلام کہہ دیجئے گا۔ زیادہ شوق ملاقات۔ والتسلیم۔ اگر آپ کے منافی طبع نہ ہو تو میرا کلام آپ پبلک میں نہ پیش کریں۔ وہ اس لائق نہیں اور حق تو یہ ہے کہ اکثر بےجا یوں کو اعتراض کرنے کی زحمت اوٹھانی پڑتی ہے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل ۲۴ نومبر ۱۹۰۶ء

جن کو میری پھوپھی زاد بہن منسوب تھی۔ پانچویں میری حقیقی بھائی کا بیوہ ہونا اس کی عمر اس وقت اٹھائیس سال کی ہے۔ اوس کا خاوند جاگیردار تعلقدار چند اضلاع پنجاب کا تھا[1] جس کی آمدنی تیرہ لاکھ روپیہ سالانہ کی تھی۔ یہ لڑکی بے اولاد ہونے کی وجہ سے وہاں کے قانون کی رو سے اوس جاگیر میں کوئی دخل نہیں دے سکتی۔ صرف پانچ سو روپیہ ماہوار پائے گی اگر عقد ثانی نہ کرے گی۔ ان تمام واقعات نے کم و بیش مجھے فکریں ورزشیں میں کہیں بوجہ ذات کے کہیں بوجہ تعلقات کے۔ ۶۶ سال کی میری عمر امراض ایسے شدید صحت و عافیت کیا دمسازی کر سکتی ہے۔ اپنے افکار میں بہت غلطاں و پیچاں ہوں۔ آپ جیسی محترم ہستی کو بھی خط پتر لکھنا بھول گیا ہوں۔ صرف بیٹھے کا شوق حالات پر غور کرتے ہوئے جب سے میں حیدرآباد میں آیا ہوں ۴۲ سال گزرے آپ سے نیاز حاصل کئے ہوں اثنا میں صرف دو دفعہ بلدہ گیا وہ دو چار چار روز کے لئے جو نہ جانے کے برابر تھا۔ آپ کے نوازش نامہ کے ورود نے مجھے اور میری اہلیہ کو اس قدر مسرور اور متہیج کیا کہ کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ صاحبزادہ کی تشریف آوری غریب خانہ پر موجب مسرت و شادمانی ہوئی۔ کامگار بیبی علیخان بہادر کی سعادت مندی پر دل لوٹ گیا۔ اچھی سے اچھے ہی ہونے چاہئیں۔ اون کی تعلیمی کامیابی کی تہنیت قبول کیجئے۔ ناصر میاں دہلی میں رونق افروز ہیں اونہوں نے بطور خود بیگم خورشید عالم کی سب سے چھوٹی نواسی سے عقد کر لیا ہے اور مجھ سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر علحدہ رہتے ہیں۔ اس بیوی سے اون کے تین بچے ہوتے ہیں۔ دو زندہ ہیں ایک مر گیا۔ پچھلی بیگم صاحبہ اون کی میرے پاس ہیں جمعہ اپنے فرزند کے بہادر لڑکا اون کا جوان ہو گیا ہے اور کسی کمپنی میں ساٹھ روپیہ ماہوار کا نوکر ہے۔ مجھے علم نہیں کہ اوس کی تنخواہ کہاں آتی ہے اور کہاں صرف ہوتی ہے۔ اوس کی والدہ اور اوس کی خبرگیری سے ناصر میاں کو کوئی تعلق نہیں۔ روٹی کپڑا اور دوسری ضروریات کا حسب استطاعت میں کفیل ہوں۔ ناصر میاں کا منصب بحکم اعلیٰ حضرت چھ سال سے بند ہے۔ یہ بندش منصب کی اون کی بیگم صاحبہ کی داد فریاد اور اون کے قرض خواہوں کی درخواستوں کے نتیجہ میں ہے۔ سخن ناشنوی جو اون کو قدرتی طور پر حاصل ہے ہونہ یاتی ہے۔ کوئی تردد اور تفکر اونہوں نے انجام مقصد کا سر ہارنہ کسی سے نہیں کیا۔ جو رقم ۸۰ روپیہ ماہانہ اون کو اون کے باپ کے ورثہ میں نصیب ہوئی ہے اوس میں بسر اوقات ہوتی ہے۔ تین برس ہوئے کہ ناتجربہ کاری اور بے احتیاطی کی وجہ سے شکار میں اپنے ہی ہاتھ سے اپنی بندوق سے زخمی ہوئے۔ بال شوٹ کے کارتوس کے سب چھرے اپنے پاؤں میں لگے تین مہینے اسپتال میں پڑے رہے۔ ٹخنے کی ہڈی ضائع ہو جانے کی وجہ سے لنگ کر کے چلتے ہیں اور اچھے ہیں۔ میری دختر زبیدہ بیگم کی شادی ہوئی کوئی چھ برس سے صرف ایک فرزند نرینہ اوس کے ہے جو چار سالہ ہے خاوند اوس کا قوم کا مغل ہے تعلیمی اعتبار سے ایف۔اے ہے پنجاب احاطہ میں اوورسیئر ہے سات سو روپیہ تنخواہ ہے للعہ روپیہ سالانہ ترقی ہے۔ آجکل ضلع رہتک میں بدلی ہوئی ہے جو یہاں سے ۴۲ میل کے فاصلہ پر ہے دو گھنٹہ میں ریل اور موٹر آجاتے ہیں۔ اللہ کا احسان ہے باہم خوش ہیں۔ سب سے بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ باوجود اس تعلیم کے نہایت خوش اعتقاد مسلمان ہے اور پابند صوم و صلوٰۃ۔ میرے دو لڑکے یہاں آگرہ ہوئے خدا کے فضل سے ایک کی عمر ۱۸ سال ہے ایک کی ۱۶ سال، دونوں دسویں جماعت میں ہیں۔ بڑے کا نام غلام قطب الدین احمد خان ہے چھوٹے کا نام غلام نظام الدین احمد خان۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی اولاد کو برومند کرے درازی عمر کے ساتھ۔ کشمیر میں چائے کی کاشت کی خبر آپ کو غلط ملی ہے۔ میرے داماد کی کو لطم ضلع کانگڑہ دھرم سالے میں ہے اوس کے احاطہ میں البتہ چائے کے چند قطع چھوٹے چھوٹے ہیں جن کی سالانہ آمدنی اوس کو شاید

---

[1] غالباً یہ ممدوٹ کی طرف اشارہ ہے جس کے لاولد مرنے پر ریاست ممدوٹ نواب شاہنواز مرحوم کو ملی اور ان سے نواب افتخار حسین خان کو۔

بنام پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی دہلوی

(۸)

مکرمی برادرم پنڈت جی صاحب زاد لطفہم!

تسلیم مع التکریم۔ آپ کا عنایت نامہ ۷ اکتوبر کا میری میز پر جواب دینے والے خطوط میں پڑا رہا اور میں شہر سے باہر رہا۔ ستمبر سے میں برابر سفروں میں ہوں۔ ڈیڑھ دن سے واپس آ کر صرف دو روز دہلی ٹھہرا تھا کہ ...... گیا۔ اورنگ آباد پہنچا۔ پونا گیا ...... پہنچا واپسی میں آگرہ سے دو روز بعد کہ دفعتاً نواب لوہارو کی حالت بُری سنی وہاں سے واپس آیا۔ دو روز بعد ان کا انتقال ہو گیا پانچ چھ روز بعد اس واقعہ کے میں الہ آباد گیا۔ پھر بنارس جانا ہوا کانپور آیا۔ ندوہ کے جلسوں میں شرکت کی۔ لکھنؤ آیا۔ یہاں سالانہ مشاعرہ کو بجائے جنوری کے فروری میں قرار دیا جس کی تاریخ ۲۶ ہے۔ وہاں سے رام پور آیا۔ نواب صاحب نے روک لیا۔ ۱۴ تاریخ کو دہلی آیا ہوں ہنوز زحمت سفر سے حواس ٹھکانے نہیں ہوئے ہیں۔ اس دوڑ دھوپ کی وجہ سے نہ مجھے گھر ٹھہرنا نصیب ہوا نہ کسی کو خط لکھنے کی نوبت آئی۔ رام پور میں ڈاکٹر انصاری سے سُنا کہ لالہ سری رام بھائی بہت علیل ہیں۔ وہیں سے ان کی مزاج پرسی کو خط بھیجا۔ کچھ حال نہیں معلوم ہوا۔ اس سخت سردی کے موسم کے سفروں نے جوڑ جوڑ میں درد پیدا کر دیا ہے۔ ذرا اس سے افاقہ ہو تو بھائی سری رام جی سے مل کر ان کو دیکھوں۔ مثنوی کی رفتار اس سفر نے بہت پست کر دی ہے۔ تین ہزار شعر اس کے ہو گئے ہیں۔ شہزادہ جہانگیر کی اسیری میں لعبہ ختم ہو گیا ہے۔ مہر النساء کا عقد علی قلی سے ہونے والا ہے۔[1] آپ یہ بتائیے کہ آپ لکھنؤ کب جائیں گے اور کتنے دن وہاں قیام ہو گا۔ کتاب عالی رباعی والی نہیں ہے۔ اس کی منزلت اپنی خوبیوں کے اعتبار سے ارفع ہے۔ باقی خیریت۔ والتسلیم:

آثم ابو المعظم سراج الدین احمد خاں سائل لال دروازہ دہلی ۱۹ دسمبر ۱۹۲۶ء

بنام نواب میر حسن علی خان

(۹)

مکرمی نواب صاحب بہادر سلامت رہیئے

میری اور میری بیوی کی جانب سے تسلیم و ادب قبول فرمائیے۔ میں ہنوز کئی سال سے مختلف امراض اور عوارض کا تودہ بنا ہوا ہوں نقرس کے دورے سخت سخت پڑتے ہیں، اختلاج قلب کی شکایت مزید برآں ہے۔ اس کے رمضان مبارک میں فیصلہ ہی ہو گیا تھا نہ معلوم کیا نیکی بدی کا حساب ابھی منتظر میں باقی ہے جو بچ گیا۔ یہ سال مجھ پر ایسا سخت گذرا ہے کہ خدا دشمن کو بھی نہ نصیب کرے۔ نقصان میں واقعات ملاحظہ ہوں۔ ایک حکیم اجمل خان صاحب کا انتقال جس کا اثر یہ کہ تقریباً دو ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ کا مالی خسارہ ہوا۔ دوسرا واقعہ میرے برادر حقیقی نواب مرزا شجاع الدین احمد خان تاباں کا جس کا خمیازہ یہ کہ نتیجہ یہ نکلا کہ اور تقسیم جائداد کا ہو گیا اس کے باوجود کہ میں قابض ہوں اور یہ بھی نہیں اور نہ متوفی نے اتنا چھوڑا کہ ادائی قرض ہو سکے۔ تیسرا واقعہ میرے حقیقی ماموں زاد بھائی کا جو صاحب جائداد کثیر تھے اور جوان تھے۔ بیوی ایک مدخولہ چھوڑ کر مرے۔ بیوی سے ایک بیٹا دو بیٹیاں مدخولہ سے۔ ایک دختر ہے بحیثیت بزرگ خاندان ہونے کے ان کا انتظام مجھ پر ہے۔ لڑکا ان کا دس برس سے امریکہ میں ہے وہاں اس کے بیوی بچے بھی ہو گئے۔ وہ اپنے باپ، ماں، بہنوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ باپ کے واقعہ کی اطلاع پر وہ مسرت سے یہ لکھ دیا کہ مجھا اپنی پھوپھی سردار جہاں بیگم اور چچا سائل صاحب کے فیصلہ سے اتفاق ہو گا میں اپنی والدہ کے عہد حیات میں جائداد منقولہ اور غیر منقولہ میں دخل دینا پسند نہیں کرتا۔ چوتھا واقعہ میری برادر عم زاد کا

---

[1] جہانگیر، مہر النساء اور علی قلی خاں کے ناموں سے واضح ہے کہ غالباً جہانگیر اور نور جہاں کے متعلق مثنوی شروع کی تھی۔

بنام وکل شاہجہان پوری

(۱۱)

بھائی حکیم صاحب سلامت رہئے!

تسلیم - آپ کا عنایت نامہ کارڈ وصول ہوا۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ مجھے اس قدر لغو گو سمجھتے ہیں کہ میں آپ کی ایسی پُر مہر طلب کو رد کر رہا ہوں۔ میں ایمان سے عرض کرتا ہوں کہ مجھ پر سخت تشویش کا وقت گذر رہا ہے ورنہ سر تا قدم ساختہ حاضر ہوتا۔ اگر آپ کے دل میں میری گنجائش ہے تو اس کو آئینہ دار میرے قلب کا سمجھئے۔ میری عمر ستر سال سے متجاوز ہے۔ میں فضول گوئی سے پرہیز کرتا ہوں اور دوستوں کو دھوکا دینا یا ان سے منافقانہ بات چیت کرنا گناہِ عظیم جانتا ہوں۔ طرح اور غیر طرح کا خیال بھی فضول ہے ۵۴ سال کے ذوقِ سخن کا اقتضا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں چند شعر طرح میں نہ عرض کر سکوں۔ امید ہے کہ آپ میری غیر حاضری کو معاف فرمائیں گے اور اس عزت افزائی کا سپاس مند ہوں جو میری نامزدگی آپ نے فرمائی تھی۔ سب صاحبوں کو میرا سلام کہہ دیجئے گا۔ آپ کا بہی خواہ:

ابو المعظم سائل از دہلی - ۱۶ر فروری ۱۹۳۵ء

بنام سید ولی محمد رضا

(۱۲)

سید صاحب عنایت فرمائے بندہ سلامت!

السلام علیکم - عنایت نامہ شرف لایا - میں نے تعمیل حکم حسب الارشاد کر دی۔ کچھ اپنے اشعار مثنوی کے سنداً حاضر کر دیئے ہیں جو مجھے الفاظ مستفسرہ کے متعلق یاد آئے کچھ کہہ دیئے ہیں۔ میں کسی سے مخالف نہیں جس کا جو مسلک ہے ہو۔ تذکیر و تانیث جو میری زبان پر میرے روزمرہ میں جاری ہے وہ مسلک ہذا ہے۔ صحت میری خراب ہے۔ پاؤں کے ٹوٹنے سے میں محتاج ہو کر فرش ایک سال سے ہو گیا ہوں۔ سردار جگت سنگھ صاحب سے بعد سلام فرما دیجئے کہ اختلاج قلب کے دورے سے نجات ہو گئی تو کچھ حاضر کر دوں گا۔ رہنمائے تعلیم کی صورت مجھے سالہا سال سے نہیں دکھی۔ آپ مجھے بھول گئے ہیں۔ میں بجائے خود خاموش ہو گیا زیادہ زیادہ۔

آثم ابو المعظم سراج الدین احمد خان سائل۔ ۴ر دسمبر ۳۸ء

موٹر : مونث

سیاہ رنگ تھا از بس کہ تیز موٹر تھی
سواری کوئی نہ پہچانی میں نے اندر کی

بائیسکل : مونث

نئی سے آیا ہوں بے پوچھے دام بائیسکل
ادا کروں گا میں قیمت سمجھ کے دیکھ کے بل

دسترس : مونث

کسی ایسے کے دامن تک نہ اپنی دسترس ہے
کہا کرتے ہیں جو اللہ و بس باقی ہوس ہے

دہی : مذکر

تمہاری سن کے بزرگوں کا قول یاد آیا
دہی کو اپنے بتاتا نہیں کوئی کھٹا

اپیل : مذکر

اپیل کر لیا منظور اگر عدالت نے
تو سمجھو کھایا ہے پلٹا تمہاری قسمت نے

دو سو روپیہ سال ہوجاتی ہے۔ بروک بانڈ کمپنی کہ وہ قطعات اجارہ پر دے رکھے ہیں۔ ہدیۃً ایک دو دفعہ وہاں کی چائے قدسیہ میرے لئے بھی لائی تھی چنداں قابلِ تعریف نہیں۔ وہاں بنیر چائے اچھی بنتی ہے اگر آپ کو پسند ہو تو میں قدسیہ بیگم کو لکھ دوں کہ دو تین پونڈ چائے نواب صاحب کو بھیج دو۔ میرے چچا کے ورثہ میں مجھے ایک ہزار سالانہ کا اضافہ ملا ہے۔ آپ کی بڑی صاحبزادی کی وفات کا حال یہاں معلوم ہی نہیں۔ اس خبر نے مجھے اور میری اہلیہ کو بہت مغموم کیا۔ اللہ آپ کو صبر عطا فرمائے اور مرحومہ کی اولاد کو سعادت حصول درجات و مراتب کا مورد فرمائے۔ صاحبزادہ سید اسحٰق احمد میاں کو میری جانب سے دعا کہہ دیجئے یہ بڑا خاندانی بزرگ زادہ ہے اللہ خوش رکھے ان کے بزرگ ہمارے پیشوا ہیں۔ آپ اپنے کلام کو ضرور طبع کرا دیں یہ ایک لٹریری خدمت ہے جس کی ابھی بہت کمی اور احتیاج ہے۔ نواب صاحب آپ براہ کرم حضرت جہانی اوستاد مرحوم کی سنت کو سلامت رکھئے کہیں کہیں کیا بلکہ اکثر و بیشتر کچھ کہتے رہئے۔ بیگم بصد ادب تسلیم عرض کرتی ہیں۔ بچوں کی طرف سے آداب و نیاز قبول ہو۔ صاحبزادگان کو دعائے دولت و عمر والتسلیم۔

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل۔ ۱۲ مئی ۲۹ء

(۱۰)

بنام دل شاہجہان پوری

مکرمی بھائی صاحب زاد الطافہم!

تسلیم عنایت نامہ استمزاج و دعوت شرکت مشاعرہ نمائش شاہجہان پور مجھے دو ہفتہ ہوئے وصول ہوا۔ یاد آوری کا سپاس مند ہوں۔ بھائی صاحب بہتر برس کا ہوچکا ہوں۔ اس کہن سالی پر طرہ یہ کہ مریض اختلاج قلب اور درد نقرس کا ہوں۔ اگر دورہ نقرس کا ہوگیا تو بیکار اگر اختلاج نے ستایا تو دیوانہ ہوجاؤں گا۔ اس شدید موسم میں مجھے کیوں یاد فرمایا جاتا ہے۔ دل نہیں چاہتا کہ آپ کی دعوت کو رد کروں محبت اور خلوص کے الفاظ میں آپ نے عنایت نامہ ارسال کیا ہے اور جو خلوص آپ مجھ سے برتتے ہیں اس کا میں معترف ہوں۔ خدا آپ کو خوش و خرم رکھے یہ درست اور بجا ہے کہ آپ کی کمیٹی میرے مصارف سفر برداشت کرے گی اور میری راحت رسانی کے مواقع سے چشم پوشی نہ کرے گی لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ میری جیب سے صرف ہو ہی جائے گا جو مجھے تکلیف دہ ہوگا۔ آپ کو معلوم نہیں جس مالی تکلیف میں آج کل میں مبتلا ہوں۔ میری بھاوج نے مجھ پر دعویٰ اپنے مہر کا کرکے پچیس ہزار روپیہ کی ڈگری عدالت سے حاصل کرلی ہے۔ میری جمعدوی جائداد پر زوال سا آگیا ہے۔ یہ رقم مجھے مارچ کے مہینے میں داخل عدالت کرنی ہے یہ فکر مجھے کھائے جاتا ہے۔ تقریباً ڈھائی سو روپیہ مہینہ کا فائدہ میرے ہاتھ سے نکلا جاتا ہے یہ فکر مجھے فکر سخن کیا کرنے دے گا آپ اور کامگار رسیرو صاحب کلکٹر صدر شاہجہان پور مجھے معاف کردیں تو میں بے حد ممنون ہوں گا۔ اگرچہ میرا دل آپ صاحبوں کی صورت دیکھنے کو چاہتا ہے لیکن اقتضائے وقت سے معذور سا ہو رہا ہوں اور تاخیر جواب نگاری کا معافی چاہتا ہوں۔ آج کارڈ دعوت بھی بھائی بیباک صاحب نے مجھے بھیج دیا ہے۔ انہی کو وسیلہ جواب قرار دے کر یہ نیاز نامہ ارسال کرتا ہوں۔ والتسلیم!

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل
۳۰ جنوری ۱۹۳۵ء

منشی محمد الدین فوق

(۱)

بنام محمد عبداللہ قریشی

محترمی قریشی صاحب - السلام علیکم - آج نہایت المناک حالات میں (برادر عزیز محمد نعیم الدین) سالک صاحب اور ماسٹر فضل الدین (نور) صاحب دو بجے دوپہر کے روانہ لاہور ہو گئے - خدا کرے وہ اپنے والد مرحوم کا منہ دیکھ سکیں - راستہ خراب ہونے کے باوجود ان کی پریشانی اور ان کے اضطراب نے ان کو ایک دم چین نہیں لینے دیا - آج آپ کا ... کا لکھا ہوا لفافہ بھی ان کو ملا تھا - میں بھی یہاں چند کتابوں کی وجہ سے پھنسا ہوا ہوں - تین دن ہوئے آپ کو بھی کارڈ لکھا تھا کہ (کتاب) اہلیا بائی گھر میں پہنچا دیں - یہاں بھی مزید تیس جلدوں کی ضرورت ہے - میں نے گھر میں خط لکھا ہوا ہے دوسری کتابوں کے ہمراہ اہلیا بائی بھی امید ہے بھجوا دیں گے - آپ کے خط میں سالک صاحب کے والد محترم کی علالت کا کچھ ذکر نہ تھا - غالباً ہارٹ فیل ہو گیا ہو گا - ہم لوگوں سے ان کی صحت بدرجہا اچھی تھی - خداوند کریم مغفرت کرے - مسافرت میں ایسے الم انگیز واقعات کا جو صدمہ ہوتا ہے میں بھی اس سے واقف ہوں - آپ ان کے بخیریت لاہور پہنچنے سے بھی مطلع فرمائیں اور کتاب اہلیا بائی ضرور گھر پر پہنچا دیں - اگر ساری نہیں تو سردست پچاس جلد ہی سہی - لیکن یک دم ساری پہنچا دیں گے تو مزدوری ایک ہی دفعہ دینی پڑے گی - نیز حاجی صاحب سے آپ نے بیس روپے لئے ہیں یا نہیں؟

۱؎ محمد عبداللہ صاحب قریشی کے نام فوق صاحب کے بہت سے خطوط موجود ہیں لیکن ان میں چونکہ بعض ایسے مباحث ہیں جن کا چھاپنا فی الحال مناسب نہیں لہٰذا انہیں روک لیا گیا ہے۔ (مدیر)

۲؎ منشی محمد الدین فوق کے بزرگ کشمیر سے پنجاب آئے اور موضع گھڑٹل ضلع سیالکوٹ میں آباد ہوئے۔ منشی صاحب فروری ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے تعلیم سے فراغت کے بعد پہلے پیسہ اخبار میں کام کرتے رہے۔ پھر اپنا اخبار پنجۂ فولاد ... بعد میں کشمیری میگزین جاری کیا۔ یہی میگزین ہفتہ وار کشمیری بن گیا جو متواتر کشمیر اور اہل کشمیر کی خدمت کرتا رہا۔ کشمیر اور اہل کشمیر کی خدمت کے سلسلے میں منشی صاحب کے کارنامے دنیا بھر پر روشن ہیں۔ ان کی ادارت میں "طریقت" "نظام" بھی نکلتے رہے۔ کشمیر کی تاریخ، اقوام کے متعلق بڑی اچھی کتابیں لکھیں۔ عام تاریخ کے متعلق ان کی تصانیف قابل قدر ہیں۔ وہ بیک وقت اخبار نویس بھی تھے مؤرخ بھی اور شاعر بھی۔ تاریخ لاہور کے متعلق ان کا مسودہ غیر مطبوعہ ہے۔ ۱۴ راگست ۱۹۴۵ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔

(محمد عبداللہ قریشی)

رتھ : مونث

سواری جو تھی مکلف سوار ہونے کی — فلس تھی بہلی تھی رتھ تھی تمام سونے کی

گنبد : مونث

یہاں کھڑی تھی جو بچی حسین و گلرو تھی — اچھالتی رہی نادر یہ گنبد پھولوں کی

پوزیشن : مذکر

خیال رکھتا ہے جو آدمی پوزیشن کا — وہ دل کا داغ سمجھتا ہے داغ دامن کا

بنام جناب اعجاز سکندر نازش

(۱۳)

عزیزی نازش صاحب سلمہٗ!

السلام علیکم - آپ کا خط مجھے ملا۔ میں ادب کی خدمت مدت سے کر رہا ہوں اس میں یگانہ اور بیگانہ کی تخصیص نہیں ہے میں نے آپ کی غزل کے شعر درست کر دیئے نظم آپ کی میں نے دیکھی۔ اردو فارسی ادب میں یہ نظم کسی صنف میں داخل نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ انگریزی ادب میں ہو گی کیونکہ اس کے مذاق سے میں آگاہ نہیں اس لئے میں نے اسے ہاتھ نہیں لگایا۔ آپ کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ آپ [illegible] سے لکھے پڑھے ہیں - ٹھیک ہی لکھی ہو گی۔ عاشقانہ رنگ، صوفیانہ طرز کی درستی میں اپنی طبیعت کے موافق کر سکتا ہوں اور خود بہت بڑا شاعر ہونے کا دعویدار نہیں۔ اردو زبان کی خامی نکال سکتا ہوں۔ فن کا جو عیب ہو گا فہم میں جو غلطی ہو گی اس کو سنبھال دوں گا۔ میرا دیوان اب تک نہیں چھپا اس لئے آپ کی خدمت میں بھیجنے سے معذور ہوں۔ اصرار احباب سے کچھ کہہ لیا تھا۔ اب آنکھوں میں پانی آ جانے کی وجہ سے اس میں بھی کمی ہو گئی۔ لکھنے پڑھنے میں دوسروں کا محتاج ہوں میری خدمت اگر پسند ہو حاضر ہوں ورنہ بڑے بڑے معتبر [illegible] مجھ سے اچھے ہیں ان سے رجوع فرمایئے۔

نکتہ آنکہ آپ کی ہدایت کے مطابق خط بیرنگ روانہ کیا جاتا ہے - والسلام:

ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل دہلوی - لال کنواں لال دروازہ ۲۰ جنوری [illegible]

بنام احسن مارہروی

(۱۴)

جناب استاد محترم [illegible] زاد عنایتکم!

تسلیم - عنایت نامہ کارڈ دہلی کی سیر کرتا ہوا مجھے کل شب کو یہاں وصول ہوا۔ میں واقعی دہلی گیا تھا مگر [illegible] صرف چند روز میں لوٹ کے واپس آ گیا تھا۔ کچھ خانگی معاملات کی وجہ سے گیا تھا اس کے بعد چار ماہ کا زمانہ بھی منقضی ہو گیا۔ گلدستہ کا اجراء جو کہتے ہیں ابھی اس کی اشاعت کی توقع سے واقف بھی ہیں مجھے تو اس کی تاخیر کی شکایت نہیں ہے میں نہایت شرمندہ ہوں کہ اب تک اپنی کاہلی و سہل انگاری سے کیوں واجب رقم سالانہ گلدستہ فصیح الملک نہیں بھیج سکا۔ چنانچہ اسی وقت منی آرڈر فارم لکھ کر آدمی کو دے دیا ہے کہ کل یہ روپیہ روانہ کر دے اور میں اس یاد دہانی کی تکلیف کی معافی چاہتا ہوں۔ معاملہ کی بابت میں آپ کیوں شرم کریں کام اس لحاظ سے نہیں چلتا علاوہ کیسے طالع ہیں [illegible] سیدھی سیدھی باتوں سے بڑا مانا کرتے ہیں آپ کو اپنا پتہ جب تک کوئی اور نہ دوں میرے نام کے رسائل و رسائل حیدرآباد ترپ بازار ہی پر رہیں۔ حسب الطلب چند اشعار اور حاضر کرتا ہوں اگر قابل درج ہوں تو لکھئے گا ورنہ میرا مدعا اپنے کلام کی اشاعت سے نہیں ہے۔ اپنی قابلیت کا اندازہ مجھے خود ہے۔ فقط!

ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل -

میں ریذیڈنسی کوارٹر نمبر ۲ میں ہوں اور ابھی تک سری نگر میں ہوں۔ بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ گرمی یہاں بھی خاصی رہی ہے مگر بارشوں سے حرارت و تمازت کا اثر کم ہو جاتا ہے۔

اپنی خیریت مزاج سے اطلاع دیتے رہیں۔ امید ہے آپ کے بچے بھی خیریت سے ہوں گے۔ سالک صاحب کا کیا حال ہے اور کیا شغل ہے؟ یہاں بہت سے واقعات و حالات ہیں۔ لیکن انقلاب والوں نے پرچہ ہی بھیجنا بند کر دیا۔ حالانکہ میں نے یہاں سے بھی ان کو ایک مضمون بھیجا تھا۔ اس کے چھپنے نہ چھپنے کا بھی علم نہیں۔ وہاں کبھی جانا ہو تو اخبار نہ بھیجنے کی وجہ تو دریافت کریں، مجھے کسی اور پر اعتبار نہیں ورنہ اخبار تو اور بھی ہیں، یہاں احسان۔ شہباز۔ زمیندار دیکھے جاتے ہیں۔ انقلاب کم نظر آتا ہے۔ حالانکہ آج ساری دنیا میں انقلاب ہی کا دور دورہ ہے۔

۳۰ راگست سنہ ۳۲ء

محمد دین فوق۔ ریذیڈنسی کوارٹر نمبر ۲ سری نگر کشمیر

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۵)

مکرم بندہ قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ آج آپ کا نوازش نامہ ملا! اخبار انقلاب بھی ملا۔ لیکن وہ پرچے درکار ہیں جن میں میرے مضمون ہیں۔ ایک تو اوڑی والا مضمون جو ۶ راگست کے بعد چھپا ہوگا۔ دوسرے ایک اور مضمون ہے جو میں ۲۸ رجولائی کو ڈاک میں ڈال آیا تھا۔ اس میں دو مضمون تھے۔ ایک مضمون محکمہ پنچایت کے متعلق تھا جس میں اعداد و شمار کا ذکر تھا۔ اگر یہ چھپ گیا ہے۔ تو اس کی کاپی ملے تاکہ آئندہ اس مضمون کا سلسلہ جاری رہے۔ آپ ان دونوں پرچوں کو تلاش کر کے بھجوائیں۔

آپ نے یہ کیا غضب کیا کہ آنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔ میرے خط کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے تھا۔ حالات جیسے لاہور میں ہیں ویسے ہی یہاں بھی ہیں۔ خدا سب جگہ ایک ہی ہے۔ بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ جموں کی سڑک تین مرتبہ بند ہو چکی ہے دو دن بند رہ کر آج پھر رواں ہو رہی ہے۔ کرایہ پنڈی تک آج ستر روپے اور جموں تک آٹھ نو روپے ہے۔ راوی کی طغیانی کا حال بھی اخبارات سے اور آپ کی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے۔ سنا ہے ریلوے میں بہت وقت سے جگہ ملتی ہے۔ اس کا آپ کو علم ہوگا۔ آج سے اسمبلی کا اجلاس شروع ہے۔ اگر اخبار انقلاب دو چار دن پہلے آتا تو میں پاس لے لیتا۔ بیکار سمجھ کر نہیں لیا۔ نیز اپنی کتاب کا کام درپیش تھا اور فرصت بھی نہ تھی۔

سالک صاحب کو سلام مسنون۔

محمد الدین فوق

۶ ستمبر سنہ ۳۲ء

ریذیڈنسی کوارٹر نمبر ۲۔ سری نگر کشمیر

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۶)

سری نگر کشمیر۔ محترمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ میں نے کشمیر آنے کے قریباً دس دن کے بعد سوپور سے آپ کو کارڈ لکھا تھا۔ تعجب ہے وہ ایک ماہ کے بعد کیوں ملا۔ بلکہ جواب نہ آنے پر میرا خیال تھا کہ آپ شاید سالک صاحب کے ساتھ لاہور سے باہر کہیں دورہ پر ہوں گے۔ میں ۲۹ جولائی کو سوپور سے باہر نکلا اور ۲۰ راگست کو واپس سوپور آیا۔ اس عرصہ میں قلم چکلا زچلڈارہ اور راجپور میں بوجہ بارش وغیرہ کے قیام رہا۔ دو مرتبہ ہنگس کی سیر کے لئے تیار ہوئے لیکن ہر بار بارش نے رکاوٹ ڈال دی۔

میں نے ان کے نام آپ کے خط میں جو رقعہ لکھا تھا۔ اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ وہ آپ کو میرا سارا حساب لکھ کر دے دیں اور آپ مجھے وہ رقعہ ارسال کر دیں۔

خاکسار محمد الدین فوق
ازسری نگر۔ محلہ شہید گنج۔
۱۴ ستمبر ۱۹۴۱ء

بنام محمد عبد اللہ قریشی

(۲)

محترمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط اور کشمیر سے!

ع جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

اور پھر راستے کے دلفریب مناظر کی کیفیت اور آپ کے جادو رقم قلم سے!

ع اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

میں اس وقت پیر صاحب (پیر ولی اللہ مخدومی) کے پاس بیٹھا ہوں اور موسم کے لحاظ سے ان کی چائے سے انکار کر رہا ہوں۔ البتہ برف ڈالی کے ستو پی لئے ہیں۔ آپ پنڈت گواشہ لال ایڈیٹر "کشمیر کرانیکل" متصل ڈاک خانہ امیرا کدل (سری نگر) سے ملیں اور ان سے میرا بلاک (میری ہی تصویر کا) لیتے آئیں۔ جو تاریخ اقوام کشمیر جلد دوم میں درج کروں گا۔ کشمیر کی سیر مبارک ہو اور جس مقصد کے لئے آپ کو سالک صاحب نے بھیجا ہے۔ اس میں کامیابی ہو۔

خاکسار محمد الدین فوق
۵ مئی ۱۹۴۲ء

بنام محمد عبد اللہ قریشی

(۴)

قلم چکلہ لنگیٹ (کشمیر) مکرمی قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ ابھی تک سری نگر نہیں گیا۔ اور دونوں سے پہلے شاید جا بھی نہ سکوں۔ گیا بھی تو پانچ چار دن سے زیادہ نہ رہوں گا۔ میں پانچ چھ دن سیم پور میں رہا۔ وہاں چائے سے پہلے انجیر اور خام اخروٹ اور آلو بخارے پر گزارہ ہوتا رہا۔ پھر سوپور اور بارہ مولا گیا۔ ....

سوپور میں چار دن رہا۔ ۲۹ جولائی کو ہندواڑہ سے ہوتا ہوا قلم چکلہ آیا۔ پرسوں ۵ اگست کو بنگس کا وسیع میدان جو چار میل لمبا ہے اور یہاں سے بارہ تیرہ میل ہے۔ ایک جماعت کے ساتھ دیکھنے کے لئے جا رہا ہوں۔ وہاں سے پانچ دن کے بعد واپسی ہے۔ پھر زچلڈارہ۔ راجپور۔ تریگام۔ لیڈروَن۔ وہاں سے درگہہ مولا۔ پھر ہندواڑہ پھر سوپور غالباً دونوں سے پہلے سوپور پہنچ جاؤں گا۔

آپ اپنے حالات سے اطلاع دیں۔ اخبارات کا کوئی علم نہیں ہے۔ ....

پتہ سردست سوپور ہی لکھیں معرفت پیر عبد الغنی یوسفی۔ سالک صاحب کو سلام۔

۳ اگست ۴۲ء
محمد الدین فوق

بنام محمد عبد اللہ قریشی

(۵)

مکرمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ امید ہے آپ بفضلہ خیریت سے ہوں گے۔ معلوم ہوتا ہے امسال (پروفیسر محمد علم الدین) سالک صاحب نہیں آئیں گے۔ اور چونکہ وہ نہیں آئیں گے۔ اس لئے آپ بھی نہیں آئیں گے۔

پریشان ہے۔ خواجہ الہ بخش گنائی کا حال لکھئے وہ لاہور میں ہیں یا کشمیر میں۔

یوم السعید منگل وار (۱۹ ستمبر ۱۹۴۲ء) سیم پور ڈاکخانہ سوپور کشمیر　　محمد الدین فوق

(۸)

بنام محمد عبد اللہ قریشی

سیم پور۔ ڈاکخانہ سوپور کشمیر۔ مکرمی۔ السلام علیکم۔ بد حواسی ملاحظہ ہو ایڈریس آپ کے نام کا ہے۔ اندر اس کے مضمون کسی اور کے نام کا ہے۔ آپ کا لفافہ مل گیا ہے۔ زمین مل گئی ہے کچھ الاٹ ہو گئی ہے۔ باقی بھی جلد مل جائے گی۔ اگلے سال انشاء اللہ رونق رہے گی۔ ممکن ہے زیلدارہ میں بھی کام کا سلسلہ ہو جائے۔ مگر وہاں پہلے اپنے نام زمین کا انتقال ہو جانا ضروری ہے۔ اس کے بعد مکان بننا ہے۔ آپ کو خط تو طویل لکھنا چاہتا تھا۔ لیکن سر دست "گندم اگر بہم نہ رسد بھس غنیمت است" پر عمل ہوا ہے۔ آدمی سوپور جا رہا ہے اس لئے وقت نہیں ہے۔

پیر ولی اللہ شاہ صاحب براجمان ہو گئے ہوں گے۔ ان کے حالات سے اطلاع دیں۔ نیز دریافت کریں کہ رہائی کا انتظام ہوا ہے یا نہیں۔ ان کو اور سالک صاحب کو السلام علیکم۔

یکم اکتوبر ۱۹۴۲ء　　　محمد الدین فوق

(۹)

بنام محمد عبد اللہ قریشی

سیم پور۔ سوپور کشمیر۔ مکرمی قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا ۲ اکتوبر کا لفافہ مجھے ۱۰ اکتوبر کو مل گیا تھا۔ لیکن اسی دن مجھے سری نگر جانا پڑا۔ وہاں سے بیمار ہو کر آیا۔ سوپور میں غنی بابا کے ہاں زیر علاج رہا۔ کل یہاں آیا ہوں اور آج خطوط کے جواب دے رہا ہوں۔ آج ہی میں نے خطوطِ اقبال کا مضمون پڑھا۔ بہت اچھا اور بہت ہی اچھا لکھا ہے۔ (اخبار) رہبر نے ایک مضمون مانگا تھا۔ اتفاق سے آپ کا مضمون آ گیا تھا۔ میں نے اسے بھیج کر جان چھڑالی۔ محمد عبد اللہ کی ذیلداری کا آخری فیصلہ ہو گیا یعنی ۱۹ اکتوبر کو ہونے والا ہے۔ ویسے ابھی تک وہی ذیلدار ہے۔ لیکن اب اپیل ہے۔ "محمد الدین فوق" کے نام کا مانوگرام بھی تیار کرائیں۔ آپ کا مانوگرام تو بہت اچھا ہے۔ اچھا سا ڈیزائن ہو لیٹر پیپر کے لئے۔ پیر صاحب اور سالک صاحب کو سلام مسنون۔ میں انشاء اللہ نومبر کے ہفتہ اول میں مراجعت لاہور کی توقع رکھتا ہوں۔

تاریخ بت شاہی والا مضمون بھی کہیں طبع ہوا ہے یا بزم ہی میں پڑھا گیا تھا؟ پروفیسر محمد اسلم خان ایم اے انگریزی میں تنقید لکھیں گے۔ ویسے تو میری خدمات علمی کا بڑا اعتراف و احترام کرتے ہیں۔ یہ بھی کہتے تھے پہلے مضمون دکھا لوں گا

ڈاکٹر صوفی صاحب سے اب تک ملاقات نہیں ہوئی۔ یہاں ارد گرد کے تمام پہاڑ سفید ہو رہے ہیں گو ابھی "در و دیوار و زمین ہم سفید و فلک ہم سفید" تک نوبت نہیں پہنچی۔ رات کو بارش آج بھی ہوئی۔ سردی شدت سے شروع ہے۔ پتہ سری نگر کا کافی ہے۔ جناب پیر عبد الغنی صاحب السلام علیکم۔

۷ اکتوبر ۱۹۴۲ء　　　محمد الدین فوق

اب پرسوں سے سری نگر میں ہوں۔ مکانات کی سخت دقت۔ قلت ہے۔ میں بھی مفتی رشید الدین کے ہاں مقیم ہوں۔ عزیز نذیر الدین (ہائی کورٹ، کا خط مکان کے لئے آیا تھا۔ لیکن مکان ملنا قریباً ناممکن ہے جس سے پوچھتا ہوں کانوں پر ہاتھ رکھتا ہے۔ کل میں پیرولی اللہ کی طرف شوپیاں جا رہا ہوں۔ دیکھئے ملاقات ہوتی ہے یا نہیں۔ اور ہوتی ہے تو کس طرح شوپیاں اور کولگام کے بعد پھر سوپور آؤں گا۔ اور چند دن سیم پور میں رہوں گا۔ سیم پورہ میں بھی کھٹ پٹ ہے۔ اس لئے اس مرتبہ وہاں بھی نہیں رہا۔ لیکن اب فصل شالی کے کاٹنے کا موقع ہے۔ اس لئے مجبوراً عید تک وہاں ٹھہروں گا۔ عید کے بعد غالباً سیاحوں کی کمی ہو جائے گی۔ اور شاید بشیر احمد کے ہاں کچھ گنجائش نکل سکے۔ اگر ایسا ہوا تو ریذیڈنسی ہی میں ٹھہروں گا لیکن میرا پتہ سر دست سوپور ہی کافی ہے۔ عید کے بعد جب سری نگر آؤں گا۔ حیرت (پاندانی) یا (مفتی) سعادت (مؤرخ کشمیر) سے مل کر حبہ خاتون کے اشعار دریافت کروں گا۔ لیکن چار پانچ شعر تو مع ترجمہ مجھے بھی مل جانے کی توقع ہے۔ آپ کا کارڈ کل مجھے سری نگر میں ملا ہے۔ یہاں ایک پروفیسر کالج تاریخ بڈشاہی پر تنقید لکھ رہے ہیں۔ کچھ موافق کچھ مخالف!

۳۰ راگست ۱۹۴۶ء　　محمد الدین فوقؔ

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۷)

مکرمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ لفافہ آپ کا ملا۔ پیرولی اللہ (مخدومی) کے ساتھ نوپورہ اور کولگام میں خوب دن گزرے۔ ان کی ہر بات کرامت ہے۔ اس لئے ان کی ہر بات سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ آٹھ دس دن مرتبے کی سیر رہی۔ سری نگر میں قلت مکان کی وجہ سے میں خود وہاں قیام نہیں کر سکا۔ تین دن رہا اور مفتی (رشید الدین تحصیلدار) صاحب کے مکان پر رہا۔ سیم پور میں خوب دن گزرے ہیں۔ چھلیاں (بھٹے)۔ اخروٹ۔ سیب۔ ناشپاتی کوئی دن خالی نہیں جاتا۔ سیب اس قدر گراں ہے کہ واقعی یا امیر لوگ کھائیں گے۔ یا جس کو ڈاکٹر حکیم بتائیں۔

مکان کا مزید ارادہ ہے۔ لیکن جب تک وہ زمین میرے نام انتقال نہ ہو جائے۔ یا کم سے کم میرے ساتھ اس کا سودا ہی نہ ہو جائے مکان وہاں کس طرح بن سکتا ہے۔ البتہ زیلدار کے ماجہ صاحب زور دے رہے ہیں۔ زمین مفت دیتے ہیں۔ لکڑی جس قدر خرچ ہو وہ بھی مفت۔ وہ جگہ بہت ٹھنڈی ہے اور سیر گاہیں بھی وہاں سے نزدیک ہیں صرف لیبر میرے ذمہ ہے۔ لیکن جو تخمینہ مکان کا بنایا ہے وہ بھی چھ سو سے کم نہیں۔ یہیں آکے بات رہ جاتی ہے میں نے کہا تھا تین سو کے اندر اسٹی میٹ ہو۔

سری نگر والے کی تنقید ابھی کہیں طبع نہیں ہوئی۔ خطوط اقبال بنام سراج الدین کی مطبوعہ کاپی مزید رسال کرائیں۔ میر خورشید کو خط لکھوں گا۔ خطوط اقبال بنام فوقؔ بھی مزید پڑھئے۔ اور انہیں میں اقوام کشمیر جلد دوم والا خط بھی ملا لیجئے۔ درحقیقت وہ بھی میری تحریک ہی سے تھا۔

حبہ خاتون کے اشعار مع ترجمہ امید ہے پانچ چھ مزید مل جائیں گے۔ سوپور والا مضمون ہمدرد میں بھجوا دوں گا۔ کسی اپنے مضمون کے ساتھ۔ اس لئے شاید دیر لگے۔ مجھے افسوس ہے کہ سیر کا باقی حصہ منغض ہو گیا اور عید ماتمی ہو گئی۔ کیونکہ کل اطلاع ملی ہے کہ میری ہمشیرہ معظمہ (اہلیہ ڈپٹی غلام حسین مزنگ) کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس لئے طبیعت

ؔ بہ معنی ہنگامہ

ہوتی اگر آپ اپنے شایانِ محبت و مقتضائے الفت مجھ کو اس کا موقع رحمت فرماتے جو جناب حاذق الملک کو عطا ہوا ہے مجھ کو جتنا وقت کہ فرصت کا ہو گا۔ انشاء اللہ جناب کی خدمت میں گزارنا اپنا فخر سمجھوں گا۔ میں اب بھی اپنے ارادے پر قائم ہوں۔ مگر یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس سفر میں خواہ ارودہ ہو یا کوئی اور مقام کس قدر نقد تمسکات فروخت ہوں گے جن کی قیمت فوراً وصول ہو جائے گی۔ اس لئے کہ میرا وقت زیادہ وہاں ہی صرف ہو گا۔ جہاں اس کی توقع ہے کہ نقدی تمسکات کی کسی قدر فروختگی ہو جائے گی۔ کیونکہ مجھ کو فرصت بہت کم ہے اور بڑے بڑے مقامات میں تمسکات کی فروختگی کے لئے جانا ہے۔ براہ نوازش جناب اس سے مطلع فرمائیں۔ فقط

۱۵ر اگست سنہ ۱۳ء　　　　نیازمند مختار احمد انصاری

(۳)

بنام عرفان صاحب

(لوزان)

برادر مکرم۔ السلام علیکم

ہم لوگ کل ویانا روانہ ہو رہے ہیں۔ وہاں سے وینس ہو کر حکیم صاحب ورسلیس تشریف لے جائیں گے تاکہ بندر سعید سے وہ ریل یا اسٹیمر سے بیروت جائیں اور وہاں صحت کی غرض سے دو ڈھائی ماہ قیام فرمائیں۔ میں استانبول انشاء اللہ ۱۵ر جولائی تک پہنچوں گا۔ نتیجی بک سے پیرس میں دوبارہ ملاقات کی، ان سے خواہش کی وہ انگورہ لکھ کر غازی پاشا سے ملاقات کے لئے تمام امور پہلے سے مقرر اور طے کر لیں۔ آخیر ماہ مئی میں پیرس سے روانگی کے قبل پھر ان سے مل کر آیا۔ انہوں نے کہا کہ جواب اس وقت تک نہیں آیا ہے۔ ہمارے پتہ پر لوزان بعد میں مطلع کریں گے لیکن جب ان کا کوئی خط آخیر جون تک نہ آیا تو ہم نے ان کو تار دیا، اس کا بھی جواب نہ آیا۔ ہم نے السعد بک ڈاکٹر عاقل مختار بک کمال عمر بک کو بھی خطوط لکھے۔ السعد بک کا خط آیا کہ ہم تمہارے منتظر ہیں۔ کمال عمر بک اور ڈاکٹر عاقل مختار بک کا جواب نہ آیا۔ ایک تار بھیجا۔ اس کا جواب یہ آیا کہ "تمہارا انگورہ جانا نہیں ممکن ہے لیکن ہم لوگ تم سے قسطنطنیہ میں بخوشی ملیں گے" اس جواب کے بعد حکیم صاحب نے اپنا جانا ملتوی کر دیا۔ لیکن میں جا رہا ہوں۔ قسطنطنیہ جا کر غازی پاشا اور دوسرے سرکاری وزرا سے ملنے کی خود بذریعہ تار خواہش کروں گا۔ اگر ملیں گے بہتر ورنہ وہاں دوستوں سے مل کر شام فلسطین، مصر ہوتا ہوا انشاء اللہ آخیر اگست تک بمبئی پہنچوں گا۔ حکیم صاحب مانسون سے بھی بچنا چاہتے ہیں اور لبنان میں آخیر ستمبر تک قیام کرنا چاہتے ہیں۔ میرے لئے مالی وجوہ سے اس قدر طولانی قیام کرنا غیر ممکن ہے۔ ایک فہرست آپ کو روانہ کرتا ہوں یہ ڈاکٹر رشاد۔ ڈاکٹر وہبی شریف پاشا اور دیگر اتراک نے خلیفہ عبد المجید آفندی کے پرائیویٹ سیکرٹری کے مشورہ سے تیار کی ہے۔ یہ خاندان عثمان کے ان افراد کی فہرست ہے جو کہ نہایت معذور و مجبور نان شبینہ کے لئے پریشان ہیں۔ ان کے واسطے وہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں کچھ کیا جائے۔ میں وہاں کی دقتوں سے واقف ہوں۔ مگر فہرست آپ کے پاس روانہ کرتا ہوں۔ نیز ایک تحریر داماد حامی عثمان بک کی یہ ایک نیک اور شریف نوجوان خاندان عثمان کے پیرس میں مجھے روانگی کے روز ملے اور ان کی ایک تحریر تین روز ہوئے مجھ کو لوزان

ڈاکٹر مختار احمد انصاری

(۱) ؎

مخدوم و مکرم جناب نواب صاحب۔ السلام علیکم

والا نامہ باعث افتخار ہوا۔ میں اس طرف کانپور زخمیوں کو دیکھنے کی غرض سے چلا گیا تھا اس وجہ جواب عریضہ میں تاخیر ہوئی۔ خواستگار معافی ہوں۔ حضور کی رائے درست ہے۔ تمسکات کا انتظام کر کے میں اپنے ہمراہ دورے میں ضرور رکھوں گا۔ پورے پروگرام سے عالی جناب کو میں بعد میں مطلع کروں گا۔ امروہہ صرف حضور کی قدم بوسی کے خیال سے حاضر ہوتا ہوں مجھ کو اندیشہ ہے کہ مجھ کو اس قدر وقت نہ ملے گا۔ کہ میں پھر ایں یا سکوں۔ میں زیادہ سے زیادہ دو تین ہفتہ تمام بڑے بڑے شہروں میں جہاں زیادہ رقوم جمع کرنے کی امید ہے صرف کر سکوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس زمانہ میں مطب مجھ کو بالکل بند کر دینا پڑے گا۔ تین ہفتہ سے زیادہ کی غیر حاضری کا میں کسی طرح متحمل نہ ہو سکوں گا۔

حضور نے تمسکات کی آمدنی کے بارے میں جو انتظام کیا ہے وہ نہایت ہی درست اور مناسب ہے۔ صرف ایک امر کی خاص اطلاع اور یاد دہانی کرانی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ بنک کو اس کی ہدایت فرمائیے کہ یہ رقم مہاجرین کی نو آبادی جو کہ ہند کے مسلمانوں کی جانب سے کی جا رہی ہے اس سوسائٹی کو روانہ کی جائے اس کا پتہ یہ ہے:۔

PROF ESSAD PACHA PRESIDENT INDO-OTTSMAN COLONISATION SOCIETY

CONSTANTINAPLE ورنہ رقم اور دوسری نو آبادی یا دوسرے مد میں صرف ہو گی اور یہ کام جو کہ شروع ہو چکا ہے انجام کو نہ پہنچے گا۔ میں نے محمد علی صاحب کو آپ کا خط دکھا دیا انہوں نے فرمایا کہ نواب صاحب کا ارشاد بہت بجا ہے میں احتیاط کروں گا۔

۱۲ر اگست ۱۹۱۳ء

مختار احمد انصاری (دہلی)

---

(۲) ؎

مخدوم بندہ زاد لطفہٗ

میں بالکل تیار تھا کہ امروہہ حاضر ہوتا مگر انتظار موقع نے یہ موقع ہاتھ سے کھو دیا۔ مجھ کو بے حد مسرت

؎ عطیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد ان خطوں کے مکتوب الیہم کا پتہ نہیں۔

سیّد غلام بھیک نیرنگ

(۱)

بنام شمس العلماء مولوی سید ممتاز علی صاحب

انبالہ سٹی نمبر ۲۱۵

۲۸ جون ۱۹۲۶ء

مخدوم بندہ جناب مولوی صاحب سلمکم اللہ تعالےٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی۔ میں نادم ہوں کہ آپ کے دو والا نامے جمع ہو گئے اور میں جواب نہ لکھ سکا۔ جواب تو میں فوراً لکھتا مگر مضمون زیادہ غور طلب تھا اس واسطے جواب دینے میں زیادہ وقت گذر گیا۔

میں نے آپ کو قواعد اور رپورٹیں اس غرض سے بھیجی تھیں کہ ان کو دیکھنے سے آپ کو ہمارے مقاصد اور ہمارا طریق انتظام دونوں معلوم ہو جاتے۔ یہ بھی پتہ لگ جاتا کہ ہم نے کس کس قسم کا کام کیا اور یہ بھی کہ کس کس کام میں کس قدر کامیابی ہوئی، کہاں تک ناکامی رہی۔ کیا کیا نقص ہیں اور کیوں ہیں۔ ہم اب تک بحمد اللہ اشتہاری طریقوں سے محترز رہے اور اس لئے پبلک کو کبھی جھوٹے وعدوں یا فرضی کارناموں سے کسی مغالطے میں نہیں ڈالا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تبلیغ ہماری وجہ معاش نہیں ہے[۱]۔

چونکہ آپ رپورٹیں پڑھنے کے لئے وقت نہ نکال سکے لہٰذا اب مختصر طور پر بیان مقاصد جمعیۃ اور اس کا طریق کار لکھ کر عرض کرتا ہوں کہ اب تک کیا کام کیا گیا اور آئندہ کیا ہو سکتا ہے۔

ہم نے تبلیغ میں تین چار پہلو کام کے لئے ہیں۔ اوّل انسداد ارتداد بذریعہ تعلیم مسلمانان۔ مسلمانوں کو اس قابل بنانا کہ وہ اغیار کے بہکاوے میں نہ آئیں۔ دوم بوقت ضرورت مدافعت بذریعہ مناظرہ وغیرہ۔ سوم مسلمانوں کی مالی حالت کی اصلاح تاکہ وہ افلاس کی وجہ سے ارتداد کے پھندے میں نہ پھنسیں (ثابت ہوا ہے کہ ارتداد کی تہ میں صرف جہل ہی نہیں افلاس بھی ہے)۔ چہارم بقدر وسعت غیر مسلموں کو حلقۂ اسلام میں داخل کرنا (اسی میں مرتدین کی واپسی بھی داخل ہے)۔

۱؎ ہم تو اپنے کاروبار کا نقصان گوارا کر کے اس کام کو اللہ تعالےٰ کا کام سمجھ کر کرتے ہیں ہم کو دکانداری سے کیا مطلب۔

میں ہی۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو مفصل حالات قسطنطنیہ سے (اگر ممکن ہوا) لکھوں گا۔ اشتباہ اس وجہ سے ہے کہ آج کل وہاں سُنا ہے کہ ایک قیامت حکومت نے برپا کر رکھی ہے۔ اسعد بک، مولود، عبدالرحمٰن سامی وغیرہ نے خط ایک شخص کے ہاتھ ترکی سے باہر جا کر ڈاک میں ڈلوائے تب ہمارے پاس پہنچے۔ کیا بلحاظ کردوں کی بغاوت کے، کیا بلحاظ وحید الدین کی سازش کے اور کیا بلحاظ اور اندرونی خطروں کے ترکی حکومت آج کل بے حد متوحش معلوم ہوتی ہے اور ہر قسم کی بندشیں اور سختیاں کر رکھی ہیں۔ تاہم میں نے تو قصد وہاں جانے کا کر لیا ہے۔ جو کچھ بھی معلومات بہم ہو سکیں گی کروں گا۔ البتہ فواد سلیم بک وغیرہ کا خیال ہے کہ غازی پاشا تو ملیں گے نہیں اور میرے ہمراہ ایک جاسوس ضرور کر دیا جائے گا۔ میں نے کہا کہ میں ESPIONAGE کا عادی ہوں اس سے ذرا میں نہیں گھبراتا اور اگر قید بھی کر دیا جاؤں تو اس کی مجھ کو فکر نہیں۔ قید فرنگ کا جس کو خوف نہیں اس کو ترکی جیل کا خوف کیا ہوگا۔ بہرحال میری تحریر کو آپ اپنے چند خاص آدمیوں تک محدود رکھئے یہ حالات ایسے خراب ہیں کہ ان کو باہر نہ جانا چاہیئے۔ شعیب کو میرا پیار فقط

۵ رجولائی ۱۹۲۵ء آپ کا بھائی مختار احمد انصاری

بحالات مندرجہ بالا میں ہر ایک ممکن العمل شرط کو پورا کرنے کو آمادہ ہوں۔ الّا یہ کہ مرتدین کو مسلمان بنا بنا کر گنواتا جاؤں اور روپیہ لیتا جاؤں۔ انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ آپ حکم دیں کہ ہماری جانب سے ایک یا دو مبلغ نوکر رکھو۔ اس کو خاص اس کام پر لگاؤ کہ مرتدین میں جا کر کام کرے اور ہر ماہ اس کی کارگذاری کی رپورٹ لو اور ہم کو دو۔ اس کی تنخواہ ہم دیں گے۔ میں ایسا کروں گا۔ لیکن اگر اس کی سعی ناکام رہی اور کوئی مرتد واپس نہ آیا تو اس صورت میں کیا کروں گا؟ تہذیبی بہنیں اس پر غور کریں جو کام ان کو پسند ہو اس کام کے لئے مناسب شرائط کے ساتھ مناسب احتیاطوں کے ماتحت وہ ہم کو روپیہ دیں۔ ہم صرف یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اپنا پورا زور لگائیں گے۔ نتیجہ اللہ تعالے کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے مبلغ حضرت نوحؑ سے بہتر تو نہ ہوں گے جنہوں نے اعتراف فرمایا: انی دعوت قومی لیلاً ونہاراً فلم یزدہم دعای الا فراراً۔ جناب خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تو نہ ہوں جن کو جناب الٰہی سے ارشاد ہوا: انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ آدمی اچھے سے اچھا مقرر کر دوں گا۔ اس کے کام کی نگرانی اچھی سے اچھی کر دوں گا۔ آپ کو اور تہذیبی بہنوں کو رپورٹ دیتا رہوں گا مگر ذمہ داری صرف کام کی لوں گا۔ نتائج کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دوں گا۔ والسلام!

بندہ غلام بھیک نیرنگ۔ جنرل سیکرٹری سنٹرل جمعیۃ تبلیغ الاسلام

(۲)

بنام جناب فخر یار جنگ بہادر (حیدرآباد دکن)

مکرمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج عالی۔ حضرت مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کے انتقال کی خبر آپ کو پہنچ چکی ہوگی۔ بہت بڑی ہستی اٹھ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نے اپنا سب کچھ اسلام پر قربان کر دیا۔ وہ عالم تھے، شیخ طریقت تھے، خاندانی پیرزادے تھے، اپنی شخصیت میں بڑی کشش رکھتے تھے، زبردست خطیب تھے۔ اگر وہ اس زمانے کی عام روش پر چلتے تو تقدس کی دکان کھول بیٹھتے اور خدا جانے کتنا کچھ مال و زر کماتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ دنیوی نقصانات اٹھاتے رہے۔ امراض میں مبتلا رہے۔ اہل و عیال کی تکلیفوں کو نظر انداز کرتے رہے مگر مرتے دم تک قوم کا غم کھایا اور اسلام کی خدمت کی۔ آخر بحالت خدمت ہی عالم غربت میں جان دے دی۔ گویا شہادت پائی۔

اب ان کے ورثاء پریشان حال ہیں۔ میں ایک عرضداشت تیار کر رہا ہوں، عنقریب سرکار حیدرآباد میں بھجواؤں گا۔

آج اخباروں کو ایک تار دیا ہے اس کی نقل ملفوف ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک اخبار نے لکھ دیا کہ مرحوم کا وظیفہ ان کے بھائی کو مل جائے۔ ایک جگہ ایک جلسے نے تجویز کر دیا کہ بھائی کو وظیفے میں شریک کر دیا جائے۔ یہ غلط مبحث ہے۔ بھائی کی درخواست ایک الگ معاملہ ہے جو آپ کے علم میں ہے۔ یہ معاملہ بالکل الگ ہے۔ مرحوم کے بچوں کو اگر کچھ مل سکے تو ضرور ملنا چاہیئے۔ اس میں بھائی کا کوئی حق نہیں ہو سکتا —— میں عنقریب آپ کو زیادہ تفصیل سے لکھوں گا اور شاید عنقریب حیدرآباد آؤں گا بھی اور وہ بسلسلۂ تبلیغ نہیں بلکہ بسلسلہ مسلم ہائی سکول —— زیادہ نیاز۔ والسلام!

بندہ غلام بھیک نیرنگ ۵ / اکتوبر ۱۹۳۲ء

چونکہ ہم نے جمعیتہ مرکزیہ کی بنیاد یکم جولائی ۱۹۲۳ء کو رکھی تھی جب کہ ارتداد کی وبائی صورت ختم ہو چکی تھی اور آریہ سماجی جس قدر لوگوں کو اپنی پندرہ سالہ خفیہ ریشہ دوانیوں سے ارتداد کے واسطے آمادہ کر سکے تھے ان کو مرتد کر چکے تھے اس واسطے اس جمعیتہ کی مساعی کا مرکز قسم اول و دوم کا کام کر رہا ہے۔ جن دیہات کی حالت خطرناک تھی وہاں مکاتب قائم کئے گئے۔ بچوں کو دینی تعلیم دی گئی اور مدرس کو بڑوں پر اثر ڈال کر ان کی حالت کو درست کرنے کا بھی ذمہ دار گردانا گیا۔ گشتی مبلغین و واعظین کے ذریعے سے دیہات کے مسلمانوں کو مخالفین اسلام کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا گیا۔ برادریوں کی پنچائتیں اور کانفرنسیں کر کے ان کو اسلام کی خوبیاں بتائی گئیں۔ الغرض استحکامی اور دفاعی کام کیا گیا۔ اسی کام کے ضمن میں مرتدین کی واپسی بھی ہوئی۔ مگر مرتدین کی واپسی کو مقصد نہیں بنایا گیا۔ مالی اصلاح کے ضمن میں بہت مقروض ملکانوں کو روپیہ دے کر قرض خواہوں سے ان کو چھڑایا گیا۔ مگر اس عنوان کے تحت میں معتدبہ کام نہیں ہو سکا۔ مکاتب وغیرہ کے تحت میں جو کام ہوا اس کی تفصیل یہ ہے:

سنہ	تعداد مکاتب	تعداد مبلغین
۱۹۲۳ء	۲۸	۳۸
۱۹۲۴ء	۱۰۴	۵۰
۱۹۲۵ء	۶۶	۱۰
مرتدین جو واپس ہوئے ان کی تعداد		۳۶۰
غیر مسلم جو داخل اسلام ہوئے ان کی تعداد		۴۰۰

اس کے علاوہ اکتالیس مواضعات کی شدھی کو روکا گیا۔

یہ اب تک کے اعمالنامے کا خلاصہ ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم مبلغین کا ایک اعلیٰ مدرسہ جو بلاتشبیہ گوروکل کانگڑی ہردوار کا جواب ثابت ہو اس کے قیام کا فیصلہ ہو گیا ہے، سرمایہ بہم پہنچ گیا ہے۔ ایک بڑے وقف نے اس کی کفالت کر لی ہے۔ اس کی ایک خاص کمیٹی بن گئی ہے جس میں ہماری جمعیتہ کے صدر صاحب، نائب صدر صاحب اور معتمد عمومی بھی شامل ہیں۔ انشاءاللہ وہ کام جلد سے جلد جاری ہو جائے گا۔ اس میں جمعیت ہذا کا دخل صرف اس قدر رہے کہ یہ جمعیت اس کی محرک ہے اور اس کی سعی سے اس کا سرجود قائم ہوا مگر اس کے حسنات کا شمار انشاءاللہ ایک نیک بندے کے نامۂ اعمال میں ہوگا جس نے ایک صدقۂ جاریہ قائم کیا۔ اس صدقۂ جاریہ سے اس درسگاہ کے مصارف چلیں گے۔

جس قسم کا کام اوپر لکھا گیا وہ اب تک کیا گیا مگر واقعہ یہ ہے کہ مقدار کے لحاظ سے اس وقت تک عشر عشیر بھی نہیں ہو سکا اور صفت کے اعتبار سے بھی جیسا کام ہو سکا ہے اس سے بدرجہا بہتر ہونا چاہئے تھا۔ مبلغ اور مدرس تعداد میں بھی کئی گنا زیادہ درکار ہیں اور ان کی قابلیت کے لحاظ سے بھی ان کو موجودہ حالت سے کئی گنا بہتر ہونا چاہئے۔ اگر کافی روپیہ موجود ہو تو سب کچھ کیا جا سکتا ہے معیار بہت بلند ہونا چاہئے اور ہے۔ مگر موجودہ حالت میں ہم ہرگز دعویٰ نہیں کرتے کہ ہم معیار تک پہنچ گئے ہیں بلکہ ہر ایک شائع شدہ رپورٹ میں اپنے کام کے نقص اپنے ہی قلم سے لکھ دیئے ہیں۔

---

[1] مُردوں میں دوبارہ جان ڈالنے کو موخر رکھا گیا۔ زندوں کو امراض مہلکہ سے محفوظ کرنا مقدم سمجھا گیا۔

الور کو واپس نہیں گئے تو کیا جواب دیا جائے اور کس بنیاد پہ دیا جائے۔

سوالات بالا کا جواب جہاں تک ممکن ہو مدلل دیجئے۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر مجھ کو مہاجرین کی مردم شماری صحیح صحیح مل جائے (کم از کم دہلی ہی کی مل جائے) تو وائسرائے اور چیف کمشنر دونوں کو چیلنج دوں کہ میں فلاں دن فلاں مقام پر تمام مہاجرین کو جمع کرتا ہوں۔ وہ مجمع بالکل نہتا اور قطعاً خاموش ہوگا۔ نہ کچھ بولے گا نہ کوئی حرکت کرے گا حتیٰ کہ اگر آپ بُرا نہ مانیں تو آپ کو اشارے سے بھی سلام تک نہ کرے گا تاکہ بالکل ہی بتوں کا ایک مجمع دکھائی دے۔ آپ پانچ منٹ کے واسطے آکر ان کو خود دیکھ لیجئے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ ان کی تعداد کیا ہے اور پھر نہ ہم سے پوچھنے کی ضرورت پڑے نہ حکامِ الور سے۔

کیا ایسے مجمع کا انتظام مستقبل قریب میں کیا جا سکتا ہے؟

میں انشاء اللہ کل کو یہاں سے ڈیڑھ سو روپیہ بھجواؤں گا اور چندے کے واسطے خاص کوشش کر رہا ہوں۔ آپ کی مشکلات کا بوجھ میرے قلب و دماغ پر ہر وقت ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھئے کہ میں آپ کو ان کا ذکر کرنے سے بھی منع کرتا ہوں۔ ذکر ضرور کرتے رہیے تاکہ کسی حد تک آپ کی طبیعت ہلکی ہو اور میں بھی غافل نہ ہو جاؤں۔ والسلام

بندہ: غلام بھیک نیرنگ　انبالہ ۱۶ / اکتوبر ۱۹۳۲ء

مولوی سعید حسن صاحب کو آپ خود اس خط کا مضمون یعنی خلاصہ جہاں تک ان کے متعلق ہے لکھ دیں۔ میرا وقت آج اور کاموں میں صرف ہو گیا اور خدا جانے پھر کب وقت ملے۔

نوٹ: سید صاحب کے ارشاد کے مطابق گوڑگانواں کا کیمپ توڑ کر مہاجرین کو دہلی بلا لیا گیا اور ۳ / نومبر ۳۲ء کو دہلی کیمپ میں تمام مہاجرین کو جمع کیا گیا۔ چیف کمشنر دہلی نے دور سے ہی معائنہ کیا۔　(محمد اسحٰق)

---

(۴)

<u>بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی</u>

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الحمد للہ کہ میں آج یہاں خیریت سے پہنچ گیا۔ الور کے اسٹیشن پر کوئی نہیں ملا لیکن اس کے سبب کے بارے میں کوئی خاص رائے قائم ہونا مشکل ہے کیونکہ ہماری گاڑی پیچھے کی طرف تھی اور روشنی گل کی ہوئی تھی۔ اگر کوئی ٹارچ سے دیکھتا تو باہر سے دیکھ سکتا تھا۔ ممکن ہے کوئی آیا ہو اور ڈبوں کو بند اور لوگوں کو سوتا ہوا پا کر لوٹ گیا ہو۔ میں جاگ رہا تھا، میری گاڑی کے سامنے کوئی نہیں آیا۔

یہاں خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ تجاویز کا نفرنس کے بارے میں تار دے چکا ہوں کہ بلا ترمیم اخباروں کو بھیج دی جائے۔

(۳)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل کا مفصل خط مع مراسلہ مولوی سعید حسن[۱] صاحب پہنچا۔

گوڑگاؤں کے مرض دو ہیں۔ اوّل مالی مشکلات، دوم کارکنوں کا ایک دوسرے کو نہ سمجھ سکنا اور باہم اختلاف سے گذر کر بدگمانی تک پہنچنا۔ چودھری[۲] صاحب کی نیت یقیناً بخیر ہے مگر ان میں ایک بات کی کمی ہے جس کی کمی لیڈر میں نہ ہونی چاہیئے۔ وہ مختلف طبائع کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر نہیں رکھ سکتے۔

میری رائے یہ ہے کہ آپ گوڑگاؤں کے مورچے کو اہمیت نہ دیجیئے۔ اب معاملات کی صورت ایسی ہو گئی ہے کہ منتشر لوگوں کو جمع کر لینے سے کام بہتر چلے گا۔ جب تک گوڑگاؤں اور فیروز پور جھرکہ اور ریواڑی میں کوئی سنبھالنے والا تھا مختلف مرکز بن سکتے تھے۔ جب سنبھالنے والا نہ رہا تو سب منتشر عناصر کو ایک جگہ جمع کر لینے سے ہی کام بہتر چلے گا۔ انتشار سے نقصان ہوگا لہٰذا آپ گوڑگاؤں سے تو لوگوں کو فوراً بلا لیجئے۔ ریواڑی اور فیروز پور جھرکہ سے معلوم کیجئے کہ وہاں کا کام چل رہا ہے یا نہیں اور لوگ برے اثرات سے محفوظ ہیں یا نہیں۔ اگر ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو وہاں کے لوگوں کو بھی دہلی میں بلا لیجئے۔

اچھا میں جانتا ہوں کہ اس طور پر جو خبریں ان مورچوں پر پہنچ کر مفید ہوتی تھیں شاید وہ دیر میں پہنچا کریں مگر اوّل تو میں انتظام کروں گا کہ خبریں برابر ان مقامات پر پہنچیں اور ہم کو پہنچائی جائیں۔ دوم اگر بالفرض خبروں میں کچھ توقف ہوا بھی تو وہ موجودہ مرحلے پر کچھ زیادہ مضرت رساں نہ ہوگا۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس انتظام سے دہلی کا مالی بوجھ جو پہلے ہی زیادہ ہے اور بڑھ جائے گا مگر اس سے نہ گھبرایئے اوّل تو مولوی سعید حسن صاحب کو دورہ کرنے کی آزادی ہوگی اس سے فائدہ ہوگا۔ دوسرے میں کچھ اور تدبیر بھی کر رہا ہوں۔ انشاءاللہ روپیہ آئے گا۔

ایک بے حد اہم بات: وائسرائے کی ملاقات میں اور پولیٹیکل سکرٹری کی گفتگو میں خاص طور سے تعداد مہاجرین کے بارے میں سوالات کئے گئے۔ پولیٹیکل سکرٹری نے کہا کہ چیف کمشنر کی رپورٹ ہے کہ دو سو سے زائد مہاجرین دہلی میں نہیں ہیں چیف کمشنر نے اگر ایسی رپورٹ کی تو وہ جھوٹ نہیں بولتا۔ کیمپ میں کسی وقت بھی پچاس آدمی سے زیادہ نظر نہیں آتے اور چیف کمشنر کو رپورٹ دینے والے سوائے اس کے کیا کر سکتے ہیں کہ آ کر کیمپ پر نظر ڈالیں اور رپورٹ کر دیں۔ اچھا تو میں نے پولیٹیکل سکرٹری کو جو جواب دیا وہ دیا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ خود اپنے ضمیر کے اطمینان کے واسطے آپ سے پوچھوں کہ آپ تعداد مہاجرین کیا سمجھتے ہیں اور کن وجوہ سے سمجھتے ہیں۔ ہم نے جو بار بار کہا کہ دس ہزار سے زائد نے ہجرت کی تو کس بنیاد پر کہا۔ آج اگر کوئی پوچھے کہ کتنے مہاجرین تا حال

---

[۱] یہ تبلیغ کے مبلّغ تھے۔ ریواڑی، گوڑگاؤں اور فیروز پور جھرکہ کے مہاجرین کیمپ کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔

[۲] چودھری یٰسین خان صاحب ایڈووکیٹ بانی میو ہائی اسکول نوح ضلع گوڑگانواں میواتی قوم کے لیڈر جو ہمارے شریک کار اور مہاجرین کیمپ گوڑگاؤں کے انچارج تھے۔

بزرگ کا وعظ بے اثر ہو گیا مگر خدا جانے یہ خط مولوی صاحب نے کس وقت لکھا تھا کہ اس میں دن بھر کے حالات کا نتیجہ درج نہیں۔ اسی وجہ سے میں نے آپ کو تار دیا ہے کہ مہاجرین کی حالت کی اطلاع بذریعہ تار دیجئے۔

مولوی صاحب کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض مہاجر روپیہ مانگتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کسی کا قرض ادا کرنا ہے کوئی کہتا ہے کرایہ مکان دینا ہے، کوئی کسی اور ضرورت کا حوالہ دیتا ہے۔ مولوی صاحب مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ کیا کیا جائے اس بات کا جواب مشکل ہے۔ اگر روپیہ موجود ہو تو جن لوگوں کو کوئی معقول اور اٹل ضرورت ہے ان کو دیا جا سکتا ہے مگر بعض لوگوں کی عادت ہی ہے کہ ہر موقع پر کچھ نہ کچھ اینٹھنے کی ترکیب کیا کرتے ہیں۔ آدمی کو دیکھ لیجئے۔ ضرورت کا اندازہ کر لیجئے اور پھر اپنی جیب کو دیکھئے۔ تینوں باتوں پر نظر کرنے کے بعد جیسا سمجھ میں آئے کیجئے۔

خدا کرے اس اونٹ کی کوئی کل سیدھی ہو جائے، تب اطمینان ہو۔ مہاجرین کے طبائع کے مشکلات ہیں۔ اہل الرائے حضرات کی رائے زنی سے خطرات ہیں۔ خالد حمیدی[1] اور بسرہ[2] جیسے لوگوں کے بہکانے کے اندیشے ہیں۔ ٹٹیری کے سے مزاج والے حضرات کا خوف ہے اور پھر جب یہ تمام منازل ہفت خواں مع الخیر طے ہو چکیں تو یہ کھٹکا باقی ہے کہ دیکھئے فریق ثانی کس حد تک اور کس رنگ میں ایفائے عہد کرے۔

اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ والسلام!

بندہ غلام بھیک۔ ۱۰ر دسمبر ۱۹۳۲ء

نوٹ: یہ خط علی گڑھ سے مجھے لکھا تھا میرے علی گڑھ پہنچنے سے قبل۔ (محمد اسحٰق حقانی)

(۶)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ ممکن ہے آپ نے علی گڑھ کے پتے سے لکھا ہو۔ اگر ایسا ہوا تو خدا جانے کب پہنچے کیونکہ وہاں شادی کے کام میں ڈاکٹر صاحب[3] کو شاید پتہ بدلنے کی بھی فرصت نہ ہو۔ خیر۔

میں کلکتہ میل سے روانہ ہو کر آج یہاں پہنچ گیا۔

الامان مورخہ ۱۲ر دسمبر میں پھر مزید فتنہ انگیزی کی گئی ہے۔ میں نے کل کے خط میں ملا صاحب[4] کو کچھ کھری کھری باتیں لکھ دی تھیں مگر مقامی نامہ نگار کے پردے میں۔ آج دل چاہتا ہے کہ صاف صاف ہی لکھ دوں مگر غور کے بعد ملتوی رکھتا ہوں۔ ذرا الور کا نتیجہ آجائے تو دیکھوں گا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ آپ کا بڑا خیال آتا ہے کہ اس فتنہ انگیزی کا ہدف ہوتے ہوئے دہلی میں رہنا اور صبر کرنا ایک سخت امتحان ہے۔

خاص طور پر دریافت طلب: ۷ر اگست کو جب آل انڈیا مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی میں وائسرائے صاحب کے ہاں وفد لے جانا

---

[1] یہ صاحب الور کی طرف سے متعین کئے گئے تھے کہ مہاجرین میں انتشار پیدا کر دیں تاکہ وہ گھبرا کر الور چلے جائیں۔

[2] خواجہ حسن نظامی صاحب مرحوم [3] ڈاکٹر ظفر الحسن صاحب پرنسپل علی گڑھ یونیورسٹی [4] مولوی نظام الدین صاحب

آج صبح مولانا شفیع داؤدی سے مشورہ ہوا، انہوں نے کہا کہ کھلے اجلاس میں جب تجویز منظور ہو گئی تو اب بدل نہیں سکتے۔

بہلول خاں صاحب کے بارے میں آج پریس کو تار دے دیا گیا جس میں نذیر الحق سپرنٹنڈنٹ پولیس جے پور کو بے نقاب کیا گیا۔ جو مشورہ مرزا عبدالقادر بیگ صاحب نے دیا تھا مولانا شفیع داؤدی ایم۔ ایل۔ اے سے مشورہ کر لیا۔ وہ جے پور چلنے کو آمادہ ہیں۔ میں مرزا صاحب کو لکھتا ہوں کہ کیٹ[1] صاحب کو لکھیں کہ ہم بہلول خاں کے متعلق آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ جناب ابوالاسرار حق سرہ میرے سفر اجمیر شریف کے دوران میں ان تحریروں کی وجہ سے جو میں نے امام صاحب کو لکھی تھیں، ایک مرتبہ الور ہو آئے ہیں اور آج صبح پھر گئے ہیں۔ میں ابھی امام صاحب سے نہیں ملا مگر اب ملنے جاؤں گا اگر انہوں نے سانس دیا تو کل کا دن یہاں ٹھہر کر چندے کی کوشش کروں گا۔

آپ ۹ر کی صبح کو یہاں ضرور پہنچ جائیں۔ جناب حاجی محمود الحسن صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا مگر آپ سے کہنا میں بھول گیا۔ مولوی سعید حسن صاحب کے ہاتھ کہلوایا تھا انہوں نے کہا ہو گا۔ حاجی صاحب کو ۹ر اور ۱۰ر تاریخ کو عرس کا کام درپیش ہو گا اس واسطے آپ کی ضرورت ہے۔ والسلام!

بندہ: غلام بھیک نیرنگ۔ دہلی ۷ر نومبر ۱۹۳۲ء

نوٹ: مہاراجہ جے سنگھ والی الور آگرہ میں تھے اور کچھ کرایہ کے مسلمانوں سے کام لے کر اے۔ جی۔ جی راجپوتانہ کو اپنے موافق بنانے کی سعی کر رہے تھے اس لئے ضروری ہو گیا کہ ہم اجمیر پہنچ کر اس فتنہ کا سدباب کریں چنانچہ میں اور سید صاحب اجمیر گئے اور وہاں کے لیڈروں بالخصوص مرزا عبدالقادر بیگ صاحب ایڈوکیٹ اجمیر سے مشورہ کے بعد اس فتنہ کا سدباب کیا کہ اطلاع ملی کہ جے پور میں بہلول خاں صاحب دانا کو گرفتار کر لیا گیا جو جمعیت افاغنہ کے صدر رہے تھے۔ اس لئے سید صاحب دہلی روانہ ہو گئے اور حالات کا جائزہ لینے کے لئے میں ٹھہر گیا۔ سید صاحب نے یہ خط مجھے حقانی منزل دہلی سے اجمیر شریف لکھا تھا۔
(محمد الحق)

---

(۵)

بنام جناب حکیم محمد الحق حقانی

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مولوی سعید حسن صاحب کی چٹھی سے ایک حد تک حالات معلوم ہوئے مگر بعض مضامین تشنہ رہ گئے۔ مثلاً انہوں نے لکھا کہ اس وقت تک کے قرض کی فہرست بھیجتا ہوں مگر لفافے میں کوئی فہرست نہ ملی۔ یہ تو معلوم ہوا کہ ایک بزرگ نے مہاجرین کو واپس جانے سے ایک حد تک منع کرنا چاہا اور میری ہدایات کے خلاف جن کا ان کو علم تھا یہ تجویز کیا کہ سب ٹھہریں اور صرف بعض جائیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مولوی سعید حسن صاحب کے سمجھانے سے ان

---

[1] انسپکٹر جنرل پولیس جے پور

ملفوف کرتا ہوں۔ اگر براہِ راست ڈاک سے بھیجوں تو جواب جلد نہیں آئے گا۔ آپ فوراً خاص آدمی ان کی خدمت میں یہ خط دے کر بھیجئے۔ وہ آدمی وہاں موجود رہے کہ اس کا جواب لائے اور وہ جواب مجھ کو بھیج دیجئے (اگر کل کی ڈاک سے بھیج سکیں تو انبالے بھیجئے ورنہ بمقام شملہ) تاکہ میں فوراً ضروری خطوط روانہ کر دوں۔ (میں نے مولانا شفیع سے ممبرانِ اسمبلی کے پتے دریافت کئے ہیں، بغرض ارسال خطوط)

خدا کرے عبدالرحمٰن[1] کو جلد شفا ہو جائے۔ اس کے والد کل شام کو پہنچے ہوں گے۔

والسلام!

بندہ: غلام بھیک نیرنگ۔ لاہور ۲۴ دسمبر ۱۹۳۲ء

جناب حاجی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون اور خط کا شکریہ۔

(خاص بات) انتظام ہونا چاہئے کہ اور کانفرنس فیروزپور جھرکہ کا فوٹو لیا جائے، ایسے طور سے کہ ایک اجتماع عظیم کا اندازہ فوٹو سے ہو سکے۔ کسی ہوشیار فوٹوگرافر سے گفتگو کر کے اس کو ساتھ لے چلیئے گا۔

نوٹ: یہ خط فیروزپور جھرکہ کی کانفرنس سے پہلے لاہور سے مجھے لکھا گیا تھا۔
(محمد اسحٰق حقانی)

---

(۸)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ میں نے آج مولانا الامان[2] کو خط (اس کی نقل رکھی گئی ہے آپ کسی وقت دیکھیں گے) لکھا ہے جس میں صرف اس مضمون کا ذکر ہے جو الامان مورخہ ۱۲ دسمبر کے صفحہ ۲ پر درج ہے جو آپ ساتھ لائے تھے۔ اس خط میں میں نے مقامی نگار کی خاص خبر سے ڈالی ہے کیونکہ یہ مقامی نگاری کے نام سے چھپا تھا اور مولوی صاحب کو لکھا ہے کہ بظاہر آپ نے مضمون کو دیکھا نہیں اور ادارۂ الامان نے شائع کر دیا، آئندہ اس سلسلے کی اشاعت بند کر دیجئے اور انتظار کیجئے کہ دربار الور کے احکام صادر ہو جائیں۔ اس وقت اگر ضرورت ہو تو مقامی نامہ نگار صاحب اپنے دل کے ارمان نکال سکتے ہیں۔

کل جو کچھ آپ کے اور مولانا[3] غفرلہٗ کے درمیان ظہور پذیر ہوا، آپ اس کے بارے میں ایک مفصل بیان لکھ کر میرے پاس بھیج دیجئے۔ میں اس سے ضرورت کے وقت کام لوں گا۔ میرے دہلی سے جانے کے بعد مہاجرین کا جو طریق عمل رہا اور جو کچھ چہ میگوئیاں ہوئیں وہ بھی لکھ دیجئے۔

---

[1] یہ انجمن خدام مہاجرین کے دفتر کا کلرک تھا
[2] مولانا مظہر الدین صاحب مرحوم مدیر "الامان" دہلی　[3] مولانا مظہر الدین۔

تجویز ہوا تو تحریک چندہ بھی ہوئی تھی۔ اس وقت ملا اللہ امان صاحب نے بھی ۵۰ روپے کا وعدہ کیا تھا۔ کیا یہ رقم وصول ہو چکی؟ اگر ہوئی تو کس تاریخ میں؟

اچھا ملا صاحب نے انجمن خدام مہاجرین کی جانب سے بھی شکایت کی ہے کہ اس کو نہ پوچھا گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس انجمن کی صحیح نوعیت کو ظاہر کرنے والے الفاظ میرے سامنے ہوں۔ براہِ مہربانی اس قرارداد کی مکمل نقل بھیج دیجئے جس کی رو سے یہ انجمن بنائی گئی تھی تاکہ صاف واضح ہو جائے کہ اس انجمن کا دائرہ کار کیا قرار دیا گیا تھا۔ آیا مہاجرین کی ضروریات خورد و نوش و قیام کا پورا کرنا یا ان کے مطالبات کے لئے پروپیگنڈہ اور جدوجہد کرنا بھی؟ اور خصوصاً صلح اور جنگ کے اختیارات بھی اس کو دئے گئے تھے یا نہیں؟

آپ نے اب تک ان مطالبات کی فہرست نہیں بھیجی جو بسلسلہ مصارف مہاجرین واجب الادا ہیں۔ اگر ممکن ہو تو فوراً بھیجئے۔

خان بہادر حاجی رحیم بخش[1] صاحب لکھتے ہیں کہ لوگ ان سے خطبہ صدارت مانگتے ہیں۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ جتنی کاپیاں آپ کے پاس موجود ہیں وہ درست ہو چکی ہیں۔ ان میں سے صرف ۵ کاپیاں رکھ لیجئے باقی خان بہادر صاحب کے پاس ۲ فرید کوٹ روڈ لاہور کے پتے سے بھیج دیجئے۔

چودھری یٰسین خان کو لکھتا ہوں کہ آپ کو روپیہ بھیجیں لیکن اگر آپ خود گوڑگاؤں ہو آئیں تو غالباً بہتر ہوگا۔ والسلام!

بندہ: غلام بھیک نیرنگ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۲ء

نوٹ: یہ خط علی گڑھ سے انبالہ پہنچنے کے بعد مجھے لکھا تھا۔ (محمد اسحٰق حقانی)

---

(۷)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جناب حاجی محمود حسن صاحب کا مفصل خط جس پر آپ نے بھی کچھ لکھا اوّل وسنی پہنچا اور پوسٹر پہنچے۔ اس کے بعد آپ کا خط جو پہلے لکھا گیا تھا ڈاک سے ملا۔

میں ابھی احرار سے نہیں ملا۔ اور اور کام کرتا رہا مگر شام تک کسی وقت مل کر بات کروں گا۔ جیسا قرار پائے گا لکھا جائے گا۔ آپ اجمیر شریف کو لکھئے کہ وہاں کے احرار بھی ضرور پہنچیں۔

حضرت مولانا سید احمد صاحب شاہی امام کی خدمت میں میں نے لکھا ہے کہ جلد سے جلد ایک ہزار روپیہ قرض دلوائیں خواہ جامع مسجد سے خواہ کہیں اور سے۔

کیا پوسٹروں کے مضمون کو ہینڈ بل کی شکل میں نہیں چھپوایا گیا؟ اگر نہیں چھپوایا گیا تو فوراً چھپوائیے تاکہ بطور دعوت نامہ بھیجے جا سکیں۔ مجھ کو بھی کم از کم تیس کاپیوں کی ضرورت ہوگی تاکہ انگریزی چٹھی کے ساتھ ممبران اسمبلی و کونسل آف سٹیٹ کو بھیجوں۔ یہ چٹھی کھلی ہے۔ آپ پڑھنے کے بعد بند کر کے بھیجیں۔ مولانا شفیع داؤدی صاحب کی خدمت میں خط لکھ کر اس کے ساتھ

---

[1] یہ ریٹائرڈ سشن جج تھے اور فیروزپور جھرکہ کی کانفرنس کے صدر تھے (محمد اسحٰق حقانی)

سرتیج بہادر سپرو

بنام طاہر فاروقی —— پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور (۱)

مخدوم و مکرم بندہ۔

تسلیم و نیاز۔ میں ۱۶ر جنوری سے پٹنہ گیا ہوا تھا۔ اور صبح ہی صبح واپس آیا۔ واپسی پر جناب کے دو والا نامہ مورخہ ۱۶ر جنوری میری نظر سے گزرے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ نے دسمبر کے پہلے ہفتہ میں مجھے خط بھیجا تھا۔ میں یہاں سے ۲ر دسمبر کو مدراس گیا تھا اور وہاں سے ۱۶ر دسمبر کو واپس آیا۔ میں نے ہر چند آپ کے خط کی تلاش کی مگر مجھے دستیاب نہیں ہوا ممکن ہے کہ وہ میری غیر حاضری کی وجہ سے یا تو یہاں ہی گم ہو گیا یا بذریعہ ڈاک مدراس بھیجا گیا ہو اور مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ حالانکہ مجھے جناب کی خدمت میں شرف نیاز حاصل نہیں ہے۔ مگر میں نے پچھلے ہفتہ میں سیرت اقبال کو پڑھا اور پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ اگرچہ میں عرصہ سے علامہ اقبال کے کمال شعر و سخن و فلسفہ کا مداح و ثنا خواں رہا ہوں لیکن آپ کی کتاب کو پڑھ کر میں ازبس خوش ہوا۔ اگر مجھے اجازت دیں تو میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ ایسی کتابوں سے اردو زبان کی وسعت معلوم ہوتی ہے اور اقبالؔ کی عظمت کا ہر شخص کی نگاہ میں اضافہ ہو گا۔

بزم اقبال سے مجھے ہر گونہ ہمدردی ہے۔ مجھے اس کی ممبری میں کچھ عذر نہیں ہے۔ مگر میں عادتاً سرپرستی کسی بزم یا انجمن کی قبول نہیں کرتا ہوں۔

جامعہ اردو کے قواعد و ضوابط کی نسبت میں صرف دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اول تو یہ کہ اگر آپ کی خواہش ہے کہ اس بزم کو استحکام حاصل ہو تو آپ اس کو مطابق ایکٹ ۲۱ سنہ ۱۸۶۰ء رجسٹر کرا لیجئے۔ دوسرے یہ کہ اردو کی اشاعت و مقبولیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ معمولی طور پر اُردو میں مشکل الفاظ فارسی و عربی نہ استعمال کی جائیں۔ جو الفاظ اس دو سو برس میں ہماری زبان میں جذب ہو گئے ہیں۔ ان کو خارج کرنا اور اس کے بجائے غیر مانوس الفاظ سنسکرت استعمال کرنا میرے خیال میں اردو کو تباہ کرنے کے برابر ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ادب و فلسفہ و شعر و سخن کی زبان بازاری زبان نہیں ہو سکتی۔ میں یہ عرض کروں گا کہ اگر آپ جیسے استاد اس طرف توجہ فرمائیں گے تو اردو ان حملوں سے جو آج کل

ممکن ہے کہ میں آج ہی کلکتہ میل سے واپس ہو جاؤں، انبالے میں ایک ضرورت سے مجھ کو کل موجود ہونا چاہیے۔ بلکہ یہ سمجھئے کہ میں آج ضرور واپس چلا جاؤں گا لہٰذا آپ ٹرین پر آنے کی تکلیف نہ کریں۔ اب میں انشاء اللہ ۱۵ دسمبر کی صبح کو دہلی پہنچوں گا۔ کنیز فاطمہ والا مقدمہ اب پھر شروع ہو گیا ہے اور مجھ کو طلب کیا گیا ہے۔

امام صاحب اگر آ گئے ہوں تو ان سے مل کر کل واقعات کا ذکر کر دیں اور معلوم کر کے لکھیں کہ ان کی رائے کیا ہے۔

والسلام!

بندہ: غلام بھیک نیرنگ

آج ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب بھی یہاں آ نکلے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی، معلوم ہوا کہ مولانا الامان ان سے پرسوں شام بھی ملے تھے۔ تب بھی انہوں نے مولوی صاحب کو تمام بات بتا دی تھی لہٰذا کل جو آپ کو ساتھ لیجا کر ملے تو یہ قند مکرر تھا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے ایک ضروری نوٹ لکھوا لیا ہے۔

آغا شاعر قزلباش

(۱)

بنام مہاراجہ سر کشن پرشاد

خدا تو بخشتا ہے سب قصور بندوں کے
خدائیگانِ کرم کیوں قصور کرتے ہیں

سرکارِ عالی! دام اقبالہٗ!

آداب۔ بعد تسلیم۔ اک عرصہ سے اس قدر ناراضگی ہے کہ نہ آفتاب کے لئے کوئی مضمون ہی عنایت ہوا نہ کوئی نظم ہی انطباع کے لئے بخشی گئی۔ گویا کمترین کی حقیقی گذارشوں سے حضور ناخوش ہو گئے۔ خیر یہ میرا نصیب ہے۔ اب سری حضور دربار دام اقبالہٗ تو ولایت ہیں اور یہاں خدا کا فضل ہونے والا ہے یعنی غریب کے گھر میں ایک نئی روح آنے والی ہے زہے نصیب۔ تقدیر۔ بس اللہ ہی مالک ہے۔ راتوں کی نیند اڑ گئی ہے۔

اکتوبر نمبر آفتاب کا خدمت عالی میں بھیجا جائے گا۔ اب سنہ ۱۹۲۱ء انشاء اللہ عام ہوگا۔

عاجز کمترین: قزلباش۔ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۲۱ء

(۲)

بنام مہاراجہ سر کشن پرشاد

سری حضور سر مہاراجہ بہادر دام اقبالہٗ ——— کی خدمت بابرکت میں گدائے بے نوا آغا شاعر قزلباش دہلوی کا دست بستہ آداب!

صحیفۂ گرامی موصول ہو کر باعث عد افتخار ہوا۔ دو غزلیں پہنچیں، بے حد شاکر فرمایا۔ اس سے پہلے بانسری والا مضمون یا کوئی اور مطلق نہیں پہنچا۔ اگر مضمون پہنچتا شکریہ کے ساتھ چھاپا جاتا۔ آئندہ کے لئے حکم دے دیں کہ مضامین اور غزلیں ہمیشہ رجسٹر میرے نام بھیج دی جایا کریں۔ اس طرح تلف ہونے کا خطرہ نہیں رہے گا۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ملک میں اس ناچیز ہستی کے قدر دان اب بھی موجود ہیں۔ چنانچہ میری عرضداشت پر نئی روح کے

اس پر ہو رہے ہیں محفوظ رہے گا۔ زیادہ نیاز
۲۰ رجنوری ۱۹۳۹ء
بندہ تیج بہادر سپرو

(۲)

بنام مولوی عبدالحق

مخدومی ڈاکٹر صاحب۔

تسلیم و نیاز۔ یہ خط میں ہائی کورٹ سے لکھ رہا ہوں۔ مجھے شام کو مسٹر عزیز کے یہاں ایک جلسہ ہے اُس میں جانا ہے۔ میں ۶ بجے تک واپس آجاؤں گا۔ اور پھر آٹھ بجے مجھے ایک اور صاحب کے یہاں جانا ہے۔
آج آپ ۶ بجے کے بعد تشریف لائیے۔ گھنٹہ بھر تو ضرور بات چیت ہو سکے گی۔ زیادہ نیاز
۵ رجنوری ۴۲ء
تیج بہادر سپرو

(۳)

بنام نصیر الدین ہاشمی

جناب مخدومی۔ تسلیم و نیاز (۱۹۔ البرٹ روڈ۔ الٰہ آباد)

گرامی نامہ مورخہ ۶ رجون وصول ہوا۔ اس کے بعد آپ کی مرسلہ کتاب "یورپ میں دکھنی مخطوطات" پہنچی۔ میں آپ کی عنایت کا ازبس مشکور ہوں۔

میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس عرصہ میں میں نے آپ کی کتاب کل پڑھ لی ہے۔ مگر میں نے مختلف مقامات پر اس کا مطالعہ ضرور کیا ہے۔ اور امید کرتا ہوں کہ جلد اس سے پورے طور پر واقفیت حاصل کروں گا۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی کتاب بغیر سخت محنت و تحقیقات کے تیار نہیں ہو سکتی۔ جس قدر میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے اس سے تو مجھے نہایت دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔

نیاز مند سر تیج بہادر سپرو

زیادہ حد ادب!

دو سال کے بعد یہ فتوح غیب بذریعہ نار پہنچنا چاہئے۔ آئندہ حضور مالک ہیں۔

آغا قزلباش ۲۰ را پریل ۱۹۲۲ء

(۵)

بنام بسمل دہلوی

عزیز من سلمہٗ!

دو خط پے بہ پے پہنچے۔ پہلی دفعہ پہلی اور دوسری دفعہ دوسری غزل۔ جیسی کچھ اس میں جان تھی میں نے نمک مرچ لگا دیا۔ یہ میرا شعار نہیں ہے کہ شاگرد کے اصلی خیالات کو بالکل بدل دوں اور نہ اس اصلاح کا نام اصلاح ہے۔ اگر یہ اشعار فی نفسہٖ آپ کی جدتِ طبع کا نتیجہ ہیں تو جس پایہ کے ہیں ان کی اتنی داد ضرور ملے گی۔ اس سے زیادہ میرے بس کا روگ نہیں جیتناب آپ کا گمان صحیح ہے وہ پنسل سے لکھا ہوا مطلع اور مقطع نہ تو میرا ہے نہ میری طرف سے دیا گیا ہے۔ یہ میاں خلیق کی کارستانی معلوم ہوتی ہے، یہ شخص بے حد حریص معلوم ہوتا ہے اور اس کا دہانِ طمع ہزار شعر مل جانے پر بھی نہیں بند ہوتا۔ بس وہ شعر انہوں نے اپنی طرف سے لکھ دیئے اور آپ کے دو شعر خود لے کر انہیں قلمزد کر دیا ہوگا۔ تعداد بھی پوری ہو گئی اور کام کا کام بن گیا۔ آپ مشاعرے میں جانے سے ایک دن قبل مجھ سے ضرور مل لیں اور جلسے کے روز تو ہم اور آپ ساتھ ہی چلیں گے۔

افسر الشعرا۔ ۳۱ر فروری۔ راحت منزل دہلی۔

(۶)

بنام آغا آفتاب علی (فرزند آغا صاحب)

برخوردار آفتاب علی طولعمرہٗ!

بعد دعائے درازی عمر و ازدیادِ اقبال کے بعد مطالعہ کرو کہ بتاریخ ۱۰ ر صبح کی گاڑی سے میں ضعیف و ناتوان، نروانہ اسٹیشن پہ اُترا کیتھل جانے والے مسافر یہیں سے دوسری گاڑی میں سوار ہوتے ہیں۔ اسی امید پہ میں بھی اترا تھا مگر میری تقدیر سے پچھلا عمل درآمد اب بند ہو چکا تھا۔ چنانچہ اسٹیشن سے باہر جاتے ہی معلوم ہو گیا کہ آج صبح چار بجے تک کوئی گاڑی یہاں سے کیتھل نہیں جائے گی۔ اب نہ اوڑھنا نہ بچھونا، کڑکڑاتے جاڑے کا موسم اور میں تنہا بے پناہ، محض خدا کے رحم پر جنگل بیابان میں کھڑا ہوں۔ یہ پہلی بھول ہوئی۔ دوسری غلطی سنو کہ جس ہینڈ بیگ میں میرا توشہ بھروسہ ضروریات اور پانوں کی ڈبیہ اور کچھ کاغذات تھے اس کی کنجی وہیں گھر میں رہ گئی تھی۔ یہ بھول نمبر دو ہوئی۔ تیسری مشکل یہ کہ اس گاؤں گنویں میں مَیں یار نہ آشنا۔ کل صبح چار بجے تک ٹھہروں تو کہاں؟ پہلے سے کوئی ٹھکانہ کیوں نہ کر لیا۔ یہ بھول نمبر تین۔ آخر تن بہ تقدیر اپنے کو خدا کے حوالے کیا اور ایک احاطے میں جا کھڑا ہوا۔ یہیں قضائے الٰہی سے ایک تھانیدار صاحب آ نکلے، مجھ سے پوچھا تم کون؟ عرض کیا مسافر جس کا گھر نہ در۔ معاً بیچارے نے خوف خدا کھایا اور کمبل اور ہینڈ بیگ اٹھوا کر مجھے تھانے میں لے گیا۔ دن بھر اور ساری رات نہایت آرام دیا۔ اب کل صبح کو یہاں سے کیتھل جانے کا قصد رکھتا ہوں جیتے بچے تو پھر ملیں گے۔

راقم: تمہارا ضعیف باپ! ۱۱ ر اپریل۔ نروانہ ضلع رہتک

خیر مقدم کے لئے کل پانچ نومبر کو پانچ سو روپیہ بذریعہ تار عالیجناب ہز ہائینس نواب صاحب بہادر رتنجیرہ نے عطا فرمایا۔ شکر للہ شکراً شکرا۔

عاجز کمترین قزلباش ۷ رنومبر ۱۹۲۱ء

(۳)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد — وبہ نستعین

عالیجاہا! دام اقبالہٗ!

آداب نیاز۔ بار بار عرض کیا گیا کہ میں دیوانہ مزاج آدمی اس دنیا کے حوادث کا کیونکر مقابلہ کروں۔ لیکن کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملتا۔ ہائے افسوس ——

کیا جہنم ہے خانۂ دنیا — جس کو دیکھا عذاب میں دیکھا

خیرے رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

شکر، صد شکر اس مالکِ حقیقی کا بتاریخ ۹ ردسمبر سنہ ۱۹۲۱ء بروز جمعہ بوقت چاشت برخوردار سعادت اطوار فرزند سوم بلند اقبال، آغا اقبال علی طولعمرہٗ پیدا ہو گیا۔ مگر اس کے دوسرے ہی دن غریب مریضہ سیدانی بیگم صاحبہ کو اچانک غش آ گیا، تیلیسی بھنچ گئی، نبض سرد پڑ گئی۔ بس نہ پوچھئے، لینے کے دینے پڑ گئے۔

ڈاکٹر، بیڈی ڈاکٹر، تین دائیاں اور مہمانان ناخواندہ و خواندہ کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ خدا خدا کر کے تین گھنٹہ تک موت اور زیست کے عالم کے بعد فضلِ الٰہی ہوا۔ ابھی تک علاج جاری ہے۔ ۲۵۰ روپیہ سے اونچا اس تین روز میں ٹھیکری ہو چکا۔ مگر شکر ہے اس قادر و توانا پاک بے نیاز کا کہ کئی جانیں بچ گئیں اور ابھی چھٹی دور ہے۔ اللہ تعالےٰ جل شانہٗ جلد تندرست فرمائے۔ آمین! ثم آمین!!

عاجز کمترین آغا قزلباش ۱۳ ردسمبر ۱۹۲۱ء

(۴)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

سرکار مہاراجہ صاحب بہادر دام اقبالہٗ!

آداب نیاز، دست بستہ۔

آفتاب کا مارچ نمبر ۱۹۲۲ء بھی پیش گاہ عالی میں بذریعہ ڈاک روانہ کر دیا گیا جس میں دو غزلیں فارسی کی طبع ہو گئیں۔ اب کوئی غزل باقی نہیں۔ مدت سے کوئی مضمون بھی عطا نہیں ہوا۔

آفتاب کا سالانہ چندہ بھی ابھی تک سرکار سے نہیں بھیجا گیا۔ حالانکہ ۱۹۲۲ء کا مارچ نمبر تک چھپ چکا ہے۔ اب اپریل حاضر ہو گا۔ کیا کمترین نہایت ادب سے اس امر کی طرف حضور کی توجہ کو مبذول کر سکتا ہے کہ کاغذ اور اخراجات کے لئے روپیہ کی اشد ضرورت ہے اور جو کچھ فدوی کو بخشا جاتا ہے وہ بذریعہ تار کرامت فرمایا جائے۔

کام شروع کر دیا ہے۔

کیا اس علمی امداد کے لئے میں حضور سے بھی عرض کروں کہ جلد سے جلد جو حضور پسند فرمائیں کچھ دستِ کرم کو جنبش دے سکیں۔ دیکھئے فردوسی فرماتا ہے ؎

فریدون فرخ فرشتہ نہ بود — زعود و زعنبر سرشتہ نہ بود

ز جود و کرم یافت این نیکوی — تو جود و کرم کن فریدوں توی

عالیجاہا! یہ میں خوب جانتا ہوں کہ اس زمانے میں ایسی علمی مراسلت کی کس کو غرض پڑی ہے مگر ہندوستان میں آپ ہی جیسی قدر شناس چند ہستیاں لے دے کر رہ گئیں۔ اگر انہی سے نہ عرض کیا جائے تو برائے خدا بتا دیجئے کہ ان جواہر پاروں کو ہم لوگ کہاں لے جائیں؟

ہم لوگ چراغ سحر ہیں۔ چند روز کے بعد یہ بیکار ہستیاں بھی اُٹھ جائیں گی۔ پھر نہ یہ چیز ہوگی نہ گاہک۔ اِنّا للّٰہ و اِنّا الیہ راجعون! نمونہ کے طور پر صرف ایک رباعی کا ترجمہ حاضر ہے۔ آپ کو قسم ہے اپنے مرتبہ اور عزت کی، ایک نظر اسے ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ بس کم و بیش ۸۰۰ رباعیوں کا ترجمہ اسی شان سے ہے۔ انصاف آپ ہی پر موقوف ہے۔

حکیم خیّام نیشاپوری

آمد سحرے ندا ز میخانۂ ما — کائے رند خراباتی دیوانۂ ما

برخیز کہ پُر کنیم پیمانہ زمے — زاں پیش کہ پر کنند پیمانۂ ما

افسر الشعراء

آئی یہ ندا صبح کو میخانے سے — اے رند خراباتی و دیوانے سے (دلچسپی مانند)

اٹھ جلد بھریں شراب سے ساغر ہم — کم بخت چھلک جائے نہ پیمانے سے

سرکار والا! عند اللہ انصاف کریں اگر یہ چیز خدا نخواستہ نہ چھپی اور میں مرگیا تو پھر تین برس کی جو رائیں کالی کی ہیں وہ اکارت ہی گئیں نا۔ اس لئے جبر نہیں، کوئی قرضہ نہیں۔ اگر سرکار اس علمی امداد کو حیاتِ جاودانی خیال فرما سکیں تو سب سے پہلی فرصت میں جو کچھ امداد ہو سکے بذریعہ تار کرامت فرما دیں۔ وما علینا الا البلاغ!

عاجز کمترین چراغ سحر: افسر الشعرا قزلباش دہلوی۔ جھالرا پاٹن راجپوتانہ

---

(۱۰)

بنام صادق حسین غبار

۱

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر

بھائی غبار!

سلام مسنون۔ آپ غبار ہیں اور ہم خاکسار۔ آپ کے تخلص ہی سے ڈر لگتا ہے۔ بھلا جہاں آپ جیسے مستندِ روزگار موجود ہوں وہاں ہم جیسے بے سواد ناچیز لوگوں کے لئے کلمۂ خیر کہنے والا کون ہو سکتا ہے۔ بھائی جان! آپ کے اعتراض وارد کرنے

(۷)

بنام سکرٹری آل انڈیا اردو کانفرنس

بندہ نواز!

سلام مسنون - یاد آوری کا شکریہ - مزید شکریہ اس جلیل القدر انجمن کا جس کے اراکین نے اس ہیچ کارہ کو اپنی ہم بزمی کے لائق تصور فرمایا، ورنہ در اصل بسبب ہجوم افکار و مسلسل علالت کے یہ فقیر اس قابل نہیں کہ کسی جلسے یا انجمن میں بیٹھ کر کوئی تبادلۂ خیالات کر سکے - دوسرے علیل آدمی کی رائے بھی علیل ہوتی ہے - اس لئے بوجوہ بالا نہایت ضروری ہے کہ آپ میرا نام فہرست شرکائے انجمن سے یک لخت قلمزن فرمادیں - میری حقیقی ترجمانی میرے اس پارۂ دل سے ہو سکتی ہے جسے میں اپنی برأت کے لئے پیش کرتا ہوں ؎

زہر کے گھونٹ پی رہے ہیں ہم　　　سانس لیتے ہیں جی رہے ہیں ہم

عاجز: افسر الشعرا - ۱۶ ردسمبر - جیمس اسکنرز گارڈن - دلّی

(۸)

بنام سکرٹری آل انڈیا اُردو کانفرنس

صاحب من! تسلیم ؎

اشک خوں رنگ لائے جاتا ہے　　　داغ اپنے جمائے جاتا ہے

آپ کی بھی وہی مثل ہے، "مان نہ مان میں تیرا مہمان" - میں برابر عرض کر رہا ہوں کہ میری حالت قابل رحم ہے - مجھ میں نقل و حرکت کی بھی زیادہ سکت نہیں اور آپ فرماتے ہیں اغراض و مقاصد جلسہ پیش کئے جاتے ہیں ضرور شرکت فرمائیں چار و ناچار الامر فوق الادب سمجھ کر اتنا وعدہ کرتا ہوں کہ اگر بد نصیب اور مضمحل طبیعت نے یاری دی تو آخری اجلاس ۲۹ دسمبر والے روز آخر وقت حاضر ہونے کی کوشش کروں گا - بشرطیکہ اللہ تعالیٰ نے چاہا اور زندگی نے وفا کی -

عاجز: افسر الشعرا - ۱۷ ردسمبر - جیمس اسکنرز گارڈن - دلّی

(۹)

بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد　　　وبہ نستعین

سرکار معظم! قدردان نقد سخن مدظلہ العالی!

تسلیم - بعد تکریم - اک عرصے سے صحت وری مزاج کے مژدہ سے محروم ہوں "شراب الصالحین" یعنی منظوم ترجمہ رباعیات حکیم عمر خیام نیشاپوری کو رباعی کا جواب رباعی میں اسی قوت سے، تین برس کامل خون جگر ٹپکا کر پورا کیا ہے - اگر یہ چیز میری زندگی میں چھپ گئی تو حضور ملاحظہ فرمائیں گے کہ اگر دوالٹر بچر میں روح پھونک دی گئی - مگر ۸۰۰ رباعیوں کا ڈوپلیکیٹ ۱۶۰۰ ہوتا ہے - اس نا قدر زمانے میں کوئی علمی امداد کرنے والا بھی نہیں - خیر شکر ہے ہمت تو کی ہے اللہ تعالیٰ مددگار رہے - ہز ہائنس نواب خیرپور سندھ دام اقبالہٗ نے تو ایک رقم عطا فرما دی جس سے

ظفر الملک

(۱)

بنام سید افتخار عالم صاحب

مخدوم و مکرم بندہ زاد مجدکم

تسلیم مع التکریم۔ میرے سابقہ عریضہ کا جواب اگرچہ نہیں آیا ہے لیکن چونکہ یاد دہانی کرتے رہنا میرا فرض ہے اس لئے میں اپنی طرف سے کوتاہی نہ کروں گا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ آپ وطن تشریف لے گئے تھے اور چند ہی روز ہوئے کہ واپس آئے ہیں مجھے آپ کے کریمانہ اخلاق سے امید ہے کہ آپ نے اپنے قیام وطن کے زمانے میں اپنے بھائی صاحب سے الناظر کی قلمی اعانت کے لئے خاص طور پر تحریک کی ہوگی اور اس کا نتیجہ جلد ظاہر ہوگا۔ میرے عریضے کا وہاں سے کچھ جواب نہیں آیا جس پر تعجب اور افسوس دونوں ظاہر کرنے کو جی چاہتا ہے شاید مولانا مخدوم عالم صاحب مصروف کار زیادہ رہتے ہیں اس وجہ سے جواب خطوط کی مہلت نہیں ملتی۔ بہرحال میں ان کو دوبارہ اس طرف متوجہ کروں گا اور امید ہے کہ آپ کی زبانی تحریک اور میری یاد دہانی دونوں مل کر مفید اثر پیدا کریں گی۔
اب میں نے سنا ہے کہ آپ نے عہدے سے دست برداری حاصل کرنے کا تہیہ کیا ہے جو یقیناً نہایت رنج دہ اور ملول کن ہوگا اور جس کی مجھے آپ کے سے روشن خیال بزرگ سے امید نہ تھی۔ مولانا "چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی" آپ ان بزرگوں میں ہیں جو قومی خرابیوں اور قومی زوال کے اسباب پر نظر رکھتے ہیں آپ کے دل میں قوم کا درد ہے اور اس درد کے علاج کی دوا بھی آپ کو معلوم ہے۔ آپ کو میرے رسالے کے ساتھ اس قدر ہمدردی بھی تھی کہ قبلہ و کعبہ منشی احمد علی شوق مدظلہ العالی کے دل کو میری طرف سے صاف کرنے اور الناظر کی طرف متوجہ کرنے میں میری اعانت فرمائی جس کا میں بہ دل ممنون و شکرگذار ہوں۔ آپ نے نہایت کرم النفسی سے خود بھی الناظر کی قلمی اعانت فرمانے کا وعدہ کیا اپنے بھائی صاحب کو بھی تحریک کی اور مولانا مظہر الحسن صاحب سے بھی تائید کرتے رہنے کا قصد ظاہر کیا تھا مگر مقام تعجب ہے کہ جو خبر مجھے حال میں ملی ہے وہ ان تمام باتوں کے مخالف یہ ظاہر کرتی ہے کہ آپ صرف مجھے نا امید ہی نہیں بنانا چاہتے بلکہ آپ ذریعہ بننے والے ہیں جناب قبلہ و کعبہ کی الناظر سے دوبارہ علیحدگی اور بے تعلقی کا۔ اگرچہ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جناب قبلہ و کعبہ کا یہ خیال کسی طرح حق بجانب نہیں کہا جا سکتا اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ ان کو ایسی سخت شرائط لگانا زیبا ہیں تاہم محض اس وجہ سے کہ وہ میرے بزرگ ہیں میں ان کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور رہوں۔ لیکن میں آپ سے

پر بے اختیار مجھے ہنسی آ گئی۔ کیونکہ آپ لوگ وہ ہیں جو نہ خود عمر بھر ترقی کر سکے اور نہ دوسروں کو بلند مرتبہ دیکھ کر خوش ہو سکے۔ ایسے بھائی! میں کیا اور میرا کلام کیا۔ چراغِ سرِ رہگذار ہوں خدا جانے کس وقت، صرصرِ اجل کا ایک جھونکا آئے گا اور میں خاموش۔

حکیم خیام کی وہ پہلی ہی رُباعی جس کے ترجمے پر تمام دنیائے ادب نے سر دُھنا ہے اس کے دوسرے مصرعہ میں "دیوانے سے" کو آنکھ دکھاتے ہیں۔ حالانکہ آپ غبار ہیں۔ پہلے آپ وہ نظر تو پیدا کیجئے جو "دیوانے سے" کی خوبی کو دیکھ سکے۔ اب رہا چوتھا مصرعہ، وہ آپ کی سمجھ سے بالکل باہر ہے۔ بھلا جس شخص نے ایک ہزار رباعیوں کو ہزار ہزار دفعہ جانچا ہو گا، مصرِ فارس کے مطبوعات سے ٹکرایا ہو گا، چار برس کامل آنکھوں کا تیل اور جگر کا خون ٹپکایا ہو گا، ذرا آپ ہی انصاف کریں وہ زاں پیش کے معنی نہیں سمجھتا۔

مگر بھائی جان یہ وہ ترجمہ نہیں ہے جو مکتب کے مُلّا نے کرتے ہیں:

"سعدی گوئے بلاغت ربودہ"

سعدی گیند بلا کی۔ غنز بود لفظ عربی ہے، آگے چل۔ یا مکھی پر مکھی ماردی۔ خیر صاحب! من! مرا بخیر تو امید نیست بد مرسان۔ اگر مشیت ایزدی شامل حال ہے اور عمر نے وفا کی تو یہ منظوم ترجمہ چھپ جائے گا۔ اس وقت جو اہلِ نظر اس پر ریویو کریں گے وہ سرکارِ عالیجاہ کے ملاحظہ کے لئے ضرور بھیج دئے جائیں گے ورنہ خیر دل شکنی یہاں کسی کی روا نہیں۔ آپ ناخوش ہیں؟ اچھا فقیر معافی چاہتا ہے[1]۔

کے توانم دید ساقی جام صہبا بشکند
مے پرورِ نگم صبائے گر بدریا بشکند

راقم: عاجز بے سواد غریب آغا شاعر۔ جھالرا پاٹن (راجپوتانہ)

---

[1] آغا شاعر کو معلوم ہوا تھا کہ مہاراجہ کشن پرشاد کے سکرٹری صادق حسین غبار نے ان کے ترجمہ رباعیاتِ عمر خیام میں کچھ عیب نکالے تھے جن کی بنا پر مہاراجہ نے ان کو امید افزا جواب نہیں دیا۔ اس لئے انہوں نے غبار صاحب کو براہِ راست مخاطب کیا ہے۔

اجمالاً لکھتا ہوں۔ اسیری سے قبل سیاسی اور مجلسی مصروفیات کی بدولت کاروبار کو جو نقصانات پہنچے تھے انہوں نے کبھی میرے کاروبار کو حسبِ منشا ابھرنے نہ دیا اور اس پر نے دو سال کی غیر حاضری نے تو اب اسے اس حالت پر پہنچا دیا ہے کہ خود میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ اس مجبوری سے کہ ایک سرمایۂ کثیر اس میں پھنسا ہوا ہے جسے میں بالکل ضائع نہیں کر سکتا۔ جس طرح بنتا ہے کاروبار کو قائم رکھنے کی جد و جہد میں مصروف ہوں مگر زیر باریوں کی وجہ سے ہمہ تن فکر بن گیا ہوں۔ خود زندگی بسر کرنے کے سابقہ طریقوں سے اگرچہ بیزار ہوں اور جیل کی تنہائی میں جو نظامِ عمل مرتب کیا تھا حتی المقدور اس کے مطابق آئندہ رہنا چاہتا ہوں۔ مگر ایسا مجبور ہو رہا ہوں کہ اپنے اختیار سے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ بہرحال جب تک یہ چرخہ چلنا ہے چلائے جاتا ہوں۔

الناظر کے اجرا کا خیال شاید عرصہ تک نہ کرنا چاہئے تھا مگر جب تک اپنے خیال کے مطابق اوقاتِ زندگی بسر کرنے کا سامان نہ ہو اس کے سوا چارہ نہیں کہ وہی پرانا ڈھنگ اختیار کیا جائے اس لئے اس کی توقع نہ کیجئے کہ الناظر کی حالت میں کوئی خاص تغیر ہو سکے گا۔ بلکہ سابقہ اہتمام بھی شاید آسان نہیں کیونکہ کاروبار کی درستی پر اتنا وقت صرف کرنا پڑ رہا ہے کہ الناظر کے لئے دوستوں کو خطوط لکھنے کی مہلت بھی نہیں ملتی۔

آپ نے جن کتابوں کی اشاعت کے لئے تحریک کی ہے ان کے لئے نقد روپیہ کی حاجت ہے اور یہاں وہ عنقا ہے ایک کتاب عرب کی تاریخ پر میں عرصہ سے چھاپنا چاہتا ہوں۔ سنہ ۳۲ء میں اس کی کتابت ہو رہی تھی مگر میری اسیری کے باعث کچھ نہ ہو سکا۔ اب اس کی تکمیل کے لئے فکر مند ہوں کیونکہ اس کی اشاعت سے بہت کچھ منفعت کی توقع ہے۔ ایک مختصر سی آبائی جائداد ہے جس کے فروخت کی فکر کر رہا ہوں۔ کامیابی ہو گئی تو یہ کتاب چھپ جائے گی۔ ایسی صورت میں کسی جدید معاملہ کی طرف توجہ کرنے کے قابل نہیں۔

آپ کی ایجنسی کا اشتہار میں نے گیا میں اخبار 'ہند' کے آخری صفحہ پر دیکھا تھا۔ یہ سلسلہ اچھا ہے۔ میں ایجنسی کی خرید کردہ کتب تو نہیں دے سکتا البتہ مطبوعات ذاتی ہیں سے جو آپ پسند کریں بھیج دوں گا۔ ایک مختصر فہرست گیا میں تقسیم کرنے کے لئے چھپوائی تھی ملفوف کرتا ہوں۔ اس کے آخری صفحہ پر 'مطبوعاتِ الناظر پریس' درج ہیں جن میں سے متعدد کتابیں اگرچہ میرے یہاں چھپی ہیں مگر میری ملک نہیں۔ جو میری ملک ہیں اور دی جا سکتی ہیں ان پر نشان کر دیا ہے، عند الطلب بھیج دوں گا۔ دوستوں اور تاجرانِ کتب کو اکثر دفعہ کتابیں دینے کا اتفاق ہوا مگر عموماً نہایت تلخ تجربہ ہوا جس کی وجہ سے اب عرصہ ہوا یہ سلسلہ بند کر دینا پڑا۔ لیکن آپ سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی فروخت پر کمیشن عموماً ۵ ۲ فیصدی دیا جاتا ہے۔

میں جب سے چھوٹ کر آیا ہوں علی گڑھ حاضر ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں مگر یہاں کے بکھیڑوں سے فراغت نہیں ملتی۔ بمشکل ایک ہفتہ کے لئے گیا جانے کا موقع ملا اور پھر وہاں سے بھی بہ عجلت بھاگنا پڑا۔ اسی سلسلے میں چند دن کے لئے پٹنہ جانا چاہتا تھا، نہ جا سکا۔

گھر میں کئی ماہ سے سخت علیل تھیں۔ اب تک علاج کا سلسلہ جاری ہے۔ گو بحمد اللہ کہ پہلے سے بہت اچھی ہیں۔ چھوٹے بچے کا ختنہ کرا کے گیا روانہ ہوا تھا وہ بھی اب تک بالکل اچھا نہیں اور بڑے لڑکے کو اپنی بجائے ایک عزیز کی شادی میں شرکت کے لئے رام پور بھیجا تھا وہ بھی بیمار ہو کر واپس آیا ہے اور پڑا ہوا ہے۔ علالتوں کے باعث

اپیل کرتا ہوں اور بمنت التماس کرتا ہوں کہ آپ الناظر کو اس طرح نقصان پہنچانے کا ذریعہ نہ بنیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے الناظر کیوں جاری کیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ محض الناظر کی خاطر میں کس قدر تکالیف برداشت کر رہا ہوں۔ آپ واقف ہیں کہ ملک میں اس قسم کی محنتوں کی داد دینے والے کتنے حضرات ہیں اور اس میں اعانت کرنے والے کتنے کم، اور اگر آپ ان باتوں سے واقف ہو کر بھی اس قسم کے مظالم کو روا رکھیں تو میرے لئے اس سے زیادہ کوئی بات قابلِ افسوس نہیں ہو سکتی اور یہ الناظر کی امیدوں پر نہایت سرد پانی بہانے والی بدقسمتی ہے۔ مجھے ان باتوں پر آپ سے شکایت کرنے کا حق ہے، اس وجہ سے کہ آپ نے مجھے اپنا حلقہ بگوش بننے کی اجازت دے دی، اس لئے کہ آپ نے اپنے خوانِ کرم سے مجھے چند نوالے اٹھا کر دے دئے، اس لئے کہ آپ نے اپنے کریمانہ سلوک سے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا، اس لئے کہ اپنی علمی ثروت کی ایک جھلک دکھلا کر آپ نے مجھ کو دست طلب دراز کرنے کی جرأت دلائی، اس لئے کہ آپ کی اس فراغ بالی میں ایک بے مایہ بیکس اور محتاج شخص کو شرکت کا حق فطرت کے قوانین اخلاق کے اصول اور مذہب کی ہدایتوں سے حاصل ہے۔ ملک کے موجودہ ایڈیٹر اور خصوصاً وہ جو اردو رسالے نکالنے کی بدقسمتی میں مبتلا ہیں ان کی حقیقت ایک گداگر سے زیادہ نہیں اور اگرچہ میں چاہتا ہوں کہ غالبؔ کے ارشاد کی تعمیل کر کے "وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے" کا مصداق بنوں لیکن زمانہ اور اربابِ زمانہ ہمیشہ رکاوٹوں پر رکاوٹیں حائل کرتے جاتے ہیں اور کسی طرح اس جدوجہد میں کامیاب نہیں ہونے دیتے۔ کاش وہ جانتے کہ دربار نظام الملک کا ایک شاعر انہی گداگروں کا وکیل بن کر ان ارباب ثروت سے کس طرح اپیل کرتا ہے اور کن بلیغ الفاظ میں ان کو اپنی ان غفلت شعاریوں پر توجہ دلاتا ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

کریم آنست کز ذوقِ کرم پیش از طلب بخشد
وفا را کار فرما مطلبِ سائل چہ می پرسی

مجھے امید ہے کہ میری یہ دل سے نکلی ہوئی فریادیں آپ کو نرم بنائیں گی اس لئے کہ اگر دنیاوی عز و جاہ، دولت و ثروت کے حصول میں یہ صرف ہوتیں یا نیرنگ حسن کے دربار میں بطور ہدیہ پیش کی جائیں تو اثر کے بغیر نہ رہتیں اور یقیناً مجھے کامیاب بنا کر رہتیں۔ کاش کہ آپ کا دل ان سے زیادہ سخت نہ ہو جائے جن کے جور و ستم کی داستانوں سے ہمارے ملکوں کے کتب خانے پُر ہیں، جن کی کرشمہ سازیوں نے ایک عالم کو تہ و بالا کر دیا ہے، جن کے تغافل سے بڑے بڑے جری اور بہادر سپہ سالار کانپتے ہیں اور جن کے ایک اشارے، جن کی ایک نگاہ پر مجنوں ہوشمند اور قیس عامری اچھا خاصا بھلا آدمی بن سکتا تھا۔ یہ عریضہ خلاف امید اور بلا ارادہ اس قدر طویل ہو گیا ہے کہ اگر خطوط کے ایک مشہور دشمن کی نظر اس پر پڑ جائے تو غصہ و غضب سے اس کی جان قفسِ عنصری سے باہر نکل آئے اس لئے اب اس کو ختم کرتا ہوں اور جواب کا انتظار کرنے کیلئے متاعِ صبر و استقلال کی فکر میں بازار جا رہا ہوں۔ فقط!

خادم ظفر الملک ایڈیٹر الناظر از حیدر آباد دکن ۲۶ر اپریل ۱۹۱۲ء

---

(۲)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی! اسلام مسنون۔ گرامی نامہ گیا سے واپسی پر ملا میں نے پچھلے مختصر خط میں اپنے متعلق کچھ نہیں لکھا تھا۔ اب

ایک دن کے لئے سفر بھی کر آیا۔

الیاس مجیبی صاحب کا بیان بھی خود تصدیق طلب ہے۔ صنمخانۂ عشق یا مراۃ الغیب میں مجھے تو کہیں یہ شعر ملا نہیں۔ ان کے پاس جو نسخہ ہے اس میں شاید ہو۔ از راہِ کرم دریافت فرمائیے کہ نسخہ کس مطبع کا ہے اور کس سنہ کا چھپا ہوا، نیز کس صفحہ میں یہ شعر ہے۔ مجھے تو اس ردیف و قافیہ میں منشی امیر احمد صاحب کی کوئی غزل نہیں نظر آئی۔ خدا معلوم یہ شعر کہاں سے آ گیا۔ خانہ آباد میں کہیں دو دیوانِ امیر ہوں تو آپ بھی جانچ کر لیں۔ فلسفہ مرزا والے مضمون کو اب انشاء اللہ زمانہ کے مضمون سے ملا کر دیکھ سکوں گا۔

مارچ کا الناظر امید ہے کہ مل گیا ہوگا۔ اگر کاتب صاحب اچھے رہے تو کوشش ہوگی کہ اپریل نمبر ۱۵ تک مکمل ہو جائے اور اگر دہلی اور لاہور کی طرف گئے تو نہیں کہہ سکتا کہ کیا حشر ہو۔ مارچ کے الناظر میں زمیندار کے متعلق مراسلہ درج ہونے سے رہ گیا تھا۔ فہرست مضامین مرتب ہو جانے کے بعد خیال آیا، تو اپنے نوٹ میں آپ کی تحریر کا ضروری حصہ لے لیا۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک لکھنؤ ۳۱ مارچ ۱۹۳۰ء

(۵)

بنام مولوی سید الطاف علی صاحب بریلوی

مکرمی!

سلام مسنون۔ مسلمہ تذکرہ ایسے وقت پہنچا جب کہ میں وطن گیا ہوا تھا۔ غالباً وہ ہی گھنٹہ بعد واپسی ہوئی۔ خیال تھا کہ آپ یونیورسٹی ہوسٹل میں اطمینان سے پہنچ جائیں گے تو پھر تشریف لائیں گے۔ اب گرامی نامہ سے معلوم ہوا کہ آپ نے داخلہ نہیں کرایا اور قانون پڑھنے کا خیال فی الحال ترک کر کے وطن گئے۔ خیر انشاء اللہ بریلی ہی میں ملاقات ہوگی۔

میں نے الناظر نکال دیا ہے۔ ایک پرچہ ملاحظہ کے لئے ارسالِ خدمت ہے۔ انشاء اللہ اگست نمبر میں جو زیرِ طبع ہے آپ کی کتاب کا بھی اشتہار نکلے گا۔

آپ کی کتاب پر انقلاب میں جو طولانی تبصرہ نکلا ہے وہ بھی ملاحظہ سے گذرا۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک۔ الناظر بک ایجنسی لکھنؤ۔ ۱۱ اگست ۱۹۳۱ء

(۶)

بنام جلیل قدوائی صاحب

بسم اللہ

مکرمی!

سلام مسنون۔ کارڈ ملا۔ اس سے قبل ہی اخبارات سے آپ کے تقرر کی اطلاع مل گئی تھی۔ پھر مرزا احسن سیلمان سے ملاقات ہوئی اور حالات معلوم ہوئے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی مراد پوری ہو گئی اور آپ دفتری جھنجھٹ سے نجات پا گئے۔ دعا ہے کہ نئی خدمت سے جو آپ کے ذوق کے مطابق ہے آپ خود بھی پوری طرح مستفید ہوں اور طلبہ کو آپ سے پورا نفع حاصل ہو۔ معلم کا پیشہ بہت معزز اور ذمہ داری کا ہے۔ اگر آپ پوری فرض شناسی کے ساتھ کام کریں گے تو خدا بھی راضی ہوگا اور مخلوق بھی خوش رہے گی۔ معلم کو اپنے اندر اعلیٰ اخلاق پیدا کرنے کی کوشش رکھنا چاہئے اور اپنے علم کو ترقی دینے کے ساتھ ساتھ اخلاص اور

خاطر خواہ نہیں بیماری بھی رہتی ہے اور وقت و فکر کا بھی صرفہ رہتا ہے مگر کیا کیا جائے۔ بہرحال میں شکر ہے کہ اگر اس سے بدتر حالت ہو تو کیا کر سکتے ہیں۔ نور الرحمٰن صاحب کو سلام مسنون۔

خاکسار: ظفر الملک۔ لکھنؤ ۲ جنوری ۱۹۲۳ء

(۳)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ الحمد للہ اب گھر پر سب لوگ خیریت سے ہیں۔ بسلسلہ علالت کی ایک کڑی اگرچہ باقی ہے یعنی میں خود کئی دن سے شدید نزلہ میں مبتلا ہوں مگر امید ہے کہ یہ عارضی ثابت ہو اور واقعی اس کے بعد وا سے بالکلیہ نجات مل جائے۔ داؤد سلمہ قرآن شریف حفظ کر رہا ہے ۸ اپارے ہو چکے ہیں۔ غریب بیمار بیماری کی وجہ سے کئی سال سے لٹک رہا ہے ورنہ کب کا حافظ ہو جاتا۔ جب تک اس سے فراغت نہ پائے اور کوئی سلسلہ تعلیم نہیں شروع کرایا جا سکتا۔ ضعیف و ناتواں اس قدر ہے کہ زیادہ محنت کا متحمل نہیں۔ بہرحال ابھی تو دسواں سال ہے اس لئے زیادہ فکر نہیں اور چونکہ انگریزی کی تعلیم دلانا مقصود نہیں اس لئے امید ہے کہ اس مرحلہ سے نکل کر چند سال ہی میں علوم عربیہ کی تکمیل کر لے گا اور ساتھ ہی ساتھ میں خود اسے ان شاء اللہ اردو پڑھاؤں گا نیز مراسلت کرنے بھر کی انگریزی تاکہ کاروبار کو سنبھالنے کی اہلیت آ جائے باقی اللہ کی جو مرضی ہو۔

"تازہ الناظر" بھیجا جاتا ہے۔ مشورہ اور مضامین دونوں سے سرفراز فرمائیں۔ مطبوعات الناظر کسی قدر کم تعداد میں بھیجی جاتی ہیں۔ میرے پاس مال زیادہ نہیں ہے اور اس وقت کئی جگہ سے زیادہ کی معاملت در پیش ہے۔ نیز سابقہ تجربہ کی بنا پر امید نہیں کہ جو مال بھیجا جاتا ہے اسے بھی آپ ایک سال کے اندر ختم کر سکیں گے۔ بہرحال جب حاجت ہو تو اور بھیج دیا جائے گا۔ بلٹی ملفوف ہے اور فہرست کتب مرسلہ بھی۔

علی گڑھ کی حاضری کا قصد ضرور ہے۔ جامعہ کے کانووکیشن میں مجھ جیسے بے کار و بے مایہ کو کون پوچھتا ہے۔ وہاں لیڈروں کی ضرورت ہے البتہ اپنے طور پر کسی وقت حاضر ہوں گا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ خواہ نخواہ میرے لئے ایک دعوتی خط روانہ کرا دیں۔ میں اپنی فرصت دیکھ کر ہی یہاں سے ہٹ سکتا ہوں۔ آج کل تو بہت سے کام میری ذاتی توجہ کے محتاج ہیں۔ سب سے زیادہ اہم الناظر بک ایجنسی کی فہرست مرتب کرنے کا کام ہے۔ فہرست سابقہ ختم ہو گئی اور بغیر میرے فہرست مرتب ہو کر چھپ نہیں سکتی۔ کتابوں کی رسید سے مطلع فرمایئے۔

خاکسار: ظفر الملک۔ الناظر بک ایجنسی لکھنؤ ۱۱ جنوری ۱۹۲۳ء

(۴)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ معہ مجیبی صاحب کی تحریر کے وصول ہو گیا تھا۔ میں اب عذر لنگ سے نجات پا گیا ہوں الحمد للہ۔ اس

باقی رفتہ رفتہ جب مشق بڑھے گی تو غلطیاں خود بخود کم ہوتی جائیں گی۔ اردو ہماری مادری زبان ضرور ہے مگر بغیر کافی محنت کے مادری زبان پر بھی کافی عبور نہیں ہوتا اور جو لوگ ایسے حصّوں میں رہتے ہیں جہاں کی زبان دوسرے اثرات کی بنا پر بگڑی ہوئی ہے اُسے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ بغیر وسیع مطالعہ اور پوری مشق کے صحت کے ساتھ لکھ سکیں گے۔

لکھنؤ بھی اب وہ لکھنؤ نہیں رہا جو کسی زمانہ میں تھا۔ پھر بھی ہندوستان بھر میں اب بھی یہی ایک ایسی جگہ باقی ہے جہاں کے بہت سے عوام تک شستہ اُردو بولتے ہیں۔ میرے ایک دوست ہیں سید ہاشمی فریدآبادی، ۱۹۱۶ء میں اردو کانفرنس کے سلسلہ میں یہاں کچھ دن قیام ہوا اور جس مکان میں میرا دفتر ہے اسی میں رہتے تھے۔ اس زمانہ میں یہ پورا مکان میرے قبضہ میں نہ تھا، بلکہ ایک حصّہ میں مالک مکان کا کارخانہ تارکشی تھا۔ دن بھر لوگ تارکشی میں مصروف رہتے تھے اور شام کو چلے جاتے تھے۔ ان تارکشوں کے پاس وقتاً فوقتاً باہر کے لوگ بھی آتے رہتے تھے اور کام روک کر وہ آپس میں بھی بات چیت کرتے تھے۔ سید ہاشمی مجھ سے کہا کرتے تھے کہ ایسی شستہ اور شیریں گفتگو میں نے عمر بھر کبھی نہیں سُنی۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ لکھنؤ کے رہنے والوں کو کتنی آسانی ہے۔ اس پر بھی حالت یہ ہے کہ گنتی کے چند آدمیوں کے سوا یہاں کوئی نثر لکھنا نہیں جانتا۔ اچھے اچھے خاندانی لوگ کوئی عبارت لکھتے ہیں تو وہ اس قابل نہیں ہوتی کہ چھپے۔ اس لئے کہ لکھتے وقت بولنے والی زبان گنگ ہو جاتی ہے اور مشق نہ ہونے کی وجہ سے قلم نہیں چلتا۔

میں اپنے مخصوص احباب سے متوقع رہتا ہوں کہ جہاں کہیں میرا قلم لغزش کھائے پرچہ دیکھنے کے بعد فوراً مطلع کر دیا کریں اور اس بات کے ظاہر کرنے میں تامل نہیں کہ اس طرح پر بہت سی لغزشوں سے آگاہی حاصل ہوئی اور ہوتی رہتی ہے۔ جہاں انسان کے دل میں یہ غرہ پیدا ہوا کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں اور ہم سے غلطی نہیں ہو سکتی، وہیں ترقی رُک جاتی ہے اور یہ ایسا عیب ہے جو شاعروں اور ادیبوں میں بہت عام ہے۔

قرطاسِ ابیض پر آپ جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں ضرور لکھیں۔ آج تو منتخبہ کمیٹی کی رپورٹ بھی شائع ہو رہی ہے اسے بھی دیکھ لیجئے۔ اگر آپ کے مضمون سے لوگوں کو اس امر کے صحیح اندازہ کا موقع ملے کہ موجودہ حالات کیا ہیں اور جدید سفارشات کے بعد صورتِ حال کیا ہوگی تو بہت کارآمد ہوگا۔ حجم ضرور بڑھ جائے گا۔ خیر ایک نمبر کے بجائے کئی نمبروں میں اشاعت ہو جائے گی۔

سمجھناک اور سمجھدار ترکیب میں یکساں ہیں۔ جس طرح سمجھدار کو غلط العام قرار دے کر رواج دے دیا ہے کوئی وجہ نہیں کہ سمجھناک بھی رائج نہ کیا جا سکے۔ خصوصاً مزاح میں اگر انتہائی فہیم کا مفہوم ظاہر کرنا منظور ہو۔ عام طور پر یہ لفظ مستعمل نہیں اس لئے نوٹ لکھ دیا گیا تھا۔

مشنریوں کے پرچے میں نے دیکھے نہیں۔ صرف . . . . . . ان کا ذکر دیکھا اور آپ کی اطلاع کیلئے ذکر کر دیا تھا کہ مزید تلاش کا خیال رہے۔

آزادی و الاٹمنٹ سابق کے مسودات میں نکلا مترجم نے حوالہ نہیں دیا تھا یا دیا ہو تو وہ مسودہ میں نمایاں نہ تھا۔

ڈاکٹر نعیم الحق صاحب کو وی۔ پی بھیجا جا رہا ہے۔ نومبر نمبر تیاری کے قریب ہے۔ اگر آج شب برات نہ ہوتی تو آج ہی مکمل ہو جاتا۔ اب ذرا دیر لگے گی اس لئے کہ میں بضرورت باہر جا رہا ہوں اور شاید میری واپسی سے قبل پرچہ نہ روانہ ہو سکے۔ والسلام!

خاکسار ظفر الملک۔ لکھنؤ ۲۴ نومبر ۱۹۴۴ء

روحانیت سے مستفید ہونا چاہئے ورنہ محض خانہ پُری ہو جاتی ہے۔

بُرا نہ مانئے گا میں نے آپ کے نانا کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے اس لئے میں آپ کو مثل اپنے عزیزوں کے سمجھتا ہوں اور اس لئے نصیحت کرنے میں تامل نہیں کرتا۔

آپ اب پروفیسر کی کرسی پر بیٹھیں گے۔ طلبہ کو صرف الفاظ اور جملوں کے متعلق یا اشعار اور نکاتِ زبان ہی آپ سے نہیں سیکھنا ہیں بلکہ اپنی آئندہ زندگی کو کارآمد بنانے کے لئے انسانیت کا سبق بھی آپ ہی سے لینا چاہئے۔ آپ کی گفتگو، آپ کے کردار، آپ کے خیالات اور آپ کی چال ڈھال ہر چیز کا اثر طلبہ پر ہوگا اور ہونا چاہئے۔ اس لئے کوشش کیجئے کہ آپ اخلاق اور انسانیت میں ان کے روبرو اعلیٰ نمونہ پیش کریں اور یہ اس وقت ممکن ہے جب آپ ہر وقت خود اپنی حالت پر نظر رکھیں۔

اچھا اب اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ ترقی کی خوشی میں مٹھائی تو وہی لوگ کھائیں گے جو علی گڈھ میں موجود ہیں یا پہنچ جائیں۔ مجھے تو آپ فی الحال ایک عمدہ سا مضمون ارسال کیجئے۔

اگست کا الناظر تیار ہے۔ انشاء اللہ کل یا پرسوں روانہ ہوگا۔ ستمبر نمبر کے لئے آپ کا مضمون اسی ماہ کے اندر آ جانا چاہئے مضمون آئے، عذرات کی ضرورت نہیں۔ گرمی ہو یا ہیضہ، کام کی کثرت ہو یا احباب کی دعوتیں، مضمون نگاری میں کسی کو حارج نہ ہونا چاہئے۔ دیکھوں آپ کو ادبیات میں ایم۔ اے پاس کرنے کے بعد اور فسانہ نگاری ترک کر کے کیسا مضمون لکھنا آیا۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک۔ لکھنؤ ۹ اگست ۱۹۳۴ء

---

(۷)

<u>بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد</u>

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ اور دونوں مضامین وصول ہوئے۔ بہار پہ ریویو انشاء اللہ دسمبر نمبر میں نکل جائے گا اور افسانہ بعد کو۔ افسانہ میں کہیں کہیں لفظی ترمیم کی ضرورت ہوگی دھوپ لگانا اچھا نہیں معلوم ہوتا بلکہ ایسے موقعوں پر دھوپ دکھانا لکھتے ہیں افسانہ میں ایک سقم اور ہے۔ معلوم نہیں اصل میں تھا یا ترجمہ میں ہو گیا ہے۔ نرنجن پہلے کے کیلاش بابو پہلے کلکتہ میں بغیر ملازم کے تھے پھر دفعتہً گنیش ملازم سامنے آتا ہے اور آخر تک اس کا ذکر ہوتا ہے اس لئے ابتدائی جملوں کو بدلنا ہوگا۔

آپ ماشاء اللہ خوب لکھتے ہیں۔ غلطیاں ہو جانا ذرا تعجب انگیز نہیں ہے اور آپ اس سے ہرگز بددل نہ ہوں۔ جتنے مشاہیر انشا پرداز ہیں ان کی تصانیف میں اب تک غلطیاں موجود ہیں۔ مولانا شبلی خود ایک موقع پر حیدر آباد میں ذکر کرتے تھے کہ جب ان کی کتاب الفاروق چھپی تو مولوی عزیز مرزا مرحوم نے اس میں صدہا زبان کی غلطیاں نکالیں اور ساری کتاب کو سرخ نشانوں سے رنگ دیا۔ اتفاق سے وہ نسخہ مولوی صاحب کو ملا۔

عبد الماجد صاحب شروع سے الناظر میں لکھتے ہیں اور اس وقت بہترین لکھنے والوں میں شمار ہوتے ہیں مگر ان کی ابتدائی تحریروں میں بارہا میں نے تصرف کیا ہے اور میں خود جو کچھ لکھتا ہوں سال دو سال بعد دیکھتا ہوں تو اس میں بہت سی غلطیاں نظر آتی ہیں۔

(۱۰)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب، وکیل غازی آباد

مکرم!

سلام مسنون۔ میں انتخاب کے سلسلے میں باہر گیا ہوا تھا۔ واپس آکر گرامی نامہ دیکھا۔ کلام رسا کی جو قسط آپ نے ارسال فرمائی ہے یہ ایک پرچہ کے لئے کافی ہے بلکہ غالباً آخری غزل درج ہونے سے رہ جائے۔ ۸ صفحے دیئے جائیں گے اور ہر صفحہ میں ۲۵ سطریں ہوتی ہیں یعنی مجموعاً ۲۰۰ سطریں ہر قسط میں آئیں گی۔ آپ آہستہ آہستہ یوں ہی سلسلہ وار نقل کرکے بھیجتے جائیں۔ غزلیات کے بعد قصیدہ، قطعات وغیرہ شامل کر دیجئے گا۔

آپ نے جو حالات لکھے ہیں وہ میرے نوٹ کے لئے کافی ہوں گے۔ باقی جب آپ دیباچہ لکھیں تو اس میں ذرا مرتب صورت میں حالات بھی درج کر دیجئے گا۔ میں تو صرف اشارات سے کام لوں گا۔

نام فی الحال کلامِ رسا تجویز کرتا ہوں تاکہ بعد کو مزید کلام مل جائے تو دیوانِ رسا چھپ سکے اور اگر ۱۳۶۰ھ میں یعنی اب سے ۲ سال بعد طباعت ہو تو جذباتِ رسا تاریخی نام ہو جائے۔

انتخاب سے کل پرسوں تک فارغ ہوتے ہی جنوری نمبر کی طباعت کا کام شروع ہو جائے گا تاکہ اسی فروری میں پرچہ نکل جائے۔ آپ دوسری قسط اس ماہ کے آخر تک ارسال فرما دیں بلکہ ہو سکے تو سارا کلام مرتب کرکے بھیج دیں تاکہ اطمینان سے سب کی کتابت ہو جائے۔ ممکن ہے کہ پرچہ کی اشاعت کو وقت پر لانے کے لئے پھر ایک دو نمبر نکالنا پڑے گو عنقریب ہی مدح صحابہؓ کے متعلق گورنمنٹ کی جانب سے ممانعت کا اعلان ہونے والا ہے اور نہیں کہہ سکتا کہ اس سبب سے میرے سر کتنے کام ہوں گے۔ اور الناظر کی اشاعت میں کیا بے نظمی واقع ہوگی۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک، لکھنؤ ۶ فروری ۱۹۳۷ء

(۱۱)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

مکرمی!

سلام مسنون۔ چونکہ جنوری و فروری کا مشترکہ نمبر نکالنے کا تہیہ کرنا پڑا اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ حضرت رسا کے تقریباً ۴۰۰ اشعار اور عنایت فرمایئے تاکہ ۸ کے بجائے ۱۶ صفحے درج ہو سکیں۔

زحمت تو ہوگی جس کے لئے معافی کا خواستگار ہوں مگر زیادہ دقت ہو تو پھر ۸ ہی صفحہ پر قناعت کروں گا۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک، لکھنؤ ۵ فروری ۱۹۳۷ء

(۱۲)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب، وکیل غازی آباد

مکرمی!

سلام مسنون۔ کلام رسا کا ملا ہو گیا۔ آپ نے مقدمہ لکھنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اگر وہ لکھ دیا جائے تو الناظر میں شائع ہونے کے بعد

(۸)

بنام منشی محمد الدین فوق

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ مورخہ ۳۰؍ اگست موصول ہوا۔ آپ کا نام اور مجھے فراموش ہو جائے۔ آپ نے بھی کمال کر دیا۔ الناظر کے حال ہی کے ایک پرچہ میں آپ کا ذکرِ خیر کیا گیا تھا۔ البتہ عرصہ سے آپ کے حالات سے بے خبری کی وجہ سے میں نے قیاس کیا تھا کہ آپ معلوم ہوتا ہے جدید تغیرات کے لحاظ سے اپنے وطن کشمیر تشریف لے گئے اور وہیں مقیم ہیں۔

گذشتہ سال ایک ہفتہ لاہور میں گزرا اور اب کے سال دوبارہ لاہور گیا۔ اگست کے دوسرے ہفتے میں وہیں تھا۔ دو دفعہ شیرانوالہ دروازہ تک جانا ہوا ایک بار مولوی فیروز الدین کے مطبع اور دوسری بار مولوی احمد علی صاحب کے یہاں۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ آپ وہاں کہیں ہیں تو میں ضرور حاضر ہو کر قدمبوسی حاصل کرتا۔

معلوم ہوتا ہے پیرانہ سالی کی وجہ سے آپ عملی کاموں سے دست کش ہو گئے ہیں یا اور کوئی سبب ہوگا۔ بہرحال میں آپ کی ذات کو غنیمت میں سمجھتا ہوں اور متمنی ہوں کہ جلد لاہور حاضر ہونے کا موقع نکلے تو خدمت والا میں حاضری کا شرف حاصل کر سکوں۔

خاکسار: ظفر الملک دفتر رسالہ الناظر لکھنؤ۔ ۱؍ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۹)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ مع مضمون کے موصول ہوا۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ گذشتہ نمبر میں ایڈورڈ ہشتم کے متعلق لکھوں گا مگر دوسرے مباحث نے مہلت نہ چھوڑی۔ آپ کی توقع کے شاید خلاف ہے میں آپ کے خیالات سے بالکل متفق ہوں۔ البتہ بادشاہ سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار ذرا زیادہ تیز لہجہ میں کرنا چاہتا تھا کہ برطانوی حکومت نے جو ڈھونگ کھڑا کر رکھا ہے اس کا پول ظاہر ہو اور اہل ہند پر جو رعب جما رکھا ہے وہ زائل ہو جائے۔ ایک اور رسالہ کے مضمون میں یہ خیالات تو نہیں مگر کم سے کم اپنا خیال تو پیش ہی کر دینا چاہئے آپ نے ایسی سب باتیں لکھ دی ہیں البتہ لہجہ ذرا نرم ہے۔ ماشاء اللہ آپ کے اشعار بہت خوب ہیں ؎

سعی ناکامیاب کو اکثر گردشِ روزگار کہتے ہیں

خوب کہا ہے۔

آجکل میں الیکشن کے جھگڑے میں پھنسا ہوا ہوں۔ الناظر لکھا جا رہا ہے اور امید ہے کہ اس جھگڑے سے فارغ ہونے کے بعد اس کی تکمیل ہو سکے گی۔ آپ کا مضمون انشاء اللہ اسی جنوری نمبر میں شائع ہو جائے گا۔ ایک صاحب کی نظم بھی اسی موضوع پر آئی رکھی ہے۔ دونوں ساتھ نکلیں گے۔ امید ہے کہ آپ بخیریت سے ہوں گے۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک لکھنؤ۔ ۴؍ جنوری ۱۹۳۷ء

احسنؔ مارہروی

(۱)

بنام مولوی بشیر الدین احمد مرحوم

میرے معزز عنایت فرما۔ تسلیم مع التعظیم

آپ کا ہونہار اخبار البشیر جو آپ نے بتحریک عمی سیّد مخدوم عالم صاحب بھائی سید کاظم علی صاحب کے نام وی پی روانہ کیا تھا پہونچا۔ میں بھی خدمت برادر صاحب موصوف میں حاضر ہوں۔ اور البشیر کے کار آمد مضامین سے اکثر محظوظ ہوتا رہا ہوں اور رہوں گا۔ آپ نے جو اخبار وی پی کیا ہے وہ جلد دو۲ کا پہلا نمبر ہے۔ از روئے قاعدہ حساب کے تو یہ کارروائی ٹھیک ہے مگر یہاں دو ایک صاحب عمی سیّد مخدوم عالم صاحب کے مضمون دیکھنے کے مشتاق ہیں۔ مہربانی فرما کر وہ پرچے جن میں عمی موصوف کا مضمون ہے دیجئے اور ان پرچوں کی قیمت سے اطلاع دیجئے کہ بذریعہ ٹکٹ بھیج دیئے جائیں میں نے مارہرہ سے دو ایک خط آپ کی خدمت میں روانہ کئے تھے جن میں عرض کیا گیا تھا کہ ایک مختصر رسالہ جو تقریباً ۴ جزو کا ہوگا آپ کے البشیر پریس میں چھپوانا ہے۔ اس کا جواب مجھے نہیں ملا۔ مہربانی فرما کر اطلاع دیجئے کہ کونسا تیز کیا جائے گا۔ تعداد چھپائی ۵۰۰ ہوگی اور تقطیع ۲۲ × ۲۹ کاغذ کے ۸ صفحے ہوں گے غالباً تقطیع کا ایک نمونہ بھی میں نے آپ کے پاس بھیج دیا ہے۔ کاغذ کی قیمت پیشگی حاضر کروں گا اور باقی بعد طبع۔ مگر آپ کے مطبع میں کاتب اچھا نہیں ہے آپ . . . . کو کیوں نہیں بلا لیتے تو سب شکایتیں رفع ہو جائیں۔ منشی نور احمد صاحب کو سلام مسنون۔

فقط منتظر جواب آپ کا: نیازمند خادم، احسنؔ مارہروی

حیدرآباد دکن محلہ دار الشفا مکان مولوی سیّد علی حسن صاحب ۱۹ر شوال ۱۳۱۷ھ ۱۷ر فروری ۱۹۰۰ء

(۲)

بنام حضرت دل شاہجہانپوری

احسنؔ نواز تسلیم نیاز

محبت نامہ پہنچا۔ امتنان و انبساط کا باعث ہوا۔ جس طرح سے کہ جناب مجھ بدنام سے واقف تھے اُسی طرح

کتاب میں علیحدہ سے شریک کر دیا جا سکتا ہے۔ تھوڑی سی کتابیں میں نے جو زائد چھپوائی ہیں ان میں شامل ہو جائے گا۔

آپ کا ایک خط جواب طلب خطوط کے زمرہ میں رکھا ہوا ہے۔ کثرت کار نے اب تک موقع نہ دیا۔ آپ کے دوست اسمبلی کے ممبر غالباً یہیں ہوں گے۔ خیال تھا کہ کسی دن کونسل چیمبر جاؤں گا تو ان سے ملوں گا مگر آج تک جانے کی مہلت نہ ملی۔ شاید اب مل جائے۔ مدح صحابہؓ کے مسئلہ کا تصفیہ کرانے کے سلسلے میں بعض اصحاب سے گفتگو کرنا ہے۔ اکتوبر میں یہ قضیہ طے ہو جائے تو شاید مجھے اطمینان نصیب ہو۔ آجکل وہ مقدمات چل رہے ہیں جو مئی کے ہنگامہ کی بدولت پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کے دائر کردہ مقدمات تو کچھ ختم ہو چکے اور کچھ ختم ہو جانے کے قریب ہیں باقی وہ مقدمات جو فریقین نے ایک دوسرے کے خلاف دائر کئے ہیں غالباً تا تصفیہ چلتے رہیں گے۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک۔ لکھنؤ، ۱ر ستمبر ۱۹۳۷ء

(۴)

بنام مولوی محمد [illegible] الحسن صاحب وکیل

لطف فرمائم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی کارڈ ملا۔ اس سے پہلے زمانہ[1] بھی بدل چکا تھا اور آپ کا طبیعت افروز تبصرہ پڑھ چکا تھا جس سے کلفت کے عوض مسرت حاصل ہوئی۔ میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے ایک حد تک میری بضاعت مزجات کو دیکھنے کی طرح دیکھا، مگر جیسا کہ میں نے تذکرہ راقم مل کے تحت میں عرض کیا ہے اس کے مطابق آپ نے ذرا جلدی کی آپ کی تحریر یقیناً نیک نیتی پر مبنی ہے اور مجھے برائے نام بھی خدانخواستہ آپ پر نام رکھنے کی گنجائش نہیں۔ آپ کی تنقید میں بعض امور ایسے ہیں جن کا دفع وحل بعض تبصرہ و کیفیت میں موجود ہے اور بعض ایسے ہیں جن کی تعمیل و تکمیل جلد دوم میں ہوگی۔ اس وقت مختصراً اسی اطلاع پر اکتفا کرتا ہوں کہ آپ کے تبصرے سے مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی ہے۔ آپ کے شبہات از سرتا پا تحقیقات اور انصاف پر مبنی ہیں۔ میں فرصت سے اس کے متعلق آئندہ عرض کروں گا۔ بسلسلہ تعطیل چند روز کے لئے وطن آیا ہوا ہوں ۸ مئی کو علی گڑھ پہنچ جاؤں گا اگر آپ نے مجھے یاد فرمایا تو مفصل خط و کتابت ہوگی۔ آپ کا یہ ارشاد کہ "اس قسم کی کتابوں کو پڑھنے اور لکھنے کا شائق ہوں . . . . . . مگر خریدنا مشکل ہے" یہ اشکال اگر کسی مالی مجبوری سے ہے تو بمسرت ایک نسخہ ہدیۃً حاضر ہوگا اور اگر بربنائے کفایت شعاری ہے تو ایں ہم بر جانِ سخن۔ رسا مرحوم[2] کے بعض حالات نیاز [illegible] زمانہ [illegible] اور رشید [illegible] رہنے کے میں بتا سکوں گا اور اس سے قبل کے حالات مولوی عبدالوحید صاحب نواسہ رسا گلاوٹھی سے معلوم ہو سکیں گے آپ اگر چاہیں تو گلاوٹھی کے پتے سے ان کو لکھیں اور مجھے بھی اپنے مطلوب عنوانات لکھ کر آگاہ فرمائیں تاکہ جو حال مجھے معلوم ہو عرض کروں۔ یہ بھی ارشاد ہو کہ مرحوم سے آپ کا کتنا تعلق ہے۔ تاریخ نثر اردو کا حصہ دوم ان شاء اللہ [illegible] میں مکمل ہو جائے گا۔ میری یہ تالیف سیر المصنفین وغیرہ سے پہلے کی ہے اور میں نے اس قسم کی کتابوں کو ابتداً نہیں دیکھا جس کے ثبوت پھر پیش کروں گا[3]۔ والسلام۔

میرا علی گڑھ کا پتہ۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کافی ہوگا

خاکسار:

احسن مارہروی۔ مارہرہ ضلع ایٹہ ۵ مئی سنہ ۱۹۲۱ء

---

[1] زمانہ کانپور بابت سنہ ۱۹۲۱ء جس میں مولانا کی کتاب تاریخ نثر اردو پر مکتوب الیہ کا تبصرہ شائع ہوا تھا۔ مکتوب الیہ نے تبصرہ میں مولوی محمد یحییٰ تنہا کی سیر المصنفین کا ذکر کیا جس کی پہلی جلد شائع ہو چکی تھی۔

[2] منشی حیات بخش رسا شاعر دربار رام پور

[3] مولانا نے کتاب میں فرمایا تھا کہ تاریخ نثر اردو لکھنے میں درجۂ اولیت حاصل ہے۔

یہ عاجز بھی جناب کے اسم گرامی سے آگاہ تھا بحمداللہ کہ اب تعارف باہمی
کا سلسلہ شروع ہوا کبھی بالمشافہ ملاقات کا بھی لطف حاصل ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ آپ کے ناولوں کا نام تو سنا ہے مگر ابھی [illegible] دیکھنے
کا اتفاق نہیں ہوا مگر عجب [illegible] کیا عمل۔

تصحیح اغلاط کی قدر [illegible] شکر گذار ہوں [illegible] زمانہ نظم کے مقابلے میں اردو کی [illegible] کی بہت ضرورت ہے
اس لئے میں ممنون ہوں گا اگر [illegible] زیادہ امداد کی گئی۔ پیران کلیر شریف کے متعلق جو مضمون جناب نے [illegible] وہ بھیج دیجئے
میں دیکھ کر بے تکلف عرض کروں گا کہ یہ خالص ادبی رسالے کے لائق ہے یا کیا۔ چونکہ [illegible] بھی اپنے [illegible] رکھتے
ہیں جو اردو ادب کے ماہر ہیں اس لئے خیال رہتا ہے کہ شاید وہ [illegible] پسند نہ ہو مگر چونکہ آپ خود زمانہ شناس اور واقف ہیں اس
لئے غالباً آپ کی ہر تحریر [illegible] اس لئے آپ بے تکلف اور جلد بھیج دیجئے۔ امید ہے کہ [illegible] ہوگا

والسلام۔ خاکسار

احسن مارہروی۔ مارہرہ ضلع ایٹہ

(۳)

بنام منشی محمد دین فوق

ملتے نشد کہ رہ [illegible] مسدود است
ہر کسے [illegible] می آید

برادر مشفقم۔ السلام علیکم

امتداد زمانہ اور ترک مراسلت سے عجب نہیں ہے تحریر بالکل اجنبی معلوم ہو مگر یہ معلوم [illegible] کہ [illegible]
اس کا تب کی تحریر سے اجنبیت نہ رہے گی۔ شکر ہے کہ حضور زندہ ہے گو کہ مشاغل تفریح اور خصوصاً معاملات سخن
سے نابلد ہو رہا ہے ——— آپ کے افادات قلم کے نمونے اکثر [illegible] رسائل میں دیکھتا رہتا ہوں اور کبھی کبھی آپ
کی کسی تازہ تالیف کا تذکرہ بھی نظر سے گزرتا رہتا ہے۔

آج کی ساعت کیا مبارک ساعت ہے کہ چند منٹ فرصت کے مل گئے ہیں اور بہت دیر سے ایک حدیث چٹکیاں
لے رہی ہے جس کا مآل کار نیاز نامہ خاکسار ہے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی قرین عافیت ہوگا [illegible] یاد
سے [illegible] خارج نہ ہوا ہوگا۔ [illegible] یہ ہے کہ [illegible] ترک کر کے چند ماہ سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے
انٹرمیڈیٹ کالج میں مقیم ہوں [illegible] خدمت پر مامور ہوں ——— اگر آپ کو [illegible]
کا پتہ معلوم ہو تو ضرور لکھئے۔ والسلام خیر الکلام

[illegible] احسن [illegible] پروفیسر انٹرمیڈیٹ کالج علی گڑھ
۲۰ / اگست ۱۹۲۳ء

کوئی شافی جواب اب تک نہیں ملا۔ وہاں میرے دو ایک شاگرد ہیں ان کو لکھا ہے کہ وہ معاصرین رسا مرحوم سے استفسار کرکے جواب لکھیں۔ حافظ نشتر سکندرآبادی کے پاس کچھ کلام سنا جاتا ہے کیا آپ ان سے نہیں کہہ سکتے؟ رامپور میں ایک صاحب حاجی محمد اسمٰعیل صاحب معتبر ہیں ان کو بھی لکھیے شاید وہ کچھ مفید طلب جواب دیں۔ ان کا پتہ صرف رامپور کافی ہے۔ وہ اپنے آپ کو بلبلِ تسلیم بھی لکھتے ہیں آپ بھی پتے میں اس لقب کا اضافہ کردیجیے گا۔

۸ / جولائی سنہ ۳۱ء　　　　والسلام خاکسار احسن

۶

بنام محمد اظہار الحسن صاحب غازی آباد

حبیب محترم۔ السلام علیکم

محبت نامہ مورخہ ۱۴ / اگست کا جواب آج دے رہا ہوں۔ یہ توقف کچھ ناسازیِ مزاج اور زیادہ تر تلاشِ خطوط و نقول غزلیات کے سبب سے ہوا۔ دو تین مرتبہ دو تین بستے دیکھے۔ اس وقت تک ساٹھ ستر خطوط مل سکے وہ سب بلا انتخاب بھیجتا ہوں۔ بلا استعجال ان کو پڑھیے اور اپنے کام کے نوٹ لکھ لیجیے۔ ان سے آپ کو میرے اور مرحوم رسا کے مراسم دیرینہ اور خصوصیات کا اندازہ ہو سکے گا اسی طرح مصطفیٰ علی خاں نشتر کے خطوط سے رسا کی تقریب اور رامپور کے تعلق اور میری وساطت کا حال کھلے گا مجموعۃً رسا کے ۵۵ کارڈ اور نو لفافے ہیں۔ ۹ لفافے مصطفیٰ علی خاں صاحب مرحوم کے ہیں۔ ان کو دیکھیے مگر احتیاط سے جب فراغت ہو جائے واپس کردیجیے گا۔

مختلف گلدستوں اور رسالوں سے ۳۶۔ ۳۷ غزلیں بھیجتا ہوں۔ یہ غزلیں آپ کی لکھی ہوئی غزلوں کے علاوہ ہیں اور غالباً اتنی یا ان سے کچھ کم دس بیس غزلیں اور میرے پاس ہوں گی جو علی گڑھ سے بھیج سکوں گا کیونکہ بعض رسالے وہاں بھی ساتھ چلے گئے ہیں۔ خطوط اور بھی ہوں گے مگر اب پرانے بستوں کا ٹٹولنا کوہ کندن و کاہ برآوردن ہے۔ پھر بھی خیال رکھوں گا رسا مرحوم نے محسن کاکوروی کی ایک غزل نعتیہ کا خمسہ بھی کیا تھا اور یہ ۳۲۔ ۳۳ برس پہلے کا واقعہ ہے۔ وہ مخمس اگر آپ کے پاس ہو تو خیر ورنہ میں بھیجوں۔ میں نے اور دوسرے احباب نے بھی تضمین لکھی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سو سوا سو غزلیں میری وساطت سے آپ کو مل جائیں گی۔ مرسلہ غزلوں میں دو ایک جگہ قابلِ نظر الفاظ ہیں جن کے متعلق میری رائے ہے کہ وقتِ اشاعت اس کا اظہار کردیا جائے۔

آپ نے اپنے اس خط میں مرزا یاس یگانہ کے دو شعر لکھ کر مجھ سے رائے طلب کی ہے۔ یہ کام میرے لئے اہم ہے اور میں مناسب نہیں سمجھتا کہ اس کے متعلق بالوضاحت کچھ لکھوں مختصر یہ ہے کہ محاورے کا ترجمہ ناپسندیدہ ہے استاد ذوق نے جب یہ مصرع پڑھا ہے کہ صبا وہ دھول جمائے کہ بس سحر ہو جائے تو برسرِ مشاعرہ معترض نے کہا کہ جناب محاورہ تو تڑکا ہو جانا ہے نہ سحر ہو جانا۔ وہی عالم یہاں ہے ڈنکا شہرت کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ آپ کے خیال سے متفق ہوں کہ یہاں ڈنکے سے شہرہ زیادہ صحیح ہے۔ البتہ ڈنکے کا جو مفہوم یہاں ہے وہ شہرت میں نہیں۔ رہا علیہ السلام

(۵)

بنام محمد اظہار الحسن صاحب غازی آباد

لطف فرمائم۔ تسلیم۔

میں بہ سلسلۂ تعطیل محرم وطن چلا گیا تھا۔ کل واپس ہوا ہوں۔ خیال تھا کہ آپ نے میرے لفافے کا جواب نہیں لکھا کہ آج ہی محبت نامہ ملا۔ شکر کرم۔ آپ نے رسا مرحوم کے حالات کی بابت جو الفاظ شکریہ لکھے ہیں یہ تکلفات بار وہ ہیں۔ میں عموماً تمام اہل ادب کا خادم ہوں اور اس خدمت کے معاوضے میں شکریہ وغیرہ کی خواہش نہیں۔ اگر مجھے خود اس کا شغف اور شوق نہ ہوتا تو بہت سے شاعرانہ پہلو نکال کر انکار کر دیتا ہمارا ادب اسی سے خراب ہو رہا ہے کہ اگر کوئی کام کرنیوالا اٹھتا ہے تو دوسرے ارباب فن کسی قسم کا سہارا نہیں دیتے۔ بہرحال آئندہ ان تکلفات کو چھوڑ دیئے۔ اور مجھے اپنا اور ادب کا خادم سمجھتے اور کام لئے جایئے۔ جون میں کالج کھلا رہے گا اور اس شدت موسم میں حاضری کے علاوہ اور ضروریات بھی ایسی لاحق ہیں کہ میں یکم جولائی سے پہلے کوئی جواب باصواب پیش نہیں کر سکتا۔ رامپور کو ایک خط ابھی لکھ دیا ہے جو حالات معلوم ہوں گے آپ کو بھیج دوں گا اور جولائی میں وطن پہنچ کر مرحوم صاحب کے خطوط بھی تلاش کر کے بھیجوں گا نیز رسا کا کلام انشاء اللہ سو پچاس غزلیں مجھ سے آپ کو ضرور مل سکیں گی۔ خم خانۂ جاوید بھی میرے پاس ہے اگر آپ کے پاس ہو تو میں اس کو نہ دیکھوں ورنہ اس کے حالات و کلام لکھوا دوں گا اور مجھے اس میں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ میری اور مرحوم رسا کی جو خصوصیت تھی اس کا اظہار اب فضول ہے۔ میں اس کو اپنا کام سمجھتا ہوں۔ ہائے رسا تم کہاں ہو کہ ہم کلامی کا لطف اٹھایا جاتے آپ رسا کے خطوط بھی چاہیں گے تو بھیج دوں گا۔ اور یہ لکھیئے کہ رامپور کے وہ واقعات جو پستی اخلاق کو ظاہر کرتے ہیں اور فلورا نامی مسماۃ کے متعلق ہیں انہیں بھی لکھا جاتے یا نہیں۔ باقی باقی

علی گڑھ ۴ / جون ۱۹۳۱ء   خاکسار :۔ احسن

غالباً لدھیانے کے شاگرد نظیر ہی ہیں۔

(۶)

بنام محمد اظہار الحسن صاحب غازی آباد

لطف فرمائم۔ تسلیم خلوص تفہیم

محبت نامہ پہنچا۔ آپ اس قدر دیر میں یاد فرماتے ہیں کہ میں مفوضہ تعمیل کو بھول بھول جاتا ہوں اور ایسا اپنی فکر مندی اور بڑھتے ہوئے ترددات کے سبب سے ہوتا ہے۔ آج میں نے پرانی ردیوں کا ایک بستہ دیکھا۔ اس میں کوئی خط وغیرہ نہیں ملا۔ اب دو ایک دن بعد پھر دیکھوں گا اور انشاء اللہ خطوط و غزلیات ضرور بھیجوں گا۔ آپ اتنی تکلیف گوارہ فرمایئے کہ جس قدر غزلیں آپ کو مل گئی ہیں ان کا ایک ایک آخری مصرع مجھ کو لکھ بھیجئے تاکہ میں ان قافیہ و ردیف کی غزلیں نہ بھیجوں جو آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میرے پاس غزلوں کا کافی سرمایہ مل جاتے گا۔ رامپور سے

خدا کو معلوم ہونی چاہئیں کہ وہ برسوں ان کے ہم صحبت اور ہمکار رہے ہیں۔ ایڈیٹر میں ان کے اکثر لطیفے اور شاعری اس قسم کی ہوا کرتی تھی کہ کسی حاکم وغیرہ کی ہجو کہہ دی یا کوئی فقرہ کس دیا۔ مثلاً ایک سخت گیر حاکم کے لئے ایک قطعہ کہا تھا جس کا ایک شعر مجھے بھی یاد ہے ؎

ہوتی ہے الوار کی تعطیل اس کو ناگوار
اس طرح کا اک سنیچر دفتر سرکارے میں ہے

ان کے موافق و مخالف مضامین لکھنے والوں میں ایک وجاہت جھنجھانوی تھے جن کے مضامین ان کے ایک رسالے میں شائع ہوتے تھے جس کا نام اصلاح سخن تھا مگر یہ سلسلہ بہت جلد منقطع ہو گیا۔ اسی طرح بعض مضامین نیرنگ اور جلوہ یار میں نکلے ہیں۔ شوکت میرٹھی کا حال مجھے معلوم نہیں۔ جلال و تسلیم کی کوئی رائے مجھے معلوم نہیں۔ میں کسی قسم کے موقع پر اپنی رائے پیش کروں گا۔ تاریخ نثر اردو کا دوسرا حصہ زیر ترتیب ہے اور اپنی انتشاری حالت کے سبب سے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کب تک تمام کر سکوں گا۔ جب شائع ہو گا آپ کے پاس ضرور پہنچے گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور مجھے ہر وقت اپنا بہی خواہ اور خادم سمجھیں گے۔ باقی باقی

۸ ر جنوری ۳۲ء والسلام۔ دعاگو
احسنؔ مارہروی

(۹)

بنام منشی مہیش پرشاد

لطف فرمائے و قدر افزائے۔ تسلیم خلوص تضمیم

۱۱۔ دسمبر کا رقم زدہ والا نامہ پہنچ کر مسرت افزا ہوا۔ میں جناب کے اس خلوص و کرم کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ اس زمانہ کو ترقی یافتہ کہا جاتا ہے۔ اور اس اعتبار سے کہ مردم شماری روز افزوں ہے اور سائنس کے مناظر و نتائج گوناگوں ہیں۔ ضرور ترقی یافتہ ہے۔ لیکن وہ خصوصیات مستقل جن کا وجود اب سے پچاس سال قبل فی صد ۹۰ آدمیوں میں نظر آتا تھا اب فی ہزار چار میں دکھائی دیتا (ہے) جس باب میں جناب کو تکلیف دی گئی۔ اس معاملے میں حقیر نے یہاں ایک ایسے گریجوایٹ کو چند ساعت کی تکلیف دینی چاہی جن سے دو چار ہندی۔ بنگالی۔ مرہٹی اور گجراتی تحریروں کو پڑھوانا چاہتا تھا میری گزارش پر بخوبی اور باخلاق ظاہری دو قتی شاندار الفاظ ارشاد ہوئے اور دوسرے دن آنے کا وعدہ فرمایا۔ لیکن وہ دن آج آتا ہے نہ کل۔ اور طرفہ یہ کہ وعدہ کنندہ زیادہ سے زیادہ نصف فرلانگ کے فاصلے سے رہتے ہیں۔ بنارس سے بایں تفصیل مکمل جواب باصواب آ گیا مگر سو قدم سے ایک عزیز نہ آ سکے۔ کیا اس ترقی کو حقیقی ترقی کہا جائے یا ترقی معکوس۔ بہر حال دعا ہے کہ ہندوستان کے رہنے والوں کو اخلاق عالم توفیق وطن پرستی عطا فرمائے۔

یہ ایک مزاحیہ استعمال تھا یا مرزا غالب نے اکثر اپنے لئے علیہ الرحمہ وغیرہ لکھ دیتے ہیں۔ اور اگر معنیً دیکھا جائے تو کوئی برائی بھی نہیں کیونکہ معنوی حیثیت سے علیہ الرحمہ اور علیہ السلام دعائیہ الفاظ ہیں۔

آج اتوار کی وجہ سے یہ پیکٹ بیرنگ بھیج رہا ہوں اور کل کا انتظار نہیں کر سکتا۔ کہ آج شب کو دوچار روز کے لئے باہر جا رہا ہوں۔

امید ہے کہ مزاج عالی بعافیت ہوگا۔ والسلام

۳ر اگست ۳۱ء   دعاگو:۔ احسن مارہروی

(۸)

بنام محمد اظہار الحسن صاحب غازی آباد

محبی و شفیقی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رجسٹرڈ پیکٹ پہنچا۔ ملفوظات مل گئے۔ شکریہ۔ مجھے توقف کا کوئی شکوہ نہیں اور آپ کی معذرت کی کوئی ضرورت نہیں دنیا اور دنیا کی ساری کائنات فانی اور آنی ہے۔ مجھے اب اس کا خیال بھی نہیں کہ ان واپس شدہ خطوط کو بحفاظت رکھ بھی سکوں گا بہرحال آپ نے واپس کر دیئے تو ایک حد تک نگرانی کروں گا مگر تابکے۔ اگر واپس نہ کرتے تو بھی کوئی خیال نہ ہوتا۔ جس قصیدے کو آپ رکھنا چاہتے ہیں ضرور رکھیئے۔ غالباً وہ قصیدہ نیرنگ رامپور میں شائع ہو چکا ہے۔ مرحوم رسا کا کلام ممکن ہے کہ اور بھی میرے پاس ہو لیکن فی الحال سعی و تلاش دشوار ہے۔ خصوصاً ماہ مبارک میں۔ خیال رکھوں گا جب کہیں دیکھوں گا نقل کروں گا۔ ... زیادہ حصہ نہیں ملے گا۔ اور انتخاب میں یہ دشواری ہوگی کہ نہ معلوم کون کون غزلیں آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ آپ کی پہلی بھیجی ہوئی یاد داشت مخلوط ہو گئی اور اب اس کی تلاش کوہ کندن و کاہ برآوردن سے کم نہیں۔ اگر آپ پھر زحمت اٹھا کر مطلع کا ایک ایک مصرع لکھ دیں تو اس کو پیش نظر رکھ کر خیال رکھوں۔ محسن کاکوروی کی جو تضمین مرحوم نے کی تھی وہ افسوس ہے کہ میرے پاس سے کوئی حریف اڑا کر لے گیا۔ کسی صاحب سے دستیاب ہو گئی تو بھیج دوں گا۔ میری تضمین کا کوئی نسخہ مل گیا تو وہ بھی حاضر کر دوں گا۔ اس وقت پیش دست نہیں۔ نشتر صاحب نے جس شعر کی نسبت استاد[۵] مرحوم سے کی ہے وہ غلط اور محض خوش خیالی ہے جب کہ زخم آپنا شعر بتاتے ہیں تو انہیں کا ہوگا۔ میرے خیال میں تو استاد مرحوم سے رسا کی ملاقات بھی نہیں ہوئی اور اگر ہوئی ہو تو رامپور کے زمانۂ قیام یا رامپور سے چلے آنے کے بعد جب کہ وہ دوچار برس مختلف مقامات پر رہے استاد مرحوم اس مزاج کے آدمی ہی نہ تھے کہ اس قسم کی قصیدہ خوانی کیا کرتے۔ یہ خیال افتراء و اتہام ہے۔ رامپور سے ہی سے بعض حالات دریافت کیجئے۔ مگر کسی نے کوئی بات ایسی نہ کہی جو مجھے معلوم نہ ہو اور جس کو مجملاً آپ تک نہ پہنچا چکا ہوں۔ مرحوم رسا نہایت ظریف اور خوش گفتار لطیفہ سنج تھے۔ اس وقت کوئی لطیفہ یاد نہیں آتا۔ یہ باتیں زیادہ تر

---

۵ یعنی داغ

آج سے خیال رکھا کروں گا اور تلاش شروع کروں گا کہ ان کے اعقاب سے ان کا کلام مل سکے۔ مرحوم کے پوتے سے ملاقات و تعارف تھا۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ غالباً ان کے پوتے موجود ہیں۔ پتہ دریافت کر کے ان کو لکھوں گا۔ ان کا دیوان ضرور میرے پاس ہے لیکن اس وقت وہ بھی نہیں ملا۔ شاید وطن کے کتب خانہ میں ہے۔ مارہرہ جاؤں گا تو اسے بھی دیکھوں گا

عندالملاقات والے فارسی لفظ صحیح یاد نہیں۔ شاید وہ لفظ "ز بہے سیاہی فالیز" ہو جس کے معنی میری تحقیق میں سے چشم‌اروکے ہیں۔[1]

آپ نے عندالملاقات اور اس کے قبل و بعد جو خطوط فصیح الملک کے مقابلہ و تصحیح کے لئے بھیجے ہیں ان کا جواب بھی عرض کرتا ہوں۔ فصیح الملک نمبر ۹ و ۱۰ جلد دوم میں وہ خطوط شائع ہوتے ہیں اور ان میں رشک عرفی و فخر طالب مرحوم الخ اور ورکشِ کشِ منعم اور دیگر از خویشم پر بطور نشان شعر سے (۰۔۷ کی رقم) تحریر ہے۔ مرقع جلد دوم صد ۲۳ کا پتہ ابھی نہیں چلا۔ یہ لکھئے کہ کس مہینے کے مرقع کا صفحہ (۲۳) ہے۔

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔ باقی باقی۔

۱۳/ دسمبر ۳۲ء　　　آپ کا مخلص

احسن مارہروی

(۱۰)

بنام سید الطاف علی صاحب بی۔ اے

شفیق محترم۔ السلام علیکم۔

دعا گو ۱۴/ جولائی کو علی گڑھ آ گیا۔ اگر سنا کہ آپ نے اپنی خصوصی نوازش و عنایت سے برخوردار سید انعام احسن متعلم میڈیکل کالج پٹنہ کے وظیفے کی بابت اپنے اختیار تمیزی سے ایک مہینے کا وظیفہ قبل میٹنگ عنایت کیا، اس توجہ کا شکریہ قبول فرمائیے۔ یقین ہے کہ ۱۲/ کی میٹنگ میں اس کی باقاعدہ منظوری ہو گئی ہو گی۔

اسی سلسلے میں گزارش ہے کہ مجھے پہلی عرضی دیتے وقت یہ معلوم تھا کہ کانفرنس کا گزشتہ وظیفہ جولائی

---

[1] مرزا غالب کے ایک خط کی عبارت ہے جس کا غالباً مطلب پوچھا گیا تھا۔ چشم‌اروسے مراد وہ شے ہے جو باغ یا کھیت کو نظر بد سے بچانے کے لئے بنا دیتے ہیں۔

یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ کو گذشتہ خطوں کے امید افزا جواب ملے۔ مگر یہ ظاہر نہ ہوا کہ خطوط آپ تک پہنچے ہیں وہ عودِ ہندی اور اردوئے معلّٰی کے شائع شدہ ہیں یا غیر مطبوعہ۔ اگر غیر مطبوعہ ہیں تو واقعی یہ کامیابی قابلِ افتخار ہے تاریخ نیمروز شاہی کے مشتبہ لفظ کا ابھی تصفیہ نہیں ہوا ہے۔ تحقیقات جاری ہے۔

ہندی کی قدیم وجدید تحریروں کے جو نمونے آپ نے عنایت کئے ہیں، میرے مقصد کے لئے کافی ہیں۔ ان میں اتنی بات رہ گئی کہ آپ نے اپنی زبان میں ترجمہ فرما دیا۔ میں چاہتا تھا کہ ترجمے کے ساتھ وہ اصلی ہندی تلفظ بھی اردو املا میں لکھ دیا جاتا کہ اصلی غرض یہی تھی۔ خیر یہ معمولی بات ہے یہاں یہ کام ہوجائے گا۔

عند الملاقات "بیگم صاحب"[1] والے شعر میں جس لفظ کا تذکرہ کیا گیا تھا اس کو میں نے اپنے پاس کی مختلف کتابوں میں دیکھا۔ میری مرتبہ کتاب (منتخبات عود ہندی) اصل عود ہندی مطبوعہ مطبع مجتبائی میرٹھ رجب ۱۲۸۵ھ کی نقل ہے۔ ان دونوں میں بھسوڑا بائے فارسی (پ) سے چھپا ہوا ہے لیکن میرے نزدیک بھسوڑا (بائے موحدہ) سے ہے جس کے متعلق میں نے منتخبات عود ہندی کے حواشی میں لکھ دیا ہے کہ دیہاتی روزمرہ میں بھسوڑا بھس رکھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ متذکرہ بالا عود ہندی کے سوا اردوئے معلّٰی اکمل المطابع دہلی مطبوعہ ذیقعدہ ۱۲۸۷ھ اور اردوئے معلّٰی مطبوعہ مطبع کریمی لاہور ۱۹۲۲ء میں یہ خط موجود ہے لیکن ان دونوں کتابوں سے یہ شعر نکال دیا گیا ہے۔ بھسوڑے کے متعلق میرا قیاس اقرب الی الصواب ہے اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بطورِ مذاق احمقوں اور بیوقوفوں کو ایسے غیر متعفن اور مضحکہ آمیز مقاموں پر چھپا دیتے ہیں۔ شعر کے معنی صاف ہیں۔ دوسرے مصرع میں چھٹیا اگر آزاد ہونے کے معنی میں نہیں ہے تو دو بی بیگم یعنی چھوٹی بیگم کا بگڑا ہوا تلفظ ہوگا۔ یعنی بیگم صاحب نے بھسوڑے میں پھنسا دیا اور چھٹیا (چھوٹی، چھٹی) بیگم نے ذلیل و رسوا کرایا۔ افسوس ہے کہ میرے پاس یہ مثنوی نہیں اور نہ میں (نے) ابتدائے عمر سے اس وقت تک دیکھی۔ ایک مثنوی مرزا مہر کی جو چھپ گئی ہے وہ لڑکپن اور عنفوانِ شباب تک میرے پاس تھی اور غالباً اسی کا نام شعاعِ مہر ہے لیکن اس کا وزن یہ نہیں۔ گزشتہ ایام میں اس کے اکثر اشعار یاد تھے۔ اس وقت ایک مصرع لکھتا ہوں۔ اس سے وزن معلوم ہوجائے گا

مہر ہیں مہر ہیں مشہور جہاں تن ہم ہیں

---

[1] غالب نے مرزا حاتم علی بیگ مہر کے نام ایک خط میں مہر کی ایک مثنوی کا ذکر کرتے ہوئے ایک شعر لکھا ہے:

بیگم صاحب بھسوڑ ہی ہیں یا　　　چھٹیا بیگم نے بے حرمت کرایا

مکتوب الیہ نے بظاہر اسی سلسلے میں غالباً لفظ "بھسوڑ" کے متعلق استفسار کیا تھا۔ احسن صاحب نے فرمایا کہ یہ لفظ "بھسوڑا" ہے یعنی بھس رکھنے کی جگہ۔ بیگم سے مراد بڑی بیگم اور چھٹیا سے مراد چھوٹی بیگم۔

تھا پایا" یار آوری کا شکریہ۔ آپ کے بھیجنے سے پہلے یہ تراشہ مجھے مل چکا تھا۔

سفر کے تکان کی وجہ سے اس وقت مجھے زیادہ لکھنے کی فرصت نہیں صرف رسید لکھ رہا ہوں۔ شاہکار عثمانی کے متعلق آپ جو کچھ لکھیں گے۔ یہاں کے اخباروں میں بھی چھپ سکتا ہے اور دکن میں بھی جیسی آپ کی رائے ہو۔ میرے پاس آپ کی مؤلفات میں تذکرۂ ریختی اور غنچۂ تبسم تو موجود ہیں ارنسٹ اور معاشقۂ پولین نہیں

مولانا عبدالحق صاحب کے متعلق حالات معلوم ہیں جامعہ عثمانیہ کی خدمت کے لائق مجھ میں لیاقت نہیں علاوہ اس کے میری عمر اب پوری ہو چکی۔ یونیورسٹی علی گڑھ دو برس سے توسیع دے رہی ہے اور غالباً وہ با آسانی نہ چھوڑے گی۔ اگرچہ میرا جی چاہتا ہے کہ اگر کچھ دنوں کی زندگی اور ہے تو گھر پہنچ کر اللہ اللہ کروں اور خدمتِ ادب اب کسی پابندی کی ہمت نہیں اور پھر اتنی دور زیادہ سے زیادہ۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور اپنی خیریت لکھتے رہیں گے

۱۱ر اگست ۳۷ء   والسلام دعا گو

احسن مارہروی

(۱۴۳)

بنام تمکین کاظمی

محبی و اعزی السلام علیکم و تسلیمی لدیکم

مدت سے آپ کے مضامین اور نظمیں مختلف رسالوں میں دیکھتا رہتا ہوں اور ان کو پڑھ کر ایک نامعلوم کشش ہوتی تھی آج معلوم ہوا کہ یہ کشش بے معنی نہ تھی آپ نے حضرتِ تجلی کا نام اور پتہ بتا کر یہ حجاب و تاریکی دور کیا اور مجھے بے حد مسرور۔ بقول مشہور

اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری

مجھے اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ برادر مرحوم کا کب انتقال ہوا۔ جہاں تک میرا حافظہ یاری دیتا ہے دوبارہ یا سہ بارہ سفر حیدر آباد (۱۹۱۹ یا ۱۹۲۲ء) میں لطفِ ملاقات ان سے حاصل ہوا تھا امید ہے کہ آپ لکھیں کہ یہ کب واقع ہوا۔

مجھے اپنا مخلص بے ریا سمجھیں اور ہمیشہ رسل و رسائل کا سلسلہ جاری رکھئے شکر گزار ہوں گا۔ تاریخ نثر اردو کی داد دہی کا شکریہ۔ حصہ دوم چھپنے کے لئے تیار ہے ذرا جلد اول کی اشاعت ہو لے۔ ایک مطبوعہ اشتہار ملفوف کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔ اور دوسری جلد کے مضامین کا اندازہ۔

اس میں جن نمونوں کا ذکر کیا گیا ہے ان ہی میں سے جس نمونے میں آپ قلمی امداد دے سکیں، عنایت ہو گی۔ خصوصاً نوید، دعوت وغیرہ کے اردو رقعے جن کی ابتدا ۲۵-۳۰ برس سے ہوئی ہے اور اگر اس سے پہلے

۱؎ میرے والد تجلی مرحوم سے مولانا کی پرانی دوستی تھی

۳۶ء تک ہے اس لئے دو ماہ کے لئے مزید درخواست کی گئی تھی۔ اب معلوم ہوا کہ وہ وظیفہ جون تک تھا اور دو ماہ کے لئے زائد وظیفہ جو منظور ہوا وہ اگست تک ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ستمبر تک امداد کی ضرورت ہے۔ اس طرح ۳ ماہ کا مزید وظیفہ ملنا چاہیئے۔ مشورہ دیجئے کہ اس ایک ماہ کے لئے کیا کیا جائے۔ میں دوسری عرضی اسی مضمون کی لکھ کر آپ کے پاس بھیج دوں یا آپ خود اپنی مہربانی سے اس کو منظور کرالیں گے۔ اس کا جواب عطا ہو۔ بفضل مولیٰ تعالیٰ سے امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

والسلام۔ دعاگو

احسن مارہروی ۱۵ر جولائی ۳۶ء

(۱۱)

بنام تمکین کاظمی

محبی و عزیزی۔ السلام وعلیکم وعلی من لدیکم

مدت کے بعد محبت نامہ ملا مجھے آپ کا پتہ یاد نہیں رہا تھا۔ اور ہجوم کار سے اتنا وقت نہیں ملا کہ اپنے رجسٹر یادداشت سے تلاش کرتا۔ اب آپ کی شکایت بجا ہے مگر میرا یہ شکوہ بھی بے جا نہ ہوگا کہ آپ نے مجھے بھلا دیا۔ سینکڑوں مضامین لکھتے ہیں۔ بہت سی تصنیفیں کرتے ہیں مگر دعاگوئے قدیم کو یاد نہیں کرتے آپ چشم بددور ابھی جوان ہیں میں لب گور۔ اگر مجھے تساہل و تکاہل ہو تو عجب نہیں آپ کی ہے تو بھی موجب استعجاب ہے۔ حسب ارشاد شاہکار عثمانی کا ایک نسخہ اس کارڈ کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ اگر ممکن ہوا تو اس کی رسید میں صبح دکن اور دکن کے جن اخباروں میں اس کے متعلق کچھ لکھا گیا ہو۔ ان اخباروں کے پورے پرچے یا ان کے تراشے بھیجکر ممنون فرمایئے لکھیئے کہ آجکل کیا تالیف و تصنیف زیر قلم ہے کبھی کبھی یاد کرلیا کیجئے یہ ممکن نہیں کہ آپ یاد کریں اور میں بھول جاؤں۔ ۱۰ر اکتوبر تک میں علی گڑھ نہ رہوں گا لہٰذا خط و کتابت اس زمانے میں مارہرے کے پتے سے ہو۔ نیز یہ یاد رہے کہ اب علی گڑھ میں انٹرمیڈیٹ کالج نہیں ہے میرا تعلق مسلم یونیورسٹی سے ہے پتے میں اگر لکھا جائے تو مسلم یونیورسٹی نہ انٹرمیڈیٹ۔

والسلام۔ دعاگو

احسن مارہروی

(۱۲)

بنام تمکین کاظمی

اعز محترم! سلام مسنون

میں ایک عشرے سے سفر میں تھا رات واپس ہوا ہوں۔ ڈاک میں آپ کا پیکٹ جس میں صبح دکن کا پرچہ

ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ ہر امتحان میں فائز المرام فرماتے آمین۔ لیکن آپ نے مسلم یونیورسٹی کے متعلق جو استفسار فرمایا ہے اس کا جواب وہاں جائے بغیر نہیں دیا جا سکتا اور چونکہ آجکل تعطیل ہے اور دسہرا جولائی تک کسی کا صحیح اور مستقل قیام معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے اس قسم کی رائے پیش کرنا قبل از وقت ہے۔ تعلیمی مشکلیں ہر جگہ پائی جاتی ہیں۔ فیس کی معافی بڑا ٹیڑھا سوال ہے۔ خصوصاً کسی دوسرے کالج کے پاس شدہ کے لئے۔ میں دریافت حال کرنے کے بعد کہہ سکوں گا کہ اب ممکن ہے یا نہیں۔ بریلی کالج میں اگر عبدالشکور صاحب لیکچرار بریلی کالج سے کوئی کام نکل سکے تو میں ان سے کہنے کے لئے تیار ہوں۔ وہ میرے خاص الخاص دوست ہیں۔ برخوردار سے پوچھئے کہ ان کا وہاں کتنا اثر ہے۔

اس وقت زیادہ نویسی کی معافی چاہتا ہوں۔ ۲۳ جون کو مسوری جانے کا قصد ہے اگر وہاں گیا تو شاید ۱۰۔ ۲۰ روز وہاں رہنا ہو۔ ۲۵ جون کو ایک مشاعرہ بھی ہے بعض خصوصی احباب کا اصرار ہے اور میرا مزاج یہاں کی گرمی سے ناساز رہتا ہے کیا عجب کہ اس سلسلے میں وہاں زیادہ قیام ہو جائے۔ لہٰذا میں بعد واپسی مزید عرض کروں گا آپ نے شکریہ ادا فرما کر مجھے شرمندہ کیا۔ یہ تو میرا ذاتی کام تھا

۱۸ جون ۳۹ء — والسلام

دعاگو: احسن مارہروی۔ مارہرہ ضلع ایٹہ

(۱۶)

بنام ڈاکٹر زور

محبی و شفیقی! تسلیم خلوص تضمیم

آپ کا علی گڑھ (کانفرنس جوبلی میں) تشریف لانا اور میرا چند منٹ کے لئے ملنا ایک خواب دیکھنا تھا۔ اس وقت اس خیالی گفتگو سے قطع نظر اس خواب کی تعبیر چاہتا ہوں۔ آپ کو یاد ہوگا اثنائے گفتگو میں آپ نے فرمایا تھا کہ میرے پاس مرزا داغ مرحوم کے دو ایک خط یا رقعے موجود ہیں۔ اور میں نے استدعا کی تھی کہ اسکی نقل مجھے عنایت کیجئے آپ نے وعدہ فرما لیا تھا مگر میں اپنی غفلت سے اب تک نہ چونکا سکا۔ اب مرزا مرحوم کے خطوط مرتب کر چکا ہوں۔ جس کا تاریخی نام (انشائے داغ) ہے۔ یہی تین مہینے ہیں کہ وہ پریس جا کر اس تاریخی نام کو بے کار نہ ہونے دے۔ لہٰذا امید وار کہ حسب ارشاد ایک دو یا جتنے خطوط یا رقعے مل سکیں مرحمت ہوں۔ اگر ممکن ہو تو نواب عزیز یار جنگ بہادر[1] سے میرا سلام نیاز فرما کر ان سے بھی حاصل کیجئے۔ اگر ان کے سوا کسی کا پتہ اور جناب کو معلوم ہو تو اس سے مطلع فرمایئے میں بہت بہت شکر گزار ہوں گا اگر اس ابدی یادگار میں جناب میرے مددگار ہوں گے۔

---

[1] نواب عزیز یار جنگ عزیز حیدر آباد میں مرزا داغ کے تلمیذ رشید تھے۔ ان کے کئی دیوان اور تالیفات چھپ چکی ہیں

کے مل سکیں تو کیا کہنا۔ اس وقت ایک سفر کی وجہ سے خط ختم کرتا ہوں اور آئندہ کے لئے مفصل مکالمت و مراسلت کا وعدہ والسلام

دعاگوئے امام

احسن بدنام ۲۰ر نومبر ۱۹۳۰ء

(۱۴)

بنام دل شاہجہانپوری

شفیق محترم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نوازش نامہ عزت افزا ہوا شکر کرم۔ جی ہاں میں اگست ۱۹۳۸ء سے ریٹائر ہو کر گھر آیا اور اب انہیں پرانی روایات کے ماتحت نئی زندگی بسر کر رہا ہوں جنہیں ۱۵۔ ۱۴ برس پہلے ترک کر چکا تھا۔ بہر حال می گزارم دمی گزارد۔

جناب نے جس شعر کی بابت میری ناقص رائے دریافت فرمائی ہے اس کے متعلق حسب ارشاد بے تکلف عرض کرتا ہوں فضا و صبا کی مکیشی کے متعلق میں جناب مرزا یگانہ کا ہم خیال ہوں مگر اس کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ تشبیہات استعارات یا اصطلاحات و محاورات حسب موقع ہمیشہ بدلتے رہے ہیں اور بدلتے رہیں گے۔ بقول شیفتہ

ہم اگلے کہنے والوں کی تقلید کیوں کریں

البتہ نئے الفاظ کے استعمال پر کہنے والے کو کسی قرینے اور مناسبت کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیئے۔ یعنی صبا اور فضا کو مکیش بنانے کے لئے کوئی ایسی وجہ ہونی چاہیئے۔ جس سے سننے والے کی ذہنیت میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو اگر ایسا قرینہ قائم ہے تو صبا و فضا کو مکیش کہنے پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔

مولوی ضیا احمد صاحب ایم اے بدایونی لیکچرار مسلم یونیورسٹی سے میں خوب واقف ہوں اور میرے ان کے درمیان میں مخلصانہ اور عزیزانہ تعلقات ہیں فرمائیے ان کی بابت کیا ارشاد ہے۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور کبھی کبھی یاد فرمائی سے شاد کام فرماتے رہیں گے۔

دعاگوئے بے ریا

احسن بے نوا ۔ ۱۱ر اپریل ۱۹۳۹ء　　　۱۱ر اپریل ۱۹۳۹ء

(۱۵)

بنام دل شاہجہانپوری

لطف فرمائے تسلیم

نوازش نامہ ملا۔ برخوردار سلمہ اللہ تعالیٰ کی کامیابی سے مسرت ہوئی۔ مبارکباد عرض کرتا ہوں اور دست بدعا

ہونے سے خیال اور یاد کو دل و دماغ سے بعد ہو گیا ہو۔ بہر حال بفضلِ مولیٰ تعالیٰ۔ سے امید ہے کہ مزاج بہادر ہمہ آغوش عافیت ہو گا۔ میں بھی بخیر ہوں۔ اور عمر کی آخری دہائی پوری کر رہا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ جب تک سانس جاری ہے استاد مرحوم (داغ دہلوی) کی خدمت گزاری کرتا رہوں۔ ان کے کلام کا انتخاب پریس میں بھیج چکا ہوں۔ بعد تکمیل بھیجوں گا۔ اس وقت ان کے خطوط مرتب کر رہا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ میرے زمانۂ قیام حیدر آباد میں آپکے نام اکثر خطوط گئے ہیں اور امید ہے کہ آپ سے محتاط ادیب نے انہیں محفوظ رکھا ہو گا۔ لہٰذا ان کی اصل یا نقل عنایت کیجئے۔ اور جلد عنایت کیجئے۔ اس لئے کہ مجموعہ مکمل ہو چکا ہے اور اسی ماہ میں چھپوانا مقصود ہے کیونکہ تاریخی نام انشائے داغ بے کار ہو جائیگا۔ خدا کرے یہ خط آپ کو مل جائے اور اس کا جواب مجھے بھی مل جائے تو پھر مفصل خط و کتابت ہو گی۔ پندرہ سولہ برس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی خدمت کرنے کے بعد اب ریٹائر ہو کر گھر آ گیا ہوں۔ اگر زندگی رہی تو شاید دسمبر میں مسلم لیگ کے جلسہ میں لاہور آؤں۔ اگر ایسا ہوا تو ۳۰۔ ۳۵ برس بعد پھر ملاقات ہو سکے گی۔ امید ہے کہ مزاجِ عالی بخیر ہو گا۔ آج کل کسی رسالے سے ادارتی تعلق ہے یا نہیں؟

آپ کا برادرِ کہن

احسن مارہروی

نوٹ:۔ حافظ حاجی سید علی حسن احسن مارہروی لالہ سری رام ایم اے کی مشہور تالیف خمخانۂ جاوید جلد اوّل کی ترتیب کے زمانہ (سنہ ۱۹۰۳ء یا سنہ ۱۹۰۴ء) میں عرصہ تک لاہور میں رہے۔ بلکہ استاد داغ کے نام پر یہیں سے ماہانہ رسالہ "فصیح الملک" جاری کیا۔ لاہور سے واپس جا کر اپنے وطن مارہرہ میں رہے۔ پھر علی گڑھ میں اردو کے پروفیسر ہو گئے۔ جہاں سے ریٹائر ہو کر قریباً ۳۵، ۳۶ برس کے بعد فروری سنہ ۱۹۴۰ء کے آخری ایام میں بزمانہ جلسہ مسلم لیگ لاہور تشریف لائے۔ اور اگست یا ستمبر سنہ ۱۹۴۰ء میں اپنے سب کام ادھورے چھوڑ کر مارہرہ میں انتقال فرما گئے۔

(۱۹)

بنام خواجہ حمید الدین صاحب شاہد[1]

لطف فرمائم۔ سلام شوق۔

کارڈ مورخہ ۱۲۔۱۱۔۳۹ نمبری ۱۲۵۴ موصول ہوا۔ اور اس کے ساتھ نومبر کا سب رس پہنچا۔ شکر کرم۔ ادبِ غالب کا پیکٹ جس کی روانگی آپنے ۳۰ اکتوبر کو لکھی ہے اس وقت تک مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ یہاں میری ڈاک بہ احتیاط آتی ہے اور روزانہ میرا نوکر لاتا ہے زیادہ یقیناً کسی ڈاکو ڈاک کے نے ہاتھ صاف کیا۔ سرٹیفکیٹ آف پوسٹنگ کی پروا

---

[1] خواجہ حمید الدین صاحب شاہد ایم اے لکچرار اردو چادر گھاٹ کالج اس وقت سب رس کے ایڈیٹر اور ادارۂ ادبیات اردو کے مہتمم تھے۔

آپ کی تازہ تالیفات کے اشتہار دیکھتا ہوں مگر پھر بھول جاتا ہوں۔ اگر آپ کسی گوشہ یا فہرست یادداشت میں میرا نام ٹانک لیں اور جب کوئی تازہ تالیف ہو تو مجھے بھجوا دیں تو ممنون ہوں گا۔ فی الحال روحِ غالب[1] میں دل پڑا ہوا ہے۔ فضل مولا سے امید ہے کہ مزاج عالی مع الخیر ہو گا۔ والسلام خیر ختام مسلم یونیورسٹی سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد اکثر گھر ہی میں رہتا ہوں۔

۲۲/اکتوبر ۳۹ء   آپ کا مخلص

احسن مارہروی

(۱۷)

بنام ڈاکٹر زور

شفیق محترم، سلام مسنون

۲۹ اکتوبر کا والا نامہ جس میں لقمان الدولہ بہادر[2] کے نام کے دو خطا ملفوف تھے ملا۔ اس کرم و نوازش کی رسید ذرا دیر میں بھیج رہا ہوں اس توقف کا سبب یہ ہوا کہ آپ نے اس خط میں روحِ غالب کے بھیجنے کی اطلاع دی تھی۔ اب تک اس انتظار میں رہا کہ وہ پیکٹ مل جاتے تو یکجائی رسید شکرگزاری حاضر کروں مگر اب کہ انتظار کی حد گزر چکی نہ روحِ غالب کا پیکٹ دستیاب ہوا نہ ماہ نامہ۔ سب رس نظر افروز ہوا۔ اطلاعاً عرض کردہ شد

امید ہے کہ مزاج گرامی ہم آغوشِ عافیت ہوگا۔ سب رس مجھے ملا تو میں کوششِ خدمت کروں گا۔ زیادہ

ادب

۹/نومبر ۳۹ء   خادمکم۔ احسن مارہروی

نواب عزیز یار جنگ بہادر کو بھی اس وقت خط بھیج رہا ہوں۔

(۱۸)

بنام منشی محمد دین فوق

برادر شفیق۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ تو ناممکن ہے کہ آپ اپنے بھائی احسن کو بھول گئے ہوں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ خط و کتابت کے بعد

---

[1] روحِ غالب میری ایک کتاب ہے جس میں غالب کے حالاتِ زندگی اور دلچسپ خطوط شامل ہیں ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی تھی۔

[2] نواب لقمان الدولہ ڈاکٹر (۱۲۷۶ھ ۔ ۱۳۵۸ھ) حیدرآباد میں مرزا داغ کے باثر تلامذہ میں سے تھے اور مرحوم نظام میر محبوب علی خان آصف جاہ سادس کے اسٹاف سرجن تھے۔

خوب لطف اٹھایا۔ آپ کی متعدد تصویریں نظر افروز ہوئیں جو صورت میرے ذہن میں تھی۔ اس میں بہت تغیر پایا میری کوئی تصویر فی الحال میرے پاس نہیں۔ کوشش کروں گا کہ دسمبر کے آخر میں فوٹو لیا جائے۔ اس وقت ایک کاپی حاضر کروں گا۔ آپ بھی مجھے نہ پہچان سکیں گے۔

دونوں خط اگرچہ بہت مختصر ہیں مگر اس لحاظ سے کہ آپ کا نام نامی الشاتے داغ میں آجائے غنیمت ہیں۔ دعا فرمائیے کہ یہ کام جلد انجام پائے رام پور کے سرکاری کتب خانہ میں استاد مرحوم کی تحریروں کا پتہ چلا ہے سفتہ عشرہ اس باب میں سعی و کوشش کروں گا۔ اگر وہ مل گئے تو ان کو بھی شامل کروں گا۔ ورنہ جتنے خطوط مل گئے ہیں۔ انہیں کو صاف کر کے پریس کے حوالے کر دوں گا۔

آپ کا مخلص

احسن مارہروی　　۲۸ر نومبر ۱۹۳۹ء

(۲۲)

بنام منشی محمد دین فوق

شفیق برادر۔ السلام علیکم

ایک تکلیف دے رہا ہوں اگر طبیعت بحال ہو اور تکلیف نہ ہو تو میری قلمی مدد کیجئے۔ کہ اس کام کے لئے آپ سے زیادہ کوئی میرا دوست لاہور میں نہیں ہے ایک مجموعہ نظم جدید مرتب کر چکا ہوں۔ اس میں چند موجودہ عصر کے شعراء بھی شامل ہیں۔ مگر ان کے حالات سے مجھے علم نہیں۔ شکر گزار ہوں گا اگر حسب ذیل حضرات کے مختصر حالات مع سنہ ولادت لکھ کر یا لکھوا کر جلد از جلد عنایت کئے جائیں:۔

خواجہ دل محمد ایم اے۔ حکیم احمد شجاع۔ گوپی سرن ادیب۔ عبدالرؤف ادیب۔ اسد ملتانی۔ اندر جیت شرما۔ مولوی برکت علی۔ شاہ تراب علی تراب۔ ڈاکٹر تاثیر ایم اے۔ تاجور نجیب آبادی۔ غلام مصطفیٰ خان ذہین سید ذوالفقار علی بخاری۔ درگا سہائے سرور۔ عبدالمجید سالک۔ پیارے لال شاکر۔ عدم۔ قدوس صہبائی گوپال متل۔ تلوک چند محروم۔ خوشی محمد ناظر۔ نظیر لدھیانوی۔ مولوی الف دین نفیس۔ غلام بھیک نیرنگ۔

ان میں جن کے حالات معلوم نہ ہوں۔ تو اپنی وسیع معلومات سے ان کا اتا پتا بتایا جائے کہ اس نشان سے معلوم کیا جائے۔ امید ہے کہ مزاج سامی بہ خیر ہوگا۔

والسلام

آپ کا مخلص

احسن مارہروی

مارہرہ ضلع ایٹہ یوپی سرکار فورڈ ۱۳ر دسمبر ۱۹۳۹ء

کون کرتا ہے۔ اب میں کیا عرض کروں بجز اشتیاق مالا نیطاق۔
انشاء اللہ سب رس کے لئے کچھ حاضر کروں گا۔ مکرمی حضرت زورؔ کی خدمت مبارک میں میرا سلام پہنچایا جائے

والسلام
۷ار نومبر ۳۹ء　　خاکسار، سید علی احسن مارہروی

(۲۰)

بنام منشی محمد دین فوقؔ

بھائی جان! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

نوازشی کارڈ ملا۔ سرفراز فرمایا۔ امید کرتا ہوں کہ آپ نے استاد مرحوم (داغ دہلوی) کے خطوط کی تلاش میں توجہ فرمائی ہوگی۔ خدا کرے کہ کچھ خطوط مل گئے ہوں۔ مجھے بھی یاد آیا کہ آپ کے نام استاد مرحوم نے تلوار وغیرہ کے لئے جو خطوط لکھوائے تھے غالباً وہ میرے ہی ہاتھ کے تھے۔ ایک دو جس قسم کی تحریریں ہاتھ آئیں بھیج دیجئے۔ رام پور میں خطوط وغیرہ کا پتہ چلا ہے۔ کوشش کر رہا ہوں کہ وہ بھی جلد دستیاب ہو جائیں۔ اس وقت تک جو ذخیرہ جمع ہو گیا ہے وہ بھی کافی ہے اور اب تک جتنے خطوط مشاہیر کے شائع ہو رہے ہیں یقیناً ان سے کم نہیں اور میں نے جس ترتیب سے انہیں لکھا ہے وہ غالباً اپنی نوعیت میں نئے ہوں گے۔

مسلم لیگ کا جلسہ اب دسمبر میں نہیں بلکہ مارچ میں ہو گا۔ اگر زندگی رہی تو ضرور آؤں گا۔ اور جب آؤں گا تو آپ سے ملے بغیر نہ رہوں گا۔ میں بھی اب ۷۴ واں مرحلہ عمر شروع کر چکا ہوں۔ دیکھئے یہ منزل کہاں اور کب ختم ہو[1] باقی باقی۔ والسلام

خیر طلب
مارہرہ ضلع ایٹہ سرکار خورد ۲۰ر نومبر ۱۹۳۹ء　　احسن

(۲۱)

بنام منشی محمد دین فوقؔ

برادرِ محترم۔ السلام علیکم

کلام فوقؔ کی رجسٹری مجھے ایسے موقع پر موصول ہوئی کہ میں علی گڑھ جانے کے لئے پابہ رکاب تھا۔ وہاں میرے دو لڑکے ہیں اور سات آٹھ پوتے پوتیاں ہیں۔ عید بعد ان سے ملنا ضروری تھا۔ چار پانچ روز رہ کر واپس ہوں گا۔ اس وجہ سے حسب عادت کلام فوقؔ کی رسید نہ لکھ سکا اور نہ شکریہ پیش کر سکا۔ اس سفر میں اس کی خوب سیر کی۔ اور خوب

---

[1] افسوس یہ منزل ستمبر ۱۹۴۰ء میں ختم ہوگئی

(۲۵)

بنام ڈاکٹر زور

شفیق محترم۔ تسلیم خلوص تفہیم

روحِ غالب کے سلئے نیاز نامہ بھیج کر میں علی گڑھ چلا گیا تھا۔ ۷۔۸ روز رہ کر کل واپس ہوا ہوں۔ آکر روحِ غالب کی رجسٹری پائی۔ اس توجہ و عنایت کا شکر گزار ہوں۔ ابھی بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا ہے۔ پیش لفظ[1] دیباچہ اور چند صفحے حیاتِ غالب کے دیکھ لئے ہیں آپ کا مختصر اور جامع دیباچہ ماقل ودل کا مصداق ہے۔ "صحبت کا اثر" اور "مالی پریشانی" کے متعلق بہترین رائے ظاہر فرمائی ہے۔ صفحہ ۲۴ سطر ۵ پر مرزا یوسف کے انتقال کا سنہ ۱۸۰۵ء[2] چھپ گیا ہے۔ غالباً اس میں کاتب نے غلطی کی ہے اس وقت ان کی وفات کا صحیح سن یاد نہیں مگر یقینی ہے کہ مرزا غالب کے زمانہ شیب میں انہوں نے انتقال کیا ہے۔ اگر میرا خیال غلط ہے تو تصحیح فرمائی جائے۔ "قید" کے تحت میں محسن بن شبیر صاحب بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کی کتاب "یوسف مہدی قید فرنگ میں" کا حال پڑھ کر اس کے مطالعے کا اشتیاق ہے۔ امید کہ ادارۂ ادبیات اردو کو ہدایت فرمائی جاتے کہ ایک نسخہ مجھے قیمت طلب پارسل کے ذریعہ بھیجد یا جاتے اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں اور پھر آخر میں شکریہ عرض کرکے رخصت ہوتا ہوں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی لعافیت ہوگا۔ والسلام

۹ر فروری سنہ ۴۰ء　　　آپ کا مخلص

سید علی احسن۔ احسن مارہروی

مارہرہ ضلع ایٹہ (یوپی)

(۲۶)

بنام منشی محمد الدین فوق

برادرم جناب فوق۔ سلام مسنون الاسلام

آج انشائے داغ میں آپ کے خطوط صاف کر رہا تھا کہ آپ کا آخری خط جو یکم نومبر سنہ ۱۹۰۱ء کے پنجۂ فولاد سے نقل کرکے آپ نے بھیجا ہے مکرر دیکھا۔ اس خط میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ وفات

---

[1] روحِ غالب کا پیش لفظ عماد الملک کے لائق ترین فرزند نواب ڈاکٹر مہدی یار جنگ مہدی حسین بلگرامی وزیر تعلیم و نائب صدر اعظم حیدر آباد نے لکھا تھا۔

[2] یہ دراصل ۱۸۵۷ ہے۔ کاتب نے ۵ کے منہ سے کو صفر لکھدیا تھا۔

(۲۳)

بنام ڈاکٹر زور

شفیق محترم۔ تسلیم خلوص تضمیم

دہلی میں ایک یا دو مرتبہ سرسری ملاقات کے بعد پھر نوبت مکالمات نہ آئی۔ دار السلام روزانہ آتا جاتا رہا اور ۳۱ دسمبر تک وہاں رہا مگر پھر دیدار نصیب نہ ہوئے۔ غالباً آپ جلد واپس تشریف لے گئے۔

میں زبانی عرض کر چکا ہوں اور اب بذریعۂ لسانِ قلم عرض کرتا ہوں کہ "روح غالب" کے لئے چشم براہ ہوں رسالہ سب رس بھی مجھے ایک مرتبہ کے بعد پھر نہیں ملا۔ اگر ملتا تو شاید کوئی خدمت بجا لاتا۔ یہ نیاز نامہ اسی یاد دہانی اور مزاج پرسی کے لئے حاضر کیا جا رہا ہے۔ کسی فرصت کے وقت بتوجہ خاص روح غالب کے بھجوانے کا فیصلہ فرمایا جائے۔ اگر تحفۃً نہ مل سکے تو قیمت طلب پارسل ہی سہی غرض جو صورت بہتر ہو باعث شکر گزاری ہے

امید ہے کہ مزاج عالی بخیریت ہوگا۔ والسلام

۲۵ / جنوری ۱۹۴۰ء آپ کا

سید علی احسن مارہروی

(۲۴)

بنام منشی محمد دین فوق

شفیق برادر۔ السلام علیکم

میں ۲۵ / دسمبر سے ۷ / جنوری تک دہلی اور بھوپال کے سفروں میں رہا اس لئے خط نہ لکھ سکا۔ صحت وری مزاج معلوم کر کے مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ آپ نے اس خط میں استاد مرحوم کے جس خط کی نقل بھیجی ہے۔ اس قسم کی اور تحریریں بھی مجھے مل گئی تھیں جن کو مجموعہ خطوط میں لکھ لیا ہے۔ اب اس کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ ریاست رامپور سے کچھ پرانے خطوط وغیرہ کے ملنے کی توی امید ہے۔ اس لئے اس کی ترتیب روک دی گئی ہے۔ انشاء اللہ ان کے وصول ہو جانے کے بعد جلد از جلد انشائے داغ پریس میں پہنچے گی۔

جن حضرات کے حالات کی ضرورت ہوگی۔ دوبارہ یاد دہانی کر دوں گا۔ سفر کی وجہ سے جو کام میری عدم موجودگی میں رک گیا ہے۔ اس کی تکمیل کر رہا ہوں۔

آپ کا

۲۷ / جنوری ۱۹۴۰ء احسن مارہروی

مارہرہ ضلع ایٹہ۔ یو پی ۲۷ / جنوری ۱۹۴۰ء

صفی لکھنوی

(۱)

<u>بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری</u>

عزیزی زاد فضلکم!

دعائے طول حیات و ترقی درجات۔ بہت شرمندہ ہوں کہ پورے دو مہینے کے بعد آپ کے خط کا جواب لکھ رہا ہوں بلکہ اس کی بھی کچھ نا امید زمانہ ہوا۔ کچھ مسلسل دردوں کی وجہ سے کچھ خرابی صحت سے مجبور رہا۔ مہینے سے زائد مدت کے لئے تو بالکل صاحب فراش ہی رہا نشست و برخاست میں تکلیف ہوتی تھی۔ کمر کے درد نے ایسا عاجز کیا تھا کہ کروٹ بدلنا دشوار تھا۔ بحمدہٖ اب صحت ہے۔ آپ نے اپنے خط میں جذبات اور وادی کی نسبت دریافت کیا تھا۔ وادی کا لفظ روزمرہ اہلِ لکھنؤ کے مطابق مذکر ہی ہے البتہ اہلِ دہلی نے بعض شعروں میں مونث باندھا ہے۔ ممکن ہے کہ پنجاب میں اس کا استعمال بالتانیث ہو۔ جذبات خواہ جَذَبات ایک نوزاد اُردو لفظ ہے عربی نما اور اردو میں احساسات کے معنوں میں بکثرت استعمال ہو رہا ہے اچھے اچھے لکھے پڑھے اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ زبان عربی میں صرف جذب کے معنے کھینچنے کے ہیں۔ فارسیوں نے اس کے آخر میں ہائے مختفی کا اضافہ کر کے کشش کے معنوں میں استعمال کیا ہے جیسے جذبۂ دل۔ اردو میں جذبہ غصے کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جذبہ اور جَذَبات عربی میں کشش یا احساسات دلی کے معنوں میں کہیں نہیں آئے اور نہ فارسیوں نے کہیں جَذَبات یا جَذْبات ان معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اگر جذبات اُردو میں FEELINGS کے معنوں میں وضع کر لیا گیا ہے تو ہمیں اس سے بحث نہیں کہ ایسا کیوں ہوا۔ لیکن پھر وہ اردو لفظ کی طرح استعمال ہونا چاہئے نہ کہ بطور عربی یا فارسی۔ عربی میں لفظ جذبہ اور جَذَبات آئے ہیں مگر دوسرے معنوں میں ہیں کشش کے معنوں میں نہیں ہیں ورنہ ہم صحیح سمجھتے۔ جب یہ لفظ اردو ہے تو عطف و اضافت کے ساتھ اس کا استعمال قطعاً غلط ہے اس لئے جو شعر کہ آپ نے سند میں پیش کیا ہے وہ بھی غلط ہے۔ آپ یہ بول سکتے ہیں کہ کسی دل کے جذبات برانگیختہ ہو گئے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے جذبات دل برانگیختہ ہو گئے۔ کیونکہ پہلی صورت میں اُردو ترکیب ہے اور دوسری میں فارسی ترکیب۔ اسی بنا پر میں نے لکھا تھا کہ جذبہ کی جمع جذبات ہے۔ آپ اپنے ان شعروں کو جن میں آپ نے جذبات باندھا ہے مجھے لکھ کر بھیج دیجئے تو میں سمجھ سکوں کہ میں نے انہیں

کی تاریخیں بھی اخباروں میں درج ہونا شروع ہو گئیں[۱] اگر اس زمانہ کی ایسی کوئی تاریخ وفات آپ کو یاد ہو یا (اخبار) پنجۂ فولاد میں شائع ہوئی ہو تو اسکی نقل عنایت ہو۔ یہ بھی ایک تاریخی یادگار ہوگی۔ امید کہ توجہ کیجئے گا اور جواب اور اپنی خیریت مزاج سے مطلع فرمایئے۔

آپ کا مخلص

مارہرہ ضلع ایٹہ (یوپی) ۱۴ فروری سنہ ۱۹۰۲ء — احسن مارہروی

---

[۱] بات یہ تھی کہ مرزا داغ ان دنوں اکثر علیل رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے انتقال کی جھوٹی خبر اخباروں میں شائع ہو گئی اور قطعات تاریخ وفات بھی چھپنے لگے۔ مرزا صاحب نے خود اس کی تردید میں فوق صاحب کو لکھا:

"دشمنوں نے میری بد خبر اڑائی ہے اور حال یہ ہے کہ اب بفضلِ الٰہی
سے میں بخوبی صحیح و تندرست ہوں۔ بیماری جاتی رہی۔ میں باقی رہ گیا
دشمن داغ کا دل جلانا چاہتے ہیں۔ ان کو داغِ دل نصیب ہو۔"
فصیح الملک داغ دہلوی۔ محبوب گنج۔ حیدر آباد۔ (دکن)

یہ خط یکم نومبر سنہ ۱۹۰۱ء کے اخبار پنجۂ فولاد میں مرزا داغ کے تذکرہ کے ساتھ شائع ہوا تھا۔
(محمد عبداللہ قریشی)

(۳)

بنام محمد کبیر خاں رساؔ جالندھری

عزیزی زاد فضلکم!

دعا۔ غزل مشاعرہ کمپور بقلہ آج ہی روانہ کر چکا ہوں۔ اس کے بعد یہ خط پہنچا۔ خوں کے مقابلے میں خون واقعی زیادہ فصیح ہے اور اس لئے میں بھی اس مصرع میں ردّ و بدل کرنے والا تھا مگر شاید نظر انداز ہو گیا اس لئے کہ دماغ آجکل ایک تو گرمی کی شدت سے ہر وقت بے کیف رہتا ہے اور حواس مختل۔ دوسری وجہ پریشانیِ خاطر کی یہ ہے کہ میری چھوٹی بہو ہفتہ عشرہ سے تپ میں مبتلا ہے۔ ۱۰۶ ڈگری تک بعض اوقات بخار پہنچتا ہے اور قریب بہ سرسام حالت پہنچ جاتی ہے اس لئے طبیعت یکسو نہیں رہتی۔ بیشتر دل متفکر رہتا ہے۔ بہرحال مجھے بے حد مسرت ہوئی کہ تمہارے ذہن میں یہ بات خود ہی آگئی اور تم نے مصرع بدل دیا۔ (بھی ہے خون کے چھینٹوں سے چادرِ مہتاب) پہلے مصرع کی جگہ اس کو رکھئے۔ یہ بہت ٹھیک ہے۔ وہ خفیف سا سقم اخفائے نون کا نکل گیا۔ غزل ماشاءاللہ بہت اچھی کہی ہے۔ مجھے بہت پسند آئی۔

سرور صاحب کے اس مصرع کو (گئے نیاز محمد بھی باغِ دنیا سے) غالباً میں نے عدد نکال کر نہیں دیکھا تھا ورنہ میں کبھی اس کو جائز نہ رکھتا کہ گئے کے ۳۰ عدد لئے جائیں گے۔ 'گئے' میں دو 'ے' ہیں۔ پہلی ہمزہ ہو گئی ہے مگر عدد اس کے بھی دس ہی شمار کئے جائیں گے۔ 'آئی' کے جلاک نے اگر گیارہ عدد لئے ہیں تو یہ ہرگز صحیح نہیں۔ اس لئے کہ 'آئی' میں بھی دو 'ے' شمار میں آنا چاہئے۔ پہلی 'ے' بصورت ہمزہ ہے اس کے بھی دس عدد لینا چاہئے اور اس طرح آئی کے ۱۲ عدد ہوتے ہیں۔ 'کہلائے' بروزن فعولن' اس کے بھی ۶۶ لینا چاہئے۔ کیونکہ اس میں بھی دو 'ے' ہیں۔ پہلی 'ے' ہمزہ کی صورت میں ہے۔ اگر امیرؔ مینائی صاحب نے اس لفظ کے ۶۶ عدد لئے ہیں تو مجھے ان کی رائے سے اتفاق نہیں البتہ کہلاے اگر بروزن فعول کہیں پر نظم میں آئے تو اس حالت میں آپ ۶۶ لے سکتے ہیں کیونکہ کتابت میں صرف ایک 'ے' ہو گی اور اس کے دس شمار کئے جائیں گے۔ گئے نیاز محمد بھی باغِ دنیا سے۔ اس مصرع کے عدد ۱۳۵۵ ہوتے ہیں۔ ان سے کہئے کہ دس کا تخرجہ کریں ورنہ مصرع غلط ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے پہلے جوڑ کر کیوں نہ دیکھ لیا۔ آپ کی تاریخ صحیح ہے 'گئے' کے ۳۰ ہی عدد ہونا چاہئے۔ سرور صاحب کا وہ قطعہ تاریخ جو انہوں نے گرامی مرحوم کی وفات پر کہا ہے میں نے اس کا مصرع مادہ جوڑ کر دیکھ لیا اور اشعار بھی دیکھ لئے اور ضروری تصرّف بعض مقامات پر کر دیا۔ جواب بواپسی ڈاک بھیجتا ہوں تاکہ مشاعرے کے قبل خط آپ کو پہنچ جائے۔ زیادہ دعا۔ جملہ احباب کو سلام۔ اپنے گھر میں دعا۔ وصی صاحب سلام عرض کرتے ہیں۔

صفیؔ عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۱۴؍جون ۱۹۲۷ء

---

(۴)

بنام محمد کبیر خاں رساؔ جالندھری

عزیز سلمکم اللہ!

دعائے طولِ حیات و ترقیٔ درجات۔ مدت مدید کے بعد خط آیا باعثِ اطمینانِ خاطر ہوا۔ حق سبحانہ تعالیٰ تمہیں اپنے

کیوں قلمزد نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ نظر انداز ہو گئے ہوں۔ آج کل اکثر حضرات نے جو بالکل آزاد ہیں زبان اور طرزِ شاعری ہر چیز میں تصرفات شروع کئے ہیں اور اسے بگاڑ رہے ہیں۔

...... قطعاً لغو ہوتی ہیں اور غزل کی لطافت سے انہیں کون مناسبت ہے۔ فقط!

خیر اندیش: صفی عفی عنہ۔ لکھنؤ مولوی گنج ۲۸ ؍ فروری ۱۹۲۶ء

(۲)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیزی! زاد فضلکم

دعائے حیات و ترقیٔ درجات۔

بحمدہٖ اچھا ہوں۔ ظریف صاحب کو بفضلہٖ پہلے کی نسبت اب افاقہ ہے مگر ابھی اچھی طرح اٹھ بیٹھ نہیں سکتے۔ تھوڑی دیر تک بیٹھے رہتے ہیں بائیں گردے میں چمک ہونے لگتی ہے علاج برابر ہو رہا ہے۔ میرے پھوپھی زاد بھائی جو مجھ سے بڑے تھے اور بمقام سیتاپور آنریری مجسٹریٹ و آنریری منصف تھے، بیماری سے جانبر نہ ہو سکے۔ افسوس ہے کہ انہوں نے وفات پائی، آئندہ اتوار کو ان کا چہلم ہے۔ ایک مرتبہ بغرضِ تعزیت جا چکا ہوں، غالباً پھر جانا پڑے گا۔ خدا غریقِ رحمت کرے، بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ تقریباً پچھتر چھہتر برس کا سن تھا مگر قویٰ بہت زبردست تھے۔ کشیدہ قامت، استخوان بہت چوڑے، ڈیل ڈول نہایت حسین، طاقت قدرتی ایسی تھی کہ بھینسے کے دونوں سینگ پکڑ کے زمین پر پچھاڑ دیتے تھے بلکہ عام کے بے شمار کام کرتے رہے۔ کئی مرتبہ نامی نامی ڈاکوؤں کو جنہیں پولیس گرفتار نہیں کر سکتی تھی تن تنہا جا کر گرفتار کیا۔ سپاہ گری کے فنون لکڑی بنوٹ خوب جانتے تھے مشہور شہ زوروں میں تھے۔ سیتاپور کے ضلع میں زمینداری بھی تھی۔ حکام و رعایا سب ان سے خوش تھے باوجود اس قوت و ثروت کے نہایت منکسر المزاج، خندہ پیشانی، متحمل، سیر چشم، احباب پرور، مہمان نواز تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رہے نام اللہ کا۔

وصی صاحب سے آپ کا پیام کہہ دیا، سلام کہتے ہیں اور ان شاء اللہ کچھ کلام بھیج دیں گے۔ سرور صاحب، مبارک علی خاں صاحب، حمید صاحب، حکیم صاحب، عاشق صاحب (پہلوان)، خاور صاحب اور دیگر احباب کو بہت بہت میرا سلام پہنچا دیجئے۔ اپنے گھر میں دعا میری طرف سے کہہ دیجئے، بھانجوں کو دعا کہہ دیجئے۔ آپ کا اور سرور صاحب کا مصنفہ قطعہ اور آپ کی دونوں غزلیں بعد اصلاح اسی خط کے ساتھ ملفوف کرتا ہوں۔ سیتاپور چونکہ چلا گیا تھا اس لئے جواب لکھنے میں تاخیر ہوئی۔ آج کل یہاں آگ برس رہی ہے۔ دن بھر لو چلتی ہے حواس مختل رہتے ہیں۔ باقی حالات بدستور ہیں۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ خط پہنچنے پر بذریعہ کارڈ فوراً اطلاع دیجئے تاکہ باعثِ اطمینان ہو۔

زیادہ دعا

حررہ صفی عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۸ ؍ جون ۱۹۲۷ء

لکھا ہے اس وقت نام میرے ذہن میں نہیں انشاء اللہ دریافت کرکے لکھ بھیجوں گا۔ "تنظیم الحیات" پر تنقید لکھنے کے متعلق آپ نے کئی خطوں میں لکھا ہے۔ مجھے یاد ہے لیکن آخر اکتوبر سے اب تک میں شدید دردِ سر کے دورے میں مبتلا رہا۔ اس لئے اس کے متعلق بالکل کوئی انتظام نہ کرسکا۔ اسی ناسازیٔ مزاج کی وجہ سے آپ کے پہلے خط کا جواب بھی اب تک نہ لکھ سکا اور نہ آپ کے دوست ڈاکٹر صاحب مدیرِ "فانوس" کو کوئی خط لکھ سکا۔ لکھنے پڑھنے میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ ان سے میرا سلام کہئے اور خط نہ بھیجنے کی وجہ بیان کر دیجئے۔ پرانی نظمیں وقتاً فوقتاً چھپ چکی ہیں۔ انہیں کیا بھیجوں۔ جدید نظموں کی فکر مدت سے چھوڑ دی اس لئے کہ دماغی کام کرنے سے دردِ سر بڑھ جاتا ہے۔ میں تو شاعری ہی کو خیرباد کہہ چکا ہوں۔ اگر کبھی کوئی جدید نظم یا غزل کہوں گا تو آپ کے رسالے میں بھی بھیج دوں گا۔

سرور صاحب اور دیگر احباب کو میرا سلام پہنچا دیجئے اور اپنے گھر میں دعا کہہ دیجئے۔ آپ کی سالی کا واقعہ دریافت ہو کر بہت قلق ہوا۔ خداوند کریم آپ حضرات کو صبر عطا فرمائے۔ مشیّتِ ایزدی میں کیا چارہ ہے۔ آپ نے اپنے خط سابق میں لفظ "جذبات" کے متعلق لکھا ہے۔ اس لفظ کے متعلق میری وہی رائے اب بھی ہے جو پیشتر لکھ چکا ہوں۔ جذبات اور پرستان یہ دونوں ایسے لفظ ہیں جو اب تک زیرِ تحقیق ہیں۔ اوّل الذکر عربی نما ہے اور موخر الذکر فارسی نما۔ لیکن عربی اور فارسی نظموں میں کسی اہلِ زبان نے استعمال نہیں کیا ہے۔ جذب بمعنی کشش البتہ عربی لغت میں ہے۔ فارسیوں نے ہائے مختفی بڑھا کر جذبہ بنا لیا ہے۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے۔ اُردو میں جذبات کا لفظ بمعنی FEELINGS جو عطف و اضافت کے ساتھ اپنی تحریروں میں سر سیّد مرحوم، علامہ شبلی مرحوم اور دیگر مشاہیر نے استعمال کیا ہے۔ اس کی سند کسی عربی یا فارسی شعر میں نہیں ملتی۔ خود تحقیق کئے بغیر محض انہی معاصرین کے اعتبار پر اپنی پرانی نظموں میں دو ایک مقامات پر میں نے اس لفظ کو نظم کیا تھا اور میرے ہی تتبع میں عزیز نے بھی اپنی نظموں میں استعمال کرنا شروع کر دیا مگر عند التحقیق جب مجھ پر یہ واضح ہو گیا کہ کسی عرب یا عجم کے کلامِ منظوم میں جذبات کا لفظ بمعنی FEELINGS مستعمل نہیں تو میں نے اسے ترک کر دیا اور اسی بنا پر آپ کو بھی منع کر دیا۔ لوائحِ جامی کے لائحۂ یازدہم میں ایک مقام پر یہ لفظ نثر میں صرف ہوا ہے۔ عبارت یہ ہے "اما چوں آثارِ جذبات لطف در دے ظہور کند۔۔۔۔ الخ" لیکن مجرد ایک شخص کا نثر میں اس لفظ کو استعمال کر دینا اطمینان کے لئے کافی نہیں ہے گو کہ ملّا جامی استادِ فن اور بڑے مرتبے کے آدمی ہیں اور ممکن ہے کہ مذکورۃ الصدر اشخاص نے انہی کی تاسی میں اس لفظ کا استعمال نثرِ اردو میں شروع کر دیا ہو مگر تاوقتیکہ کسی اور اہلِ زبان کے کلام میں اس کا ثبوت بہم نہ پہنچے احتیاط اسی کی مقتضی ہے کہ حتی الوسع اس کے صرف سے احتراز کیا جائے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ "جذبات" اور "پرستان" کو اردو کی حیثیت سے استعمال کرنا بالکل جائز ہے۔ لیکن عطف و اضافت کے ساتھ استعمال ان دونوں لفظوں کا اگرچہ حرامِ مطلق تو نہیں مگر مکروہ ضرور ہے اور میں اسی مسلک پر کاربند ہوں۔ میرا جو مصرع اس لفظ کے جواز میں استدلالاً پیش کیا گیا ہے وہ ۱۸۹۰ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیان کا کلام ہے یعنی تقریباً چالیس برس پیشتر کا کلام۔

وصی سلمہٗ نے بہت بہت سلام عرض کیا ہے اور ان کا بچہ تسلیم عرض کر رہا ہے۔ زیادہ دعا۔

حررہٗ صفی عفی عنہ۔ ۱۸ر نومبر ۱۹۳۱ء

حفظ و امان میں رکھے اور مقدمات میں کامیاب کرے اور صحت و عافیت نصیب ہو۔ میں بھی دو سال تک عجب افکار و آلام میں رہا۔ کئی مرتبہ خیال آیا مگر خط بھیجنے کی نوبت نہ آسکی۔ امسال ایک جلسہ ملتان میں تھا اور دعوتی خط بھی بہت اصرار کے ساتھ آیا تھا مگر مجبوریوں کی وجہ سے نہ جا سکا۔ اب سفر میں زحمت بھی محسوس ہوتی ہے اس لئے طبیعت بہت ہچکچاتی ہے کانفرنس کا جلسہ غالباً ایسٹر کی تعطیل میں بمقام منٹگمری ہوگا۔ بوجہ پیرانہ سالی و خرابیٔ صحت قصدِ شرکت نہیں ہے لیکن اگر ایسا ہی مجبور کیا گیا اور جانا پڑا تو ضرور تم کو اطلاع دوں گا۔

تنظیم الحیات کی ابھی بہت سی جلدیں پڑی ہوئی ہیں یہ نکل جائیں تو اور کلام طبع کراؤں میں کچھ ایسا عدیم الفرصت رہا کہ ان جلدوں کے نکلنے کی اب تک کوئی معقول فکر نہیں کی۔ ٹکا ٹکی نکلتی رہتی ہیں۔ آپ کو اختیار ہے جس جس رسالے میں مناسب سمجھئے ریویو کرا دیجئے۔ وصی سلمہٗ اچھے ہیں۔ آج کل روزوں کی وجہ سے اور بھی کمزور ہو رہے ہیں۔ آپ کو سلام کہا ہے اور ان کے بچے نے تسلیم عرض کی ہے۔ گھر میں اب بفضلہٖ سب بصحت و عافیت ہیں۔ گذشتہ سال البتہ پورا سال ملیریا کے حملوں میں گذرا۔ متواتر حملے ہر شخص پر ہوتے رہے۔ نومبر دسمبر سے نجات ملی ہے۔ اپنے گھر میں میری دعا پہنچا دو۔ غزل میں نے دیکھی، ماشاء اللہ بہت خوب کہی ہے۔ صرف دو ایک مقامات پر خفیف سا تصرف کرنا پڑا۔ سب شعر اچھے ہیں۔ احباب کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہنا خصوصاً سرور صاحب کو۔ تمہارے دیکھنے کو دل بہت چاہتا ہے مگر ضعف و ناتوانی زنجیر پا ہے۔ اگر کانفرنس میں شرکت ہوئی تو انشاء اللہ ضرور ملوں گا۔ زیادہ دعا۔

صفی عفی عنہ۔ ۱۰ فروری ۱۹۳۱ء

---

(۵)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیزی سلمکم اللہ!

دعا۔ میں آج خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ تمہارا دوسرا خط مجھے ملا۔ آخرانہ کر مصرع جو دوسری بحر میں تم نے کہا ہے وہی بہتر ہے۔ مابقی مصاریع سقم سے خالی نہیں۔ حسب فرمائش اسی پر تین مصرعے لگا دئے گئے۔ مصرع تاریخ میں شاعر کے تخلص کا عدد میں شامل ہونا پسندیدہ نہیں۔ علاوہ بریں مرحوم کے نام کا اِشعار بھی بے تکلفانہ نہیں۔ لہٰذا پہلا قطعہ قلمزد کر دیا گیا۔ الف ممدودہ کے بعض تاریخ گویوں نے دو عدد لئے ہیں لیکن بالعموم ایک ہی لیا جاتا ہے اگر بضرورت کبھی الف ممدودہ کے دو عدد لینے کا اتفاق پڑے تو اس حالت میں رسم الخط بدل دینا چاہیئے مثلاً آہ کے اگر آپ ۷ لینا چاہیں تو یوں لکھئے اااہ۔ قدیم رسم الخط الف ممدودہ کا یہی تھا۔ لیکن اگر الف پر آپ مد لکھیں تو پھر اس کے ۲ شمار کرنا چاہیئے نہ کہ ۷۔ بہرکیف بہ لحاظ رسم الخط رائج الوقت دوسرے مصرع تاریخ میں ایک گھٹتا ہے اور تیسرے مصرع تاریخ میں ایک بڑھتا ہے اس لئے یہ دونوں مصرعے بھی قلمزد کر دئے گئے اور چوتھا مصرع جو دوسری بحر میں آپ نے نظم کیا ہے اونے تغیر کے ساتھ قائم رکھا گیا اور اسی پر تین مصرعے لگا کر قطعہ کر دیا گیا بس یہ کافی ہے۔ اس میں مرحوم اور ان کے بچے دونوں کی وفات کا کنایۃً ذکر ہے نعت میں جو نظم آپ نے کہی ہے اسے اصلاح دے کر اس کے ہمراہ روانہ کرتا ہوں۔ فنِ تاریخ میں ایک رسالہ جلال مرحوم نے

(۸)

بنام ورؔک شاہجہانپوری

مکرمی زاد لطفکم!

تسلیم۔ کمال مرتبہ شکر گذار ہوں کہ جناب نے عذرِ مرض کو نا مرض خیال نہ فرما کر حاضری سے مستثنےٰ فرما دیا۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اب زیادہ سردی یا زیادہ گرمی میں میری حالت اس قابل نہیں رہتی کہ سفر کر سکوں۔ ورنہ اس سے بہتر کیا تھا کہ حاضر ہو کر آپ حضرات سے مل کر مسرت اندوز ہوتا۔ اسی تاریخ اور اسی وقت آگرے میں بھی ایک مشاعرہ ہے اور وہاں کے احباب نے بھی بے حد اصرار فرمایا تھا مگر میں نے لکھ دیا تھا کہ اگر سفر کے قابل ہوتا تو میں شاہجہان پور کے مشاعرہ میں شرکت کرتا۔ آگرے میں چونکہ اسی روز اسی وقت مشاعرہ منعقد ہو گا لہٰذا ایسی صورت میں شرکت کا کوئی موقع ہی نہیں۔ اب رہا ظریفؔ صاحب کا معاملہ ان کے متعلق میں مکرر عرض کر چکا ہوں کہ بغیر اجازت راجہ صاحب ان کی شرکت کہیں ممکن نہیں اور ان کے بارے میں راجہ صاحب ہی کی خدمت میں تحریک ہونا چاہیئے۔ ابھی تک راجہ صاحب نے آپ کے مشاعرے یا آگرے کے مشاعرے کے متعلق ظریفؔ صاحب سے کچھ نہیں فرمایا ہے۔ صرف ایک مشاعرے کے متعلق حکم دیا ہے جو اسلامیہ سکول لکھنؤ میں بتاریخ ۲۴ر فروری ۱۹۲۵ء ہونے والا ہے اور بس۔ اگر آپ کے مشاعرے یا آگرے کے مشاعرے کے لئے کوئی تحریر محتشم اللہ کی خدمت میں پہنچتی تو غالباً اس کا بھی ذکر وہ ضرور فرماتے۔ اطلاعاً گذارش ہے امید کہ مزاجِ گرامی مع الخیر ہو گا۔ صاحب زادے کو بہت بہت دعا و یاد و نیاز

نیاز کیش خیر اندیش: صفیؔ عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۱۲ر فروری ۱۹۲۵ء

(۹)

بنام جناب طاہر فاروقی صاحب، اسلامیہ کالج پشاور

مکرمی! زاد لطفکم

تسلیم۔ کل شب کو عنایت نامہ ملا۔ لطف آمیز اصرار باعث اضافۂ شرمندگی ہوا۔ خط سابق میں تاریخ انعقاد مشاعرۂ شاہجہان پور زیر اہتمام جناب ورؔک صاحب غالباً میں غلط تحریر کر گیا ہوں: وہاں بھی اسی تاریخ کو مشاعرہ ہے جس روز آپ کے یہاں یعنی ۱۶ ویں گذر کے شب کو اور اس طرح جب متحد الوقت یہ دونوں مشاعرے ہیں۔ دونوں میں شرکت محال اور اگر ایک میں شرکت کی جائے تو دوسرے کے لئے باعثِ ملال۔ اس لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ بازی قائم رکھی جائے یعنی کہیں بھی شرکت نہ ہو۔

جناب ضمیر حسن خاں صاحب ورؔک اپنے مشاعرے کے لئے گذشتہ سال سے اصرار فرما رہے ہیں جناب موصوف "انجمن بہار ادب لکھنؤ" کے (جو میرے مرحوم شاگرد بہارؔ کی یادگار ہیں انہی کے نام سے منسوب و معنون ہے اور جس کا صدر میں خود ہوں) ایک ممتاز رکن ہیں نیز میرے ہم فن اور قدیم کرم فرما۔ امسال وہ انجمن مذکور کے اکثر مشاعروں میں اسی وجہ سے شرکت فرماتے رہے کہ اپنے مشاعرے کی شرکت کے لئے اراکین انجمن کو آمادہ کرتے رہیں۔ ان کے مسلسل اور شدید اصرار

(۶)

بنام دلؔ شاہجہان پوری

مکرمی زاد لطفکم!

سلام نیاز۔ جناب کا دیوان موسوم بہ "نغمۂ دل" موصول ہوکر باعث شکر گذاری و منت پذیری نیاز مند ہوا۔ چاہتا ہوں کہ بالاستیعاب اسے دیکھ کر اپنی مختصر رائے پیش کردوں مگر بوجہ ناسازئ مزاج و ہجوم افکار اب تک اس کی نوبت نہیں آئی۔ باوقات مختلف جستہ جستہ جو کچھ دیکھا ہے اور اس سے جس قدر لطف حاصل ہوا ہے اس کا اندازہ اس ایک شعر سے ہوسکتا ہے ؎

از نغمۂ دلؔ صفیؔ دلم شد پر کیف

بر دل ریزد ہر آنچہ از دل خیزد

میں تو ہمیشہ سے آپ کے کلام کا دلدادہ ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دیوان سلیم المذاق کا بہترین نمونہ ہے شعرائے صف اول میں آپ کو ایک امتیازی درجہ حاصل ہے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ مکرمی رئیس التحریر حضرت نیاز فتحپوری نے مقدمۂ دیوان میں جو کچھ لکھا ہے مجھے اس سے حرف بحرف اتفاق ہے اور اس کے علاوہ اب کسی تحریر کو تحصیل حاصل سمجھتا ہوں۔

ع　خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

خاکسار: صفیؔ عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۲۰ ستمبر ۱۹۴۲ء

(۷)

بنام دلؔ شاہجہان پوری

مکرمی و محترمی زاد لطفکم!

تسلیم۔ ابھی ابھی کارڈ مورخہ ۲ فروری ۳۵ء وصول ہوا۔ عزیزی ظریف صاحب سلمہٗ آجکل محمود آباد میں ہیں۔ راجہ صاحب دہلی سے واپس آکر وہیں چلے گئے اس لئے وہ بھی انہی کے ہمرکاب محمود آباد گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ شیخ حبیب اللہ صاحب نے راجہ صاحب سے اجازت کے متعلق تحریک کی یا نہیں۔ اگر عزیز موصوف یہاں ہوتے تو میں دریافت کر لیتا۔

اب رہا میرے متعلق تو آپ کو غالباً خوب یاد ہوگا کہ صاف الفاظ میں میں نے عرض کر دیا تھا کہ اگر ایسی سردی رہی تو میں شرکت سے معذور رہوں گا۔ چونکہ وعدہ مشروط تھا اور جو شرط مانع سفر تھی وہ تاریخ معینہ تک فوت نہیں ہوسکتی اس لحاظ سے کہ جب آپ یہاں تشریف لائے تھے اس کے مقابل اب سردی چہار چند ہوگئی ہے۔ ایسی حالت میں میں تعمیلِ ارشاد سے بالکل قاصر ہوں۔ اگر حاضر ہوسکتا تو طرحی یا غیر طرحی کوئی کلام عرض کر دیتا۔ اسی بنا پر کل دعوت ناموں کے جواب میں معذرت نامے بھیج چکا ہوں۔ آپ ہی کی طرح ہر کرم فرما کا اصرارِ بلیغ شرکت کے متعلق ہے۔ مگر میں بحالت موجودہ کہیں نہیں جا سکتا۔

جناب کو اپنے مشاعرے کا خیال ہے مجھے اپنی صحت کا جس کی ذمہ داری خود مجھ پر ہے لہٰذا مجھے افسوس ہے کہ مشاعروں پر اپنی صحت کو قربان نہیں کر سکتا۔ زیادہ نیاز!

خاکسار: صفیؔ عفی عنہ۔ ۵ فروری ۱۹۳۵ء

احساس کر کے بے حد شرمندہ ہوتا ہوں۔ کیا کروں ایک تو خلقتہً کمزور ہوں اس پر طرّہ یہ کہ کئی برس سے خونی بواسیر کے مرض میں مبتلا ہوں جس کے دورے سال میں دو تین بار ضرور ہوتے رہتے ہیں اور اس زمانے میں نقاہت اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ گھنٹے آدھ گھنٹے بھی مسلسل بیٹھ نہیں سکتا۔ زیادہ تر بستر پر پڑا رہتا ہوں۔ سیر و سفر کی مجھے یوں بھی عادت نہیں تھی۔ زمانۂ صحت میں جب کبھی ضرورتاً باہر جانے کا اتفاق ہوتا تھا خدا بخشے میرے چھوٹے بھائی ظریف مرحوم زندہ تھے، میرے ساتھ چل کر میری راحت رسانی کا ہر وقت خیال رکھتے تھے اور جہاں میں خود نہیں جا سکتا تھا اپنی طرف سے انہی کو بھیج دیتا تھا۔ لیکن افسوس صد افسوس اس ضعیفی کے عالم میں انہوں نے مجھے تنہا چھوڑ دیا، اب کہاں جاؤں ؎

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

میری موجودہ حالت اب کسی طرح اس قابل نہیں کہ سردی کے زمانے میں سفر کروں یا مشاعرے میں رات بھر بیٹھوں۔ میرے لئے ایسی جسارت خودکشی کے مترادف ہوگی لہٰذا امید ہے کہ جناب والا میری معذوریوں پر نظر ترحم فرما کر مجھے معاف فرمائیں گے۔ فقط زیادہ نیاز!

خاکسار: صفیؔ عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ۔ ۲۴ نومبر ۱۹۳۸ء

(۱۱)

بنام رسا جالندھری

عزیزی سلمکم اللہ!

دعا۔ خط مورخہ ۱۴ مارچ ۴۸ء مجھے مل گیا۔ جواب بھیجنے میں البتہ تاخیر ہو گئی جس کا مجھے افسوس ہے۔ تاخیر کا سبب یہ ہوا کہ ۴ مارچ سے ۱۳ اپریل تک تمہارے بھتیجے کا سالانہ امتحان تھا اور امتحان بھی ایف۔ اے۔ کا فائنل۔ اس لئے مجھے بالکل فرصت نہ ملی۔ چونکہ اردو اور عربی دو مضمونوں کی کتابیں وہ مجھی سے پڑھتے رہے ہیں لہٰذا اس زمانے میں بہت سا وقت ان کے تیار کرانے میں صرف ہوا۔ پھر لکھنؤ میں آل پارٹیز کانفرنس ۱۴ اپریل سے شروع ہو گئی۔ دو روز رہی، اس میں شریک ہونا پڑا۔ حالانکہ دہلی کی کانفرنس کے بعد سے میں نے کانفرنسوں اور جلسوں مشاعروں میں شرکت قطعاً ترک کر دی ہے۔ پیرانہ سالی، صحت کی خرابی اور سب سے بڑھ کر مصائب و آلام نے بالکل دل افسردہ کر دیا ہے۔ پیوستہ سال بھائی کا داغ اٹھایا پارسال رفیقۂ حیات کی رحلت کا صدمہ اور امسال تو وہ روح فرسا جانگزا غم نصیب ہوا جس نے بالکل زندہ درگور کر دیا یعنی جوان سلیقہ مند بیٹی جس کے دم سے گھر کا سب انتظام درست تھا، دفعتہً آٹھ روز تپ میں مبتلا ہو کر رحلت کر گئی۔ بہر حال جو خدا کی مرضی۔ اس کی مشیت میں چارہ ہی کیا ہے۔ امسال آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا اجلاس بمقام دوکوہا متصل جالندھر ہوگا مگر میں شریک نہ ہو سکوں گا۔ بالکل خانہ نشین ہو گیا ہوں۔ سفر وغیرہ کے قابل نہیں رہا۔ بہت کمزور ہو گیا ہوں اور سب کلام مثلاً قصائد، تاریخیں، نظمیں، قطعات، مکتوبات منظوم وغیرہ مرتب ہو گئے ہیں۔ اب غزلیات اور رباعیات خیام کا ترجمہ منظوم، ان دو چیزوں کی ترتیب باقی ہے اور ظریف مرحوم کے کلام کی ترتیب۔ انہی چیزوں کی ترتیب میں وقت کاٹتا ہوں۔ رباعیاتِ خیام کے متعدد مجموعے مطبوعہ ہندوستان، طہران جمع کر کے ان سے ایک مکمل مجموعہ تیار کیا ہے اور تمام رباعیوں کا

سے مجبور ہو کر میں نے ان سے بہ مشروط وعدہ کر لیا تھا کہ اگر میرا مزاج اچھا رہا اور اشتداد موسم مانع و مزاحم نہ ہوا تو میں حاضر ہوں گا۔ اسی بنا پر ان کے چند عنایت نامے بہ تحریک ایفائے وعدہ دسمبر سے اب تک آ چکے ہیں اور میں برابر عذرات موانع حاضری پیش کر رہا ہوں۔ پس ایسی صورت میں کہ ان کے وعدے کو تقدیم زمانی بھی حاصل ہے میں اسے نظر انداز کر کے آگرے کے مشاعرے میں اگر شرکت کروں تو یہ انصافاً کب مستحسن قرار پا سکتا ہے۔ اگر دونوں مشاعرے متحد الوقت نہ ہوتے تو البتہ یہ امر ممکن تھا کہ اپنی صحت کو معرضِ ہلاکت میں ڈال کر جس طرح بنتا دونوں جگہ شریک ہو جاتا۔ بہ نسبت آگرے کے شاہجہان پور لکھنؤ سے نزدیک بھی ہے لہٰذا وہاں کے مشاعرے کو چھوڑ کر آگرے کے مشاعرے میں شریک ہونا بے حد قابلِ اعتراض ہو گا اور اس شکایت کا کوئی جواب میرے پاس نہیں۔

اب رہا ظریف صاحب کا معاملہ تو وہ بیچارے بندگی و بیچارگی کے عالم میں ہیں۔ راجہ صاحب محمود آباد کے ساتھ ساتھ ان کا قیام رہتا ہے۔ کبھی لکھنؤ میں ہیں کبھی محمود آباد میں، ان کی شرکت و عدم شرکت راجہ صاحب ہی کی اجازت پر منحصر ہے۔

انہی باتوں پر نظر کر کے میں نے عریضۂ سابق میں لکھا تھا کہ کسی صاحب کا محض ہم لوگوں کو لے جانے کے لئے زحمت فرمانا بے سود ہو گا۔ اپنے متعلق جو مجبوریاں ہیں وہ بھی عرض کر چکا اب رہا تقریب بہر ملاقات تو اگر زندگی باقی ہے تو ان شاء اللہ اس طرف جب کبھی حاضر ہونے کا اتفاق ہو گا ضرور دردِ دولت پر حاضر ہو کر شرفِ دیدار حاصل کروں گا۔ امید ہے کہ مزاج عالی مع جملہ متعلقین مع الخیر ہو گا۔ زیادہ نیاز۔

نیاز کیش خیر اندیش: صفی عفی عنہ۔ فروری ۱۹۳۵ء

(۱۰)

بنام طاہر فاروقی صاحب، اسلامیہ کالج پشاور

مکرمی و محترمی دامت معالیکم!

تسلیم بالتحیۃ والتکریم۔ عید مبارک! سخت محجوب ہوں کہ دعوت نامہ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۳۸ء کا جواب اب تک نہ بھیج سکا۔ واقعاً مجھے اپنی محرومیٔ قسمت پر خود افسوس ہے کہ جناب محترمی محمد مرتضےٰ صاحب صدیقی انکم ٹیکس افسر آگرہ کے ذریعے سے اس کے پیشتر چند بار میں یاد فرمایا گیا اور اب جناب خود یاد فرما رہے ہیں مگر حاضری سے برابر قاصر ہوں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ۷۲ سال کی عمر تک خاکسار حتی الامکان احباب کے احکام کی بلاعذر تعمیل کرتا رہا اور جو زحمتیں پڑتی رہیں انہیں برداشت کرتا رہا۔ لیکن اب چند سال سے اختلاط قویٰ اور اعراض پیری نے ایسا کمزور کر دیا ہے کہ ان مقامات پر بھی نہیں جا سکتا جہاں التزاماً شریک ہوتا رہتا تھا۔ مثلاً سالانہ مشاعرہ بورڈنگ ہاؤس یونیورسٹی الہ آباد، یا سالانہ محفلِ قصیدہ خوانی موتی مسجد فیض آباد، یا سالانہ اجلاس ہائے شیعہ کانفرنس وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ خود لکھنؤ کی انجمن بہارِ ادب کے مشاعروں میں شاذ و نادر شرکت کا اتفاق ہوتا ہے۔ حالانکہ انجمن مذکور کا میں خود صدر ہوں اور وہ میرے مرحوم شاگرد "بہار" کے نام سے معنون ہے۔ اس عزلت گزینی کے بعد اب جتنے دعوت نامے مختلف مقامات سے آتے ہیں مجبوراً جواب میں معذرت نامے بھیجنا پڑتے ہیں اور اپنی مجبوریوں کا

منشی دیا نرائن نگم

منشی دیا نرائن نگم ایڈیٹر رسالہ زمانہ (کانپور) کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ انہوں نے زمانہ کے ذریعے سے سلامت روی کے ساتھ مدت العمر اردو کی جو خدمت انجام دی، وہ تشریح سے بے نیاز۔ متعدد اہل قلم صرف زمانہ ہی کے ذریعے سے روشناس عوام ہوئے ان میں سب سے بڑھ کر قابل ذکر منشی پریم چند ہیں ذیل میں موصوف کے چند خطوط پیش کئے جا رہے ہیں۔

(۱)

بنام احسن مارہروی

عنایت فرمائیدہ تسلیم۔ نوازش نامہ باعث مشکوری ہوا۔ تصویر کی نسبت معترضین کا اعتراض ہے کہ اس کا بیک گراؤنڈ قلعہ معلیٰ ہے جو اس وقت موجود نہ تھا اور خاندان کے آخری دور کی عمارتوں میں ہے۔ ان کا خیال ہے کہ تصویر اکبر اعظم کی نہیں بلکہ اکبر ثانی کی ہے۔ مروّجہ تصویروں سے اس کی شباہت بھی مختلف ہے۔ اس میں چہرا کسی قدر لمبا ہے۔ عام تصویروں میں بالکل گول ہے۔ چہرے سے بڑھاپے کے آثار نمودار ہیں۔ اکبر بڑھاپے میں سلطان عالم پناہ سے بھائی ہو گئے تھے اور ڈاڑھی کا بالکل صفایا کر دیا تھا۔ ذاتی طور پر مجھے آپ کے خیال سے اتفاق ہے مگر یہ باتیں بھی قابل لحاظ ہیں۔ میں ایک نورتن کا گروپ چھپوانا چاہتا ہوں۔ آپ کے پاس ہو یا کہیں سے دستیاب ہو سکے تو مزید عنایت فرمائیں۔ بلاک بننے کے بعد میں احتیاط کے ساتھ اصل تصویر کی واپسی کا ذمہ دار ہوں۔ مجھے یہ سن کر نہایت خوشی ہوئی کہ امسال انجمن ترقی اردو کے آپ سکرٹری مقرر ہوئے۔ میں اس انتخاب پر آپ کو تہ دل سے مبارک باد دیتا ہوں انجمن ترقی اردو نے اب تک کوئی کارنمایاں نہیں کیا ہے۔ خدا کرے آپ کے زمانے میں یہ ایک مُردہ انجمن کی حالت میں نہ رہے۔ زمانے میں علمی خبروں اور نوٹس کا ایک مفید سلسلہ شائع ہوتا رہا ہے۔ اور اب بھی بالکل بند نہیں ہو گیا ہے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس سلسلے کا ایک حصہ انجمن ترقی اردو کے لئے وقف رہے جس میں آپ اس انجمن کے سکرٹری کی حیثیت سے لکھتے رہیں۔ اس طرح سے زمانہ انجمن اردو کا ایک باقاعدہ ارگن ہو جائے گا۔ جس کی خریداری ممبرانِ انجمن کے لئے ضروری ہونی چاہیئے۔ محض اس حصے کی علٰحدہ کاپیاں بھی شائع ہو سکتی ہیں۔ انجمن کا ایک باقاعدہ رسالہ جس میں اس کے متعلق کل ضروری امور و کارروائی سے پبلک کو اطلاع ملتی رہے ہونا ضروری ہے۔ میں زمانے

ترجمہ بھی زیادہ تر رباعی اور کم تر قطعے کے دو شعروں میں کر ڈالا ہے اور ترجمے میں اس کا خیال رکھا گیا ہے کہ اصل مضمون سے حتی الوسع علیحدہ نہ ہونے پائے اور اسی کے ساتھ بامحاورہ اردو میں ہو۔ ہر رباعی کے متعلق ایک مفصل نوٹ بھی لکھتا جاتا ہوں۔ مطبوعہ مجموعے جہاں تک میری نظر سے گذرے بے حد مختلف اور نہایت درجہ غلط ہیں۔

سرور صاحب کو میرا سلام کہئے۔ وصی میاں نے آپ کو سلام کہا ہے اور ان کے بچے نے تسلیم عرض کی ہے امید ہے کہ تمہارا مزاج مع الخیر ہوگا۔ خیر و عافیت سے گاہے ماہے مطلع کر دیا کرو۔ زیادہ دعا۔ المرقوم ۲۰ راپریل ۱۹۴۰ء

صفی عفی عنہ

مکرر یہ کہ ۱۲ راپریل سے شہر بھر میں بدامنی کا دور تھا اس لئے خط روانہ نہ ہو سکا۔ اب کسی قدر سکون ہے۔

تحریر: ۲۷ راپریل ۱۹۴۰ء

حررہ صفی عفی عنہ

اشاعت کا موقع رسالہ زمانہ میں تو نہیں نکل سکتا ہے۔ البتہ اگر آپ فرمائیں تو میں اسے اپنے اخبار آزاد میں شائع کر دوں یا اگر آپ چاہیں تو اسے کسی اور رسالہ میں شائع کرا دیں۔ ملا صاحب کی نظموں کا میں بھی تہ دل سے قدردان ہوں۔ اور اسی لئے جہاں تک ممکن ہوتا ہے میں ان کی نظموں کو رسالہ زمانہ کے لئے حاصل کر لیتا ہوں ان کی تنقید کسی اور رسالہ میں شائع ہو تو بہتر ہوگا۔

کیا اچھا ہو اگر آپ زمانہ کے لئے کسی اور علمی، ادبی یا تاریخی مبحث پر قلم اٹھائیں۔

امید مزاج مبارک بخیریت ہوگا۔

۲۴ جولائی سنہ ۱۹۳۰ء

دیا نرائن نگم۔ ایڈیٹر زمانہ

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

(۵)

جناب مکرمی۔ تسلیم عرض۔ نوازش نامہ آیا تھا، شکریہ قبول فرمائیے اور تاخیر جواب کے لئے معاف کیجئے۔ میں شوق سے اردو رسالوں کے مضامین کا خلاصہ شائع کروں گا۔ بشرطیکہ ہر ماہ دس صفحات سے زائد مضمون نہ ہو اور ایک تاریخ مقررہ تک مضمون آجائیں۔ ساتھ ہی موقع بہ موقع خلاصہ تنقیدی شان بھی لئے ہوئے ہو۔ معاوضے کے متعلق بھی آپ ہی تحریر فرمائیے۔ لیکن اتنا خیال رکھئے گا کہ اس وقت مالی پریشانیوں سے رسالے بھی آزاد نہیں ہیں۔ زمانہ یوں بھی کوئی متمول رسالہ نہ تھا۔ کتابوں کے ریویو کا بھی کام ہے۔ بہر نوع آپ کی جو رائے ہو اس سے مطلع فرمائیے۔

کانپور ۲۶ جون سنہ ۱۹۳۲ء

نیاز مند بندہ دیا نرائن نگم۔ ایڈیٹر زمانہ

بنام مولوی اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

(۶)

میرے مکرم تسلیم۔ نوازش نامہ معہ مضمون صادر ہو کر باعث شکریہ ہوا تھا۔ میں ان دنوں حوادث روزگار سے بہت سرگرداں رہا۔ اس لئے اب تک شکریہ درکنار رسید بھی نہ دے سکا۔ معاف فرمائیے گا۔

آپ کا مضمون مارچ نمبر زمانہ میں درج کر رہا ہوں۔ اختصار اور حسنِ الفاظ کو میں بھی بہت پسند کرتا ہوں۔ عملی حیثیت سے تحریر میں عبارت کی استخواں بندی کا بھی بڑا قائل ہوں لیکن میری قطعی رائے ہے کہ اردو میں اضافت کا رواج کم ہونا چاہئے۔ دوسرے جمع کا صیغہ بھی فارسی قاعدوں کے ماتحت نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال آپ کا مضمون اسی عنوان پر بعض دیگر مضامین کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

آئندہ بھی حسب فرصت زمانہ کی قلمی امداد کا سلسلہ جاری رکھئے۔

امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہو گا۔

۲۶ فروری سنہ ۱۹۴۱ء

بندہ دیا نرائن نگم

کے لئے خواہ مخواہ اصرار نہیں کرتا ہوں۔ مگر یہ ضرور چاہتا ہوں کہ انجمن موصوف ایک کارگزار انجمن ہو جائے۔ مضامین خاص کے لئے بیشتر سے تکلیف دے رہا ہوں۔ راجہ کندن لال اشکی کی سوانح عمری جنوری کے پرچے میں جو اول ہفتہ فروری میں شائع ہوگا ہدیۂ ناظرین ہوگی۔ اب مارچ یا اپریل کے رسالے کے لئے کوئی چوٹی کا مضمون عنایت فرمائیے

زیادہ نیاز　　　بندہ دیانرائن نگم۔ کانپور
۲۶؍ جنوری ۱۹۰۶ء

(۲)

مکرمی تسلیم۔ عنایت نامہ صادر ہوا۔ جواباً عرض ہے کہ میں ایسا ماہر شخص نہیں ہوں جو یہ بتا سکوں کہ فلاں ترجمہ صحیح ہے اور فلاں غلط۔ وید مقدس، رامائن اور مہابھارت وغیرہ کتابوں کے ترجموں کے لئے مندرجہ ذیل پتوں پر خط و کتابت کیجئے۔ امید ہے کہ آپ کو عمدہ ترجمے دستیاب ہو سکیں گے۔

۱ - مطبع منشی نول کشور صاحب مرحوم۔ لکھنؤ
۲ - پانئی آفس۔ الہ آباد
۳ - تھیوسوفیکل سوسائٹی۔ اڈیار۔ مدراس۔
۴ - راجپوت گزٹ۔ لاہور

نیازمند دیانرائن نگم ایڈیٹر
۱۰؍ جولائی ۱۹۲۸ء

(۳)　　　بنام تمکین کاظمی

مکرمی تسلیم۔ اکثر رسائل میں آپ کے مفید و دلکش مضامین نظر سے گزرتے ہیں لیکن "زمانہ" جو بلحاظ قدامت آپ کی قلمی اعانت کا زیادہ مستحق ہے آپ کے رشحات فکریہ سے محروم ہے۔ لہٰذا بذریعہ عریضہ ہٰذا آپ کی توجہ اس طرف منعطف کراتے ہوئے امیدوار ہوں کہ کوئی علمی مضمون یا دلکش افسانہ مرحمت فرما کر ممنون کیجئے۔

دوسرا عریضہ سعیدی صاحب کے نام ہے۔ مجھے ان کا پتہ معلوم نہیں لہٰذا براہ کرم ان کی خدمت میں بھیج دیجئے نیز مجھے ان کے پتے سے اطلاع دیجئے عنایت ہوگی۔

امید ہے کہ آپ جواب سے جلد مطلع فرمائیں گے والتسلیم۔

نیازمند دیانرائن نگم۔ ایڈیٹر
۱۲ ستمبر ۱۹۲۸ء

(۴)　　　بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

DAYA NARAIN NIGAM, CAWNPORE.

مکرمی تسلیم۔ نوازش نامہ ملا۔ ملّا صاحب کے نظم "دوشیزہ کا ماتم" پر آپ نے جو تبصرہ لکھا ہے اس کی

(۲)

بنام نواب سید علی حسن خاں مرحوم

جنابِ والا!

جناب کا عنایت نامہ مورخہ ۲۹ مارچ ۱۸۹۹ء معہ مضمون عرب کی تصنیفات اور یورپ کی فیاضی میرے پاس اس وقت پہنچا جبکہ میں پانی پت میں والدۂ مرحومہ کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھا۔ مضمون کا شکریہ قبول فرمائیے اور اسی مضمون کو مکمل کرکے وقتاً فوقتاً ارسال فرمائیے کیونکہ یہ نہایت عمدہ اور پاکیزہ اور ناظرین معارف کے لئے دل پسند مضمون ہوگا۔ اگر اس کے مکمل کرنے میں دیر ہو تو حسب وعدہ آپ دیگر مختصر مضامین جن کا میٹریل پہلے سے جمع ہے ارسال فرمائیں۔

چونکہ معارف کے سرورق پر ہر مضمون کے ساتھ مضمون نگار کا پورا نام معہ خطاب و عہدہ وغیرہ درج کیا جاتا ہے اس لئے نہایت مہربانی ہوگی اگر آپ اس ضروری امر سے آگاہ فرمائیں۔

آپ نے اپنے عنایت نامہ میں میری نسبت جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ قبل اس سے کہ میں آپ کے اس عنایت آمیز استفسار کا جواب دوں اپنی سابقہ اور موجودہ ملازمت کی مختصر کیفیت عرض کر دینی مناسب سمجھتا ہوں۔

میں جب لاہور سے تعلیم پاکر نکلا تو سب سے پہلے ریاست بہاولپور میں بعہدۂ پروفیسر السنہ شرقیہ ایجرٹن کالج مقرر ہوا۔ تین ساڑھے تین برس کی ملازمت کے بعد اتفاقاً جنرل عظیم الدین خاں مرحوم وزیر ریاست رامپور سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجبور کیا کہ میں ہائی اسکول رام پور میں ہیڈ مولوی کا عہدہ منظور کر دوں۔ وزیر مرحوم کے دل میں میری نسبت آئندہ کے لئے جو خیالات تھے وہ بعد چھ مہینے کے مرحوم کے واقعۂ قتل سے خاک میں مل گئے۔ میں نے فوراً ملازمت کو ترک کیا اور ارادہ کر لیا کہ آئندہ ملازمت نہ کروں گا۔

میں نے اس کے بعد وطن میں مطب کرنا شروع کیا کیونکہ اس سے پیشتر میں ڈاکٹری اور یونانی طب کی تحصیل کر چکا تھا۔ پانچ برس مطب پر گذر گئے اور میں نہایت کامیابی سے اس کام میں مشغول تھا کہ یکایک سر سید مرحوم نے تار دے کر ملاقات کے لئے بلایا۔ میں اس کا مطلب کچھ نہ سمجھا مگر فوراً مولانا حالی کے ساتھ علی گڑھ کو روانہ ہو گیا۔ سر سید مرحوم نے ایک مہینہ کے قریب ٹھہرایا پھر مولانا حالی کو درمیان ڈال کر مجھے چاہا کہ میں یہیں قیام کر دوں۔ میں نے عرض کیا کہ میں ملازمت سے توبہ کر چکا ہوں۔ فرمایا کہ ملازمت کیسی؟ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ شریکِ رنج و راحت ہو کر رہو اور اگر تم پہلے مرجاؤ تو میں اپنے ہاتھ سے تم کو دفن کر دوں اور اگر میں تم سے پہلے مرجاؤں تو تم اپنے ہاتھ سے مجھ کو مٹی دو۔ غرضکہ میں ان کی مصاحبت اور رفاقت میں رہنے پر مجبور ہو گیا اور آخر مرحوم کے دم واپسیں تک نباہ دیا۔

میں ان عنایتوں اور مہربانیوں کا اندازہ نہیں کر سکتا جو مرحوم نے میرے حال پر مبذول فرمائیں۔ مرحوم کے بعد میں نے وطن جانے کا ارادہ کیا تو حاجی صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ اب وہاں جا کر کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ یہی علمی شغل اور اس کے سوا میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا تو جو کام تم وہاں جا کر کرو گے علی گڑھ ہی میں کیوں نہ کرو۔ اس کام کے لئے اس سے بہتر مقام نہیں ہو سکتا۔ میں تمہارا شریکِ نفع نقصان ہوتا ہوں۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ بند ہو چکا ہے، اگر کوئی صورت تم نکالو تو میں بھی اس میں مدد دے سکتا ہوں اور میں بھی سوائے اس لکھنے پڑھنے کے شغل کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ کیا اچھا ہو کہ میری طبیعت بھی بہلے اور تم بھی اپنے مشغلے میں کامیاب ہو۔ چونکہ یہ صورت ملازمت کی نہ تھی میں نے اس کو قبول کر لیا اور اب تک میں اسی میں مصروف ہوں۔ چونکہ یہ کام اپنا ہے

مولانا وحید الدین سلیم

(۱)

بنام نواب سید علی حسن مرحوم

مخدومی و مطاعی جناب نواب صاحب دام اقبالکم!

مجھ کو جناب سے دو چار مرتبہ سرسری نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا ہے۔ اب معارف کے ذریعہ سے ہر مہینہ زمیں بوس حاصل ہو جاتا ہے۔ جناب کو معارف کا خریدار نہیں خیال کیا گیا ہے۔ بلکہ جناب کا نام نامی معارف کے سرپرستوں میں ہے۔ اس بنا پر مجھ کو یقین واثق ہے کہ میں جو التماس کروں گا اس کو شرفِ قبول حاصل ہوگا۔

"البیان" سا فصیح و بلیغ اور پُر زور لیکچر دیکھنے کے بعد مجھ کو پورا یقین ہو گیا ہے کہ اگر آپ توجہ فرمائیں تو اپنے زورِ قلم اور جادو بیانی سے قوم کو بہت کچھ منفعت پہنچا سکتے ہیں۔ جناب کی اس لیاقت اور فصاحت کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ ہماری قوم نہایت ہی بدقسمت ہوگی اگر جناب کی بے نظیر، دلچسپ اور مفید تحریروں کے مطالعہ سے محروم رہے۔ میں معارف کے ناظرین کی طرف سے نہایت ادب کے ساتھ یہ التماس کرتا ہوں کہ جناب والا اپنے اوقاتِ گرامی کا ایک حصہ قوم کی فیض رسانی کے لئے وقف کریں اور معارف کے لئے کوئی علمی، تمدنی، اخلاقی، مذہبی یا تاریخی مضمون تحریر فرمائیں۔ میں اور حاجی صاحب اور معارف کے تمام ناظرین نہایت ہی ممنون ہوں گے اگر یہ التماس عزتِ قبول حاصل کر لے۔

دوسری عرض یہ ہے کہ مولانا شبلی کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ جناب کے کتب خانہ میں "المقتطف" کے (جو مصر کا عربی رسالہ ہے) بہت سے پرچے موجود ہیں۔ اگر بطورِ امدادِ معارف کے چند روز کے لئے وہ کل پرچے مستعار عنایت فرمائیں تو نہایت مشکوری کا باعث ہوگا۔

مجھ کو امید کامل ہے کہ یہ دونوں التماس جناب والا قبول فرمائیں گے اور عریضہ کے جواب سے مشرف فرمائیں گے۔ زیادہ حدِ ادب۔

خاکسار: وحید الدین سلیم (ایڈیٹر معارف)
از دفتر معارف علی گڑھ ۱۲ر نومبر ۱۸۹۸ء

تو صحیفہ کا وہ پرچہ جس میں نتیجہ امتحان شائع ہوا ہے، میرے پاس بھیج دو۔ میں تمہارے لئے ہر وقت دست بدعا ہوں، اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہارے تمام عزیزوں کو خیر و عافیت کے ساتھ رکھے، یہاں گرمی شدید ہے۔ اپنی خیریت سے برابر مطلع کرتے اور ضروری حالات سے خبردار کرتے رہو۔ والسلام!

وحید الدین سلیم از پانی پت ۱۱ر جون ۱۹۲۱ء

(۵)

بنام نصیر الدین ہاشمی

عزیز از جان!

تمہارا محبت نامہ پہنچا۔ بغایت مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں دینی اور دنیوی ترقی عطا فرمائے۔ تمہارا بھیجا ہوا صحیفہ میرے پاس نہیں پہنچا۔ البتہ ایک طالب علم نے مشیر دکن بھیج دیا ہے اور اس سے نتیجہ پورا معلوم ہو گیا۔ تم اپنی خیریت سے ہر ہفتے برابر مطلع کرتے رہو تاکہ اطمینان ہو۔ میں ہر وقت تمہارے لئے اور تمہارے تمام عزیزوں کے لئے دست بدعا ہوں۔ ضروری حالات سے برابر اطلاع دیتے رہو۔ فقط!

وحید الدین سلیم از پانی پت ۲۰ جون ۱۹۲۱ء

(۶)

بنام نصیر الدین ہاشمی

عزیز از جان!

خط تو پہنچا مگر پتہ لکھنا آپ بھول گئے۔ ہر خط میں پتہ لکھنا ضروری تھا معلوم نہیں یہ کارڈ آپ کو مل سکے یا نہیں، کیونکہ پتہ ادھورا ہے۔ خیر میں عنقریب حیدر آباد آتا ہوں، انشاء اللہ تعالیٰ اب آپ کو خط بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ والسلام!

وحید الدین سلیم از پانی پت ۱۲ر جولائی ۱۹۲۱ء

نوٹ: مولانا سلیم مرحوم سے مجھ کو اس وقت نیاز حاصل ہوا جبکہ وہ جامعہ عثمانیہ قائم ہونے سے پہلے مولوی حمید الدین صاحب صدر دار العلوم کے یہاں مہمان تھے۔ اس کے بعد سلیم مرحوم سے میری ملاقات کا سلسلہ بدستور قائم رہا۔ میں اپنی تعلیم کے بعد جب ملازمت کے سلسلہ میں منسلک ہو گیا اس وقت بھی مولانا سلیم کے یہاں اکثر جایا کرتا۔ مرحوم کو مجھ سے خاص انسیت تھی۔ "دکن میں اردو" مرحوم کے ہی ترغیب کے باعث تالیف کی گئی تھی۔

(نصیر الدین ہاشمی)

دراصل میں پوری آزادی ہے اس لئے مجھ کو پورا اختیار ہے کہ میں جب چاہوں اس کو ترک کر دوں اور جب تک چاہوں اس کو جاری رکھوں اور یہ میری عین طبیعت کے موافق ہے۔

اب میں آپ کے استفسار کا جواب عرض کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اجمالاً جو کیفیت اپنی زندگی اور طبیعت کی میں نے بیان کی اس کے لحاظ سے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ اگر کبھی ایسا موقع ہو جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا تو وہ کیا خدمت ہوگی جو مجھ کو دی جائے گی اور کس طور کی اور طریقہ کی؟ میں صرف اسی حالت میں اس امر کا فیصلہ کر سکتا ہوں کہ آیا میں اس خدمت کے قابل ہوں یا نہیں اور آیا وہ میری اقتضائے طبیعت و حالات کے موافق ہے یا نہیں۔ مجمل طور پر میں یہ عرض کروں گا کہ میرے لئے نہایت عزت و افتخار کا باعث ہوگا اگر کبھی آپ مجھے اپنی رفاقت میں قبول کرنا چاہیں۔ میں آپ کی یاد آوری اور رقدر افزائی اور محبت و عنایت کا دلی شکریہ پھر عرض کرتا ہوں۔

حاجی صاحب آگرہ میں تشریف رکھتے ہیں اور کتاب "اسامی" ابھی تیار نہیں ہوئی ہے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار: وحید الدین سلیم از علی گڑھ ۴ اپریل ۱۸۹۹ء

---

(۳)

بنام نواب سید علی حسن خاں مرحوم

جناب من!

آپ کے مضمون بلاغت مشحون "عرب کی تصنیفات اور اہل یورپ کی فیاضی" کو ناظرین معارف نے بہت پسند کیا اور اخباروں میں بھی نقل ہوا۔ اب لوگ منتظر، مشتاق اور بیتاب ہیں کہ اس کے باقی حصے بھی اسی آب و تاب سے معارف میں طبع ہو کر ان کی نظر سے گذریں۔ کیا آپ ناظرین کے اس اشتیاق اور انتظار پر رحم نہ کریں گے۔

آپ کی عنایتوں سے تو یہی امید ہے کہ اس کے جواب میں آپ نہ صرف عنایت نامہ ارسال کریں گے بلکہ اپنے مضمون کے بقیہ حصے بھی لطف فرمائیں گے۔

"المنتقد" کی باقی دیگر جلدیں بھی جیسا کہ آپ نے وعدہ فرمایا ہے مرحمت ہوں تو عنایت مربیانہ سے بعید نہ ہوگا۔

والسلام خیر الاختتام

آپ کا نیاز مند قدیم: وحید الدین سلیم از دفتر "المعارف" علی گڑھ

۶ رجون ۱۸۹۹ء

---

(۴)

بنام نصیر الدین ہاشمی

عزیز از جان!

تمہارے تین کارڈ ایک ساتھ ملے، میں دیر سے پانی پت پہنچا اس لئے جواب نہ دے سکا۔ امید ہے کہ تم معاف کرو گے۔

بعض کامیاب شدہ طلبا کے نام تمہارے خط سے معلوم ہوئے مگر پورا نتیجہ پانی پت میں نہ ہونے کے سبب مجھے نہ مل سکا۔ اگر ممکن ہو

راسخ کے ذکر میں "نوائے وطن" مثنوی کشش عشق کا سعادت علی خاں کے نام سے معنون ہونا بتاتی ہے۔ حالانکہ یہ مثنوی آصف الدولہ کو نذر دی گئی۔ نواب وزیر کی تعریف میں اس شعر کو یاد کیجئے:-

فقط ہے یہ تیرا ہی یمن قدم　　　　ہوا لکھنؤ جس سے رشک ارم

کون نہیں جانتا کہ یہ آصف الدولہ ہی تھے جو ماں اور بی بی سے رنجیدہ ہو کر فیض آباد سے لکھنؤ آ رہے۔ پھر سنئے عمارات کی تعریف میں:-

عمارات عالی کا ہو وصف کیا　　　　نہیں اپنا ادراک اتنا رسا

نہ ہو خوبی قطع ان کی بیاں　　　　ورق ہے مرقع کا اک اک مکاں

نظر کیجے جس پر سو تصویر ہے　　　　عجب رنگ سے طرز تعمیر ہے

کیا اس کے بعد بھی بتانے کی ضرورت ہے کہ عمارات کی بنا شوق آصف الدولہ سے منسوب ہے، نہ کہ سعادت علی خاں سے۔ اب صاف سنئے:-

تو اے آصف الدولہ عالی جناب　　　　رہے تا قیام جہاں کامیاب

نہیں تجھ سا حاجت روا خلق کا　　　　بہت خوش ہے تجھ سے خدا خلق کا

آپ سے بہتر اسے کون جانتا ہے کہ تذکروں کی ایسی غلطیاں ناقابل معافی ہیں۔ نوائے وطن میں اس ذکر کو یوں پڑھ کر راسخ کی مٹی خراب ہوتی ہے۔ لوگ اسے مستند سمجھ کر مثنوی کشش عشق کو سعادت علی خاں کے زمانے کی چیز سمجھتے ہوں گے۔ حالانکہ وہ آصف الدولہ کے وقت کی ہے، یعنی جب کہ مثنوی میر حسن نکلی۔ غور کیجئے مصنف کی تحقیق نے غریب راسخ کو کتنا پیچھے ہٹا دیا۔

پھر اسی طرح مثنوی حسن و عشق کے ذکر میں نوائے وطن کی عبارت ملاحظہ ہو: "غازی الدین حیدر کے زمانہ میں پھر لکھنؤ آئے۔ ایک مثنوی مسمّی بہ حسن و عشق ان کے نام سے موزوں کی۔ مگر اب شریعت نے رنگ ہی بدل دیا تھا۔ اس نے بھی کام نہ کیا۔ وار خالی گیا۔" یہ دوسری تاریخی غلطی ہے۔ لکھنؤ میں شریعت نے محمد علی شاہ کے وقت میں رنگ بدلا نہ کہ غازی الدین حیدر کے زمانے میں۔ اسی عہد میں "فسانہ عجائب" تالیف ہوئی۔ اور فصیح نے اپنی مشہور مثنوی "نان و نمک" (تصوف میں) تصنیف کی۔ پھر شریعت نے وہ کون سا رنگ بدل دیا تھا کہ فسانہ عجائب و مثنوی فصیح تو عام ہو جائیں، مگر راسخ کی مثنوی مقبول نہ ہو؟

کلکتہ میں مراۃ الجمال لکھی گئی۔ اس میں نواب جان ایک کسبی کے حسن و جمال کا ذکر ہے۔ نوائے وطن اس ذکر سے بھی خالی ہے۔ عظیم آباد میں گنجینۂ عشق تصنیف ہوئی جس میں ایک کسبی پر اپنے عاشق ہونے کا نہایت صفائی و دلیری سے حال لکھا اور اس کی تعریف و توصیف کی ہے:-

---

(بقیہ فٹ نوٹ ما قبل) دونوں اعلیٰ پایہ کے ادیب تھے۔ ایک فخر روزگار شاعر، دوسرا صاحب طرز نثر نگار۔ اللہ دونوں کو مغفرت کرے۔
ذاتی گفتگو بھی اس خط سے حذف کر دی گئی ہے۔ (مسلم)

نصیر حسین خاں خیال عظیم آبادی

بنام انوار احمد صاحب

(۱)

مکرمی انوار احمد صاحب - میں ادھر پھر کلکتہ سے باہر اور اپنے علاج میں مصروف تھا قبل
کی نسبت فی الجملہ بہتر ہوں - لیکن ابھی تک تندرست نہیں اور دیکھئے گھڑیاں جو تنا ہوتی ہیں - آنریبل مولوی فضل حق کے ٹرسٹی منتخب
ہو جانے کی وجہ سے کانفرنس کی سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی میں ایک ممبری کی جگہ خالی ہو گئی ہے اور اس کے لئے میں نے مسٹر نور محمد اسمعیل
کا نام جوائنٹ سیکرٹری صاحب کی خدمت میں پیش کیا ہے - آپ مسٹر موصوف سے خود اچھی طرح واقف اور علی گڑھ و کانفرنس
ساتھ ان کے شغف سے بخوبی آگاہ ہیں اس لئے مجھے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں - امید کرتا ہوں کہ آپ اس انتخاب
میں پوری طرح مساعی ہوں گے اور ہم لوگوں کو شکر گزاری کا موقع دیں گے - والسلام

خیال

پرنسپ اسٹریٹ [illegible] اپریل [illegible]

بنام پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی

(۲)

عزیز مکرم - سلام شوق - .... ۲۸ رکو آپ کی محبت کی وہ یادگار (راسخ عظیم آبادی
مطبوعہ الناظر لکھنؤ) ملی - ممنون ہوا - مضمون دل لگا کر پڑھا - حق یہ ہے کہ آپ نے اردو پر، مذاق صحیح پر، پھر اپنے صوبہ و شہر پر
احسان کیا ہے میں آپ سے متفق ہوں کہ راسخ کا درجہ میر سے کم نہیں - بلکہ بعض اعتبار سے کچھ بڑھا ہوا ہے - اور اس ضمن میں
آپ نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ ہرگز طرف داری و مبالغہ نہیں ہے -

تمہید میں جو کچھ آپ کے جلے دل سے نکلا اسے بھی ایک حد تک جائز سمجھتا ہوں - لیکن آزاد یا کسی اور کے متعلق آپ
کے سے اہل علم کے قلم کا اعتاب بے قابو ہو جانا درست نہیں - بلاشک آزاد نے سہل انگاری سے کام لیا اور اس پر ایراد ضرور تھی۔
مگر آپ (معاف کریں) ضرورت سے زیادہ دوڑ گئے ہیں - پھر جس چشمہ سے اپنی سیرابی بیان کرتے ہیں، دیکھنا چاہئے کہ خود
اس میں کیا دھرا ہے ...... [1]

---

[1] یہ اشارہ اپنے علاتی ماموں مولانا سید علی محمد شاد عظیم آبادی کی ایک تالیف "نوائے وطن" کی طرف ہے اب جب کہ دونوں ماموں بھانجے دار فنا میں جا ملے یہ امر کوئی راز باقی نہ رہا کہ دونوں ایک دوسرے سے صاف نہ تھے یہ ایک خاندانی عناد اور ادبی مناقشہ تھا۔ جس سے ادبی دنیا کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی (باقی اگلے صفحہ پر)

علم و فضل اور فراغت ہمیشہ جِلا دیتی رہی۔

غرض راسخ کے ذکر میں عظیم آباد کی زبان کا ذکر بھی ضرور ہے۔ اور جب اس پر غور کیجئے گا تو معلوم ہوگا کہ آپ کے گھر میں جس وقت اُردو عام و فصیح تھی، لکھنؤ اُس وقت شیخزادوں اور کمبوہوں کا قصبہ و مسکن تھا۔ اور سعادت علی خان کے وقت تک وہاں کی زبان وہی تھی۔ جو کاکوری، موہان، بہرائچ اور محمود آباد میں رائج ہے۔ عمدۃ الملکی مکتب کا اثر فیض آباد پر پڑا۔ اس لئے کہ انجام کے بعد صفدر جنگی و سالار جنگی اُردو کے اسکول اور دفتر کو (بوجہ دوستی عمدۃ الملک) فیض آباد اُٹھا لائے۔ شاہ حاتم وغیرہ دلی میں عمدۃ الملک کے ملازم اور اُردو کے دفتر میں کلرک تھے۔ اُن پر زبان کا اثر پڑتا رہا۔ اور اس وجہ سے ان کے شاگردوں کی زبان بھی درست ہوئی۔ اس دفتر کے لوگوں میں میر ضاحک اور آتش کے چچا اور ماموں صفدر جنگیوں کے ساتھ فیض آباد آئے اور اُردو کا دفتر اب وہاں قائم ہوگیا۔ میر حسن (صاحب مثنوی) نے اسی دفتر اور نوابانِ فیض آباد کے محلوں میں پرورش پائی۔ میر خلیق وہیں پلے۔ میر انیس کی خالہ گھسیٹی بیگم نواب بہو بیگم صاحبہ کی مصاحب تھیں۔ اور میر انیس اسی محل میں بڑے ہوئے۔ اتنے اُتار چڑھاؤ کے بعد انیس کی زبان ایسی ہوئی ہے اور اسے نوٹ کر لیجئے کہ انیس کے قبل تک لکھنؤ کی زبان وہی تھی جو ناسخ و دبیر کے ہاں مستعمل ہے۔ یہ انیس کے گھر اور عمدۃ الملکی اسکول کا صدقہ تھا کہ لکھنؤ کی زبان اس پایہ کو پہنچ گئی۔

عظیم آباد پر لکھنؤ کی زبان کا کوئی معتد بہ اثر کبھی نہیں پڑا۔ وہاں کے بعض شعرا مصحفی کے البتہ شاگرد ہوئے۔ اور آپ کے ہاں کے اکثر شعرا نے اپنے شاگردوں کو ناسخ وغیرہ کے مقابلے کے لئے تیار کیا اور وہاں بھیجا ہے یعنی اُس وقت تک لکھنؤ کی شاعری و زبان عظیم آبادیوں کے لئے سند نہ تھی۔ فکر، سانس اور برف وغیرہ الفاظ شاہ عالم ثانی کے وقت تک مونث تھے، وہی لکھنؤ پہنچے اور اسی رستے سے عظیم آباد آئے۔ دلّی میں پنجابی اور آگرہ وغیرہ کے اثر سے وہ مذکر ہو گئے، مگر لکھنؤ اور عظیم آباد میں پرانا اثر قائم رہا ....

۱۲ مئی سنہ ۱۹۱۹ء　　خیال

(۳)

<u>بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ</u>

سیف آباد۔ حیدر آباد دکن۔ مکرمی مسلم۔ آپ کا ۱۴ کا خط پاکر بے حد مسرت ہوئی۔ اس سے قبل آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔ ورنہ ضرور جواب دیتا۔ آپ میری عادت سے باخبر ہیں کہ جس حالت میں ہوں جواب خط ضرور دے دیتا ہوں۔

میں ۲۳ اکتوبر سن گزشتہ کو یہاں پہنچا اور معاملات کچھ ایسے اُلجھے ہوئے تھے کہ رخت سفر اتارنے کے قبل میرا کام شروع ہوگیا اور جب سے جُتا ہُوا ہوں۔ اب تک مجھے اپنی صحیح جگہ معلوم نہیں اور جب تک اس کا فیصلہ نہ ہو جائے میرا جی لگ نہیں سکتا۔

دارالترجمہ وغیرہ کا قصہ طولانی اور ناگفتہ بہ ہے۔ ملوں تو بہت کچھ کہہ سکوں۔ میں ان شعبہ جات (دارالترجمہ و جامعہ عثمانیہ) کے متعلق غور کر رہا ہوں کہ کس طرح انہیں تقویت دوں۔ آپ مجھ سے برابر خط و کتابت جاری رکھیں۔

راسخ کا تتمہ آخر آپ نے تحریر کر ہی دیا۔ مجھے اس کی بڑی خوشی ہوئی۔ مجھے اب اُس کے دیکھنے کا بیحد

بہت اس شہر میں ہیں خوبرو، پر　　　نہیں ہے دلبر ایسا کوئی دلبر
دل اپنا اُس صنم کا ہے فقط رام　　　کہ "شرفو" جس کا ہے نام خدا نام
اُسی گل کی ہوا ہے دل میں اپنے　　　یہی آتش ہے آب و گل میں اپنے

دنیا کے شاید ہی کسی شاعر نے اپنے عشق کو اس طرح بیان کیا ہو۔ یہاں تو "گفتہ آید در حدیثِ دیگراں" میں سب کچھ کہا جاتا ہے، اور راسخؔ کا یہی وہ رنگ ہے جسے آپ اس کا امتیازی طرّہ کہتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نوائے وطن میں راسخؔ کی وفات کی تاریخ سنہ ۱۲۳۸ھ دی گئی ہے۔ مگر گلشنِ بیخار اور تاسیؔ میں سنہ ۱۲۴۰ھ ہے اور تاسیؔ نے راسخؔ کو تو نہیں مگر شیفتہؔ کو جو ان کے ہمعصر یا کچھ دنوں بعد کے ہیں دیکھا تھا۔

راسخؔ کے ذکر میں بہار یا عظیم آباد کی زبان و شاعری کی تحقیق لطف سے خالی نہیں۔ راسخؔ نواب مہابت جنگ کے زمانہ یعنی سنہ ۱۱۶۳ھ (۱۷۴۹ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کی شاعری کی عمر اگر پندرہ برس کے سن سے شمار کی جائے تو سنہ ۱۷۵۹ء ہوگا۔ یعنی پلاسی کے دو برس بعد۔ اور ان کی زبان بتا دے گی کہ صرف چند سال کی مشق کا یہ نتیجہ نہیں۔ بلکہ پشتوں اگر نہیں تو ایک پشت کی ریاضت و صفائی کا نتیجہ ضرور ہے۔ اور اُس ایک پشت کا زمانہ کم از کم پچاسی سال مقرر کیا جائے گا۔ یعنی سنہ ۱۷۰۰ء سے کبھی ادھر کی یہ زبان نہیں ہو سکتی۔ یہ فرض کر لیا جائے (جس کا فرض کیا جانا قیاساً نادرست نہیں) تو وہ زمانہ عالمگیر کا ثابت ہوگا۔ جو سنہ ۱۷۰۷ء میں فوت ہوا۔ اس لئے عالمگیری عہد بلکہ اِس سے بہت قبل اُردو ہی نہیں، بلکہ شاہجہانی یعنی ٹکسالی اُردو کا عام رواج آپ کے صوبے میں تھا۔ اور اُس وقت لکھنؤ تو لکھنؤ، فیض آباد میں بھی ٹکسالی اُردو عام نہ تھی۔ فیض آباد محمد شاہ، یا زیادہ سے زیادہ فرخ سیر (سنہ ۱۷۱۹ء) کے وقت میں آباد ہونا شروع ہوا۔ اس لئے عظیم آباد کی زبان اودھ اور دکھن سے بھی قدیم اور مستند ہے۔

اشرف علی خاں کوکہ فغاںؔ دلّی سے عظیم آباد راجہ شتاب رائے کے زمانے میں آئے۔ اور سنہ ۱۱۸۶ھ میں وہیں مرے۔ راسخؔ کی عمر اس وقت ۲۴ سال سے کم نہ تھی اور اُس وقت اُن کی شاعری بھی جوانی پر ہوگی۔

فرخ سیر عظیم آباد امیرالامراء نواب حسین علی خاں کے ساتھ سنہ ۱۷۱۳ء میں دلّی گیا ہے۔ اُس وقت عظیم آباد امرائے دہلی کی جاگیر بنا ہوا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہاں ٹکسالی اُردو کا بازار گرم تھا۔ انہیں امرا میں سے نواب سید ہدایت علی خاں اسد جنگ المتخلص بہ ضمیر (صاحب سیر المتاخرین کے باپ) بھی تھے جو فرخ سیر کے آخر عہد سے لے کر شاہ عالم ثانی کے وقت تک دلّی و عظیم آباد میں رہے۔ نواب اسد جنگ ٹھریاں، ہولی اور دوہرے خوب کہتے تھے۔ اردو میں بھی ان کی غزلیں ہیں۔ نواب عمدۃ الملک، انجام، وزیر محمد شاہ کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ نواب صاحب کی جاگیر میں پرگنہ جیلہ (بڑا حسین آباد) تھا۔ لیکن زیادہ تر وہ اپنے عملہ اور شاگرد پیشہ سمیت جو دلّی کے تھے، عظیم آباد میں رہتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حاجی گنج، پورب دروازہ اور نون گولہ امرائے دہلی کا مسکن رہا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شاہ ارزاںؔ، خواجہ کلاں (جن کے نام سے گھاٹ ہے) اور شاہ صادق (جن کے نام سے غالباً صادق پور ہے) ان سب کو دلّی سے توسّل تھا۔ اور یہ سب عمدہ شعرائے اُردو میں سے تھے۔ آپ کے خاندان صادق پور میں بھی زبان کا خاص ذوق و شوق رہا، جسے

کہ اس ذات سے ہندستان کو وابستگی قوم کو عزت اور وطن کو تقویت ہے۔ ظلّکم ممدود برب الودود۔

۸ / اگست ۱۹۲۰ء — عریضۂ ادب۔ نعیم

بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد

(۶)

مائی ڈیر مہاراجہ سریمین السلطنت بہادر۔ عرض بندگی چاکرانہ —— ایک عرصۂ دراز سے خیر و عافیت مزاجِ مبارک و عالی معلوم نہیں ہوئی۔ امیدوار ہوں کہ از راہ شفقت بندگانہ دو کلمۂ خیریت ارشاد فرما کر سرفراز و ممتاز کیا جاؤں۔ زیارت و قدم بوسی کے اشتیاق کو کیا عرض کروں۔ اس اثنا میں اکثر شرف ملاقات و نیاز کا قصد ہوا کہ ایک مرتبہ پھر حیدرآباد حاضر ہو کر مشرف ہوں۔ مگر شومئ قسمت سے قاصر رہا۔ اور اب تک قاصر ہوں۔ دیکھئے ایسا مبارک موقعہ پھر کب نصیب ہوتا اور جناب عالی کب یاد فرما کر فقیر کے دیرینہ اشتیاق کو پورا فرماتے ہیں۔

زیادہ ظلّکم ممدود برب الودود۔

۲۲ / جولائی ۲۵ء — عریضہ ناچیز خیالؔ

بنام سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ

(۷)

مکرم و محترم۔ خدا کرے آپ مع الخیر سفر سے واپس آ گئے ہوں۔ جادو کے وہ دو نمبر جن میں مصرع پانچویں پشت کے متعلق بحث ہے، حسب فرمائش بھیجتا ہوں۔ اس سلسلے کا پہلا خط ملاحظہ کر کے دوسرا مطالعہ کیا جائے۔ افسوس کہ شروانی صاحب کا جواب یہاں موجود نہیں۔ اُسے دیکھے بغیر جواب الجواب کے ملاحظہ میں مزہ نہ آئے گا۔ مگر خیر ان کے خط کے بعض اقتباس کچھ مدد دیں گے۔ شروانی صاحب نے طولِ کلام کے علاوہ چونکہ اپنے جواب میں ذرا شوخیِ تحریر سے کام لیا تھا اِس لئے جواب الجواب میں اُن کے لب و لہجہ کی تقلید کی گئی تاکہ اُن پر اور روشن ہو جائے کہ دوسرے کو بھی بولنا اور منہ چڑانا نہیں، بلکہ کچھ آنا آتا ہے۔ اتنی زیادتی محض اُن کے تخاطب کے انداز سے ہو گئی جس کا مجھے افسوس ہے۔ خیر۔ اب اِن دونوں خطوں کو آپ ملاحظہ کر جائیں۔ اِس سے بڑھ کر مجھے اور کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ آپ کا سا شخص بھی اِن چیزوں کو دیکھے۔

آج شام کو اگر آپ مکان میں رہیں تو سرِ شام، سات بجے تک میں آؤں۔ جنابِ آرزو سے ملنے کی آرزو بھی پوری ہو جائے گی۔

لکھنو ۱۸ / مئی ۱۹۳۱ء — دعاگو خیالؔ

بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب

(۸)

مکرم و محترم۔ شب کو نواب محبت خاں کا ذکر آیا تھا۔ ان کے متعلق تاسی نے جو لکھا ہے اس کا ترجمہ حاضر کرتا ہوں۔ مثنوی اسرارِ محبت کا ذکر بھی ہو۔ شاید یہ نوٹ آپ کو کچھ مدد دے۔ آپ سے ملنے کو تو روز دل چاہتا ہے، مگر جب جاتا ہوں نشست طولانی ہو جاتی ہے اور آپ کی تکلیف کا خیال پیر کی زنجیر بن جاتا ہے۔ ۱۹ / مئی ۱۹۳۱ء خیالؔ۔

اشتیاق ہے۔ آپ کے قلم سے جو نکلتا ہے میں اُسے دل سے پڑھتا ہوں۔

مجھے اتنی مہلت کہاں کہ اردو کانفرنس والی اسپیچ پر نظرثانی کرکے اب اُسے شائع کرسکوں۔ کامیابی اس کی اس درجہ نایاب کہ ہمارے پاس بھی کوئی نسخہ اُس کا نہیں ہے! آپ کی خدمت میں کیا اور کیوں کر بھیجوں۔ دعا کیجئے کہ یا تو مجھے یہاں جلد اپنی صحیح جگہ مل جائے کہ میں مطمئن ہو کر کچھ کام کرسکوں یا یہاں سے گلو خلاصی ہی ہو جائے کہ عافیت کی زندگی نصیب ہو۔ خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔ والسلام

خیالؔ

۲۰ جنوری ۱۹۲۰ء

عزیزی حسین مرزا سلمہ کہاں ہیں؟

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

(۴)

مائی ڈیر مہاراجہ سریمین السلطنت بہادر۔ عرض بندگی چاکرانہ۔ چند روز ہوئے کہ صاحبزادی سلمہا کی خبر علالت معلوم ہوئی تھی مگر فقیر کچھ اس درجہ عدیم الفرصت رہا کہ مزاج پرسی تک نہ کرسکا۔ شکر کہ اب اس عزیزۂ حبیبہ کا مزاج درست ہے۔ خداوند عالم جناب والا کے یہاں ہر طرح خیریت رکھے آمین۔

کل فقیر کو جناب والا کے مزاج کے ورارز حال نادرست ہونے کی خبر معلوم ہوئی۔ شافی حقیقی جلد صحت عطا فرمائے۔ میں تو اس درجہ محجوب ہوں کہ کچھ عرض نہیں کرسکتا۔ مگر مجبوری و معذوری فقیر[1] پر خود جناب والا کی نظر ہوگی۔ اور عدم حاضری پر امید ہے کہ میں خطاوار نہ سمجھا جاؤں گا۔ خداوند عالم جناب کی ذات والا صفات کو تادیر قائم رکھے۔ امیدوار ہوں کہ دو کلمۂ خیریت سے مطلع فرما کر اطمینان و آبرو بخشی جائے۔

زیادہ بندگی چاکرانہ —　　　نیاز مند و خادم — خیالؔ

سیف آباد ۱۰ فروری ۱۹۲۰ء　　　(سید نصیر حسین خاں)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

(۵)

مائی ڈیر مہاراجہ سریمین السلطنت بہادر۔ عرض بندگی چاکرانہ — فقیر حد درجہ خجل و شرمسار ہے کہ خدمت عالی میں اب تک عریضہ نگار ہونے کا موقعہ نہ مل سکا۔ کلکتہ آکر جناب عالی کی خادمہ سخت علیل ہوئیں اور ڈیڑھ ماہ تک صاحب فراش رہیں۔ خیر۔ اب وہ اچھی ہیں۔ اُن کی علالت کی وجہ سے سفر یورپ بھی ملتوی ہو گیا تھا مگر اب کہ الحمدللہ اطمینان ہے۔ ۱۲ راگست کو انشاءاللہ بمبئی سے اس سفر کا قصد ہے اور فقیر خدا حافظی کرتا اور امیدوار دعا ہے اگر فرصت و موقعہ ملے تو خیریت مزاج عالی اور صاحبزادوں کی خیر و عافیت سے مطلع فرما کر شاد کام و سرفراز فرمایا جائے۔ یہ فقیر نیاز مند جہاں اور جس حال میں رہے گا جناب عالی کے ان اشفاق کو فراموش نہیں کرسکتا جو اس کے حال پر مبذول رہے۔ اور کیا عرض کروں۔ خداوند عالم جناب عالی کی ذات والا صفات کو تادیر قائم و برقرار رکھے

---

[1] نواب نصیر حسین خاں خیالؔ حیدرآباد میں سر علی امام صدر اعظم کے سیکرٹری تھے۔ اور اس حیثیت سے مہاراجہ سابق وزیر اعظم سے ان کا موقع بموقع ملنا نامناسب تھا۔

جالبؔ دہلوی

(۱)

بنام احسن مارہروی

مشفق شفیق بدل رفیق مد الطافکم!

تسلیم نیاز۔ مزاج وہاج!

عنایت نامہ ۸ رماہ حال کو شرفِ صدور لاکر موجبِ ابتہاج ہوا تھا اور حسبِ دستور ۱۰ ر کو میں نے جواب لکھنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر طبیعت کے یکایک بگڑ جانے اور ایک خطرناک مرض کے نمودار ہونے سے معذور رہا اور آپ کو کیا کسی کو بھی جواب نہ دے سکا۔ ۵، ۶ دن صاحبِ فراش رہا۔ سابقہ نیاز ناموں میں کسلمندیٔ مزاج کی شکایت تو میں نے کی ہی تھی مگر خدا نخواستہ کوئی اندیشہ ناک حالت نہ تھی۔ صرف کام پر جی نہ لگتا تھا اور مزاج ہر وقت مکدر و دماغ منتشر رہتا تھا۔ بعض طبابت پیشہ احباب سے مشورہ لیا تو انھوں نے بعد مسہل منضجات کا استعمال تجویز کیا مگر مسہل میں مجھے تامل تھا۔ اس لئے کہ گو یہاں بارش نہیں ہوئی اور دن معمولی گرمیوں کے سے گذر رہے ہیں تاہم فصلِ باراں ہونے کے باعث خبر نہیں کس وقت مینہ برسنے لگے۔ مسہل اس صورت میں سخت مضر پڑتا ہے اور اس کا بگاڑ برسوں اصلاح پذیر نہیں ہونے پاتا۔ نظر بریں میں نے کام کو خیرباد کہا اور صبح اٹھ کر معمولی بازاری تربوزوں کے استعمال کو کافی سمجھا۔ اوس سے بھلا کیا تسکین ہوتی۔ گھڑی دو گھڑی کے لئے کلیجہ البتہ ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔ طبیعت کو قوی تصفیہ کی ضرورت تھی اور جب کامل تین ہفتے میں نے اوس کے تقاضے پر توجہ نہ کی تو اوس نے علاج اپنے ہی ہاتھ میں لے لیا۔ اس طرح کہ ہفتہ کی شام کو جو میں بازار گیا تو ایسی رغبت سے ملتان کی کھجوریں جو نہایت ذائقہ دار ہوتی ہیں اور لاہور امرتسر سے شہرہ زیادہ ہونے کے سبب سے آگے نہیں جانے پاتیں، خرید کر کھائیں۔ ان کی تاثیر بے حد گرم اور چکنا نا قابلِ ہضم، اوس پر ایک فاضل دوست کے اصرار سے بڑا پیالہ فالودہ کا پی لیا۔ فالودہ یہاں کی خاص چیز ہے۔ شاید تم نے بمبئی میں پیا ہو۔ عجیب مزا رکھتا ہے۔ بالائی، دودھ، برف، شیرہ بہت سی چیزیں ڈالتے ہیں جس سے اوس میں کسی قدر ہم شربت و ہم غذا کی کیفیت آجاتی ہے۔ کھجوریں گرم، فالودہ ٹھنڈا، مگر اسی پر اکتفا نہ کی۔ اونھی صاحب کے یہاں کھانا کھایا جس میں تنور کی روٹی اور بازار کا چربی پڑا ہوا سالن تھا۔ چاول، مٹھائی موجود تھی مگر مجھے رغبت نہیں۔ فالودہ ہنوز پیٹ میں موجود تھا کہ روٹی سالن میں بھیگی ہوئی پہنچی۔ پانی میں ہمیشہ زیادہ پیتا ہوں۔ لکھتے پڑھتے، بولتے

بنام سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ

(۹)

مکرم و محترم۔ لیجئے دو اور تذکرے آپ کے ہمزبان نکلے۔ تعلقؔ کا بیان اس لئے اور پر لطف ہے کہ محبت خاں اُن کے یار تھے۔ انہوں نے اسرارِ محبت کو سستی پنوں کا قصہ کہہ کر اس حکایت کو اور صاف کر دیا۔ اب مزید تائید کی ضرورت نہیں۔ خط بند کیا جائے کہ وہ جلد شائع ہو جائے۔

کل کے حقیقت میں ایک لکھنوی صاحب کا ایک سلام "ساماں ہو گئے، شاداں ہو گئے" نظر پڑا اُس میں ایک شعر ہے ؎

نام پوچھا جب تو لوگوں نے کہا ہے کربلا شاہِ یثرب یہ سخن سنتے ہی گریاں ہو گئے

ہماری نظر میں یہ "گریاں ہو گئے" ٹکسالی نہیں۔ یہ جگہ "ہوئے" کی ہے۔ شاہ گریاں ہوئے نہ کہ ہو گئے۔ جناب آرزوؔ سے بھی اسے پوچھنا چاہئے۔ جو وہ فرمائیں وہ سند۔

آپ شام کو مکان پر رہیں تو سوا سات تک آ سکتا ہوں۔

لکھنؤ ۲۰ر مئی ۳۱ء چہار شنبہ خیالؔ

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ

(۱۰)

عزیز مکرم۔ سلام و نیاز۔ داستان اردو کا ایک باب مغل اور اُردو بھیجا جاتا ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد قلم و زبان سے اس کی "قصیدہ خوانی" کی چنداں ضرورت نہیں۔ ضرورت اور اردو کی بڑی خدمت یہ ہے کہ بہارؔ میں اس کی کافی شہرت ہو اور وہاں اس کی خاطر خواہ اشاعت کی جائے۔ اس کے علاوہ یہ چیز جب تک وہاں کے اسکولوں میں رائج نہ ہو گی۔ بہارؔ کا مذاق اس طرح جلد درست نہیں ہو سکتا ایک عرصہ سے جس کی آپ فکر کر رہے ہیں۔ غرض میں کچھ نہیں جانتا یہ چیز آپ کی ہے اور اس کے پبلشر صاحب جنہوں نے اس کی اشاعت میں کمال محنت و صرف سے کام لیا ہے، آپ کے بھائی یعنی بہاری ہیں اس لئے ان کا خیال و لحاظ کیجئے اور اپنے تدبر و اثر سے پٹنہ یونیورسٹی تک اسے پہنچا کر وہاں کی درسگاہوں میں اسے داخل کرا دیجئے۔ خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔ جواب جلد دیجئے۔ والسلام مع الاکرام

کلکتہ ۱۲ر جون ۳۳ء دعاگو۔ خیالؔ

سمجھتا تھا۔ ۱۹۰۰ء میں دوبارہ مشورہ لینے پر دو ماہ کی میعاد لگائی اور آغاز ۱۹۰۱ء میں ایک چلّہ اور ایک ہفتہ فرمایا۔ اب ایک سال اور گذرا۔ ظاہر ہے کہ ڈھائی ماہ ہونے چاہئیں۔ میں نے ارادہ بھی کیا تھا کہ اب کے جی لگ کے علاج کروں گا تاکہ ہر وقت کی خلش سے نجات مل جائے مگر بے روزگاری اور اوس کے لازمی نتیجہ تنگدستی میں وہ اطمینان جو علاج کے لئے درکار ہے میسّر نہیں آسکتا۔ دیکھئے کیا منظورِ الٰہی ہے۔ بعض اوقات تو ایسا جی گھبراتا ہے کہ کہیں نکل جاؤں۔ ملازمتیں ملتی ہیں مگر تنخواہ کم۔ اس پر بھی صبر کیا جائے تو پابندی ۵ گھنٹے کی، جس کیلئے میں موجودہ مخدوش حالتِ ضعف میں قابل نہیں۔ تالیف تصنیف کے کام بکثرت ملتے ہیں مگر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔ اپنے ذاتی اخبار کے اجرا کا بندوبست کر رہا تھا مگر جو صاحب شریک ہوتے تھے وہ فرماتے ہیں تم ملازمت کر لو جس میں ترقیٔ اشاعت کے ساتھ تنخواہ میں اضافہ ہوتا جائے۔ اس کے لئے وہ معاہدہ سہ سالہ لکھانا چاہتے ہیں جس میں مجھے اس لئے تامل ہے کہ جس سرکاری ملازمت پر منشی کے لئے میں نے تین سال اور ۵۰۰ روپے ضائع کئے اوس کے نومبر میں ملنے کی بفضلِ الٰہی امید ہے۔ اوس وقت میں چلا جاؤں گا۔ معاہدہ تحریر ہوگیا تو سدِّ راہ ہوگا۔ ایک اور صاحب اجراءِ اخبار میں شریک ہوتے ہیں مگر وہ ہندو ہیں۔ گو بظاہر تمام اختیارات میرے سپرد کرنے کو تیار ہیں تاہم امید نہیں کہ اون کی مالکیت سے اخبار کے کالم متاثر نہ ہوں اس لئے طبیعت ہچکچاتی ہے۔ غرض اس قسم کی کشش و پنج میں مبتلا ہوں جن سے بقول آپ کے خدا ہی نکالے تو نکلوں۔

'آزاد پنچ' جس شخص نے جاری کیا ہے وہ میرے ماتحت کئی مطابع میں کاتب رہ چکا ہے۔ لیاقت مستعدانہ نہیں، مگر طبیعت اچھی پائی ہے۔ مجھ سے وہ خود فائلیں لے گیا ہے اور اودھ پنچ اور اودھ اخبار، ریاض کے پرچے بھی۔ سلسلہ وہ کبھی کا شروع کر دیتا مگر ایک حکیم صاحب کے برخلاف کئی مضمون لکھے تھے اونہوں نے نالش کر دی ہے یا کرنے والے ہیں۔ اوس کی اودھیڑ بُن میں لگا ہوا ہے۔ ۱۱ رکیسے میں نے تو لکھا تھا کہ ۱۱ ر تاریخ کا پرچہ پہنچے گا۔ شرر مارہروی کہاں ہیں اگر پتہ معلوم ہو تو مجھے لکھ بھیجنا اور سُنا ہے عزیز مارہروی نے اپنا تخلص بدل کر طیش یا طپش رکھا ہے، اگر یہ صحیح ہو تو مجھے اون کا پتہ لکھنا اور اون سے میرا سلام کہہ دینا۔

'معیار الانشاء' کے لئے حضرت سائل کو ابھی ایک کارڈ لکھا ہے۔ خدا کرے پرچے بھیج دیں۔ یہ بھی میں نے لکھا ہے کہ قبل از اشاعت مضامین تردید میں مجھ سے مشورہ کر لیا جائے۔ دیکھئے مانتے ہیں یا نہیں۔ زیادہ نیاز! جواب جلدی لکھئے گا۔ اودھر سے بھی علیٰ ہذا۔ فقط!

آپ کا خادم و ہوا خواہ: جالب دہلوی ایڈیٹر۔ مکان منشی احمد حسین مصحح رفاہِ عام پریس متصل سبزی منڈی لاہور۔ ۷ ر اگست ۱۹۰۲ء یکشنبہ صباح

(۲)

بنام احسن مارہروی

یادگارِ زمانہ جالب مد اشفاقکم! تسلیم نیاز۔ مزاج وہاج!

آپ کو اپنے گرامی نامہ مورخہ ۲۹ ر اکتوبر کا جواب نہ ملنے پر حیرت ہوگی اور عجب نہیں جو میری سہل انگاری پر غصہ بھی آگیا ہو لیکن جو حالت ان ایام میں مجھ پر اور میری ذات سے وابستہ ہونے کے باعث آپ کے خط پر گذر گئی وہ آپ کے خیال میں بھی نہ آئی ہوگی ورنہ ضرور مجھے قابلِ ہمدردی اور عدم ترسیلِ جواب کو لائقِ معافی قرار دیتے۔ مجملاً سنئے۔ میں نے شاید آپ کو تحریر کیا تھا کہ

ہر وقت گلاس بھرا سامنے دھرا رہتا ہے۔ اوس وقت گرمی کی زیادہ شکایت ہونے کے باعث گھر پر آکر بھی پانی پیا اور ایک مباحثہ میں پھنس کر دو بجے تک جاگتا بھی رہا۔ مگر طبیعت پر ذرا بھی گرانی نہ تھی۔ عارضۂ ذیابیطس کے باعث رات کو نیند میں بار بار خلل آتا ہے اور پیشاب کرنے کے لئے اوٹھنا ہوں مگر اوس روز آنکھ نہ کھلی۔ کیونکہ پانی اودھر نہ پہنچا تھا، معدہ میں فساد کر رہا تھا صبح کو یکایک آنکھ کھلی تو طبیعت برہم اور اجابت کی سخت ضرورت محسوس ہوئی۔ حقہ تک نہ پینے پایا۔ جائے ضرور گیا تو اتنا لمبا دست آیا کہ ہوش اوڑ گئے۔ اوس میں وہ کھجوروں کے چھلکے، فالودہ کے ٹکڑے اور دال کے دانے بجنسہ موجود۔ فارغ ہو کر آیا تو پیٹ میں قراقر اور پیچ، اسی حالت میں آنکھ لگ گئی۔ سات بجے اوٹھا تو پھر ضرورت ہوئی اور ویسا ہی دست آیا۔ پھر تو تار بندھ گیا۔ بخار، دردِ سر، اعضا شکنی سب موجود ہو گئے اور حالت بگڑنے لگی۔ آپ جانئے پردیس اور بیکاری اوس پر بیماری اور ایسی خطرناک بیماری۔ اس نے طبیعت کو اور بھی گرا دیا۔ سخت اندیشہ ہوا۔ بہ تجویز خود سکنجبین و گلاب پیا اور برف منگوا کر ڈلیاں منہ میں رکھنے لگا تشنگی زیادہ تھی۔ مالکِ رفاہِ عام بریس بیچارے وطن جا رہے تھے، میری کیفیت سن کر مضطربانہ آئے اور بکمال مشوش ہوئے۔ کافور، جوہرِ الائچی، تیزاب گندھک کی دو خوراکیں بھیجیں۔ دست برابر آتے رہے اور شام ہوتے ہوتے اتنا ضعف ہو گیا کہ پاخانہ تک جانا دشوار تھا۔ رات کو ایک حکیم صاحب کو بلایا۔ اونہوں نے بند کرنے کی صلاح نہ دی بلکہ شربت ورد و شربت بنفشہ قوی کے استعمال سے مادہ کو اخراج میں مدد دینی چاہی۔ میں نے اون کی مجوزہ مقدار سے نصف شربت استعمال کئے۔ سوتے سوتے ایک دست آیا۔ بارے آنکھ لگ گئی۔ رات کے دو بجے کے قریب بارش نے جگایا۔ اوس وقت بھی احتیاج ہوئی مگر اس قدر محسوس ہو گیا تھا کہ کھجوروں کے چھلکے اور دانے نہیں نکلتے۔ صبح کو پھر سلسلہ شروع ہوا۔ اب میں بالکل بیحال ہو گیا تھا۔ گو دردِ سر و بخار نہ تھا مگر کمر میں بہ شدت درد معلوم ہونے لگا۔ ناچار اون حکیم صاحب کو اطلاع دلوائی کہ اب نیم ہضم غذا خارج نہیں ہوتی بلکہ مواد کی مقدار برائے نام رہ گئی ہے، اسہال بند کیجئے۔ اونہوں نے کہلا بھیجا کہ میری تو رائے نہیں لیکن اگر تم مُصر ہو تو یہ دوائیں استعمال کر لو۔ تین پڑیاں بھی بھیجیں۔ میں نے اللہ کا نام لے کر شربت کے ساتھ اونہیں شروع کیا۔ خدا خدا کر کے دو بجے کے بعد اسہال موقوف ہوئے۔ چوتھے وقت شوربے میں بھگو کر پھلکا کھایا۔ ایسی نیند آئی اور غفلت طاری ہوئی جیسے کوئی نشے میں ہو۔ اوہ! واقعی رزق بھی عجیب چیز ہے۔ آدمی ان کا کیڑا ہے۔ میری اس سے بدتر حالت دہلی، میرٹھ، لکھنؤ میں ہوئی مگر وہاں تیمارداری ضرورت سے زائد کی جاتی تھی۔ معالج بہتر سے بہتر موجود تھے جس سے طبیعت قوی رہتی تھی یہاں بس اللہ کی ذات اور میں۔ خرچ بھی اتنا وافر نہیں کہ کسی نامی ڈاکٹر یا طبیب کو بلا لیا جائے۔ خیر دست تو بند ہو گئے مگر حکیم صاحب کی رائے درست تھی طبیعت کا قرار واقعی تنقیہ نہ ہوا تھا۔ چنانچہ گرانی موجود رہی۔ اجابت بند ہوئی تو ایسی کہ ۳ دن تک پتہ نہیں۔ ناتوانی کا بعید زور ہو گیا تھا۔ دوسرے روز سے اونہوں نے گلقند بورق نقرہ و طلا آمیختہ کھلانا شروع کیا۔ اب تک علاج جاری ہے مگر طبیعت زور پکڑ گئی ہے۔ کام پر جی بھی لگتا ہے۔ پہلی سی گرانی سر بھی نہیں۔ ہاں جو شکایات قدیم و مزمنہ ہو چکی ہیں وہ دور نہیں ہوئیں۔ دراصل مجھے ایک مستقل علاج کی ضرورت ہے جو مہینوں جاری رہے۔ گذشتہ چار پانچ سال میں بے روزگاری و پریشان حالی نے کہیں کا نہ رکھا۔ غذا کام کی نہ ملی۔ کسی بات کا ٹھیک نہ رہا۔ تمام دستور العمل ٹوٹ گئے۔ جناب حکیم حاذق الملک مرحوم نے ۱۸۹۹ء میں فرمایا تھا کہ تمہارا علاج ڈیڑھ ماہ کا عرصہ لے گا۔ مجھے اتنے دن دہلی میں رہنے کا اعتماد نہ تھا۔ گو چار مہینے رہا مگر ہر ہفتے جانے کے لئے تیار

یکم کو مجھے پہنچنا چاہیئے تھا۔ دوسرے اون کو میرے تقرر کی خبر بھی پہنچ گئی جس پر سخت غصہ آیا ہوگا۔ انبالہ سے میں نے معذرت آمیز خط لکھا جس کا جواب نہیں ملا۔ اب وہ حالت ہوئی کہ از من سوہ ماندہ و از آں سوہ ماندہ۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم..... الخ۔ مجھے جس قدر اس کا صدمہ ہے وہ بیان نہیں کر سکتا۔ شاید کسی عزیز کے مرنے کا بھی نہ ہوتا اور نہ مدت العمر ہوا۔ تمام امیدیں میری، والدین، عیال اطفال، دوست احباب کی خاک میں مل گئیں۔ کیا کروں کیا نہ کروں۔ کچھ نہیں سوجھتا۔ دیکھیئے کب تک یہ صورت رہے اور کوئی دوسری شکل ملازمت کی نکلے۔ گو میری عرضی پرسوں واپس آگئی مگر اس آسامی کے ملنے کی امید بھی ہنوز قطع نہیں ہوئی۔ اس لئے کہیں جا نہیں سکتا۔ دعا کرو کہ امیدان افکار و آلام سے نجات دے۔ مجھے کھانا پینا، سونا، بیٹھنا کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا نہ کسی بات میں جی لگتا ہے۔ تمہاری غزلیں پڑھیں۔ ماشاءاللہ کیوں نہ ہو۔ صحبت اوستاد کی تاثیر ہے۔ ہم کو بھی اللہ نصیب کرے۔ پہلی غزل باغِ سخن میں بھی دیکھی۔ وفا سے ملنا ہوا۔ مجھے وفا اور باغِ سخن کے متعلق بہت کچھ کہنا ہے۔ اشتہارات کچھ انبالہ میں لگائے کچھ مظفر نگر میں بٹوائے اور باقی یہاں تقسیم کرا دوں گا۔ جواب جلدی لکھنا اب میری طرف سے دیر نہ ہوگی۔ طپش وغیرہم کو سلامِ شوق۔ مجھے بعض امور میں تمہارے مشورہ کی ضرورت ہے اس لئے جواب جلدی آنا چاہیئے۔ حضرت اوستاد کیسے ہیں۔ فقط!

جالبؔ دہلوی۔ میرٹھ کیمپ۔ اول کرتی ۱۲ نومبر ۱۹۰۲ء۔ جمعہ قبل دوپہر۔

(۳)

بنام مولانا شاہ حسین میاں صاحبؒ

مخدومی و مکرمی!

السلام علیکم۔ مجھے دس بارہ روز قبل آپ کا ایک خط ملا تھا جس میں آپ نے ہمدم میں بعض تاروں اور مضامین کے شائع ہونے کا حوالہ دیا تھا۔ میں گذشتہ سوا دو سال سے اس قدر پریشانیوں میں مبتلا ہوں کہ تین مہینے بھی مسلسل اخبار میں کام کرنے کا مجھے موقعہ نہیں ملا۔ امسال ۶ مئی کو عید کے روز میں ایک ماہ اسپتال میں مقیم رہ کر اور دو مرتبہ ایک خطرناک و تکلیف دہ آپریشن برداشت کر کے مکان پر واپس آیا تو شیخ شاہد حسین مرحوم سے بعض امور میں اختلاف ہوا۔ میں نے استعفا پیش کیا جس کو انہوں نے منظور نہ فرمایا اور مجھے ہر طرح کا اطمینان دلا کر اور اپنی معاودت پر ہمدم کے لئے مناسب انتظامات کرنے کا وعدہ فرما کر وہ لاہور تشریف لے گئے۔ یہاں سے واپس آتے ہوئے شملہ پر چلے گئے۔ وہاں یکایک ان کا وقتِ موعود آپہنچا اور بجائے ان کے ان کی لاش ۲۰ مئی کو یہاں آئی۔ اس وقت ہمدم کی حالت بہت مخدوش تھی۔ میں نے اس کے قائم رکھنے کی جدوجہد کی مگر بعض ورثائے مرحوم کی طرف سے عجیب خود غرضانہ طرزِ عمل کا اظہار ہوا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ خیر خدا خدا کر کے ہمدم کے قائم رکھنے کی کچھ فکر کی گئی۔ مگر ابھی تک اس کے معاملات کا پورا تصفیہ نہیں ہوا۔ ماہِ جون کے اواخر میں مجھے بغرض ادائے شہادت اجمیر جانا پڑا اور راستے میں دہلی و آگرہ، دیگر کاموں کی غرض سے قیام کرنا پڑا۔ جولائی میں پھر علی گڈھ و آگرہ کا سفر پیش آیا۔ اگست میں مولانا محمد علی صاحب کے لئے مشینیں و دیگر سامانِ پریس خریدنے دہلی گیا اور اپنے بھی وہاں منتقل ہونے کا انتظام کیا مگر اس کے بعد ہی ایسے واقعات پیش آئے کہ لوگوں کو ہمدم کی ضرورت پہلے سے زیادہ محسوس ہوئی اور مجھے اس کو قائم رکھنے کے لئے لکھنؤ میں مقیم رہنے پر مجبور کیا گیا۔ ہم ار ستمبر کو لکھنؤ میں ہندو مسلمانوں کا ہولناک فساد شروع ہوا اور کئی روز تک گلیوں کے اندر خونریزی جاری رہی۔ مجھے ان ایام میں خاص طور پر محنت کرنی پڑی اور اخباری

ایک معقول سرکاری ملازمت کی کوشش نے مجھے چار سال تک اخباری دنیا سے خارج اور طرح طرح کے مصائب و آلام کا مورد بنائے رکھا۔ اب بھی اوس کی امید ہے اور وہی امید اخبار کے معاملہ میں کسی کا پابند نہیں ہونے دیتی۔ ریواز گزٹ کا ٹیکلیریشن داخل کیا۔ شرائطِ معاہدہ طے کر لیں، کام بھی شروع کر دیا مگر کاغذ معاہدہ پر دستخط نہیں کئے بلکہ برابر ٹالتا رہا کیونکہ اوس آسامی پر مقرر ہونے کا وقت قریب آتا جاتا تھا۔ ۱۰ اکتوبر کو ہز آنر صاحب لفٹیننٹ گورنر کی چٹھی در بارہ اجازت نامہ موصول ہوئی اور حکیم صاحب نے ۱۲ سے کام کرنے کا حکم دیا۔ اوسی روز شوخ عظیم آبادی، ابن علی مراد آبادی اور محمد صدیق امرتسری ندوہ کے جلسہ سے فارغ ہو کر لاہور آئے اور میرے ہاں ٹھہرے۔ اون کی وجہ سے دو ایک روز کام ملتوی رہا۔ اسی اثنا میں جنرل صاحب کے ہیڈ کلرک کی چٹھی منصوبہ سے بدیں مضمون آئی کہ تم فوراً میرٹھ جاؤ۔ جہاں نئی پلٹن ۱ ر کو آنے والی ہے اوس میں رفل کا موجودہ منشی بھیجا جائے گا اور تم کو اوس کی جگہ ملے گی۔ رفل بغرض شرکت جنگ مصنوعی ۲۸ کو انبالہ جانے کے لئے میرٹھ چھوڑے گی اور غالباً تم کو ساتھ لیجانا چاہے گی۔ اس پر میں نے چلنے کا سامان کیا۔ والد ماجد بھی سخت علیل تھے۔ اون کی علالت اور میرے دہلی پہنچنے کی تاکید کے خطوط برابر چلے آتے تھے۔ اونہی کو دکھا کر میں نے حکیم صاحب سے دو ہفتہ کی رخصت لی اور ۱۷ ر کو لاہور سے روانہ ہو کر دوسرے دن علی الصباح بوندھ پہنچا وہاں ۲۴ گھنٹہ ٹھہر کر ۱۹ ر کو دہلی آ گیا۔ والد ماجد کی حالت بڑی سقیم پائی۔ پہلے آنکھ میں درد ہوا جس نے چند گھنٹہ میں نصف سر، کنپٹی، رخسار کو گھیر لیا اور ایک رات گذرنے کے بعد بتاشے بتاشے برابر آبلے سر، پیشانی، رخسار پر نمودار ہو گئے جن کی سوزش ہر وقت مضطرب رکھتی تھی۔ حکما نے بہتیری کوشش کی مگر آبلے نہ بیٹھے اور درد بڑھتا گیا۔ جان پر بن گئی۔ آخر آبلوں کو کاٹ کر پانی نکال دیا گیا اور لگانے پلانے کی ادویہ سے مادّہ کا ازالہ کیا گیا۔ جب یہ تدبیر راست نہ آئی تو مسہلوں کی ٹھہری۔ ۹ مسہل علی التواتر ہوئے جنہوں نے رہا سہا ست نکال لیا۔ درد ہلکا پڑا مگر بالکل دور نہ ہونے پایا۔ اس حالت میں جا کر میں نے دیکھا اور فوراً ڈاکٹری علاج شروع کیا۔ اوس سے قدرے افاقہ ہوا تھا کہ میرٹھ سے بھی طلبی کا پیام بذریعہ تار برقی پہنچا اور میں ۲۵ ر کو یہاں چلا آیا۔ حکم تقرر کا ۲۲ ر کو پلٹن میں پہنچ گیا تھا جس کا یہ مضمون تھا کہ نئی پلٹن کے آنے پر موجودہ منشی کا تبادلہ اور میرا تقرر عمل میں آئے۔ پلٹن جانے والی تھی۔ اونہوں نے میری فوری تقرر کی کوشش کی مگر جنرل صاحب نے اوسی حکم کو شائع کر دیا اور تقرر پلٹن کے آنے پر موقوف رکھا۔ خیر چند روز کی بات تھی میں پلٹن کے ساتھ حسب الارشاد کرنیل صاحب چلا گیا۔ مفلسی، تنگدستی اور پیدل کا سفر، جتنی زحمت اوٹھائی بس اللہ کو خوب معلوم ہے مگر سب گوارا تھی اس خوش قسمتی میں کہ آسامی مل گئی ہے۔ اب دو تین ماہ کے بعد حالت درست ہو جائے گی۔ ولدر دور عسرت کافور ہو گی۔ تمہارا خط اور اشتہاروں کا پیکیٹ مجھے لاہور، میرٹھ اور کئی پڑاوٴں سے ہو کر بڈولی میں ملا تھا۔ جواب میں دو ایک روز میں دے دیتا مگر وہ ساری طمانیت خاک میں مل گئی۔ فلک سفلہ پرور کو میرے اطمینان و خوشحالی پر حسد ہوا اور ایک ہی ہفتہ بعد وہ حکم منسوخ کرا دیا۔ بیپلی کے پڑاؤ پر مجھے خبر پہنچی۔ گویا بجلی گری۔ ہوش جاتے رہے۔ بصد دقت انبالہ پہنچا۔ وہاں اصلی سبب تنسیخِ حکم کا معلوم ہوا کہ نینی تال پر جو فوجی لاٹ صاحب رہتے ہیں اونہوں نے نئی پلٹن کے لئے تمام دیسی ملازم کانپور سے بھیج دیئے جہاں وہ ایک اور پلٹن کے لئے بیٹھے ہوئے تھے۔ موجودہ منشی کا تبادلہ رہ گیا پھر میرا تقرر کس جگہ پر ہوتا۔ انبالہ سے مظفر نگر ہوتا ہوا میرٹھ آیا۔ مظفر نگر میں ایک صاحب سے ملنے کی توقع تھی جن سے چھوٹے دو برس گذر رہے۔ وہ بھی نہ ملے اور مجھے صدمہ پر صدمہ ہوا۔ یہاں آنے پر بھی جی نہ بہلا۔ کیونکہ عشرت مع اپنی والدہ کے دہلی گیا ہوا ہے اور والد بدستور علیل ہیں۔ بھاوج کو فالج مار گیا۔ اودھر بیماری ادھر بیکاری، کس کس آفت کو بھگتا جائے۔ لاہور کا روزگار بھی بظاہر گیا گذرا کیونکہ

یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ آپ نے اپنی انجمن کی طرف سے مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم میں داخل کرانے کا کام بعض محلوں میں شروع کر دیا ہے۔ میں اس وقت بھی تعلیم کو مسلمانوں کے لئے اہم ترین مسئلہ سمجھتا ہوں اور اس کی سخت ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ کوئی مسلمان بچہ بوجہ ناداری یا والدین کی غفلت کے کم از کم پرائمری تعلیم سے محروم نہ رہے۔ یہ کام علاوہ ثواب آخرت کے دنیوی فوائد سے بھی مملو ہے۔ آپ اگر اپنی سرگرمیوں سے مجھے اطلاع دیتے رہیں گے تو میں مناسب تدابیر آپ کو بتاتا رہوں گا اور کچھ لٹریچر بھی بہم پہنچاؤں گا۔

مولوی عبدالودود صاحب کے واقعہ کا میرے قلب پر جیسا اثر ہے اس کا اظہار بذریعہ خط ناممکن ہے۔ بریلی میں وہی ایک ٹھکانا میرا تھا۔ جناب قاضی خلیل الدین احمد صاحب کی اگرچہ میرے حال پر خاص دیرینہ عنایات ہیں۔ "ہمت" میں انہوں نے جو امداد فرمائی ہے وہ مجھے مدت العمر شکرگذاری کے ساتھ یاد رہے گی۔ مگر مولوی عبدالودود صاحب بڑے بے تکلف و مخلص دوست تھے۔ یہ بھی قدرت ہی کا انتظام تھا کہ مجھے اوائل جون میں بریلی پہنچنے کی ترغیب ہوئی اور اس طرح مرحوم سے آخری ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے جو کچھ اظہار خیالات اس موقع پر کیا وہ مدت العمر میرے دل سے محو نہ ہوگا۔ شاکر خاں صاحب کا انتخاب اطمینان بخش ہے۔ خدا کرے وہ کام کے ثابت ہوں۔

میں نے سردار موصوف کی خدمت میں ایک خط اس وقت لکھا ہے کہ وہ "ہمت" کو اسلامیہ ہائی اسکول میں جاری کرا لیں جس کی مولوی عبدالودود صاحب نے مجھ سے خواہش کی تھی۔ آپ کی اگر ملاقات ہو تو ان کو یہ یاد دلائیں جو آپ کے روبرو کی بات ہے۔ مولوی عبدالودود صاحب کے بھائی سید محمد محسن صاحب کے گاؤں کا پتہ لکھیں۔ مجھے ان سے کام ہے۔

جالب - دفتر روزنامہ "ہمت" لکھنؤ

نیا گاؤں - پنجشنبہ مورخہ ۱۱ر جولائی ۱۹۲۹ء

فرائض کی ادائیگی کے ساتھ مقامی معاملات میں بھی حصہ لینا پڑا۔ اس کے بعد مصالحتی کانفرنس دہلی میں جانا پڑا جہاں سے سیلاب کی وجہ سے لائنیں ٹوٹ جانے کے باعث گیارہ دن بعد واپسی ہوئی۔ اس دوران میں والدۂ عشرت کی حالت بہت خراب ہو گئی جن کو میں بیمار چھوڑ گیا تھا۔ انہیں میاں عشرت کی پیدائش کے وقت سے بعض شکایات لاحق ہو گئی تھیں جو آہستہ آہستہ بڑھتی رہیں۔ اب گیارہ سال سے ان کو بڑی تکلیف تھی اور ہمیشہ علاج جاری رہتا تھا۔ ڈاکٹروں حکیموں نے پیڑو میں نازک مقامات پر رسولی پیدا ہو جانے کی رائے لگائی جس کی وجہ سے اب جسم میں خون پیدا نہ ہوتا تھا اور جو پیدا ہوتا تھا وہ ضائع ہو جاتا تھا۔ اس کے لئے آپریشن کی ضرورت تھی جس پر وہ رضامند نہ ہوتی تھیں اور لیڈی ڈاکٹروں سے بھی خوف کرتی تھیں۔ اب جبکہ ان کی حالت بہت خراب ہو گئی تو بمشکل ان کو رضامند کیا گیا اور میں نے ان کی خالہ صاحبہ کو (جنہوں نے ان کو پالا ہے) میرٹھ سے اور اپنی بہن کو دہلی سے بلایا۔ ۱۵ اکتوبر کو میں انہیں لے کر ہسپتال آیا اور اب تک یہیں مقیم ہوں۔ ابتدا میں دو گھنٹے کے لئے دفتر جاتا تھا، اب کچھ زیادہ وقت گذارتا ہوں اور مضامین یہاں بھی لکھتا ہوں لیکن اخبار کے تمام صیغوں پر توجہ نہیں کر سکتا۔ ۱۷ اکتوبر کو ان کا آپریشن ہو گیا ہے اور اب خدا کے فضل سے ایسی حالت ہے کہ انشاء اللہ چند روز میں گھر واپس جانے کی اجازت مل جائے گی۔ اس وقت شاید میں کافی توجہ اپنے کام پر کر سکوں گا۔ مجھے ہمدرد کے دوبارہ اجرا میں مولانا محمد علی صاحب کو مدد دینی چاہئے تھی مگر افسوس ہے کہ اس کا موقع نہیں ملا۔ میں ان سے بہت شرمندہ ہوں لیکن ملک و قوم کے لئے جہاں میری ناچیز خدمات درکار ہوں وہیں مجھے موجود رہنا چاہئے۔

میں نے آپ کا قیمتی وقت اپنی پرائیویٹ مشکلات کی تفصیل سے ضائع کیا ہے اس کی معافی مانگتا ہوں اور آپ کو اس کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہمدم میں اگر کچھ ایسی تحریریں شائع ہوئی ہیں جن سے خدانخواستہ آپ کو رنج پہنچا تو یہ میری لاعلمی میں ہوا ہے اور مجھے اس کا بیحد افسوس ہے۔ میں حضرت قاری شاہ سلیمان صاحب کا دیرینہ معتقد اور ایک پرانا خدمتگذار ہوں اور ہرگز ان کی یا آپ کی ذات کے متعلق ایسی باتوں کی اشاعت روا نہیں رکھ سکتا۔ مجھے ابھی تک یہ دیکھنے کا موقع بھی نہیں ملا کہ تاروں اور مضمونوں میں کیا درج ہوا۔ مجھے آپ کو یہ یقین دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جب تک ہمدم میرے ہاتھ میں ہے وہ ہر ایک ترغیبات سے بالاتر رہے گا۔ مجھے عمر بھر رنج رہے گا اگر یہ معلوم ہوا کہ خدانخواستہ جناب قاری صاحب کو بھی اس زمانے میں ہمدم سے کوئی شکایت پیدا ہوئی ہے۔ آپ ان کی خدمت میں میری طرف سے آداب عرض کریں اور کفارۂ یمین کے لئے جو کچھ آپ کی رائے میں ہونا چاہئے اس سے مطلع فرمائیں۔ خواہ مضمون آپ کی طرف سے آئیں یا میں اپنی طرف سے لکھ دوں۔

آپ کا بہی خواہ دلی: سید جالب دہلوی، از کمرہ ۳ پرائیویٹ وارڈ
بلرامپور اسپتال لکھنؤ روز پنجشنبہ ۱۶ نومبر ۱۹۲۲ء

---

(۴)

<u>بنام مولوی سید الطاف صاحب بریلوی</u>

عزیزی و محبی!

السلام علیکم۔ آپ کا خط کرنال سے واپسی پر مجھے ملا۔ مراسلات جو آپ نے اس کے ساتھ بھیجے تھے وہ اخبار میں درج ہو چکے تھے۔ جو اور مراسلتیں بعد میں آئی ہیں وہ بھی دے دی گئی ہیں۔ ایک آج نکل رہی ہے اور دوسری کل شائع ہوگی۔ مجھے

حقیقت میں لاجواب ہے، خیالات، بندش، لطفِ زبان، کس کس چیز کی داد دی جائے۔ بارک اللہ فی علمک وفضلک وعصمک من طوارح الحدثان، والسلام

۱۹ اکتوبر ۱۹۱۸ء

سید سلیمان

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۳)

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ محترم السلام علیکم۔ آپ نے بہت اچھا سوال کیا۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے جہاں ندوہ رنگ کی پسندیدگی کا ذکر ہے۔ اس سے معمولی زرد رنگ[ا] مراد ہے۔ اور جہاں ممانعت کا ذکر ہے اوس سے زعفران کا رنگ مراد ہے۔ طبع دوم میں اس تشابہ اور غلط فہمی کو واضح کر دوں گا۔

کتنے آدمی ہیں جو کتابیں پڑھتے ہیں مگر چونکہ عمل کا ارادہ نہیں ہوتا اس لئے اون کی نظر اس قسم کی باتوں پر نہیں پڑتی خدا ہر شخص کو کتابوں کو غور و تعمق سے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سیرۃ کی تیسری جلد مطبع میں ہے۔ یہ حصہ معجزات پر ہے۔ والسلام

۱۷ جنوری ۲۳ء

سید سلیمان

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

(۴)

مخدوم محترم دام مجدہ السامی! السلام علیکم۔ آپ سے رخصت ہو کر اعظم گڈھ پہنچا۔ یہاں بھی چند روز حرارت اور پھوڑے کی تکلیف رہی۔ مگر آج اچھا ہوں۔ پھوڑے سے بھی ریم نکل گئی ہے۔ اور اب صاف ہے۔ مولوی مسعود علی صاحب بھی اسی دن صبح کو الٰہ آباد سے آئے۔ وہ سخت علیل ہو گئے تھے۔ نمونیہ کا خطرہ تھا۔ الٰہ آباد میں بروقت علاج ہوا اور اب اچھے ہیں۔

جب سے آیا ہوں ندوہ کا تخیل قائم ہے۔ مولوی مسعود علی صاحب سے گفتگو ہوئی۔ وہ ندوہ میں کوئی ذمہ دارانہ عہدہ لینے پر کسی طرح راضی نہیں اور نہ مستقل قیام لکھنؤ میں رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اس کے لئے بالکل آمادہ ہیں کہ سال میں چند مہینے وہ وہاں اقامت کریں اور تنظیم و تعمیر میں اور فراہمی چندہ میں مدد دیں اور اس کے لئے وہ بہت جلد کارروائی شروع کریں گے۔ مولوی عبدالسلام صاحب عنقریب جائیں گے کہ ایک دو مہینہ رہ کر آخری سال کے طلبا کو ادبی علوم میں مدد دیں۔ اور بچوں کی تعلیمی نگرانی کریں۔ مولوی مسعود صاحب نے طلبائے قدیم کو خطوط لکھے ہیں۔ اور اُن کا جلسہ بلانے والے ہیں۔ میری حالت یہ ہے کہ میں تعلیمی نگرانی کے لئے تیار ہوں۔ معتمد دارالعلوم بنا دیجے سال میں متعدد پھیرے کروں گا، ندوہ کی نظامت کا بار اگر ڈالیں گے تو قہراً جبراً برداشت کروں گا۔ مولوی حبیب الرحمٰن خان شروانی کا خط آیا ہے۔ مشورہ پوچھا ہے۔

[ا] سیرۃ النبی کی دوسری جلد کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک جگہ میں نے پڑھا کہ حضورؐ کو زرد رنگ بہت پسند تھا۔ دوسری جگہ لکھا تھا کہ حضورؐ اس سے نفرت فرماتے تھے۔ میں نے مولانا سے اس تضاد کی وجہ دریافت کی۔ یہ خط اسی استفسار کے جواب میں ہے۔

(محمد عبداللہ قریشی)

سید سلیمان ندوی

---

(۱)

بنام ہمایوں مرزا بیرسٹر

محترم دام السامی - السلام علیکم ورحمۃ اللہ - حضرت شادؔ[1] مرحوم کی وفات کا سانحہ گو غیر متوقع نہ تھا - مگر دل نہیں چاہتا تھا کہ مرحوم کبھی ہم سے جدا ہوں - حضرت فریاد کی سوانح عمری[2] کی طباعت کے متعلق شادؔ مرحوم کا بھی ایک والا نامہ آیا تھا - اس کا جواب دیا گیا تھا - پھر سے کوئی اطلاع نہ آئی - شاید یہی علالت کا تسلسل اس کا باعث ہو - بہر حال آپ کے والا نامہ نے عزت بخشی اور بہت سے دل پر اثر کرنے والے واقعات سے واقفیت ہوئی - آپ مسودہ پر میری نظر ثانی اگر ضروری سمجھیں تو نہایت خوشی سے میں اس کے لئے وقت نکالوں گا - مگر مناسب یہ ہے کہ کسی کاتب سے مسودہ صاف کرا لیا جائے تاکہ دیکھنے میں آسانی ہو اور اغلاط کم ہوں -

مطبع کا نرخ طبع مرسل ہے ہمارے مہتمم مطبع کا بیان ہے کہ کاغذ کی قیمت اور حساب میں آپ سے غلطی ہوئی ہے - . . . . بقیہ حساب ٹھیک ہے - اب آپ جب چاہیں مسودہ طباعت بھیج دیں - انشاء اللہ اہتمام اور توجہ سے چھاپی جائے گی - تخمینہ کے وقت سائز، ہر صفحہ کی سطروں کی تعداد اور نسخوں کی تعداد بھی لکھئے گا - میرے خیال میں ۲۰ × ۲۶ کا کتابی سائز جو عموماً رائج ہے مناسب ہوگا - ہر صفحہ میں ۱۷ یا ۱۹ سطریں ہوں - اور ۵۰۰ کاپیاں کافی ہوں گی -

آئندہ اگر آپ حساب طبع و ارسال زر وغیرہ کے متعلق مینجر صاحب دار المصنفین کے نام سے خط لکھیں گے تو آپ کو جوابات جلد ملتے رہیں گے - والسلام

سید سلیمان

۱۶/ اکتوبر ۱۹۲۷ء

---

(۲)

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ - مخدوم مکرم - السلام علیکم - نظم مبارک (دو غزلیں) پہنچی، پہلی غزل چہ شناسی

---

[1] شادؔ عظیم آبادی جو ہمایوں مرزا بیرسٹر کے والد الفت حسین فریاد کے شاگرد رشید تھے -

[2] یہ "حیات فریاد" شادؔ عظیم آبادی نے لکھی تھی -

اختلاف نہیں، لیکن جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ میں اس صورت کو پسند نہیں کر سکتا اور نہ میں اپنے کو دو سو ماہوار میں ارکانِ ندوہ کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہوں، میری حیثیت چند مہینوں کے بعد جب جوشِ موافقت کم اور جوشِ مخالفت زیادہ ہو جائے گا۔ ایک ہیڈ کلرک کی ہو جائے گی۔ طرح طرح کے طعن ہوں گے نئے نئے دعوے ہوں گے۔ ندوہ کی بے کس پیری اسی وقت تک ہے جب تک وہ سسک رہا ہے۔ جہاں کوششوں میں کامیابی شروع ہوئی اور ترقی کے آثار نظر آئے۔ آپ بھی دیکھیں گے کہ پھر کہاں کہاں سے مدعی اور صاحبِ طبل و علم پیدا ہوتے ہیں۔

البتہ یہ ہوگا کہ جب میں قیام کروں گا تو جب تک کی مدتِ اقامت ہوگی۔ میں مصارفِ ضروری کا بل ندوہ میں دے دوں گا۔ گویا معمولی کاروباری حساب کا طریق رہے گا۔ اور بس۔

نواب صاحب قبلہ! میں نے دار المصنفین اپنی قوتِ بازو سے اور خدا کے فضل و کرم سے بنایا ہے۔ جہاں میں آزاد اور بے غل و غش زندگی بسر کر رہا ہوں۔ ندوہ سے زیادہ یہاں سرمایہ ہے۔ ۱۴ بیگھہ زمین ملکیت ہے۔ بنگلے ہیں۔ کتب خانہ ہے۔ یہیں ہے موافق اور غمگسار احباب و رفقا ہیں۔ ان سب کو چھوڑ کر اور اپنے بنے بنائے کام کو لات مار کر ندوہ کے اکھاڑہ میں پاؤں توڑ کر بیٹھ جاؤں کیا آپ یہ رائے دیں گے۔

دار المصنفین کو اعظم گڈھ سے لکھنؤ منتقل کرنا گویا بنے بنائے گھر کو اجاڑنا ہے۔ اور اپنے کو لکھنؤ کی کشمکشوں میں آپ الجھانا ہے۔ سب سے بڑی چیز یہاں کی خاک میں استاد مرحوم کی لاش سپرد ہے جس کا میں مجاور ہوں۔ اور جس کو تا دمِ حیات چھوڑ نہیں سکتا۔ میرے لئے اعظم گڈھ سے باہر بیسیوں ترغیبات کے موقع پیش آئے۔ مگر خدا نے مجھے مستقیم اور مستقل رکھا و بیدہ الفضل!

ندوہ کی نظامت میں قبول کرتا ہوں اور اس سے بہتر کر کے دکھا دوں گا۔ انشاء اللہ جو پچھلے دور میں تھا۔ اگر مخالفتوں اور سازشوں نے مجھے وہاں فرصت دی، پنڈت مالوی بنارس ہندو یونیورسٹی کے ناظم و معتمد سب کچھ ہیں مگر وہ وہیں کے صرف نہیں ہو رہے! سب اطراف پر غور کر لیجئے پھر فیصلہ کیجئے۔ آپ صرف اپنی تجویز میں الاؤنس کا ذکر کر دیجئے۔ قبول کرنا نہ کرنا میرا کام ہے۔ والسلام

۲۲ر فروری ۱۹۲۳ء

سید سلیمان ندوی از دفتر دار المصنفین۔ اعظم گڈھ

(۷)

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

مخدوم محترم دام کرمہ۔ السلام علیکم۔ والا نامہ نے مفتخر کیا۔ میں خود چند روز سے خدمت والا میں بذریعہ تحریر حاضر ہونے والا تھا۔ بارے آپ نے پیش قدمی فرمائی، خالی شدہ جگہوں کے لئے مجھے خود فکر ہے اور میں تلاش میں ہوں مدرس صرف و نحو کے لئے عملی مشاقی ضروری ہے اس لئے نو آموز آدمی اس جگہ رکھتے ڈرتا ہوں۔ کتبخانہ کے لئے علمی آدمی اور دیانت دار ہونا چاہیئے۔ مدرسِ صرف و نحو کی ضرورت فوری ہوگی۔ کتبخانہ کے لئے چند روز توقف بھی ہو سکتا ہے۔ کتبخانہ کے لئے ایک دو آدمیوں نے جو ندوی بھی ہیں درخواست دی ہے ان سے خط و کتابت کرتا ہوں۔ چند روز ہوئے نواب عماد الملک کا خط میرے جواب میں آیا تھا۔ جس میں اپنی تائید کا یقین دلایا تھا۔ پھر مولینا شروانی کا والا نامہ آیا

مولوی شبلوی صاحب کا خط آیا ہے کہ بھوپال میں جس حد تک کوشش کرنی تھی ہو چکی اور اب آپ کے ایما سے حیدرآباد جاتے ہیں۔ عبدالعلی صاحب کے لئے یہ کوشش کی اور مجھے لکھا بلکہ تم جنرل صاحب کو لکھو کہ اس کا وظیفہ ہو جائے۔ چنانچہ میں لکھوں گا اور امید ہے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ ان کو مل جائے گا۔ اس طرح ان کی تعلیم کا بندوبست ہو جائے گا۔

مولوی مرتضیٰ صاحب جو پہلے کتب خانہ میں تھے میرے پاس آئے تھے کہ ان کو کتبخانہ میں کر دیا جائے میں نے کہا کہ اگر کتبخانہ میں آپ کے کام کا ریکارڈ اچھا ہے تو مجھے اختلاف نہیں۔ انہوں نے کہا کہ نوابصاحب خود مبلح تھے، اگر آپ نے اُن کے کام کو پسند کیا ہے تو مزدور اُن کو کتب خانہ میں جگہ دے دیجئے۔ کتبخانہ کی حفاظت مزدوری اور لازمی ہے۔ اس کا بند رکھنا کتابوں کو نقصان پہنچانا ہے۔

آپ ایجنڈا تو جاری فرما دیجئے۔ اور نظامت کی تجویز بھی درج کر دیجئے۔ اگر عارضاً میرا نام بھی لکھ دیجئے تو ہرج نہیں۔ مستقل انتظام میری نظر میں ہے۔ انشاء اللہ۔

مولوی عبدالرزاق اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب نگرامی کو خط لکھے گئے ہیں۔ والسلام۔

۱۷ رفروری ۲۳ء　　　　سید سلیمان۔ اعظم گڑھ

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

(۵)

مخدومی المطاع ادام اللہ مجدہٗ۔ والا نامہ صادر ہوا، آپ کا عتاب بجا ہے، مگر آپ نے میرے گردوپیش کے حالات پر نظر نہ فرمائی، بہر حال اب میں ذاتی مجبوریوں اور معذوریوں کی داستان لپیٹ دیتا ہوں اور یہ مصرع پڑھ کر

ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

اِس بارِ عظیم کو اُٹھا لیتا ہوں اب جس طرح آپ مناسب سمجھیں نظامت کی تجویز پیش کیجئے، مولوی حبیب الرحمٰن خانصاحب کا بھی اشارہ میری ہی طرف ہے۔ خدا مجھ سے جس طرح کا کام لینا چاہے گا اس کی توفیق اور ہمت بخشے گا۔

سب سے پہلا کام عمارت کا مسئلہ طے کرنا ہے۔ ہم سب لوگوں نے تو مولوی ظہور احمد اور مولوی نسیم صاحب کے ہاں بالتفصیل عرض کر دیا تھا کہ زمین کا معاوضہ نقد چاہتے ہیں زمین نہیں چاہتے۔ گورنمنٹ کے تعلقات کا یہ تسمہ بھی کیوں لگا رہے؟

اواخر مارچ جلسہ کی تاریخ رکھئے، مولوی مسعود علی صاحب جلسہ سے ایک ہفتہ پہلے آپ کے پاس آجائیں گے، فوری کاروائیاں شروع کر دیجئے میں ۲۵ رکو وطن جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، ڈیڑھ برس ہو گئے، جلسہ سے پہلے آجاؤں گا۔ والسلام

۲۱ رفروری ۱۹۲۳ء　　　　سید سلیمان

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

(۶)

مخدوم محترم السلام علیکم گرامی نامہ موصول ہوا ؟ اصولی حیثیت سے مجھے اس نظامت کے الاؤنس سے

ابوالعلائی پر ضمہ مئی کے معارف میں نکلے گا، اس کی ایک کاپی گاندھی جی کے پاس بھی بھیج دوں گا۔

ندوہ میں ضرور آیئے۔ تاریخ مناسب ہے، یکم جون کو مدرسہ کھلے گا، ہمارے ہاں لڑکوں کی بڑی تعداد نہیں چھوٹے سے لے کر بڑے تک صرف ۱۵۰ ہے، مگر کیفیت بہترین ہے، افسوس ہے کہ اس وقت ہمارے ہاں کوئی یکفنی خالص ادیب نہیں، مولوی یوسف ندوی، اور مولوی عبدالرحمن نگرامی ہیں، خاصے ادیب ہیں، قلم برداشتہ لکھتے ہیں۔ مگر خصوصی نہیں، خواجہ عبدالواجد ندوی تھے، مگر وہ قسمت دیکھئے کہ مشن کالج کانپور میں لڑکوں کو فارسی پڑھاتے ہیں۔ کیونکہ وہاں ان کو سوا سو ملتے ہیں اور ہم سو سے زیادہ نہیں دے سکتے۔ مدرسہ کی آمدنی کم ہے، لیکن لوگوں کی ضروریات بڑھ گئی ہیں اور وہ اس قدر ایثار نہیں کرسکتے۔ اچھے لوگ کیونکر آئیں، مستقبل سخت تاریک ہے، جدید علماء میں برابر سطحیت آرہی ہے۔ میں نے الزہراء اب تک نہیں دیکھا ہے۔ مہربانی کرکے ایک کاپی بھیج دیجئے۔ دیکھ کر واپس کردوں گا۔ ترجمہ ٹرٹ ہو تو اچھا ہے۔ اورینٹل کالج کا میگزین دیکھا، ماشاءاللہ!

۱۸ مئی ۱۹۲۵ء سید سلیمان

---

(۱۰)

بنام ڈاکٹر عبداللہ

صدیقی الفاضل الاعز الکریم ادام اللہ سعدہ۔ السلام علیکم۔ آپ کے متعدد خطوط میرے ذمہ واجب الادا ہیں، میرا عذر یہ ہے کہ میں ۲۱ جون سے ۱۴ جولائی تک اپنے مستقر سے باہر شہر بشہر ندوہ کے چندہ کے لئے مارا مارا پھرا، ڈاک کہیں نہیں منگائی، واپس آکر آپ کے اکٹھے کئی خطوط ملے، کل کی ڈاک سے مضمون کتبخانہ، شروانیہ اور رسالہ تاریخ قیروان ملا، شکریۂ مزید، آپ ابھی تک غالباً حیدرآباد ہی میں ہوں گے۔ اس لئے یہ خط وہیں کے پتہ سے بھیجتا ہوں، رسالے بھی وہیں بھیجتا ہوں۔

معارف میں مضامین نگاروں کے معاوضہ کے معنی آپ کیا سمجھے۔ اسسٹنٹ اڈیٹر اور سب اڈیٹر، میں نے تو حسب وعدہ آپ سے لکھنؤ ہی میں سفر کا بل مانگا تھا، مگر آپ نے بیجا شرم کو راہ دیا، اور انکار کیا، اب آپ کا کارڈ آیا ہے، اس کے مطابق میں دفتر ندوہ میں لکھتا ہوں۔ امید ہے کہ ۱۵، ۲۰ دن میں یہ بل منظور ہو جائے اور آپ کو لاہور کے پتہ سے مل جائے گا۔

مولانا شروانی نے آپ کی آمد اور آپ کی ملاقات پر ایک خط میں بیحد خوشی ظاہر کی ہے، اور لکھا ہے کہ "جیسا تم نے لکھا تھا ویسا ہی پایا"

مولانا کے ناتمام قصیدۂ فارسی مطبوعۂ معارف کے متعلق ایک اور صاحب نے جو اس زمانہ میں حیدرآباد میں تھے، وہی بات لکھی ہے جو آپ نے نواب اکبر یار جنگ کی زبانی نقل کی ہے، ستمبر و اکتوبر میں میرا عزم مدراس میں قیام کا ہے،

معارف مئی جون، جولائی، کا مرسل ہے۔ والسلام

۲۲ اگست ۱۹۲۵ء سید سلیمان

کہ تین سو ماہوار کی سفارش انہوں نے کی ہے اور پیشگاہِ عالی میں پیش ہے، نئی درخواست ندوہ کی جانب سے نہ بھیجی جائے کل شروانی صاحب کا والا نامہ آیا کہ تین سو ماہوار رمضان سے حضور نے ندوہ کے لئے منظور فرمائے، آپ کے دورِ نظامت کا یہ دیباچہ کامیابی ہے، مبارک، نصاب کے کاغذات مولینا حمید الدین صاحب کو دکھا دیتے رمضان کے بعد ایک دن مولینا حمید الدین صاحب اور مولینا حفیظ اللہ صاحب کو بلا کر مجلسِ نصاب کا جلسہ کر کے طے کرلینگے۔

فقیہہ دوم کے لئے مولوی عبد الحق صاحب ندوی کی درخواست آئی ہے اور چند اساتذہ نے ان کی تعریف کی ہے، ان کو مقرر کر لیجئے، مگر تقرر امتحاناً چھ ماہ کے لئے منظور فرمایئے، آپ ان کو کچھ نہ لکھئے۔ میں لکھ دیتا ہوں، اگر یہ فقیہہ دوم کے قابل ہوئے تو اس جگہ پر ورنہ صرف و نحو کی مدرسی کی جگہ پر مقرر ہو جائیں گے۔ مجھ کو جو خط انہوں نے لکھا ہے۔ اس میں دو میں سے ایک جگہ مانگی ہے۔ والسلام

۲۸ر اپریل ۱۹۲۳ء　　سید سلیمان

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

(۸)

مخدوم محترم السلام علیکم! والا نامہ پر تر الگن ہوا، آج کی تاریخ تک تو مولوی مسعود علی صاحب واپس نہیں آئے شاید آج شب کو یا کل صبح آئیں نہیں معلوم تعمیر گنبد کے متعلق کیا ہوا یہ بہت ہی ضروری اور اہم ہے۔ حضرت والا! میں تنہا حاضر ہوں گا! کبھی توفیق ملی تو بہ تثنیہ بھی حاضر ہوں گا۔ بہتر ہے اپنی تجویز کے مطابق، مولوی کلیم احمد صاحب کو کتبخانہ میں اور مولوی عبد الحق کو دار العلوم میں کر دیجئے، مولوی کلیم احمد کی اس بالا خوانی سے مجھے تکلیف ہوئی ۵ سے ان کو سے ملیں گے کیا یہ ترقی نہیں؟ جو مزید کا مطالبہ ہے دار العلوم میں تو اتنی بھی گنجائش نہیں کہ وہ اس سے زیادہ پا سکیں۔ مولوی عبد الحق کو میں نے کہہ دیا تھا کہ یا کتبخانہ کی جگہ ملے گی (سے) یا مدرسی صرف و نحو (ـــ) اس لئے اگر آپ ان سے بلا کر کہیں گے تو وہ نامنظور کریں گے، موجودہ انگریزی تعلیم کی نسبت میری رائے بہت بری ہے، ندوہ کی انگریزی تعلیم سے کوئی فائدہ اب تک ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔ اس سے ہزار درجہ بہتر یہ ہے کہ تکمیل علوم کی طرح تکمیل انگریزی کا درجہ بھی کھولا جائے جس میں فارغ التحصیل اور منتہی طلبہ کو چند سال انگریزی پڑھائی جائے، بنا بریں جو طلبہ مستثنیٰ اپنے والدین کے منشا سے ہوتے ہیں ان کو ہونے دیجئے، البتہ حساب سے مستثنیٰ کسی حال میں نہیں کیا جا سکتا! ندوہ کی رکنیت مجھے منظور ہے۔ جناب مہتمم صاحب تاریخ خضری کو درس میں اس لئے داخل نہیں کرنا چاہتے کہ وہ شیعی ہے۔ وہ بیچارہ مصر میں زندہ سُنّی موجود ہے میں اُن کو کچھ نہیں لکھ سکتا آپ اُن کو مراسلہ لکھ دیجئے کہ وہ شیعی نہیں سُنّی ہے۔ جامعہ مصریہ کا استاذ تاریخ ہے جس مقام پر شیعیت اگر ہے تو استاد اُس کی تردید کر دیگا والسلام

۲۹ر جولائی ۱۹۲۳ء　　سید سلیمان

بنام پروفیسر میمن عبد العزیز

(۹)

صدیقی الجلیل اسعدک اللہ۔ والا نامہ نے مشرف کیا، ایک شامی عیسائی عرب نے (امین ریحانی نام ہے) ابو العلاء کا انگریزی ترجمہ کیا ہے، جدہ میں اوس کا ساتھ تھا، اوسکی بڑی کوشش تھی کہ تمام عرب طریقہ، ابو العلائی پر آ جائیں، تو بیڑا پار ہے آپکا

لئے وہ اوائل نومبر سے ایک ماہ کے لئے دارالمصنفین چھوڑ کر مجبوراً مکان رہیں گے، اور دارالمصنفین کے لئے ہم میں سے ایک کا رہنا ضروری ہے اور اسی لئے اُن کو آزاد کرنے کے لئے مجھے یہاں سے دو چار روز میں روانہ ہو جانا ہے، کیونکہ یہاں جو لیکچر دینے تھے وہ ختم ہو چکے، صرف ایک باقی ہے، جو آج کل میں ہو جائے گا۔

۴۔ میں باقاعدہ دارالمصنفین کا نوکر ہوں، اس میں دونوں طرح کے ارکان ہیں، پہلے یورپ گیا تو بلا اطلاع گیا، اور تنخواہ جاری رہی مگر اُس وقت ہوا ایسی تھی کہ وہ مخالفت نہ کر سکے۔ دوسری دفعہ حجاز گیا تو ان کی اجازت لے کر تین مہینہ کی رخصت پر گیا، مگر اس دفعہ باہم بدمزگی ہوئی، اب اس دفعہ پھر اُس بدمزگی کو بڑھانا سوسائٹی یعنی دارالمصنفین کو برباد کرنا ہے، ان میں بعض وہ ممبر بھی ہیں جن کے ذریعہ سے حیدرآباد کی امداد آتی ہے، مجھے یا تو مستعفی ہو جانا چاہیئے یا دارالمصنفین کو باہمی اختلاف کی بنا پر توڑ دینا چاہیئے۔ گو میں اب بھی زبردستی جا سکتا ہوں، مگر بار بار درخواست کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

۵۔ ندوہ کا قصہ یہ ہے کہ نومبر کے آخر میں انبالہ میں اس کا سالانہ جلسہ ہے، مولوی مسعود علی صاحب اپنی خانگی مزدورتوں کے باعث گھر سے باہر نہیں ہو سکتے۔ اب مجھی کو اُس جلسے کو سنبھالنا ہے، اس مہینے میں میری غیر حاضری کے باعث بعض مخالف ارکان نے مدرسہ پر مجلس تحقیقات تعلیم و اخلاق یعنی انکویزیشن مجھ پر قائم کیا ہے، تاکہ میرے زمانۂ معتمدی پر الزام رکھ کر مجھے بدنام کیا جا سکے، اس سے پریشان ہوں، اس کی بچاؤ کی صورت کرنا ہے، ایک مدرس کا انتقال ہو گیا اُس کی جگہ کا انتظام مجھے کرنا ہے، نصاب بنانا اور بنوانا ہے اور سرمایہ کی فراہمی کا انتظام کرنا ہے۔

یہ سب تو وہ دور کی یعنی آفیشل مجبوریاں تھیں، اب میں آخر اپنا جسم آپ کو دکھاتا ہوں، یورپ سے یہ بیماری لے کر آیا کہ کھانے کے دو گھنٹے بعد جگر سے لے کر گردہ تک درد ہوتا ہے، علاج سے دب جاتا ہے اور پھر ہو جاتا ہے، اس کے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ خاص قسم کی غذا کھائی جائے اور خاص طریق سے رہا جائے۔ آپ اپنی مہربانی سے ہر قسم کا انتظام اپنے سر لینے کو تیار ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ میں عرب کو دیکھ چکا ہوں اور آپ صرف سن کر فرماتے ہیں، پچھلی دفعہ عرب کے سفر نے پھر مرض کو پیدا کر دیا، بلکہ اور ایک نئے مرض میں مبتلا کر دیا عرب میں گوشت عموماً دنبے کا ہوتا ہے جو میرے لئے زہر، روٹی بازاروں میں خمیر کی پکتی ہے نہایت ثقیل، سبزیاں، اور ترکاریاں جو میں کھاتا ہوں وہاں نہیں ملتیں، پچھلی دفعہ ہندوستانی باورچی رکھا گیا۔ مگر گوشت اور روٹی کی قسم کو وہ کیا کرتا وہاں درد شروع ہو گیا، تو دوا بھی بمشکل میسر آسکی، اینٹ کو آگ میں گرم کرکے اس سے جگر، پیٹ اور گردہ کو سیک کر علاج کرتا تھا اور تسکین حاصل کرتا تھا۔ پاخانہ کا وہاں سسٹم ایسا ہے جو ایک دائم المرض کے لئے سوہانِ روح ہے کہہ نہیں سکتا کہ ایک مہینے میں اس کی کیا تکلیف وہاں اٹھائی ہے، اس سے ایک مرض نیا یہ تحفہ لایا ہوں کہ دونوں سرینوں کے بیچ میں کوئی رگ، یا پٹھا یا ہڈی ہے، اس میں درد ہو جاتا ہے، اٹھنے بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہے، اور اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ اس حالت میں موٹر کی سواری پر بھی حرکت ہوتی ہے، تو جان نکل جاتی ہے، ایسی حالت

بنام مولینا عرفان صاحب

(۱۱)

۲۳-۲۴ انڈرسن اسٹریٹ مدراس۔

مخدوم محترم دام کرمۂ۔ السلام علیکم! آپ کے اخیر تار نے مجھے بے چین کر دیا، کئی دفعہ تار لکھوایا اور پھر کٹوایا، یقین جانیئے کہ رات بھر سکون سے نیند نہیں آئی اگرچہ یوں بھی دماغ کی خشکی اور معدہ کی تبخیر کے باعث تین مہینے ہو گئے کہ نیند کی اصلی لذت سے محروم ہوں، مگر آج کی شب تو صرف کروٹ ہی بدلتے بدلتے گذر گئی اور زبان پر یہ مصرع تھا "دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زبان اور" گو میں اپنے پہلے خط میں اپنی معذرت کے اسباب پوری طرح لکھ چکا ہوں، مگر آپ نے شاید باور نہیں کیا، اس لئے میں دوبارہ اپنا حلفیہ بیان پیش کرتا ہوں اور یہ اس لئے کہ مجھے آپ کے ساتھ جو محبت ہے اس کی وجہ سے یہ خیال کر کے دل میں تکلیف محسوس کرتا ہوں کہ آپ میرے عذرات کو محض بہانہ تصوّر کرتے ہیں۔

۱- میں یہاں چند ہفتوں کے لئے مسافرانہ آیا، اسباب وسامان جو ایسے بڑے سفر یعنی حجاز کے لئے درکار ہے وہ ساتھ نہیں، پاسپورٹ میرے پاس نہیں۔ پچھلا پاسپورٹ کہیں اعظم گڈھ میں پڑا ہے۔ پاسپورٹ مدراس میں نہیں مل سکتا، بمبئی میں نہیں مل سکتا، پھر کیونکر اگر بایں ہمہ بے سروسامانی چل کھڑا ہوں تو ۲۹ کو کراچی یا ۳۱ کو بمبئی پی او سے روانہ ہو سکتا ہوں۔ غور فرمائیے۔

۲- ہر شخص جو کچھ بھی اپنے پیچھے تعلقات رکھتا ہے، وہ کسی بڑے سفر سے پہلے کچھ انتظامات کرتا ہے۔ میں پٹنہ کے جلسے میں شریک ہو کر ابھی تک اعظم گڈھ نہیں گیا، چند ہفتوں کے لئے دارالمصنفین اور معارف کا کام سنبھال کر، اور مطبع میں چھپنے کی چیزوں کا سامان کر کے مدراس چلا آیا، میں نے مجلس عاملہ میں شرکت وفد سے انکار کر دیا تھا، اب ادھر آپ کے تاروں نے بتایا کہ میرا نام مزدری ہے اور مٹ نہیں سکتا۔ اب اس کی مزدرت ہے کہ میں اعظم گڈھ جا کر چند مہینوں کے کام متعین کر دوں، مطبع میں کتابوں کی چھپائی کا کام مقرر کر دوں، معارف کے مضامین کا سامان کر جاؤں، پچھلی دفعہ جب یورپ گیا خوش قسمتی سے میرے شریک ادارت مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی تھے، انہوں نے معارف سے مجھے مستغنی کر دیا تھا۔ اور مطبع میں سیرت دوم کا کام سال بھر کے لئے کافی تھا، دوسری مرتبہ تین مہینوں کا کام درست کر کے گیا، اب نہ مولوی عبدالماجد صاحب ہیں اور نہ مولوی ابوالحسنات مرحوم، اور نہ ادھر کوئی کام سنبھالنے والا ہے۔ بایں ہمہ مجھے عرب کے سفر کے لئے مدراس سے واپس جا کر چند مہینوں کے انتظامات اپنی غیر حاضری کے زمانہ کے درست کر کے تیار ہونا چاہئے تھا، اور اس کا موقع نہیں، ایسی حالت میں جانے کے معنی معارف اور دارالمصنفین کے بند کر دینے کے ہیں۔

۳- مصیبت جب آتی ہے ایک ساتھ آتی ہے۔ مولوی مسعود علی صاحب کی بھتیجی کی شادی درپیش ہے، بہت دنوں سے وہ ٹال رہے تھے، نومبر کا مہینہ فریق دوم نے آخری مہینہ مقرر کیا ہے کہ شادی کیجئے یا جواب دیجئے اور یہی مہینہ ان کے دو ہزار ادائے قرض کی قسط کا ہے۔ جس کا قصہ شاید آپ جانتے ہوں، اس

(۱۳)

محترم و مکرم دامت مکارمکم۔ السلام علیکم۔ والا نامہ نے عزت بڑھائی۔ معارف کو نہ صرف انڈیا آفس لائبریری کی فہرست پیش کرنے کی پہلی عزت حاصل ہے۔ بلکہ نفس انڈیا آفس لائبریری کے اردو سکشن کا علم بھی لوگوں کو اوسی کے ذریعہ سے ہوا۔ سب سے پہلے میں جب سنہ ۱۹۲۰ء میں انڈیا آفس لائبریری کے دیکھنے کا مجھے موقع ملا تو اوسکی اردو کتابوں پر ایک مختصر مضمون معارف میں لکھ کر بھیجا تھا۔ اور اوسی زمانہ میں اوس میں چھپ گیا تھا۔ اب آپ نے میرے ادھورے کام کی تکمیل کا بیڑا اوٹھایا ہے۔ مجھے خیال آتا ہے کہ وہاں رنگین کی تصنیفات کی تعداد کچھ زیادہ ہیں۔ بہرحال آپ تو اوس سمندر کی تھاہ لے ہی رہے ہیں۔ میں ساحل پر بیٹھا منجدھار کے مسافر کو کیا بتاؤں۔

آپ کا مضمون بھی پہنچا ہے۔ اوس کی تمہید میں آپ کی کوششوں کا حوالہ دوں گا۔ اور شذرات میں بھی ذکر کروں گا۔ اگر آپ بجائے متفرق پرچوں میں لکھنے کے کسی ایک ہی پرچہ میں لکھا کریں تو علم کی وسعت اور پختگی اور حالت کی خدمت بہتر ہو سکے گی۔

معارف کا محولہ نمبر جاتا ہے۔ اسٹوری صاحب کو دکھا دیجئے۔ والسلام

۲۰ر اپریل سنہ ۱۹۲۹ء — سید سلیمان

بنام امتیاز علی عرشیؔ

(۱۴)

نمبر ۳۵۰۴ - دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ۔ محترمی دام لطفہٗ۔ السلام علیکم۔ آپ کا مضمون[1] مارچ میں نہ آسکا۔ شاید اپریل میں آئے۔ پرچہ چھپنے کے بعد آپ کے پاس بھی جائے گا۔ مہربانی فرما کر آپ اپنا پورا نام لکھیے۔

فروری ۲۹ کے معارف میں جس مضمون سے آپ کو اختلاف ہے کیا اوسکے خلاف کچھ واقعاتی دلائل آپ کے پاس ہیں۔ اگر ہوں تو مطلع فرمائیے۔

سیدنا عمر فاروقؓ کے مکاتبات و خطبات جمع کیجئے۔ کنز العمال۔ موطا امام مالک۔ مسند دارمی تو مطبوعہ ہیں باقی مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ قلمی باقی صحاح و سنن و مسانید تو موجود ہی ہیں۔ علاوہ ازیں طبری اور بلاذری بھی ملاحظہ ہو۔

۲۲ر مارچ سنہ ۳۰ء — سید سلیمان

بنام مولانا عرفان صاحب

(۱۵)

دار المصنفین اعظم گڈھ (یو۔پی)۔ محترم دوست الطافکم۔ السلام علیکم۔ والا نامہ کا شکریہ، ایں بہ بیداری است یارب یا بخواب، خواہ کسی دوست کی ضرورت ہی سے آپ نے یاد کیا، یاد تو کیا، اور اس پر شکریہ واجب، میں تو قومیات و مجلسیات کی دنیا سے شاید تین سال سے کنارہ کش ہوں، امروہہ کا واقعہ اتفاقی تھا،

---

[1] عمر خیام کا ایک نادر نسخہ معارف اعظم گڈھ جلد ۲۶ نمبر ۴-۵-۶ بابت ماہ اکتوبر تا دسمبر سنہ ۳۰ء

میں رابغ سے مکہ معظمہ تک کئی دن اونٹ یا شغدف کی سواری میرے لئے ناقابلِ تحمل ہے، دماغ کا یہ حال ہو گیا ہے کہ ذرا سی فکر یا کسی خیال کی آمد سے نیند جاتی رہتی ہے، تین مہینے سے یہ حال ہے، قلب پر یہ اثر ہے کہ بالکل افسردگی اور پژمردگی آگئی ہے، ذرا سا بولتا ہوں یا تقریر کرتا ہوں تو تھک جاتا ہوں اور سینہ میں درد ہو جاتا ہے۔ یہاں آیا تھا کہ کام کے ساتھ کچھ تفریح اور تبدیل آب و ہوا ہو جائے گی، یہاں ایک مرض جو جاتا رہا تھا عود کر آیا یعنی قارورہ میں سوزش، اور ایک مرض ترقی کر گیا یعنی سوزش اور درد شکم کے ساتھ دو تین دفعہ دست۔ ڈاکٹری علاج یہاں کیا کوئی فائدہ نہ ہوا، آخر ایک ہفتہ کے لئے بنگلور گیا تھا، وہاں حکیم صاحب قبلہ کے ایک مستعد شاگرد حکیم ہیں انہوں نے دیکھا اور دو تین یونانی قرص، معجون اور شربت تجویز کیا ہے جو روزانہ استعمال میں ہے اور اس سے کسی قدر تخفیف ہے۔

میں نے اپنا دل نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیا ہے اور خدا جانتا ہے کہ جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ حرف بحرف سچ ہے۔ ناز و نخرہ اور بہانہ کی عادت نہیں، اور نہ طمع دنیا میں گرفتار ہوں، میری سات آٹھ برس کی ملاقات آپ سے ہے۔ آپ جیسے آدمیوں کی شناخت کے مدعی سے میرا کوئی عیب یا ہنر چھپا نہ ہوگا، خدا جانتا ہے کہ آپ کی خواہش کو پوری نہ کرنے کا کس درجہ افسوس ہے، میں گنہگار ہوں، اور اپنی گنہگاری کی سزا آپ کے ہاتھ سے برداشت کرنے کو تیار ہوں۔ کیا کسی طرح اس کی تلافی ہو سکتی ہے؟

میں دو چار روز میں یعنی یکم نومبر کو اعظم گڈھ روانہ ہو جاؤں گا۔ والسلام

۲۶ اکتوبر ۲۵ء — سید سلیمان

---

(۱۲) — بنام صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

۱۔ عقد بیوگان کا کام الحمدللہ رواج پذیر ہو رہا ہے اور میرا تاثر اس پر ذاتی عمل ہے۔ پنجاب، صوبہ متحدہ، دہلی اور جو کہ صوبہ بہار میں بھی شرفا کے خاندانوں میں اس کا رواج ہو رہا ہے۔ اس کے لئے رسمی کمیٹی کی چنداں ضرورت نہیں۔ علماء اور نیک خیال اصحاب اس کام کو پھیلا رہے ہیں۔

۲۔ موجودہ سخت پردے کے بجائے اسلامی پردہ کا رواج بہت بہتر ہے۔ بشرطیکہ اسلامی پردہ پر صحیح طور سے عمل کیا جائے۔ ہمارے ہاں گھروں میں جس سے پردہ ہے تو اس قدر سخت کہ قد و قامت اور آواز کا بھی پردہ ہے اور جس سے علاوہ محرم کے پردہ نہیں اس سے سر و دوش کا بھی پردہ نہیں۔ عورت کا تمام جسم چہرہ اور ہاتھوں کے سوا سب ستر ہے۔ کسی عورت کا اس ستر کے ساتھ کسی غیر محرم کے سامنے آنا گناہ نہیں۔ اسلامی حدود پردہ پر پوری تفصیل کے ساتھ بحث کی ضرورت ہے۔

۳۔ فضول رسوم اور ہندوانی طریقوں کو یقیناً چھوڑ دینا چاہئے۔

۴۔ یقیناً عورتوں کی تعلیم مردوں کی طرح ضروری ہے مگر عورتوں کے لئے نصاب تعلیم مردانہ اسکولوں اور کالجوں سے الگ ہونا چاہئے۔ جو عورتوں کے حالات اور ضروریات کے مطابق ہو۔

۲۲ اکتوبر ۱۹۲۷ء — سید سلیمان ندوی

نقش شاعری پھر فارسی میں شاعری میرے لئے قطعاً مشکل ہے۔ مگر میں اس کو بھی آپ ہی کا فیضِ سخن جانتا ہوں کہ کچھ غلط سلط سا میری زبان سے بھی نکل گیا۔

تعلفِ تو چارہ گرِ دردِ مرا بایستے   حُسنِ من باعلم نیز، تنا بایستے
درمیانِ طلبِ حق و عطا فرقے ہست   آنچہ من طلبم از تو عطا بایستے

آج کل گھر میں بیماریوں کا سلسلہ ہے، سہیل کو کل ایک ہفتہ کے بعد بخار اترا تو آج سے ان کی ماں کو بخار ہے۔ وسط اگست تک شاید آنا ہو۔ والسلام

۲۱ اگست سنہ ۱۹۳۰ء

سید سلیمان

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۱۷)

دار المصنفین اعظم گڑھ۔ مکرم وعلیکم السلام۔ مکرمت نامہ کا شکریہ۔ یہ آپ اچھا کر رہے ہیں کہ اوس (نکلسن کی کتاب) پر ایک مفصل تنقید کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اوس کے قابل اعتراض مقامات مولوی خواجہ عبدالواحد صاحب ندوی ایم اے پروفیسر مشن کالج کانپور سے پوچھئے۔ اونہوں نے اوس کا ترجمہ اردو میں (ترقی اردو کے لئے) کیا ہے۔ اور اوس پر حواشی تردیدی لکھے ہیں۔

"نگار" کی طرف توجہ کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ شبابیات واہیات مضامین کے ذریعہ سے نوجوان طلباء علموں میں الحاد کا بیج بو رہا ہے۔ اگر صرف پنجاب میں اس کا بائیکاٹ ہو جائے۔ تو اوس کی آنکھیں کھل جانے کو کافی ہے۔ آئندہ ہفتہ میں ہمت لکھنؤ میں ایک مراسلہ اس کی بابت چھپے گا۔ وہ نمبر آپ کے پاس بھیجوں گا۔ اعزازات میں شرکت کا شکریہ!

انقلاب کے اڈیٹروں کو اس کی بابت لکھا۔ مگر جواب سے بھی محرومی رہی۔ تا بہ دیگراں چہ رسد۔

ہمارے دوست مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی عنقریب اس کام کو شروع کریں گے۔ میں آپ کا خط اون کی خدمت میں بھی بھیج دیتا ہوں۔ والسلام

یکم ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء

سید سلیمان

بنام محمد عبداللہ قریشی[1]

(۱۸)

شبلی ہوسٹل۔ بادشاہ باغ لکھنؤ۔ مکرم۔ السلام علیکم۔ نامۂ عالی کا شکریہ۔ نکلسن کی کتاب کا کیا حشر ہوا؟ پروفیسر شیخ صاحب کا بھی عنایت نامہ ملا ہے۔

نیاز کا فتنۂ نگار تو بحمد اللہ ختم ہوا۔

---

[1] اس خط کا پہلا حصہ میرے متعلق ہے اور باقی ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کے متعلق ہے۔ اتفاق سے ہم دونوں کی خط و کتابت بیک وقت ہو رہی تھی۔ مولانا نے دونوں کو ایک سمجھ لیا۔ میں نے قریشی اور چغتائی کی طرف توجہ دلائی تو آپ نے التباس نام میں غلطی کا اعتراف کیا۔

(محمد عبداللہ قریشی)

میں علی گڑھ جا رہا تھا کہ بیچ میں یہ حادثہ پیش آ گیا، آپ کی طرح میرے اکثر ملنے والوں نے امروہہ کے فیصلے کو میری قوت تقریر کا نتیجہ بنا کر مورد الزام بنایا، خیر یہ بحث تو الگ رہی کہ اس پر مورد الزام بنانا مناسب ہے یا مورد اکرام بہر حال اگر یہ صحیح ہے تو مجھے معذور ہونے دیجئے کہ میں اس قدر پُر تاثیر مقرر ہوں کہ حاضرین کو جدھر چاہوں جھونک دوں

آپ کے خط پر "خلافت کمیٹی آفس" کا پتہ پڑھ کر میں چونک گیا کہ بار الٰہا! میں اور خلافت کمیٹی! آپ نے دیکھا جس معاملہ پر آپ کی خلافت کمیٹی نے مجھے مطعون کیا، اس کا حشر کیا ہوا، اور ابن سعود سے بگاڑ کر کیا پایا، یا کیا کر سکے؟ بہر حال گذشت آنچہ گذشت، اب صرف اس کی تلخ یاد باقی رہ گئی ہے، زمانہ اس کو بھی مٹا دے گا۔

اگست میں لکھنؤ آ کر میری زیارت آپ نہیں کر سکتے، اگر اس فرض کو ادا کرنا ہے تو اعظم گڑھ آنا پڑے گا۔ آپ دار الخلافت سے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، مگر جو جہاں ہے وہ دار الخلافت نہیں پہنچ سکتا۔

آپ کے پر کیف حالات سے میں بے گانہ نہیں ہوں، اللھم زد فزد آپ نے مولویوں کو چھوڑ کر کیجوائیوں سے عہد باندھا، کیا پوچھ سکتا ہوں ـــــ تو عہد با کہ بہ بستی، واز کہ بگسستی۔

بہر حال آپ نے جس معاملہ کی نسبت لکھا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سالہا سال کے تجربوں کے بعد یہ طے کر لینا پڑا کہ ایجنسیوں کا معاملہ سخت نقصان رساں ہے، بیسیوں واقعات پیش آ چکے، شروع میں جوش پیدا ہوا اور پھر جب مشکل آ پڑی یا نقصان آیا تو کتابوں تک کو واپس نہ کیا، سید جالب، رحمانیہ بک ڈپو، زمانہ بک ڈپو، اور خدا جانے کون کون اکابر سے معاملہ پڑا اور سخت نقصان دار المصنفین نے اٹھایا۔ اس وقت سے ہم لوگوں نے یہ قاعدہ بنایا ہے کہ کسی کو ایجنسی اس طرح نہ دی جائے، آپ بھی اپنے دوست کا تجربہ کر لیں، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے اہل ملک اور ہم قوم کہاں تک حسن معاملہ کی صلاحیت رکھتے ہیں، بہر حال چونکہ آپ نے لکھا ہے، اس لئے ہم اتنا کر سکتے ہیں کہ آپ ان سے سو روپیہ پیشگی بھجوا دیجئے، اور فہرست بھیجی جاتی ہے اس میں سے وہ ہر ایک کتاب کے جس کو وہ رکھنا پسند کریں ایک ایک دو دو نسخے منگوا لیں اور ہر مہینہ کے آخر میں جو حساب و کتاب ہو وہ دیتے رہیں اور قیمت ادا کرتے رہیں، مولوی عبدالماجد کی تصنیفات بھی یہیں سے ملتی ہیں، اور ان کے لئے بھی یہی شرائط ہیں۔

براہ عنایت اپنے دوست سے فرمایئے کہ آئندہ معاملات کے متعلق مولانا مسعود علی صاحب مینجر دار المصنفین کو لکھیں اور طے کریں۔

مولانا شوکت علی صاحب کو سلام فرما دیجئے۔ والسلام

۲۴ر جولائی سنہ۱۹۳۰ء		سید سلیمان

---

(۱۶)

بنام نواب سید علی حسن خاں صاحب مرحوم

مخدوم و مکرم دام مجدکم! تسلیم و تکریم! کارڈ نے ممنون کیا۔ میں نے ۲۹ کو ایک مفصل خط لکھا ہے جس سے بعض غلط فہمیاں دور ہو گئی ہوں گی۔ میں اپنی غلط روی و خطا کاری کا منت کش ہوں کہ اس کی بدولت ایک عمدہ رباعی یا قطعہ عالم وجود میں آیا۔ اور اس سے میں سرفراز ہوا۔ مجھ سے اس کا جواب ممکن نہ تھا کہ اول

اب یہ التماس لے کر آیا ہوں کہ فن متفرق میں ۸۰۰ کے ساتھ صفحہ ۷۰۰ پر رسالہ فی الوجود فارسی کا نام ہے اس رسالے کی چند ابتدائی اور چند آخری سطریں عنایت فرمائیں ممنون ہوں گا۔

پہلا خط کتبخانے کے پتہ سے بھیجا تھا اب آپ کے محلہ کے پتہ سے بھیجتا ہوں۔ شاید یہ فال نیک ثابت ہو

۲۰ جنوری ۱۹۳۳ء
سید سلیمان

بنام امتیاز علی عرشی

(۲۱)

نمبر ۹۵۴ - دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ - مکرم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ مکرمت نامہ کا شکریہ، آپ کی امداد نے بیحد فائدہ پہنچایا اور مجھے ایک مغالطہ سے محفوظ رکھا گیا اگر میں اپنی کتاب میں آپ کی اس امداد کا شکریہ ادا کروں تو کیا ریاستی پالیٹکس کے خلاف تو نہ ہوگا۔

کیا کتب خانے میں کوئی قدیم کرہ یا اصطرلاب ہے، اگر ہے تو اس پر اس کے صانع کا نام ہے اگر ہے تو نام عالی پوری عبارت حرف بحرف مع تاریخ نقل فرما کر بھیج دیجئے۔

تفسیر سفیان پر اگر آپ کچھ لکھ سکتے ہوں تو لکھئے - بیاض صاحب پر آپ کی تحریر کا انتظار رہا۔ والسلام

۱۳ فروری ۱۹۳۳ء
سید سلیمان

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

(۲۲)

مکرم ومحترم دام مجدہ - السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ والا نامہ مع بجٹ دار المصنفین موصول ہوا! یاد آوری کا شکریہ! لکھنؤ کی پچھلی آمد کے موقع پر عدم حاضری کی تکلیف دلی مجھے خود ہے! اسی لئے بار بار معذرت بھی پیش کی اور کہلا بھیجا مگر معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک آپ نے میرے اس اضطراری جرم کو معاف نہیں فرمایا! والعذر عند کرام الناس مقبول کا مصرع کیا میرے ہی حق میں نادرست ٹھیرے گا۔ انشاء اللہ آئندہ حاضری میں آپ کو شکایت کا موقع نہ ملیگا

ہمارے پاس صبح گلشن کا ایسا نسخہ ہے جس کے شروع کے چند صفحے نہیں ہیں۔ اس لئے پوچھنے کی ضرورت ہے۔ کہ یہ آپ ہی کی تالیف ہے؟ اگر ہے تو یہ جاننا ہے کہ آپ نے حالات عموماً کن تذکروں سے لئے ہیں۔ چونکہ ہمارے نسخہ میں دیباچہ نہیں اس لئے اگر ماخذ کا ذکر دیباچہ میں ہو بھی تو مجھے معلوم نہیں ہو سکتا۔ شاید آپ اپنے یہاں کے نسخہ کے دیباچہ کو دیکھ کر معلوم کر سکیں۔

الحمد للہ خیریت ہے۔ مولوی مسعود علی صاحب مکان گئے تھے۔ کل واپس آگئے ہیں۔ اچھے صاحب مارچ میں آنے والے ہیں، دیکھئے یہ وعدہ بھی ان کا پورا ہو یا نہ ہو۔ برادرم امیر حسن اور شمس الحسن صاحب کو سلام فرما دیجئے والسلام

۱ مارچ ۱۹۳۳ء
سید سلیمان

بنام امتیاز علی عرشی

(۲۳)

۱۹۰۹ دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ۔ محترم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ میں یہاں نہ تھا اس لئے جواب میں تاخیر ہوئی۔ مرقع بڑا دلچسپ ہے کیا تصویروں کی صورت اور لباس سے ہندو مسلم کا فرق نمایاں نہیں ہوتا؟ میں

احمد معمار کے متعلق آپ نے جن معلومات سے بہرہ ور کیا ہے۔ اون کا شکریہ۔ تاج کے جس مضمون میں آپ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ میں وہی مضمون چاہتا ہوں۔ نیز یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کو کس سند کی بنا پر علم ہوا کہ اس کا ہاتھ تاج میں بھی ہے۔

آپ کا مضمون کتبۂ دیوبند معارف میں بھیج دیا ہے۔ دفتر سے اطلاع ملی ہے کہ مضمون عالمگیر آپ کو بھیج دیا گیا ہے۔

سرکار کی غلطی کا اظہار آپ نے خوب کیا ہے۔ والسلام

۱۹ر اکتوبر ۳۱ء　　　سید سلیمان

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۱۹)

نمبر ۲۹۵۱۔ دفتر دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم و علیکم السلام۔ شرمندہ ہوں کہ اس التباس نام میں دو دفعہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ بات یہ ہے کہ ایک عسکری اون سے خط و کتابت جاری تھی۔ کہ آپ کا عنایت نامہ آیا۔ اس سے ذہن مشارکت اسم کے بجائے وحدت اسمین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ آئندہ آپ کی نسبت قریشی کو دھیان میں رکھوں گا۔ آج ہی قرآن پاک کی اس آیت وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا کا امتیازی مطلب نمایاں ہوا۔

میں نے خواجہ عبدالوحید نہیں پروفیسر خواجہ عبدالواحد ندوی ایم اے انتظامی پریس کانپور کا نام لکھا تھا اونہوں نے ترقی اردو کے اشارہ سے اس کا (نکلسن کی کتاب) اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اور مناسب حواشی تردیدی لکھے ہیں۔ اور اس کتاب کے حسن و قبح پر پوری نظر رکھتے ہیں۔ میں نے بھی اونہیں سے اس کتاب پر ریویو کی فرمائش کی ہے۔

آپ نے کون سی چند باتیں دریافت کی تھیں؟ مطلق یاد نہیں۔ آج کل انحراف صحت کے سبب بات پوری طرح یاد نہیں رہتی۔

آپ ہی نے تو فارسی ہند ادبیات پر ریسرچ کا کام کیا ہے۔ کیا آپ کی کتاب چھپ گئی؟

پروفیسر شفیع صاحب کا ایک خط اس باب میں میرے پاس بھی آیا تھا مگر میں نے اونکے خیال سے موافقت نہیں کی۔ والسلام

۱۲ر نومبر ۳۱ء　　　سید سلیمان

بنام امتیاز علی عرشی

(۲۰)

نمبر ۷۰۷۔ دفتر دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم السلام علیکم۔ دو ہفتوں سے زیادہ ہوا کہ آپ سے کتاب خانے کی دو کتابوں کے متعلق دریافت کیا تھا کہ ان کا موضوع کیا ہے۔ مگر ہنوز جواب سے محروم رہا وہ کتابیں فن ریاضی عربی زیر ۶۳ دیکھئے۔ فہرست کتبخانہ جلد اول ۲۱۷ ۶۰ کے بعد اور ۵۵ ۔

کی گئی ہے۔ آپ کے خط سے آپ کے بلند اخلاق، تواضع خوردی اور متین طبیعت کا اندازہ ہوا۔ آپ میرے الفاظ سے مایوس نہ ہوں۔ ترقی اور کمال ایسے ہی لوگوں کی قسمت ہے۔ آپ کے مشیرانِ سخن نے آپ کو مشورہ دینے میں کمی کی ہے۔ آپ نے مشورہ لینے میں کمی نہیں کی ہے۔

میرا مقدمہ تیار ہو چکا تھا مگر آپ کے رنگِ جواب کے انتظار میں بھیج نہیں رہا تھا۔ اب آپ کا جواب آیا اور آپ کے طرزِ اخلاق سے اطمینان ہوا۔ آپ ان صفحوں کو پڑھیں جہاں کہیں آپ کو اتفاق نہ ہو آپ مجھے اطلاع دیں میں غور کروں گا اور تغیر کر دوں گا۔

اپنے والد ماجد کو میرا سلام کہئے۔ مجھے آپ کے اس رشتہ اور نسبتِ پدری کی خبر نہ تھی، تو گویا آپ ہمارے مخدوم مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی کے عزیز ہیں کیا یہ میں صحیح سمجھا۔

میں نے اپنی تصویر خود کبھی نہیں کھچوائی لیکن اگر کسی نے لے لی تو میں نے مزاحمت بھی نہیں کی۔ والسلام

۱۵ ستمبر ۳۳ء　　　سید سلیمان

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۲۶)

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ محترم دام لطفکم۔ السلام علیکم! میرا مضمون ہاشم علی برہان پوری پرچہ ہندوستانی میں چھپ گیا ہے۔ اس کی ایک کاپی مرسل ہے۔

۲۔ شائع شدہ کتابوں اور رسالوں کا دوبارہ طبع کرانا معارف کے حدود سے باہر ہے۔

۳۔ آپ کے فاضلانہ مضامین قابلِ اشاعت ضرور ہیں مگر دار المصنفین کو اپنے اصول کی بنا پر معذوری ہے۔

مدت سے آپ نے معارف کو یاد نہیں فرمایا۔

۱۹ فروری ۳۴ء　　　سید سلیمان

بنام امتیاز علی عرشی

(۲۷)

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم سلام مسنون۔ ایک صفحہ کا مضمون پہنچا۔ عبارت کا مطلب آپ نے صحیح سمجھا عربی طباعت کا آغاز سولھویں صدی سے شروع ہوا ہے۔ ۱۵۹۳ء میں روما میں قانون شیخ طبع ہوا تھا۔

پبلک لائبریری کے لئے فہرست کتب مرسل ہے اس کے ساتھ یہی رعایت ممکن ہے کہ قیمت میں تاجرانہ کمیشن ۲۵ فی صد دیا جائے۔ اس کے متعلق مولوی مسعود علی صاحب ندوی منیجر دار المصنفین کو لکھئے۔ فہرست کتب مرسل ہے۔

میں شاید ۱۸۔ ۲۰ اکتوبر کو بجور ایک دوست کے اصرار پر بہار جا رہا ہوں۔ فرمایئے تو حاضر ہوں "اردو ادب پر نواب خلد آشیاں کے دربار کا اثر" اچھا موضوع ہے مگر شرط یہ ہے کہ طبیعت حاضر ہو۔ والسلام

۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء　　　سید سلیمان

بنام مہر صاحب

(۲۸)

نمبر ۳۷۷۳۔ دار المصنفین اعظم گڈھ (یو پی)، مکرمی وعلیکم السلام۔ یاد آوری کا شکریہ۔ کامیاب سفر پر مبارکباد

کچھ فیصلہ نہیں کر سکتا۔ میرے علم میں کوئی ایسا واقعہ جس سے اس مرقع کا معمہ حل ہو سکے نہیں ہے۔

برادرم حاجی معین الدین صاحب ندوی رامپور میں مہتمم تالیفات ہیں۔ میں اس عہدہ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ نہ انہوں نے خود لکھا وہ ان باتوں میں مست ہیں۔ بارے آپنے مضمون کو بھیجا ہے۔ اگر آپ اس نئی چیز کی تفصیل بتا سکیں تو مہربانی کیا عہدہ ہے کیا تنخواہ ہے کس کی ماتحتی ہے کتنے دنوں کی جگہ ہے۔

آپ رامپور آنے کی پرامرار دعوت نہیں دیتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ رامپور کے کتبخانہ سے محروم رہ جاتا ہوں۔

والسلام۔ سید سلیمان

۳۰ رجب سنہ ۳۳

میرا نوٹ متعلق کتبخانہ رامپور آپ کے اور آپ کے دوستوں کی نظر سے بھی گزرا؟ یا یہ تیر دل ہی اچٹ کر رہ گیا۔ سلیمان

(۲۴)

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

مخدوم محترم دام کرمکم۔ السلام علیکم۔ والا نامہ مع جوابات مدرسین موصول ہوئے۔ شکریہ ہاں یہ سچ ہے کہ مولوی عبدالحق ناتجربہ کار اور سادہ ہیں۔ مگر کام ہی سے تجربہ آتا ہے اچھا ہے ابھی یوں ہی رہنے دیجئے میں کسی اچھے آدمی کی تلاش میں ہوں۔

عمارت کے کام میں میں نہیں سمجھتا کہ کیا دقتیں حائل ہیں۔ آیا یہ ہے کہ جلسہ نے اس کو طے نہیں کیا ہے یا یہ ہے کہ مزدور و معمار اور مسالہ نہیں ملتا! اگر دوسری دقت ہے تو خیر، اگر پہلی دقت ہے تو تعجب ہے کہ اب تک حل نہ ہوا۔ میرے خیال میں تو ایک تخمینہ بنوا کر جلسہ نظامت سے بالفعل منظوری لے کر اتنا روپیہ معتمد تعمیرات کے نام بنک میں علٰحدہ کرا دیجیے یا معتمد مال کی معرفت وقتاً فوقتاً ادا کرتے رہنا چاہئے۔

عملی کاموں کے لئے قوانین کی لفظی پابندی کبھی نہیں چل سکتی اور ہمیشہ کام میں رکاوٹ پیش آئے گی۔ آپ بے قاعدگی اور اعتراضات کا خوف نہ کیجئے، اس سے کوئی کام کرنے والا آدمی نہیں بچا ہے اور نہ بچے گا اور نہ بچ سکتا ہے یہ خیال دل سے دور کر دیجئے۔

مولوی مسعود علی صاحب ندوہ کے کام سے گھبرا اُٹھے ہیں کہ ان حالات میں کام کرنا بہت مشکل ہے، وہ چھوڑ کر چلے آنا چاہتے ہیں۔ یا سے میں نے عیدالضحیٰ تک روکا ہے کہ ۱۲ - ۱۳ عید تک میں بھی آؤنگا۔

خان بہادر سید حسین صاحب تو تعمیر کو خصوصاً گنبد کی تعمیر کو بہت ضروری سمجھتے تھے! ان کی وجہ سے تو دقت ہو نہیں سکتی! پھر کیا دقت ہے جس کے لئے اس قدر تعویق و تاخیر و تعلل ہے۔

مولینا شروانی عیدالضحیٰ میں مکان آرہے ہیں، مجھے لکھا ہے کہ دل یہ چاہتا ہے کہ اس مرتبہ لکھنؤ آؤں" میں بھی ان سے آنے کا اصرار کرتا ہوں، میں بھی اُس زمانہ میں وہیں ہوں گا۔ والسلام

سید سلیمان

۱۷ جولائی ۱۹۳۳ء

(۲۵)

بنام اثر صہبائی

صہبائی من! شاد باد، زندہ باد۔ کل آپ کا خط ملا پڑھ کر بے انتہا خوشی ہوئی۔ انسانوں کی کمی نہیں انسانیت

جواب دیجئے بتوسط مولانا ابوبکر صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔

حاجی معین الدین صاحب تو روانہ ہو گئے بشہر خود ردم و شہر یار خود باشم۔ اب ان کی جگہ پر کیا انتظام ہوا ایک صاحب جو میرے پیش نظر ہیں کیا موقع ہے؟ آپ کا مضمون دسمبر میں جا رہا ہے۔

۱۷ر نومبر ۳۴ء — سید سلیمان

بنام امتیاز علی عرشی

(۳۰)

مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔ مکرم السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ نوازش کا شکریہ میرا ارادہ مصمم تھا۔ کہ حاضر ہوں مگر افسوس کہ یہاں آکر بیمار ہو گیا۔ ۴۸ گھنٹے کے فاقہ کے بعد آج کھچڑی ملی ہے اور کوئی وقت مناسب رامپور پہنچنے یا یہاں سے روانہ ہونے کا نہیں ملتا اس لئے بصد افسوس اس وقت سفر رامپور کو ملتوی کرتا ہوں اور آپ سے معذرت کرتا ہوں۔ عرفت ربی بفسخ العزائم یار زندہ صحبت باقی۔ والسلام

۲۶ر نومبر ۱۹۳۴ء — سید سلیمان

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۳۱)

صاحب الفضل[1]۔ وعلیکم السلام۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ سفرنامہ افغانستان آپ کو پسند آیا تو اس میں آپ کی محبت کی نظر کو دخل ہے۔ حسن لیلیٰ میں نہیں۔ چشم مجنوں میں ہے۔

دسمبر سے معارف میں بضمن شذرات تاریخ ہندوستان کی جلدوں کی تعداد و ترتیب لکھی گئی ہے۔ دسویں جلد بہمنیہ و سلطنت ہائے دکن سے متعلق ہوگی۔ اگر پروفیسر عبدالمجید صاحب صدیقی اس جلد کو لکھنا چاہیں تو آپ دریافت کرکے مطلع فرمائیے۔ اگر وہ اس جلد کا کام اپنے ذمہ لیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔

عہد آصفی کے لئے سراج الدین صاحب طالب اور آرکاٹ کے لئے محمد غوث صاحب لکھ سکتے ہیں۔ مگر ان کے لئے چودھویں جلد میں صفحات محدود ہوں گے زیادہ سے زیادہ پچیس پچیس۔ تیس تیس صفحے۔

"حیات شبلی" لکھی پڑی ہے اور میری فرصت کی منتظر ہے حضرت امجد کی شاعری پر آپ کا رسالہ ملا ریویو ہوگا۔ آپکی عنایات کا شکریہ تاریخ ہند کیطرف توجہ کیجئے آپ کی پیشگی قیمتوں کے وصول کرنے سے بڑی ذمہ داری آجاتی ہے۔ جس سے ڈرتا ہوں۔ والسلام

۱۱ر دسمبر ۱۹۳۴ء — سید سلیمان

بنام امتیاز علی عرشی

(۳۲)

دار المصنفین اعظم گڑھ۔ مکرم السلام علیکم۔ آپکے مجھ پر طرح طرح کے الزام ہوں گے۔ اور کم از کم بے اعتنائی اور بے رخی کی تہمت تو مجھ پر قدرۃً قائم ہونی چاہیئے گو براءانا منہا براءۃ عائشہ

آپ کا نجاب والا خط میرے پنجاب سے واپس آنے کے بعد اعظم گڈھ واپس ہو کر ملا۔ میری نیت ہمیشہ درست لیکن ارادہ ہمیشہ غلط ہوتا ہے اور اس ارادہ کی غلطی کے سبب سے ہمیشہ ندامت ہوتی ہے۔ ارادہ کی غلط

---

[1] بیت الفضل میرے نو تعمیر مکان کا نام تھا۔ افسوس ہے کہ اس کو فروخت کر دیا گیا۔ ہاشمی

دیتا ہوں، میرا سفرنامہ کیا وہ تو چلتے پھرتے معلومات کا بیان ہے۔ پہلے سے اس کا خیال بھی نہ تھا تاہم حضرت خواجہ صاحب نظامی کے سفرنامے سے تو زیادہ مکمل صحیح اور پُرمعلومات ہے۔ آپ کا سفرنامہ بھی یقیناً دلچسپ ہے۔ اور پُرمعلومات ہونا تو اس کا ظاہر ہے۔ میں نے جس روا روی میں یہ سفر کیا، اس میں اتنا کچھ لکھنا بھی غنیمت ہے۔

چہل زینہ کے متعلق مجھے غلطی ہوئی ہوگی، مغرب کا وقت تھا[1]۔ میں پوری عبارت بھی پڑھ نہیں سکا ابھی کل پرسوں "اصلاح" میں اس کا جو حال نکلا ہے اس میں بھی پیمائش و پیمانہ ہی سے بحث ہے۔ ضرورت ہے کہ پوری عبارت کا محققانہ مطالعہ کیا جائے۔

میرے احباب افغانستان کو جب آپ خط لکھیں تو میرا بھی جوابی سلام پہنچا دیں۔

"سیرۃ النبی" جلد چہارم کی دو جلدیں بذریعہ ریلوے پارسل مرسل ہیں۔ مولوی بشیر صاحب[2] اور ظفر حسن صاحب[3] کو بھجوا دیجئے۔ ظفر حسن صاحب کو یہ بھی لکھئے کہ اس کی طبع دوم چھپ رہی ہے جس میں بعض تبدیلیاں اور اضافے ہیں، وہ ترجمہ بالفعل شروع کریں۔ مگر طبع دوم سے بعد کو ملالیں۔ طبع دوم ان کے پاس بھیجوں گا، ان کے پتہ سے مطلع فرمائیے۔ میں نے ان کے شریک ترجمہ کے نام حسب طلب سیرۃ چہارم قسطنطنیہ بھیجی تھی۔ مگر واپس آگئی اور کسٹم گھر سے دینا پڑا۔ پچھلی دفعہ لاہور ایسا سرسری گیا کہ آپ کے دفتر تک بھی پہنچ نہ سکا، جس کا افسوس ہے۔

امید ہے کہ دریائے کابل کی (جو تنگ چشمان سمرقند و بخارا کی طرح تنگ ہے) زیارت سے آشوب چشم جاتا رہا ہوگا۔ والسلام

۹ نومبر سنہ ۱۹۳۴ء — سید سلیمان ندوی

---

(۲۹)

بنام امتیاز علی عرشی

نمبر ۲۲ ۸۴ - مکرم السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ میں نے علی گڑھ کے پچھلے سفر میں رام پور آنے کی اجازت چاہی تھی آپ کا خط میری روانگی کے بعد آیا۔ اور واپسی پر ملا۔ افسوس ہوا۔ اب دوبارہ عرض ہے کہ ۲۵ کو پھر علی گڑھ پہنچنا ہے۔ کورٹ کا اجلاس ہے۔ میں ۲۷ کو یا شاید ۲۶ ہی کو رام پور آسکتا ہوں۔ مہربانی کرکے اس پتے سے خط کا

---

[1] میں نے سید سلیمان مرحوم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ان کے سفرنامے میں جو بالاقساط "معارف" میں چھپا تھا چہل زینہ (قندھار) کے ذکر میں ایک فروگذاشت ہوئی

[2] مولانا محمد بشیر شہید رئیس مجاہدین چمرکنڈ۔

[3] ظفر حسن صاحب ایبک۔ یہ ان طلبہ میں سے تھے جو فروری سنہ ۱۹۱۵ء میں لاہور سے ہجرت کرکے پہلے سرحد آزاد میں پھر افغانستان چلے گئے تھے۔ ظفر حسن صاحب بعد ازاں روس ہوتے ہوئے ترکیہ پہنچ گئے اور حربی کالج کا امتحان پاس کرکے فوج میں معزز عہدے پر مامور ہوئے انہوں نے ترکیہ میں توطن اختیار کر لیا۔ میں سنہ ۱۹۳۲ء میں کابل گیا تھا۔ تو وہاں آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے مولانا شبلی کی سیرۃ النبیؐ کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا تھا۔ چوتھی جلد انہیں نہیں ملی تھی۔ میں نے مولانا سید سلیمان سے منگوا کر انہیں اور مولانا محمد بشیر کو بھجوا دی۔ (غلام رسول مہر)

کہ آپ لوگ جب تک میں جیتا ہوں اس رشتہ کو شکست نہ ہونے دیں گے ۔ والسلام

۱۷ر نومبر ۱۹۳۶ء　　شریک غم : سید سلیمان

(۳۵)

بنام نصیر الدین ہاشمی

دار المصنفین اعظم گڈھ ۔ مکرمی السلام علیکم ۔ میں اپریل سے خانہ بدوش تھا ۔ اب تک مرکز پہ پاؤں نہیں جمے ہیں ۔

حیدر آباد کی واپسی کے بعد بہت کچھ لکھنے کا ارادہ تھا ۔ مگر میں ایسا بیمار پڑا کہ جینے کے لالے پڑ گئے اب اچھا ہوا تو اکثر باتیں حافظہ سے نکل گئیں ۔

کلام امجد کی تدوین و ترتیب ضروری فرض ہے ، مکاتیب شبلی کی تیسری جلد کا ارادہ نہیں ۔ سابقہ جلدیں دوبارہ طبع ہو چکی ہیں ۔

یہ سن کر کہ سراج الدین صاحب مرحوم کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا افسوس ہوا بظاہر خیریت ہے ۔ اندر کا حال خدا جانے والسلام ۔

۸ ستمبر ۱۹۳۷ء　　سید سلیمان

(۳۶)

بنام مولوی سید الطاف علی صاحب بریلوی

نمبر ۳/۲۴ دار المصنفین اعظم گڈھ ۔ مکرم السلام علیکم ۔ آپ کا انگریزی رسالہ[1] ملا ۔ ریویو ہوگا ۔ مگر آپ کا رسالہ مجھے سفر میں ملا تھا ، دیکھنا یہ ہے کہ یہاں ساتھ آیا ہے یا نہیں ۔

مجھے اپنے مضمون کا برابر انتظار ہے ۔ آپ کے احساسات کی میں نے بڑی قدر کی ۔ آپ کا خیال درست ہے ۔ مسلمانوں کے فائدے اور خدمت کے لحاظ سے ہمارے پرانے گھرونسے بے کار ہو چکے ۔ یا وہ اپنا چولا بدلیں یا موت کے گھاٹ اتر جائیں ۔

لیکن آپ کی ذاتی وابستگی و محبت کے تقاضے میں کبھی آپ کو یہ رائے نہیں دے سکتا کہ آپ اپنی جگہ سے ہٹیں ۔ اس وقت تو جو جہاں ہے وہیں پر اس کو قدم جمائے رہنا ہے ، آپ ایسا کیوں نہ کریں کہ آپ بحیثیت ملازم جہاں ہیں وہاں بحد ملازمت اپنا کام بطور فرض کرتے رہیں ۔ اور ہمارے دار المصنفین کے لئے وہ مطلوبہ جلد لکھئے ۔ جس کی فرمائش میں نے آپ سے کی ہے ۔ دار المصنفین آپ کو بطور معاوضہ نہیں بلطور پیش کش ڈھائی سو روپے نذر کرے گی ۔ یہ نذر حقیر ہے ۔ مگر حالات نے مجبور کر رکھا ہے ، ممکن ہے میں اس سے زیادہ کر سکوں ، مگر وعدہ نہیں ۔ انشاء اللہ علی گڈھ جلد حاضری ہوگی باتیں ہوں گی ۔ والسلام

۳ رجون ۱۹۳۸ء　　سید سلیمان

---

[1] "مسلمانوں کی تعلیمی جدوجہد"۔

کے معنی یہ ہیں کہ صحت کی خرابی کے سبب سے اکثر سفروں میں بیمار ہو جاتا ہوں۔ اور واپسی میں فسخ ارادہ کرنا ہوتا ہے کتابخانۂ رام پور کی زیارت کس کو آپ کی طرف نہ کھینچے گی۔ لیکن مجھے یقین آگیا ہے کہ ضمنی سفر کے بجائے جب تک وہاں کے لئے مستقل سفر کی نیت نہ کی جائے گی، شگون ٹھیک نہ ہوگا۔

امید ہے کہ ۳۵ء میں اگر زندہ رہا تو اپنے شوق کی تسکین اور آپ کے حکم کی تعمیل اسی سال کروں گا۔

عرفت ربی بفسخ العزائم کا فقرہ نہیں پڑھتا۔ والسلام

۹ ارتمی ۳۵ء　　　سید سلیمان

---

(۳۳)

بنام نصیر الدین ہاشمی

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم دام لطفکم۔ السلام علیکم عنایت نامہ ملا، پرسش احوال کا شکریہ، وہ بچی اپنی علالت سے جانبر نہ ہو سکی، اس کی وفات کی اطلاع مجھے حیدرآباد ہی میں مل چکی تھی، اس لئے جلد چل پڑا۔

میرے حسن سیرت کے ساتھ اگر وہ ہے آپ کی گرویدگی خود آپ کے حسن سیرت کی دلیل ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس دفعہ احباب دکن کی محبتوں کا بیحد ممنون رہا۔ خاص کر بے نیاز امجد کی نیاز مندی کے شرف کو اس سفر کا حاصل سمجھتا ہوں۔ کلیات امجد کی ترتیب لیا ضروری ہے۔ یہ امجد کے چمکانے کے لئے نہیں بلکہ امجد کے وجود سے دنیا کو مستفید ہونے کے لئے۔

جی ہاں جن کتب خانوں کی کتابوں کی فہرستیں نوٹ کی ہیں ان کا ذکر سفر دکن کے فوائد علمی میں آئے گا۔ نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ کی فہرست چھپ جائے، تو بہتر ہے۔

میں نے غلام غوث صاحب کو ایک کتاب سحر حلال مصنفہ ولیا احمد معمار کے متعلق کتب خانہ مدراس سے دریافت کی فرمائش کی تھی، آپ سے ملاقات ہو تو پھر فرمائش کر دیجئے کہ کتاب کا پہلا صفحہ مجھے نقل کر کے بھیج دیں۔

جشن سیمین کی شرکت بعض حالات پر مشروط ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ والسلام

یکم ستمبر ۱۹۳۵ء　　　سید سلیمان

---

(۳۴)

بنام نواب سید شمس الحسن صاحب

برادرم سلمہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم! ابھی آپ کا تار ملا! تار کیا تھا! بجلی تھی جو دلوں پہ گری۔ ہائے ان کا آخری دیدار کتنا کم نصیب ہوا؟ وہ نہ صرف آپ کے باپ، بلکہ ہم سب کے بزرگ تھے اور میں اسی نظر سے ان کو دیکھتا تھا ان کا وجود بزرگوں کی نشانی تھی۔ اور ہمارے لئے بڑا سہارا تھے۔ آہ آپکو اور برادرم امیر حسن خاں اور آپ کے دوسرے بھائیوں کو کیا لکھوں اور کیونکر صبر کی تلقین کروں؛ ان کا سایہ آپ لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت تھی جس سے افسوس کہ آپ لوگ محروم ہو گئے۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں تعزیت کن لفظوں میں پیش کروں زبان و بیان قاصر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے تعزیت کے لئے میں خود حاضر ہوتا مگر رمضان اور اہلیہ کی علالت کے سبب سے قاصر رہا۔ بہر حال مجھے امید ہے

ہیں اور اسباب کیا تھے۔

(۳) میں مولانا مرحوم کے خطبات اور تقریریں چھپوانا چاہتا ہوں۔ اس لئے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کانفرنس کی کن کن رودادوں میں ان کی چھوٹی بڑی تقریریں ملیں گی۔ ان کا حوالہ اور ہو سکے تو ان رودادوں کے نسخوں کی بہم رسانی یا ان تقریروں کی نقل جس کی اُجرت دی جائے گی۔

(۴) کانفرنس کے اجلاس اوّل میں مولانا نے کن تجویزوں کی تائید یا تحریک فرمائی اور ان پر جو تقریر بھی کی ہو بقید تاریخ و اجلاس بھیج دیجئے۔

(۵) ترقی پنشن پر مبارک باد قبول فرمائیے۔

آج کل ندوہ کا کام اپنے ذمہ لیا ہے اس میں مدد فرمائیے۔ الندوہ کا بھی قصہ ہے۔ ہاں آپ نے دوسرے خط میں دارالمصنفین کی تاریخ کی جو تحریک اس موقع پر کی ہے وہ برمحل ہے انشاءاللہ عمل کی کوشش کی جائے گی والسلام

۲۷ر نومبر ۳۹ء ——— سید سلیمان

بنام محمد امین زبیری صاحب

(۴۱)

دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ محبی السلام علیکم۔ ازہر والا مضمون پہنچا۔ یہ ہمارے ہاں نہ تھا۔ آپ ان تقریروں کو بھیج دیجئے۔ میں ان کو درست کر لوں گا۔ "صرف دولت" والی تقریر ہو تو وہ بھی بھیج دیجئے "جمہوریت" والا مضمون بھی بھیج دیجئے۔

ایک مہینہ کے بعد حیدرآباد، پونا اور بمبئی کے سفر سے واپس آیا ہوں۔ حیدرآباد میں ندوہ کی ماہوار کے اضافہ کے لئے عریضہ پیش کیا ہے۔ اللہ مالک ہے۔

ریویو جو بھیجا ہے وہ شائع ہوگا۔

الندوہ دوبارہ جاری کیا ہے خدا کرے جاری رہے اگر نہ دیکھا ہو تو دفتر الندوہ بادشاہ باغ لکھنؤ سے منگوائیے۔ قیمت وہی ہے وہی حجم۔ مضامین خلافت۔ ہندی۔ قرآن کا انگریزی ترجمہ۔ اوقاف اسلامی۔ اسٹرائک ندوہ۔ اوقاف اسلامی موجود ہیں۔ جمہوریت والا مضمون بھیجئے۔ والسلام

۲۷ر فروری ۴۰ء ——— سید سلیمان

بنام مالک رام

(۴۲)

دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ جناب من تسلیم۔ آپ کے سب خط ملتے رہے۔ پوسٹل آرڈر بھی ملا تھا۔ بارہا جواب دینے کو جی چاہا۔ مگر تواتر سفر اور اس حیلہ سے کہ آپ اتنی دور پہنچ گئے ہیں، جواب میں توقف ہوتا رہا۔ میں بحمداللہ مع الخیر ہوں، اور آپ کے لئے داعی خیر!

آپ کا رسالہ بھی بحفاظت میرے پاس ہے۔ واپس اس لئے نہیں کرتا کہ مجھے اس پر کچھ لکھنا پڑے گا اور اگر آپ میری تحریر کے بغیر واپس کرنے کو کہیں تو میں بروقت واپس کر سکتا ہوں۔ بعض مقامات تصحیح طلب ہیں۔

بنام زبیری صاحب

(۳۷)

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ، مکرم السلام علیکم - عنایت نامہ کا شکریہ - دونوں ٹکڑے مفید تھے کام آئیں گے - مگر آپ نے یہ نہیں لکھا کہ ان دونوں کا ماخذ کیا ہے مہربانی فرما کر ماخذ سے مطلع فرمائیے -

باقی آپ کی تلمیحات تو میں نہیں سمجھا - مولوی عبدالسلام صاحب سمجھیں یا آپ سمجھیں یہاں تو معاملہ صاف ہے - آج کل مولوی عبدالسلام صاحب پر مراق کا سخت دورہ ہے - بیکار سے ہو رہے ہیں - کیا آپ نے مکان بدل لیا ؟ والسلام

۱۲ر دسمبر سنہ ۱۹۳۸ء　　سید سلیمان

بنام زبیری صاحب

(۳۸)

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ - مکرم السلام علیکم - ادھر بہت معروف تھا جواب نہ دے سکا - مجموعہ خطوط سرسید کہاں سے ملے گا - مجموعہ خطوط حالی بھی چاہئے -

میں علی گڈھ گیا تھا آپ کو پوچھا تو معلوم ہوا کہ آپ آج کل مولوی عبدالحق صاحب کے ساتھ دہلی میں ہیں -

میں آج کل خریداران معارف کی توسیع کی کوشش میں ہوں کیا آپ اس میں حصہ نہ لیں گے - والسلام

۲۳ر جنوری سنہ ۱۹۳۹ء　　سید سلیمان

بنام محمد امین زبیری صاحب

(۳۹)

دار المصنفین اعظم گڈھ - مکرم السلام علیکم - معلوم نہیں آپ کہاں ہیں آپ نے اپنے ایک اطلاعنامہ میں مولوی شبلی صاحب کا وہ عربی قصیدہ نقل کر کے بھیجا ہے جو اکتوبر سنہ ۱۸۸۱ء میں مولانا نے سرسید کی مدح میں لکھا تھا آپ براہ مہربانی اکتوبر سنہ ۱۸۸۰ء کے انسٹی ٹیوٹ میں دیکھ کر مطلع فرمائیے کہ اکتوبر سنہ ۱۸۸۱ء کی تاریخ صحیح ہے - ہو سکے تو تاریخ مہینہ کی بھی لکھئے اور انسٹی ٹیوٹ کے جلد اور نمبر یا تاریخ اشاعت -

پھر اس سے مطلع فرمائیے کہ مولانا جنوری سنہ ۱۸۸۲ء یا سنہ ۱۸۸۳ء میں علیگڈھ میں پروفیسر مقرر ہوئے ؟

جواب جلد عنایت فرمائیے - بھوپال میں کیا ہوا - والسلام

۱۶ر اکتوبر سنہ ۱۹۳۹ء　　سید سلیمان

بنام محمد امین زبیری صاحب

(۴۰)

دار العلوم ندوہ لکھنؤ - محب مکرم السلام علیکم - آپ کے لفافہ سے جو خط برآمد ہوا اس کو پڑھ کر مجھے بے حد ہنسی آئی - وہ ایک دل جلے کے خط کا جواب تھا - جو پورنیہ میں ندوہ کے لئے کوئی جائداد وقف کرنا چاہتا ہے دیکھئے وہ دل جلا آپ کا خط پا کر کیسا چراغ پا ہوتا ہے - بہر حال آپ کے خط میں یہ تھا

(۱) اس عربی قصیدہ کی تمہید لکھ بھیجئے جو اکتوبر سنہ ۱۸۸۱ء کے گزٹ میں ہے

(۲) آپ کو معلوم ہے کہ سرسید اور مولانا میں اخیر زمانہ میں اختلافات پیدا ہو گئے تھے - اس کے وجوہ کیا

ہو کہ وہ قبول کریں گے یا نہیں - مشاعرہ کی صدارت کے لئے اقبال سہیل صاحب، کو آپ پسند کریں گے یا جو نام آپ پسند کریں - والسلام

یکم جنوری ۱۹۴۲ء　　سلیمان

---

(۴۵)

بنام نواب شمس الحسن صاحب

برادر عزیز دعائے خیر! خط ملا - گو بدیر - اسی لئے اس کے جواب میں جواب بھی دیر سے دے رہا ہوں ۱۸ / مارچ کی شب مشاعرہ کی تاریخ تعین ہو۔ سو روپیہ کا سامان تو فی الحال دشوار ہے - کوئی راجہ صاحب ابھی تک ہاتھ نہیں آئے - کوئی نواب ہی صاحب ہاتھ آجائیں - پرسوں شب کو میں نے جناب نواب صاحب مرحوم آپ کے والد کو خواب میں دیکھا - تخت پر وہ حسب عادت دو زانو بیٹھے ہیں - میں بھی ہوں - ناشتہ سے فرصت ہوئی ہے اور میں رخصت ہو رہا ہوں - رخصتی کے وقت سواری کو پوچھتے ہیں اور میں معذرت کر دیتا ہوں - گویا اب بھی ان کی شفقت میرے حال پر ہے - بہرحال نو دس بارہ شعراء کا انتخاب کیجئے اور ان کا کرایہ منظور کیجئے - اس میں کچھ کمی ہو جائے گی گو شعراء نازک خیال کی نازک دماغی کے بار کا متحمل کون ہوگا -

اچھے صاحب اور برادرم امیر حسن خاں سلام قبول فرمائیں - والسلام

۱۹ / جنوری ۱۹۴۲ء　　سلیمان

---

(۴۶)

بنام مولوی محمد امین زبیری صاحب

دار المصنفین اعظم گڈھ - مکرم السلام علیکم - آپ کا عنایت نامہ مجھے ملا تھا - جس طرح مجھے آپ کی نہیں آپکو میری بھی خبر نہیں - کئی مہینوں سے میں مبتلائے مصائب گوناگوں ہوں - ساڑھے چار مہینوں کے بعد ۸ / ستمبر کو اعظم گڈھ آیا ہوں ایک ماہ ریل و ڈاک کے ہنگاموں میں اس طرح رکا رہا کہ نہ مسافر تھا نہ مقیم - گھر چلنے کی وجہ ایک لڑکی کے نکاح کی تقریب تھی مہینوں کے جھمیلوں کے بعد بالآخر انجام پائی - صاحبزادہ نے امسال بی اے پاس کیا ان کی نوکری کی فکر ہے - داماد نے ایم اے ال بی کیا اس کی فکر الگ دامنگیر ہے چھوٹی لڑکی کی شادی برادری سے الگ الہ آباد میں کی ہے نام سید حسین صاحب ہے وہ بلیا میں ڈپٹی کلکٹر ہیں - پچھلے نومبر میں یہ شادی ہوئی - اس ہنگامۂ بدتمیزی کے زمانہ (میں) ان کی نفسیاتی بلیا ہی میں تھی بلوائیوں نے ۱۹ / اگست کو ان کے بنگلہ پر حملہ کیا انہوں نے دو گھنٹہ قبل بنگلہ چھوڑ دیا تھا اور مع بیوی کے ایک غریب مسلمان کے گھر میں پناہ لی - لڑکی حاملہ تھی وہیں اس مکان میں اسکو وضع حمل ہوا - مجبورانہ بے احتیاطی کے باعث بڑی مشکل سے اس کی جان بچی - نوزائیدہ بچی ضائع ہو گئی - سارا سامان اسباب بلوائیوں نے لوٹ لیا جس میں زیادہ تر اس کا سامان جہیز تھا - ایک کپڑا اور ایک برتن تک نہ چھوڑا ہزاروں کا مال لے گئے میری حالت صحت چند ماہ کے اندر بہت گھٹ گئی ہے اس وقت بھی آشوب چشم میں مبتلا ہوں اب ایک آنکھ اچھی ہے اسی سے کام لے رہا ہوں - بڑی لڑکی کی نسبت میرے ایک چچازاد بھائی کے لڑکے سے تھی جو مہینہ مقرر تھا اسی میں ان کا انتقال ہو گیا - لڑکے ابو سہیل کی نسبت دوسرے چچازاد بھائی کی لڑکی سے تھی وہ میسور میں انسپکٹر مدارس

اب آپ کی عربی گفتگو تو پوری رواں ہو چکی ہوگی۔ ابھی لاہور گیا تھا۔ آپ کے احباب سے ملاقات ہوئی۔ پرچہ گزشتہ مارچ سے آپ کے نام جاری کر دیا گیا ہے۔ پوسٹل آرڈر میں غلطی تھی۔ اس لئے وہ آپ کے نام ۱۹ مارچ سنہ ۴۰ء کو واپس کر دیا گیا ہے کہ دوبارہ بھیج دیں۔ والسلام

۲۳ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء — سید سلیمان

بنام زبیری صاحب

(۴۳)

دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ مکرم السلام علیکم۔ سوانح شبلی اب قریب ختم ہے۔ آپ نے مولانا کا مضمون جمہوریت جس کو آپ فرماتے تھے مجھے نہیں بھیجا۔ براہ کرم جلد بھیج دیجئے۔ اور جس اخبار سے لے کر بھیجئے اس کا نام اور تاریخ اشاعت بھی لکھ دیجئے۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مولوی عبدالسلام بخیر ہیں۔

حیات شبلی میں آپ کا نام بھی آیا ہے۔ والسلام

۹ اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء — سید سلیمان

بنام نواب سید شمس الحسن صاحب

(۴۴)

برادر عزیز۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔ ادارۂ معارف اسلامیہ کا جو اجلاس لکھنؤ میں آپ لوگ کر رہے ہیں، ادارہ کی طرف سے ایک مشاعرہ بھی ترتیب دیا جائے۔ جس میں ممتاز شعراء شریک ہوں۔ میرے خیال میں اس کام کی اہلیت آپ ہی کو ہے۔ آپ اس شعبہ کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیں، غالباً اس تجویز میں کسی کو اختلاف نہ ہوگا۔ کام حسب ذیل ہیں:-

۱۔ ۱۶ یا ۱۷ یا ۱۸ مارچ سنہ ۱۹۴۲ء کو رات کے وقت ایک مشاعرہ کا انعقاد۔ تاریخ و وقت و مقام متعین کیجئے۔

۲۔ ریڈیو آفس سے دریافت کیجئے کہ کیا وہ ریلے کریں گے۔ اور اگر اس کے لئے بجلی کی ضرورت ہو تو وہ ندوہ میں نہیں یونیورسٹی میں ہے تو پھر یونیورسٹی میں انتظام اور اگر تار لگا کر یہاں انتظام کر سکتے ہیں تو خیر ندوہ ہی میں۔

۳۔ شعراء کا انتخاب! (ملحد بالشویک شاعر کو نہ بلایئے) اتنے نام یاد آتے ہیں:- جگر صاحب۔ روش صدیقی صاحب، حفیظ جالندھری لاہور۔ پروفیسر اکبر۔ منیر ہوشیار پوری گورنمنٹ کالج۔ لکھنؤ کے شعراء تو آپ جانتے ہیں۔

۴۔ طرح جو پسند ہو۔ یا عنوان کسی نظم کا۔ یا عام۔

۵۔ کیا ان صاحبوں کی خدمت میں کچھ پیش کرنا بھی ہوگا۔ میرے خیال میں دس پندرہ شاعر کافی ہوں گے۔

امید ہے کہ جواب سے شاد کام فرمائیں گے۔ اچھے صاحب اور عزیزی امیر حسن خانصاحب کو سلام مسنون آپ لوگوں کی کوشش سے اراکین استقبالیہ کچھ بن جاتے۔ بڑا مرحلہ تو روپیہ کا ہے۔ صدارت استقبالیہ کا فیصلہ بھی نہیں ہوا۔ صدر اجلاس کے لئے نواب بہادر یار جنگ کا انتخاب ادارہ کی مجلس عاملہ نے کیا ہے معلوم نہیں

بنام زبیری صاحب

(۴۷)

محب مکرم زاد لطفکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ عنایت نامہ نے مسرور کیا مشکور کیا۔ میرے لڑکے کا نام ابوسہیل ہے مگر وہ اپنے کو اختر سہیل یا اے سہیل لکھتے ہیں انہوں نے امسال مسلم یونیورسٹی سے تھرڈ کلاس میں بی اے کیا ہے۔ میں واقعی ان کے لئے بہت پریشان ہوں کہ کیا کیا جائے، سنٹرل ہوم ڈیپارٹمنٹ میں کلرکی کی کوشش کا خیال تھا۔ مگر ذرائع مفقود۔ آنریبل سید عبدالعزیز صاحب سے قدیم ملاقات ہے ان سے دوسروں کے لئے سفارش کرتا ہوں مگر اپنے لئے شرماتا ہوں۔ ڈاکٹر ضیاءالدین صاحب اگر چاہیں تو وہ سب کچھ کر سکتے ہیں بشرطیکہ چاہیں۔ آپ کی کوشش و اثر سے بہت کچھ امید پڑتی ہے۔ ان کا سبجکٹ ایف اے تک تو تاریخ اور عربی تھی مگر بی اے میں اردو، تاریخ اسلام اور انگریزی تھی۔ لٹریچر سے ذوق رکھتے ہیں۔ محنتی اور مستعد بہت ہیں۔ ہر کام کو پوری جانفشانی سے کرتے ہیں ریلوے میں اچھی طرح چل سکتے ہیں وہ خود کمپیٹیشن میں بیٹھنا چاہتے ہیں آپ کا خط میں نے ان کو دے دیا اس کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور آپ کی ہمدردی سے متاثر۔ وہ ایک ہفتہ کے لئے پٹنہ گئے ہیں واپس آجائیں تو میں ان کو آپ کے پاس علیگڈھ بھیج دوں گا۔ آپ جو مناسب مشورہ دیں گے وہ کریں گے۔

میرے داماد اردو میں ایم اے اور ایل ایل بی ہیں دونوں مسلم یونیورسٹی سے سیکنڈ کلاس میں کیا ہے اُن کا ارادہ منصفی کا ہے۔ پٹنہ میں جسٹس فضل علی اب چیف ہیں۔ شیعہ ہیں ان سے کام لینا پڑیگا۔ سوال یہاں بھی ذریعہ کا ہے بہرحال آپ کی کوششوں سے جو مدد حاصل ہوگی وہ شاید مجھ سے زیادہ کامیاب ہو۔ عزیزی یامین کی کامیابی کا حال پڑھا اور سُنا مبارک کرے آمین۔ اس میں عزیز موصوف کی ہوشمندی اور صحیح راہ عمل کو بھی دخل ہے اللہ تعالیٰ آپ کے اور صاحبزادوں کو بھی کامیاب کرے کہ اس عمر میں آپ کو اطمینان نصیب ہو۔

حیات شبلی کے ۳۰۰ صفحے چھپ چکے ہیں ۶۰۰ ابھی باقی ہیں۔ میں اب لکھنؤ جا رہا ہوں ۲۵ اکتوبر سے دو ہفتوں تک تھانہ بھون رہوں گا۔ لکھنؤ کا پتہ دارالعلوم ندوہ لکھنؤ اور تھانہ بھون کا خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر۔ عزیزی سہیل کو براہ راست شبلی منزل اعظم گڈھ کے پتہ سے لکھ سکتے ہیں۔ والسلام۔

۱۹ اکتوبر ۱۹۴۲ء　　　سید سلیمان

بنام زبیری صاحب

(۴۸)

اعظم گڈھ۔ محبی منشی محمد امین صاحب زبیری سول لائنس علیگڈھ۔

مکرم زاد لطفکم۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ مجھے تھانہ بھون میں ملا تھا۔ عزیزی سہیل کو ایک پھوڑا نکل آیا تھا وہ پٹنہ دانا پور اسپتال میں پڑے تھے ابھی واپس آئے ہیں اور میں بھی پرسوں ہی واپس آیا ہوں۔ عزیزم سلمہ آپ کے پاس علیگڈھ جا رہے ہیں۔ اب آپ ہیں اور وہ ہیں ان کو جو مشورہ ان کے لائق دیجئے۔ وہ انشاءاللہ عمل کریں گے خدا کرے کہ آپ کی کوششیں کامیاب ہوں امید ہے کہ آپ ان کو مطیع و فرماں بردار پائیں گے۔ دسمبر تک یہ قسمت آزمائی کریں گے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام۔ سید سلیمان، ۷ نومبر ۱۹۴۲ء

دفعتہً تاریخ تقریب سے چند روز پہلے وہ چل بسے اور تقریب رک گئی۔ یہ سب امید پورے سال بھر سوہانِ روح بنے رہے۔ خدا کرے کہ اب بھی میرے سلسلہ مصائب کا خاتمہ ہو اور اللہ تعالیٰ مزید ابتلا میں نہ ڈالے۔ اس کے احسانات کی حد نہیں اور ممکن ہے کہ یہ مصائب بھی اس کی حکمت کے رو سے میرے لئے رحمت ہی کا باعث ہوں ہم اپنے جہل اور غیب کی خبر نہ رکھنے کی وجہ سے اس کو مصیبت خیال کرتے ہیں۔

بہرحال یہ تو ذاتی حالات تھے جن کا مختصر ذکر اس لئے کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ دنیا میں فارغ کوئی نہیں۔

مجھے آپ کی علالت کی خبر مطلق نہیں ہوئی آپ کو مجھ سے یہ بدگمانی ہے کہ علی گڑھ کی فضا سے متاثر ہو کر آپ سے الگ ہو گیا ہوں۔ اختلاف رائے دوسری چیز ہے مگر میں نے بار بار آپ کو یقین دلایا ہے کہ اس اختلاف رائے کا ہماری ذاتی دوستی و محبت پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے ایک مسلمان کے پاس قسم کے سوا یقین دلانے کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں تو میں بقسم کہتا ہوں کہ میں آپ سے اپنی دوستی و محبت کے اسی جذبہ پر قائم ہوں جس پر علیگڈھ سے پہلے تھا۔ آپ کے وہ احسانات مجھے یاد ہیں جو آپ نے دار المصنفین پر فرمائے ہیں اور میری شرافت کے لئے یہی کافی ہے کہ میں آپ کا شکرگزار رہوں آپ اس باب میں برائے خدا کبھی شک نہ فرمائیں کہ مجھے اس سے بے حد تکلیف ہوتی ہے۔

آپ کو کیوں یقین نہیں آتا کہ سالہا سال سے مجھے عملی سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں اور سوائے ندوہ اور دار المصنفین کے میں کوئی دوسرا کام نہیں کرتا۔ علی گڈھ کا تعلق بھی کورٹ کے ہنگامہ تک رہا پھر مجھے کوئی خبر نہیں کہ کیا ہوا اور کیا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب سے بعض بعض جلسوں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ باتیں بھی ہوئیں۔ پارٹی پالٹکس سے نہ مجھے پہلے کبھی دلچسپی رہی اور نہ اب ہے۔

آپ کو شکایت ہے کہ آپ کی کتاب پر ریویو نہ ہوا۔ آپ کی کتاب لاکر اڈیٹر صاحب کو دے دی تھی پھر نہ آپ نے یاد دلایا اور نہ مجھے یاد آیا کہ میں پوچھتا۔ میں بھی آدمی۔ بھولتا بھی ہوں اور بھول بھی سکتا ہوں۔ آپ نے پوچھا تو ہوتا۔

آپ نے مولانا شبلی کے خطوط مانگے تھے وہ خطوط اور کاغذات میں گم تھے اور تلاش کی آلکسی سے پڑے رہے بارے ایک ضرورت سے کاغذات کو الٹ پلٹ رہا تھا تو وہ مل گئے اب پھر ڈھونڈتا ہوں خدا کرے جلد مل جائیں۔ رمضان کے روزوں کے اندر میں نے ایک گھنٹہ تک تمام کاغذات الٹے مگر وہ اس وقت نہیں ملے۔ مولوی عبد السلام صاحب آپ کے دوست گواہ ہیں۔ میں اب بھی کوشش کروں گا انشاء اللہ۔ جب وہ مل جائیں واپس ہوں گے۔

امید ہے کہ آپ میری طرف سے اپنا دل صاف رکھیں گے اور ویسا ہی سمجھتے رہیں گے جیسا پہلے سمجھا کرتے تھے — صفحۂ مہر ہراں نام و نشاں است کہ بود۔

حیات شبلی کے دیباچہ میں بھی آپ کی امداد کا ذکر آئے گا۔ والسلام

سید سلیمان

۳۰ ستمبر ۱۹۴۲ء

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۵۲)

مکرم۔ السلام علیکم۔ جوابًا عرض ہے۔ جہاں تک میری نظر ہے چھوٹی لڑکیوں کی تعلیم کے لئے گھر سے باہر کوئی چہار دیواری مسلمانوں نے نہیں بنائی۔ اور نہ مساجد میں اور نہ کتاب یعنی مکاتب میں لڑکوں کے ساتھ وہ نظر آئیں۔ صرف سواحل ہند میں ایک ساحلی شہر تھا۔ جہاں ابن بطوطہ کو لڑکیوں کے مکاتب نظر آئے۔ اوسکا بیان ہے کہ سواحلِ ہند میں ہنورہ کے مقام میں ۱۳ مکتب لڑکیوں کے تھے جلد ۳ صفحہ ۱۳۲ (مصر)۔

عملی تواتر سے جو واقعہ ثابت ہوتا ہے وہ وہی ہے جو اصغری خانم کے مدرسہ کا ہے۔ یا یہ کہ امراء اپنی لڑکیوں کے لئے کوئی معلمہ یا مستند و ثقہ و معمر معلم بپابندی پردہ مقرر کرتے تھے جیسا کہ سلاطین مغل کی خواتین زیب النساء وغیرہ کے احوال میں ہے۔

بے شبہ اعلی التعلیم جیسے علم حدیث وغیرہ میں یہ طریقہ بھی مذکور ہے کہ مساجد و محافل میں کسی استاد یا محدث کے املاء میں عورتیں بھی حاضر ہو کر سنتی تھیں اور روایت کرتی تھیں۔ بلکہ وہ بھی مجلس میں بیٹھ کر املاء حدیث کرتی تھیں۔ اور مرد تلامذہ و سامعین اونکو سنتے تھے۔ لیکن پہلی صورت میں عورتوں کا انتظام نشست الگ تھا۔ اختلاط نہ ہوتا تھا۔ جیسا کہ احادیث میں ہے کہ عورتوں کے لئے الگ انتظام ہوتا تھا۔ اور دوسری صورت میں بیچ میں پردہ حائل ہوتا تھا۔ جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ کے احوال میں ہے۔ یا اگر وہ بہت بوڑھی ہوتی تھیں تو کشف وجہ بھی کرتی ہوں گی۔ مگر تصریح میری نظر میں نہیں ہے۔

یہ بھی تھا کہ باپ اور بھائی اپنی عزیز بیٹیوں اور بہنوں کو خود اعلیٰ تعلیم دیتے تھے۔ اور اوس کی مثالیں بہ کثرت ہندوستان میں پہلے بھی تھیں اور اب بھی ہیں۔ اور بعض فقیہات اسلام کے تذکروں میں بھی ہے۔ بعض اپنے شوہروں سے علم حاصل کرتی تھیں۔ والسلام

۱۵ ستمبر ۱۹۴۳ء

سید سلیمان

بنام زبیری صاحب

(۵۳)

جونپور۔ بذریعہ ڈپٹی سید حسین صاحب۔ محب مکرم۔ السلام علیکم۔ میں اس وقت ضعف معدہ و ضعف اعصاب میں مبتلا ہوں۔ یہاں بغرض علاج مقیم ہوں۔ مشاغل دماغی سے کلیتہً احتراز ہے۔

سیرت شبلی ختم ہو گئی ہے اس کا مقدمہ و دیباچہ معارف نومبر میں مع فہرست چھپ رہا ہے۔

آپ اپنے محفوظات دماغی و تحریری سب سپرد قلم کر دیجئے۔ بہرحال وہ مفید ہوں گے اور آئندہ کام کرنے والوں کے لئے بطور مسالہ کے کام آمد ہوں گے۔

مسلم یونیورسٹی کے مباحث سے مجھے دور ہی رکھئے اعتراضات کی بجائے ڈیپارٹمنٹ کو اپنے مشورے دیں تو زیادہ بہتر اور پھر کوئی صیغہ اپنے مقام پر ہے۔ فقط عربی و فارسی اور دوسرے صیغوں پر بھی نظر ڈالیے۔

جی ہاں میاں سہیل سے فرصت ملی میاں سہیل محکمہ نمک میں انسپکٹر ہو کر مظفر پور (بہار) میں ہیں۔

بنام زبیری صاحب

(۴۹)

جناب مجی منشی محمد امین صاحب زبیری زاد لطفہٗ - السلام علیکم - آپ کے سر ابھی دو عزیز تو چپکے ہی ہوئے ہیں اب ایک تیسرا بھی چپکانا چاہتا ہوں - علیگڈھ گزٹ ۱۵ر دسمبر سنہ ۴۲ء میں ملفوفہ اشتہار چھپا ہے - میرے ایک نوجوان عزیز جو میرے پاس اسی قسم کا کام کرتے ہیں لیکن یہاں مشاہرہ کم پاتے ہیں - اس اشتہار کے مطابق اپنے کو پیش کرتے ہیں - درخواست تو انہوں نے حفیظ الرحمان صاحب حفیظ منزل میرس روڈ علیگڈھ کے نام بھیج دی ہے میں ان صاحب سے واقف نہیں اگر آپ کو واقفیت ہو اور ضرور واقفیت ہوگی تو آپ براہ مہربانی کوشش فرما کر تقرر کرا دیں - بہت ممنون ہوں گا - افسوس کہ قلم تطویل کا عادی نہیں ورنہ زیادہ لکھتا عزیزی سہیل ابھی تک ناکام ہیں - شاید ڈاکٹر صاحب نے حسب توقع دلچسپی نہیں لی - بہرحال ممنون ہوں کہ اس گرانی میں آپ ان دو ناخواندہ مہمانوں کی میزبانی فرما رہے ہیں -

کیا ان لوگوں کی کامیابی کی کوئی توقع ہے؟ آپ کی رائے سننی چاہتا ہوں - افسوس کہ میں اچھا نہیں ورنہ علیگڈھ خود آتا - گھر میں بھی علالت ہے - والسلام

۲۲ر دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء — سید سلیمان

بنام مالک رام

(۵۰)

دار المصنفین اعظم گڈھ - مکرم تسلیم - آپ کے خط ملتے رہتے ہیں - معلوم نہیں کہ جواب بھی آپ کو ملتا ہے یا نہیں - ہندوستان خوش ہے اور انتظار کے دن دیکھ رہا ہے -

آپ کی کتاب کا مسودہ اب تک میرے پاس رکھا ہوا ہے - اس میں چند باتیں تنقید کے قابل ہیں یہاں کسی کا نام بتایئے تو اس کو یہ امانت سپرد کردوں -

۹ر فروری سنہ ۴۳ء — سید سلیمان

بنام مولوی عبدالرزاق صاحب مولف البرامکہ

(۵۱)

دار المصنفین اعظم گڈھ - مکرم السلام علیکم " یاد ایام " کی اصل اور کاپیاں واپس مرسل ہیں - میں دوبارہ عرض کرتا ہوں کہ آپ نے مولانا شبلی کے حال میں غایت بے تکلفی سے بعض ایسے واقعات نقل کئے ہیں جو احباب کے لئے اور وہ بھی آغاز شباب کے لئے ہوتے ہیں - دور جوانی انند چنانکہ تو دانی - مگر اب جب وہ اواخر عمر میں ایک مقدس کام کے بانی ہوئے ان کا تذکرہ کرنا اور لکھنا بالکل نامناسب ہے گناہ کا ستر چاہئے نہ کہ تشہیر اس لئے از راہ عنایت بلکہ اس دوستی کے واسطے سے جو آپ کو مولانا مرحوم سے تھی یہ عرض کرتا ہوں کہ ان واقعات پر پردہ ڈالئے تاکہ ان کا نام نیک ضائع نہ ہو اور یوں بھی عیب و گناہ کا برملا اظہار اور فخر مسلمان کے لئے زیبا نہیں آپ کا یہ فرمانا کہ " عطیہ بیگم صاحبہ کی علمی قدر دانی نے مولانا کی فارسی شاعری میں نئی روح پھونک دی تھی " بالکل غلط واقعہ ہے غزلوں کا آغاز سنہ ۱۹۰۵ء سے ہوا ہے اور خطوط و ملاقات کا سلسلہ سنہ ۱۹۰۸ء سے ہے والسلام سلیمان ۸/۲/۴۳

۱۹۴۴ء ۸ پرچے - اپریل، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر۔
۱۹۴۵ء فروری، مارچ، جون، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر۔

لغتہ وار جبہ کے متعلق مولانا شبلی صاحب اپنے سفرنامہ سے (؟ میں) جو کچھ لکھ چکے ہیں - یا میری لغات جدیدہ میں جو کچھ ہے، اوسکو پڑھ کر لکھیں۔

کہیئے آپ نے اتنے دنوں تک مسلمانوں کو تو دیکھا، اسلام کو بھی دیکھا۔ وہ اسلام نہیں، جو بازاروں میں اور شہروں میں ہے - وہ اسلام جو کتابوں میں ہے - میرے خطبات مدراس کا عربی میں ترجمہ ہو رہا ہے - کیا کسی اچھے عربی پریس میں آپ اوس کے چھپوانے کا بندوبست کر سکتے ہیں - میں اپنے مصر کے پرانے احباب سے بالکل لاعلم ہوں، ورنہ اون سے کام لے سکتا تھا - یہ خطبات سیرۃ نبوی پر ہیں - والسلام

۲۴ مارچ ۱۹۴۶ء

سید سلیمان

بنام مالک رام

(۵۶)

مکرم تسلیم و تحیت - والا نامہ ملا - بل مرسل ہے - خطبات مدراس ہنوز عربی میں مکمل نہیں ہوئی ہے۔ ضخامت غالباً ۲۰۰ صفحوں کی ہوگی - تقطیع معارف کی۔

بحمد اللہ اچھا ہوں - گو کسی کام کے قابل نہیں۔

خطوط شبلی معمولی خطوط ہیں - حسن و عشق کی داستان کا رنگ اوسکو مولوی عبدالحق اور امین زبیری نے دیا ہے - نہ مجھے اوس سے واقفیت اور نہ وہ میرے علم میں ہے - اس لئے میں لکھنے سے قاصر ہوں - جو صاحب اس سے واقف ہوں - . . . . وہ لکھیں - چنانچہ امین زبیری نے ابھی تبصرہ بر حیات شبلی لکھا ہے اور چھاپا ہے - اوس میں ان واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے، جو سرتاپا ظن فاسد ہے والسلام

۱۶ جون ۱۹۴۶ء

سید سلیمان

بنام تمکین کاظمی

(۵۷)

مکرم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ - نوازش نامہ ملا - ادبی خدمت کا یہ نیا جوش مبارک ہو - باقی میرا حال تو یہ ہے۔

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں　　اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند

(as printed: گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے کے　　اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند)

معذرت خواہ ہوں - والسلام

بھوپال ۱۳ نومبر ۱۹۴۶ء

سید سلیمان

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۵۸)

بھوپال - مکرم - السلام علیکم و رحمۃ اللہ - قرآن پاک کے اس مبارک نسخہ کا صدقہ ہے کہ آپ کا سواد خط ان نورانی حرفوں میں نظر آیا - الحمد للہ بخیر ہوں - اور داعی خیر۔

میاں عاصم نے پٹنہ میں وکالت شروع کی۔ والسلام

۳۱ر اکتوبر ۱۹۴۳ء　　　　سید سلیمان

(۵۴)

بنام مالک رام

دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ کرمفرمائے من آداب عرض ہے۔ ایک زمانہ کے بعد آپ نے یاد فرمایا۔ گزشتہ زمانہ میں تو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ جو جہاں ہے وہ وہاں ہے بھی یا نہیں۔ خیر یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ آپ اپنی جگہ پر ہیں اور بخیریت ہیں۔

آپ نے میرے خط نہ لکھنے کی شکایت کی ہے۔ صحیح ہے ایک تو بعد مکانی، پھر میری صحت کی خرابی اور اس پر سستی جو تقاضائے عمر و طبیعت ہے۔ یہ سب امور اب جمع ہیں۔ اس لئے بجز اس کے احباب معاف فرمائیں اور کیا عرض کیا جاسکتا ہے۔

آپ کے مضمون میں بعض باتیں تصحیح طلب ہیں مضمون پر نشان بنادیا گیا ہے۔ اور الگ کاغذ پر ایک نوٹ بھی ہے۔ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اس زمانہ کے کسی مدعی اجتہاد اہل قرآن سے مشورے لئے ہیں۔ وہ انکے ذاتی افکار ہیں۔ ان کا تعلق اسلام کے قانون و شریعت سے نہیں۔

آپ کا یہ مضمون آپ کے دوست کے نام بھیجا جارہا ہے۔

نگار میں نہیں دیکھا۔ آپ کا جو مضمون اوس میں نکل رہا ہے، وہ بھی نہیں دیکھا۔

اب تو پابندیاں کم ہورہی ہیں۔ کچھ مصر کے اجتماعی و تمدنی و اخلاقی و تعلیمی احوال و جزئیات سے باخبر کرسکتے ہیں۔ اوسکا مستقبل آپ کی نگاہ میں کیا ہے۔

معارف کے لئے کنٹرولر کو لکھا جائے گا۔ دیکھئے کیا جواب ملے۔ والسلام۔

۳۰ر دسمبر ۱۹۴۵ء　　　　سید سلیمان ندوی

(۵۵)

بنام مالک رام

دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم تحیت و تسلیم۔ آپ کا والا نامہ ملا۔ آپ نے معارف کے ساتھ جس محبت اور قدردانی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ مستحق شکریہ ہے۔ ڈاکخانہ سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مصر پارسل نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے حیات شبلی و سیر افغانستان بھیجنے سے معذوری ہے۔

دفتر سے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ گزشتہ برسوں کے حسب ذیل پرچے مل سکتے ہیں۔ باقی آوٹ آف اسٹاک ہیں۔

سنہ ۴۱ء مکمل ۱۲ پرچے ہیں۔

سنہ ۴۲ء ۸ پرچے۔ مارچ، اپریل، مئی، جون، جولائی، اکتوبر، نومبر، دسمبر

سنہ ۴۳ء ۴ پرچے۔ مارچ، اپریل، نومبر، دسمبر

بنام مولوی عبدالباری بی اے (علیگ)

(۶۱)

مکرمی - السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ - آپ کا عنایت نامہ ملا۔ زبیری صاحب نے حضرت مولانا شبلی نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے اخلاق کا آئینہ ہے۔ میں نے ان کی کتابیں تو پوری پڑھیں اور نہ ان کے جواب دینے کا کبھی ارادہ کیا۔ آپ اگر جواب لکھنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو روکتا نہیں تاہم میں اپنی طبیعت کی بنا پر زبیری صاحب کو اپنی موت آپ مرجانا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ تاہم اگر آپ اس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہیں تو شام کو عصر و مغرب کے درمیان میرے غریب خانہ پر مل سکتے ہیں جو انڈیا ہائی کمشنر جہانگیر روڈ کے پاس چمن اسٹریٹ میں ہے مکان کا نام ڈار منزل ہے۔ دروازہ پر نام کا بورڈ لگا ہوا ہے

والسلام - کراچی ۲۲ رجولائی ۱۹۵۳ء

سید سلیمان

ملکاپوری صاحب کا بیان جب تک کسی قدیم سند پر مبنی نہ ہو وثوق کے قابل نہیں۔ سلاطین کے کتب خانوں میں عموماً اون کے کتب خانوں کی کتابوں پر مہریں ہوتی تھیں۔ ان مہروں سے اس نسخہ پاک کا خالی ہونا اوس کی نسبت کو مشکوک بناتا ہے۔

نسخہ کی آخری عبارت ضعیف عباد اللہ اگر آپ نے صحیح نقل کیا ہے تو غلط ہے۔ اضعف عباد اللہ چاہیئے جیسے اس کے بعد و اعجز خلق اللہ ہے۔ پھر نام کے آخر میں الحسنی الحسینی لکھا ہے۔ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے طریق کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کی تصنیفات غنیۃ الطالبین وغیرہ میں اس طرح نہیں کہیں لکھا گیا ہے۔ علمائے عراق عربی و فارسی دونوں پر قدرت رکھتے ہیں۔ تاہم ان اشعار کی زبان میں کسی قدامت عہد کا اثر نہیں معلوم ہوتا۔ اصل شے خط اور کاغذ کی پہچان ہے۔ یہ اشعار اگر نستعلیق میں لکھے ہوئے ہیں تو وہ پھر حضرت سیدنا شیخ جیلانی قدس سرہ کا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ خط نویں صدی میں ایجاد ہوا ہے۔ عربی خط سے بھی کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

۲۰ر جنوری ۱۹۴۷ء　　　سید سلیمان ندوی

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۵۹)

مکرم السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ آپ کا والانامہ ملا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ آپ کے لئے معلومات کا تحفہ پیش کروں۔ مگر یہاں کتابیں نہ میرے پاس ہیں نہ دوسروں کے پاس ہیں۔ اس لئے معذوری رہی۔ اور امروز فردا میں معاملہ ٹلتا رہا۔ بہتر ہے کہ آپ سید صباح الدین عبدالرحمان رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ سے مغلیہ دور کی کوتوالی کے فرائض کے متعلق دریافت کریں۔ وہ ان چیزوں پر کتاب لکھ رہے ہیں اور وہاں ماخذ بھی موجود ہیں۔

غواصی کا دیوان بڑی غواصی کے بعد آپ کو ہاتھ آیا۔ اب یہ در نایاب آپ کو مبارک۔ معارف کے نمائش خانہ میں میں بھی اوسکو دیکھوں گا۔

حیدرآباد آنا بلا تقریب تو ہوتا نہیں۔ اور کوئی مستقل تقریب ابھی تک پیدا ہوئی نہیں۔ اور یوں بھی اب وہ آزادی نہیں۔ پابندی ہے۔ والسلام

بھوپال ۱۶ر اکتوبر ۱۹۴۷ء　　　سید سلیمان

بنام تمکین کاظمی

(۶۰)

مکرم السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ الحمد للہ بخیریت ہوں اور تماشائے روزگار دیکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلوں کو حل فرمائیں۔ معلوم نہیں آجکل آپ کے ادبی مشاغل کیا ہیں۔ والسلام

بھوپال ۱۲ر اپریل ۱۹۴۹ء　　　سید سلیمان

خواجہ بابا[1] کی آنکھ کیسی ہے۔ آپ تو آج کل وائسرائے کی آمد میں مصروف ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انجام خیر فرمائے۔ اور آپ کی خوشی دیکھنی اور سننی نصیب ہو[2]

۳ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ — ۱۲ نومبر ۱۹۲۳ء دعاگو: حسن نظامی

لنگر شریف کے لئے جو ماہوار آپ کے ہاں سے مقرر ہے عرس کے قریب آجائے تو مصارف لنگر میں کام آئیگی۔

بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد

(۳)

دین بسیرا۔ درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی دہلی — تار کا پتہ 'خواجہ دہلی'

ہماری شاہ صاحب السلام علیکم۔ خط رجسٹرڈ مورخہ ۱۲ ردسمبر وصول ہوا۔ درویش کے مضمون میں جماعت علی شاہ صاحب ہی کے واقعہ کا اشارہ تھا۔ آپ مجھ سے پہلے اس قصہ کو فرما چکے ہیں۔

اگرچہ آپ کا خیال بلحاظ تدبیر درست ہے کہ جماعت علی شاہ صاحب جیسے لوگ ان جوابات سے قائل نہیں ہوں گے۔ بلکہ اور ضد کریں گے۔ مگر ملک میں ان کے علاوہ بھی ایک جماعت کثیر ایسی ہے جو اس قسم کے مضامین شائع ہونے سے بدگمانیوں اور فضول افواہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے میں نے وہ مضمون شائع کرنا ضروری سمجھا اور مناسب معلوم ہوا تو آپ کا یہ خط بھی خانگی الفاظ قلم زد کرنے کے بعد شائع کردیا جائے گا۔ کہ اس خط میں نہایت مخلصانہ سچی تحریر ہے۔ اگر خط شائع ہوا تو جماعت علی شاہ کا قصہ درج نہ ہوگا۔

میں کل ایک خط آپ کو لکھ چکا ہوں۔ اور دو تار بھی آپ کو دئے ہیں۔ امید ہے کہ وصول ہوئے ہوں گے۔ میں خود آمنے سامنے ملنا اور بات چیت کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ خدا کے فضل سے حور بانو کو بھی اب آرام ہے۔ یعنی قابل فکر حالت نہیں ہے۔ شادی اگر مقرر ہوگئی تو فوراً چلا آؤں گا، ورنہ پندرہ دن کے بعد ارادہ ہے۔ محض آپ ہی سے ملاقات کرنی چاہتا ہوں کہ مریدوں کی بھیڑ بھاڑ سے بچکر کہیں ٹھہروں۔ خواجہ بابا اور بچوں کو دعا

۱۵ ردسمبر ۱۹۲۳ء دعاگو: حسن نظامی

بنام صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ

(۴)

"مقیم خانہ باغ" ڈیوڑھی مہاراجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم بہادر — حیدرآباد دکن۔

عزیزہ ہمایوں بانو۔ السلام علیکم۔ خط ملا۔ لکھی ہوئی تقریر تبلیغ نسواں کے لئے دہلی چلی گئی ہے۔ چھپ کر آنے والی ہے۔

میں آج مہاراجہ کے مکان میں سب کو لے کر جا رہا ہوں اور آج کسی وقت آپ سے ملنے آؤں گا۔

---

[1] اشارہ ہے خواجہ پرشاد کی طرف۔ مہاراجہ کو ہندو رانیوں سے لڑکیاں تھیں، کوئی لڑکا زندہ نہ رہا تھا۔ خواجہ صاحب کی دعا سے جب لڑکا ہوا تو اس کا نام خواجہ پرشاد رکھا۔ چنانچہ یہی لڑکا ان کا جانشین ہوا۔ حالانکہ مسلمان بیویوں سے اس سے بڑی عمر کے لڑکے موجود تھے۔ خواجہ پرشاد نے اپنے والد کے بعد چند سال کے اندر ہی بمبئی میں مشتبہ حالات میں وفات پائی۔

[2] مہاراجہ آخر میں تیسری مرتبہ حیدرآباد کے صدر اعظم ہوئے اور خواجہ صاحب نے یہ خوشی بھی دیکھ لی

خواجہ حسن نظامی

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱)

بھائی جی وصدقی صاحب۔ السلام علیکم۔ ایک مہینہ لگاتار سفر کاٹھیاواڑ و گجرات و دکن میں سرگرداں رہا۔ اثنائے سفر میں آپ کا عنایت نامہ ملا تھا مگر افسوس ہے کہ جواب لکھنے کی فرصت میسر نہ آسکی۔

آپ پنجاب کے پہلے اخبار نویس ہیں جنہوں نے اصلی خلوص و محبت سے اپنا فرض محسوس کیا۔ خدا تعالیٰ آپکو جزائے خیر دیگا۔[۱]

میں پرسوں سفر سے آیا ہوں اور کام کی کثرت ہے۔ فرصت میں غور کروں گا۔ اور اپنے سفر کے نتائج سے بھی آگاہ کیا جائے گا۔ قادیانیوں کا ذکر بھی ضروری تھا۔ کیونکہ اس وقت تو ہم کو توجہ دلائی ہے اور جذبات مہیا کرنے ہیں۔ کام کے وقت ہر شے تقسیم اور علحدہ ہو جائے گی۔

۲۷ر نومبر ۱۹۱۷ء

دعاگو حسن نظامی دہلی

بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد

(۲)

یرن بسیرا، درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی دہلی۔

غماری شاہ صاحب[۲]۔ السلام علیکم۔ مدت سے خط نہیں آیا۔ میں بھی ایک مہینہ سے سفر میں تھا۔ حور بانو کا اب تک وہی حال ہے۔ ناسور اور بخار کی تکلیف قائم ہے۔ ۱۷-۱۸ ربیع الثانی کو حضرت محبوب الٰہیؒ کا سالانہ عرس ہوگا۔ اطلاعاً مرقوم ہے۔ بیت المقدس سے ایک وفد آیا ہے۔ پرسوں وائسرائے نے ان کی دعوت کی تھی اور اعلیٰ حضرت حضور نظام کے نام اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھ کر ان کو دیا ہے۔ وہ آج حیدرآباد کی طرف روانہ ہوئے ہیں اطلاعاً لکھا گیا۔

---

[۱] مولانا ظفر علی خاں نے "ستارۂ صبح" کے نام سے ایک اخبار نکالا تھا۔ جو پہلے ہفتہ وار تھا۔ بعد ازاں روزانہ ہو گیا۔ اس میں غلط قسم کے تصوف اور غلط قسم کے پیروں کے خلاف بھی مضامین شائع ہوئے تھے۔ جس سے بعض حلقہ ہائے تصوف میں مخالفت شروع ہو گئی۔ فوق صاحب نے اس زمانے میں رسالہ "طریقت" جاری کر رکھا تھا۔ جس میں بعض مضامین صحیح قسم کے پیروں کی حمایت میں شائع کئے گئے۔ خواجہ صاحب کا یہ اشارہ اسی طرف ہے۔

[۲] خواجہ صاحب اپنے خلفا کو خطاب دیا کرتے تھے۔ مہاراجہ کشن پرشاد کو انہوں نے غماری شاہ کا خطاب دیا تھا۔

ہے۔ جس میں ہر ہفتہ چار صفحے انگریزی کے، دو عربی کے، دو فارسی کے ہوں گے اور عورتوں اور بچوں کے لئے مخصوص مضامین درج کئے جائیں گے۔ (اس کا نام منادی ہوگا۔ ۲۲ صفحہ کا ہوگا)

میں چاہتا ہوں کہ ہر ہفتہ آپ اور ہمایوں بانو ایک ایک مضمون اس اخبار کے لئے بھیج دیا کریں۔ آپ کی ساری زندگی خدمت ملک و قوم میں گزری ہے اس لئے امید ہے کہ آپ دونوں اس بڑے قومی کام کے لئے وقت نکالیں گے۔

آپ انگریزی میں لکھیے اور ہمایوں بانو اردو میں۔ ہر خط کا مضمون ہمیشہ ایک مقررہ نصب العین کے لئے ہونا چاہیے۔ جو خود آپ اپنی آسانی کے موافق منتخب کر سکتے ہیں۔ خط بہت بڑا نہ ہو۔ مختصر کافی ہے۔ تاکہ پابندی سے لکھ سکیں۔

میرے خیال میں آپ کا خط ممالک اسلامیہ میں آثار بیداری کے لئے مخصوص ہوا کرے۔ . . . .
. . . . تاکہ عربی ممالک اور ایران و افغانستان و ہندوستان کی سیاسی مجلسی علمی مذہبی تحریکات کا ذکر آسکے۔

ہمایوں بانو مسلمان عورتوں کی بیداری عنوان مقرر کریں اور ہر ہفتہ مختصر طور پر حیدر آباد یا دنیا کے کسی ملک کی مسلمان عورتوں کی نسبت خط لکھ دیا کریں۔ یہ اخبار تمام یورپ و امریکہ اور اسلامی ممالک کے اخباروں اور اہل حکومت اور نامی لوگوں کے پاس مفت جائے گا۔

جمعہ کے دن پابندی کے ساتھ یہ دونوں خط لکھوا کر ڈاک میں ڈال دیا کیجئے۔ بہت عنایت ہوگی میں چاہتا ہوں تمام دنیا آپ دونوں کے قلم سے فیض یاب ہو۔

۲ رجنوری ۱۹۳۴ء　　　　دعاگو: حسن نظامی

پہلے پرچہ کے لئے خط دیکھتے ہی مضمون لکھ دیجئے تاکہ ابتدا سے آپ اس تاریخی اخبار کے ساتھ ہوں۔

بنام صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

(۸)

از دفتر اخبار منادی دہلی۔ محترمہ ہمایوں بانو صاحبہ

دعا کے بعد عرض ہے کہ میں گزشتہ وعدوں کی تلافی کے لئے آپ کے ہاں ایک ہفتہ قیام کرنا چاہتا ہوں۔ اکتوبر کے شروع یا ستمبر کے آخر میں آنا ہوگا۔ مگر سنا ہے کہ حیدر آباد میں طاعون شروع ہوگیا ہے مطلع کیجئے کہ خبر کہاں تک درست ہے اور آپ کے اطراف میں کیا حال ہے۔ سید صاحب کو سلام مسنون۔

۱۷ رستمبر ۱۹۳۴ء　　　　دعاگو: حسن نظامی

بنام صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

(۹)

از دفتر منادی دہلی۔ محترمہ ہمایوں بانو صاحبہ

السلام علیکم۔ خط ملا۔ خدا سید صاحب کو صحت عطا فرمائے۔ دعا ہو رہی ہے تعویذ روانہ کرتا ہوں۔ عنبر لیتھی

سید ہمایوں مرزا صاحب کو تسلیم - اُن کی علالت کی خبر نہ تھی - دو تین بجے تک اُن سے اور آپ سے ملنے آؤں گا۔

۳۰ رجولائی ۱۹۲۹ء   دعاگو: حسن نظامی

ریلوے کے کاغذات مرسلہ سید صاحب وصول ہو گئے ہیں۔

بنام سید ہمایوں مرزا صاحب

(۵)

مخلص نواز جناب سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹر

السلام علیکم - میں یہ خط خصوصیت سے آپ کی خدمت میں اس لئے لکھتا ہوں کہ آپ کو ملک و قوم کی موجودہ حالت کا پورا احساس ہے - اور آپ کے دل میں اصلاح و ترقی کا ایک خاص درد ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ نئے تمدن و تہذیب اور قدیمی تمدن کے باہمی تصادم کے موجودہ زمانہ میں جب کہ سیاسی خیالات اور مذہبی عقائد میں انقلابات بھی پیدا ہو رہے ہیں بڑی ضرورت ہے کہ ہم سب اپنے ملک و قوم کی عورتوں کو ہر انقلابی خطرہ سے بچائیں اور ان کو اپنی اولاد کی عمدہ تعلیم و تربیت کے لئے تیار کریں - اور ان میں قومی و ملکی احساس کو بڑھائیں - اور مختلف صوبوں کی عورتوں کو باہم متحد کریں۔

اس کے لئے تجویز ہے کہ جنوری ۱۹۳۰ء سے ایک ہفتہ وار زنانہ اخبار جاری کیا جائے جو با تصویر ہو اور جس میں عکسی اور لیتھو کی تصویروں کے ذریعہ عورتوں کی اصلاح و ترقی اور متحد ہونے کے لئے مضامین شائع کئے جائیں - اس اخبار کا نام "عورتوں کا اخبار" ہو اور وہ دہلی سے میں خود جاری کروں - اس کی قیمت چار روپے سالانہ ہو - اور اس کا ایک ماہوار ایڈیشن بھی ہو جو ایک روپیہ سالانہ میں دیا جائے تاکہ غریب لوگ بھی فائدہ اٹھا سکیں

پس یہ خط اس لئے لکھتا ہوں کہ پہلے آپ کا مشورہ حاصل کر لیا جائے کہ آپ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں یا نہیں - اور اس بڑے کام میں کچھ مدد دے سکتے ہیں یا نہیں۔

۱۹ رنومبر ۱۹۲۹ء   دعاگو: حسن نظامی

بنام منشی محمد الدین فوق

(۶)

مخلص نواز و صدقی صاحب۔

السلام علیکم - آپ کے خط کے جواب میں بہت دیر ہو گئی - کیونکہ میں بہت بیمار تھا - آپ کی کتاب "تاریخ کا روشن پہلو" بیماری کے زمانہ میں سرہانے رہتی تھی اور میں اس کو بار بار پڑھتا تھا - اب انشاء اللہ اس کی نسبت روزنامچہ میں لکھوں گا۔

۱۴ راپریل ۱۹۳۲ء   دعاگو: حسن نظامی، درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی۔

بنام سید ہمایوں مرزا

(۷)

از دفتر خواجہ حسن نظامی - دہلی - مخلص نواز سید ہمایوں مرزا صاحب۔

السلام علیکم - امید ہے کہ ہمایوں بانو اور آپ خیریت سے ہوں گے - میں نے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا

بنام ڈاکٹر زور

(۱۲)

مخلص نواز ڈاکٹر زور صاحب

السلام علیکم۔ حیدرآباد سے واپس آنے کے بعد اتنا زیادہ مشغول ہوا کہ آپ کو تاناشاہ کے حالات اور ٹیپو سلطان کے حالات کی نقلوں کی یاددہانی نہ کرا سکا۔ اب یہ خط خیریت طلبی اور دونوں کتابوں کے حصول کی خود مطلبی سے ارسال خدمت کرتا ہوں۔ سجادہ نشین صاحب[1] کی خدمت میں تعظیم۔

۱۵ر اپریل ۱۹۴۶ء   مخلص حسن نظامی

یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ زاہد حسین صاحب نے آپ کے عزیز کے لئے کچھ کیا یا نہیں جن کی میں نے سفارش کی تھی اور آپ کے کتب خانے کے واسطے بھی کچھ ہوا یا نہیں۔   حسن نظامی

بنام ڈاکٹر زور صاحب

(۱۳)

مخلص نواز زور صاحب

السلام علیکم۔ مکتوب گرامی مورخہ نسیان پہونچا۔ بہت خوشی ہوئی کہ آپ کی خانقاہ میں کتب خانہ قائم ہوا۔ منادی میں بھی اس کا ذکر کروں گا اور زاہد حسین صاحب کو بھی خط لکھوں گا۔ اب مطلوبہ کتب کی نقل نہ بھیجئے۔ کیونکہ میں اب کچھ دن آرام کرنا چاہتا ہوں۔

سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں تسلیمات۔

۱۶ر اپریل ۱۹۴۶ء   مخلص حسن نظامی

بنام ڈاکٹر زور

(۱۴)

ہادی منزل۔ باغ عام روڈ۔ حیدرآباد - برادر محترم ڈاکٹر زور صاحب۔

آداب عرض ہے۔ جواب نامہ ملا۔ شکریہ۔ میں پنجشنبہ سے ہادی منزل میں منادی کے انتظامات کے لئے آ گیا ہوں۔ املا نویس اور عمدہ کاتب کی بہت ضرورت ہے۔ اگر کوئی عمدہ اور زود نویس خوش خط املا نویس آپ مہیا کر سکیں تو ایک روپیہ گھنٹہ اجرت دوں گا۔

اور کاتب ایسا ہو جو میرے یہاں رہ کر کام کرے تو بہت ہی اچھا ہو تاکہ میں دہلی کے مروجہ اصول کتابت بتاتا جاؤں ورنہ یہاں کا طرز تحریر باہر والوں کو پسند نہیں آئے گا۔

بہت عنایت ہوگی اگر آپ اس کام میں سعی فرمائیں گے۔

حضرت شاہ صاحب[2] کی خدمت میں استدعائے دعا۔ وہ معصوم ہیں اُن کی دعا ضرور قبول ہوگی۔

۳۰ر نومبر ۱۹۴۷ء   مخلص حسن نظامی

---

[1] میرا (ڈاکٹر زور کا) لڑکا سید شاہ تقی الدین احمد قادری جو اپنے دادا حضرت مشکل آسان ثانی کی درگاہ کا سجادہ نشین ہے۔

[2] میرے لڑکے سید شاہ تقی الدین قادری کو سجادہ نشین ہونے کی وجہ سے خواجہ صاحب بہت چاہتے اور تعظیم دیتے تھے۔

کپڑے میں سی کر گلے میں ڈال دیجئے۔
آپ کا دوسرا خط تازہ منادی میں شائع ہوا ہے۔ خیریت لکھئے۔ یہاں سب کو فکر ہے۔ اور سب دعا مانگ رہے ہیں
۲۰ رجمادی ۱۹۳۶ء   دعاگو۔ حسن نظامی
دو حرسے خاص طور سے دعا کرائی جاتی ہے۔

بنام بشیر النسا بیگم صاحبہ بشیر
(۱۰)

حیدرآباد دکن بشیر منزل ویرپوڑہ
آج رات کو دس بجے میں نے بشیر منزل میں دکن کی مشہور ہونہار شاعرہ بشیر النسا بیگم بشیر کا سلام ان کی زبان سے سنا۔ ان کے شوہر مرزا ضامن علی صاحب اور ان کے بڑے بھائی مرزا محمد نادر علی صاحب وکیل بھی موجود تھے بشیر کا کلام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دیکھا بھی تھا۔ اور دوسروں سے سنا بھی تھا۔ مگر خود بشیر کی زبانی ان کا کلام سننے کا آج پہلا موقع تھا۔ وہ مرد شاعروں کی طرح بن بن کر نہیں پڑھتیں۔ بلکہ جس طرح ان کا کلام بے ساختہ ہوتا ہے ایسے ہی ان کے پڑھنے کا طرز بھی بناوٹ سے پاک ہوتا ہے بہت سلاست اور سادگی سے وہ اشعار ادا کرتی ہیں۔ جس سے ان کی موزوں طبیعت کی روانی اور صفائی ظاہر ہوتی ہے۔
اہل دکن خوش نصیب ہیں کہ ان کی عورتوں میں بشیر جیسی ہونہار شاعرہ ہیں۔ آج ان کے دستر خوان کی نفاست کو دیکھ کر میں نے سمجھا کہ دستر خوان پر کھانوں کی شکل میں بھی غزلیں نظر آتی ہیں۔ کھانوں کی ترتیب میں تمیز اور سلیقہ تھا۔ مگر ایسا سلیقہ جو شاعری کی شان دکھاتا تھا۔ کوئی کھانا اور اس کی نشست شاعری کی تختی سے خارج نہ تھی۔ میں اگر شاعر ہوتا تو بتا دیتا کہ کھانے اس ترتیب سے چنے گئے ہیں کہ کہیں رباعی ہے، کہیں خمسہ ہے، کہیں تضمین ہے کہیں طرح کا مصرع ہے، کہ اکیلا میٹھا پکار رہا ہے کہ نیچے گرہ کا مصرع لگائیے۔
بہرحال شاعر نہ ہونے کے باوجود میں یہ داد شاعرانہ زبان میں لکھ رہا ہوں کہ حیدرآباد میں اور اس کے ملکیار شعراء میں ایک نا موزوں غزل کی طرح یادگار رہے۔ آخر میں میری دعا ہے کہ بشیر کو خدا اتنے دن زندہ رکھے کہ اردو زبان تمام ملک میں قومی بولی تسلیم کر لی جائے۔ اور ہر گھر بشیر کے کلام کی دھوم مچے۔
۱۲ راگست ۱۹۳۹ء   راقم حسن نظامی دہلوی مسافر

بنام بشیر النسا بیگم صاحبہ بشیر
(۱۱)

دختر روحانی بشیر النسا بیگم چمن آرا اور ان کے شوہر مرزا ضامن علی صاحب کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ میری صحت کا شیرازہ ایسا بکھرا ہے کہ ہر روز کوئی نہ کوئی تکلیف پیش آتی ہے۔ ایسی حالت میں حیدرآباد آنا بہت مشکل ہے۔ حیدرآباد آنا ہو یا نہ ہو تم دونوں میاں بیوی کے دلوں میں پہلے بھی تھا اب بھی ہوں آئندہ بھی رہوں گا اور تم دونوں بھی میرے دل میں اور میرے تصورات میں ہمیشہ نفس کا مجرا بنتے ہو۔
۴ دسمبر ۱۹۳۹ء   دعاگو حسن نظامی

میں تو اب سید محفوظ علی کے پاس جانے والا ہوں جن کے آپ شروع سے رفیق کار تھے اور آپ کو اپنی جانشینی دینی چاہتا ہوں۔ ایسی جانشینی نہیں جس میں میری اولاد کو آپ سے اختلاف ہو بلکہ ایسی جانشینی جس کا ذکر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے آخر وقت کیا تھا کہ میرا جانشین وہ ہے جو اپنا حصہ چھوڑ دے اور چونکہ میں نے ساری عمر اس پر عمل کیا یعنی درگاہ کی آمدنی کا حصہ چھوڑا اور اسی قسم کے بہت سے حصے چھوڑے اس واسطے میں یقین کے ساتھ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا جانشین ہوں اور اب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی جانشینی شریمان وحید احمد کے حصے میں آئے گی جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے پیرزادے اور ان کے ہم وطن ہیں۔ فلسفوں کے الجھاؤ سے باہر آئیے اور ڈوبنے والوں کو بتائیے کہ تم سب بھول گئے ہو اور بھول کی وجہ سے ڈوب رہے ہو ورنہ درحقیقت تم سب کو تیرنا آتا ہے۔ تیرو اور پار نکل جاؤ۔ جس سیاسی ماحول میں آپ کی نشوونما ہوئی ہے۔ اس کے تیرنے کی مجھے امید نہیں ہے۔ وہ تو ڈوب کر رہے گا۔ میں تو اس حال کا اشارہ کرتا ہوں جس کا ذکر لاحول میں ہے اور جس لاحول سے لوگ نفرت کرتے ہیں اور جس لاحول کو لوگ شیطان کا کوڑا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس حول کے ساتھ قوت کا لفظ موجود ہے یعنی جس ماحول سے قوت پیدا ہوتی ہے وہ ماحول اللہ دیا کرتا ہے۔

۳۰ مارچ ۱۹۵۰ء　　　مخلص حسن نظامی

(۱۸)　<u>بنام مولینا وحید احمد صاحب فریدی رئیس شیخوپور (بدایوں)</u>

محرم راز مولوی وحید احمد صاحب۔

السلام علیکم۔ چار صفحات کا مکتوب گرامی پہنچا۔ اُس وقت جبکہ میں دونوں ملکوں کے بڑے وزیروں کو اپنے ہاں قوالی کی مجلس میں بلاوا دینے کے خط بھیج رہا تھا۔ "گرد راہ" کی رجسٹری بھی ملی۔ لالہ الوپ سنگھ کو بھیج دونگا لالہ مول چند کے لئے جتنا آپ کر چکے ہیں وہی کافی ہے اور زیادہ فکر کرنا تضیع اوقات ہے۔ ہر چیز کی ایک حد ہونی چاہئے۔ مجھے اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جو لوگ ذاتی خواہشوں میں اتنے زیادہ ڈوبے ہوئے ہیں وہ قدرت کے موجودہ عطیئے کو سنبھال نہیں سکیں گے۔ میری قوم بھی اسی گناہ میں مبتلا ہے۔ ہر انسان فطرتاً ذاتیات کا دلدادہ ہوتا ہے اور میں بھی ذاتیات کا دلدادہ ہوں مگر خدا نے یہ نعمت دی ہے کہ اپنے نیک و بد حالات کو ترازو میں تول سکتا ہوں اور خود پسندی میں ایک حد کے اندر رہتا ہوں۔ تصوف کی اصلیت کتاب میرے پاس نہ رہی تھی۔ اچھا ہوا کہ آپ نے اور بھیج دی۔ اب میں اس پر بھی کچھ لکھوں گا۔ آپ کا خط حقائق و معانی کا دریا ہے اور میں بڑھاپے اور بیماری اور .. .. گرد و پیش کے افکار کے سبب خیالات کو یکسو کر کے سب مندرجات کا جواب نہیں لکھ سکتا تاہم یہ خط اپنی خاص تحریروں میں رکھ لوں گا۔ میرے ہاں قوالی ہال کی دیواروں پر مثنوی کا پہلا شعر اور حافظ کا شعر، حدیث از مطرب و مے گو، لکھے ہوئے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے ' زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے۔ بج رہا ہے اور بے آواز ہے '۔ مگر قوالی کی مجلس کے وقت کوئی ان نوشتوں کو نہیں پڑھتا۔ اس سے میں نتیجہ نکالتا

بنام مولوی وحید احمد صاحب بدایونی

(۱۵)

حجرۂ قدیم شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامی، صدر آل انڈیا چشتی پارٹی و جانشین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ۔ دہلی

بخدمت جناب مولوی وحید احمد صاحب بدایونی۔

السلام علیکم! مکتوب گرامی مورخہ ۱۵ر جون ۱۹۴۹ء آج وصول ہوا۔ شکریہ۔ میں ۲ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو حیدرآباد گیا تھا اور یکم جون ۱۹۴۹ء کو اپنے گھر یعنی دہلی واپس آیا۔ آپ کی مرسلہ کتاب مجھے نہیں ملی۔ لیکن میں اس کی دید کا مشتاق ہوگیا۔ ممکن ہے آپ نے دہلی کے پتہ پر بھیجی ہو مگر یہاں کوئی انتظام باقی نہ تھا۔ آپ میرے آقا حضور سلطان المشائخ کے ہموطن ہیں، اس واسطے آپ کو اس طرف جو توجہ ہوتی ہے میں اس کو ارواح مقدسہ کی توجہ کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔ اس سلسلے میں مزید خط و کتابت بھی چاہتا ہوں مگر پہلے کتاب دیکھنی ضروری ہے۔

۱۶ر جون ۱۹۴۹ء		مخلص حسن نظامی

بنام وحید احمد صاحب رئیس شیخوپور (بدایوں)

(۱۶)

دفتر امیر خسرو اردو لائبریری دہلی۔

پیارے ماموں روشن دل بیدار قلم وحید احمد صاحب فریدی۔

السلام علیکم۔ آپ نے میرے سفارشی مکتوب پر جتنی زیادہ توجہ کی اُس کا حال مجھ سے کہا گیا تو میرے دل پر اس کا بہت اثر ہوا۔ میں نے آج آپ کو ماموں لکھا ہے۔ اس لئے کہ آپ حضرت بابا صاحب کی اولاد ہیں اور میں آل ہوں۔ میرے دل پر حوادث اور انقلاب ایام کا بہت ہی کم اثر ہے اور اس کو میں خدا کی سب سے بڑی نعمت تصور کرتا ہوں۔ روشن دل اور بیدار قلم بھی حقیقت سمجھ کر لکھے گئے ہیں۔ اور میں ایمان رکھتا ہوں کہ اولیاء اللہ کی روحانی تجلیات ہم سب کو صراط مستقیم دکھاتی رہیں گی۔ منادی اخبار آپ کو ملا یا نہیں۔ مادو ہمدرد کتاب بھی روانہ کرونگا۔

۱۸ر مارچ ۱۹۵۰ء		مخلص حسن نظامی

بنام مولانا وحید احمد صاحب فریدی رئیس شیخوپور 'بدایوں'

(۱۷)

مخلص نواز جناب مولانا وحید احمد صاحب فریدی۔

السلام علیکم۔ آپ کا خط اور کتاب گرو راہ لالہ انوپ سنگھ صاحب کے ذریعے مجھے ملی۔ یکم اپریل کے منادی اخبار میں مختصر تبصرہ گرو راہ پر لکھا ہے۔ ... ...

... ... یہ کتاب پڑھ کر مجھے ایک حد تک یقین ہوگیا ہے کہ اولیاء اللہ کی ارواح آپ سے وہ کام لینا چاہتی ہیں جو موجودہ وقت کے ہندوستانی اور پاکستانی انسانوں کے لئے ضروری ہیں۔

میں نے آپ کو ماموں اس لئے لکھا تھا کہ انوپ سنگھ نے مجھ سے کہا کہ وحید احمد صاحب کہتے تھے خواجہ صاحب میرے پیر ہیں۔ میں سمجھا کہ آپ نے کام تو کیا مریدوں کی طرح لیکن کچھ تھوڑی سی شوخی بھی ظاہر کردی۔ کہ اس شخص کو پیر کہا جو ہمیشہ اہل سیاست کا حریف رہا تھا۔ اس لئے میں نے بھی خوش طبعی سے ماموں لکھ دیا۔ بہرحال

نوکر نے آکر خبر دی مولانا ابوالکلام صاحب ملنے آرہے ہیں۔ حضرت اکبر نے مجھ سے کہا چلئے ابوالہلال صاحب آرہے ہیں، ہم کہیں بھاگ چلیں۔ میں نے کہا بھاگنے کی کیا ضرورت ہے آنے دیجئے۔ کہا۔ میرے اعصاب کمزور ہیں، آپ کے اعصاب مضبوط ہیں۔ مگر بحث کا وقت نہیں ہے، جلدی چلئے۔ چنانچہ ہم دونوں بالاخانہ سے نیچے اُترے اور ایک یکّے والے کو بلایا، ایک طرف میں بیٹھا، ایک طرف حضرت اکبر بیٹھے۔ یکّے والے نے لکھنوی تمیزداری سے پوچھا، حضور کہاں چلئے گا، فرمایا جلدی چل یہ پوچھنے کا وقت نہیں ہے۔ یکّہ چلا۔ سڑک مڑی۔ یکّے والے نے پھر دریافت کیا کہاں لے چلوں؟ فرمایا۔ حجت نہ کر جہاں جی چاہے لے چلو۔ یکّے والا حیران کہ عجب سواری ملی ہے۔ مجھے بھی خلجان کہ مولانا ابوالکلام سے اس قدر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ آخر امین آباد کی ایک دکان کے سامنے اترے اور یکّے والے کو کرایہ دیا اور دوکاندار کے پاس پہنچے۔ وہ واقف تھا۔ تعظیم کے لئے کھڑا ہوگیا۔ انہوں نے کہا میں دکان کے آخری حصے میں جانا چاہتا ہوں، دکان کے تین درجے تھے حضرت اکبر آخری تیسرے درجہ میں جاکر بیٹھ گئے اور مجھ سے پوچھا یہاں تو ابوالہلال صاحب نہیں آجائیں گے؟ میں نے کہا یہ جگہ بالکل محفوظ ہے لیکن آخر ان سے ڈرنے اور بچنے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا جب آپ کا سر جیمس مسٹن سے جھگڑا ہوا تھا تو مجھ پر آپ سے تعلق رکھنے کے سبب بڑی یورش ہوئی تھی۔ اب انگریزوں کے مخالف ابوالہلال سے ملوں گا تو خبر نہیں افسران ضلع کتنا زیادہ ستائیں گے۔

یہ قصہ اس لئے لکھا کہ ہر دور میں ذات پاک کسی نہ کسی خوف کی شکل میں تجلی دکھایا کرتی ہے۔ مگر میں ہمیشہ اس تجلی کی زیارت سے محروم رہا۔ یعنی کسی ڈرنے کی چیز سے کبھی نہیں ڈرا۔ جب قاتل ۳۰ر جنوری ۱۹۲۸ء کی شام کو میرے خسر کو قتل کر چکا تو میرے سامنے آیا اور پستول سے گولی چلائی جو میرے کان کے پاس سے فِسَل کر چلی گئی، پھر دوسری گولی چلائی جو دوسرے کان کے پاس سے نکل گئی۔ پھر تیسری گولی چلائی جو سر سے گزر گئی۔ چوتھی گولی چلا کر وہ بھاگا اور میں اُس کے پیچھے پکڑنے کو دوڑا۔ اگر ڈر جاتا تو ذات پاک کی تجلی اُس خوف میں دیکھ لیتا۔ نہیں ڈرا۔ تو ذات پاک کی تجلّی صراطِ مستقیم میں دیکھ لی۔ خبر نہیں امین آباد میں اب بھی ہوٹل ہیں یا نہیں۔ کیونکہ میں ہوٹل کے قیام کو آزادی اور راحت کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ ہوائی جہاز میں آؤں گا اور دو رات امین آباد کے ہوٹل میں ٹھہروں گا اور آپ سے اور فرنگی محل والوں سے مل کر چلا آؤں گا۔ گھانس کی منڈی کو بھی دیکھ لوں گا۔ جہاں بھوپال والے نواب نورالحسن خاں صاحب کے پاس کچھ دن رہا تھا۔ اگرچہ گھسیاری منڈی میں اب کوئی جاننے والا نہیں ہے مگر میں تو گھسیاری منڈی کا جاننے والا ہوں۔ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن۔

آپ کے کتنے بچے ہیں اور ان کے کیا کیا نام ہیں؟ کل میری تین سالہ نواسی جھومتی ہوئی آئی اور کہا۔ دودھ ملیدہ اللہ ہی دے گا۔ مست قلندر اللہ ہی دے گا۔ وہ جھومتی تھی اور میں دل میں کہتا تھا۔ دعوے کرتے ہیں لم یلد ولم یولد کا۔ اور تردید دکھاتے ہیں قدم قدم پر۔ ہمہ اوست اور ہمہ از وست۔ وہ سب کچھ ہے اور سب کچھ اس سے ہے۔ وجود و شہود کو آپ نے جس عالمانہ اور فلسفیانہ انداز سے اپنی کتاب میں لکھا ہے

ہوں کہ دنیا سازی کی طلبگار ہے۔ بے سازی آواز اس کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی۔ اس واسطے میں بھی زمانہ سازی کر رہا ہوں۔ تاکہ "زمانہ باتو نہ سازد تو بازمانہ بساز" پر عمل ہو جائے۔

۵ راپریل ۱۹۵۰ء   مخلص طالب دیدار حسن نظامی

اتنا لکھوا چکا تو ملا محمد واحدی صاحب کا کراچی سے خط آ گیا۔ وہ میرے دل نشین لوگوں میں ہیں بس دو آدمی زیادہ دل نشین ہیں ایک واحدی صاحب، دوسرے بھیا احسان صاحب۔ مگر دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، واحدی صاحب مذہب میں غرق ہیں۔ بھیا مذہب سے کوسوں دور ہیں مگر محرم حقائق و معارف دونوں ہیں۔

میرے جسم کی بغاوت کا زور بڑھ رہا ہے۔ مگر میرے عزم کی قوت تبسم کناں مقابلہ کر رہی ہے۔ یہ سطریں بے نظر آنکھوں کی مدد سے خود لکھی ہیں کہہ نہیں سکتا کہ ٹھیک لکھیں یا غلطیاں رہ گئیں۔   حسن نظامی

بنام مولانا وحید احمد صاحب فریدی رئیس شیخوپور (بدایوں)   (۱۹)

محرم اسرار نزد فرید کو سلام اور محبت کے پیغام کے بعد معلوم ہو کہ ۸ راپریل کا خط آج ۱۱ کو ملا۔ جی چاہتا تھا کہ اس کا جواب بھی اپنے ہاتھ سے لکھوں مگر پچھلی رات تحریری کام زیادہ کیا تھا۔ اس لئے خط لکھواتا ہوں۔

تصوف کی کتاب ہر وقت سامنے رکھتا ہوں اور جلدی تبصرہ لکھنا چاہتا ہوں تاکہ اجمیر شریف کے سالانہ عرس کے زائرین تک پہنچ جائے۔ کیونکہ آج کل وہاں نامحرم بہت کم جاتے ہیں یا بالکل نہیں جاتے۔ بس وہی جاتے ہیں جو محرم اسرار ہیں۔ انوپ سنگھ اور مول چند کی نسبت میں نے جو کچھ لکھا تھا اس سے آپ نے میرے انقباض کا نتیجہ درست نہیں نکالا۔ بلکہ میں آپ کی اور اپنی بات چیت سے غیریت کا حجاب دور کرنا چاہتا تھا کہ جتنا کام آپ کر سکتے تھے اس سے زیادہ آپ نے کر دیا۔ اب بعد کی رسہ کشی سے بے تعلق ہو جائیے۔ اور مجھے روزانہ ایک خط لکھ دیا کیجئے۔ کیونکہ آپ کے خط سے مجھے بہت سکون حاصل ہوتا ہے۔ جب آپ کا خط آیا تو ریاست ریواں سے پانچ عورتیں اور ایک مرد بیعت ہونے کے لئے آئے اور ضلع حصار سے ایک ہندو عورت مرد تعویذ کے لئے آئے۔ میں نے ان دونوں کو آپ کے خط میں اس لئے یاد کیا کہ پچھلی رات سے دونوں قوموں کے سمجھوتے کی نسبت مختلف نوٹ لکھتے لکھتے تھک گیا تھا اور اس وقت آپ کو یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ جس خلوص اور سچی محبت سے یہ آنے والے میرا کہنا مانیں گے اس خلوص و محبت سے لیاقت نہرو کی رعایا ان کا کہنا نہیں مانے گی۔ حالانکہ ان دونوں کے پاس طاقت ہے، دولت ہے، اختیار ہے اور میرے پاس ان میں سے بہت کم۔

قوالی میں آنے کی ان دونوں کو فرصت نہیں ملی۔ میں نے خدا کا شکر کیا کہ میں اس قوالی سے محفوظ رہا جس میں قوالی کے مضمون کی طرف توجہ کم ہوتی اور قوالی سننے والوں کی حفاظت جان کی طرف توجہ زیادہ ہوتی

میں آج کل بولتا قرآن کتاب لکھ رہا ہوں۔ جس میں ان آیات کو جمع کیا ہے جو خدا کی طرف سے بندوں کو مخاطب کرتی ہیں۔

ایک دفعہ امین آباد لکھنؤ میں حضرت اکبر الٰہ آبادی ٹھہرے ہوئے تھے اور میں ان سے ملنے گیا ہوا تھا۔

گلِ رعنا آپ کی نواسی کے ساتھ باتیں بنا رہی ہے۔

یہ بتانا کہ مسافر ہوٹل دی ہارٹ میں کب آئے گا، دشوار ہے کیونکہ بیماریوں نے اتنا زور پکڑا ہے کہ کل دوپہر سے آج سہ پہر تک کچھ نہیں کھایا اور پان چھوڑے ہوئے سات دن سے زیادہ عرصہ ہو گیا۔ خیال آیا اگر لکھنؤ جاؤں گا اور حمانی لکھنؤ کے پان کی گلوری مجھے بھیجیں گی تو کیونکر انکار کروں گا۔

قطب عالم سے اگر ملنا ہو بھی جائے کہ موسیٰ کی طرح انجان میں رہوں گا یا خضر کی طرح قطب عالم کو انجان پاؤں گا۔ یہ تو تصورات اور تخیلات کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی حکمتیں ہیں ورنہ آدم نہ بود و من بدم حوّا نہ بود و من بدم۔ او خود نہ بود و من بدم من عاشق دیرینہ ام۔

آج شام کو ایک منسٹر صاحب کے آنر میں مجھے بھی ان کے ساتھ کھانا کھانا ہے۔ ان کا نام نوری ہے۔ اور وہ بیرسٹر بھی ہیں اور میرے پرانے دوستوں میں ہیں۔ بیاور کے رہنے والے ہیں۔ اگر آج رات کو ان سے ملوں اور کہوں کہ آپ دی پبلک کو مانتے ہیں یا نہیں اور وہ جواب دیں (آیم نو۔ دی) تو میں کہوں گا جس مقام پر آپ رہتے ہیں اس کا نام بھی فارسی ہندی سے مرکب ہے۔ پہلا لفظ بیا دوسرا لفظ وَر۔ بیا ور۔ اور وَر ہندی میں طاقتدار اور غالب کو کہتے ہیں۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ۱۸۔ شعبان تک اگر میں اپنے حسم سے باہر نہ چلا گیا تو اس کے بعد رمضان میں آؤں گا تاکہ روزہ نہ رکھنے کا بہانہ ہاتھ آ جائے۔ وجود و شہود کی بحث میں نے اس لئے پسند کی کہ ساری عمر عام فہم وجودی رہا ہوں اور مولانا سید ظہور احمد وحشی شاہجہان پوری نے میری شان میں ایک فارسی غزل لکھی تھی جس میں میرے وجودی عقائد کو بہت شاعرانہ انداز سے ظاہر کیا تھا۔ وجود، شہود، کبود، بہت سے قوافی تھے۔

حضرت اکبر فرمایا کرتے تھے آنے والے انقلاب کے سیلاب میں سب بہہ جائیں گے فقط صوفی باقی رہیں گے۔ آپ کی کتاب تصوّف کو جب پڑھتا ہوں اکبر یاد آتے ہیں۔ آپ کے کچھ مسوّدات قرنِ اول کے کہیں ہوں تو میں ان کو دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کی زندگی کے ارتقائی درجوں کو سمجھ سکوں۔ نہ آپ کے لئے نہ اپنے لئے، نہ قوم کے لئے، نہ ملک کے لئے بلکہ ہوٹل "دی ہارٹ" کے لئے۔

دمشق کے ہوٹل دار السرور میں ٹھہرا ہوا تھا کہ غالب پاشا گورنر شام ملنے آئے۔ میں نے کہا آپ ملک عرب کے گورنر ہیں۔ آپ کا قرآن عربی میں، حدیث عربی میں۔ پھر آپ عرب بچوں کی ابتدائی تعلیم میں عربی کو داخل کیوں نہیں کرتے۔ جواب دیا۔ میں نے ابھی مرکزی حکومت کو لکھا ہے۔ کل وہ بات یاد آئی۔ جب بنارس سے پیام ادب کتاب آئی۔ جس میں جواہر لال کا ایک مضمون اردو کی حمایت میں شائع ہوا ہے۔ میں نے خیال کیا غالب پاشا باوجود غالب نام کے مغلوب تھے اور جواہر لال باوجود بڑے حاکم کے عوام کے محکوم ہیں۔

آپ شعر بھی کہتے ہیں؟ اور اگر کہتے ہیں تو کس زبان میں۔ اور جب آپ خواب دیکھتے ہیں تو ملنے والوں سے بات کس زبان میں کرتے ہیں۔

اس کو تو میں سمجھنے کی بساط بھی نہیں رکھتا لیکن نہرو لیاقت کے سمجھوتے میں جتنا میں نے خدا کو بے نقاب دیکھا ہے اتنا شاید منصور نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔

گڈ بائی مائی ڈیر من موہن۔

۱۱ راپریل سنہ ۱۹۵۰ء — مخلص حسن نظامی

یہ لکھنا بھول گیا کہ ۶ دن سے پان تمباکو چھوڑ دیا ہے اور قطب عالم کی ملاقات کا استخارہ کر رہا ہوں جو ۱۷ دن میں ختم ہوگا۔ پان تمباکو کی عادت پچاس برس سے ہے اس لئے ایک طرح کی غشی اور غنودگی طاری رہتی ہے صبح کے ساڑھے دس بجے ہیں۔ چار بجے سے لکھوا رہا ہوں۔

(۲۰)

بنام مولانا وحید احمد

جناب منیجر صاحب ہوٹل دی ہارٹ[1]

کسی بوائے کو آواز دیجئے کہ کمرہ نمبرا کا مسافر ناشتہ مانگتا ہے۔

صورت حالی یہ ہے کہ ۱۳ اپریل کا خط آج ۱۵ کو ملا۔ جب آپ یہ خط لکھ رہے تھے میں اپنے گھر سے دس میل دور انکم ٹیکس آفیسر سے ملنے جا رہا تھا۔ لاکھوں عورت مرد جمنا اشنان کر کے گھروں میں واپس جا رہے تھے۔ قدم قدم پر اندیشہ ہوتا تھا کہ کسی سے ٹکر ہو جائے گی۔

مجھے معلوم نہ تھا بیساکھی کیا چیز ہوتی ہے کیونکہ اس کا چرچا پنجاب میں زیادہ ہے۔ اب پنجاب کے پانچوں دریا دہلی کے کوزے میں بند ہیں۔ انکم ٹیکس آفیسر محب الفقراء ہندو ہیں۔ مجھے دیکھ کر کہا آج نیا سال ہے شگون بہت اچھا ہے۔ ساس نے سونے کی گھڑی کلائی پر باندھی اور خدا نے آپ کو گھر بیٹھے بھیج دیا۔

یہ سن کر کہ بیساکھی حساب کا نیا سال ہے مجھے اس لئے دل نواز معلوم ہوا کہ میں بھی اپنے انکم ٹیکس کا حساب سمجھنے سمجھانے گیا تھا۔

پھر کل صبح درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں گیا۔ سالانہ عرس میں شریک ہوا۔ سیکڑوں زائرین کو چیخیں مار کر روتے ہوئے دیکھا اور سنا۔ مزارات کو شکستہ پایا۔ درگاہ کے دروازے پر حافظ ویراں کی قبر تھی جس پر لکھا تھا کہ

مرقد ویراں پہ بھی فاتحہ پڑھتے جانا — ان سے کہہ دو جو ہیں اس در سے گزرنے والے

دیکھا تو یہ کتبہ بھی ویران تھا۔ شاعر نے ویراں تخلص رکھ کر بدشگونی کی تھی۔ میں نے آج سے چالیس برس پہلے ایک کارٹون بنایا تھا کہ اسکول ماسٹر سلطان ٹرکی شاہ ایران شاگرد کو پڑھا رہے ہیں لکھو بورڈ پر "ایران"۔ شاگرد جواب دیتا ہے۔ ماسٹر زار روس نے بتایا تھا کہ یہ لفظ ویران ہے، ایران نہیں۔

مجھے آپ کے بچوں کے نام پڑھ کر ایسی خوشی ہوئی۔ گویا ہوٹل دی ہارٹ میں ٹھہر گیا ہوں اور میری لوامی

---

[1] میں نے ٹھہرنے کے متعلق گزارش کی تھی کہ ایک ہوٹل میرے یہاں ہے اس میں قیام فرمائیے اور اس کا نام HOTEL de HEART ہے

بنام شاہ سلیمان پھلواری

(۲۳)

آداب عرض - نوازش نامے موصول ہوئے - بریلی گیا ہوا تھا اس لئے جواب[1] عرض نہ کر سکا۔

اخیر کے خط سے حالات حضرت خواجہ صاحب میں واحدی کو بڑی مدد ملے گی۔ وہ بڑی محنت سے سوانح مرتب کر رہے ہیں۔

بارش شروع ہوتے ہی مجھ کو بخار کھانسی شروع ہے۔ خبر نہیں کیا کیا ولولے اور منصوبے اب کے عرس اجمیر شریف کے لئے دل میں تھے مگر سب برباد ہوتے نظر آتے ہیں کیونکہ وہ زمانہ ابھی سے آگیا جس میں متواتر دو ماہ بیمار رہتا ہوں۔ اطباء کی رائے ہے کہ فوراً کوئٹہ جانا چاہئے ورنہ مرض بڑھ جائے گا، آپ بتائیے کیا کروں۔

چاہتا یہ ہوں کہ اخبارات میں صدارت حلقہ کے لئے آپ کا اسم گرامی شائع کرا دوں اور آپ اپنے طور پر عارضی طریقے سے کسی کو دبیر الحلقہ مقرر کر دیں، اس کے بعد میں بے فکر ہو کر ۲ ماہ کے لئے کوئٹہ چلا جاؤں واپسی کے بعد چاہے یہی عہدہ پھر مجھ کو دے دیا جائے۔ یا کوئی دوسری خدمت سپرد ہو جائے۔ بہر حال حلقہ کے لئے صدر کی ضرورت مدت سے ہے اور وہ آپ سے بڑھ کر دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اب آپ یہ کام سنبھالئے۔ خدمات کے لئے میں اور واحدی ہر طرح حاضر ہیں، صرف عارضی آرام کا خواہاں ہوں۔ جان ہے تو جہان ہے۔ کھانسی بخار سے بڑا اندیشہ ہے احتیاط کی تاکید چاروں طرف سے ہے۔

آپ کے جواب کا منتظر:- حسن نظامی

برادرم حسن میاں صاحب سے فرمائیے کہ خانقاہ سہروردیہ مضمون کا بقیہ جلدی بھجوائیے۔ پرچہ جلدی چھپے گا۔

بنام سید ہمایوں مرزا صاحب

(۲۴)

از مکان سید عبدالرحمٰن صاحب گتہ دار[2]

مخلص نواز سید ہمایوں مرزا صاحب

السلام علیکم - مکتوب گرامی جس کا ذکر کل شام کو آ چکا ہے - اس وقت وصول ہوا- جواب تو اس کا میری حاضری نے دے دیا ہے مگر اظہار تشکر قلبی بھی ضروری ہے۔

جناب بیگم صاحبہ کے نامۂ عالی کو پڑھنے کے بعد مجھ کو ندامت ہوئی۔ بیشک حیدر آباد آنے کے قبل مجھے ان کی خدمت میں اطلاع دینی ضروری تھی مگر ایسا ناگہاں آنا ہوا ہے کہ وقت کا تعین کرنا ممکن نہ تھا اس لئے کسی کو بھی صحیح اطلاع نہ دے سکا تھا۔

---

[1] یہ خط تقریباً اڑتالیس سال پہلے کا ہے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے سارے ملک کا دورہ کرنے کے بعد حلقۂ نظام المشائخ قائم کیا تھا، اور ایک ہمہ گیر تنظیم کی تھی۔ رسالہ نظام المشائخ دہلی، اس کا ترجمان تھا۔ یہ خط اسی سلسلے کا ہے۔

[2] گتہ دار، حیدر آباد دکن کی زبان میں ٹھیکیدار کو کہتے ہیں۔

میرے بچوں کے ناموں کی فہرست یہ ہے۔ بڑا لڑکا حسین دوسرے علی تیسرے زید پاشا ان کے بعد حسن ابوطالب پھر مہدی۔ بڑی لڑکی حمد بانو مر گئی۔ دوسری لڑکی روح بانو۔ تیسری کوثر۔ حسین کے چار لڑکے سلمان۔ نعمان۔ امان۔ رحمان۔ ایک لڑکی قدسیہ۔ علی کے دو لڑکے ولی اور وصی اور دو لڑکیاں طاہرہ قرۃ العین اور فریدہ۔ روحہ کے بڑے لڑکے روحم دوسرے نوحم۔ ایک لڑکی گل رعنا۔

میری بینائی بہت کمزور ہے۔ دائیں آنکھ سے کچھ تھوڑا سا نظر آتا ہے۔ بائیں سے کچھ نظر نہیں آتا۔ ہر وقت ہلکا ہلکا بخار رہتا ہے۔ گردہ، معدہ، جگر خراب ہے۔ آنتیں بھی خراب ہیں۔ نیند بھی کم آتی ہے مگر غصہ زیادہ آتا ہے۔ اور یہ قرآن کی بتائی ہوئی مومن کی شان نہیں ہے باقی سب صفات مومن میرے اندر ہیں۔ ایک کوتاہی میرے ذہن اور دماغ میں پیدا ہو گئی ہے کہ میں چاروں طرف دیکھ کر کہتا ہوں کہ لوگ کام کر رہے ہیں۔ مگر ان کو کام کرنا نہیں آتا۔ مجھے کام کرنا آتا ہے لیکن کام لینا نہیں آتا۔ اس واسطے میرے کسی کام میں ترتیب اور موزونیت باقی نہیں رہی ہے۔ اور اس کی وجہ سے دماغی اور ذہنی اذیت میں ہر وقت مبتلا رہتا ہوں۔ گڈ بائی مائی ڈیر اٹکل۔

۱۵ راپریل ۱۹۵۰ء　　　حسن نظامی

بنام جناب شفا گوالیاری بھوپال　　　(۲۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از درگاہ شریف دہلی۔ محبی جناب شفا صاحب

السلام علیکم۔ آپ کی کتاب آیات شفا پہنچی اور آج ۱۹ ستمبر کا کارڈ بھی پہنچا۔ شکریہ۔ میں آپ کے کلام کے مجموعے کی نسبت منادی میں کچھ لکھوں گا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ آپ نے نام الیسار لکھا ہے جس پر مجھے اعتراض ہے کیونکہ اس میں آیات کی بے ادبی ہوتی ہے۔ اگر اس مجموعے میں آیات شفا کا بھی ذکر آجاتا تو بات موزوں ہو جاتی مثلاً فیہ شفاء للناس وغیرہ تو زیادہ اچھا ہوتا۔ بہرحال میں اعتراض نہیں کروں گا اور تعارف کردوں گا۔

۲۰ ستمبر ۱۹۵۱ء　　　مخلص حسن نظامی

بنام خواجہ حمید الدین صاحب شاہد　　　(۲۲)

از دفتر اخبار منادی دہلی　　　۲۶ دسمبر ۱۹۵۲ء

السلام علیکم۔ دسمبر ۵۲ء کا رسالہ سب رس آج ملا۔ فوراً پڑھا۔ سہ ماہی کرنے کی تجویز بہت نامناسب ہے۔ اس کو ہفت روزہ کر دیجئے اور سائز کتابی یعنی $\frac{30\times20}{16}$ کر دیجئے۔ صفحات ۱۶ ہوں یعنی صرف ایک جز۔ اب تک نام کے لحاظ سے سب رس ناکام ہے کیونکہ اس میں دوسرے رسالوں کا رس نہیں ہوتا۔

ہفت روزہ کرنے اور صفحات ۱۶ تک محدود ہو جانے سے خرچ کم ہو جائے گا۔ اب بڑے سائز کے ۸۴ صفحات ہوتے ہیں۔ ۱۶ صفحات کرنے سے خرچ کم ہو جائے گا۔ ترتیب کا خلاصہ میرے خیال میں یہ ہے کہ اردو کے مشہور (مگر ادبی) رسالوں سے نظم و نثر اقتباس کر لیجئے تاکہ سب رس نام صادق آئے۔ قیمت بھی لاگت کے اندر رکھئے بہت جلد اشاعت بڑھ جائے گی خرچ کم ہو جائیگا۔ میں بیماری کے سبب منادی کی خدمت نہیں کر سکتا اور کئی ماہ سے اخبار بند ہے (حسن نظامی)

بنام سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹر (۲۸)

مکرمی مخلص نواز سید ہمایوں مرزا صاحب

السلام علیکم۔ مکتوب گرامی ملا۔ کل دوپہر کے قریب آپ کے دولت خانہ پر برائے مزاج پرسی ہمایوں بانو صاحبہ حاضر ہوں گا۔ غلام احمد صاحب[1] کے ہاں کھانا کھا کر۔

مگر آپ کے دردولت پر قیام کرنا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔ ہر چند کوشش کی لیکن کوئی تجویز ایسی نہ نکلی۔ کل زبانی عرض کروں گا۔

دعاگو حسن نظامی

بنام صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ (۲۹)

عزیزہ ہمایوں بانو

سلام۔ بہت نادم ہوں کہ حسب وعدہ تمہارے پاس نہ آسکا۔ حالانکہ روز ارادہ کرتا ہوں۔ مگر ملنے والوں کی یہ حالت ہے کہ میں وقت پر کھانا بھی نہیں کھا سکتا۔ اور اب پرسوں سے تو بخار میں مبتلا ہوں۔ کل دو بجے خواجہ بانو ہارون خان صاحب شروانی کے ہاں اور چار بجے حیدری صاحب کے ہاں جانے کا وعدہ کر چکی ہیں اور اس وقت ایک نیاز میں گئی ہوئی ہیں اور رات کو واپس آئیں گی اگر وعدہ ہوتا تو وہ ضرور آتیں۔ یا ممکن ہے کہ حیدری صاحب کے ہاں سے واپس ہو کر اس جلسہ میں آجائیں۔

سید صاحب کو سلام کہئے۔ چونکہ باہر مردانہ میں ہوں اس لئے کاغذ موجود نہ تھا اندونا زمیں ہے معاف کیجئے گا۔

دعاگو حسن نظامی

---

[1] غلام احمد خاں منصب جنگ صوبہ دار اورنگ آباد اب نواب ظہیر یار جنگ امیر پایگاہ کے سکرٹری ہیں۔

اب ڈاکٹر قمرالدین صاحب[1] سے معلوم کرکے فرصت کا وقت آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔ اور در دولت پر حاضر ہوں گا۔ ابھی ڈاکٹر صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی ہے دوپہر کے بعد آئیں گے۔

نیاز مند حسن نظامی

بنام ہاشمی صاحب

(۲۵)

مخلص نواز ہاشمی صاحب۔

السلام علیکم۔ ۷ ر رمضان کا خط آج ۱۲ ر کو ملا۔ میرا ارادہ شروع رمضان میں حیدرآباد آنے کا تھا۔ مگر مقامی ضروریات کے سبب ملتوی کرنا پڑا۔ اعلیٰ حضرت نے بھی یاد فرمایا تھا۔ اور میں نے سیٹیں بھی ریزرو کرالی تھیں۔ اب انشاء اللہ عید کے بعد ارادہ کروں گا۔

دعاگو حسن نظامی

بنام مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی

(۲۶)

از آرام محل سوماجیگوڑہ — متصل بنگلہ نواب لیاقت جنگ

محبی جناب مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی

السلام علیکم۔ آپ نے خواتین دکن کی نسبت جو کتابیں دی تھیں وہ دہلی میں رہ گئی ہیں۔ اور اب مجھے کتاب دکن یونین میں خواتین دکن کا ذکر لکھنا ہے۔ لہٰذا ایک ایک جلد سب کتابوں کی ہادی منزل میں بھیج دیجئے۔ اور آپ نے جتنی کتابیں لکھی ہوں وہ بھی بھیج دیجئے یا ان کی فہرست یعنی نام وغیرہ بھیج دیجئے تاکہ آپ کے تذکرے میں ان کو لکھوں۔

مخلص نظامی

بنام صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ

(۲۷)

"مقیم خانہ باغ" ڈیوڑھی مہاراجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم بہادر۔ حیدرآباد دکن۔

عزیزہ ہمایوں بانو

السلام علیکم۔ لفافہ ملا۔ کارڈ واپس ارسال ہیں۔ انیس الغربا انجمن نے مجھے عورتوں کے زنانہ جلسہ میں مدعو کیا ہے جو ۱۰۔ ربیع الاوّل کو ہوگا۔ اور کوئی جلسہ تو مجھے معلوم نہیں ہوا۔

خواب شائع نہیں ہوں گے۔ قواعد انجمن خواتین شائع کردیئے جائیں گے۔ رسالہ امن کا شکریہ۔ آپ نے خواجہ بانو کو جمعہ کی صبح کو بلایا ہے مگر تاریخ نہیں لکھی۔ ایک جمعہ پرسوں ہے۔ آپ مہاراجہ بہادر کے ہاں ٹیلی فون کے ذریعہ خبر دے دیجئے کہ کون جمعہ مقصود ہے۔

سید صاحب کے مزاج کا حال نہ لکھا میں نے مہاراجہ بہادر سے کل ان کے معاملہ کا ذکر کیا ہے۔

دعاگو حسن نظامی

---

[1] خواجہ صاحب کے ایک خلیفہ جن کو ہلالی شاہ خطاب دیا تھا۔ خواجہ صاحب کی زندگی ہی میں فوت ہوئے۔

بنام شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

(۵)

گرو نانک پورہ - لائل پور - جناب مکرم! تسلیم! عنایت نامہ کا شکریہ - کالیداس کی یہ تصنیفیں اردو میں ترجمہ ہوئی ہیں - یا کہئے کہ اُردو میں آئی ہیں -

(۱) وکرم اُروسی - لکھنؤ کے عزیز مرزا مرحوم نے اُردو میں اصل ناٹک کو منتقل کیا اور شروع میں ولسن کے دیباچہ کا ترجمہ دے دیا - جو سنسکرت میں ڈرامہ کے فن کے قواعد وغیرہ کے متعلق ہے -

(۲) میگھ دوت - ایک نظم ہے جس کا ترجمہ 'پیک ابر' کے نام سے مثنوی کی صنف میں چھپ چکا ہے شاید اسی کتاب کا ایک اردو ترجمہ بھی کیا ہے کسی نے -

(۳) شکنتلا کے کئی اڈیشن تجارتی سٹیج کے لئے نکالے گئے تھے - جن میں سے کوئی بھی کتب خانہ میں رکھنے کے قابل نہیں -

انگریزی میں کالیداس کی تمام کتابوں کے ترجمے موجود ہیں - کئی تو شکنتلا کے ہیں - ایک صاحب ہیں - پنڈت لچھمی چند شاستری ایم اے - ایم - او - ایل - دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ سنسکرت کے صدر ہیں - اُنہوں نے ایک کتاب انگریزی میں لکھی ہے جس کا نام ہے BIRTH PLACE OF KALIDAS ضرورت سمجھیں تو اُن سے منگوا لیں - نام سے مضمون کا پتا چلتا ہے - سنسکرت لٹریچر کی تاریخ پر جو کتابیں یورپین مستشرقین نے لکھیں - اُن میں کالیداس کی شاعری پر خاصا مفصل تبصرہ ہے - میکڈانل کی 'ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر' سے بہت امداد ملے گی -

میں بہت نادم ہوں کہ اس موضوع پر اور زیادہ واقفیت پیش نہیں کر سکتا - میری ساری کتابیں ماڈل ٹاؤن (لاہور) میں پڑی ہوئی ہیں - کئی برس گزرے پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب (علی گڑھ یونیورسٹی) نے ایک رسالہ سہ ماہی نکالا تھا جس کا نام سہیل تھا - یاد پڑتا ہے کہ اس کے پہلے یا دوسرے نمبر میں پیک ابر کا تذکرہ یا تبصرہ تھا -

ولسن نے دو جلدوں میں بہت سے سنسکرت ڈراموں کے ترجمے کئے - اس کتاب کا نام ہے ہندو تھیٹر - اس کے علاوہ سر ولیم جونز نے بھی شکنتلا کا ترجمہ کیا -

کالیداس کے ہندی ترجمے حسب ذیل ہوئے ہیں :-

(۱) مالوی کا گنی متر

؎ میں نے ۱۹۳۰ء میں کالیداس پر ایک تحقیقی مقالہ لکھنے کا ارادہ کیا - اور کچھ عرصہ کی محنت کے بعد ایک مضمون مرتب کرکے رسالہ "رہنمائے تعلیم لاہور" کے "جوبلی نمبر" میں شائع کیا - مگر "کالیداس" کے متعلق تحقیق برابر جاری رکھی - اس سلسلہ میں میں نے ہندوستان کی تمام پبلک لائبریریوں اور بعض مشہور ادیبوں کو خطوط لکھے کہ آپ کے علم میں کالیداس کی سوانح اور اس کے ڈراموں اور اس کے تراجم کے متعلق جو واقفیت ہو وہ مجھے بھیج دیں - اسی ذیل میں پنڈت برجموہن صاحب کیفی مرحوم کو بھی خط لکھا - مرحوم نے جواب دیا وہ محض اتفاق سے ۱۹۴۷ء کی ہولناک تباہی سے بچ کر پاکستان آ گیا - اور آج میں اُسے قارئین "نقوش" کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں - یہ خالص تاریخی اور علمی خط ہے - امید ہے علم دوست اصحاب کے لئے ازدیاد معلومات کا ذریعہ ہوگا۔

خاکسار محمد اسماعیل پانی پتی

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی

بنام فوق صاحب

(۱)

لاہور نسبت روڈ۔ میرے مکرم فوق صاحب خوش رہیں۔ تسلیم۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ میں لالہ سری رام مرحوم کے تذکرہ خم خانۂ جاوید کی تکمیل کر رہا ہوں۔ ف کی ردیف میرے ہاتھوں میں ہے۔ اور آپ کے صرف دس پندرہ شعر مسودے میں موجود ہیں۔ یہ جی نہیں چاہتا کہ بس اسی پر اکتفا کروں۔ لہذا مستدعی خدمت ہوں کہ مہربانی سے اپنے حالات۔ فہرست تصانیف وغیرہ اور مزید کلام عنایت فرمائیے۔ تاکہ درج تذکرہ ہو۔ یہ جلد جلد ہی پریس میں جانے والی ہے۔ ملاقات کو مدتیں ہوئیں۔ دولت خانہ کا پتہ نہیں ورنہ حاضر ہوتا۔

۷ راگست ۱۹۳۲ء   نیازمند برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام فوق صاحب

(۲)

جناب مکرم تسلیم۔ یاد ہوگا آپ نے کشمیر سے لکھا تھا کہ تذکرہ خم خانۂ جاوید کے لئے اپنے حالات اور تازہ کلام لاہور پہنچ کر عنایت فرمائیں گے۔ چنانچہ یاد دہانی کرتا ہوں اور عنایت کا طالب ہوں۔ میں اس مہینہ کے آخری ہفتہ میں دہلی جاؤں گا اس سے قبل نوازش فرمائیں تو سہولت ہے ورنہ اپنی اوّلیں فرصت کے وقت یاد رکھیں۔

۹ رنومبر ۱۹۳۲ء لاہور   نیازکیش (پنڈت) برجموہن دتاتریہ (کیفی دہلوی)

بنام فوق صاحب

(۳)

۱۷ علی پور روڈ۔ دہلی۔ مکرمی فوق صاحب تسلیم۔ میں اب دہلی آگیا ہوں۔ آپ کے کلام اور حالات کا انتظار ہے خم خانہ کی جلد پریس کے لئے تیار ہے۔ امید ہے جواب جلد عطا فرمائیے گا۔

۱۹ ردسمبر ۱۹۳۲ء   (پنڈت) برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام فوق صاحب

(۴)

۱۷ علی پور روڈ۔ دہلی۔ مکرم من جناب فوق صاحب تسلیم۔ جناب کا کلام اور حالات بذریعہ رجسٹری موصول ہوئے انشاء اللہ جلد زیب تذکرہ ہوں گے۔ توجہ کا شکریہ۔ امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے ۱۳ ۱/۳۲ نیازکیش (برجموہن دتاتریہ) کیفی

مجبور کیا ہے۔ ان کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے اور ہمارے آگرے کے مشاعرہ کی تاریخ کا ابھی اعلان نہیں ہوا ہے۔ اس لئے مجھے لکھنؤ کی دعوت منظور کرلینی پڑی۔ جواب مزید عنایت ہو۔

ار جنوری سنہ ء		اخلاص کیش دتاتریہ کیفی

بنام طاہر فاروقی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور (۹)

میرے مکرم تسلیم۔ بہرحال کے نوازش نامے کا شکریہ۔ میں آپ کی دقتوں کو سمجھا۔ مشاعرے کی تاریخ ۲۷ر جنوری ہی رہنے دیجئے۔ میرے پروگرام کا تو یہ حال ہے کہ اگلے ہی دن (۲۸ر جنوری کو) یہاں ایک ایسی تقریب کا وعدہ پہلے سے موجود ہے۔ خیر۔ یہ تو ہوا۔ آپ یہاں کے شاعروں کی بابت پوچھتے ہیں۔ آپ سے کیا چھپا ہوا ہے۔ اور بھی ء میں اب آدھی صدی کے بعد پھر آیا ہوں دلی میں۔ میں سبھی کو اچھا سمجھتا ہوں۔ آپ زیادہ کو بلانا نہیں چاہتے۔ چند نام لکھے دیتا ہوں۔ بلانا نہ بلانا آپ کی مرضی پر ہے۔ یہ خیال نہ کریں کہ فلاں کو نہ بلایا تو کیفی کو گلہ ہوگا، سمجھ گئے آپ:۔

۱۔ پروفیسر ظفر تاباں۔ راجس کالج۔ دریا گنج۔ دہلی

۲۔ مسٹر اکبر حیدری "اکبر منزل" محلی والاں۔ دہلی

۳۔ منشی عبدالخالق نہال۔ کوچہ سعد اللہ۔ پھول منڈی۔ دہلی۔

لکھنؤ سے جن اصحاب کے نام لکھ دوں خوف ہے کہ وہ آنہ سکیں گے۔ کیونکہ ابھی وہ لوگ کھانسی زکام لے کر یہاں سے گئے ہیں اور شروع فروری ہی میں ان کے ہاں ہنگامہ ہونے کو ہے۔ میں سراج اور قدیر کا نام لکھتا۔ بہرحال آپ جسے چاہیں بلائیں۔

شاید کسی خط میں اسی تقریب کے بارے میں کچھ باتیں پوچھی تھیں۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

۶ر جنوری سنہ ء		اخلاص کیش برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام آغا محمد صادق صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج کوئٹہ (۱۰)

۱۔ دریا گنج دہلی۔ جناب مکرم تسلیم۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ استفسارات کے جواب یہ ہیں:۔

(۱) پیڈل چلانا بہتر ہوگا میری رائے میں۔

(۲) ریوڑیاں رَ مسکور اور وَ ساکن ہیں اور ڑ مکسور۔

(۳) غرّہ۔ اگرچہ اسکے معنی بعض لغات میں مغرور بھی لکھ دیا ہے لیکن استعمال اس لفظ کا غرور ہی کے معنی میں ہوتا ہے۔

(۴) شفا کے معنی ہیں بیماری کے بعد اچھا ہو جانا یعنی صحت بدنی کا عود کرنا۔ زخم کی ہستی تندرستی کے منافی ہے کیونکہ اس کے معنی ہونگے زخم بیماری سے پہلے جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا جس کے معنی کچھ نہیں بنتے کیونکہ زخم تو خود ایک ایسی بیماری ہے۔
اسی وجہ سے دوسری شکل یعنی زخم کو شفا ہو گئی بھی غلط ٹھہرتا ہے۔ صحیح فقرہ ہوگا "زخم

(۲) شکنتلا - مترجم راجہ لکشمن سنگھ
(۳) رگھو ونش }
(۴) کمار سمبھو } دوی ویدی جی
(۵) میگھ دوت - کنھیا لال
کسی ہندی کتب فروش سے یہ کتابیں مل سکتی ہیں -

۶ رنومبر ۱۹۳۶ء — نیاز کیش برجموہن دتاتریہ

بنام طاہر فاروقی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور

(۶)

انجمن ترقی اُردو (ہند) "دارالسلام" نمبر ۱ - دریا گنج - دہلی - میرے مکرم تسلیم - ۱۲ رحال کا اشفاق نامہ پہنچ کر شکریہ کا موجب ہوا - مشاعرے کی بابت معلوم ہوا - بہتر تھا کہ مشاعرے کی صدارت کے لئے آپ کسی بڑے اور بہتر شاعر کو تلاش کرتے - رہا میرا اپنی جنوری یا کہئے نئے سال کی معروفیتوں کے بارے میں اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتا - مشاعرے کے لئے وقت ضرور نکلے گا - لیکن کس تاریخ کو؟ یہ میں ایک ہفتہ کے اندر عرض کروں گا - کچھ تعیّنات جنوری اور فروری میں ایسے ہیں جو پختگی چاہتے ہیں اسی کا انتظار ہے - مجھے یہ پسند نہیں کہ ایک تاریخ مقرر ہو کر ٹل جائے -

میری رائے میں دن کا مشاعرہ ٹھیک ہوگا اگر آپ کے حاضرین کو ناپسند نہ ہو - یہ ممکن یا مناسب نہ ہو تو رات کو سہی

۱۵ ردسمبر ۳۹ء — نیاز کیش برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام طاہر فاروقی صاحب

(۷)

انجمن ترقی اُردو (ہند) ۱ - دریا گنج، دہلی - میرے مکرم تسلیم سابقہ عریضہ کے سلسلے میں گزارش ہے کہ جنوری میں کئی تقریبوں میں یہاں اور باہر کا ہوا ہوں - فروری کی ۳ رتاریخ کو سنیچر ہے - یا تو اس تاریخ شب کو یا ۴ رفروری کو دن کے وقت آپ اپنا مشاعرہ رکھ دیں - ۲ رفروری کو یہاں ریڈیو میں میری تقریر ہے - اس لئے ۳ رفروری کی رات یا ۴ رفروری کا دن ٹھیک ہوگا - دن اور رات کا فیصلہ آپ اپنی اور اپنے سامعین کی سہولت کے لحاظ سے کریں -

یہ تو فرمائیے کہ یہ مشاعرہ ہوگا یا مناظرہ اور کہ طرحی ہوگا یا کیسا - تاریخ اور وقت کی تعین کے بعد ان امور سے بھی مفصل مطلع فرمائیے -

۱۸ ردسمبر ۳۹ء — اخلاص کیش برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام طاہر فاروقی صاحب

(۸)

انجمن ترقی اُردو (ہند) ۱ - دریا گنج، دہلی - میرے مکرم تسلیم - پہلا عریضہ حاضر خدمت ہوا ہوگا - مشاعرہ کی تاریخ کے بارے میں اب یہ عرض کرنا ہے کہ ۳ رفروری کے بدلے ۱۱ رفروری (اتوار) کو دن کے وقت مشاعرہ رکھئے اگر دن کا وقت مقامی مصلحتوں کی رُو سے مناسب نہ ہو تو ۱۰ رفروری (سنیچر) کی شب مقرر کر دیجئے -

۳ رفروری کو لکھنؤ میں انجمن بہار ادب کا سالانہ اجلاس ہے اور مجھے لکھنؤ والوں نے شرکت کے لئے بہت

پڑ نکالی ہوگی۔ پچھلی دفعہ وہ کس تحصیل میں تھا؟ میرے خیال میں وہ تحصیل اس وقت جنگاہ بنی ہوئی ہے۔ میں دہلی جاؤں تو اس کے لئے کوشش کروں گا۔

ہمارا پروگرام غیر مستقل ہے۔ اس وقت تک صرف اتنا طے ہوا ہے کہ مولوی صاحب مستقل طور پر یہاں رہیں گے اور میں دہلی میں رہوں گا۔ اگلے مہینے کی کسی تاریخ کو میں دہلی جاؤں گا۔ اور ہماری زبان کو پھر جاری کروں گا صحت میری لائل پور کے مقابلے میں کچھ بہتر ہے۔ جوڑوں کی تکلیف جو رہتی تھی رہ گئی۔ اس عمر میں شفائے کلی ناممکن ہے۔

دل کی حالت بہتر ہے۔ سو پچاس قدم آہستہ خرام کر لیتا ہوں۔ گھٹنے ٹھیک نہیں ہوئے۔ یہ بڑی تکلیف ہے۔

خط جلدی لکھنا اور سب کچھ لکھنا نسیمؔ کے بال بچے جہلم میں ہیں۔ ان کا پتہ کہیں رہ گیا۔ لائل پور والوں کو معلوم ہوگا۔

۲۴ جولائی ۱۹۴۸ء		کیفیؔ

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو		(۱۴)

۱۷۔ علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ میرے مہربان۔ آداب۔ علی گڑھ میگزین کا غالب نمبر تو مجھے بھی پہنچ گیا تھا مگر صحت کی خرابی کی وجہ سے اسے پورا نہ دیکھ سکا۔

آپ کی محنت اور وقت نظر کی جتنی داد دی جائے کم ہے۔ میں یہ دیکھ کر بہت خوش ہوں کہ آپ نے مرزا غالب سے متعلق ان امور پر زیادہ زور دیا ہے۔ جن کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے خاص کر ادیبوں اور شاعروں کے حالات لکھتے ہوئے۔ ایک ادیب بہ حیثیت ایک انسان کے پیش نہیں کیا جاتا بلکہ صرف اس کا کلام تنقید کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔ غالب پر کافی سے زیادہ لٹریچر نکل چکا ہے اور اس کی شاعری پر ہر پہلو سے بحث ہو چکی ہے۔ اس لئے یہ اچھا ہوا کہ اس نمبر میں ان امور کی طرف کم توجہ کی گئی۔ شاعر ہو یا ادیب، فلسفی ہو یا سیاسی پہلے وہ ایک انسان اور شہری ہے۔ اس کے بعد اور کچھ۔

یہ مقصود نہیں اور نہ توقع ہے کہ اس ضخیم نمبر کے ہر مضمون کی نسبت کچھ لکھوں۔ ہر مضمون اپنی جگہ انفرادی حیثیت اور افادیت رکھتا ہے۔

آثار غالب بھی ضروری چیز ہے اس کی حیثیت تاریخی ہے۔ ایسی باتیں جو اس میں درج ہیں اکثر بھول

(نوٹ، حبیب کیفوی صاحب شاعری میں کیفی صاحب کے شاگرد تھے۔ ان کی نظموں کا ایک مجموعہ آتش چنار کے نام سے حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ جموں میں ان کا خاصا کاروبار تھا۔ دعوتی سامان کرایہ پر دیتے تھے ۱۹۴۷ء کی تقسیم ہند و پاکستان کے ہنگاموں میں سب کچھ ضائع ہو گیا۔

مولوی صاحب سے مراد بابائے اردو مولوی عبدالحق ہیں۔

نسیم صاحب پنڈت جی کے ایک اور ہونہار شاگرد تھے۔ ریاست میں تحصیلداری کے عہدے پر فائز تھے۔ شعر خوب کہتے تھے۔ ڈوگروں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ پورا نام سید ذوالفقار علی تھا۔		(محمد عبداللہ قریشی)

سے شفا ہو گئی" جسم کو متقدر ہے۔

۲۴ نومبر سنہ ۴۸ء

نیاز کیش برجموہن دتاتریہ کیفی

(۱۱)

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

انجمن ترقی اردو (ہند) دریا گنج، دہلی۔ مکرم میرے تسلیم۔ والا نامے کا شکریہ۔ ۲۲ رسال کو آپ یاد فرماتے ہیں سبحان اللہ کتنی سعید تقریب ہے حضرت آج کل سفر واقعی سقر صورت ہو گیا ہے۔ کل پنجاب جا رہا ہوں ایک ادبی جلسے میں۔ ۱۴ کو واپسی کا خیال ہے اگر اس وقت اس بڈھے جسم میں کچھ دم کس باقی رہا تو حاضر ہو جاؤں گا۔ نہ جا سکا تو مقالہ بھیج دوں گا۔ مگر آپ کس غرض سے طلب فرماتے ہیں۔ پتہ انگریزی میں لکھا کیجئے[1]

۷ فروری سنہ ۴۹ء

اخلاص کیش برجموہن دتاتریہ کیفی

(۱۲)

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

میرے مکرم تسلیم۔ ایک تکلیف دے رہا ہوں جس کے لئے معافی مانگتا ہوں۔ جب سے شمالی ہند میں یہ گڑبڑ ہوئی ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کی خیریت معلوم نہ ہو سکی۔ ہاشمی صاحب فرید آبادی کو لکھا۔ اُن سے بھی جواب نہ ملا۔ حالات ہی ایسے تھے اگر آپ کو مولوی صاحب کا پتہ معلوم ہو کہ کہاں ہیں تو مہربانی سے مطلع فرمائیے۔ ہاشمی صاحب غالباً رام پور میں ہوں اُن سے آپ دریافت کر سکیں گے۔

دہلی سے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ انجمن کا دفتر۔ بعض کہتے ہیں کتب خانہ بھی۔ جلا دیا گیا وہاں اس وقت بھارت انشورنس کمپنی کا دفتر ہے، کتب خانہ میں بہت نایاب مسالہ اور کتابیں تھیں۔ یہ علمی نقصان پورا نہ ہو سکے گا۔

میں کسی طرح گرتا پڑتا یہاں بمبئی پہنچ گیا ہوں اور بہار کے موسم تک یہیں ٹھہروں گا۔

پھر معافی کی استدعا اور شکریہ کے ساتھ

ابھی کسی نے کہا مولوی صاحب بھوپال میں ہیں۔ یہ نہ معلوم ہوا وہاں کس کے پاس ہیں۔ شعیب صاحب کے پاس۔ یا۔؟

یکم دسمبر سنہ ۴۷ء

نیاز کیش برجموہن دتاتریہ کیفی

(۱۳)

بنام حبیب کیفوی

آل پاکستان انجمن ترقی اردو۔ شاہ وامندر۔ ہسپتال روڈ۔ کراچی ۱۔

عزیز حبیب! مولوی صاحب نے آج تمہارا خط دیا۔ مدت بعد خیریت معلوم ہوئی۔ خیر دیر آمد درست آمد۔ جموں میں تمہارے کاروبار اور سامان کا کیا ہوا۔ کچا کہ گیا؟ سیالکوٹ میں کیا کرتے ہو۔ بال بچے کہاں ہیں؟ سب کچھ مفصل لکھو نسیم کی لڑکی کا خط آیا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ نسیم اندھم پور میں نظر بند ہے۔ حکومت نے کوئی سیاسی

---

[1] اردو میں پتے والے خط یہاں ڈاک کے لاوارثی دفتر میں چلے جاتے ہیں۔

نہیں کر سکتا، اس کا مجھ کو سخت رنج ہے۔ اب تک اس قابل نہیں ہوا ہوں کہ یہ سطریں آپ کو اپنی قلم سے لکھوں مجھے امید ہے میری مجبوریوں کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ درگزر کریں گے۔ اور مجھے معذور رکھیں گے۔

۱۶ مئی سنہ ۵۲ء
کیفیؔ

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

(۱۸)

۱۷۔ علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ مکرم میرے۔ آداب۔ ایک زحمت دینے کی معافی چاہتا ہوں "انشائے داغ" مرتبہ احسن مارہروی مرحوم آپ نے دیکھی ہوگی اس میں مرزا داغ کا ایک خط بھی ایسا نہیں جو انہوں نے رامپور سے لکھا تیس پینتیس برس داغ رامپور میں رہے کیا اس زمانے میں انہوں نے کسی کو خط لکھا ہی نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ خط کاتب کے ہاتھ سے نکل کر مکتوب الیہ کی ملکیت ہو جاتا ہے۔ بعض مقامی معاصرین یا نواب خلد آشیاں کو مرزا کبھی کوئی خط لکھا ہوگا میں نہایت ممنون ہوں گا۔ اگر اس بارے میں میری مدد کر سکیں، اگر آپ کے نجی ذخیرے میں یا سرکاری کتب خانے میں مرزا داغ کے کچھ خطوط محفوظ ہوں تو براہ کرم مطلع فرمائیے۔ اگر وہ صرف چند ایک ہیں تو ان کی نقل عنایت فرمائیے، مع اُجرت نقل کی اطلاع کے۔ اگر بہت سے ہیں تو آپ کی صلاح اور اجازت سے اُن کے لئے مناسب انتظام کیا جائیگا

۱۸ اگست سنہ ۵۲ء　　جواب کا طالب نیازمند برجموہن دتاتریہ کیفیؔ

میری غرض ان خطوط سے ہے جن کی نوعیت ادبی ہو یا جو کاتب کے کردار و اخلاق پر روشنی ڈالتے ہوں۔ (کیفیؔ)

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

(۱۹)

۱۷۔ علی پور روڈ دہلی۔ مہربان میرے۔ آداب۔ فرمائیے نظرِ عنایت میں کتنی دیر ہے۔ لکھنؤ سے تقاضا ہے اور میں آپ کی امداد کا منتظر ہوں۔ صرف چند خطوں کے انتخاب اقتباس کافی ہوں گے جو مرزا داغ کے کردار و اخلاق کے خاص گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوں، اصلاح سخن سے متعلق تو طومار ہوگا۔ اسے جانے دیجئے اور جو عرض کیا گیا ہے اس کی طرف توجہ فرمائیے۔

۲۷ اگست سنہ ۵۲ء　　منتظرِ جواب نیازمند برجموہن دتاتریہ کیفیؔ

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

(۲۰)

۱۷۔ علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ مکرم میرے تسلیم۔ بہت بہت شکریہ۔ نقل خطوط واپس کر رہا ہوں۔ میں نے صرف ان خطوط سے استفادہ کیا ہے۔ عیش پرستی کے سلسلہ میں۔

مکتوب الیہ

صفحہ ۴ ——— ملکہ جان، صفحہ ۲ ——— حمیدن بائی، صفحہ ۱۰ ——— نسارخ
صفحہ ۱۵ ——— حجاب، صفحہ ۱۸ ——— ملکہ جان، صفحہ ۲۰ ——— محمد وزیر

میں نہیں جانتا کہ کس زبان سے آپ کی اس عنایت کا شکریہ ادا کروں۔

۱ ستمبر سنہ ۵۲ء　　نیازمند برجموہن دتاتریہ کیفیؔ

جایا کرتی ہیں اور یہ انتقاد تشنہ رہ جاتا ہے۔ دنیا کو صرف اتنا یاد رہ جاتا ہے کہ برہان قاطع پر مرزا نے کچھ اعتراض کئے تھے جن پر زبردست مناظرہ چل پڑا اور بس۔

ایک اور خاص بات جو اس نمبر کے اکثر مضامین میں پائی گئی یہ ہے کہ اکثر لکھنے والوں نے آزادیٔ رائے سے کام لیا ہے رُعب اور جنبہ داری دونوں سے دور دور رہے ہیں۔ یہ بات اس قسم کے نمبروں میں نہیں پائی جاتی۔

یہ اچھا ہُوا کہ مختار الدین احمد صاحب نے اصلی افادیت اور معنوی اہمیت پر نظر رکھی اور اس نمبر کی تیاری میں ظاہری ٹیپ ٹاپ سے کام نہ رکھا۔

۳۰ جنوری سنہ ۵۰ء　　　کیفیؔ

بنام شفا گوالیاری

(۱۵)

۱۷۔ علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ جناب من۔ یاد دہانی غیر ضروری ہے پچھلی دفعہ آپ کا جوابی پوسٹ کارڈ تھا۔ اُسی پر جواب لکھ کر ڈاک میں ڈال دیا گیا تھا۔ نہیں پہنچا تو آپ کے لکھے ہوئے پتہ میں غلطی ہوگی یا ڈاکخانہ کی عنایت۔ خیر پہلا مصرع یہ ہے ؎

"کوئی محفل تھی نہ اپنی کوئی محفل میں نہ تھا"

اپنی سے پہلے نہ کا لفظ جو واقع ہوا ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ نہ اپنی کوئی محفل تھی نہ کسی اور کی جب کہ شاعر کا منشا یہ نہیں ہے۔ لہٰذا موجودہ صورت میں پہلا مصرع غلط ہے اور پھر یہ ہے کہ شاعر دل کو محفل سے تشبیہہ دیتا ہے جمحفل کے معنی ہیں ایک جگہ آدمیوں کا مجمع ہونا جہاں کوئی نہ ہو اُسے محفل نہیں کہہ سکتے۔

خیر اگر یوں بدل دیں تو یہ مصرعہ کچھ معنی دے سکتا ہے ؎

سر لیسر سونی پڑی تھی کوئی محفل میں نہ تھا　　　وہ بھی کیا دن تھے کسی کا عشق جب دل میں نہ تھا

اپنے ڈاکخانہ کو ڈانٹیئے۔ والسلام

۱۴ ستمبر سنہ ۵۰ء　　　کیفیؔ

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب آرزوؔ

(۱۶)

جناب مکرم۔ آپ کا عنایت نامہ مل گیا تھا۔ لیکن ان سردیوں میں میری طبیعت بہت ناساز رہی۔ مخزن الفوائد کی نقل کی بابت لاہور لکھا ہے۔ غالبؔ کے شاگردوں کے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ سلسلہ تو مالک رام صاحب نے چھیڑ دیا ہے۔ اب انہیں کو پورا کرنے دیجئے۔ میرے اُن کے تعلقات بھی ہیں۔ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اُن کے سلسلے میں مداخلت کروں۔ امید کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

۳ فروری سنہ ۵۲ء　　　کیفیؔ

بنام ڈاکٹر مختار الدین صاحب آرزوؔ

(۱۷)

۱۷۔ علی پور روڈ۔ دہلی۔ جناب میرے۔ مقدر میں یہی تھا کہ میں آپ سے شرمندہ ہوں۔ آپ کی فرمائش کی تعمیل

مولانا مناظر احسن گیلانی

(۱)

بنام مولوی سید الطاف علی بریلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرم و محترم مولانا الطاف علی صاحب دام مجدکم العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کے ہدایا (یعنی دفتر مصنف) اور ...... المصنفین کے شائع کردہ رسائل مولانا فضل اللہ صاحب استاد جامعہ عثمانیہ کے ذریعے سے اس وقت ملے جب موسم گرما کی تعطیل کے بعد میں حیدرآباد پہنچا، کئی دن سے شکریہ کا خط لکھنا چاہتا تھا۔ آج توفیق ہوئی۔ اس طباعت کی گرانی کے زمانہ میں آپ نے بڑی ہمت کا کام شروع کیا ہے۔ آپ کے رسالوں میں میری دلچسپی کی چیز مولانا فضل حق و عبدالحق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہما کے حالات تھے۔ میرے تعلیمی خانوادہ کے یہ اکابر ہیں البتہ جن صاحب نے لکھا ہے ان سے واقف نہیں ہوں ...... تو خیال گزرا کہ نواب صدر یار جنگ بہادر نے اسی خیرآبادی خاندان کے "چراغ سحر" حضرت مولانا برکات احمد کے حالات مجھ سے لکھوا کر، معارف اعظم گڈھ میں شائع فرمانے کی صورت نکال دی تھی۔ میرے اس مضمون کو بھی جداگانہ ان ہی بزرگوں کی سوانح عمریوں کے طریقہ سے آپ کیوں نہ شائع کرادیں ارشاد ہو تو میں معارف سے نکال کر اس کو بھیج دوں یا آپ کے پاس معارف کی پرانی جلدیں ہوں، یا کسی اور صاحب کے پاس مل جائیں تو ان سے بھی نکال کر اس کو شائع کرا سکتے ہیں، اگر خواہش ہو۔ دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ پرسوں علیگڈھ سے پھر ایک صاحب کا خط آیا ہے کہ وہاں پہنچ کر میں تقریر کروں۔ ان کا خط مجھ سے گم ہو گیا ہے۔ غالباً "قادری" کی نسبت اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں۔ یہ کیا وہی قصہ ہے جس میں مجھے بلایا گیا تھا یا کوئی دوسری چیز ہے اور آنے کی صورت کیا ہوگی؟ حیدرآباد سے علی گڈھ کے آمد و رفت کا مسئلہ مصارف کے لحاظ سے بھی قابلِ غور ہے۔ بہرحال اگر آپ کو کچھ اس کا علم ہو تو مطلع فرمائیے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ۹ر جولائی ۴۲ء

بنام سید ولی محمد فضا

(۲۱)

۱۷- علی پور روڈ سول لائنز دہلی - جناب من - آپ کا کارڈ مل گیا تھا جس میں آپ نے ڈھانکنا اور ڈھانپنا کے متعلق دریافت کیا تھا۔

دونوں لفظ اُردو کے ہیں - مزید واقفیت کے لئے دیکھئے لاہور کا رسالہ الحمراء ماہ اگست سنہ ۱۹۵۴ء صفحہ ۴۲ -

۴ ستمبر سنہ ۱۹۵۴ء

آپ کا مخلص کیفی

آپ کے تمہیدی کلمات سے دل بہت متاثر ہوا۔ قنوط اور یاس ابلیسی خاصیت ہے۔ ابلیس کو ابلیس کہتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ ناامید ہے۔ اپنے پیدا کرنے والے خالق کے متعلق یقین رکھنا چاہئے کہ وہ ارحم الراحمین ہیں۔ حسن ظن خدا کے ساتھ رکھنا بھی رجائیت ہے۔ رجائیت کے رجحانات بھی آپ کی کتابوں کی جان ہیں۔ آج پر کل کو کیوں قیاس کیا جائے جب فردا ہمارے سامنے دیرونہ سے مختلف حالات کو لا سکتا ہے تو اس فردا کے پیچھے جو فردے پوشیدہ ہیں ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کن حالات کو ہمارے یا ہماری آئندہ نسلوں کے آگے لائیں گے۔

لاحول ولا قوۃ قلم بہکا چلا جا رہا ہے۔ اٹھایا تو تھا کہ آپ کی اس نوازش نامہ کا شکریہ پیش کروں لیکن جنون میں خدا جانے کیا کیا بکتا چلا گیا۔ آپ کام کئے جایئے اور امیدوں کی امنگوں سے معمور ہو کر کئے جایئے۔ آپ کا یہ نیازمند اگرچہ بوڑھا اور از کار رفتہ ہو چکا ہے زبان تو بند ہو چکی ہے قلم ابھی کچھ ساتھ دے رہا ہے۔ جو کچھ ممکن ہے کرتا ہی رہتا ہوں۔ اپنے عزیزوں اور عنایت فرماؤں کو بھی اسی کی تاکید کرتا ہوں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے (ترجمہ جس کا یہ ہے) کہ "قیامت ہی کیوں نہ قائم ہو رہی ہو لیکن پودا جو تیرے ہاتھ ہے اس کو نصب کر دے"۔ قیامت اپنا کام کرے ہم اپنے کام کو انجام دیں۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی۔ گیلانی (بہار) ۱۸ ستمبر ۱۹۵۳ء

(۳)

بنام مدیر "مدینہ" بجنور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی مدیر صاحب اخبار مدینہ! ایدکم اللہ بروح اللہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ فقیر کے عریضہ کے جواب میں کئی ہفتے ہوئے آپ کا نوازش نامہ مل چکا تھا۔ جواب کی فکر ہی میں تھا کہ مولانا سید سلیمان مرحوم کی مجلس ماتم میں شریک ہونے کے لئے لکھنؤ جانے پر مجبور ہونا پڑا۔ وہاں سے واپسی کے دوسرے یا تیسرے دن شب کو میرے مکان میں سرقہ کا ایک شدید حادثہ پیش آیا۔ چوروں کی کافی تعداد گھر میں گھس گئی اور جو کچھ بھی لے جا سکتی تھی اطمینان کے ساتھ لے کر چمپت ہو گئی۔ ہم لوگ سوتے کے سوتے رہے۔ صبح کو آنکھیں کھلیں تو آنکھیں کھل گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بے چاری عورتوں کے زیور اور لباس کا کوئی حصہ جو لینے کے قابل تھا نہ بچا۔ رات کو چور آئے اور دن کو پولس کے دھاوے شروع ہوئے۔ شدید دماغی پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا۔ مدتوں سے یہ لطیفہ پھیلاتے ہوئے تھا کہ مولوی ابوالاعلیٰ مودودی کی حکومت الٰہیہ قائم ہو گئی۔ بندوں اور خدا کے درمیان حکومت وکومت کا کوئی واسطہ باقی نہ رہا۔ آج ملک ان ہی حالات سے گذر رہا ہے۔ کوئی دن شاید ہی گذرتا ہے جب چوری، ڈاکہ وغیرہ کی خبریں سننے میں نہیں آتیں۔ حد یہ ہے کہ مجھ جیسے بے نوا کو بھی نشانہ بنا ہی لیا گیا۔ بہرحال میں بہت شرمندہ ہوں کہ مدینہ فقیر کے نام آپ مسلسل بھیج رہے ہیں۔ بدل اشتراک کے لینے پر بھی آمادہ نہیں اور فقیر بھی اپنی کسی خدمت کو اب تک پیش نہ کر سکا۔ آج چند صفحے لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ ایک تو وقتی اور اصلاحی مضمون ہے دوسرا صرف تاریخی اور تیسرا صرف ذہنی۔ لیکن زمانہ کی ضرورتوں ہی سے ان میں ہر ایک کا تعلق ہے۔ ایک ہی دفعہ بھیج دیتا ہوں تاکہ جب جب جیسے جیسے موقع ملے ان کو شائع فرماتے رہئے۔ مدینہ کی سنجیدگی اور متانت سے دل بہت خوش ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ آپ حضرات سے نیاز کے حاصل کرنے کا موقع نہیں۔ پیرانہ سالی میں سیر و سفر کا مسئلہ میرے لئے کافی دشوار ہو گیا ہے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی۔ گیلانی (بہار) یکم فروری ۱۹۵۴ء

(۲)

بنام ڈاکٹر زور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرِ محترم ڈاکٹر زور صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میرے چھوٹے بھائی برادرم مظہر احسن گیلانی[1] سلمہ اللہ تعالیٰ جو خوش قسمتی سے آپ ہی کے زیرِ سایہ کام کر رہے ہیں موسمِ گرما کی تعطیل میں جب یہاں آئے تو آپ کی علمی سرگرمیوں کا بھی تذکرہ کرتے رہے اور یہ بھی کہ چلتے ہوئے اس دور افتادہ ناکارہ کو آپ نے یاد فرمایا ہے۔ دیر تک جامعہ عثمانیہ کی پرانی صحبتوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ اللہ اللہ وہ بیتے ہوئے دن افضل حسین صاحب کے بنگلے[2] میں کالج کا افتتاح۔ آپ جیسے ہونہار فرزندانِ دکن کا اس میں داخلہ اور اس کے بعد تیس سال تک جو کچھ دیکھتا رہا تھا اچانک حافظہ میں ساری باتیں کروٹیں لینے لگیں۔ حالانکہ زیادہ تو اب آنے والے دنوں کا خیال سامنے رہتا ہے جن میں بہرحال اس خاکی دنیا سے رشتہ توڑ لینے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ لیکن کچھ دیر کے لئے مستقبل کی جگہ ماضی نے لے لی۔ یاد کرتا رہا، ان ساری باتوں کو یاد کرتا رہا جو یاد آسکتی تھیں۔ باتیں جن میں خندہ کے ساتھ گریہ بھی شریک ہے۔ گذر گئے وہ دن اور گذر جائیں گے یہ دن بھی جو اب گذر رہے ہیں۔ "کل یوم ہو فی شان"۔ مظہر سلمہٗ نے آپ کی جدید الاشاعت دو کتابوں[3] کا بھی ذکر کیا تھا۔ میں نے اپنے کسی خط میں ان کتابوں کے مطالعہ کی تمنا کا اظہار کیا تھا۔ آپ تک میری اس آرزو کو مظہر سلمہٗ پہنچائیں گے اور اتنی اہمیت آپ اس کو دیں گے کہ سننے کے ساتھ دونوں کتابیں ارسال فرما دیں گے۔ میں اس کی توقع نہیں کرتا تھا لیکن کل آپ کا مرسلہ پارسل ملا۔ امتنان وتشکر کے آنسوؤں سے آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ اب بھی اس فقیر کی یاد یارانِ دکن کے دلوں میں باقی ہے اس کا خیال آیا۔ دیر تک متاثر رہا۔ پارسل کو کھولنے کے ساتھ بہ یک نشست دونوں ہی کتابوں کو پڑھ گیا۔ دل کے زخم ہرے ہو گئے آپ نے خوب ہی تیر ونشتر تیار کئے ہیں۔

ایک ایسے ہرے بھرے چمن کو لوگ کیوں اجاڑنا چاہتے ہیں۔ دکن میں بھی اتنا تھا کہ بار و احمد نگر، بیجاپور، ایلچ پور، حیدر آباد کو کیوں بنانا چاہتے ہو۔ اپنے گھر کو اپنے ہاتھوں اجاڑتے ہو۔ خداوند رحیم لوگوں کی سمجھ درست کرے۔ چند ذہنی اور فکری احساسات کے اختلاف کو اتنا اہم بنا دیا سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ اس کو کب سمجھیں گے۔ افکار و احساسات میں یکسانی بہر وجوہ تو دو حقیقی ماں جائے بھائیوں میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ دین کا اختلاف یا مذہب کا اختلاف چند ذہنی تاثرات کے سوا اور بھی کچھ ہے۔ آخر دنیا اس راز کو کب پائے گی۔ بھیڑوں اور بکریوں، شیروں اور لومڑیوں میں تو واقعی اختلافات ہوتے ہیں لیکن عیسائی، مسلمان، ہندو، یہودی کسی معنی میں بھی ان سبھوں میں کوئی ایسی ٹھوس خارجی بنیادیں اختلافات کی پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہ نہیں ہیں۔ سب ہی تو آدمی ہیں۔ وہی دو کان، دو ٹانگیں، دو آنکھیں، اندر باہر سب کچھ سب ہی میں تو مشترک ہے۔ کیوں نہیں افکار و خیالات کے اختلافات کے ساتھ ہم مل جل کر ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گذار سکتے اور کوئی ایسی زندگی چاہے بھی تو آسمان کے نیچے زمین کے اوپر کہیں اس کو ایسی زندگی میسر آسکتی ہے جو احساس وافکار کے اعتبار سے قطعاً سپاٹ ہو نشیب وفراز اس میں نہ ہو۔

---

[1] لکچرار معاشیات چادر گھاٹ کالج   [2] اس بنگلہ کی جگہ اب حیدرآباد اسٹیٹ بنک کی عالی شان عمارت بنی ہے۔

[3] 'داستان ادب حیدرآباد' اور 'حیدرآباد فرخندہ بنیاد'

(۵)

بنام مظہر احسن صاحب گیلانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر عزیز سلمہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ تمہاری خیر و عافیت کے خط کا روز انتظار رہتا ہے اور جب تک مرا نہیں ہوں یہ خوشی باقی ہی رہے گی۔ ادھر دو ولتے سمجھو یا حادثے ہے بہ پیش آئے کہ دل و دماغ پر دونوں کا کافی اثر ہے۔ پہلا قبائلی حادثہ ہے شاید بانہ پور والوں سے اس کی خبر تم تک پہنچ چکی ہوگی۔ رافع الہدیٰ وتحرب چارے دس سال بعد وطن مالوف آئے تھے۔ ان کے کلکٹر بھائی کی لڑکی کی شادی مولوی شمس الہدیٰ کے صاحبزادے عمیس کے بھائی ادریس سلمہٗ سے ہونے والی تھی۔ لیکن چند دن بھی گذرنے نہ پائے تھے، شاید ایک ہفتہ بھی نہیں کہ مونگیر قلعہ کی اسی کوٹھی میں ان کا ہارٹ فیل ہوگیا جہاں ان کے بھائی بہ حیثیت کلکٹر ہونے کے مقیم ہیں۔ ایں عالم سخت است کہ گویند۔ جہاں مُرد۔ سُنا کہ کراچی میں بیس پچیس دن پہلے ان کا لڑکا آٹھ نو سال کی عمر کا مر چکا تھا۔ غم غلط کرنے کے لئے اپنے کنبہ میں آئے تھے۔ لیکن کیا معلوم تھا کہ بازید پور کی مٹی کھینچ کر بیچارے کو لائی تھی۔

دوسرے حادثہ کا تعلق میری ذات خاص سے ہے۔ میرے ٹونک کے ساتھی شیخ شہاب المعروف بہ مولانا عبدالرحمٰن الچشتی الوہابی کی وفات دو دن کی مختصر علالت کے بعد ٹونک ہی میں ہوگئی۔ ہم دونوں سالہا سال تک ساتھ رہے تھے۔ پرانی گذری ہوئی صحبتیں یاد آتی ہیں۔ چشتی بے چارہ اچھا گویا بھی تھا۔ مولانا بن جانے سے پیشتر لہرا لہرا کر گایا کرتے تھے۔ شاید کسی تھیٹر کی سنی ہوئی یہ نظم بہت پسند تھی ؎

موسے پیت لگاکے پیا اب پیت لگانا چھوڑ دیا
ایسے جیسے کسی دیس میں جا اب دیس کا آنا چھوڑ دیا

پہلی بیت ہندی کی پڑھ کر آگے پڑھتے ؎

مرنے کی دشمنوں کو ہمارے خوشی نہ ہو
ہاں آبرو نہ جائے، یہ جگ میں ہنسی نہ ہو
آکے تربت پہ آنسو بہانا رہے

اور خدا جانے کیا کیا پڑھتے۔ آخری بند یہ تھا ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے
ایسی سُلگی کو آکر بجھانا رہے

داغ اور امیر کی بھی لمبی لمبی غزلیں خوب یاد تھیں۔ چار پانچ طالب علم ہم لوگ ایک ہی مکان میں رہتے۔ استرواح نفس کے لئے

---

[1] سید محی الدین صاحب سابق شریک معتمد تعلیمات حیدرآباد کے داماد جو حیدرآباد میں محکمۂ اطلاعات کے مددگار ناظم تھے۔
[2] رافع الہدیٰ صاحب کلکٹر مونگیر بہار۔ [3] لکچرار ریاضی علی گڈھ یونیورسٹی۔

(۴)

بنام مدیر "مدینہ"　　　　بسم اللہ الرحمن الرحیم

والا قدر مکرم و مخدوم مدیر صاحب "مدینہ" اسعدکم اللہ فی الدارین و ایدکم بروح اللہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اللہ اللہ چار ساڑھے چار مہینے کی بے ہوشی یا نیم بے ہوشی کے بعد آپ کا یہ دعا گو مناظر احسن گیلانی، پھر ہوش میں آیا ہے۔ "مدینہ" پر بھی نظر پڑی اور "مدینہ" کے بعد "مدینہ" والے کے نوازش نامہ سے بھی سرفراز ہوا۔ "مدینہ" کو جس حال میں چھوڑ کر غائب ہوا تھا، عجیب بات ہے کہ اسی حال اور اسی روش پر اس کو پایا۔ کاظمی صاحب کا قیمتی مقالہ نہ صرف معلوماتی مقالہ ہے بلکہ ذہنی انقلاب کی کافی ضمانتوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ بستر علالت پر لیٹ جانے سے پہلے دماغ میں جو نقشہ مدینہ کے مقالات کے متعلق تھا، ایک بڑا پہلو ان کا اس مقالہ میں بھی آ گیا ہے۔ بڑی دلچسپیوں کے ساتھ کاظمی صاحب کے اس مقالہ کو پڑھ رہا ہوں۔ کیا انگریزی میں کوئی کتاب انہوں نے لکھی ہے یا خاص مدینہ کے لئے اردو ہی میں تحریر فرمایا گیا ہے۔ بعض فقروں سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزی سے غالباً یہ ترجمہ ہوا۔

آپ نے مدینہ میں بھی اور اپنے گرامی نامہ میں اس پرانے کار رفتہ کی قلمی جولانیوں کا تماشہ دیکھنے والوں کو منتظر بنا دیا ہے۔ زندگی میں یہ بوڑھا کب اترتا ہے، اترتا بھی ہے یا نہیں ابھی نہیں کہا جا سکتا۔ دواؤں اور پرہیز کی ان سختیوں میں کیا عرض کروں کہ جی کتنا گھبراتا رہتا ہے۔ لیکن کروں کیا؟ ڈاکٹروں کے ہجوم میں ہوں تاہم کوشش کروں گا کہ پہلی فرصت میں قلم اگر اٹھاؤں تو مدینہ ہی کیلئے اٹھاؤں۔ بس دعا فرمایئے کہ ڈاکٹری جکڑ بندیوں سے بھی نجات حاصل ہو۔ آپ کی طرف سے جو نوازشیں اس فقیر پر ہوئیں ان کا شکر گذار رہوں۔ ان ہی دنوں میں جب پٹنہ ہسپتال کے آہنی پلنگ پر تڑپ رہا تھا چند مناجاتی مصرعے ایک خاص زبان میں دل و دماغ میں گھومنے لگے۔ خاص زبان سے مطلب یہ ہے کہ اردویت سے زیادہ 'ہندیت' کا رنگ ان پر غالب تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں ہمارے بہار کی دیہاتی اور مقامی بولی کے چند الفاظ بھی شریک ہو گئے ہوں۔ آپ کے ذاتی ملاحظہ کے لئے ان کو نقل کر کے بھیج رہا ہوں۔ اگر مدینہ کے صفحات اس زبان کے متحمل ہوں تو سوچئے منظوم حصہ میں کیا اس کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے؟ آپ کا مرثیہ اچھے محمد صاحب مرحوم کا اسی حصہ میں نظر سے جس وقت گذرا اسی زمانہ میں یہ خطرہ دل میں پیدا ہوا۔ اتنی کڑی اور کرخت زمین میں آپ نے طبع آزمائی فرمائی کہ اس کے نباہ لے جانے پر تعجب ہوا۔ "دھیم" کے قوافی کی فراہمی آسان کام نہ تھا لیکن آپ کو کافی الفاظ مل ہی گئے۔ ہمارے دوست حمید صاحب زائر حرم کی نعتیہ نظموں کے کیا کہنے۔ ایک ایک مصرع تیر و نشتر سے بھی زیادہ کام کرتے ہیں۔ بہت دنوں سے ان کا نہ کوئی خط ہی آیا ہے اور نہ بے چارے کا حال معلوم ہے۔ جہاں رہیں مست بادۂ الست رہیں۔ موقع ہو تو سلام فقیر کا پہنچا دیجئے گا۔

ہندی آمیز نظموں میں "دھرمی" کے تخلص کو استعمال کرتا ہوں۔ اسی تخلص کی طرف یہ نظم بھی منسوب ہے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی　-گیلانی (بہار) ۵ راگست ۱۹۵۴ء

اور وہ رکاوٹ یہ نہیں ہے کہ جمعیت العلماء کے بزرگوں سے نیاز مندی کا تعلق رکھتا ہوں بلکہ خود اپنا ذاتی حال سب سے زیادہ مانع ہے۔ آپ شاید واقف ہوں یا نہ واقف ہوں۔ فقیر کے ساتھ ایک عجیب صورت حال پیش آئی۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دن وہاں کی خدمت کا شرف بھی حاصل ہوا، حضرت شیخ الہندؒ سے تلمذ ہی کی نہیں بیعت کی سعادت بھی اس کور بخت کو میسر آئی تھی لیکن تقدیر کے کرشمے تھے کہ "ذاتی شکم پروری" کے قصوں میں اپنی ساری صلاحیتوں کو کھو بیٹھا ہوں نوجوانی ہی کے دنوں میں عثمانیہ یونیورسٹی کے احاطہ میں داخل کر دیا گیا اور کام کرنے کا جو زمانہ تھا، دکن کی پہاڑیوں میں وہی زمانہ سراسر پھوڑنے میں گذر گیا۔ آپ ہی بتائیں کہ مجھ جیسے نافرض شناس انسان کے اندر اس کی جرأت کیسے پیدا ہو سکتی ہے جس نے کچھ نہیں کیا وہی ان لوگوں پر زبان کیسے کھول سکتا ہے جنہوں نے سب کچھ نہیں تو بہت کچھ کیا اور کچھ نہ کچھ اب بھی اپنی حد تک کرتے ہی چلے جاتے ہیں۔ یہ داستان درد کی کافی طویل ہے۔ مختصراً عرض کرنے کے بعد امیدوار ہوں کہ اس راہ میں میری معذوری کا اندازہ آپ فرمائیں گے۔ اس "تدبیر ما" کے عنوان کے تحت مجھے ابھی کچھ اور باتیں بھی عرض کرنی ہیں۔ ممکن ہے ذیلاً اس کے اندر اپنے نقطۂ نظر کا ذکر بھی آجائے۔ سر دست اس مسئلہ میں فقیر کو نہ الجھایئے تو اس پر یہ بڑا احسان ہوگا۔

ہاں ایک بات اور بھی عرض کرنی ہے۔ فقیر کے مضامین یا "متفرقات" کے متعلق ایک چیز کا خیال بحیثیت مدیر آپ کو رکھنا چاہیئے بلکہ حالات کے اقتضاؤں کو دیکھ کر آپ کو ترمیم کل و اصلاح کا بھی اختیار ہے یا سرے سے کوئی مضمون ناقابل اشاعت محسوس ہو تو ہرگز شائع نہ فرمایئے۔ میں اب دیہات میں عزلت گزیں ہوں۔ باہر کے ماحول کے تخمینہ میں غلطی ہو جائے تو کچھ بعید نہیں۔ وہی مضمون جو "لحم بقرہ" کے متعلق ترجمہ کرکے فقیر نے بھیجا ہے۔ نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ حالات میں اس کا شائع کرنا مفید ہوگا یا مضر، میں نے تو صرف اس لئے ترجمہ کر دیا کہ مسلمانوں کے متعلق غیروں میں کچھ اس قسم کا خیال پھیل گیا ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے "لحم بقرہ" کا استعمال شاید ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ دوسرے پہلوؤں کا خیال بھی کرنا چاہیئے۔ کسی وجہ سے اور کسی عنوان سے اس ترجمہ کا شائع کرنا قرین مصلحت نظر آئے تو میری یہ التجا قبول فرمائی جائے کہ مترجم کے نام کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک مطبوعہ کتاب کی عربی عبارتوں کا ترجمہ ہے۔ "عنوان تراشی" میں آپ کی مہارت کا لوہا دل نے مان لیا۔ یہی بات بھی ہے کہ عنوان سے مضمون کی قیمت پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔

اور کیا عرض کروں، ممکن ہو تو فرصت سے فقیر کے اس نیاز نامے کا جواب عطا فرمایئے۔

مولوی محمد حسینی صاحب اور مولانا ابن کامل صاحب سے سلام فرما دیجئے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

(۷)

بنام ڈاکٹر زور

العزیز الاخ المحترم الدکتور زور صدر شعبۃ الاردویہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں ایک ضرورت سے بھی چاہتا ہوں کہ چند منٹ کے لئے آپ سے ملوں۔ نیز ذرا یہ بھی سوچ رکھیئے کہ دکن کے علماء سلطنت قاہرہ بہمنیہ اور طوائف الملوک دونوں عہد میں جو پائے جاتے تھے ان کا اور ان کی

چشتی مرحوم کا گانا اس زمانہ میں دل کو بہلا دیا کرتا تھا۔

اللھم اغفرلہٗ وارحمہٗ

اور بہمہ وجوہ بحمد اللہ ادھر خیریت ہے۔ ڈاکٹر صاحب[1] قبلہ کی خدمت میں سلام عرض کر دیجئے۔ بچوں کو پیار۔

مناظر احسن گیلانی[2] - ۴ رجون ۱۹۵۶ء

---

(۶)

بنام مدیر "مدینہ"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی قدر مدیر صاحب جریدۂ غرّاء "مدینہ" ایدکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ جی ہاں! "مدینہ" کا وہ شمارہ جس میں فقیر کا مقالہ "تدبیرما" شائع فرما دیا گیا ہے۔ وہ بھی ملا اور اس کے چند دن بعد آپ کا نوازش نامہ بھی باعث ابتہاج ونشاط ہوا۔ آپ نے حادثۂ سرقہ والی خبر شائع فرما دی۔ حوادث کی خبروں کو شائع کرنا اخباری فرض ہے لیکن اس فقیر کے دوستوں، قدر فرماؤں کو آپ نے تشویش میں مبتلا کر دیا۔ ہند و پاکستان کے مختلف حصوں سے خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ لوگ تفصیلات دریافت کرتے ہیں۔ بھلا اس طومار کا جواب یہ فقیر کہاں تک دے؟ اگر شکایت کا پہلو پیدا ہو سکتا ہے تو اسی تجربہ کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آپ کی نیت بخیر ہی تھی۔ فجزاکم اللہ عنی خیرالجزاء۔

کل جو شمارہ ملا ہے اس میں دوسرا "منقوبقہ" (دکن کے قدیم دفاتر میں اصطلاح تھی، نتھی کئے ہوئے کاغذات کو کہتے تھے) یعنی ریویو بچہ والی داستان بھی نظر سے گذری۔ خیال آیا کہ آپ کے خط کا جواب بھی دے دوں اور "تدبیرما" کے عنوان کی دوسری قسط بھی نتھی کر دوں۔

آپ نے اپنے گرامی نامے میں فرمائش کی ہے کہ جمعیت العلماء کے عملی کاروبار کے سلسلے میں مقالات ومضامین "مدینہ" میں جو شائع ہو رہے ہیں ان کے متعلق فقیر بھی اپنے احساسات کو قلمبند کر کے خدمت والا میں ارسال کرے۔ اس میں شک نہیں:

خو گر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

آپ کے پہلے مقالہ کے اس عنوان ہی پر جھوم گیا تھا، "مدینہ غریب العلماء" کی وکالت وحمایت میں ہر قسم کی رسوائیوں کو اس زمانہ میں برداشت کرتا رہا جب غریب مولویوں کا کوئی پوچھنے والا باقی نہ رہا تھا۔ فقیر کے قلم سے ایک دفعہ ایک فقرہ نکل گیا تھا۔ "ڈبوں کے بغیر جمعیت العلماء کا انجن ملک کے طول وعرض میں دوڑ رہا ہے" تو ہمارے بعض بزرگوں پر یہ فقرہ کافی گراں گذرا تھا۔ بہرحال خوگری حمد کے بعد مدینہ کی طرف "مشکوۂ ارباب وفا" بڑی عجیب بات تھی۔ فقیر نے بڑی دلچسپی کے ساتھ اس کو پڑھا تھا۔ پھر مولانا سید محمد میاں صاحب کے جوابی مقالہ اور جواب در جواب کے سارے قصے نظر سے گذر ہی رہے ہیں۔ کاش! ایک رکاوٹ نہ ہوتی تو آپ کے حکم کی تعمیل میں پس وپیش کرنے کی کوئی وجہ نہ ہو سکتی تھی۔

---

[1] ڈاکٹر محمد عثمان خان وظیفہ یاب رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ جو حیدر آباد میں مولانا کے پڑوسی تھے۔

[2] یہ مولانا کا آخری خط ہے۔ ۴ رجون کو اپنے بھائی مظہر احسن گیلانی لکچرار چادر گھاٹ کالج کے نام لکھ کر پوسٹ کیا جو ان کے وصال ۵ رجون (بوقت صبح) کے بعد ان کے بھائی کو ملا یعنی ۸ رجون کی صبح بذریعہ تار وفات کی اطلاع ملی اور شام کو یہ خط ملا۔

یہ سند لے کر آدمی ملا ہو۔ مگر یہ ملا ہیں مرکب۔ لیکن ؎

یوسف کو پکڑے بیٹھے ہیں محشر میں دادخواہ
اک کھلبلی مچی ہے ترے اشتباہ میں

یہ بچہ جو آپ کے پاس جا رہا ہے بڑا غریب آدمی ہے۔ میں ان کے والد سے بھی واقف ہوں۔ بڑی پریشانیوں سے یہ بی۔اے تک پہنچا ہے۔ محکمۂ آبکاری میں کچھ عملوں کی جائیدادیں تقرر طلب ہیں میں تو جانتا نہ تھا ان ہی سے معلوم ہوا کہ کمشنر آبکاری حال[1] اور آپ کے درمیان ع ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے، والا قصہ ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو یقیناً دونوں کے مراسم ہم رتبگی بھی ہوں گے۔ کیا چند کلمات خیر سے اس غریب بے وسیلہ آدمی کی آپ امداد فرما کر اجر دارین حاصل کریں گے؟ فقط!

مناظر احسن گیلانی

(۱۱)

بنام مولوی سید انوار اعظم[3]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز محترم مولوی سید انوار اعظم سلمہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کی ناسازی مزاج کے ساتھ امتحان کی کامیابی کا حال بھی معلوم ہوتا رہا۔ آنے جانے والوں سے بھی پوچھتا رہا۔ مسرت ہوئی کہ اب آپ اچھے ہیں۔ معلوم نہیں تقریری امتحان جو ہونے والا تھا وہ مرحلہ بھی گذر چکا یا نہیں۔ اس وقت آپ کی خدمت میں اپنے ایک عزیز حیدر آبادی دوست مولوی ڈاکٹر یوسف الدین صاحب پی ایچ ڈی کو بھیج رہا ہوں۔ یہ بیچارے اس فقیر سے ملنے کے لئے حیدر آباد سے گیلان آئے۔ تقریباً ایک ہفتہ قیام کر کے اب حیدر آباد واپس جا رہے ہیں جہاں عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ یہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں کے مصنف ہیں اور حد سے زیادہ علمی ذوق رکھتے ہیں۔ بہار آ کر کسی علمی مذاق والے آدمی کا خدا بخش خان مرحوم کی لائبریری دیکھے بغیر جانا کسی طرح مناسب نہ ہوگا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ آں برادر گویا آجکل لائبریری کے صحن ہی میں مقیم ہیں آپ ان سے مل کر انشاء اللہ بہت خوش ہوں گے۔ حد سے زیادہ شریف طبیعت کے مالک ہیں۔ اسی سے اندازہ کیجئے کہ مجھ دہقانی سے ملنے کے لئے اتنا طویل و عریض سفر انہوں نے اختیار کیا۔ امید ہے کہ آپ کی وجہ سے ان کو پٹنہ میں کافی سہولت میسر آئے گی۔

پھلواری شریف کی حاضری کا موقع اگر مل جائے تو اس میں بھی امید ہے آپ ان کی مدد فرمائیں گے۔

اور کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے گیلانی کے ہونے والے تقریبات بخیر و خوبی انجام پا گئے۔ اگرچہ فقیر ان عوتوں کی لذتوں سے محروم ہی رہا۔ ادھر طبیعت میں پھر کچھ گڑبڑ سی پیدا ہو گئی۔ دیکھو! زندگی کی اس کشمکش سے کب نجات ملتی ہے۔

---

[1] قاضی زین العابدین صاحب ایم۔سی۔ ایس ناظم آبکاری میرے رشتہ کے بھائی تھے اور ان کی دختر میرے سالے نواب ناصر الدین احمد صاحب سے منسوب ہے۔ مولانا کو اسی لئے شبہ ہوا کہ شاید وہ میرے ہم زلف ہیں۔

[3] مولانا کے ایک عزیز جو آجکل سینٹ کولمباز کالج ہزاری باغ (بہار) میں فارسی کے لکچرار ہیں۔

خدمات کا سراغ کن کن کتابوں میں مل سکتا ہے۔ دکنیات میں آپ کی نظر وسیع ہے۔ یہ بتائیے کہ آج یا کل کالج میں کس وقت آپ سے ملوں۔

نیازمند: مناظر احسن گیلانی

(۸)

بنام ڈاکٹر زور

برادر محترم ڈاکٹر زور صاحب دام لطفہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ غالباً آپ کو اطلاع ہو چکی ہوگی کہ بارگاہِ خسروی سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی امداد میں تین سو ماہوار کا اضافہ منظور ہو گیا۔ ہمدردانِ ندوہ کی مسرت کا باعث ہے۔ سید سلیمان صاحب اور ان کے رفقاء اب پابہ رکاب ہیں۔ جو مہینہ کی بھی ابتدا ہے موعودہ رقم دارالعلوم کی امداد جو آپ نے براہِ مہربانی منظور فرمائی تھی کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ سید صاحب تک اسے اب پہنچا دی جائے۔

مناظر احسن گیلانی

(۹)

بنام ڈاکٹر زور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر عزیز محترم ڈاکٹر پروفیسر زور صاحب قادری صدر کلیہ دارالعلوم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عریضہ نیاز کو آپ کی خدمت میں ایک حاجت مند مسلمان پیش کریں گے۔ آپ سے ایک سفارشی چٹھی کے آرزومند ہیں۔ براہ راست آپ سے چونکہ ان کا تعارف نہیں ہے اس لئے خاکسار کو آپ تک رسائی کا وسیلہ بنا رہے ہیں۔ اگر کسی قسم کا مضائقہ محسوس نہ ہو تو چند کلماتِ خیر سے ایک ضرورت مند کی امداد سے انشاءاللہ آپ دریغ نہ فرمائیں گے اور امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔

نیاز کیش ودعاگو: مناظر احسن گیلانی

(۱۰)

بنام ڈاکٹر زور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم ومخدوم ڈاکٹر زور صاحب پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حاملِ ہٰذا میرے شعبہ کے طالب علم ہیں۔ سال چہارم میں تعلیم پا رہے ہیں۔ اس سے تو آپ واقف ہی ہوں گے کہ میرے شعبہ دینیات کے طلبہ کا دو مضمون (انگریزی ادب وعربی ادب) تو وہی ہوتا ہے جو فنون کے طلبہ کا نصاب ہے۔ صرف ایک مضمون (حدیث وتفسیر وکلام) اختیاری اور ایک لازمی فقہ کا مضمون۔ یہ دینیات کے مضامین ان کے ہوتے ہیں۔ اس لئے گویا یہ فنون اور دینیات کے جامع ہوتے ہیں۔ لیکن دینیات کا لفظ ان غریبوں کے ساتھ ایسا لگ گیا ہے کہ جس محکمہ میں بھی یہ درخواست دیتے ہیں ناواقفیت کی وجہ سے لوگ ملا سمجھ کر ان کو ٹال دیتے ہیں۔ گویا ملاکو گی ونادانی کی

کامیاب ترجمہ میں کامیاب ہونے کی مبارکباد دیتا ہوں۔ کامیابی کی سب سے بڑی دلیل یہی ہو سکتی ہے کہ مجھ جیسا ناواقف بھی اس کی لذت میں ایسا ڈوب گیا کہ پھر ہوش و حواس کی خبر نہ رہی۔ اگرچہ اس میں شاید کچھ دخل میرے اس دماغی عارضہ کو بھی ہو جس میں مدت تک مبتلا رہا۔ فلسفہ کا ڈرنسا ہوا آدمی ہوں حالانکہ جی اکتا چکا ہے لیکن پھر اسی قسم کی باتیں کوئی کرنے لگتا ہے تو بیتے ہوئے دن یاد آ جاتے ہیں۔ بہر حال میں آپ کا ممنون ہوں کہ زبان کے حجاب کو اٹھا کر "ہندی فلسفہ" کے صحیح خط و خال کو آپ نے میرے سامنے نمایاں کر دیا۔ ابھی دو جلدیں باقی ہیں ان کو بھی ان شاء اللہ پڑھوں گا۔

اس سلسلہ میں ایک بات عرض کرنی ہے آپ کو کچھ بھی فرصت اگر مل جائے تو بڑی مہربانی ہو گی اگر میرے ان دو سوالوں کا جواب عنایت فرمائیں:

(۱) شری شنکر آچاریہ کے دادا "استاد گوڑپاد" کا وطن کہاں تھا اور تعلیم انہوں نے کہاں پائی تھی۔ اس کتاب سے اس کا پتہ نہ چلا البتہ شنکر کے استاذ گوبند کے متعلق اتنا لکھا ہے کہ نربدا ندی کے کنارے کسی غار میں رہتے تھے۔

بہر حال مجھے گوڑپاد کے حالات کی جستجو ہے کیا ان کے متعلق کچھ معلومات آپ فراہم فرما سکتے ہیں؟

گپتا صاحب نے چند موقعوں پر اس کو دہرایا ہے کہ لوگوں کو گوڑپاد پر بدھسٹ ہونے کا شبہ تھا۔

(۲) شری شنکر آچاریہ کی شرح گوڑپاد کی کاریکا کے خاتمہ سے گپتا صاحب نے ایک عبارت نقل کی ہے۔

وہ اپنے بڑے گرو کے قدموں پر سر رکھ کر اس کی تعریف کرتا ہے جو اس کی تعریف و توصیف کا مستحق ہے جس نے دیکھا۔

"دوبارہ پیدائش کے مگرمچھوں کے خوف سے لوگ سمندر میں ڈوب رہے ہیں۔" (ص ۱۳)

گپتا صاحب نے حاشیہ میں گوڑپاد کاریکا بھاشیہ آنند آشرم اڈیشن صفحہ ۲۱۴ کا حوالہ دیا ہے۔ جناب کیا اتنی تکلیف میری طرف سے فرما سکتے ہیں کہ خود سنسکرت میں ان خط کشیدہ الفاظ کی تعبیر کن لفظوں سے کی گئی ہے اور ان اصلی الفاظ کی تفسیر میں کچھ اور پہلو بھی لغت کی مدد سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ میری سمجھ میں "پیدائش" کا مفہوم واضح شکلوں میں نہیں آیا۔ "پیدائش" سنسکرت کے کس لفظ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ بظاہر اشارہ "آواگون" کے چکر کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ سنسکرت کے الفاظ میں اور گنجائش بھی کیا نکل سکتی ہیں۔

بہر حال میں آپ کی عدیم الفرصتی سے واقف ہوں۔ نیز اس کی بھی توقع پوری نہیں کہ گوڑپاد کی کتاب کی یہ شرح اصل سنسکرت زبان میں حیدر آباد میں مل بھی سکتی ہے یا نہیں؟ کیا جامعہ میں اس کا نسخہ نہیں منگایا گیا ہے۔ یہ کتاب تو چھپی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

آپ کا بے حد ممنون و دعاگو: مناظر احسن گیلانی

(۱۴)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مکرم و مخدوم ہاشمی صاحب!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ تقریباً ایک مہینے سے آپ کی تقریر مطبوعہ "دار العلوم" کے حالات پر جو چھپ چکی ہے۔ تلاش کر رہا ہوں باوجودیکہ خود میرے پاس تھی اور کئی کتابوں کے ساتھ میں نے اس کو مجلد بھی کرا لیا تھا لیکن پوری کتاب ہی کوئی

دس پندرہ دن سے محی الدین[1] سلمہٗ کا بھی کوئی خط وغیرہ نہیں آیا ہے۔ شاید تمہارے پاس آیا ہو تو اطلاع دیجیو۔ سکندر[2] سلمہٗ آئے تھے چلے گئے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

---

(۱۲)

بنام مولانا محمد عون صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زبدۃ الکلام العبرہ مولانا محمد عون صاحب انصر کم اللہ فی الدارین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ امید کہ آپ لوگ بعافیت ہوں گے۔ فقیر کی ناسازیٔ مزاج کا حال وہی ہے جس سے مطلع کر چکا ہوں۔

اس وقت آپ کی خدمت میں اپنے ایک حیدر آبادی عزیز اور دوست ڈاکٹر یوسف الدین صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر جامعہ عثمانیہ کو پیش کرنے کی عزت حاصل کر رہا ہوں۔ ان ہی کے ذریعہ سے "الحاوی" کے متعلق فقیر نے دریافت کیا تھا۔ جواب میں دائرۃ المعارف کے ناظم صاحب کی طرف سے الحاوی کے حصہ اولیٰ مطبوعہ کو لائے ہیں انہیں بھیج رہا ہوں۔ مولانا شہاب الدین صاحب دیکھ کر خوش ہوں گے کہ ان کی کتاب یہی نہیں کہ ضائع نہیں ہوئی ہے بلکہ اس سے کام لیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں مناسب ہوگا، ہمارے ڈاکٹر یوسف الدین صاحب کو واسطہ سفیری بنا لیجئے انشاء اللہ ان کی کوشش بار آور ہوگی۔ اپنے اعمام اولوالعظمت والاحترام کی خدمت میں سلام عرض کر دیجئے۔ ثقافت لاہور سے پرچہ نکل رہا ہے۔ جعفر میاں اس کے بھی سرپرست ہیں کیا انہوں نے "اجتہاد مطلق" کے دروازے کو اپنے لئے وا فرما لیا ہے؟

حضرت سجادہ صاحب کی خدمت میں سلام اور طلب دعا کی درخواست ہے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

---

(۱۳)

بنام جناب پروفیسر شیو موہن لعل صاحب ماتھر[3]

کرم فرمائے فقیر جناب پروفیسر شیو موہن لعل صاحب!

پرسوں خاکسار کتب خانہ میں ایک ایسی کتاب سے مسرور ہوا کہ زندگی کی چند خاص مسرتوں میں اس کو شمار کروں گا یعنی آپ کی زیر ترجمہ کتاب "تاریخ فلسفہ ہندی" کی جلدوں پر نظر پڑی۔ ایک بیزہ جس کے شوق سے بہ زمانہ سے تڑپ رہا تھا۔ گو اس سلسلہ میں بعض کتابیں میرے مطالعہ سے گذر چکی تھیں لیکن آپ کی کتاب کی بات ہی اور تھی۔ اسی وقت لایا اور کل جمعہ کا سارا دن اس سے پہلے کی رات الغرض سارا وقت جو بھی مل سکا اسی کتاب کے مطالعہ میں صرف ہوا۔ پہلی جلد قریب قریب ختم کر چکا ہوں میں آپ کو ایک

---

[1] مولانا کے صاحبزادے سید محی الدین احسن گیلانی بی۔ اے۔ ایس افسر واہ چھاؤنی، واہ راولپنڈی۔

[2] مکتوب الیہ کے منجھلے بھائی سید سکندر اعظم گیلانی ایم۔ اے (ڈھاکہ)

[3] جامعہ عثمانیہ میں فلسفہ کے استاد تھے۔ اب وظیفہ پر علیحدہ ہو چکے ہیں۔

(۱۶)

بنام نصیر الدین ہاشمی

ذرہ نواز! تحیۃ وسلام! جزاکم اللہ عنا خیر الجزاء۔

ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ ہر عمل کرنے کے لئے بھی ضرورت ہے کہ احسان کی قوت ہو۔ جس کے پاس کچھ نہیں ہے صرف اسی سے جس کے پاس سب کچھ ہے عرض کر سکتا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی محنتوں کو بار آور فرمائے جس دوسری کتاب کا آپ نے حوالہ دیا ہے میں نے غالباً اس کے قلمی مسودے کا مطالعہ کسی صاحب کے دکھانے سے کیا تھا مگر اس کا علم نہ تھا کہ کتاب طبع ہو گئی ہے۔ معلوم نہیں کہاں ملتی ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں خدا جانے اس کا کوئی نسخہ آیا ہے یا نہیں آیا ہے۔ اگر آ گیا تو دیکھ لوں گا ورنہ آپ سے دریافت کر کے دو نسخے منگواؤں گا۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

آپ کی نظر سے خاکسار کی کتاب "تعلیم و تربیت" گذری ہے یا نہیں۔ افسوس ہے کہ اس کا کوئی زائد نسخہ میرے پاس نہیں ہے۔ صرف ایک نسخہ جسے اشاعت ثانی کے لئے تیار کر رہا ہوں۔ دلی سے منگوا تا ہوں بھیج دوں گا۔ انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں آپ کی کتاب سے معلومات کا اضافہ اس میں کروں گا۔ جنوبی ہند کی چیزیں اس وقت بہت کم ملیں لیکن کچھ چیزوں کا ذکر اس میں کیا گیا ہے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

صاحب لے گئے ۔ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں بھی نہیں ملی ۔ مجبوراً آپ کو لکھ رہا ہوں ۔ اگر اس کا کوئی نسخہ آپ کے پاس موجود ہو، زائد ہو تو ہدیتہً اور زائد نہ ہو تو چند دن کے لئے عاریتہً بھیج دیجئے ۔ بھیجنے کی شکل یہ آسان ہوگی ۔ آپ کے اردگرد یا آپ کے خاندان کے بچوں میں کوئی لڑکا جامعہ میں پڑھتے ہوں گے ۔ ان کے حوالے کر دیجئے مجھے اس کی سخت ضرورت پیش آگئی ہے جس طرح ممکن ہو، کسی طرح اس تقریر کو مجھ تک پہنچانے کی کوشش کر کے مجھے مرہونِ منت فرمائیے ۔ فقط !

نیاز مند قدیم : مناظر احسن گیلانی

(۱۵)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مخدوم و محترم !

وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔ آپ سے فقیر نے تو صرف یہ دریافت کیا تھا کہ آپ کی یہ کتاب کہاں ملے گی، تاکہ جامعہ کے کتب خانے کے لئے اور [۵] کے لئے دو نسخوں کا آرڈر دے دوں ۔ اگر اس کی طباعت کا مجھے پہلے علم ہو جاتا تو خواہ اور کوئی قدر کرے یا نہ کرے خاکسار آپ کی علمی دیدہ ریزیوں کا صرف قدردان ہی نہیں ہے بلکہ آپ کو ان چند مخصوص مصنفین میں خیال کرتا ہے جو خاموشی کے ساتھ مفید اور پُر مواد کتابوں کی تیاری میں مصروف ہیں ۔ آپ کے احسانات سے اُردو زبان سبکدوش نہیں ہو سکتی ۔ دکن کی اُردو کے آپ ہی ابوالآبا یا ہیروڈوٹس ہیں ۔ گو بعد کو لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے لیکن .... کا اجر آپ ہی کے لئے مختص رہے گا ۔ اردو زبان کی تاریخ کا لکھنے والا آپ کی محنتوں کے ثمرات اور نتائج سے بے نیاز ہو کر میں تو نہیں سمجھتا کہ اپنی کتاب کو صحیح معنوں میں مکمل کر سکتا ہے ۔ اب آپ نے "دکن کے علم" کی طرف توجہ کی ہے ۔ تجربہ آپ کو ہوا ہوگا کہ یہ کتنا دشوار کام ہے ۔ مجھ سے بعض لوگوں نے شکایت کی کہ اپنی کتاب میں دکن کے لئے تو نے بہت کم جگہ رکھی ۔ پہلی بات تو یہی ہے کہ سوچ کر کے اور پہلے سے ارادہ کر کے یہ کتاب لکھی ہی نہیں گئی اچانک ٹپک پڑی ۔ میں نے دیباچے میں جو لکھا ہے کہ اکیس بائیس دن کی محنت ہے ۔ یہ شاعری نہیں واقعہ ہے ۔ اس پر بھی ابتدا سے آخر تک دکن کے ساحل کو میری کتاب مسلسل چھوتی چلی گئی ہے میں نے اس کتاب میں دعویٰ کیا ہے کہ سب سے پہلا دار الحدیث ہندوستان میں دکن ہی میں قائم ہوا ۔ سب سے پہلے علم حدیث کی سرپرستی شاہانِ بہمنیہ ہی نے کی ۔ افضل الدولہ بہادر، مولانا عبدالنبی احمد نگری، مولانا انوار اللہ خان وغیرہ کے متعلق تو مجھے بعض ایسی باتیں ملیں کہ اگر وہ نہ ملتیں تو میرا دعویٰ دلیل ہی سے مفلس رہ جاتا ۔

آپ محنت کئے چلے جائیے پچھلی نسلوں کے قلب میں گذشتہ نسلوں کی بے وقعتی کا بیج شعوری غیر شعوری طور پر موجودہ طرزِ تعلیم نے بو دیا ہے ۔ میں اس کو صرف علمی ہی نہیں بلکہ دینی کام سمجھتا ہوں ۔ اگر اس غلط جذبہ کا واقعات کی روشنی میں ازالہ کیا جائے ۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی تائید روح القدس سے فرمائے ۔ مقصد ہمیشہ اپنے سامنے ایسا رکھئے جس کے نتائج دنیا سے زیادہ آخرت میں آپ کے سامنے آئیں ۔

نیاز مند :

مناظر احسن گیلانی

---

۵ یہاں کا لفظ پڑھا نہیں گیا

رہا آپ احباب کی یہ کوشش کہ مجھے علی گڈھ دوبارہ بلائیں مجھے اس کی کامیابی میں شبہ ہے۔ خداوندان یونیورسٹی

ع ملاتے ہیں اُسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے۔

آپ کا چاہنے والا: سجاد۔ ہردوئی۔ ستمبر ۲۹ء

(۳)

بنام جلیل قدوائی

ڈیر جلیل

یہ تو آپ سن ہی چکے ہوں گے کہ میں نے پھر ہندوستان چھوڑ دیا۔ دو برس کے لئے جلاوطنی اختیار کر لی۔
یہاں فرصت ہے اور تنہائی۔ اس لئے کبھی کبھی شعر بھی کہہ لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں پہنچ کر جو کچھ لکھا ہے اس میں سے کچھ پیش کرتا ہوں۔

قید خود اختیاری

ہوں مبارک دوستو دنیا کی تم کو وسعتیں!
میری قسمت میں فقط ایک تنگ زنداں رہ گیا
ہم کو کیا محو خود ہوں محو گل گشت چمن
چل دیئے اہل جنوں خالی بیاباں رہ گیا

انڈمن کا جزیرہ بہت بدنام ہے مگر یہاں عیش بھی ہے۔ کالے آدمیوں کے لئے نہیں جن کی قسمت میں محنت و مشقت کے سوا کچھ نہیں۔ انگریزوں کے لئے۔ ان کی الگ آبادی ہے۔ بنگلے ہیں۔ سبزہ ہے کلب ہے۔ جس میں میمیں اور انگریز ہر طرف نظر آتے ہیں مگر ہندوستانی نہیں۔ ہاں میں اس کلب میں شامل کر لیا گیا ہوں۔ مگر چونکہ نہ ناچنا آتا ہے نہ پینا اُلّو کی طرح بیٹھا رہتا ہوں۔ اس پر ایک شعر کہا ہے

واہ کس کے واسطے تو ہو گیا عشرت کدہ
انڈمن کیوں ہند کا منحوس زنداں ہو گیا

میری سستی دیکھئے اب تک یونیورسٹی سے امتحان کا معاوضہ اور سفر خرچ میں نے وصول نہیں کیا اور اب مجھے تاریخیں بھی یاد نہیں۔ میں نے عظمت الٰہی کو لکھا ہے۔ میرا ٹی اے بل اور نیز زبانی امتحان کے معاوضہ کا بل VIVA VOCE EXAMINATON REMUNERATION BILL بنا کر بھیج دیجئے۔ نہایت ممنون ہوں گا۔ ایک میٹنگ اردو ڈپارٹمنٹ کی اٹینڈ ATTEND کی تھی اور دوسری مرتبہ VIVA VOCE کے لئے علی گڈھ گیا تھا۔ تاریخیں وغیرہ آپ وہاں دیکھ کر معلوم کر لیجئے گا۔

سجّاد حیدر یلدرم

بنام جلیلؔ قدوائی

ذیر جلیل

ابھی خواجہ سرور آئے تھے۔ میں نے ان کے ساتھ کل موٹر سے لکھنؤ جانے کا وعدہ کر لیا ہے۔ لیکن سوچتا ہوں وہاں سے واپس آکر دوسرے ہی دن مجھے اکیڈمی کے جلسے میں الہ آباد بھی جانا ہے اور اتنی بڑی مسافت میرے لئے واقعتاً تکلیف دہ ہو جائے گی۔ آپ ان سے کہئے کہ اگر اس سفر میں مجھے ہمراہ نہ لے چلیں تو حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی!

خاکسار: سجاد

(۲)

بنام جلیلؔ قدوائی

ڈیر جلیل۔ سلام مسنون!

آپ سے رخصت ہو کر بخیریت ہردوائی پہونچا:

"پھر وہی کنج قفس اور وہی صیّاد کا گھر"

اب کی کا سفر علی گڑھ "نون تیل لکڑی" کی نظر ہو گیا اور کسی سے نہ مل سکا۔ جب یہاں سے چلا تھا یہ سوچ کر چلا تھا کہ اور کسی سے ملوں یا نہ ملوں، آپ سے ضرور ملوں گا۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ آرزو پوری ہوئی اور آپ نے اس قدر مہربانی فرمائی کہ مسز جلیل سے بھی مجھے ملا دیا۔ میں ان کی صفات و اخلاق کا بہت اچھا اثر لے کر آیا ہوں۔ خدا کرے آپ کی توقعات ان سے پوری ہوں۔ علی گڑھ میں مسز سجاد سے اکثر آپ کی نسبت گفتگو رہتی تھی اور باوجودیکہ وہ آپ کے بعض دوستوں کے سامنے آتی تھیں وہ آپ کے سامنے اس خیال سے نہیں آتیں کہ آپ بے پردگی کو معیوب سمجھیں گے مگر افسوس آپ نے اس نظریہ کو اس وقت غلط ثابت کیا جب مسز سجاد علی گڑھ میں نہیں ہیں۔ مسز جلیل کو میرا سلام اور اس سے زیادہ دعائیں کہئے۔

میری تسلیم مسز جلیل [illegible] ت میں عرض کر دیجیے گا۔ مسز سجاد بھی آپ کو اور مسز جلیل کو سلام کہتی ہیں۔

خاکسار: سجاد پورٹ بلیر۔ انڈمان ۹-۲-۱۹۳۱ء

یہ تینوں شعر علی گڑھ [illegible] ین کے ایڈیٹر صاحب کو دے دیجیے گا۔ اگر پسند کریں تو میگزین میں شائع کر دیں۔

سجّاد

(۵)

بنام جلیل قدوائی

[illegible]ی ڈیر جلیل

عنایت نامہ کا شکریہ۔ میں یہاں پہنچ تو گیا ہوں مگر ابھی پوری طرح یکسو نہیں ہوا۔ مکان کی بہت دقت ہے۔ ایک بنگلہ ملا جس میں ایک اور [illegible]ب آدھے کے شریک ہیں بلکہ شریک غالب۔

علی گڑھ سے غازی پور اس قدر دور ہے کہ تین دن کی چھٹی سے کم میں علی گڑھ آنا جانا اور وہاں کسی میٹنگ میں شریک ہونا نہیں ہو سکتا۔ [illegible]لئے مجھے خوف ہے کہ کورٹ کی میٹنگ میں بھی شریک نہ ہو سکوں گا۔ اگرچہ میں کوشش کروں گا کہ شریک ہو سکوں۔ اگر [illegible] کی میٹنگ میں شریک ہوا تو دوسرے روز یعنی دوشنبہ کو یہاں نہیں پہنچ سکتا۔

[illegible] احمد صاحب مراد کو میں نے اطلاع دے دی تھی کہ اولڈ بوائز ڈنر میں بھی نہیں آسکتا۔ بال بچوں کو لئے بلے ٹھکانے ڈاک بنگلے میں پڑا تھا۔ غرض کہ گو ہندوستان آ گیا مگر علی گڑھ سے دور ہی رہا۔

ع آکے منزل کے قریب وارد منزل نہ ہوئے

[illegible]ی ولادت کی خبر سے بیحد خوشی ہوئی۔ خدا اسے پروان چڑھائے اور آپ اس کی سینکڑوں خوشیاں دیکھیں۔ میں دس روپے سے زیادہ نکال سکتا تو خوشی کا لتا۔ میں بہت جلد Long Furlough Preparatory To [illegible]ment (سبکدوش ہونے سے پیشتر طبی فرلو) لینے والا ہوں۔ غالباً ایک سال کے بعد فرلو لے لوں گا اس وقت تنخواہ آدھی رہ جائے گی۔ ذمہ داریاں یہی قائم رہیں گی۔ میں تو ہندوستان چھوڑ کر قسطنطنیہ جانا چاہتا ہوں۔

خاکسار: سجاد گورکھپور (یو۔پی) ۱۴-۱۱-۱۹۳۱ء

(۶)

بنام جلیل قدوائی

مائی ڈیر جلیل

آپ کا عنایت نامہ ملا تھا۔ جواب میں تاخیر ہوتی معاف کیجیے۔ میں جس تاریخ سے کہیے آپ کو روپیہ بھیجنا شروع کر دوں۔

ہاں وہ نظم "آج تو مائل مقصود ہوا خوب ہوا" جو سیدین صاحب کی شادی پر لکھی تھی علی گڑھ میگزین میں چھپی ہے۔ اس کی ایک کاپی مجھے بھجوا دیں۔

نذر سجاد نے "نیرنگ خیال" میں جو کچھ شائع کرایا وہ اضطراری طور پر تھا۔ مجھے شرمندگی کی ضرورت نہیں۔ ہاں بہتر ہوتا اگر وہ نظم چھپنے سے پہلے کسی کو دکھائی گئی ہوتی۔ کم سے کم آپ کو دکھائی گئی ہوتی۔

آپ لوگوں کا خیال اور تذکرہ ہر وقت رہتا ہے۔ اس پر کہا ہے۔

سیدین و سرور و قدوائی کا ذکر و خیال

درد بھی یہ ہو گیا اور یہ ہی درمان ہو گیا

مسز جلیل کی خدمت میں آداب؛

خاکسار: سجاد پورٹ بلیر۔ انڈمان ۲۱-۷-۳۰ء ۱۹

(۴)

بنام جلیل قدوائی

مائی ڈیر جلیل

آپ کا محبت نامہ ملا۔ مدت کے بعد آپ کی تحریر دیکھ کر بےحد خوشی حاصل ہوئی۔

میں خود آپ کی موجودہ نوکری سے مطمئن نہیں ہوں۔ مگر آپ کو یہ مدنظر رکھنا چاہیئے کہ یہ نوکری اس اصول پر کی گئی تھی کہ "خالی سے بیگار بھلی" ظاہر ہے کہ آپ تمام عمر اس نوکری پر بسر نہیں کر سکتے۔ لیکن جو تجویز آپ نے لکھی ہے وہ ایسی نہیں ہے کہ آپ اس پر فوراً عمل پیرا ہو جائیں۔ آپ نے جن ذمہ داریوں کی تفصیل لکھی ہے میری رائے میں وہی آپ کو موجودہ نوکری سے دست بردار ہونے سے روکنے کے لئے کافی ہیں فرض کیا کہ آپ نے موجودہ نوکری چھوڑ کر دو سال میں ایم اے (اردو) کر لیا۔ اس کے بعد کیا یہ یقین ہے کہ آپ کو ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں فوراً نوکری مل جائے گی آج کل کی کشمکش کا اندازہ کر کے تو یہ خیال کرنا کچھ غلط اندازہ نہیں کہ آپ کو از سر نو تگ و دو جد و جہد کرنی ہوگی جو بی اے پاس کرنے کے بعد کرنی پڑی تھی، اور پھر نتیجہ متیقن نہیں۔ میری رائے میں آپ موجودہ Appointment کو ہرگز نہ چھوڑیں (میں نہیں کہتا کہ آپ اس پر قانع رہیں) اگر کسی طرح سے یہ ممکن ہو کہ آپ اپنے عہدہ کا کام بھی کرتے رہیں اور بی ٹی میں داخل ہو سکیں تو یہ کیجئے۔ ورنہ تیا مار کے محنت کر کے ایل ایل بی پاس کیجئے۔ اور نوکریوں کے لئے بھی کوشاں رہیئے اور اگر آپ کسی حال اور کسی صورت میں اپنے اس ارادہ سے باز نہیں آ سکتے تو میرے نام دس روپیہ ماہوار لکھ دیجئے۔ بہرحال آپ جولائی میں داخل ہونا چاہتے ہیں اس سے قبل میں ان شاء اللہ واپس آ جاؤں گا اور بالمشافہ آپ سے بحث کروں گا۔

خواجہ سیدین اور خواجہ منظور کے متعلق خوشخبری سن کر دو تین شعر بے ساختہ قلم سے نکل گئے ہیں اور ملفوف ہیں۔ انہیں پہنچا دیجئے گا۔

میرے بھائی سید وحید الدین حیدر اناؤ میں سول سرجن ہیں، امید ہے آپ ان سے ملے ہوں گے۔

خاکسار: سید سجاد حیدر غازی پور ۴-۶-۳۱ء

(۷)

بنام جلیل قدوائی

مائی ڈیر جلیل

چونکہ مہینوں آپ نے اپنی کامیابی کی خوشخبری کی مجھے اطلاع نہیں دی تھی اس لئے جب مدتوں کے بعد آپ کا خط آیا تو میں نے بھی چپ سادھ لی۔

آپ کا اردو میں ایم اے ہونا آپ کے لئے کوئی ایسی بات نہیں جس کی مبارکباد دی جاتے ہاں الہ آباد یونیورسٹی کے لئے قابل مبارک ہے کہ اس کے ان سے شاید پہلا (حقیقی معنوں میں) اردو اسکالر ایم اے ہوا ہے۔ یہ خط میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ آپ کو اطلاع دوں کہ میں خدا خدا کر کے غازی پور سے چھٹکارا حاصل کر رہا ہوں۔

۲۴ دسمبر ۱۹۳۳ء سے آٹھ مہینے کی چھٹی پر جا رہا ہوں۔ فلسطین۔ شام۔ ٹرکی کی سیاحت مد نظر ہے۔ خدا پوری کرے روانہ ہونے سے قبل آپ لوگوں سے ملنے علی گڑھ بھی آؤں گا۔

خواجہ منظور صاحب اور خواجہ غلام السیدین صاحب سے میرا سلام کہہ دیجئے گا۔ مسز جلیل کی خدمت میں آداب۔

خاکسار: سید سجاد حیدر غازی پور (یو۔ پی) ۱۳-۱۲-۳۳ء

(۸)

بنام جلیل قدوائی

مائی ڈیر جلیل

عنایت نامے کا شکریہ۔ جواب دیر میں دینے کی معذرت نہیں کرتا۔ اس لئے کہ آپ کا خط بھی دیر میں آیا تھا۔

جن Liabilities کا ادا کرنا زیادہ ضروری ہے بے شک انہیں پہلے ادا کرنا چاہئے۔ میرے لئے جلدی نہ کیجئے۔

میں کورٹ کی میٹنگ میں آنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ان شاء اللہ اس وقت ملاقات ہوگی۔

خاکسار: سجاد، اٹاوہ - ۲۱-۱۱-۳۴ء

نبی امیؐ

سیرت رسول پر مستند اور
کارآمد کتاب جسے سوانح نگاری
کے امام عمر ابوالنصر نے پیش
کر کے عربی داں طبقہ میں
فضیلت کی منزلیں طے کر لیں۔
اب اسے شیخ محمد احمد پانی پتی
نے اُردو کے قالب میں ڈھال
کر اُردو ادب کو ایک غیر
فانی کتاب دے دی اس کا
ایک ایک فقرہ عشق رسول میں
ڈوب کر لکھا گیا ہے۔

قیمت پانچ روپے

●

صاحب

مدیر نقوش کے اسکیچوں کا
مجموعہ

اس کتاب میں مشہور ادیبوں
پر بڑے ھی معرکے کے شخصی
مضامین ھیں۔ اب تک اس
انداز کے کسی نے بھی مضامین
نہیں لکھے۔ یہی وجہ ہے
کہ اسے قبول عام کی سند بھی
حاصل ہے اور مشہور نقادوں
نے بھی اس کتاب کو
بے حد سراھا ہے۔

قیمت تین روپے

ادارۂ فروغ اردو - لاہور